عِفت سحر طاہر

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے تو سفینہ ناشتے کے لیے موجود تھیں۔

"واہ! بڑی خوشبوئیں لگا رہے ہو آج کل۔" سفینہ نے فضا میں سونگھتے ہوئے لطیف سا طنز کیا تو وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے ٹھٹک سے گئے۔

"تمہیں اچھی نہیں لگ رہیں تو چھوڑ دیتا ہوں۔" چشمہ اور موبائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا انداز ہمیشہ کی طرح دوستانہ ہی رکھا۔

"خیر! ایسی بھی کوئی خوش فہمی نہیں مجھے کہ میری خاطر تم کچھ چھوڑتے پھرو گے۔"

ان کے آگے آملیٹ کی پلیٹ کھسکاتے ہوئے وہ دوسری پلیٹ میں توس رکھنے لگیں۔ امتیاز احمد کو معلوم تھا یہ دھواں سا "کہاں" سے اٹھ رہا ہے۔

"کمال کرتی ہو سفینہ بیگم! میں کون سا "چار" کر کے بیٹھا ہوں۔ جنہیں چھوڑ کے تمہیں خوش کرنے کی کوشش کر سکوں۔" انہوں نے ناشتا شروع کرتے ہوئے نیم مزاحیہ انداز میں کہا۔

"ہونہہ! یہاں تو ایک ہی دل پہ بہت بھاری ہے۔" سفینہ نے جل کر کہا۔ تو وہ توجہ دیے بغیر اپنے لیے کپ میں چائے نکالنے لگے۔

سفینہ کا دل اور جلا۔

اور ایسا ہمیشہ اسی وقت ہوتا تھا' جب وہ امتیاز احمد سے الجھنا چاہتیں اور وہ یوں ان سے دامن بچاتے جیسے وہ کانٹے دار جھاڑی ہوں۔ ان کی تلملاہٹ بھری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے امتیاز احمد نے خود ہی بات بدل ڈالی۔

"معیز چلا گیا یونیورسٹی؟"

"جگا کے آئی ہوں۔ فریش ہو کے آرہا ہے۔ ایزد اور زارا چلے گئے ہیں کالج۔"

مجبوراً" ہی سہی مگر سفینہ کو بھی اپنا موڈ بحال کرنا پڑا۔ اسی وقت نکھرا نکھرا سا معیز چلا آیا۔ "السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ آج اتنی دیر؟" امتیاز احمد نے نظر بھر کے خوبرو بیٹے کو دیکھا۔

"جی ابو! پہلے دو پیریڈز فری تھے۔ سرہا آ، امی کیا جائے۔"

وہ مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر امتیاز احمد کو احساس ہوا' معیز ان کا سب سے چلبلا اور حاضر جواب بیٹا ہوا کرتا تھا' مگر اب ایک عجیب سی سنجیدگی اوڑھ لیا دیا سا' انداز اس کی پہچان بنتا جا رہا تھا۔

"ہوں۔ اچھا کیا۔" انہوں نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

سفینہ نے جوس کا گلاس بھر کے معیز کے سامنے رکھا۔ اسی وقت امتیاز احمد کا موبائل بجنے لگا۔

"ٹھیک سے ناشتا کرو معیز! ضروری نہیں کہ یونیورسٹی جا کے الم غلم سے پیٹ بھرا جائے۔" سفینہ بیٹے کو ٹوک رہی تھیں۔

"ہوں۔ اچھا۔" امتیاز احمد مبہم سے انداز میں فون پہ بات کر رہے تھے۔

"کتنے چاہئیں؟" ان کا لہجہ دھیما پڑا تو سفینہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اچھا کب تک؟" امتیاز احمد انہیں متوجہ ہوتے دیکھ کر اٹھ گئے۔ موبائل ان کے کان سے لگا ہوا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹ گئے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں پہنچا دوں گا تم فکر مت کرو۔" وہ دھیمی آواز میں کہتے دور چلے گئے تھے۔

"دیکھا تم نے کن ہواؤں میں اڑ رہے ہیں۔" دانت پیستے ہوئے سفینہ نے کہا تو معیز چونکا۔

"جی ماما! کون اڑ رہا ہے؟"

"یہی۔ تمہارا باپ اور کون۔۔۔ کئی دفعہ ایسے ہی خفیہ فون آتے ہیں دن میں۔"

وہ تلملا رہی تھیں۔ معیز نے ایک سلگتی نگاہ ادھر ڈالی' جدھر امتیاز احمد گئے تھے۔ وہ کیا ناواقف تھا باپ کی اس ادا سے۔۔۔ ہرگز نہیں۔

یہ وہ فون کال تھی' جو وہ اس کی ماں کے سامنے سننے کی ہمت نہیں رکھتے تھے' مگر جسے سننے سے وہ بھی انہیں روک نہیں سکتا تھا۔

"کم آن ماما! ایسے کوئی خفیہ والوں سے تعلقات نہیں ہیں ان کے۔" معیز نے سرا سر انہیں بہلایا۔

"لکھ کے رکھ لو تم معیز! تمہارا باپ ابھی تک اس حرافہ سے رابطے میں ہو گا۔ دنیا چھوڑ دے اسے۔ یہ بھی نہیں چھوڑے گا۔"

اس موضوع پر سفینہ حد سے زیادہ زہریلی ہو جاتی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ سالوں پہلے وہ قصہ ابو نے اپنے ہاتھوں' اپنی مرضی سے ختم کیا تھا۔ پھر بھی آپ کو یقین نہیں آیا۔" وہ جھنجلا سا گیا۔

"مگر یہ مت بھولو کہ وہ مجبور ہو گیا تھا اس قصے کو ختم کرنے کے لیے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ کچھ آنے والا نہیں تھا۔ میں تو مجبوری کا سودا ہوں اس شخص کے لیے۔"

سفینہ نے اولاد سے کبھی ماضی کا ایک لفظ نہ چھپایا تھا۔ کیوں کہ یہ ان کے باپ کا ماضی تھا۔ اپنا ہوتا تو یقیناً" چھپاتیں۔ امتیاز احمد لوٹ آئے۔

"آفس سے فون تھا۔" ان کی وضاحت قطعی غیر ضروری تھی۔

"تو یہیں بیٹھ کے سن لیتے۔ یہاں کون سا پابندی ہے آفس کے متعلق بات کرنے پر۔ تم تو یوں اٹھ کے کونے میں گئے جیسے پرانی محبوبہ نے فون کر دیا ہو۔" سفینہ کی زبان کے آگے کھائی تھی۔ اب کی بار امتیاز احمد کو بھی برا لگا۔

"سوچ سمجھ کے بات کیا کرو سفینہ! چھوٹے چھوٹے لفظوں کی پکڑ بہت سخت ہوا کرتی ہے۔" پھر وہ انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر معیز کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تم فارغ ہو چکے تو مجھے ذرا بینک لے چلو۔ پھر آفس چھوڑ دینا۔" ان کی گاڑی ورکشاپ میں تھی اور آج کل ان کے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری معیز پر ہی تھی۔

"جی چلیے۔" وہ فوراً" ہی اٹھ گیا۔ اس موضوع نے اس کی طبیعت بھی اچھی خاصی مکدر کر دی تھی۔ جانے اس موضوع کے ساتھ معیز احمد کے کیسے تار جڑے تھے کہ اس کی سوچیں مرتعش ہو جاتیں اور وہ خود کو بہت تنہا اور بے بس پاتا۔

"ہونہہ! آفس کا فون۔ ابھی میں موبائل چیک کرتی تو پول کھل جاتی جناب کی۔ جوان اولاد کا لحاظ کیا میں نے ورنہ۔۔۔" سفینہ کا غصہ ان کے جانے کے بعد بھی ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ امتیاز احمد نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر تاسف سے بولے۔

"اپنی ماں کو کیوں نہیں سمجھاتے۔ خواہ مخواہ اپنا بی پی شوٹ کرتی رہتی ہے۔"

"ان کے سامنے جب "خفیہ" فون آئیں گے تو ان کا بی پی لازمی شوٹ کرے گا۔" معیز کا انداز خفگی سے بھرا تھا۔

"تم بھی۔۔۔؟" امتیاز احمد کو برا لگا۔

"کیا ابو! خواہ مخواہ کا درد سر پال رکھا ہے آپ نے۔ کیوں اپنی پرسنل لائف خراب کر رہے ہیں۔ یاد کریں ماما کا رویہ تب سے اتنا پوزیسیو ہوا ہے جب سے ان کالز کا سلسلہ چلا ہے۔" معیز نے انہیں یاد دلایا۔ وہ چند لمحے خاموش رہے۔ پھر بڑے سرسری انداز میں پوچھنے لگے۔

"تم بتاؤ۔ تم نے اپنے فیوچر کے متعلق کیا سوچا ہے؟" معیز نے بے اختیار باپ کا چہرہ دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہے تھے۔ معیز ان کے سوال کی گہرائی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ تب ہی سامنے متوجہ ہوتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔

"میں اپنی زندگی اپنی ترجیحات کے مطابق گزارنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر اس میں میری کوئی خواہش بھی شامل ہو جائے تو۔۔۔؟"

ان کے لب و لہجے میں ایک آس ایک امید سی اتر آئی تھی' جسے محسوس کرتے ہوئے معیز احمد کا دل ویسے ہی تکلیف سے کھلنے لگا جیسے آج سے تین سال پہلے۔ اس نے سر جھٹکا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ آپ کی خواہش کا بوجھ ہی ڈھو رہا ہوں میں۔" اس "یاد" نے حسب معمول اسے تلخ کر دیا تھا۔

"اگر تم چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو معیز! اگر ایک قدم میں نے اٹھایا ہے تو دوسرا تم اٹھاؤ۔" انہوں نے بدستور مصالحانہ انداز اپنا رکھا تھا۔

"میں وہ قدم اٹھا چکا ابو! مگر اب بس اور کچھ نہیں۔ میں اس راہ پر چلنا ہی نہیں چاہتا۔ اپنی زندگی کے لیے میں اپنے دل و دماغ کی تمام تر رضامندی کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے سلگتے ہوئے قطعی انداز میں جواب دیا۔ امتیاز احمد نے لب بھینچے۔ معیز نے بینک کے سامنے گاڑی روکی۔

"یہ ٹاپک مجھے ٹینشن کے علاوہ اور کچھ نہیں دیتا ابو! ماما کے سامنے میں خود کو چور سا محسوس کرتا ہوں کیوں کہ اس راز میں، میں آپ کا شریک ہوں۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ قدرے رکا اور پھر تلخی سے بولا۔

"بلکہ اس گناہ میں بھی۔ جسے کرنے کی اجازت ماما زندگی بھر نہ دیتیں۔"

"تم محض جذباتی ہو رہے ہو معیز! ابھی "اس" سے ملو گے تو یقین کرو میرے فیصلے کو بہترین پاؤ گے۔" وہ گاڑی سے اترتے ہوئے رسانیت سے بولے۔ معیز نے سلگتی نگاہوں سے انہیں بینک میں داخل ہوتے دیکھا۔

"ہونہہ! بہترین فیصلہ۔ جس کا تاوان تین سال سے موٹی موٹی رقموں کی صورت بھر رہے ہیں۔ آپ" اس کی رگ رگ میں وحشت سی بھرنے لگی تو پراگندہ سوچوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے گاڑی میں پرشور میوزک لگا لیا اور سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند کر خود کو پرسکون کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼
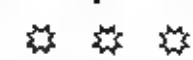
"کیا بات ہے۔ کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟" دھپ سے اس کے پاس گھاس کے قطعے پر بیٹھتے ہوئے حنا نے کچھ اس قدر اچانک آ کے پوچھا کہ وہ پل بھر کو گڑبڑا سی گئی لیکن پھر جلدی سے خود کو سنبھالا۔

"اتنی جلدی پیریڈ ختم ہو گیا؟" اس نے بات بدلنا چاہی مگر حنا بیوقوف ہرگز نہ تھی۔

"محترمہ! آدھے گھنٹے کا پیریڈ تھا اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جب میں گئی تھی، تب بھی تم اسی پوزیشن میں بیٹھی تھیں اور اب جب آئی ہوں تب بھی ویسے ہی بیٹھی ہو۔ مسئلہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں یار! بتایا تو تھا۔ سر میں درد ہے۔ تب ہی تو کلاس بھی بنک کی ہے میں نے۔" اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے گویا وہاں سے شکستگی کے تاثرات کو مٹانے کی سعی کی۔

"اللہ۔" حنا نے جیسے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پانے کے لیے گردن گھما کر تھوڑی دور لان میں بیٹھے لڑکیوں کے گروپ کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ یوں ہی ساکت و صامت بیٹھی رہی۔ حنا نے چند لمحوں کے بعد اسے گھور کے دیکھا۔

"تمہارا مسئلہ پتا کیا ہے ایبہا! کہ تم ہر پل ایک گم گشتہ سیارہ بنے رہنا چاہتی ہو، جسے ہر وقت کوئی کھوج رہا ہے۔ خود سے مجال ہے، جو ایک لفظ بھی پھوٹ دو۔" وہ خجل سی ہوئی۔

پچھلے تین سال سے وہ دونوں بہترین سہیلیاں تھیں اور ایبہا اسے اتنا جان نہیں پائی تھی، جتنا حنا اسے سمجھ چکی تھی۔

"سمسٹر کی فیس کے لیے پریشان ہو؟" حنا نے یکلخت ہی اتنے تیقن سے پوچھا کہ وہ جو مصمم ارادہ کیے بیٹھی تھی کہ کم از کم حنا کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی، چپ کی چپ رہ گئی۔ چند ثانیوں تک اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد

حنا نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا چھوڑو ان فضول اور فالتوں کے مسائل کو۔ چلو کینٹین میں چل کے گرما گرم سموسے کھاتے ہیں۔ ساتھ میں ٹھنڈی ٹھار بوتل۔" ایبہا نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا، پھر ناراضی سے بولی۔

"مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔ میرے سر میں درد ہے۔"

"ہاں۔ فقط درد ہی درد ہے، اس میں۔ دماغ تو ہے ہی نہیں سرے سے۔" حنا اب طنز پر اتر آئی تو اس کا دل گداز ہونے لگا۔

"گھر فون کیا تھا؟" حنا نے جیسے اس پر ترس کھا کر پوچھا۔

"ہوں۔"

"ہاں۔ کہہ تو رہے تھے کہ پیسے بھجوا دوں گا، مگر کل لاسٹ ڈیٹ ہے فیس جمع کرانے کی بلکہ ہاسٹل کے ڈیوز پے کرنے کی ڈیٹ تو گزر بھی چکی۔"

ایبہا کے لہجے میں محسوس کن تھکن تھی۔

"مجھے ایک بات تو بتاؤ یار! ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے تمہارا یوں ہاسٹل میں رہنا بلکہ ان تین سالوں میں میں نے تمہیں کبھی کبھار ہی گھر جاتے دیکھا ہے، وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے اور بس۔"

اور یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر ایبہا مراد کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ کیا بتاتی کہ جو اس کا باپ ہونے کا دعوے دار تھا، وہ اسے محض چند گھنٹے کے لیے ٹہلانے ہی لے جا سکتا ہے اور بس۔

وہ تو شکر تھا کہ چھٹیوں میں حنا گھر چلی جاتی تھی، ورنہ اسے یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ ان دنوں بھی ایبہا یہیں ہوتی تھی۔ ہاسٹل ویران ہو جاتا۔ وہ تو اللہ مہربان تھا کہ ہاسٹل وارڈن کی رہائش وہیں پر تھی اور وہ اضافی کرایہ وصول کر کے ایبہا کو وہاں رہنے کی اجازت دے دیتی تھی۔

"تو کیا ہوا۔ تمہارا گھر بھی تو اسی شہر میں ہے۔ تم بھی تو ہاسٹل میں رہتی ہو۔" ایبہا نے فی الفور خود کو سنبھالا تھا۔ اپنے ماضی کو ننگا کر کے وہ خود کو بے پردہ نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر اس قدر غلیظ ماضی۔

"میرا مسئلہ اور ہے۔" حنا نے سر جھٹکا۔

"تو بس۔ میرا مسئلہ بھی اور ہی ہے۔ بتایا تو تھا تمہیں۔ سوتیلی ماں مجھے گھر میں قدم نہیں رکھنے دیتی۔" ایبہا نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا اور پھر فوراً ہی بیگ سنبھالتی اٹھ گئی۔

"اچھا چلو۔ آج کینٹین کا بل تمہارے ذمے۔ پیسے آئیں گے تو میں بھی تمہیں عیش کراؤں گی۔"

"کبھی تو مجھ پہ اعتبار کرو گی۔" حنا اسے جتاتے ہوئے اٹھی تھی۔ ایبہا لب بھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"امتیاز احمد! آپ پوچھتے کیوں نہیں معیز سے۔ کیوں اتنا بدلتا جا رہا ہے وہ۔ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھو۔ کہیں کسی لڑکی کے چکر میں تو نہیں۔"

سفینہ نے لان میں بچھی میز پر چائے لا کر رکھتے ہی ذرہ دن حملہ کر دیا تھا۔ اخبار میں گم امتیاز احمد چونکے۔ بے اختیار اخبار بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیسے شک ہوا؟"

"ایک تو یہ کہ وہ تمہارا بیٹا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کی خاموشی اور سنجیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ شادی کا نام لوں تو یوں بدکتا ہے جیسے کسی گناہ کا کام کہہ دیا ہو۔" طنز کرنے سے وہ باز نہ آئی تھیں۔ پھر اپنے خدشات بھی بتا دیے تو

www.paksociety.com

انہوں نے گہری سانس بھری۔

"تم بھی ناسفینہ۔" انہوں نے تاسف سے بیوی کو دیکھا۔

"وہ باب تو کب کا بند ہوچکا بلکہ میں نے اپنے ہاتھوں بند کردیا۔ دل کی مرضی سے تم سے شادی کی مگر تمہیں آج تک یقین نہیں آسکا۔"

"ہاں۔" سفینہ کی صاف گوئی میں ہٹ دھرمی کی جھلک تھی۔

"کیوں کہ مجھے کبھی لگا ہی نہیں کہ وہ باب مکمل طور پر بند ہوا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس تحریر کی جھلک مجھے دکھائی دے ہی جاتی ہے۔"

سفینہ کی بات پر انہوں نے گہری سانس بھر کے جیسے اندر کی کثافت کو کم کیا پھر اخبار لپیٹتے ہوئے میز پر رکھ دیا۔

"اس عمر میں لڑکے یونہی باتوں کو دل پہ لے لیتے ہیں۔ وہ بھی ٹھیک ہوجائے گا۔"

انہوں نے گول مول سا جواب دیا مگر وہ سفینہ امتیاز تھیں۔ جنہوں نے گزرے پچیس برسوں میں ان کا ماضی نہیں بھلایا تھا۔ (اور نہ ہی انہیں بھولنے دیا تھا) تو اپنے لاڈلے بیٹے کے معاملے میں کیسے چوکتیں۔

"اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے شیئر کرے نا۔ پہلے بھی تو ایسے ہی کرتا تھا۔ مگر اب دو تین سالوں سے جیسے اپنے آپ میں سمٹ کے رہ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہوجائے گا آہستہ آہستہ۔" وہ محتاط سے انداز میں کہہ کر چائے پینے لگے۔ سفینہ نے تیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یعنی کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟" امتیاز احمد گڑبڑا سے گئے۔

"یہ میں نے کب کہا۔ میں تو برسبیل تذکرہ بات کررہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کوئی مسئلہ ہو اس کا۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہوجائے گا۔" سفینہ دھیمی پڑگئیں۔

"یونیورسٹی کے بعد چند گھنٹوں کے لیے تمہاری فیکٹری میں بھی تو بیٹھتا ہے کریدنے کی کوشش کرواسے۔"

"ہوں۔ صحیح کہہ رہی ہو۔" وہ فرماں برداری سے بولے۔

کیا کہتے۔ بیٹے کے گزرے سالوں کا ایک ایک پل وہ جانتے تھے۔ ان کی خواہش پر وہ خارزار پر چل پڑا تھا۔ اگر سفینہ جان جاتیں کہ باپ بیٹا کس بات کے ہم راز ہیں تو قیامت سے پہلے ہی شاید اس گھر میں قیامت آجاتی۔

زارا اور ایزد اندر سے کسی بات پہ الجھتے ہوئے چلے آرہے تھے ان دونوں کی توجہ بٹ گئی۔

"ماما! دیکھ رہی ہیں اسے کتنا بگڑ رہا ہے یہ۔ آئندہ میں ابو کے ساتھ کالج جاؤں گی اور انہی کے ساتھ واپس آؤں گی یا پھر بھائی کے ساتھ۔"

وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھی۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ جبکہ ایزد کے ہونٹوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔ امتیاز احمد بے اختیار مسکرادیے۔

"کیوں بھئی۔ کیا معاملہ ہوگیا۔ ہماری چہچہاتی چڑیا اداس کیوں ہے؟ موسم تو بہت اچھا ہے آج پھر موڈ کیوں خراب ہے؟" انہوں نے پیار سے پوچھا تو سفینہ کے دل میں ہمیشہ کی طرح سکون سا بھرتا چلا گیا۔ امتیاز احمد کا اولاد سے محبت کرنا انہیں ہمیشہ اپنے پیروں کی مضبوطی کا احساس دلاتا تھا۔

"ہاں ہاں! پوچھیں اس سے۔ ایک تو اسے پک اینڈ ڈراپ کرو۔ دھوپ میں گھنٹوں کھڑے ہو کے اپنا رنگ جلاؤ اور اسے دیکھیں احسان فراموش۔" ایزد نے کباب اٹھایا۔

"تو کون کہتا ہے آکے وہاں لڑکیوں کو تاڑنے کی ڈیوٹی سرانجام دو۔" زارا تنگی۔

"دیکھا آپ نے۔ نیکی کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں ہے۔" وہ شاکی ہوا مگر اس کی نگاہوں اور انداز سے چھلکتی شرارت

واضح تھی۔

"میں باز آئی ایسی نیکی سے۔" زارا نے دونوں ہاتھ جوڑ کے ماتھے سے لگائے۔

"ایزد! کیوں تنگ کرتے ہو بہن کو۔" سفینہ نے پیار سے بیٹے کو گھر کا۔

"بھری دوپہر میں اپنے کالج سے اس کے کالج تک جاؤ۔ وہاں جلتی دھوپ میں کھڑے ہو کے اس کا انتظار کرو۔ بہن صاحبہ پھر بھی راضی نہیں۔" وہ اپنے کپ میں چائے نکالتا متاسف ہوا۔

"ہاں اور وہ بھی بتاؤ نا۔ جو مجھے آرڈر کر رکھا ہے کہ آدھے گھنٹے سے پہلے کالج گیٹ سے باہر نہ نکلوں۔" زارا تلملائی۔ پھر اس کی شکایت لگانے لگی۔

"درخت سے ٹیک لگا کے ہیرو کا پوز مارے کھڑا رہتا ہے جب تک ساری لڑکیاں چلی نہیں جاتیں۔" امتیاز احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکی جسے بیٹی کی ناراضی کے ڈر سے وہ چھپا گئے۔ البتہ سفینہ نے بیٹے کو گھر کا۔

"ایزد! کیا سن رہی ہوں میں؟؟"

"ظاہر ہے۔ جو آپ کی بیٹی بتائے گی وہی کچھ سنیں گی آپ۔ ہم مردوں کی اس گھر میں کم ہی چلتی ہے۔ کیوں ابو!" وہ بات کو کہیں کا کہیں لے گیا۔ امتیاز احمد ہنس دیے۔

"اب آپ ہی بتائیں ماما! اتنی گرمی میں اتنا فاصلہ طے کر کے روز اسے لینے جاتا ہوں اب دھوپ میں جلنے کا کوئی فائدہ بھی تو ہو۔ چند حسین چہرے دیکھ کر فریش ہونے میں کوئی حرج ہے کیا؟" وہ ڈھٹائی سے بولا تو زارا روہانسی ہونے لگی۔

"دیکھ رہی ہیں آپ۔ کس قدر بے شرم ہے یہ۔ ذرا جو اپنے کرتوت چھپاتا ہو۔" وہ دونوں جڑواں تھے۔ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے مگر دوسرے ہی پل گہرے دوستوں کی مانند ہو جاتے۔

"باطل سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار لے چکا ہے تو امتحاں ہمارا"

ایزد نے بڑے اسٹائل سے شعر پڑھا تھا۔

"افوہ! چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ جاؤ زارا! بھائی کو بلا کے لاؤ۔ اتنے اچھے موسم میں بھی آ کے کمرے میں بند ہو گیا ہے۔" سفینہ نے بات سمیٹی۔

"وہ تو میں چلی ہی جاؤں گی۔" وہ جھٹکے سے اٹھی۔ پھر انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔

"مگر اس مسئلے کا حل مجھے چاہیے۔ دھوم مچی ہوئی ہے وہاں لڑکیوں میں کہ پتا نہیں یہ ہیرو لینے کس کو آتا ہے۔" ایزد کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تعریف کا شکریہ۔" وہ آداب بجا لایا۔ زارا پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔

"کیوں تنگ کرتے ہو اسے۔" سفینہ نے تنبیہی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"اسے شوق ہے تنگ ہونے کا۔ میری تعریفوں سے جیلس ہوتی ہے اور بس۔" وہ لاپروائی سے بولا اور اپنا کباب ختم کرنے لگا۔

زارا دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت ملنے پر معیز کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ شیشے کے آگے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔

"اتنے اچھے موسم میں آپ کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟" زارا مسکرائی۔

"دیکھ تو لیا ہی ہے تم نے اب کیا بتاؤں۔" وہ برش لہرا کر بولا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے اور میرا موڈ خراب۔" زارا نے منہ پھلایا۔ وہ برش رکھ کے پلٹا۔

"کیا ہوا۔ پھر کوئی نئی لڑائی؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئی تو پورے جوش و خروش سے اسے

ایزد کی شکایت لگا رہی تھی۔ اسے زارا کے ساتھ آتے اور پوری توجہ سے بہن کی بات سن کر مسکراتے دیکھ کر سفینہ کا دل مطمئن ہوا۔ وہ معیز کے لیے کپ میں چائے نکالنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

زارا کے لیے ان دنوں ایک بہت اچھا پرپوزل زیر غور تھا۔ رات کے کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تو یہی موضوع زیر بحث تھا۔

"میں تو ہر طرح سے مطمئن ہوں۔ اچھی فیملی ہے۔ لڑکے کے متعلق بھی اچھی رپورٹ ہی ملی ہے۔" امتیاز احمد نے گویا اب گیند سفینہ کے کورٹ میں پھینک دی تو انہوں نے مدد طلب نظروں سے معیز کو دیکھا۔

"اچھے لوگ ہیں ماما! اور پھر سفیر کو تھوڑا بہت تو میں پہلے سے جانتا ہی ہوں۔ بڑی اچھی طبیعت کا بندہ ہے۔" گویا معیز بھی راضی تھا۔

"اور میری طرف سے تو ہاں ہی ہاں ہے۔" ایزد نے ہاتھ اٹھا کر رضامندی دی تو کچن میں برتن دھوتی زارا تلملائی۔

"اس کو تو میں پوچھوں گی۔ بڑا شوق ہے اسے میری شادی کروا کے اپنا راستہ کلیئر کروانے کا۔"

"ابھی تو پڑھ رہی ہے۔" وہ متذبذب تھیں۔ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے جانے بھی نہیں دینا چاہتی تھیں اور بیٹی کی دوری کا خوف بھی لاحق تھا۔

"سال ہی تو رہ گیا ہے ماما! گریجویشن کمپلیٹ ہو جائے تب شادی کر دیجیے گا۔ فی الحال منگنی کی رسم کر لیں۔" معیز نے مشورہ دیا۔

"مسز ریاض تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کو تیار ہیں بیٹا! سفیر کا ارادہ ہے فرانس جانے کا۔ ان کا خیال ہے کہ نکاح کر دیں ہم زارا کا۔"

سفینہ نے نئی بات بتائی تو لمحہ بھر کو سب چپ رہ گئے۔

"فرانس کیا کرنے جا رہا ہے؟" امتیاز احمد کو اچنبھا ہوا۔

"ان کا تو یہاں بہت اچھا بزنس چل رہا ہے۔ باپ ہے تین اور بھائی بھی ہیں ساتھ۔"

"پتا نہیں۔ کوئی ریفریشر کورسز کے لیے جانا چاہتا ہے۔ وہاں ماموں ہوتے ہیں اس کے۔" سفینہ نے بتایا تو امتیاز احمد نے ہنکارہ بھرا۔ "ہوں۔"

"میری تو خواہش تھی کہ معیز اور زارا کی اکٹھی شادی کروں۔" سفینہ نے اچانک ہی اظہار کیا تھا۔ امتیاز احمد نے بے اختیار معیز کو دیکھا، جس کے تاثرات میں فوراً" ہی پتھریلا پن اترنے لگا تھا۔ اپنی بات کہہ کر سفینہ اب منتظر نگاہوں سے معیز کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ذرا سا جھنجلا گیا۔

"میرا یہاں کیا ذکر؟"

"حالانکہ ذکر تو میرا ہونا چاہیے۔ میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے وہ۔" ایزد نے منہ بسورا۔ مگر سفینہ شاید اس بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہی تھیں۔

"کیوں کیا تم شادی نہیں کرو گے کبھی؟"

"فی الحال تو آپ زارا کی شادی پر فوکس کریں۔ میں نے اس معاملے میں ابھی کچھ نہیں سوچا۔" وہاں سے نظر چرا گیا تھا۔

"تو اب سوچ لو۔ دنوں میں لڑکی مل جائے گی میرے شہزادے بیٹے کے لیے۔" سفینہ مسکرائیں اور پیار سے

www.paksociety.com

اسے دیکھا۔ امتیاز احمد کا دل گھبرا سا گیا۔

"صحیح کہہ رہا ہے یہ۔ تم زارا کے متعلق سوچو ابھی۔ اس کی کون سی عمر نکلی جارہی ہے۔ سوچ لینے دو اچھی طرح۔" امتیاز احمد جس طرح بعجلت بولے تھے سفینہ کو تحیر نے گھیرا جبکہ باپ کی طرف اٹھنے والی معیز کی نگاہ میں شکوہ' تاسف تھا۔ بڑی جتاتی ہوئی نگاہ تھی اس کی۔

"کمال ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ زارا کے جانے کے بعد اس گھر میں ایک رونق آجائے اور آپ کو اس بات سے فرق ہی نہیں پڑتا کوئی۔" سفینہ ان سے الجھنے لگیں۔

"اُف۔ ابھی تو یونیورسٹی چل رہی ہے اس کی۔ ٹھیک سے اپنے پاؤں پہ تو کھڑا ہو لینے دو۔" صاف لگ رہا تھا کہ امتیاز احمد' معیز کی شادی کے حق میں نہیں ہیں۔

"ابھی بھی آپ کے ساتھ فیکٹری سنبھال رہا ہے۔ یہ شادی نہ کرنے کا مضبوط جواز نہیں ہے۔" سفینہ نے اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

"کم آن۔" یکلخت ہی معیز نے دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر مارے تو ایک خاموشی سی چھا گئی۔

"اس موضوع کو چھوڑ دیں آپ لوگ۔ میرا ابھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" تلخی سے کہتا وہ وہاں سے اٹھ کے ہی چلا گیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" ایرز متحیر تھا۔ "انہیں کیا ہوا۔ اتنا غصہ؟"

اور پریشان تو سفینہ بھی کچھ کم نہ تھیں۔ معیز کا رویہ کچھ نفسیاتی سا لگنے لگا تھا اور یوں شادی کے نام سے بدکنا۔ ان کا دل ہول سا گیا اور ان سب سے سوا امتیاز احمد کسی اور ہی فکر میں تھے۔

کہیں معیز شادی کے لیے راضی ہی نہ ہو جائے۔" یہ سوچ ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

☼ ☼ ☼

حنا تیزی سے دروازہ کھول کے اندر آئی تو ایمہا کو انہی کپڑوں میں ملبوس نوٹس کے ساتھ سر کھپاتے دیکھ کر چلّا اٹھی۔

"تم ابھی تک یونہی سر جھاڑ منہ پہاڑ بیٹھی ہو۔" ایمہا ڈر سی گئی۔ مگر حنا کو دیکھا تو نگاہوں میں ستائش سی اتر آئی۔ وہ ابھی پارلر سے تیار ہو کے آئی تھی۔ نئے اسٹائل کی کٹنگ فیشل اور آئی بروز بنوانے سے اس کی شکل نکل آئی تھی۔

"میں کیا کروں گی وہاں جا کر حنا! تمہارا بھائی کیے گا' کسے اٹھا لائی ہے ساتھ۔" حنا کی خشمگیں نگاہوں کے جواب میں وہ گڑبڑا کر بولی۔ تو اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

"وہ میرا بھائی ہے۔ تمہارا نہیں۔ اٹھو اور اب مزید ایک بھی لفظ کے بغیر تیار ہو جاؤ۔"

اس نے ہاتھوں میں تھامے شاپنگ بیگز بستر پہ ڈھیر کیے۔

"اچھا۔ تمہارا برتھ ڈے ہے۔ ہوٹل میں جانے کی کیا تک بنتی ہے؟ گھر جا کے سیلیبریٹ کیوں نہیں کرتیں؟" ایمہا نے اپنی الجھن کو زبان دے ہی دی۔

"ہونہہ! وہاں ٹائم ہی کس کے پاس ہے میرے لیے۔ ممی کو اپنی پارٹیز سے فرصت ملے تو دوسروں کی پارٹیز شروع ہو جاتی ہیں اور پاپا تو ہیں ہی امریکا میں۔ ایسے میں خالی دیواروں سے جا کے سر پھوڑنے سے بہتر ہے کہ بھائی کے ساتھ چند لمحے خوشی کے بتا لوں۔"

حنا اداس ہونے لگی تو ایمہا کو افسوس ہوا کہ ایسے ہی اس موضوع کو چھیڑا جس کے متعلق وہ پہلے بھی کئی مرتبہ

بتا چکی تھی۔

"اچھا۔ اس بار معاف کر دو اور اپنا گفٹ یہیں پہ وصول کر لو۔ اگلی بار لازمی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"خبردار!" حنا نے آنکھیں نکالیں۔ "جو تم نے رنگ میں بھنگ ڈالنے کی کوشش کی تو۔"

"اُف۔ میرے پاس تو ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ پتا تو ہے تمہیں۔" ایمہا کشمکش کا شکار ہوئی۔

"وہ تو تم فکر ہی مت کرو۔ نہ صرف اپنی بلکہ تمہاری بھی شاپنگ کر کے لائی ہوں۔"

حنا نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کے شاپنگ بیگز الٹنے لگی تو بستر پہ دو جگمگاتے جوڑوں کے ساتھ جانے کیا کیا الم غلم بکھر گیا۔

ایمہا گہری سانس بھر کے رہ گئی کہ اب فرار کی کوئی صورت نہ بچی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اچھا۔ ویری گڈ! تمہاری صلاحیتوں کا میں یوں ہی تو معترف نہیں ہوں۔"

سفینہ بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو امتیاز احمد بڑے موڈ میں کسی کے ساتھ موبائل پر محو گفتگو تھے۔ ان پر نگاہ پڑی تو امتیاز احمد نے بات مختصر کر دی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ باقی باتیں مل کے طے کرتے ہیں۔ اوکے۔ اللہ حافظ۔"

"کیوں فون بند کر دیا۔ میں کون سا آپ کی گفتگو میں خلل ڈالتی۔"

سفینہ اندر کی بے چینی کو دباتے ہوئے بولیں اور بیڈ کے کنارے ٹک گئیں۔

"ایک بہت بڑا کانٹریکٹ مل گیا ہے ہماری کمپنی کو۔ اس کے لیے لون بھی منظور ہو گیا ہے۔" وہ خوش تھے۔

"اچھا۔" سفینہ نے شکی انداز میں کہا۔ "میں تو کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی۔" امتیاز احمد ٹھٹکے۔ ان کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

"کیا بات ہے تمہاری سفینہ بیگم! نہ کبھی خود میرے دل میں اتریں اور نہ مجھے یہ موقع دیا تم نے۔ اتنے سالوں میں بھی نہیں جان پائیں مجھے؟"

ان کے انداز میں بہت عرصے کے بعد شکوہ در آیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ نظر انداز ہی کر دیتے تھے ان کے ہر شک اور ہر کج ادائی کو۔

اور واقعی ...

سفینہ نے ہمیشہ انہیں سطحی انداز سے پرکھا تھا' کبھی اندر نہ اتر پائیں' ابھی بھی وہ اسی تناظر میں بولیں۔

"دل ہے؟ تمہارے پاس دل تھا ہی کب امتیاز احمد! میرے پاس تو تم بے دل آئے تھے۔ بے روح جذبوں کے ساتھ۔"

"کیا اس بات سے بھی انکار کرو گی کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو اس وقت صرف تمہارا تھا؟" وہ بحث کم ہی کرتے تھے مگر اس وقت جیسے وہ بھی بحث پر اتر آئے۔

"صالحہ تمہاری منگیتر ہی نہیں' بچپن کا پیار تھی امتیاز احمد! اور محبت کی راہ میں تم نہیں' وہ کسی اور موڑ مڑ گئی تھی۔ تم تو تنہا شاہراہ محبت پہ چلتے ہی جا رہے تھے۔ ایسا عشق تھا تمہیں اس بے حیا سے۔ جس نے پتا نہیں کس کے ساتھ یاری لگالی۔" سفینہ اس ذکر پر سالوں بعد بھی اسی جذباتیت کا شکار تھیں جیسے آج ہی کی بات ہو۔

"سفینہ۔"

ان کے انداز گفتگو نے امتیاز احمد کی رنگت لال کر دی۔ انہوں نے تنبیہی انداز میں سفینہ کو ٹوکا مگر وہ اپنے

مزاج کی مالکہ تھیں۔

"تو کیا جھوٹ ہے اس میں امتیاز احمد! کہو کیا اس نے کسی اور کی خاطر تمہیں ٹھکرا نہ دیا تھا؟ سگی چچا زاد تھی تمہاری مگر کیسی بدفطرت نکلی۔ سر سے پاؤں تک نیلو نیل کر دیا ماں باپ نے مگر اس کا چار دنوں کا عشق جیت گیا۔"

وہ سلگتے لہجے میں ساری کہانی بیان کر رہی تھیں۔

"شادی سے انکار بہر حال میں نے کیا تھا۔ بلکہ اس کی شادی سے پہلے ہی میں نے تم سے شادی کر لی تھی۔" وہ تکلیف میں تھے۔ سفینہ بیگم یوں ہی نشتر ہاتھ میں لیے ان کے زخم کریدتی رہتی تھیں' کسی ماہر جراح کی طرح جانتی تھیں زخم کو کہاں سے چھیڑنا ہے۔

"اس میں بھی تمہاری محبت بلکہ عشق کی خود غرضی شامل تھی۔ کیوں کہ تم جانتے تھے تمہارے چچا صالحہ کی وہاں شادی مر کے بھی نہ کرتے۔ تم نے اپنی محبت کی قربانی دے کر صالحہ کی محبت کامیاب کروادی۔ تم سے مایوس ہو کر تمہارے چچا نے اسے بیاہ دیا اس کے عاشق کے ساتھ۔ اور زندگی بھر یوں قطع تعلق کیا کہ ماں باپ کی میتوں پر بھی نہ پہنچائی وہ۔"

وہ جیسے لطف لے رہی تھیں۔ صالحہ کی بے بسی کا' امتیاز احمد کی ناکام محبت کا۔

واقعی جب صالحہ اپنی محبت کے لیے ان کے سامنے تڑپی' بلکی تو انہوں نے ماں سے کہہ دیا کہ وہ سفینہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ سفینہ ان کی خالہ زاد تھیں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے دنوں میں سفینہ ان کی دلہن بنادی گئیں۔ تب چچا نے بیٹی کی ضد اور جان دینے کی حد تک ہٹیلے پن کو دیکھتے ہوئے اس کی مراد صدیقی سے شادی کر کے اس سے ہر تعلق توڑ لیا۔

مگر یہ سب تو ماضی بعید تھا۔

ایسا ماضی جس کا دفن ہو جانا ہی بہتر تھا مگر سفینہ تو ان کے ماضی کو جیسے مسالے لگا کے 'ممی بنا کے' محفوظ کر کے سنبھالے ہوئے تھیں۔

"بس کرو سفینہ۔ اللہ کے لیے بس کرو۔ مر چکی ہے وہ۔ اب تو اسے بخش دو۔" امتیاز احمد بے اختیار سے ہو گئے۔

"ہونہہ! زمانے میں کسی کو پتا نہ چلا اس کے مرنے کا۔ تم ہی سے سنا تھا میں نے۔ رابطہ تھا تب ہی پتا چلا نا تمہیں۔" وہ بے حد سفاک تھیں یا شاید دل سے انہیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ وہ حسین مورت مر چکی ہے جو کبھی امتیاز احمد کے دل کی ملکہ ہوا کرتی تھی۔

"ہاں۔ تھا رابطہ۔ مگر اب وہ کہیں نہیں ہے۔ یہ بات تم کیوں نہیں سمجھ لیتیں بھلا۔ اسے مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' یہ بات بھی تمہارے لیے قابل اطمینان نہیں؟" وہ پھٹ پڑے تو سفینہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں۔ نہیں ہے اور نہ ساری زندگی ہوگی۔ کیوں کہ اس نے ٹھکرایا تھا تمہیں' راستہ اس نے بدلا تھا تم نے نہیں۔ تمہارے دل میں تو اس کے لیے محبت ہی محبت بھری تھی۔"

"بے کار کی بحث کر کے میرا سر دکھا دیا ہے تم نے۔ جاؤ۔ یہاں سے یا پھر میں ہی چلا جاتا ہوں۔" وہ بددل سے ہو گئے۔

"رہنے دو۔ میں ہی چلی جاتی ہوں تمہاری تنہائی سے۔ تم تھوڑی دیر اور یادوں میں کھیل لو۔"

وہ جاتے جاتے بھی طنز کرنے سے باز نہ آئی تھیں۔ امتیاز احمد نے گہری سانس بھر کے اندر کی کثافت کم کرنے کی سعی کی۔ پھر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں وارڈن کو یہی کہنا کہ تمہاری کسی دوست کے ہاں پارٹی ہے۔ کیوں کہ میں نے اسے یہی بتایا ہے۔"

حنا تیار ہونے کے بعد بولی تو جینٹل مینی ایبہا بدکی۔

"کیا مطلب۔ جھوٹ بول کے اجازت لی ہے تم نے باہر جانے کے لیے؟"

"سو واٹ۔ وہ خبیث وارڈن نکلنے کہاں دیتی ہے ویسے۔ اتنی مشکلوں سے تو مارکیٹ تک جانے دیا تھا اس نے۔ ایکچوئلی میں تو ہاسٹل سے باہر جاتی رہتی ہوں نا' اس لیے مجھے اجازت دیتے ہوئے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ تمہارے لیے تو اس نے فوراً" ہی اجازت دے دی تھی۔" حنا نے مجبوری بیان کی مگر وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"اگر وارڈن کو پتا چل گیا تو؟ میرا یہاں کون ہے۔ جس کا بہانہ کر کے کہیں جاؤں میں۔"

"اف۔ بلاوجہ جتایا تمہیں۔ ارے یار! کہا نا کسی دوست کا ہی بہانہ بنایا ہے۔ چلو اب شام ہو رہی ہے۔ واپسی پر دیر ہوئی تو وارڈن کچا چبا جائے گی ہمیں۔"

"ہاں چلو۔" وہ دل سے اس کے ساتھ جانے کو راضی نہ تھی مگر ایک ہی دوست تھی' اسے ناراض ہونے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔

حنا نے تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ بالکل سادہ سے حلیے میں رہنے والی ایبہا نے قیمتی لباس تو پہن لیا تھا' مگر میک اپ کی کسی شے کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا' مگر اس سادگی میں بھی وہ جگمگا رہی تھی جبکہ اس کے برعکس حنا نے اچھی خاصی تیاری کر رکھی تھی۔ اسے حنا کے ساتھ جاتے دیکھ کر وارڈن کی نگاہوں میں ناگواری سی اتر آئی۔ ایبہا کا دل لرزنے لگا۔

"تم نے اسے کہا تھا کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے جا رہی ہو۔" حنا نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے سرگوشی میں بتایا۔ باہر آکے ایبہا نے ناراضی سے اپنا بازو چھڑایا۔

"انسان ایسا کام کرے ہی کیوں' جس میں جھوٹ بولنا پڑے۔ اگر تمہارا بھائی خود آکے تمہیں ہاسٹل سے لے جاتا تو ہم دونوں ہی گناہ گار نہ ہوتیں۔"

"اچھا بی بی مومنہ۔ آئندہ ایسا ہی کروں گی۔" حنا نے فوراً" ہی بات سمیٹ دی۔ مین روڈ سے انہیں رکشا مل گیا تو کسی ریسٹورنٹ کا نام بتا کر حنا جلدی سے اندر بیٹھ گئی۔ جبکہ ایبہا نے بڑی بے دلی سے اندر قدم رکھا۔

وہ اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی' مگر ہائے ری دوستی۔ یہ وہ بھی کام کروا لیا کرتی ہے جو کوئی دوسرا کہے تو ہم صاف جھٹ انکار کر دیں۔ ایبہا سوچ رہی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ایک بہترین ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی تھیں۔ ایبہا نروس ہونے لگی۔

"یہاں جائیں گے ہم؟"

"ہاں۔ تو؟" حنا نے جیسے اس کی پریشانی سے لطف لیا۔

"حنا پلیز! مجھے ان جگہوں کے مینرز کا ذرا نہیں پتا' بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ دروازہ اندر کی طرف کھلے گا یا باہر کی طرف۔"

"تم چلو تو۔ دروازہ میں کھول دوں گی تمہارے لیے۔" حنا بڑی پر اعتماد تھی۔ کیونکہ جس کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں ہوٹلنگ عام سی بات تھی' مگر ایبہا تو اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ہوٹل دیکھنے والی تھی۔

حنا کا ہاتھ تھامے وہ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح اندر داخل ہوئی تو اے سی کے خنک ماحول نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ڈھیر سارے لوگ' باتوں کی بھنبھناہٹ' برتنوں کا شور' تیز رفتاری سے آتے جاتے ویٹرز۔

ایہا کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

یہ تو کوئی اور ہی دنیا تھی۔ غموں سے دور بے فکر۔

"کم آن یہ اپنی کانفیڈنٹ۔ کیا جاہلوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو۔ ایسی جگہوں پر یوں ظاہر کرنا چاہیے جیسے کتنی ہی دفعہ آچکے ہوں۔"

حنا متلاشی نظروں سے ہال میں دیکھتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔ پھر اس کو لیے ایک کارنر کی ٹیبل کی طرف چل پڑی۔

اونچا لمبا' مناسب شکل و صورت کا وہ شخص حنا کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھا اور والہانہ انداز میں اس سے ملا۔ اس نے گلے سے لگتے ہوئے حنا کے رخسار پہ پیار کیا تھا۔

"کیسی ہو۔" وہ یوں ہی اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے پوچھ رہا تھا۔ ایہا کا دل عجیب سا ہونے لگا۔

بہن بھائی کی ایسی بے باک بے تکلفی شاید حنا کی کلاس کا ہی حصہ تھی۔

حنا اس سے الگ ہو کر پلٹی اور ایہا کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ کیا۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے۔ ایہا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا فون پہ۔" حنا اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ جبکہ مقابل کی گہری نگاہوں نے لمحہ بھر میں ہی ایہا کو سر تا پا پسینے میں شرابور کر دیا۔ ان کا شدت سے وہاں سے غائب ہو جانے کو جی چاہا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔"

اس نے ایہا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کی رنگت اڑ گئی۔ اس نے بے اختیار خود کو حنا کی اوٹ میں کر لیا۔

"کم آن سیفی۔" حنا نے بے تکلفی سے اپنے بھائی کے شانے پہ ہاتھ مارا۔

"یہ ہماری کلاس کے رویوں کی عادی نہیں ہے۔" کہتے ہوئے اس نے ایہا کو کرسی پر بٹھایا۔

"آئی سی۔" وہ اب بھی ایہا کے رکتے روپ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر حنا کو دیکھ کر معنی خیزی سے بولا۔

"خیر۔ حسن کی ہر خطا معاف ہوتی ہے۔" حنا ہنستی ہوئی اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔

"بڑی دیر لگا دی آنے میں۔ میں تو کب سے آنکھیں بچھائے بیٹھا تھا تمہاری راہ میں۔" وہ حنا کو والہانہ نظروں سے تکتے ہوئے بولا۔

جانے بہن بھائی کی ملاقات کتنے لمبے عرصے کے بعد ہو رہی تھی۔ ایہا کو عجیب سا محسوس ہوا۔ حنا کھنکھار کے بولی۔

"ایہا کو منانے میں ٹائم لگ گیا۔ میں نے کہا میری برتھ ڈے پر میری دوست ہی ساتھ نہ ہو تو کیا مزہ۔ مگر تمہاری موجودگی کی وجہ سے یہ جھجک رہی تھی۔ میں نے کہا میرا بھائی تمہارا بھائی۔" حنا کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی مگر سیفی جیسے بدک اٹھا۔

"بھائی۔؟" حنا نے بے اختیار سیفی کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کے دبایا۔

"جی میرے بھائی۔" وہ جیسے تنبیہی انداز میں بولی تو وہ ڈھیلا پڑ گیا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

"لعنت ہے یار! بندہ کم از کم لفظ تو سوچ سمجھ کے نکالے منہ سے۔" حنا زور سے ہنسی۔

"تمہیں زیادہ اعتراض کس پر ہے۔ میرے بھائی ہونے پر یا ایہا کے؟"

"شٹ اپ۔" وہ قدرے برہم سا ہوا۔

"اچھا۔ چلو سوری۔ اور اب جلدی سے آرڈر دو۔ وارڈن نے صرف ایک گھنٹے کا ٹائم دیا ہے۔" حنا نے فوراً

ہی بات کے ساتھ موڈ بھی بدل لیا۔

"حنا! واپس چلیں۔" ایہا کا دل ہنوز کسی نے مٹھی میں لیا ہوا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ یہ ماحول اس کی تربیت اور اقدار سے میل نہیں کھاتا۔

"مجبور کر دیا نا میری فرینڈ کو۔" حنا نے سیفی کو گھورا پھر ایہا کو پیار سے دیکھ کر بولی۔

"ہم سوری یار! اسی لیے تو تمہیں کہتی ہوں کہ اپنی دقیانوسیت کی چادر کو اتار پھینکو۔ ہر جگہ آیا جایا کرو تب ہی کانفیڈینس آئے گا تمہارے اندر۔"

ویٹر کو کھانے کا آرڈر دے کر وہ دونوں مدھم سرگوشیوں میں بات کرنے لگے تو ایہا کو اپنی موجودگی غیر ضروری لگنے لگی۔ وہ دھیان بٹانے کے لیے ڈائننگ ہال میں نظریں دوڑانے لگی۔ جہاں ہر چہرے پر رونق اور بے فکری تھی۔ اور یہ دونوں ایسی چیزیں تھیں جن کا ایہا کی زندگی میں فقدان تھا۔ وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔

ہر کوئی اپنی فیملی اپنے فرینڈز کے ساتھ مگن تھا۔ یوں جیسے کبھی کوئی دکھ انہیں چھو کر نہ گزرا ہو۔ کرسی گھسیٹنے کی آواز پر ایہا بے اختیار چونکی۔ اس نے سیفی اور حنا کو کھڑے ہوتے دیکھا۔

"کھانا آنے میں تھوڑی دیر لگے گی یا! تم ذرا بیٹھو ہم ابھی آتے ہیں۔" حنا نے عام سے انداز میں کہا مگر اس کی رنگت اڑ گئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"یہ بڑا خبیث ہے۔ میرا گفٹ کمرے میں ہی بھول آیا ہے اور اب اکیلے لانے پہ راضی بھی نہیں۔ جا کے دیکھوں تو سہی ایسا کون سا نادر و نایاب گفٹ ہے۔ بس میری جان! میں دو منٹ میں آئی۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی تو سیفی کی موجودگی میں ایہا کوئی اعتراض بھی نہ کر سکی مگر اسے بہت عجیب سا لگا۔

بس نے اسی شہر میں گھر ہوتے ہوئے بھی ہاسٹل میں پناہ لے رکھی تھی تو بھائی کون سا کم تھا۔ اس نے ہوٹل میں کمرا لے رکھا تھا۔ وہ گہری سانس بھرتی پھر سے لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی۔

ذرا دیر کے بعد ویٹر آکے برتن سیٹ کرنے لگا۔

ایہا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا مگر حنا کی واپسی کے کوئی آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔

اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ وہ اپنا موبائل ہاسٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ ورنہ کم از کم حنا کو کال ہی کر لیتی۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد وہ دونوں بڑے فریش اور اچھے موڈ میں واپس آئے۔ اس دوران ایہا کئی دفعہ حنا کے ساتھ آئندہ نہ آنے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ حنا نے ایک ہی نظر میں اس کا بگڑا موڈ بھانپ لیا۔

"ہم سوری یار! پاپا کی کال آگئی تھی سیفی کے موبائل پہ۔ مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ سو سوری۔" وہ جھک کر ایہا کے گال پہ پیار کرتے ہوئے بولی تو اسے موڈ ٹھیک کرنا ہی پڑا۔

"اتنا کچھ رکھ گیا ہے ویٹر۔ ان کا وقت تو بہت اچھے سے گزر سکتا تھا۔" سیفی کی مسکراہٹ پہلے سے زیادہ گہری تھی۔

"یہ دیکھو ڈائمنڈ رنگ اور بریسلٹ گفٹ کیا ہے سیفی نے مجھے۔" حنا اسے دکھا رہی تھی۔ ایہا نے سرسری نگاہ ڈالی مگر واپسی پر وہ حنا سے الجھ پڑی۔

"یہ دونوں چیزیں اتنی ہونی تھیں کہ تمہارا بھائی اٹھا کر لا نہ سکا کمرے سے۔" حنا دل کھول کے ہنسی۔

"کچھ تحفے لینے کے لیے مقابل کی ہر بات ماننی پڑتی ہے میری جان!" ایہا اس کی ڈھٹائی پر کڑھتی رکشے سے باہر دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

سب کی رضامندی کے ساتھ سفیر کا رشتہ زارا کے لیے منظور کر لیا گیا تھا۔ ان دنوں سفینہ کا موڈ اور مزاج قدرے بہتر تھا۔ جانے صالحہ کے مرنے کی خبر پہ یقین آگیا تھا یا پھر بیٹی کا بہترین جگہ رشتہ لگ جانے کی خوشی تھی۔

چونکہ ان لوگوں کا ارادہ نکاح کرنے کا تھا۔ اس لیے شاپنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ابھی بھی وہ زارا کے ساتھ اس کے سسرال والوں کے لیے شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔

"اف!" زارا نے شاپنگ بیگز صوفے پہ ڈھیر کیے اور خود بھی وہیں گر سی گئی۔

"اس سے پہلے شاپنگ کرنے میں اتنی تھکاوٹ کبھی نہیں ہوئی مجھے۔" زارا ماں کی طرح کچھ زیادہ ہی نزاکت پسند تھی۔ بلکہ اس پر شاید ماں کا اثر کچھ زیادہ ہی تھا۔

"اس سے پہلے تمہاری بات بھی تو طے نہیں ہوئی سسٹر!" ایزد نہا دھو کے فریش سا جملہ کستا ٹی وی کے آگے جم کے بیٹھ گیا۔

"ماما! اب ایزی کیا کرے گا؟" زارا نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے سفینہ سے پوچھا تو ایزد ماں سے پہلے ہی بولا۔

"میں تمہاری شادی کے بعد ایزی فیل کروں گا اور کیا۔"

"جی نہیں۔ تو منحوس ہر کام میں شروع سے میری نقالی کرتے آئے ہو۔ میں تو ڈر رہی تھی کہیں اب تم بھی نکاح کے لیے شور نہ مچا دو۔" وہ شرارت سے بولی۔

"ارے واہ۔" ایزد کو بھی جیسے دھیان آیا۔

"مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا؟ کچھ سوچیں ماما! کہیں سے کوئی لڑکی برآمد کریں۔" وہ جیسے بے تاب ہوا شادی کرنے کو۔ سفینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تیرے تھوڑی بوجھ کی طرح سر سے اتار دوں گی۔ میں تو اپنے بیٹوں کے لیے چاند سی دلہنیں لاؤں گی۔ دنیا دیکھے گی جیسے چاند کو دیکھتی ہے۔"

"چاند جیسی۔ یعنی گڑھے پڑے ہوں گے چہرے پہ؟" اس نے چہرے پر صدماتی کیفیت طاری کرتے ہوئے کہا تو سفینہ کو ہنسی آگئی۔

"بے وقوف! مثال دے رہی تھی۔" پھر انہوں نے صاف گوئی سے کہا۔ "جب تک معیز کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک تم اپنے بارے میں سوچنا بھی مت۔"

"تو اب ان ہی کے بارے میں سوچتا رہوں گا تو میرے بارے میں کون سوچے گا۔" اس نے ناراضی سے کہا۔

"تمہارا میں خود سوچ لوں گی۔" انہوں نے مسکراہٹ دبائی۔

"میرا تو خیال تھا کہ اس بلی کے ساتھ ہی بھائی کی نیا بھی پار لگا دیتیں۔ کم از کم میرا راستہ تو صاف ہو جاتا۔ پھر میں جب جی چاہے اپنے بارے میں سوچ لیتا۔" وہ یونہی باتیں بگھارتا تھا۔

"وہ مانے بھی تو نا۔ ایسے بدکتا ہے شادی کے نام سے جیسے کوئی خطا کرنے کو کہہ دیا ہو۔" سفینہ واقعی معیز کے رویے سے پریشان تھیں۔

"آپ کہیں تو میں پتا لگاؤں، موصوف کہیں دل وِل نہ لگا بیٹھے ہوں کسی غریب سی لڑکی سے۔ اور اب اس ڈر سے آپ کو نہ بتا رہے ہوں کہ کہیں آپ اسے ریجیکٹ نہ کر دیں۔" اس نے لمحوں میں کہانی بنا لی تھی۔ سفینہ نے اسے گھورا۔

"میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔"

"تو جی۔" وہ ہنسا۔ "ہر ماں کا یہی ڈائیلاگ ہوتا ہے۔ تو جو ایسا کرتے ہیں وہ پتا نہیں پیڑوں پہ اگتے ہیں شاید۔" اس کی بات پہ سفینہ کے ساتھ زارا بھی ہنسی تھی۔ باہر کی طرف جاتے معیز کو سفینہ نے آواز دے کے بلا لیا۔

"جی ماما؟"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"یوں ہی۔ دوستوں کی طرف۔" وہ مختصراً بولا مگر سفینہ شاید تفصیلی بات کے موڈ میں تھیں۔

"اپنے بہن بھائی کی فرمائش سنی تم نے۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ زارا کے ساتھ ہی تمہاری بھی شادی ہو جانی چاہیے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جیسا چل رہا ہے چلنے دیں۔ فی الحال میں شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں ماما!" وہ بڑی بے زاری سے کہہ کر ایکسکیوز کرتا چلا گیا۔

"واہ واہ!... کیا نخرے ہیں بھئی۔" ایزد نے متاثر ہو کر سر دھنا۔ پھر شکایتاً بولا۔

"یہ اب موڈ پہ چلیں گے اور ادھر ہم ارادہ باندھے بیٹھے ہیں اور کسی کو پروا نہیں۔"

"شٹ اپ ایزد! ہر بات مذاق نہیں ہوتی۔ بھائی کے رویے کو دیکھو۔ یہ نارمل نہیں ہے۔ پہلے ہمارے ساتھ ہر ہلے گلے میں شامل ہوتے تھے، سوچ مستی ہیرو تفریح... اور اب انہوں نے اپنی ایک الگ ہی دنیا بنالی ہے۔ یونیورسٹی، آفس اور گھر کے علاوہ بس دوستوں کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ ہمارے لیے تو جیسے وقت ہی نہیں ان کے پاس۔" زارا جذباتی ہونے لگی۔

"وہ بڑے ہو گئے ہیں اب۔" ایزد نے اسے پچکارا۔

"وہ پہلے بھی ہم سے بڑے ہی تھے۔ کوئی نئے نئے بڑے نہیں ہوئے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"خیر۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ اس موضوع پر معیز سے کھل کے بات کروں۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟" سفینہ نے کہا۔

"اور اگر ان کی ڈیمانڈ آپ کے لیے قابل قبول نہ ہوئی تو؟" ایزد نے ماں کا امتحان لیا۔ وہ اسے ٹالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

"وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے اس سے بات تو کرنے دو۔ دیکھتے ہیں پٹاری میں سے کیا نکلتا ہے۔"

"سانپ ہی نکلے گا ماما! سپیرا تو نکلنے سے رہا۔" ایزد کی زبان پھر پھسلی تو وہ ہنس دیں۔ زارا اپنی شاپنگ سمیٹنے لگی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ نے یہی موضوع امتیاز احمد کے سامنے چھیڑا تو وہ بے ساختہ بولے۔

"تو اس میں غلط کیا ہے۔ جب موڈ ہو گا کر لے گا۔" سفینہ ان کے جواب پر لحہ بھر کو انہیں دیکھ کر رہ گئیں پھر بولیں۔

"کیا دماغ ملا ہے باپ بیٹے کا۔ ایسے فیصلے موڈ کے پابند نہیں ہوا کرتے امتیاز احمد!"

"اوہ۔ میرا مطلب تھا اسے سوچنے کے لیے وقت دو۔" انہوں نے گڑبڑا کر کہا۔

"اس کا کام صرف رضامندی شو کرنا ہے۔ لڑکی میں خود تلاش کروں گی اپنے بیٹے کے لیے... اعلا خاندان کی۔" سفینہ نے تفاخر سے کہا تو امتیاز احمد نے بے اختیار پہلو بدلا۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے تمہیں۔ پہلے خیریت سے زارا کا نکاح ہو جانے دو۔ پھر سوچتے ہیں اس بارے میں بھی۔" سفینہ نے انہیں گھورا۔

"کمال ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ تم میرا ساتھ دو گے مگر تم تو اسی کی زبان بول رہے ہو۔"

"یہ حقیقت ہے سفینہ بیگم! ہم معیز کی رضامندی کے بغیر اس کی زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم کچھ عرصہ صبر کرو۔ ہو سکتا ہے ابھی واقعی وہ شادی نہ کرنا چاہتا ہو۔ پڑھ رہا ہے وہ ابھی۔"

"لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے اس کا۔ اس کے بعد فل ٹائم فیکٹری سنبھالے گا۔ تم تو ایسے بات کر رہے ہو جیسے وہ اسکول میں پڑھ رہا ہے۔" وہ بدمزہ ہو کر بولیں۔

تو ان کی کج بحثی سے واقفیت کی بنا پر امتیاز احمد نے بہتر سمجھا کہ اپنا پہلو بچا جائیں۔ ویسے بھی معیز خود ہی شادی کے لیے راضی نہیں تھا۔ وہ اس کی حمایت نہ بھی کرتے تو یہ معاملہ سرچڑھنے والا نہیں تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم جو مناسب سمجھتی ہو وہ کر لو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

"وہ مانے تب نا۔" سفینہ جھنجلائیں۔

"تو پھر فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔" ان کے اطمینان کو سفینہ نے خشگی نظروں سے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ امتیاز احمد کے آفس میں بیٹھا تھا۔ ان کی بات سن کے اچھل ہی تو پڑا۔

"کیا کہہ رہے آپ ابو! اس کو زارا کے نکاح میں انوائٹ کریں گے؟" بے یقینی سے زیادہ ناگواری اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔

"تو؟" امتیاز احمد نے استفہامیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"جائز اور شرعی رشتہ ہے اس کا سب سے۔"

"آپ اپنے لفظوں سے پھر رہے ہیں۔ شادی کے وقت آپ نے کہا تھا کہ اس کا ہمارے گھر اور اس کے مکینوں سے کوئی رشتہ نہ ہو گا۔" معیز نے بھنچے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت سے فیصلے وقت اور حالات کو دیکھ کر کرنے پڑتے ہیں معیز! اور اس وقت حالات کا تقاضا یہی ہے کہ میں اسے تنہا نہ چھوڑوں۔ جو ذمہ داری میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کے اپنے شانوں پہ لی تھی اسے نبھاؤں۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھے۔ معیز نے اپنی چیخنے کی خواہش پر بہت مشکل سے قابو پایا تھا۔ خود کو بدقت تمام سنبھال کر وہ تلخی سے بولا۔

"اور ماما... وہ جو قیامت مچائیں گی اس کا کچھ سوچا ہے آپ نے؟"

"اگر تم میرا ساتھ دو گے تو میں اسے سنبھال لوں گا معیز!" انہوں نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ معیز نے فی الفور قطعیت سے انکار کر دیا۔

"ہرگز نہیں ابو! میں پہلے ہی آپ کا بہت ساتھ دے چکا ہوں مگر اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔ آپ اسے گھر بلائیں گے تو اپنی ذمہ داری پر۔ ماما کے سامنے آپ کو کھڑا ہونا پڑے گا۔"

"تم صرف اس کے ساتھ اپنے رشتے کا تعین کر لو معیز! باقی کام میرا ہے۔" معیز نے تاسف سے باپ کو دیکھا۔ پھر خفیف سے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"اس کا ہر رشتہ صرف آپ سے ہے ابو! میں نے تو فقط ایک مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آپ کا بھرم رکھا تھا اور بس۔"

"ورنہ بس....؟" انہیں اس کے لفظوں نے تکلیف دی تھی۔
"جی اور بس۔ دیٹس اوور اینڈ آل۔" وہ تلخی سے کہتا پھر وہاں رکا نہیں تھا۔ اٹھا اور آفس سے باہر نکل گیا۔
امتیاز احمد نے بے اختیار اپنے دل کو مسلا۔ جہاں وہ ہلکا سا درد محسوس کر رہے تھے۔
"جانے میں یہ ذمہ داری نبھا پاؤں گا یا نہیں؟"

☆ ☆ ☆

زارا کے نکاح کی تقریب شہر کے بہترین میرج ہال میں منعقد ہوئی۔ سفیر اور زارا کی جوڑی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آج معیز کا موڈ بھی بہت اچھا تھا۔ بہت عرصے کے بعد وہ سب کے ساتھ خوش گپیوں میں مشغول تھا۔ ایسے میں کتنی ہی بار اس نے خود کو کسی کی نگاہوں کے حصار اور کسی کی توجہ کا مرکز پایا۔
وہ رباب تھی۔ زارا کی نند۔ بے حد ماڈرن اور بولڈ۔ ایک ایسی لڑکی جسے اپنی خوب صورتی کا پوری طرح احساس تھا۔ اور اسی احساس نے اسے اتنا اعتماد دیا تھا کہ جب معیز سفینہ کے پاس کھڑا تھا تو وہ خود آکر سفینہ سے بولی۔
"دیکھ رہی ہیں آنٹی! یہ دیلیو ہے لڑکے والوں کی۔ یہاں تو ہمیں کوئی لفٹ ہی نہیں کروا رہا۔" بڑا ناز بھرا شکوہ تھا۔ نگاہ غلط لا پروا بنے کھڑے معیز پر تھی۔
"کیا ہوا بیٹا!" سفینہ کی پریشانی فطری تھی۔
"ہمیں کوئی کمپنی ہی نہیں دے رہا ہمیں یہاں۔ بور ہو گئی میں تو۔ ایک ایزو سے دوستی ہوئی تھی مگر آج تو وہ بھی اسٹیج پہ بیٹھا پوز دے رہا ہے۔" اس نے منہ بسورا تو سفینہ بے ساختہ مسکرا دیں۔ انہوں نے معیز کا بازو تھام کر کہا۔
"تو چلو اب معیز سے دوستی کر لو۔ یہ بھی بہت اچھی کمپنی دیتا ہے۔" سفینہ جیسے اسے معیز کے حوالے کر کے ایکسکیوز کرتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئیں۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی ٹھہری گئی۔
"آپ اپنی زبان دکھائیں گے؟" رباب نے اچانک فرمائش کی تو معیز حیران ہوا۔
"جی۔ وہ کیوں؟"
"تھینک گاڈ! دراصل میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بے زبان مرد نہیں دیکھا تھا۔ مگر آپ تو اچھا خاصا بول لیتے ہیں۔" وہ شرارت سے بولی تو وہ بے ساختہ ہی ہنسا بڑے عرصے کے بعد۔ مگر اسے اپنا ہنسا خود ہی کچھ اتنا عجیب لگا کہ فوراً" ہی ہونٹ سمیٹ لیے۔
"ہائے۔ آئی ایم رباب۔" اس نے جیسے نئے سرے سے تعارف کراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا جسے تھام کر وہ اسی سنجیدگی سے بولا جو اس کا خاصہ بن چکی تھی۔
"مجھے معیز احمد کہتے ہیں۔"
"تو معیز احمد صاحب! آپ کو اچھا لگ رہا ہے یہ آپ جناب اور بناوٹی تکلفات؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ معیز نے شانے اچکائے۔
"تمہاری مرضی۔ تم جیسے جی چاہے بات کرو۔ میں نے تمہیں ادب و آداب کا آرڈر نہیں دیا۔"
"شکریہ۔" وہ سر جھکا کر ممنونیت سے بولی۔
"معیز یار! تمہاری گاڑی کسی کی گاڑی کے پیچھے کھڑی ہے پارکنگ میں۔ جا کے دیکھو۔ انہوں نے گاڑی نکالنی ہے اپنی۔"

معیز کے کزن نے آکر پیغام رسانی کی تو رباب نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔ معیز ایکسکیوز کرتا ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ رباب کی ستائشی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ پارکنگ ایریا میں آکر معیز نے اپنی گاڑی نکالی تو آگے والی گاڑی کو نکلنے کا راستہ ملا۔
وہ دوبارہ اپنی گاڑی پارک کر کے اندر کی طرف بڑھا۔
"ایکسکیوزمی۔" ایک نسوانی آواز نے بعجلت اسے پکارا تو وہ ٹھٹک کر پلٹا۔ سیاہ چادر میں ملفوف وجود۔ معیز کو شک ہوا۔ کیا اس نے مجھے ہی پکارا ہے؟
"جی! فرمایئے؟" سیاہ چادر کا پردہ رخ سے تھوڑا سا ہٹا تو معیز کی نگاہ لحہ بھر کو ٹھٹک سی گئی۔
"وہ۔ یہاں کوئی شادی کا فنکشن ہے؟" وہ گھبرائی سٹپٹائی سی لڑکی تھی۔
"کس کی شادی پہ انوائیٹڈ ہیں آپ؟" معیز نے استفسار کیا۔
"جی۔ وہ دراصل شادی۔ نکاح تھا شاید۔ امتیاز احمد صاحب کی بیٹی کا۔"
اس کی پیشانی چمک اٹھی تھی۔ معیز بڑے زور سے چونکا۔ اس کی خاموشی پر وہ گھبرا سی گئی۔
"میں ان کے ڈرائیور کے ساتھ آئی ہوں۔ اس نے مجھے باہر ڈراپ کیا ہے۔" معیز کے تن بدن میں شرارہ سا دوڑ گیا۔
"کون ہو تم؟"
"جی۔ میں.... ایبہا۔" وہ اس کے بدلتے انداز سے خوف زدہ سی ہو کر بولی تو معیز لحہ بھر کو لڑکھڑا سا گیا۔ جس قیامت کا وہ سوچنا بھی نہ چاہتا تھا آج وہ اس کی دہلیز پہ آن کھڑی ہوئی تھی۔
اسے اندر ہال میں سب کے ہنستے مسکراتے مطمئن چہرے نظر آئے اور اگر یہ فتنہ اندر چلا گیا تو کیا فساد مچے گا کیسی جگ ہنسائی ہوگی اور ماما.... وہ تو قیامت اٹھا دیں گی۔
معیز کی رگوں میں لاوا دوڑنے لگا۔
اس نے بے اختیار آگے بڑھ کے ایبہا کا بازو ہاتھ میں جکڑ کر غراتے ہوئے کہا۔
"میں امتیاز احمد کا بیٹا ہوں۔ جانتی تو ہو گی تم مجھے۔ معیز احمد نام ہے میرا اور میں تمہیں اپنے ہنستے بستے گھر کو تباہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔ ابو نے تم سے جو رشتہ جوڑا ہے اس میں ان کا ساتھ دینا میری مجبوری تھا مگر تمہاری وجہ سے میری ماں کا سکون برباد ہو، یہ مجھے قطعاً" قبول نہیں۔ آئی بات سمجھ میں۔"
معیز نے اس کے بازو کو جھٹکا دیا تو اس کی چادر سرک کر شانوں پر ڈھلک گئی۔ معیز کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ آنسوؤں سے بھری آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے اس کا تعارف اس پر پہاڑ بن کے گرا ہو۔ معیز نے اسے خفیف سا دھکیلا تو وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔
"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور بھول جاؤ کہ کسی کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ ہے۔ گیٹ آؤٹ۔"
وہ نفرت بھرے لہجے میں کہتا لمبے ڈگ بھرتا اندر کی طرف بڑھا اور جیب سے موبائل نکال کر امتیاز احمد کے ڈرائیور کو کال ملائی۔
"حبیب خان! باہر پارکنگ میں ابھی جس لڑکی کو ڈراپ کیا ہے اسے واپس وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے لائے تھے۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔
موبائل آف کر کے جیب میں ڈالتے ہوئے معیز احمد نے خود کو عجیب سی وحشت کا شکار ہوتے محسوس کیا تھا۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھیں مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہیں۔ صالحہ مر چکی ہیں۔ ابیہا ان کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہیں۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

۲
دوسری قسط

یہ اس کا خدا جانتا تھا یا پھر خود ابیہا کہ وہ کس ذلت کو برداشت کرتی ہاسٹل پہنچی۔ ڈرائیور کی وجہ سے وہ رو بھی نہ سکی۔

وارڈن سے سامنا نہ ہوا تھا۔ ورنہ وہ ضرور مشکوک ہو جاتی۔

www.paksociety.com

اول تو ایمها کبھی کہیں گئی ہی نہ تھی۔ ماسوائے کبھی کبھار امتیاز احمد کے ساتھ جانے کے اور آج اگر کسی تقریب میں شرکت کی اجازت لے کر گئی بھی تو آدھے گھنٹے کے اندر اس قدر بدحال سی واپسی...

ایمها تقریباً" بھاگتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ لاک کر لیا۔ صد شکر کہ حنا گھر گئی ہوئی تھی۔ ورنہ آج ایمها کی زندگی ان کے سامنے بے نقاب ہو چکی ہوتی۔

اسے رونا آیا۔ اپنی بے بسی "اپنی بے کسی پر۔

اسے امتیاز احمد جیسے کمزور سہارے پر رونا آیا۔ اور معیز احمد کے سلوک کا دکھ تو حد سوا تھا۔

وہ اپنے بستر پر سکڑ سمٹ کر بیٹھی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بے حد خوف زدہ انداز میں۔

اسے احساس ہوا کہ وہ بالکل تنہا تھی۔ ایک شرعی رشتے اور مضبوط سہارے کے ہوتے ہوئے بھی وہ اس دنیا کے ہجوم میں اکائی تھی۔

اس کی ماں نے ذلت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے اسے ایک شرعی رشتے کے تحت امتیاز احمد کے حوالے کیا تھا۔ مگر جو سلوک اسے یہاں سہنا پڑ رہا تھا وہ کسی دلدل میں دھنسنے کے مترادف تھا۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں چھپی حقارت یاد آئی۔

"وہ کبھی مجھے اس گھر میں قدم نہیں رکھنے دے گا۔ جہاں اس کی ماں رہتی ہے۔" اسے معیز کے لب و لہجے کی نفرت بھری سرد مہری یاد آئی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"اور امتیاز احمد کب تک اس رشتے کو ٹوٹنے سے بچاتے رہیں گے اور اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔ میں بے نام و نشان۔۔۔"

اس کے دل کو کسی نے مضبوط شکنجے میں کس لیا۔ تو وہ بے اختیار امتیاز احمد کی صحت اور لمبی عمر کے لیے دعا مانگنے لگی۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی کے ہنگاموں میں بھی وہ بے زار سا رہا۔ طبیعت پہ ایک عجیب سی بے کیفی چھائی ہوئی تھی۔

"کیا یار۔۔۔ اتنا بورنگ کیوں ہو رہا ہے؟" عون اس کا بہترین دوست تھا۔ اس کی طبیعت کے رنگ کیوں نہ پہچانتا۔

"ویسے ہی بس۔۔۔ فنکشن کی تیاری میں نیند پوری نہیں ہوئی۔ تھکاوٹ ہے ذرا سی۔"

معیز اس کے ہمراہ پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"چل اوئے۔۔۔ جھوٹ تو اس سے بول جو تجھے جانتا نہ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کس خفیہ حسینہ کا سایہ ہو گیا ہے تیرے دل پر۔۔۔ ایسا لگتا ہے کہیں کم بخت کہ اب کہیں اور لگتا ہی نہیں۔" عون نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

معیز کی یک لخت بدلتی شخصیت کا وہ گواہ تھا۔ مگر جو راز معیز احمد اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ اس کی اس نے اپنے عزیز دوست کو بھی ہوا نہ لگنے دی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے عون کو گھورا۔

"بھئی۔۔۔ ہم تو خدا لگتی کہیں گے۔۔۔ ڈرتے تھوڑی ہیں تم سے۔" وہ بے نیازی سے بولا اور میوزک آن کر دیا۔

یار سانوں "او دوست سانوں "لگ گئی بے اختیاری۔

سینے دے وچ نہ سمائی ہے۔

یار ڈاہڈی عشق آتش۔

"واہ۔" عون نے سر دھنا۔ "بلکہ واہ۔ واہ۔ واہ۔ کیا سچویشن ہے اور کیا کلام سیٹ ہوا ہے اس پہ۔" معیز نے ہاتھ بڑھا کے میوزک بند کر دیا۔

"اب اگر تم نے سر ہلایا تو پکڑ کے ڈیش بورڈ میں دے ماروں گا۔" معیز نے اسے دھمکایا۔

"تو بتاتا کیوں نہیں اندر کی بات کیوں نہیں بتاتا؟ جو اندر ہی اندر تجھے کاٹ رہی ہے۔ جلا رہی ہے۔"

عون ایسا ہی تھا۔ سر پھرا لاابالی "مگر معیز کے اندر تک اترا ہوا۔

اب بھی اپنی بات پہ زور دے کر بولا تو معیز نے لمحہ بھر کو جبڑے بھینچے۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

"میں تو تجھے گھر تک ڈراپ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب جی چاہ رہا ہے "تجھے گاڑی میں سے ڈراپ کر دوں۔"

"ویل سیڈ۔۔۔" عون نے ڈھٹائی سے قہقہہ لگا کر داد دی۔

"شٹ اپ یار۔۔۔ ہر چکر کے پیچھے لڑکی کا چکر نہیں ہوتا۔" معیز کو اس کے انداز نے چڑایا۔

"تو پھر بتاؤ اس چکر کے بارے میں۔ جس نے تمہیں چکرا کے رکھ دیا ہے؟"

عون کا اعتماد قابل دید تھا۔ معیز نے زوردار بریک لگائے تو وہ واقعی ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"آؤچ۔۔۔"

"یار۔۔۔ یہاں سے پیدل آدھے گھنٹے کا راستہ ہے۔" عون گھگھیایا۔

"گیٹ آؤٹ۔۔۔" معیز کے انداز میں بے اعتنائی تھی۔

"والٹ گھر ہی بھول آیا تھا میں۔" عون نے جی بھر کے مسکینی طاری کی۔

"ترستا ہے یا پھر میں اتار دوں؟" معیز نے تیوری چڑھائی۔

عون منہ پھلائے گاڑی سے اترا۔ زوردار انداز میں دروازہ بند کر کے اپنے غصے کا اظہار کیا۔ پھر کھڑکی میں جھکا۔

"ٹھیک ہے۔ چھپائے رکھ راز سند گو بھی کی طرح۔ مگر میں بھی اس شعبے میں ماسٹرز کر چکا ہوں بیٹا جی! انتا ذلیل ہو کے بندہ تب ہی پھرتا ہے "جب کسی لڑکی کا سایہ اس پر پڑ جائے۔" عون کے چہرے پر بڑی تپانے والی مسکراہٹ تھی۔

دانت پیستے ہوئے معیز نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ پھرتی سے پیچھے ہٹا۔ ورنہ منہ تو اڑ ہی گیا تھا۔

"چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں معیز بیٹا! بھاگ لے جتنا بھاگنا ہے۔ مگر دنیا گول ہے پیارے۔۔۔ آخر میں پھر مجھ ہی تک آؤ گے۔"

عون نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر دھول اڑاتے ہوئے جاتی گاڑی کو دیکھا اور بڑبڑایا۔

پھر گہری سانس بھرتا پوائنٹ کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا ہوا تم ٹائم پہ پہنچ گئے معیز۔ ذرا یہ کیانی اینڈ سنز والوں کے ایگری منٹ کی شرائط دیکھ لو۔ میں تو کنفیوزڈ ہوں اس بارے میں۔"

امتیاز احمد نے اسے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر طمانیت بھری سانس لی۔

جوان اولاد بھی کیسی نعمت ہوا کرتی ہے۔ جب جب وہ معیز اور ایزد کو دیکھتے انہیں اپنے بازوؤں کی مضبوطی کا

احساس ہوتا تھا۔

"جی۔۔۔" اس نے فائل لے کر سائیڈ پر رکھ دی۔

امتیاز احمد نے اس کی بے توجہی کو محسوس کیا۔ متفکر ہوئے۔ "کیا بات ہے معیز۔ طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟"

اس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ مگر وہ تھا کسی اور ہی دھیان میں۔ جیسے کچھ کہنے کو الفاظ جمع کر رہا ہو۔۔۔ یا شاید ہمت۔

"معیز۔۔۔" انہوں نے اسے پکارا۔

"آپ نے" اسے "بھی زارا کے نکاح میں انوائیٹ کیا تھا۔۔۔؟" لمحہ بھر اسے دیکھتے رہنے کے بعد امتیاز احمد نے گہری سانس بھری اور اپنی کرسی سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئے۔

"تو یہ بات تمہیں پریشان کر رہی ہے۔"

"یہ معمولی بات نہیں ہے ابو۔ وہاں ہماری فیملی موجود تھی۔ اس کی موجودگی پر تو بعد میں سوال اٹھتے۔ پہلا سوال تو اس کا تعارف ہوتا۔ اگر وہ وہاں آجاتی تو قیامت آجاتی۔"

وہ تلخی سے گویا ہوا۔ بہت عرصے سے یہ تلخی "اس موضوع پر گفتگو کرتے خود بخود معیز کے لب و لہجے میں گھل جاتی تھی۔

مگر وہ مطمئن انداز میں بولے۔

"سو واٹ۔۔۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی غائب نہیں ہو جائے گی معیز! حقیقت کو فیس کرنا سیکھو۔"

"مگر میں بلی کو غائب ہی کرنا چاہتا ہوں ابو۔ اس کی موجودگی کا کسی کو بھی علم ہونے سے پہلے۔" معیز کا انداز ہٹیلا تھا۔

"وہاں ماما اسے دیکھتیں 'ملتیں۔ کیا کہہ کے تعارف کراتے آپ اس کا؟"

"اس انداز میں بات مت کرو معیز! اس کی ماں نے شرعی رشتے میں باندھ کے اسے میرے حوالے کیا تھا۔ بھاگ کے نہیں آئی وہ۔۔۔ اور جہاں تک تمہاری ماں کا سوال ہے تو میرے خیال میں اب وقت آچکا ہے کہ اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے۔" ان کے ٹھہرے ہوئے نارمل انداز نے معیز کے خون میں انگارے سلگا دیے۔

"واٹ۔۔۔؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ نکاح کے وقت ہمارے مابین کیا طے پایا تھا۔" اس کا لہجہ ذرا سا تیز تھا۔

"میں بالکل بھی نہیں بھولا۔" انہوں نے کہنا چاہا۔ مگر معیز نے اپنی بات جاری رکھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ یہ نکاح آپ کی مجبوری ہے اور یہ بھی کہ اس پر آئی مصیبت ٹلنے کے بعد اس نکاح کو ختم کر کے آپ کسی اچھی جگہ پر اس کا رشتہ کرا دیں گے۔ اینڈ دیٹس آل۔"

وہ بالکل صحیح کہہ رہا تھا۔ لیکن یہ بھی سو فیصد درست تھا کہ اگر وہ اس وقت یہ سب نہ کہتے تو معیز انہیں یہ انتہائی قدم اٹھانے کی نہ تو اجازت دیتا اور نہ ہی ان کا ساتھ دیتا۔

انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"میری ہمت کو مت توڑو معیز۔! مجھے صرف اتنا بتاؤ کیا تم میری خاطر اپنی ماں کے سامنے اسٹینڈ لو گے؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ بھڑکا۔ "بیک گراؤنڈ دیکھیں ذرا آپ اس کا۔ میں ایک جواری کی بیٹی کی خاطر اپنی ماں کو لیٹ ڈاؤن نہیں کر سکتا ابو۔۔۔"

اس کی نفرت بے کراں تھی۔ بالکل اپنی ماں جیسی۔ امتیاز احمد کو اچھی طرح اندازہ ہوا تھا۔

"پہلے تم خود کو سمجھا لو معیز! اگر میں نے یہ قدم اٹھا ہی لیا ہے تو تم اپنے دل میں اس کے لیے جگہ بناؤ۔ پھر دیکھنا تمہاری ماں احتجاج کرنا بھول جائے گی۔ اگر میرے ساتھ تم کھڑے ہوئے تو۔"

وہ معیز کو بہت ظالم لگے تھے۔ بہت زیادہ ظالم۔

"میری ماں نے تمام عمر اس عورت سے نفرت کرتے گزاری ہے ابو۔ اور آپ اسی کی بیٹی کو باقی زندگی کے لیے ہمارے سروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ نو وے۔"

وہ کرسی دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر سرخی چھلک آئی۔

"کیا معیز یار۔" امتیاز احمد یک لخت تھکے تھکے اور بوڑھے سے نظر آنے لگے۔ وہ مایوسی سے بولے۔

"میں تو ترس گیا ہوں تمہارا پرانا روپ دیکھنے کو۔ یاروں کے یار ہوا کرتے تھے تم۔ جذبات و احساسات سے لبریز۔"

"ان ہی جذبات و احساسات کے زیر اثرمات کھا گیا تھا میں۔ لیکن اب میں وہ معیز نہیں ہوں ابو۔" وہ تلخی سے گویا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں خفیف سی سرخی اتر آئی۔

"اس گھر میں نہ تو صالحہ بیگم کی گنجائش تھی اور نہ اب اس کی بیٹی کی ہے۔"

وہ قطعیت بھرے انداز میں کہتا فائل اٹھا کر تیزی سے ان کے آفس سے نکل گیا۔

امتیاز احمد کے دل کا درد بڑھنے لگا۔ انہوں نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندیں اور گہری سانس لے کر اندر کی کثافت کو کم کرنا چاہا۔

"مجھے معاف کر دینا صالحہ! شاید میں اپنے قول میں پورا نہ اتر سکوں۔" انہوں نے صالحہ کی روح سے دل ہی دل میں معافی مانگی۔

☼ ☼ ☼

"بیا! تمہارا فون آیا ہے۔"

حنا نے اسے ہلایا تو کسل مندی کا مظاہرہ کرتی بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی وہ اٹھ بیٹھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟"

"ہوں! ٹھیک ہوں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر بستر سے نیچے اتری اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

درحقیقت اس کا یہ فون اٹینڈ کرنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا موبائل دو دن سے مسلسل بند تھا۔ اسی لیے یہ کال لینڈ لائن پہ آئی تھی۔

وہ فون اٹھا کر باہر کاریڈور میں لے آئی اور وہاں رکھے بینچ پر بیٹھ کر ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس کا انداز بے زار سا تھا۔ مگر دوسری طرف موجود امتیاز احمد نے طمانیت بھری سانس لے کر کہا۔

"شکر ہے اللہ کا۔ تمہارا موبائل تو مسلسل آف آرہا ہے۔ میں تو بس ہاسٹل آنے کا سوچ رہا تھا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو یہاں آنے کی۔" تلخی ایبہا کی آواز میں رچی ہوئی تھی۔

امتیاز احمد ٹھٹکے۔ پھر فکر سے پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے ایبہا۔۔۔ اور تم فنکشن میں کیوں نہیں آئیں؟ میں نے ڈرائیور کو بھیجا بھی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا تم نے آنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔"

ایبہا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ یقیناً "معیز احمد ہی کی مہربانی تھی۔ اسی نے ڈرائیور کو پٹی پڑھائی ہوگی۔

"تو کیا فرق پڑا میرے نہ آنے سے؟ آپ کی بیٹی کا نکاح رک گیا کیا؟" وہ بدلحاظ ہو رہی تھی۔ آنسو روکنے کی کوشش میں اس کا گلا دکھنے لگا۔

"مجھے فرق پڑتا ہے ایبہا! میں نے اپنے دل و دماغ کی رضامندی سے یہ رشتہ جوڑا ہے۔ اور تمہیں اپنے گھر میں تمہاری حیثیت میں دلوا کر ہی رہوں گا۔ مگر تمہیں بھی ہمت کرنی ہوگی۔" وہ بجھے دل سے بولے۔

"اچھا ہوتا اگر آپ اپنے بیٹے پر بھی میرا رشتہ اور حیثیت واضح کر دیتے۔ پھر کم از کم وہ مجھے یوں دروازے سے واپس تو نہ لوٹاتا۔" باوجود خود پر ضبط کرنے کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

امتیاز احمد سن رہ گئے۔ خاموشی کو صرف ایبہا کی سسکیاں توڑ رہی تھیں۔ بہت دیر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوئے۔

"تم آئی تھیں نکاح میں...؟"

"جی... اور آپ کے بیٹے معیز احمد نے اسی وقت مجھے واپس بھجوا دیا... بس دھکے دینے کی کسر رہ گئی تھی۔"

"آئم سوری ایبہا! وہ ایسا نہیں ہے... اور پھر ڈرائیور نے بھی کہا تھا کہ تم..."

وہ بروقت تمام صفائی میں کچھ کہنے لگے تھے کہ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"ڈرائیور کا کیا قصور اس قصے میں؟ وہ تو مالکوں کے حکم کا غلام ہے۔ ایک نے کہا 'لے آؤ۔' وہ لے آیا۔ دوسرے نے کہا 'وہیں پھینک آؤ...' تو اس نے تعمیل کر دی۔"

"میں بات کروں گا معیز سے۔"

انہیں معیز کی پریشانی یاد آئی۔ تو کیا وہ اسی وجہ سے ان سے الجھ رہا تھا؟

"اللہ حافظ۔"

ایبہا کا دل برا ہونے لگا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور فون سیٹ اٹھا کر وارڈن کے روم میں رکھ آئی۔ وہ کمرے میں آئی تو حنا چائے تیار کر چکی تھی۔

"تھینک یو۔" ایبہا متشکر ہوئی اور مگ تھام کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"یو ویلکم۔" حنا اسٹول گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اپنی چائے کا مگ تھامے وہ ایبہا کی بھیگی پلکوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"بس کرو۔ نظر لگا دو گی کیا؟" ایبہا نے نظر چراتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ برجستہ بولی۔

"ایسی رونی صورت کو کیا نظر لگے گی۔"

ایبہا نے بے ساختہ چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"شاباش! اب جلدی سے بتا دو۔ میرے پیچھے کیا ہوا تھا؟" حنا نے اسے پچکارا۔

وہ واپس آئی تو ایبہا بخار میں پھنک رہی تھی۔ وارڈن سے اسے علم ہوا کہ ایبہا کسی فنکشن میں شرکت کے لیے گئی تھی۔ واپسی کے بعد ہی طبیعت خراب ہوئی۔

"بخار ہوا تھا... اور کیا۔" ایبہا نے گول مول جواب دیا۔

"ساری رات پتا نہیں کیا اول فول بولتی رہی ہو۔ معاملے کا پتا ہوتا تو میں خود ہی ساری کڑیاں جوڑ لیتی۔ چلو شاباش اب خود ہی بتا دو۔ کس نے ہرٹ کیا تمہیں اور یہ نکاح کس کا تھا؟ مجھے تو بتایا ہی نہیں تم نے۔ صبح ہی تو میں لوٹی تھی۔"

حنا کسی طور پیچھا چھوڑنے پر راضی نہ تھی۔ سوال در سوال۔ ایبہا پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"ایسے ہی یار! گھر سے فون آ گیا تھا۔ کزن کا نکاح ہو رہا تھا۔ بس وہاں کچھ بدمزگی ہو گئی۔"

"یقیناً تمہاری اسٹیپ مدر نے کچھ غلط سلط کہا ہوگا۔" حنا نے اس کی سنائی ہوئی کہانی کے بموجب اندازہ لگایا۔

ایبہا نے یونہی سر ہلا دیا۔

"کم آن یار! بی اسٹرانگ یار۔ اب تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے ان کے رویے کا۔ بلکہ تم وہاں سے واپس کیوں آئیں؟ ایک کے جواب میں دس سناتیں۔"

حنا ایسی ہی تھی۔ بے باک اور منہ پھٹ۔ فوری رد عمل ظاہر کرنے والی۔

"کیا فائدہ۔ جب دل چھوٹے پڑ جائیں تو بڑے بڑے گھروں میں جگہ تنگ پڑ جایا کرتی ہے۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرائی اور چائے پینے لگی۔

"کم آن یار۔ قسم سے نہ تو تمہارے گھر والوں کو تمہاری قدر ہے اور نہ کبھی خود تم نے آئینے میں ڈھنگ سے اپنی شکل دیکھی ہے۔ ایک دو وزٹ پارلر کے کرو۔ پھر دیکھو 'آفت سے قیامت نہ بن جاؤ تو کہنا۔" حنا نے مایوسی سے کہتے ہوئے آخر میں مشورہ دیا تو ایبہا نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہ تو میں خود آئینہ دیکھنا چاہتی ہوں اور نہ ہی دنیا کو 'مبہوت' کرنے کی خواہش ہے میری۔"

"بے وقوف ہو تم۔" حنا نے فتویٰ دیا۔

"میری بات لکھ کے رکھ لو حنا! گمنامی لڑکیوں کو بہت سے فتنوں سے بچاتی ہے۔ قیامت بن کے نکلیں گی تو پھر قیامت تو آئے گی نا۔"

اس نے کسی گم گشتہ تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے پژمردگی سے کہا۔ حنا اس کے ہاتھ سے خالی مگ لے کر اٹھ گئی۔

"میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرا بھائی تو ایک ہی ملاقات میں تمہارا دیوانہ ہو گیا ہے۔"

"ہائیں! کیا؟" وہ ہونق ہوئی۔ یہ بات سننے کی اسے بالکل بھی توقع نہ تھی۔ حنا اس کی صورت دیکھ کے خوب ہنسی۔

"تم تو لگتا ہے 'چاہے جانے' کی امید ہی چھوڑ بیٹھی ہو۔"

"پلیز حنا۔" اس کی رنگت زرد پڑ گئی۔ "فضول باتیں مت کرو۔"

"قسم سے... سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہارا اسیل نمبر مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا پوچھ کے بتاؤں گی۔"

حنا کھلے ماحول کی پروردہ تھی۔ یہ سب تو ماڈرن ازم کے زمرے میں آتا تھا۔ مگر ایبہا لرز کر رہ گئی۔

"پلیز۔ ایسا کچھ مت کرنا حنا! میں یہ سب پسند نہیں کرتی۔" وہ رونے والی ہو گئی۔

"اچھا! اچھا... اب پلیز! رونا نہ شروع کر دینا۔" حنا نے اس کے تاثرات بھانپ کر تیزی سے کہا۔ تو اس نے بروقت ہونٹ پھیلاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

"خدا کے لیے بھائی! مان جائیں شادی کے لیے... لائن کلیئر کریں یار۔ آپ کی شادی تک تو میری تمام انٹ فیلوز شادی کر چکی ہوں گی۔" یزد سخت مایوس تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی معیز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ جب جی چاہے کر لو۔"

"یہ بات ذرا زور سے ماما کے کانوں میں کہیں۔ تب ہی شاید ان کے دل پہ اثر کرے گی۔" اس نے ذرا کے ساتھ [illegible] کر کھانے [illegible] سفینہ کو دیکھ کر اونچی آواز میں کہا تو وہ مسکرانے لگیں۔

اسی وقت امتیاز احمد نے آ کر معیز کو مخاطب کیا۔

"معیز! ذرا میرے کمرے میں آؤ۔"

ان کا لہجہ بے حد سنجیدہ۔ بلکہ قدرے کھردرا سا تھا۔ سفینہ تو چونکی ہی تھیں۔ معیز بھی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

"خیریت ہے ابو؟"

"جب جوان اولاد اپنی من مرضی پر اتر آئے تو بہت کم خیریت بچا کرتی ہے۔" وہ شکوہ کناں انداز میں بولے تو سفینہ حیرت زدہ سی ان کی طرف آگئیں۔

"کیا ہو گیا ہے امتیاز۔ کیا کر دیا معیز نے؟"

"تم میرے کمرے میں آؤ معیز! تم سے بات کرنی ہے مجھے۔" وہ تحکمانہ انداز میں معیز سے کہتے واپس پلٹ گئے۔

"کیا ہوا ہے معیز۔ کون سی من مانی کی ہے تم نے جو اتنی ٹھنڈی طبیعت کے مالک کو غصہ آگیا؟" سفینہ پریشان تھیں۔

معیز نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ امتیاز احمد کس وجہ سے اتنے غصہ ہو رہے ہیں۔

"ہاں اوف۔ ایک کانٹریکٹ میں نے اپنی مرضی سے سائن کر دیا تھا۔ اسی کا غصہ ہے شاید۔"

سفینہ نے گہری سانس لی۔ "توبہ ہے۔ میں نے سوچا پتا نہیں کیا ہو گیا۔"

"میں آتا ہوں۔" وہ امتیاز احمد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"جلدی آنا دونوں۔ کھانا لگانے لگی ہوں میں۔" سفینہ نے پیچھے سے اسے آواز دی تو وہ سر ہلا کے چلا گیا۔

امتیاز احمد کے سامنے جا کے اسے پتا چلا کہ وہ کس درجہ بے چینی اور اضطراب کا شکار تھے۔ مسلسل کمرے کے چکر کاٹتے معیز کو دیکھ کر رکے۔

"جی ابو۔" اس کا اعتماد قابل دید تھا۔

"بہت شرم کی بات ہے معیز!" "میں تمہیں اخلاق کے بہت اونچے درجے پر رکھتا تھا۔ مگر تم نے تو۔" سلگتے لہجے میں وہ لمحہ بھر کو رک گئے اور پھر وہ تاسف سے سر ہلاتے جیسے خود پر قابو پانے لگے۔

انہوں نے یہی سمجھا تھا کہ ایمہا کی آمد کا پتا معیز کو ڈرائیور سے چلا ہے۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ اسے پارکنگ ہی سے واپس لوٹا چکا ہے۔

"میں نے اخلاقیات ہی کا مظاہرہ کیا ہے ابو! ورنہ جو کچھ ماما کرتیں' وہ میرے کیے سے بہت زیادہ ہوتا۔" وہ جتاتے ہوئے اسی اطمینان سے گویا ہوا۔ مگر جیسے جلتی پر تیل ڈال بیٹھا۔

"شٹ اپ معیز۔ ہر وقت اپنی ماما کا ڈراوا مت دیا کرو مجھے۔ اپنے عمل پر تم اپنی ماں کے "متوقع" رد عمل کا پردہ ڈال رہے ہو۔"

یہ شاید زندگی میں پہلی بار تھا کہ وہ معیز سے اس قدرے تند و تیز لہجے میں بات کر رہے تھے۔

معیز نے لب بھینچے۔

"اسے میں نے انوائیٹ کیا تھا۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اسے پارکنگ ہی سے لوٹا دو۔" وہ دھیمے مگر غصیلے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"میں نے جو مناسب سمجھا وہی کیا ابو۔"

"مناسب۔ ہونہہ۔" انہوں نے تلخی سے ہنکارہ بھرا۔

"کیسے جانتے ہو تم مناسب اور نامناسب کے؟"

"وہ میری بہن کے نکاح کا فنکشن تھا ابو! وہاں وہ لڑکی آکر اپنا تعارف کراتی تو کیا عزت بچتی ہماری؟ کیا ہیں ہم؟

چوری چھپے نکاح کرنے والے؟" اس کا لہجہ بھنچا ہوا تھا۔

وہ بھڑک گئے۔

"چوری چھپے؟" نہیں اس کے الفاظ نے جیسے شدید اذیت دی تھی۔

"باپ ہوں میں تمہارا۔ تم اس وقت میرے ساتھ تھے۔ پھر بھی یہ چوری چھپے کا نکاح ہے؟"

"فار گاڈ سیک ابو! اس سارے چکر کو اب ختم کریں۔ اسے برے حالات سے بچانا مقصود تھا۔ ہم نے بچا لیا۔ اب اسے چلتا کریں۔" وہ سخت بے زار اور بدلحاظ ہو کر بولا۔

امتیاز احمد کے اندر بہت گہرا تاسف اترا۔ یکلخت ہی جیسے ان کا تمام غم و غصہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ یاسیت نے لے لی۔

"کیا کروں۔ کہاں بھیج دوں اسے۔ اس کے نکاح کے تین ماہ بعد ہی اس کی ماں مر گئی تھی۔ باپ وہ ہے' جو جوئے میں لگا رہا تھا اسے۔ بتاؤ! ان دونوں میں سے کس کے پاس بھیجوں اسے؟"

معیز چپ سا ہو گیا۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ اسے ایمہا نامی اس لڑکی سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ تھی۔ جوان کے گھر کے لیے ایک قیامت کی مانند تھی۔ وہ جلد از جلد اپنی زندگیوں سے اس کی نکاسی چاہتا تھا۔

"آپ اسے کسی دارالامان میں بھیج سکتے ہیں۔۔۔ طلاق کے بعد۔۔۔ اب تو وہ لوگ اچھی جگہوں پر شادیاں کر دیتے ہیں لڑکیوں کی۔" وہ شاید کچھ زیادہ ہی سخت دل ہو گیا تھا۔ امتیاز احمد کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"معیز!" انتہائی سخت اور غصیلے انداز میں اسے پکارا اور ساتھ ہی اپنا سینہ مسلنے لگے۔

معیز گھبرا کر ان کی طرف لپکا۔ انہیں سہارا دے کر بستر پر بٹھایا اور جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر پڑی شیشی اٹھا کر اس میں سے ایک گولی نکال کر ان کی زبان کے نیچے رکھی۔

"ابو پلیز۔ ریلیکس۔" اسے اپنی بے وقوفی کا شدت سے احساس ہوا۔ وہ ہارٹ پیشنٹ تھے۔ کوئی بھی ذہنی و جذباتی دباؤ ان کی طبیعت بگاڑ سکتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" ان کے شانے دباتا وہ نادم سا تھا۔ "پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے مجھے۔ شاید یہ سب میرے لیے ناقابل قبول ہے' اس لیے۔"

ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔

"تم کیا جانو معیز۔ میرا کیا حال ہے۔ کیسا بوجھ اٹھا لیا ہے میں نے اپنے کاندھوں پر۔ راتوں کی نیند اڑ گئی ہے میری۔ زندگی کا کیا بھروسا۔ کچھ گھنٹے ہیں یا پل۔۔۔ اور صالحہ سے اتنی بڑی ذمہ داری لے لی میں نے۔"

وہ دکھی تھے اور پشیمان بھی۔

معیز تڑپ اٹھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ابو۔ آئم رئیلی سوری۔ اگر آپ کو میرے عمل سے تکلیف پہنچی ہے تو۔"

"معیز! میں اسے اس گھر میں لانا چاہتا ہوں یار۔ سوچو کوئی تو طریقہ ہو گا؟" وہ بچوں کی سی معصومیت سے بڑی امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

معیز کو کرنٹ سا لگا۔ "ابو۔"

"میں اسے اپنی زندگی میں ہی اس گھر میں لے آنا چاہتا ہوں معیز۔ میرے بعد وہ دارالامان کے دھکے کھائے۔ میری روح بھی تڑپے گی معیز۔" وہ تھک سے گئے۔

"بس کریں ابو پلیز۔" معیز کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"ٹھیک ہے نا یار۔ اگر وہ اس رشتے سے یہاں نہیں آسکتی تو کسی اور بہانے سے۔ مگر یہاں اس کے لیے تحفظ تو

www.paksociety.com

ہے۔" ان کا لہجہ بھیگنے لگا۔

معیز کے دل کو کچھ ہونے لگا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ سب خالی پیٹ کی دہائیاں ہیں۔ اٹھیں! اماں نے کھانا لگا دیا ہے۔" اس نے زبردستی انہیں بھی تھام کر اٹھایا۔ وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے اپنا بازو چھڑا کر اس سے آگے نکل گئے۔

معیز نے ایک نظر اپنا خالی ہاتھ دیکھا۔ امتیاز احمد کی نگاہوں نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔ وہ ذہنی انتشار کا شکار ہونے لگا۔

☼ ☼ ☼

معروف ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر وہ استفہامیہ نظروں سے زارا کو دیکھنے لگا۔

"نہیں پلیز۔ کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔" زارا نے اس کا مقصد جان کر فوراً" کہا۔

"کم آن یار۔ لنچ ٹائم ہو رہا ہے۔" سفیر نے نگاہ بھر کے اپنی منکوحہ کو دیکھا۔ نکاح کے بعد آج پہلی بار وہ اس کے ہمراہ لانگ ڈرائیو کے لیے نکلی تھی۔

جدید طرز کا سلا لیمن کلر کا لباس پہنے وہ سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔

اس کی نگاہ کے جمود کو محسوس کر کے زارا اپنی تمام تر بولڈنیس کے باوجود اپنی ہتھیلیاں پسیجتی محسوس کر رہی تھی۔

خفیف سے پلکیں اٹھا کر سفیر کو دیکھا۔ پھر سٹپٹا کر بولی۔

"اوکے! پھر آئس کریم ٹھیک ہے۔"

وہ پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے ہنسا۔

"یار! تمہاری خاطر گھر کا کھانا چھوڑ کے آیا ہوں اور تم یہاں آئس کریم پہ ٹرخا رہی ہو۔"

"آپ لنچ کر سکتے ہیں جناب۔ آپ پر پابندی تھوڑی ہے۔" زارا کھل کے مسکرائی۔

سفیر نے گاڑی لاک کی اور زارا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روکتے ہوئے زارا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو بہت سی ستائشی نگاہوں نے اس جوڑی کو دیکھا۔

وہ قدرے کارنر کی ٹیبل پر آ بیٹھے۔

"حالانکہ اب ہمیں فیملی کیبن لینا چاہیے تھا۔" اس کے لیے کرسی نکالتے ہوئے سفیر شرارت سے بولا۔

زارا ہنس دی۔

وہ اس کے مقابل آ بیٹھا اور پرشوق نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پہلے تو وہ جز بز ہوئی۔ پھر جھنجلا گئی۔

"سفیر۔" اس کے تنبیہی انداز پر وہ محظوظ ہوا۔ پھر مصنوعی ناراضی سے بولا۔

"کیا یار! اب بندہ اپنی بیوی کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"دیکھ سکتا ہے۔ مگر یوں پبلک پلیس پر نہیں۔" زارا نے برجستہ کہا۔

"آہا۔" وہ کھل اٹھا۔ آگے کی طرف جھک کر اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

"یعنی تنہائی میں بھی ملاقات کا ارادہ ہے تمہارا؟"

"میرے خیال میں آپ کو بہت بھوک لگی ہے۔ بہتر ہو گا کہ لنچ آرڈر کر لیں۔" زارا نے اس کے رومانٹک موڈ کو بدلنے کی سعی کی۔ وہ گہری سانس بھر کر ویٹر کو بلانے لگا۔

کھانا آرڈر کرنے کے بعد وہ زارا کی طرف متوجہ ہوا وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اونچا لمبا' خوش شکل اور خوش گفتار سفیر احسن اسے اچھا لگا تھا۔

سفیر کے ایک دم سے دیکھنے پر وہ خجل سی ہو گئی۔

"کیا لگا پھر؟"

سفیر کے پوچھنے پر وہ بے ساختہ بولی۔ "کیا؟"

"سفیر احسن۔"

وہ اطمینان سے بولا تو وہ جھینپتی ہوئی ہنس دی۔ سفیر کے مجبور کرنے پر اسے بھی تھوڑا بہت کھانا ہی پڑا۔ ویٹر ابھی ان کے سامنے آئس کریم کے بلوریں گلاس رکھ کے گیا تھا۔

"یو نو زارا! میں ہمیشہ سے سوچتا تھا کہ میری بیوی وہ لڑکی ہو جس سے میری بہت دوستی ہو۔ جو بہت کیئرنگ اور شیئرنگ ہو۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔

"شیئرنگ؟" زارا نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"بے شک بیلنس نہیں۔ اپنے جذبات و احساسات' اپنی ہر خوشی' ہر غم مجھ سے شیئر کرے۔ اور ایک دوسرے کے ہوتے ہمیں کسی تیسرے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔" وہ مسکرایا۔

زارا کو اس کے خیالات جان کر دلی خوشی ہوئی۔ جیسی بیوی کی وہ ڈیمانڈ کر رہا تھا۔ بحیثیت شوہر وہ خود بھی ویسا ہی لگ رہا تھا۔ فرینڈلی' کیئرنگ اینڈ شیئرنگ۔

اس ایک لنچ نے ان کے مابین دوستی کے رشتے کو پروان چڑھا دیا تھا۔ زارا خوش تھی۔ بے حد خوش۔

☼ ☼ ☼

"یار... ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"

حنا متفکر سی اس کے پاس آئی۔ ابھی اس کے موبائل پہ کوئی کال آئی تھی تو وہ اٹھ کر بات کرنے کاریڈور تک گئی تھی۔

ایہا نے نوٹس ترتیب سے پن اپ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ساری پاکٹ منی تم آج کی شاپنگ میں لگا چکیں۔ خالی پرس تمہارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ پھر اور کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟" اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ مگر وہ یونہی سنجیدہ رہی۔

"یار! میرے انکل کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"کون سے انکل؟"

"ہیں نا ں ایک۔ چچا ہی سمجھ لو۔ مجھ سے بڑا پیار ہے ان کو۔ اپنی اولاد جو نہیں ہے بے چاروں کی۔"

حنا نے تفصیل بتائی۔ ایہا نے محض سر ہلا دیا۔

"کمال ہے یار! حد ہوتی ہے بے مروتی کی بھی۔ مسئلہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں۔"

اسے لاپروائی سے نوٹس کے ساتھ منہمک دیکھ کر حنا نے ناراضی کا اظہار کیا تو وہ سٹپٹائی۔

"ہیں! مسئلہ ابھی باقی ہے کیا؟ تم نے بتا تو دیا کہ تمہارے انکل کی طبیعت ناساز ہے۔"

"یار! اس ہاسٹل میں سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے باہر نکلنے کے لیے اس کھڑوس وارڈن سے پرمیشن لینا ہے۔" اس نے منہ بسورا۔

"لیکن تمہیں باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سارا ٹائم تو آج شاپنگ میں لگا آئی ہو۔" ایہا معترض ہوئی۔

"اوفوہ۔ ایک تو بندہ دنیا میں اتنا اکیلا بھی نہ ہو کہ اسے پتا نہ چلے کہ دنیاداری پلس رشتہ داری کیسے نبھائی جاتی ہے۔" حنا نے منہ پھلایا۔

اس کی بات کا تیر ٹھک سے ایمہا کے دل میں کھب گیا۔ اور جو اتنے مضبوط رشتے کے ہوتے بھی دنیا میں تن تنہا ہو اس کا کیا کہنا؟ وہ تیزی سے پلکیں جھپک کر نمی روکنے لگی۔

"یار ان کی عیادت بنتی ہے نا۔ ابھی فون پہ بات ہوئی ہے میری ان سے۔ خفا ہو رہے تھے کہ کیسی بھتیجی ہو۔ پوچھنے بھی نہیں آئیں۔"

حنا اپنے ہی مسئلے میں الجھی تھی۔ ایمہا نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے نوٹس سائیڈ پر رکھ دیے اور اسے مشورہ دیا۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں کہ گھر چلی جاؤ۔ اس شہر میں گھر ہے تمہارا۔ پھر بے گھری کا دکھ کیوں کاٹ رہی ہو۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔" حنا نے سرہلایا۔ "وہاں کی خالی دیواریں مجھے کاٹتی ہیں۔ مما کی اپنی سوشل لائف ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم جیسی معصوم چڑیا مجھے ہاسٹل میں ہی مل سکتی ہے باہر والیوں کے تو پر نکلے ہوتے ہیں۔"

حنا کی بات پر وہ ٹھٹکی۔ حیرت سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اتنی معصوم 'اتنی اچھی دوست۔ میں تو کہتی ہوں کہ تم بھی میرے گھر چلو یار۔ دونوں وہاں ہوں گی تب شاید میں بھی رہ پاؤں۔"

جوش سے کہتے حنا نے ہزاروں بار کی جانے والی آفر دہرائی۔ جو ہر بار ہی ایمہا کو بدکا دیتی۔

"اچھا۔ اب تم دوبارہ اپنے مسئلے کی طرف آؤ۔ اصل میں مسئلہ کیا ہے؟" ایمہا نے جلدی سے بات گھمائی۔ تو اسے چند لمحے گھورنے کے بعد حنا نے مجبوری سے کہا۔

"وارڈن اجازت نہیں دے گی یار۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ تم ہونا۔ ہم تمہارے انکل کی عیادت کا بہانا کرکے جاسکتی ہیں۔"

حنا نے جوش سے کہا۔ ایمہا نے بے اختیار ہاتھ جوڑے۔

"خدا کے لیے مجھے تو معاف ہی رکھو۔"

"کیسی دوست ہو تم۔" حنا نے اسے تاسف سے دیکھ کر کہا۔ تو اس نے صفائی پیش کی۔

"تمہارا کیا خیال ہے 'وارڈن بے وقوف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ میرا رابطہ بہت کم لوگوں سے ہے۔ پھر یہ انکل کہاں سے آگئے؟"

"کم آن یار ایس میں نے کہہ دیا تو طے ہوگیا۔ یہ نہیں سوچتیں کہ اسی بہانے تم بھی باہر نکلو گی تو اس نثری جیسی شکل پہ شاید رونق ہی آجائے۔" اس نے قطعی انداز میں فیصلہ سناتے ہوئے طنز بھی کیا تو ایمہا سے مسکراہٹ روکنا مشکل ہوگیا۔

"چلو اٹھو۔ ابھی جاؤ اور اس چنگیز خان کے زنانہ ایڈیشن سے اجازت لے کر آؤ۔ آدھے گھنٹے تک ہمیں نکلنا ہے۔ اور شام سے پہلے واپس پہنچنا ہے۔"

حنا نے اسے پچکارا تو نہ چاہتے ہوئے بھی ایمہا کو اٹھنا ہی پڑا۔

حنا کے ہونٹوں پر دھیرے دھیرے پھیلنے والی مسکراہٹ بہت معنی خیز تھی۔ وہ گنگناتے ہوئے اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی بھنوؤں کی شیپ چیک کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اجنبی نمبر سے آنے والی کال کو معیز نے دوبار نظرانداز کیا مگر دوسری طرف بھی کوئی انتہائی "مستقل مزاج" بندہ تھا۔ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے معیز نے موبائل اٹھایا اور کال ریسیو کرتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگالی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو معیز۔" بے حد بے تکلفانہ انداز۔ وہ بری طرح چونکا۔ آواز سراسر زنانہ تھی۔

"جی۔ معیز بات کررہا ہوں۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"اچھا۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔ "کیا ہر ایک کے ساتھ اسی احتیاط کے ساتھ بات کرتے ہیں؟"

"پکچوئلی میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" اسی سنجیدگی کے ساتھ وہ صاف گوئی سے بولا۔

"چلیں۔ پہچان جائیں گے جناب۔ ایک آدھ ملاقات اور ہو جانے دیں۔" وہ معنی خیزی سے کہتی معیز کو دانت جمانے پر مجبور کرگئی۔

"دیکھیں۔ یہ پزل وغیرہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں۔ ناؤ کم ٹو دی پوائنٹ۔ فون کس لیے کیا ہے آپ نے؟"

اس نے ابھی بھی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ لڑکی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس سے واقف ہے۔ اسی لیے وہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرنے سے اجتناب کررہا تھا۔

"بھئی' ظاہر ہے آپ سے باتیں کرنے کے لیے۔ موبائل فون کا مصرف تو یہی ہے نا۔" لڑکی کی معصومیت قابل دید تھی۔

"محترمہ! نہ تو میں اتنا فارغ ہوں اور نہ ہی میری نظر میں موبائل فون کا یہ مصرف ہے۔" اس نے رکھائی سے کہتے ہوئے موبائل آف کردیا۔

اسے در حقیقت ایسے لڑکے لڑکیوں پر افسوس ہوتا تھا جو سائنس کی بہترین ایجاد کو انتہائی غلط انداز میں استعمال کرتے تھے۔ سستے ترین پیکجز۔ کالجز کے اسٹوڈنٹس تو ایک طرف رہے اسکول جانے والے لڑکے لڑکیوں کو بھی برباد کرنے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ فقیروں کو حقارت سے دیکھنے والے خود بیس تیس روپے کے بیلنس کی بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر۔

اس کی سوچ کہاں کی کہاں بھٹکنے لگی۔ آفس سے اٹھنے تک وہ اس کال کو بھول چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

امتیاز احمد اس سے اب برائے نام ہی بات کرتے تھے۔ جب سے ایمہا والا واقعہ ہوا تھا۔ تب سے انہوں نے معیز سے انتہائی ضرورت کے علاوہ بات چیت بند کررکھی تھی۔ اور یہ صورت حال معیز کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ وہ ماں باپ کا بہت لاڈلا بچہ تھا۔ اس لیے دونوں ہی کے نزدیک تھا۔ ایسے میں امتیاز احمد کا رویہ اسے بہت تکلیف پہنچا رہا تھا۔ پہلے وہ آفس سے اس کے ساتھ ہی لوٹتے تھے مگر آج کل وہ اس سے پہلے ہی ڈرائیور کے ساتھ نکل جاتے۔

معیز ذہنی پریشانی کا شکار ہونے لگا تھا۔ ایک ایسا مسئلہ جس میں اسے زبردستی شریک کیا گیا تھا۔ اب اس کے گلے کی ہڈی بنایا جارہا تھا جسے نہ وہ اگل سکتا تھا اور نہ ہی نگل سکتا تھا۔

آج وہ امتیاز احمد سے ان کے سرد رویے کی بابت بات کرنے کا ارادہ لے کر گھر آیا مگر لاؤنج میں مچی خوشگوار سی ہلچل اسے ٹھٹکا گئی۔ ایزد اور زارا کے ساتھ زارا کی نند رباب بھی موجود تھی اور تینوں کسی بات پر بحث کرتے

ہوئے ہنسی مذاق میں بھی مصروف تھے۔

"آؤ معیز۔ بڑے موقع پر آئے۔ چائے تیار ہے۔"

سفینہ نے اسے پکار لیا تو اسے ان کے انداز ہی سے اندازہ ہو گیا کہ اسے لاؤنج میں آنا چاہیے۔ اور رباب سے سلام دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہ زارا کی سسرال کا معاملہ تھا۔ حالانکہ وہ اس وقت سیدھا جا کر ابو سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے مجبوراً "رکنا ہی پڑا۔

رباب نے بڑی خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ معیز وہیں زارا کے ساتھ صوفے میں دھنس گیا۔

"آپ کے یہ بھائی بڑے مصروف رہتے ہیں۔" وہ ایزد اور زارا سے کہہ رہی تھی۔ ایزد کو صدمہ ہوا۔

"یعنی دوسرے لفظوں میں میں ویلا نکما ہوں آپ کی نظر میں؟"

وہ مدھم سا ہنسی تو معیز چونک سا گیا۔ بلا ارادہ ہی نگاہ اس کے پرکشش چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ یہ ہنسی بڑی شناسا سی لگی تھی۔

"بڑی جلدی نتیجے پر پہنچے ہو۔" وہ ایزد کو چھیڑنے لگی۔

"یہ بھی کہاں فارغ رہتا ہے۔ بے چارہ اتنی کڑی ڈیوٹی دیتا ہے۔ گرلز کالج کے باہر۔" زارا نے چائے ڈالتے ہوئے رباب کا ساتھ دیا تو وہ برجستہ بولا۔

"وہ تو صرف اس لیے کہ تمام بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ بخیریت رخصت ہو جائیں تو میں تمہیں لے کر آؤں۔ یہ تو میری فرض شناسی ہوئی نا۔"

"یعنی کہ حد سے فرض شناسی کی۔" زارا نے طنز کیا۔ تو وہ پھر سے ہنسی۔ وہی مخصوص انداز میں ہلکا سا قہقہہ۔ معیز کا ذہن الجھا اسی بے خیالی میں وہ رباب ہی کو دیکھتا سوچ رہا تھا کہ یہ ہنسی اسے یوں ڈسٹرب کیوں کر رہی ہے؟ جبھی رباب نے ایک دم سے اس کی طرف دیکھا۔ معیز کو اپنی طرف یوں "محویت" سے متوجہ پا کر بڑے انداز سے مسکرا دی۔

یک دم ہی معیز کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ وہ بد تہذیبی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ یوں بلاوجہ کسی لڑکی کو سامنے بیٹھ کے گھورنا مینرز کے خلاف تھا۔ وہ خفیف سا ہو گیا۔ اور فوراً" وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں فریش ہو کے آتا ہوں۔"

"میں ذرا تمہارے ابو کو دیکھوں۔ سر میں درد کا کہہ رہے تھے۔" سفینہ معذرت خواہانہ انداز میں زارا سے کہتی اٹھ گئیں۔

"جی۔ میں چائے دے آئی ہوں ابو کو۔ ساتھ میں ٹیبلٹ بھی۔" زارا نے بتایا تو وہ سر ہلاتی چلی گئیں۔

معیز اس کے بعد فریش ہو کر چائے پینے بھی نہیں آیا تھا۔ اس کا رباب کی کمپنی میں بیٹھ کر مزید مروت نبھانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ اطمینان سے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے ٹانگیں پھیلا کر اور لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ عون سے چیٹنگ جاری تھی۔

زارا اسے مصروف دیکھ کر اس کی چائے پاس رکھ گئی۔ اس کے بعد وہ کھانا لگنے کی اطلاع پر ہی اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔

رباب ابھی بھی وہیں موجود تھی۔ وہ یقیناً" ڈنر کے بعد جانے والی تھی۔

معیز کو حیرت نے گھیرا۔ وہ سب کے ساتھ اتنی گھل مل گئی تھی۔ اتنی بے تکلفی سے لاؤنج کچن اور ڈائننگ کے چکر لگا رہی تھی جیسے کہ جانے کب سے اس گھر میں آنا جانا ہو۔ اس نے سفینہ اور زارا کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ ٹیبل پر کھانا بھی لگایا تھا۔

"کوئی بات نہیں آنٹی۔ پکا نہیں سکتی لگا تو سکتی ہوں۔"

"یعنی آپ اس محاورے کو غلط ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ جس میں اچھا پکا ہوا کھانا کھلا کر شوہر کے دل پر راج کرنے کی پلاننگ کی گئی ہے۔ آپ یہ مہم صرف کھانا "لگا" کر ہی سرانجام دیں گی۔ ویری پول۔"

کرسی گھسیٹتے ہوئے ایزد نے سر دھنا۔ معیز نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔ زارا کے ساتھ رباب کا رشتہ ایسا تھا کہ اسے گفتگو میں احتیاط برتنی چاہیے تھی مگر وہ لاابالی کہاں ایسی محتاط روی کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

امتیاز احمد بھی کھانے کی میز پر آ گئے تو کھانا شروع ہوا۔ کھانے کے دوران بھی زارا 'رباب اور بالخصوص ایزد کی شگفتہ بیانی نے ماحول بنائے رکھا۔ معیز کو ابو کا موڈ بھی اچھا لگا۔ وہ ایزد کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔ معیز کو لگا اب ان سے سوری کرنا آسان ہو گا کیونکہ وہ پچھلے دنوں والے موڈ میں نہیں تھے۔ مگر کوفت کا شکار تو وہ تب ہوا 'جب کھانے کے تھوڑی دیر بعد سفینہ نے آکر اسے رباب کو گھر ڈراپ کر آنے کو کہا۔

"میں؟" وہ حیران ہوا تو سفینہ نے اسے گھورا۔

"ہاں، تم۔ سفیر گھر پہ نہیں ہے۔"

"تو اسے ایزد کے ساتھ بھیج دیں۔ مجھے ابو سے کچھ ضروری ڈسکشن کرنی ہے۔" اس نے صاف جواب دیا۔

"اسی کو کہتی اگر وہ کھانے کے فوراً" بعد دوستوں کے ساتھ نہ نکل گیا ہوتا۔" سفینہ نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

وہ جھنجلا سا گیا۔ "مام پلیز۔ یہ جبری مشقت اور زبردستی کی ڈیوٹیز مجھ سے نہیں نبھائی جاتیں۔"

جب وہ تنک کر کہہ رہا تھا 'اسی وقت کسی نے ہلکی سی دستک دے کر دروازہ اندر کی طرف کھولا۔ رباب کو دیکھ کر سفینہ تو گڑبڑائیں ہی معیز بھی خجل سا ہو گیا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کے کمرے تک آ جائے گی۔

"ایکسکیوزمی آنٹی! اگر معیز بزی ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں ٹیکسی میں چلی جاتی ہوں۔ کون سا آدھی رات ہو رہی ہے۔" نارمل سا انداز۔

"ارے نہیں رباب! ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ بس آ رہا تھا معیز۔" معیز پر ایک جتاتی نظر ڈال کر وہ رباب کو لیے کمرے سے نکل گئیں وہ بے زاری کے حصار میں گھرنے لگا۔ مگر مجبوری گلے آن پڑی تھی سو نبھانا ہی تھا۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر یونہی سنوارا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر چل پڑا۔

سفر بے حد خاموشی سے جاری تھا۔ رباب کا گھر تقریباً" دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔

"انسان اگر کسی کام پر راضی نہ ہو تو اسے کھل کر اس کی مخالفت کرنی چاہیے۔" اس کی سی ڈیز چیک کرتی رباب نے اونچی آواز میں یقیناً" اسی کو سنایا تھا۔

معیز کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ گہری سانس بھرتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"تھینک گاڈ۔ تم مسکرا بھی سکتے ہو۔"

اب کی بار وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

"تھاٹ بیڈ۔ زارا بہت تعریف کر رہی تھی تمہاری مسکراہٹ کی۔" رباب کا انداز بے حد بے تکلفانہ تھا۔ جو سچ تو یہ تھا کہ معیز کو پسند نہیں آیا۔ اس کی دوبارہ سے خاموشی اور سنجیدگی کو رباب نے سرعت سے محسوس کیا۔

"آئم سوری۔ تم نے شاید میری بے تکلفی کو مائنڈ کیا ہے؟" وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔ پھر صاف گوئی سے بولی۔

"بکچوئیلی۔ میں جو اندر سے ہوں 'وہی باہر سے بھی ہوں۔ جو دل میں ہو کہہ دیتی ہوں۔"

"میں نے مائنڈ نہیں کیا۔ جو تم ہو 'اس پر یقیناً" مجھے اعتراض کا کوئی حق نہیں۔" وہ دل توڑنے کی حد تک سنگ دل تھا۔ بے اعتنائی سے بولا۔ رباب نے لحہ بھر اسے دیکھا۔

"مگر جب ہم اچھے دوست بن جائیں گے تو تمہیں یقیناً" یہ حق بھی حاصل ہو گا۔" دعونس بھرا انداز۔ زور

اور۔ اپنا آپ منوا تا ہوا۔

"میں بہت کم اور بہت دیر میں دوست بناتا ہوں۔"

معیز کے لب و لہجے میں سرد مہری سی اتر آئی۔ وہ کسی کے لیے بھی خود تک پہنچنے والے راستوں کو آسان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ معیز نے اس کے عالیشان بنگلے کے باہر گاڑی روکی۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے اتری اور آگے سے گھوم کر اس کی کھڑکی کی طرف آئی۔

"مگر مجھے تو عادت ہے نا دوست بنانے کی 'اچھے اور مخلص۔" وہ نرمی سے مسکرا رہی تھی۔ معیز نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ وہ رباب کی خود میں دلچسپی کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ مگر اسے اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"تھینکس فار دی لفٹ۔"

وہ پلٹ کر بیل بجانے لگی۔ معیز نے چوکیدار کے گیٹ کھولنے تک ہی انتظار کیا اور گیٹ کھلتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر آیا تو سفینہ اس کی منتظر تھیں۔

"ابو کہاں ہیں؟"

"چھوڑ آئے رباب کو؟" انہوں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے جواباً" سوال کیا تو وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہوا۔

"ظاہر ہے۔ اب جیب میں ڈال لینے سے تو رہا۔" ٹی وی کے سامنے براجمان ایزد کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"پرائی بچی ہے۔ اس لیے فکر ہو رہی تھی۔" سفینہ نے خفگی سے کہا۔

"تو پرائی بچی کو کس نے کہا تھا 'آدھی رات تک پرائے گھر میں رکے۔" معیز اکتاہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"بھائی! ایک تو آپ بھی نا۔ وہ تو اتنی تعریفیں کرتی رہی ہے آپ کی اور آپ ایسے چڑ رہے ہیں اس سے۔" زارا اپنے امیر سسرالیوں سے کافی متاثر تھی۔ معیز اپنا مسئلہ بھول سامنے آ بیٹھا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے ڈسکس کرنے کا مطلب کیا ہے تم لوگوں کا؟" اس کے انداز کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے زارا گڑبڑائی۔

"کم آن معیز! کسی کی پسند و ناپسند پہ آپ بین تو نہیں لگا سکتے نا۔" سفینہ فوراً" زارا کی حمایت کو آئیں۔ معیز نے مزید کچھ کہنے کو وا ہوتے لبوں کو باہم بھینچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابو کا پوچھا تھا میں نے؟" وہ سفینہ کی طرف متوجہ تھا۔

"وہ تو میڈیسن لے کر لیٹ گئے ہیں۔ اب تک تو شاید سو بھی چکے ہوں۔" ان کے بتانے پر وہ گہری سانس بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھائی کتنے بدل گئے ہیں ماما! ذرا جو کوئی بات برداشت کرتے ہوں۔" زارا نے منہ بسورا۔

"اتنی تعریفیں رباب کے سامنے میری کی ہوتیں تو وہ آٹوگراف بک لیے میرے آگے پیچھے پھر رہی ہوتی۔" ایزد نے اس کی شکل دیکھ کر فقرہ کسا۔

"جنہ میں منہ اور مسور کی دال۔"

زارا تلملائی۔ ایک تو پہلے ہی دل جل رہا تھا۔ اوپر سے وہ مزید تیل چھڑک رہا تھا۔

"نہیں۔ چنے کی بھی ہو سکتی ہے بلکہ ماش کی شاہی دال مجھے پسند بھی بہت ہے۔" حسب عادت وہ بات کو کہیں کا کہیں لے گیا تھا۔

جبکہ ان کی نوک جھونک سے بے خبر سفینہ اپنی سوچ میں گم تھیں اور ان کی سوچ کا محور معیز میں وہ ایک سال سے در آنے والی تبدیلی تھی۔ وہ حقیقتاً" معیز کی شادی کرنے کا سوچنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اس شان دار سی کوٹھی میں داخل ہوتی ایمہا بڑے اشتیاق سے ہر شے کا جائزہ لے رہی تھی۔ ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

"صاحب فون پر بزی ہیں ابھی۔" انہیں کولڈ ڈرنک سرو کرتے ہوئے ملازم نے بتایا۔ عجیب سا آدمی تھا یا شاید ایمہا کو عجیب لگا۔ خوامخواہ دانت نکالتا۔ بے تکلفی سے باری باری حنا اور ایمہا کو دیکھتا۔

"کس قدر فضول آدمی ہے۔" ملازم کے جاتے ہی ایمہا نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"کون؟" حنا چونکی۔

"تمہارے انکل کا ملازم اور کون۔" ایمہا نے ناگواری سے کہا۔

وہ حیران ہوئی۔ "کیا کیا اس نے؟"

ایمہا نے بے یقینی سے حنا کو دیکھا۔

"تم نے دیکھا نہیں' کیسے دانت نکال رہا تھا اور فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اچھا۔ میں نے تو ایسا کچھ محسوس نہیں کیا۔ وہ بے چارہ تو شاید خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔" سرسری انداز میں کہہ کر وہ جوس پینے لگی جس کلاس سے حنا کا تعلق تھا وہاں بھلا ان چھوٹی موٹی باتوں کی کیا اہمیت؟ ایمہا سوچ کے ٹھنڈی پڑ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد حنا کے انکل آئے۔ حنا کھڑی ہوئی تو مجبورا" ایمہا کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

"او جان۔۔۔ کیسی ہو؟"

انکل نے لپٹا کر حنا کو پیار کیا تھا۔ ایمہا بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔ حنا اپنے انکل کی بانہوں میں تھی' وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ انچ بھر کے فاصلے پر چہرے۔

"آپ کیسے ہیں انکل جی؟" حنا کے انداز میں شوخی تھی۔ جوابا" انہوں نے ایک ہاتھ سے حنا کے ماتھے پر آئی لٹ سنوارتے ہوئے پیار سے کہا۔

"میں تو اپنی جانو کے بغیر بالکل ادھورا تھا۔ آج آئی ہو تو کچھ چین آئے گا۔"

ایمہا کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ حلق خشک ہو گیا۔ پھر اچانک جیسے حنا کو یاد آیا تو وہ ان سے الگ ہو کر ایمہا کی طرف پلٹی۔

"انکل کو مجھ سے بہت پیار ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا ان کی اپنی اولاد نہیں ہے۔" حنا اسے یاد دلا رہی تھی۔

ایمہا نے انکل کو سلام کرتے ہوئے اندر ہی اندر اپنی تنگ نظری پر خود کو ملامت کی۔

شاید وہ جن حالات سے گزر کے آئی تھی' وہ اسے شکی بنا گئے تھے۔ اونچے لمبے شان دار سے انکل ایمہا کا خوش دلی سے حال چال پوچھ رہے تھے۔

"حنا نے بتایا تھا مجھے فون پر تمہارے بارے میں۔ بہت دوستی ہے تم دونوں کی۔" وہ بڑے پیار سے ایمہا کو دیکھ

رہے تھے۔

"جی۔" وہ اپنی جگہ پر کسمسائی۔ "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بس۔ اپنی بچی کو دیکھ لیا۔ سمجھو جان میں جان آ گئی۔" وہ اب معنی خیز نظروں سے حنا کو دیکھ رہے تھے۔

"اور آپ کی مسز کہاں ہیں؟" ایمہا نے یونہی پوچھ لیا۔

"وہ۔ بیڈ روم میں آرام کر رہی ہیں۔ جوڑوں کا مسئلہ ہے نا۔ اسی لیے نیچے نہیں آئی ہوں گی۔" حنا نے جلدی سے بیان دیا تھا۔ پھر فورا" ہی صفائی بھی پیش کر دی۔

"دراصل .... وہ اس وقت آرام ہی کر رہی ہوتی ہیں۔"

"ہاں بالکل۔ چلو نا بیڈ روم میں۔" انکل نے دو انگلیوں کی پشت سے حنا کے گال کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ان کی نگاہ حنا کی نگاہوں میں پیوست تھی' وہ کھل کے مسکرا دی۔

"کیوں نہیں۔ ضرور۔" پھر وہ ایمہا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ایمہا! تم ذرا دیر بیٹھو۔ میں آنٹی سے مل آؤں۔" وہی دانت نکوستا ملازم ان کے سامنے ٹیبل پر چائے اور ناشتا رکھنے لگا۔ وہی عجیب سی نگاہیں۔ ایمہا گھبرا گئی۔

"نن۔۔۔ نہیں۔ میں بھی چلتی ہوں۔ آنٹی سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

"سوری یار! اگرو اجنبیوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔" حنا کے صفاچٹ مگر معذرت خواہانہ انداز پر وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اسے حنا سے اس قدر بداخلاقی کی توقع نہ تھی۔ انکل اس کے شانے پہ ہاتھ پھیلائے اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

"اور کچھ چاہیے تو بتا دیں۔" ملازم اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" ایمہا نے قدرے رکھائی کا مظاہرہ کیا تو وہ منہ بناتا باہر چلا گیا۔ وقت گزاری کے لیے ایمہا نے ایک آدھ بسکٹ کترا۔ چائے کا کپ پی کر خالی کر دیا۔ مگر حنا کی واپسی نہ ہوئی۔ اس دوران وہی مشکوک سا ملازم کسی نہ کسی کام کے بہانے ادھر ادھر چکر لگاتا رہا۔ ایمہا کا دل گھبرانے لگا۔

"سنو۔" اس نے ملازم کو پکارا۔ وہ جیسے اسی انتظار میں تھا۔ لپک کر آیا۔

"حنا کو بلا دو ذرا۔" ایمہا نے تحکمانہ انداز اپنانے کی کوشش کی۔ (آخر کو حنا کے چچا کا گھر تھا۔)

"وہ۔ آپ کی دوست؟ جو اوپر صاحب کے بیڈ روم میں گئی ہیں؟" وہ اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت طلب کر رہا تھا۔ جیسے حنا کی حقیقت سے واقف ہی نہ ہو۔

"ہاں۔ بھتیجی ہے وہ تمہارے صاحب کی۔" ایمہا نے جتایا تو ملازم کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ بڑے استہزاء سے ہنسا۔

"جانتا ہوں میں۔ کون سا پہلی بار آئی ہیں۔ بھتیجی صاحبہ۔" طنز و استہزاء سے ہنستا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا وہ چلا گیا۔ ایمہا خوف کا شکار ان ہوجو حد تی نگاہوں سے سمٹی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"یا اللہ۔۔۔ پاگل ہے یہ شخص شاید؟" اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اسے حنا پر سخت غصہ آیا اور اپنی کمزوری پر بھی۔ وہ کیوں منہ اٹھائے ہر جگہ حنا کے ساتھ چل پڑتی تھی۔

اسی غصے میں وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔ وہ اس عجیب سے ماحول والے گھر میں مزید ایک لمحہ بھی نہیں رکنا چاہتی تھی۔

"جا رہی ہیں آپ؟" وہی ملازم باہر برآمدے میں ٹکرا گیا۔ ایمہا نے مضبوطی سے اپنے شانے پر لٹکے بیگ کی اسٹریپ کو پکڑا۔

"کیوں۔ تم سے مطلب۔؟"
"اپنی سہیلی کو تو فارغ ہو لینے دیتیں۔" وہی معنی خیز سا لہجہ۔
"اسے میرے جانے کا بتا دینا۔" وہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ گیٹ سے باہر نکلنے تک اس کی ٹانگیں لرزتی ہی رہیں۔ باہر روڈ پر آکر اس نے سکون کی سانس لی۔
وہ یوں ہی دل میں حنا سے برگشتہ تھی۔ جو اسے ساتھ لا کے یوں بھولی تھی جیسے وہ ساتھ موجود ہی نہ ہو اور ایسے ہی مواقع ہوتے تھے جب وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرتی تھی۔ سڑک کے کنارے چلتی وہ خود ترسی کا شکار تھی۔
وہ اپنی ماں کی بہت لاڈلی ہوا کرتی تھی۔ مگر اکثر یہ زمانہ لاڈلوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتا ہے۔ آنسو پیتی وہ غائب دماغی کی کیفیت میں رکشہ روکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

امتیاز احمد آفس میں میٹنگ کے بعد اس کے ہاتھ لگے۔
"مجھے آپ سے بات کرنی ہے ابو۔" وہ احتجاجاً بولا۔
"بات تو مجھے بھی تم سے کرنی ہے۔" وہ آگے بڑھ کے اپنی ریوالونگ چیئر میں دھنس گئے۔
معیز ان کے مقابل بیٹھ گیا۔
"بات کرنے سے بات بنتی ہے۔ آگے بھاگنے سے نہیں۔" اس کے طنز کو پا کر امتیاز احمد نے سنجیدگی سے کہا۔
"بعض اوقات بات سے بھاگنے والے کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں۔ شاید کسی نتیجے پر پہنچنے کی خاطر وقت لے رہے ہوتے ہیں یوں بھاگ کر۔"
"یہ قدم میری مرضی سے اٹھایا گیا تھا ابو! اور اب اگر اس رشتے کے بارے میں کوئی فیصلہ ہونا ہے تو اس میں بھی آپ کو میری مرضی کو اولیت دینی چاہیے۔ نہ کہ تین سال پہلے کی طرح خود فیصلہ کر کے بات میری فرماں برداری پر چھوڑ دی جائے۔" وہ سلگا تھا۔
چند ثانیوں تک وہ یوں ہی اسے دیکھتے رہے۔ پھر گویا تھک کر بولے۔ "تو پھر تم وہی کرو جو تمہاری ماں کہتی ہے۔"
"کیا۔؟" وہ نا سمجھنے والے انداز میں پوچھنے لگا۔
"شادی کر لو۔" معیز نے ان کی بات پر لب بھینچے' جیسے غصہ ضبط کیا ہو۔ پھر وہ آگے کی طرف جھکتے ہوئے ترش لہجے میں بولا۔
"ایک بات تو طے ہے ابو! جب تک آپ اس لڑکی کو ہماری زندگی سے نہیں نکالیں گے میں ماما کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں کروں گا۔"
"معیز۔" انہوں نے بے بس نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ نرم لہجوں کا عادی۔ اس موضوع پر آتے ہی پتھر برسانے لگتا تھا۔
کوئی اجنبی سا معیز۔
"سچی بات کہوں تو یہ دل اب ختم ہو رہا ہے معیز۔" وہ اداس سے ہونے لگے۔ تو معیز کے دل کو دھچکا لگا۔
"اور اس سے بھی زیادہ سچی بات یہ ہے کہ اس دل کی خوشی کا نام ابیہا ہے۔"
انہوں نے تھک کر سیٹ سے ٹیک لگائی۔ معیز نے اس قدر نڈھال انہیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ زرد رنگت' بجھا بجھا سا انداز۔

"ہاں... میں نے صالحہ سے محبت کی تھی اور کیوں نہ کرتا۔ منگیتر تھی وہ میری۔ میرے بچپن کی منگ۔ بڑا قدرتی لگاؤ تھا مجھے اس سے۔ اب اس پر بھی تمہاری ماں مجھے طعنے دے تو پھر... شاید وہی حق پر ہو۔"

انہوں نے کبھی... آج تک اپنے بچوں کے سامنے اس موضوع پر نہ تو بات کی تھی اور نہ ہی یوں صفائی پیش کی تھی۔ معیز کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔

"تم نے دیکھا' وہ بے نام و نشان ہے۔ طوفان کی زد میں آئے معصوم سے پرندے کی مانند ہراساں و خائف۔ باپ اسے رقم کے عوض دینے کو راضی تھا' اس کی ماں اسے ہمارے حوالے کرکے رب سے جا ملی۔ اب بتاؤ' اگر ہم بھی اسے آسرا نہ دے سکے تو وہ کیا کرے گی؟"

ان کی کیفیت دیکھتے ہوئے معیز کا پارہ تیزی سے نیچے آیا۔ وہ اس موضوع پر اسی لہجے میں ان سے مزید بات نہیں کر سکتا تھا۔

"او کے... لیو دس ٹاپک۔" اس نے پہلو تہی کرنے کی کوشش کی۔

مگر وہ کسی اور ہی رو میں تھے۔ "یار... میں چاہتا ہوں' میں رہوں یا نہ رہوں' تم اس کا ساتھ دو یا نہ دو لیکن میرے گھر سے اس کا رشتہ کبھی ختم نہ ہو۔ وہ میرے نام سے جڑی رہے۔ میرے حوالے سے اس گھر میں رہے۔ وہ صالحہ کی بیٹی ہے معیز... میرے دل کے بہت قریب..."

ان کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا' سینے کو مسلتا ان کا ہاتھ۔

معیز نے تیزی سے اٹھ کر ان کے میڈیکل باکس میں سے گولی نکال کر ان کی زبان کے نیچے رکھی۔

وہ غنودہ سی کیفیت میں یوں ہی ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جب تک ان کی طبیعت سنبھل نہیں گئی' وہ یوں ہی ان کا ہاتھ تھامے ان کے پاس کھڑا رہا۔ ان کی حالت نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔ واپسی پر وہ زبردستی انہیں چیک اپ کے لیے لے گیا۔

"کچھ دنوں کے لیے ریلیف دیں انہیں۔ کام سے چھٹی کروائیں۔ اسٹریس فری رہیں گے تو طبیعت جلد سنبھلے گی۔ یہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ انہیں زیادہ مسئلوں میں انوالو مت کریں۔" ڈاکٹر نے معیز کو سمجھایا۔

اور جو خود ہی مسئلے میں گھرا ہو' اس کا کیا؟

وہ سوچ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ کیا حنا سے ناراض ہوتی۔ حنا آکر اس پر خوب بگڑی۔ ایمہا نے صفائی پیش کرنا چاہی۔ مگر وہ تو اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

"غضب خدا کا... چند لمحوں کی دیر کیا ہو گئی' تم یوں بھاگ لیں وہاں سے جیسے میں خدا جانے کہاں غائب ہو گئی ہوں۔" وہ غصے میں مسلسل پینڈولم بنی کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔

"اتنی دیر انتظار کیا میں نے۔" ایمہا کو اپنی حماقت کا احساس ہونے لگا۔

"تو... کیا مر گئی تھی میں؟ آواز دے لیتیں... بلوا لیتیں مجھے۔ انکل کے سامنے اتنی شرمندگی ہوئی مجھے۔" حنا اس پر حاوی تھی۔

"اچھا سوری۔ میں گھبرا گئی تھی۔"

"اسی لیے کہتی ہوں انسانوں میں اٹھا بیٹھا کرو۔ عادت پڑے تمہیں بھی۔" وہ اپنے کپڑے لیے گرمی گرمی کا شور کرتی نہانے چلی گئی۔

ایمہا نے گہری سانس کھینچی۔ اس کے تمام دلائل اندر ہی دم توڑ گئے تھے۔ وہ حنا سے شکایت کرنا چاہتی تھی۔ مگر حنا کی چرب زبانی کے آگے اس کی چلتی ہی کہاں تھی۔

ایمہا نے بستر کی چادر جھٹک کر ٹھیک کی تو حنا کا پرس نیچے جا گرا اور کھل گیا۔

ایمہا ٹھٹکی۔ پھر حیرت و بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ پرس جو دوپہر تک خالی ہو چکا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

ایمہا نے گھبرا کر پرس بند کر کے تکیے کے پاس ڈال دیا تو کیا حنا اپنے انکل سے پیسے مانگ کے لائی ہے؟ اسے عجیب سا لگا۔ حنا گنگناتی ہوئی لوٹی تو ایمہا نے دل میں چبھتی یہ بات پوچھ ہی ڈالی۔

وہ گڑبڑائی۔ پھر بالوں کو تولیے سے آزاد کرتی اعتماد سے بولی۔

"چچی جان نے دیے ہیں۔ بڑی مہربان ہیں مجھ پر۔ تمہیں بتایا تو تھا ان کی اولاد نہیں ہے۔"

ایمہا مطمئن ہو گئی۔ حنا اب آئینے کے سامنے کھڑی بلند اور خوش گوار آواز میں گنگنا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"چلو یار رباب کے بھائی کے نکاح کی تصویریں تو دیکھو چل کے۔" حنا نے آ کر اسے آفر دی۔ وہ نوٹس بنانے میں محو تھی۔

"ہمارا کیا تعلق اس نک چڑھی سے... رہنے دو۔" ایمہا نے صاف انکار کیا۔

"میں تو دیکھ بھی آئی۔ اتنا زبردست کپل ہے اور کافی امیر فیملی ہے رباب کی۔"

وہی... خود اچھی خاصی فیملی سے تعلق ہونے کے باوجود امیر لوگوں سے امپریس ہونے کی بیماری۔ ایمہا نے اسے گھورا۔ پھر نصیحت کی۔

"بیٹھ جاؤ' بلکہ اپنے نوٹس کمپلیٹ کرو۔ فائنل ایگزیمز ہیں' پاس نہیں ہونا۔"

"کون کم بخت پاس ہونے کے لیے پڑھتا ہے۔ ہم تو بس ٹائم پاس کرنے کے لیے پڑھتے ہیں چندر مکھی۔" وہ دیوداس اسٹائل میں بولی تو ایمہا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جگمگا اٹھی۔

"چلو بھی... ساری لڑکیاں جمع ہیں وہاں۔" حنا نے بضد ہو کر اسے اٹھانا چاہا۔ تو وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"تم بھول رہی ہو۔ پچھلے تین سالوں سے وہ ہر ٹیسٹ اور ہر ایگزیم میں مجھ سے مقابلہ کر رہی ہے۔ پکی دشمن ہے وہ میری۔"

"تو تم ہی کبھی دو چار نمبر پیچھے رہ جایا کرو اس سے۔ ہر بار پوزیشن لے کر کیوں اس کا دل خراب کرتی ہو۔" حنا نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"یہ پوزیشن لینا میری مجبوری ہے حنا! اپنی آئندہ پوزیشن بہتر بنانے کے لیے۔" وہ بس پژمردگی سے سوچ ہی سکی۔

"چلو نا یار! دیکھو تو کیا ہینڈسم لڑکے ہیں ان کی فیملی کے۔ بلکہ ڈیشنگ۔" وہ یقیناً "تصویریں دیکھ کر بلکہ اچھی طرح دیکھ کر آئی تھی۔ حنا کی اپنی ہی فطرت تھی۔ مگر ایمہا کا نہ تو رباب کے بھائی کے نکاح کی تصویریں دیکھنے کا موڈ تھا اور نہ ہی ہینڈسم اور ڈیشنگ لڑکے۔

حنا اس کے پاس سے بڑبڑاتی ہوئی گئی تھی۔ ایمہا اطمینان سے اپنے نوٹس مکمل کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت کوفت زدہ سا عون کے ساتھ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"تمہاری جگہ اگر میں اپنی بہن کی نند کو کالج سے پک کرنے جارہا ہوتا تو اڑتا ہوا جاتا۔" عون نے جیسے اسے اس کی بدذوقی کا احساس دلایا۔

"تم صرف اپنی نہیں' بلکہ کسی کی بھی بہن کی نند کو اڑتے ہوئے لینے جاسکتے ہو۔" معیز نے دانت پیسے۔

"ٹھنڈے دل سے سوچو گے تو کافی رومانس محسوس ہوگا اس سارے سلسلے میں۔" عون کے مشورے پر وہ رک کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ رومانس کہاں سے آگیا بیچ میں؟"

"بہن کی نند اور بھائی کی سالی سے بڑھ کے اور کون سا رشتہ رومانٹک ہوسکتا ہے بھلا۔" وہ آنکھ دبا کر ہنسا تو معیز کا دل چاہا ایک گھونسا تو اسے رسید کر ہی دے۔

سفیر آؤٹ آف سٹی تھا۔ رباب نے ہی زارا سے کہا ہوگا۔ تب ہی زارا نے حسب رباب کو کالج سے پک کرنے کی ذمہ داری معیز پر ڈال دی۔

"ایزدل رہا ہے نہ اس کے موبائل کی لائن۔ ورنہ اسی سے کہتی۔" زارا نے ریکویسٹ کی تھی۔ سوا ہاں کرتے ہی بنی اور اب اسی بات کو لے کر عون اسے چھیڑ رہا تھا۔ عون اپنی بائیک نکالنے لگا' معیز نے ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی۔

وہ آج تک زارا کو اس کے کالج سے لینے نہیں گیا تھا۔ کجا اس کی نند کی ذمہ داری۔ وہ حد درجہ کوفت کا شکار تھا۔

رباب مسکراتی ہوئی بے زار کھڑے معیز کی طرف بڑھی۔ "ہیلو۔"

معیز نے بدقت تمام ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلائی۔

اپنی دھن میں چلتی ایبھا کو حنا نے کہنی سے ٹھوکا دے کر متوجہ کیا۔

"وہ دیکھو۔ رباب جارہی ہے ہینڈسم ہیرو کے ساتھ۔" ایبھا کو اس کی ایسی حرکتوں سے چڑ تھی۔ مگر پھر بھی بے اختیار ہی اس نے مڑ کر دیکھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے معیز احمد کو دیکھ کر وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ انجان سی دہشت پل بھر میں اس کا گھیراؤ کر گئی تھی۔

"تیزی دیکھو اس لڑکی کی۔ بھابھی رخصت ہو کر آئی نہیں اور اس نے بھابھی کے بھائی کو اپنے چکر میں پھنسا بھی لیا۔" حنا کہہ رہی تھی۔ (تو یہ سمدھیانہ تھا امتیاز احمد کا۔ رباب کی فیملی؟)

ایبھا کو احساس ہوا کہ اس پر زندگی کے دروازے بند کرنے والے خود زندگی سے ہر طرح کا لطف کشید کرنے میں مصروف تھے۔ اس کا دل عجیب سے جذبات کا شکار ہونے لگا۔

اور اسی شام۔ اس نے اسی بجھی کیفیت میں امتیاز احمد کو فون کیا تو ان کا آفس ٹائم ختم ہونے ہی والا تھا۔ لائن ملتے ہی وہ بنا سلام دعا کے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"مجھے آزاد کردیں امتیاز احمد صاحب۔"

"جی۔" وہ شاید حیران ہوئے۔ ایبھا کو ان کی اداکاری پر غصہ آیا۔ اس کا نام تو اسکرین پر دیکھ ہی چکے ہوں گے۔

"سمجھ میں نہیں آیا آپ کے۔ طلاق چاہیے۔ آزادی چاہیے مجھے اس بندھن سے۔"

"جی ضرور۔ کیوں نہیں۔ معیز احمد بات کررہا ہوں میں۔" دوسری طرف سے انتہائی کاٹ دار لہجے میں کہا گیا تو ایبھا کو خون اپنی رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ امتیاز احمد کی کال معیز بھی اٹینڈ کرسکتا ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھیں مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہیں۔ صالحہ مر چکی ہیں۔ ابیہا ان کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہیں۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا راز دار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔

—۳—

تیسری قسط

معیز احمد کی آواز ابیہا کی سماعتوں میں کرنٹ بن کے دوڑی تھی۔ رنگت یوں سپید پڑی جیسے خون کا ایک قطرہ نہ ہو بدن میں۔

"اچھا ہی ہوا' یہ کال میں نے اٹینڈ کرلی۔ ابو تو شاید تاقیامت تمہارا یہ مطالبہ میرے کانوں تک نہ پہنچنے دیتے۔ مگر اب تم بے فکر رہو' میں خود بنفسِ نفیس یہ پیغام ان تک پہنچاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ جلد ہی طلاق کے کاغذات تمہیں مل جائیں گے۔"

وہ جیسے بہت محظوظ ہو رہا تھا یا شاید بہت عرصے کے بعد سکون کی کیفیت میں آیا تھا۔ ایبھا نے جھرجھری سی لے کر موبائل پرے پھینک دیا۔ اس کے وجود پر ہلکا سا لرزہ طاری ہو گیا۔ یک لخت ہی فہم و شعور کا دروازہ کھلا تو اندازہ ہوا کہ وہ غلطی نہیں' بلکہ فاش غلطی کر بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہوش میں تو ہو تم معیز۔" امتیاز احمد تو اس کی بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑنے لگے۔

"پورے حواس میں بات کی ہے میں نے۔ مجھ پر یقین نہیں تو اسے کال بیک کرلیں۔" وہ بلا کا پرسکون تھا۔

"میری زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا معیز! ہاں... میرے مرنے کے بعد تم لوگ اس سے جیسا چاہے سلوک..."

ان کی یک لخت بھرا جانے والی آواز نے معیز کا سکون پوری طرح غارت کر دیا۔ وہ جو کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بہت آرام وہ کیفیت کو انجوائے کر رہا تھا' بے اختیار سیدھا ہوا۔

"ابو پلیز..." تیز آواز میں انہیں ٹوک دیا۔ وہ رخ پھیرے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دو محبت کرنے والے باپ بیٹے کے درمیان تناؤ کی سی کیفیت در آئی تھی۔

معیز نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑی اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

امتیاز احمد بے دم ہو کر اپنی کرسی پر گر سے گئے۔ ان کے ذہن و دل پر عجیب سا بھاری پن طاری ہونے لگا۔ گزرے وقت کی یادوں نے شدت سے ان کے ذہن پر حملہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم دادی جان..." صالحہ کی الہڑپن اور شوخی سے بھرپور آواز امتیاز نے اپنے کمرے تک سنی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وعلیکم..." دادی کا انداز لٹھ مار سا تھا۔ انہوں نے نئے فیشن کے سلے فیروزی رنگ کے جوڑے میں چھپاتی صالحہ کو گھورا' پھر گویا بے مروتی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"نہ... میں پوچھوں تم صبح سویرے کدکڑے لگاتی ادھر کہاں پہنچ گئیں؟"

"کیوں... کیوں نہ آؤں۔ میرے دادا' میرے تایا کا گھر ہے۔"

وہ بے حد اطمینان سے بولی تو اماں کی تیوری چڑھ گئی۔ انہیں صالحہ کی بے جا آزادی اور منہ پھٹ ہونے پر گلہ تحفظات تھے۔ مگر چونکہ دادی ساری کسر نکال لیا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ بات کے بیچ کم ہی آتیں۔

صالحہ نے تخت پر دادی کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے پاندان میں ہاتھ مارتے ہوئے پسا ہوا کھوپرا نکال کر پھانکا۔ دادی نے اسے گھورتے ہوئے پاندان پرے اوٹ میں رکھ دیا۔

"تم کیسی کیوں آ مریں۔ اماں باوا کہاں تھے تمہارے؟" دادی اس کی فل کلاس لینے کے موڈ میں تھیں۔

امتیاز کا دل چاہا' وہ باہر جا کر سارا منظر بدل ڈالے مگر دادی اور اماں کے وضع کردہ اصول یاد کر کے آہ بھر کے رہ گیا۔

"کیا دادی جان! یہ اگلی گلی میں تو گھر ہے ہمارا۔ کون سا دوسرے شہر سے آرہی ہوں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "اور ویسے بھی آپ کو تو پتا ہی ہے' ابا نے مجھے اجازت دے رکھی ہے اکیلے آنے جانے کی۔"

امتیاز اندر جلے پاؤں کی بلی کی طرح ٹہل رہا تھا۔ بس نہ چلتا تھا۔ کسی بہانے باہر نکل کر اس پارہ صفت کا دیدار کرلیتا۔

"تائی اماں... امیت آیا ہوا ہے۔ ابا بتا رہے تھے۔" وہ بے تکلفی سے تائی اماں سے پوچھ رہی تھی۔

"ہائیں... " دادی کا پوپلا منہ کھلا۔ اماں بدکیں۔

"امیت... پھر امیت بولی تو۔" اماں نے گھورا۔

وہ بڑے ناز سے جھنجلائی۔ "بھئی مجھ سے نہیں اتنا بھاری بھرکم نام لیا جاتا۔ امتیاز احمد... اب دیکھیں نا میاں جی کا نام کتنا لمبا ہے۔ اسے بھی سب امیت ہی کہتے ہیں۔"

اندر امتیاز کو جی بھر کے ہنسی آئی۔ اس کی توجیہات یوں ہی من پسند ہوتی تھیں۔

"ستیاناس... وہ ہندو' یہ مسلمان' کس سے ملا رہی ہے میرے امتیاز احمد کو۔" اماں خفا ہوئیں تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھئی... آپ لوگ بلاتے رہیں اسے یوں ہی... مجھے تو امیت ہی اچھا لگتا ہے۔ ویسے ہے کہاں وہ۔ چھپ کے بیٹھا ہے۔ میں نے نئے گانوں کی البم منگوائی تھی اس سے۔"

وہ کہتے ہوئے امتیاز احمد کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اماں کی "ارے سنو" تو دادی کی "ہائیں ہائیں" اس نے کچھ بھی نہ سنا۔

وہ مزے سے امتیاز احمد کے کمرے میں گھسی تو وہ سامنے ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کس قدر خبیث ہو تم۔ دو دن سے آئے ہوئے ہو اور ایک چکر نہیں لگایا گھر کا۔"

صالحہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ جارجٹ کا فیروزی دوپٹا لاپروائی سے سر پر ٹکا اس کے روپ کی شان بڑھا رہا تھا۔ فیروزی رنگ میں بہت حسین لگتی تھی۔ پھر امتیاز نے سوچا' کون سا رنگ اس پر نہیں جچتا؟ مگر اسے کوئی بھی رنگ یاد نہ آیا تھا۔

وہ ہر رنگ میں ہی خوب صورت لگتی تھی۔

"او ہیلو... کہاں گم ہو؟" صالحہ نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ وہ چونک کر مسکرا دیا۔

"میری کیسٹ لائے ہو یا نہیں؟" اس نے تحکمانہ پوچھا۔

"لایا ہوں مگر تم باہر چلو' کے اماں اور دادی کے پاس بیٹھو۔ وہیں دوں گا تمہیں۔"

امتیاز کو اپنے دل و دماغ پر پورا کنٹرول حاصل تھا اور گھریلو روایات کی پاسداری کا خیال بھی۔

"ہونہہ... ایک تو تم شریف دو شیزہ۔ لو لیٹر بھی لکھو گے تو اماں' دادی کے سامنے ہی دینا۔" صالحہ نے طنز کیا۔

"تم جانتی تو ہو ہمارے گھر کا ماحول..." امتیاز نے تنبیہا" اسے دیکھا تو اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"جانتی ہوں۔ تب ہی تو دم گھٹتا ہے میرا یہاں۔ یوں چلو' یوں نہ چلو' ایسے بولو' ایسے نہ بولو' نہ ہوا' نہ دھوپ' اوہ گیا۔"

"اسی لیے تو کہتا ہوں خود کو عادی کرلو اس ماحول کا۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"میں توبہ کرنا امیت جی! جو ہم سے دل لگائے گا۔ اسے خود کو سراپا بدلنا ہو گا ہمارے لیے۔"

صالحہ نے بڑے ناز سے کہا تو اس کا معصوم سا غرور امتیاز کے دل کو لوٹ پوٹ کر گیا۔

"مگر کسی کی محبت میں تو خود کو بدلنا پڑتا ہے نا۔" وہ اس کی طرح بے باک و منہ پھٹ نہ تھا ورنہ صاف کہتا میری محبت میں تو تمہیں خود کو بدلنا ہی ہوگا۔

"صالحہ جلیل احمد۔ چاہنے کے لیے نہیں' بلکہ چاہے جانے کے لیے بنی ہے امیتھی!"

وہی پُرغرور انداز۔ بھاری پپوٹوں والی غلافی آنکھیں' شہابی رنگت اور مغرور ناک۔

وہ مغلیہ دور کی شہزادی دکھتی تھی۔

اس پربڑے انداز سے اس کا امتیاز احمد کو "امیتھی" کہنا۔

اس تخاطب پر امتیاز کا جی چاہتا اپنی دنیا اس پر وار دے۔

وہ اس حسین بے پروا کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب ہی کسی نے زوردار ہاتھ مار کر بھڑے ہوئے دروازے کو دھکیلا تو کواڑ زوردار انداز میں کھل کر پیچھے دیوار سے ٹکرایا۔ وہ دونوں گویا اچھل ہی پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو۔" اس نے ڈرائیونگ کے دوران بجتے موبائل کو بنا دیکھے بٹن دبا کر کان سے لگایا تو ذہن منتشر سا تھا۔

"ہیلو معیز جی۔" وہی مدھم سا لب و لہجہ۔

معیز نے لب بھینچے۔ پھر تیوری چڑھا کر بولا۔

"جی۔ معیز بات کر رہا ہوں۔"

"تو کرتے رہیے نا۔ اچھا لگ رہا ہے۔" بے تکلفانہ مسکراتا ہوا انداز۔ معیز کے وجود میں شرارہ سا لپکا۔

"شٹ اپ۔ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے کرنے کو۔"

"کام تو بہت ہیں مگر ان میں سب سے اول ہے' تمہیں کال کرنا۔" دھیمے سُروں میں کہتے ہوئے اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ اس لڑکی کی کالز معیز احمد کے لیے امتحان بن رہی تھیں۔ وہ اس کے نمبر کو بلیک لسٹ کرنے کا سوچ چکا تھا۔

"ترس آتا ہے مجھے تم جیسی ذہنی مریضہ پر۔ جس کے دل کو سکون تب ہی ملتا ہے جب وہ کسی رانگ نمبر پر اجنبی لڑکوں سے گھٹیا گفتگو کرتی ہے اور کچھ نہیں تو اپنے ماں' باپ کی عزت ہی کا خیال کر لو۔ شیم آن یو۔"

معیز کے لب و لہجے سے شعلے برس رہے تھے۔ اس نے موبائل آف کرکے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

درحقیقت اس کا موڈ سخت آف تھا۔ امتیاز احمد کا ابیہا کو یوں سب پر فوقیت دینا اسے بالکل بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

اسے اس معاملے میں اپنے ہاتھ مکمل طور پر بندھے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک وہ وقت تھا' جب اس کی مرضی کے بغیر امتیاز احمد ابیہا کو زندگی میں شامل نہ کر سکتے تھے اور اب وہ وقت آیا تھا کہ وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔

ماما کو بتاتا تو ان کی متوقع ذہنی و جذباتی حالت کا خیال آجاتا۔ اگر انہیں علم ہو جاتا کہ امتیاز احمد اپنی سابقہ منگیتر کی بیٹی سے جذباتیت میں کیا رشتہ جوڑ بیٹھے ہیں اور یہ بھی کہ معیز نے اس سارے میں کیا کردار ادا کیا ہے تو شاید نہیں' بلکہ یقیناً "انہیں ہارٹ اٹیک ہو جاتا اور اگر وہ امتیاز احمد سے ابیہا کو آزاد کرنے کی بات کرتا تو۔ اسے امتیاز احمد کی ابیہا کے حوالے سے جذباتیت یاد آگئی وہ اسٹیرنگ پہ ہاتھ مار کر رہ گیا۔

درحقیقت وہ بہت ذہنی پراگندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ تب ہی بے اختیار اس نے گاڑی کا رخ تبدیل کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک چھوٹے مگر خوب صورت سے ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

یہ عون عباس کے باپ کا ریسٹورنٹ تھا' جسے یونیورسٹی کے بعد رات گئے تک عون چلاتا تھا۔ کمرشل ایریا میں موجود یہ ریسٹورنٹ بہت کامیابی سے چل رہا تھا۔ اندر جا کر ایک سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے کاؤنٹر پر موجود عون پر نگاہ ڈالی۔ وہ لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا۔

معیز نے موبائل نکال کر اسے کال ملائی۔ عون نے سائیڈ پہ رکھا موبائل بنا دیکھے آن کر کے کان سے لگایا۔ اس کی نظر ابھی بھی اسکرین پر تھی۔

"ہیلو۔"

"معیز بول رہا ہوں' کیا کر رہے ہو؟" معیز اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"کام کر رہا ہوں یار۔"

"یقیناً" نیٹ سے نئی ریسپیز نقل کر رہا ہوگا۔" اپنے فیوچر ریسٹورنٹ کے لیے۔" معیز نے مسکراہٹ دبائی۔ اس کا موڈ بدلنے لگا تھا۔

"کام کیا ہے' وہ بولو۔ میں تمہاری طرح فارغ بندہ نہیں ہوں۔"

"اچھا۔ تو پھر دو کافی لے کر کارنر والی ٹیبل پر آجا' میں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ روانی سے بولا۔ اس نے عون کو چونک کر ریسٹورنٹ میں نظریں دوڑاتے دیکھا۔ معیز کو وہیں بیٹھے اپنی طرف دیکھتے پا کر عون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آرہا ہوں خبیث' ویٹ کر ذرا۔"

معیز نے ہنستے ہوئے موبائل آف کر کے ٹیبل پر ڈال دیا۔ عون سے ملنا درحقیقت اپنی ذہنی کیفیت سے نجات حاصل کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا' اگر موجودہ کیفیت میں گھر پہنچا تو ذرا سا اشارہ پا کر شاید وہ سفینہ کے سامنے ہی دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا۔ اسی خوف نے اسے گھر جانے سے روکا تھا۔

کافی کے دو بھاپ اڑاتے مگ۔۔۔ اس کے سامنے آئے تو وہ چونکا۔ عون کرسی گھسیٹتا اس کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔ معیز سنبھلا مگر مقابل بھی زیرک تھا۔ چوک جاتا' ممکن ہی نہ تھا۔

"کیا بات ہے' دکھی محبوبہ کی طرح کن سوچوں میں کھوئے ہو؟"

"فی الحال تو یہی سوچ رہا تھا کہ تمہارے ریسٹورنٹ سے کچھ کھا پی کر کسی ڈاکٹر کے کلینک کو شرف بخشوں۔"

معیز نے خوب بدلہ چکایا تھا اور یہ عون عباس کی دکھتی رگ تھی' وہ بھڑکا۔

"تمہاری بیوی نہیں ہے' ورنہ میرے ہاتھ کی بنی کافی پینے کے بعد تو کبھی اس کے ہاتھ کی کافی نہ پیتا۔"

"ظاہر ہے۔ کافی سے نفرت ہو جاتی مجھے۔" معیز نے مسکراہٹ دبائی۔

"تو جس سے محبت ہے اسی کا پتا دے۔" عون نے بغور اسے دیکھا۔ ہلکا سا اضطراب' جس کے انداز و اطوار سے ظاہر تھا۔

"محبت۔ شٹ۔ وقت کا زیاں۔" معیز نے حقارت سے سر جھٹکا۔ عون بے اختیار مسکرایا۔

"تجھ جیسے ہی ہوتے ہیں جنہیں بعد میں ہاتھ پاؤں باندھ کر محبت ایک کونے میں ڈال دیتی ہے۔"

"تجھے کیا لگتا ہے عون! مجھ جیسے بندے کو کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟ جسے پہلے ہی ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہو؟" وہ بے اختیار پھیکے سے لہجے میں کہہ گیا مگر پھر منٹ کے ہزارویں حصے میں ہی سو دفعہ پچھتایا۔ لفظ چوک گئے تھے۔

جبکہ معیز کو خود کو سنبھالنے میں وہی ایک پل لگا۔ مگر عون نے بھی یقیناً" اس کا بے اختیار ہو کر بکھرنا اور پھر

فوراً ہی خود کو سمیٹنے کی سعی کرتا محسوس کرلیا تھا۔ تب ہی ذرا بھی نہ کریدا۔

"ٹینس ہو؟" دوستانہ سا انداز یعنی بتانا ہے تو مرضی 'نہ بتانا چاہو تو بھی۔"

"ہوں۔۔۔" معیز نے گہری سانس لے کر کرسی سے ٹیک لگائی اور خود کو قدرے آرام دہ محسوس کیا۔

"تھا تو۔۔۔ لیکن اب خود کو بہتر محسوس کررہا ہوں۔" کچھ کہی ان کہی والا انداز۔

"دیکھا۔۔۔ ابھی تو صرف میرے ریسٹورنٹ کی ہوا کھائی ہے تو ساری ٹینشن ریلیز ہوگئی ہے۔ کافی پی کر تو ہلکا پھلکا ہو کر ہواؤں میں ہی اڑنے لگے گا۔ چل شاباش۔"

عون نے بھی موضوع بدلنے میں دیر نہیں لگائی۔ فوراً ہی اسے پچکارا تو وہ ہنس دیا۔ عون کے ساتھ پون گھنٹہ گزار کر وہ وہاں سے نکلا تو پہلے سے بہت بہتر معیز احمد تھا۔

☼ ☼ ☼

دادی دروازے میں کھڑی خشمگیں نگاہوں سے پوتے اور پوتی کو دیکھ رہی تھیں۔ جیسے خدانخواستہ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

"نہ۔۔۔ میں کہوں صالحہ کی بچی! کوئی شرم حیا ہے بھی تجھ میں کہ نہیں۔"

وہ چیخیں۔۔۔ امتیاز گھبرا سا گیا مگر صالحہ نہیں ڈری۔ اس کی پیشانی پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔

"کیوں۔۔۔ میں نے ایسا کیا کر دیا؟"

"اری نامراد۔۔۔ تو تھا کی لوتھا ہوگئی۔ یوں منہ اٹھائے لڑکے کے کمرے میں چلی آئی۔"

دادی کو صالحہ پر اعتراض نہ تھا۔ انہیں صالحہ کی آزاد طبع پر اعتراض تھا۔ ورنہ یہ رشتہ ان کی ذاتی پسند سے طے ہوا تھا مگر اب وہ دل سے چاہتی تھیں کہ صالحہ گھر بند ہو کر بیٹھ رہے۔ بالخصوص امتیاز احمد سے تو ضرور ہی پردہ کرے۔

"تو کون سا پرایا لڑکا ہے دادی! کزن ہے میرا اور پھر میں کون سا رات کے اندھیرے میں چھپ کے ملنے آئی ہوں اس سے۔ دن دیہاڑے آپ لوگوں کے سامنے اندر آئی ہوں۔"

صالحہ نے اس قدر اطمینان سے کہا کہ گھبرایا ہوا امتیاز بھی عش عش کر اٹھا۔

مگر اماں کو ہونے والی بہو کی طراری ایک آنکھ نہ بھائی 'وہ تو پہلے ہی اپنی بھانجی کو امتیاز احمد کے ساتھ سوچے ہوئے تھیں مگر دادی نے ان کی ایک نہ چلنے دی تھی اور صالحہ کے پیدا ہوتے ہی اس کی ننھی سی انگلی میں امتیاز احمد کے نام کی انگوٹھی ڈال دی۔ تین سالہ امتیاز احمد اتراتا پھرا کہ اس کی دلہن آگئی ہے۔

"پھر بھی صالحہ بی بی۔۔۔ رشتوں کی نزاکت کا ہی تھوڑا خیال کرلیتے ہیں۔" اماں کے طنز ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔

"معاف کیجیے گا تائی اماں! اور اپنی غلط فہمی بھی دور کر لیجیے گا۔ میں بھی اسے اپنا منگیتر سمجھ کے ملنے نہیں آئی ہوں اور نہ ہی وہ رشتہ میرے ذہن میں ہے۔"

وہ ترخ کر کہتی وہاں رکی نہیں۔ کیسٹ ہاتھ میں دبائے شاکی نگاہ امتیاز پر ڈالتی نکل گئی۔

"کمال کرتی ہیں آپ دونوں بھی۔" امتیاز احمد جھنجلایا۔

"شرم کرو امتیاز احمد! تمہیں بھی چاہیے تھا اسے فوراً ہی کمرے سے باہر نکال دیتے۔" اماں نے اسے گھر کا۔

"ہاں۔۔۔ ساتھ دو دھکے بھی نہ دے دیتا۔"

وہ خفا خفا سا کمرے سے نکل گیا۔ دادی پیچھے سے آوازیں دیتی ہی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ چچا کے لان میں موجود تھا۔ کرسیوں پر آمنے سامنے براجمان 'صالحہ اور امتیاز احمد۔ مصور کی خوب صورت تخلیق جیسے کینوس پر مکمل تھی۔

یہ چچا کا گھر تھا۔ جہاں کی روایات مختلف تھیں۔ چچی چائے لینے اندر گئی تھیں۔ انہیں نہ تو بیٹی پر بے اعتباری تھی اور نہ ہی ہونے والے داماد پر۔

"اب غصہ تھوک بھی دو صالحہ! جانتی تو ہو اماں اور دادی کو۔"

امتیاز کا انداز "مرید" کا سا ہوتا تھا 'ملتجیانہ بھک منگا سا۔ وہ بھڑکی۔

"ہنہ۔۔۔ میں اب کبھی بھی تمہارے گھر نہیں آؤں گی اور تم نے اپنی اماں سے اجازت لی یا ایسے ہی چلے آئے۔ پتہ نہ ہو میاں 'بہو ادھر چھاپہ مار دیں۔" طنز کیا مگر امتیاز احمد سہہ گیا۔ صالحہ کے معاملے میں اس کی قوت برداشت کمال کی تھی۔

"ہاں۔۔۔ بس ایک ہی بار آنا دہاں 'پورے اہتمام کے ساتھ۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہنہ۔۔۔" صالحہ کے انداز میں طنز کی آمیزش تھی۔ "میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔ تم کسی دوسری منگیتر کا بندوبست کر رکھو۔ میں اس تھانے میں نہیں آنے والی۔"

"ہم آؤ تو۔۔۔ تھانے دارنی لگوا دوں گا تمہیں وہاں۔" وہ بے اختیار بولا تو صالحہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور جیسے بہت عاجز آکر بولی۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو تم۔ ابھی بے عزتی کروا کے آرہی ہوں وہاں سے۔ ابا کو بتا دوں تو یہ سارا چکر ہی ختم کردیں گے وہ۔"

امتیاز احمد نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مذاق میں بھی ایسی بات نہ کیا کرو صالحہ! کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے۔"

"کاش۔۔۔" صالحہ نے آہ بھر کے آسمان کی طرف دیکھا۔

"تم بھی تھوڑا دھیان کیا کرو نا۔ اگر تم دادی اماں کے پاس بیٹھ کر میرا انتظار کرتیں تو وہ اتنا خفا نہ ہوتیں۔"

امتیاز نے نرم لفظوں میں سمجھانا چاہا مگر وہ جو پہلے ہی سلگ رہی تھی 'یکدم بھڑک اٹھی۔

"ہنہ۔۔۔ دیکھا! اندر سے تم سب ایک ہی ہو 'تنگ دل 'تنگ نظر۔ میں کون سی رومانٹک گفتگو کررہی تھی تمہارے ساتھ بند کمرے میں بیٹھ کر۔"

"اوفف۔۔۔" امتیاز احمد گڑبڑایا۔

"یہ تھوڑی کہہ رہا ہوں میں یوں اکیلے۔۔۔ کسی لڑکے کے ساتھ۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" وہ پوری آواز میں چیخی تو امتیاز احمد گھبرا سا گیا مگر وہ بخشنے والی نہیں تھی۔ لال تمتماتا چہرہ 'تیز تر تنفس 'وہ اس پر الٹ پڑی۔

"کتنے لڑکوں کے ساتھ میں یوں اکیلے میں گفتگو کرتی رہی ہوں۔۔۔ اور تم۔۔۔ اکیلے لڑکے۔۔۔ میرے اللہ۔۔۔" اس کا بس نہ چل رہا تھا 'آپے نہیں تو امتیاز احمد کے بال تو نوچ ہی ڈالے۔ وہ اور گڑبڑایا۔

"تم غلط سمجھیں۔۔۔ مطلب دادی اچھا نہیں سمجھتیں۔"

"میں بالکل ٹھیک سمجھتی ہوں امتیاز احمد!" وہ اونچی آواز میں بولی تو انداز تخاطب ہی سے ناراضی ظاہر تھی۔

"تم بس یوں ہی ننھے چوزے بنے اماں اور دادی کے آنچل تلے چھپے رہو مگر میرا دم گھٹتا ہے اس تنگ اور شکی ماحول میں۔ ہر وقت تائی اور دادی چھاپہ مار ٹیم کی طرح تیار بیٹھی رہتی ہیں۔" وہ حد درجہ متنفر تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یاد رکھو امتیاز احمد! اپنی اسی بزدلی کے ہاتھوں تم مجھے گنوا بیٹھو گے۔"

وہ تیزی سے اندر چلی۔ چچی جان چائے لے کر آ رہی تھیں۔

"اسے کیا ہوا ہے۔" انہوں نے حیرت سے پوچھا تو وہ جو صالحہ کی بات کی گھمن گھیریوں میں پھنسا ہوا تھا۔ چونک گیا۔ پھر گہری سانس بھر کے جیسے خود کو ایک سنبھالا دینے کی کوشش کی۔

"ویسے ہی بس۔" چچی نے اس کے آگے چائے کا ایک کپ رکھا اور گھر والوں کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔ مگر امتیاز احمد کے خیالات کے تانے بانے صالحہ ہی کی باتوں سے الجھے ہوئے تھے۔ وہ یوں ہی ہوں ہاں میں جواب دیتا چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ایمہا کو خوف سی رہا کہ امتیاز احمد فون کر کے اس سے اس بے وقوفی کے متعلق استفسار کریں گے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔

بلکہ اب تو ایک ہفتے سے امتیاز احمد کا فون نہ آنا اس کے لیے پریشانی کا باعث بننے لگا تھا۔

اسے خود پر ہنسی بھی آئی اور رحم بھی آیا۔

ماں کی محبت میں کھیلتی وہ لڑکپن میں پہنچی تو باپ کے خوف اور ذلت آمیز زندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک امتیاز احمد کا سہارا ملا تو اس پر بھی معیز احمد نامی شخص کا سایہ منڈلانے لگا تھا۔

خوف کا سایہ ہر پل "کچھ ہو نہ جائے" کا خوف اور پھر غیر متوقع طور پر امتیاز احمد کی کال آ گئی۔

"کیسی ہو؟" سلام دعا کے بعد وہ سرسری انداز میں پوچھ رہے تھے۔ پسینے ہاتھ میں ایمہا کا موبائل پھسلنے لگا۔

"جی۔۔۔ ٹھیک۔"

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"جی۔۔۔ ٹھیک۔"

"پیسوں کی تو ضرورت نہیں۔۔۔ شاپنگ وغیرہ؟"

"جی۔۔۔ نہیں۔" دل تو چاہا رو دے۔ کہہ دے کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ ایک ہمدرد شانے کی ضرورت ہے۔ جس پر سر رکھ کے وہ آنسو بہا کر دل کا سارا بوجھ ہلکا کر سکے۔

"اچھا۔۔۔ میں میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔ پھر کال کروں گا۔" بے حد فارمل سا انداز۔

ایمہا کو رونا ہی آ گیا۔ یقیناً وہ اس سے خفا تھے اور بات ایسی تھی کہ ایمہا خود سے شروع کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ اگر وہ خود سے بات کرتے تو شاید وہ اپنی صفائی پیش کرنے کی جرأت کر ہی لیتی۔ اپنی ذہنی کیفیت ہی بتا دیتی۔ جس کے تحت وہ فون پر ایسی فضول ڈیمانڈ کر بیٹھی تھی۔

انہوں نے کال منقطع کر دی تو ایمہا کتنی ہی دیر موبائل ہاتھ میں لیے ایسے ہی بیٹھی رہ گئی۔

"کیا بات ہے۔۔۔ اس میں سے کچھ نکلنے والا ہے؟" حنا نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی۔

"ہوں۔۔۔"

"اُف۔۔۔ ایک تو تم غائب دماغ پروفیسر لگتی ہو مجھے۔" حنا جھلائی۔ ایمہا کسل مندی سے بستر پر تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔

"ٹیسٹ کی تیاری کر لی تم نے؟" اس نے حنا سے پوچھا تو وہ مسکرائی۔

"ہاں۔۔۔ ڈیزائنو کا سوٹ لے کے آئی ہوں پہننے کے لیے اور اس بار پارلر سے تیار ہوں گی میں۔"

ایمہا مارے حیرت کے سر اٹھائے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کون سا ٹیسٹ ہے۔ جس کے لیے ڈیزائنو کا سوٹ اور پارلر سے تیار ہونا شرط ہے؟"

"کون سا ٹیسٹ؟" حنا نے لاعلمی سے پوچھا۔

"پولیٹیکل سائنس کے ٹیسٹ کی بات کر رہی ہوں۔ تیاری کی تم نے؟" ایمہا نے یاد دلایا۔

"رَبش۔۔۔" حنا کے منہ میں جیسے کونین گھل گئی۔ "اب تو بڑی ہو جاؤ یار۔۔۔ کیا چھوٹے بچوں کی طرح کالج میں آ کر بھی ٹیسٹ ٹیسٹ کھیلتی رہتی ہو۔ یہ انجوائے منٹ پلیس ہے مائی ڈیر۔۔۔ جتنا پڑھنا تھا وہ اسکول ایج میں ٹیچرز کی کسٹڈی میں پڑھ لیا۔ کالج تو بس انجوائے کرنے کے لیے آتے ہیں۔"

وہ بے زاری ہو کر کہتی ایمہا کو متحیر کر گئی۔ وہ دھم سے اس کے پاس بیٹھی۔

"میں تو سیفی کے برتھ ڈے کی تیاری کی بات کر رہی تھی۔" بالکل غیر متعلق بات۔

"کون سیفی؟" ایمہا حیرت سے بولی۔

"بھول گئیں۔ میرا بھائی، ہوٹل میں ملی تھیں تم اس سے۔" حنا مسکرائی۔

"اچھا۔" ایمہا نے سر ہلایا۔ اسے واقعی حنا کے بھائی کا نام یاد نہ تھا۔

"ہمارے گھر میں پارٹی ہے اور سیفی نے تمہیں بھی انوائٹ کیا ہے۔" حنا نے مزے سے کہا تو وہ فی الفور بولی۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ تم جانتی ہو میں کہیں نہیں جاتی ہوں اور ویسے بھی کل مس عظمیٰ کا ٹیسٹ ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اور تمہارا رباب احسن کے ساتھ کمپی ٹیشن ہے۔ جس میں تمہارا فرسٹ آنا بہت ضروری ہے۔" حنا نے طنز کیا جو ٹھیک سے سیدھا اس کے دل میں جا لگا۔

"میں اس سے جیتنے کے لیے فرسٹ نہیں آتی حنا! بلکہ میں اتنی محنت اس لیے کرتی ہوں کہ فرسٹ آ سکوں۔ اپنا گریڈ بہتر بنا سکوں۔ میرا رباب سے نہیں بلکہ اپنی قسمت سے مقابلہ ہے۔"

"مذاق کر رہی تھی بابا! جانتی ہوں میں اچھی طرح۔" حنا فوراً ہی پینترا بدل گئی۔ پھر اس سے منتیں کرنے لگی۔

"چلو نا یار۔۔۔ بہت مزہ آئے گا۔ مما سے بھی مل لو گی تم۔ انہیں بھی بہت شوق ہے تم سے ملنے کا۔"

"آئم سوری حنا! میں ضرور چلتی اگر کل اتنا امپورٹنٹ ٹیسٹ نہ ہوتا تو۔" ایمہا نے سراسر بہانہ بنایا۔

"تو برتھ ڈے تو شام کو ہے۔"

"مجھے پرمیشن نہیں ہے حنا! تم جانتی تو ہو۔"

"تو یہ تو سب چلتا ہے۔ پہلے بھی تو دو دفعہ تم ود آؤٹ پرمیشن گئی ہو میرے ساتھ۔"

حنا نے خفگی سے کہا تو ایمہا سوچ کر ہی رہ گئی۔ (اور اسی کے بعد میں نے یوں باہر نہ جانے کی قسم کھائی ہے۔)

"حنا پلیز۔ اتنا اصرار مت کرو کہ میں انکار کرتے کرتے شرمندہ ہونے لگوں۔ ہنوز بھی سہی۔ آنٹی سے ملنے کا شوق مجھے بھی ہے۔ چلوں گی کبھی تمہارے گھر بھی۔"

ایمہا نے سلیقے سے بات سمیٹ دی۔ حنا اسے گھور کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔" بے تکلفی سے کہتے ہوئے کوئی دھم سے اس کے سامنے بیٹھا تو معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔

ہنستی مسکراتی فریش سی رباب احسن۔

معیز اس کی وہاں موجودگی پر حیران ہوا۔

"ہیلو۔"

"پریشان ہو رہے ہو مجھے یوں اچانک دیکھ کر؟" وہ بے تکلفی سے اپنا موبائل اور گلاسز ٹیبل پر رکھتے ہوئے مسکرائی۔

معیز احمد سنبھلا۔ شانے اچکا کر مخصوص انداز میں بولا۔ "ہوٹل کون سا میری ملکیت ہے۔ کوئی بھی آسکتا ہے یہاں۔"

"اور اگر تمہاری ملکیت ہوتا تو؟" رباب نے جملہ پکڑا۔

"تو۔" معیز نے گہری سانس بھرتے ہوئے گویا خود کو پُرسکون کیا۔ پھر اسے دیکھ کر قصداً "مسکرا کر بولا۔ "تو میں تمہیں ضرور کافی کی آفر کرتا۔"

"وہ تو میں اب بھی ضرور پیوں گی۔" رباب ہنسی۔ معیز نے ویٹر کو بلا کر دو کافی کا آرڈر دیا۔

"ویسے معیز! تمہاری یہ بیماری کتنی پرانی ہے؟" وہ سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ معیز چونکا۔

"کون سی بیماری؟"

"یہی۔ تنہائی کے دوروں والی۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ معیز ہلکے سے ہنس دیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں دوست بہت کم بناتا ہوں۔ اس لیے تنہائی میری ساتھی سمجھ لو۔"

"لیکن اب تمہیں میرے جیسی ایک اچھی دوست مل چکی ہے۔ تم اس بے کار سی تنہائی کو گیٹ آؤٹ کہہ دو تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ میرا اس کے ساتھ گزارہ بہت مشکل ہے۔"

رباب نے دھونس بھرے انداز میں کہا۔ پھر وہ دونوں ہی ہنس دیے۔

یہ رباب احسن کا معیز احمد کی ذاتی زندگی میں پہلا قدم تھا۔ جو اس نے بہت اعتماد سے رکھا تھا اور جس پر معیز احمد کو کوئی اعتراض بھی نہ ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شازی۔ شازی۔" وہ پورے گھر میں اسے ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ خالہ جی نے کہا تھا وہ اندر ہی ہے۔

صالحہ ایک ایک کمرے میں جھانکتی آواز لگاتی کوریڈور سے مڑی تو زور سے کسی سے ٹکرا گئی۔

"آہستہ۔ سنبھل کے۔" کسی نے شانوں سے تھام کر نہ صرف اسے سہارا دیا بلکہ بڑے نرم لہجے میں پچکارا بھی تھا۔

وہ بہت دلکش سی خوشبو کے حصار میں گھری ماتھے پہ لگنے والی چوٹ سہلا رہی تھی۔ مردانہ آواز پر چونکی اور پھر شانوں پہ سلگتے لمس کا احساس کرتے ہی تڑپ کر پیچھے ہٹی۔

ہرنی جیسی آنکھوں میں دہشت سی اتری تو مقابل کو مخمور ہونے میں پل بھر ہی لگا۔

وہ آئیں ہمارے گھر میں خدا کی قدرت ہے
ہم ان کو اور پھر بار بار ان کو دیکھتے ہیں

شعر کو اپنے مطلب میں بگاڑ کر وہ ذرا سا جھک کر آداب بجا لایا تھا۔

صالحہ کے دل میں زور سے گدگدی سی ہوئی۔ وہ خوش شکل، خوش لباس سا شخص خوش گفتار بھی تھا۔

"شازیہ کہاں ہے؟"

وہ اسے جانتی نہ تھی اور نہ ہی اس سے پہلے صالحہ نے اس شخص کو کبھی شازیہ کے گھر دیکھا تھا۔ مگر بے اختیار ہی اس سے مخاطب ہونے کو جی چاہا۔

"ارے۔ ہم تو وہاں ہیں جہاں سے خود ہم کو ہماری خبر بھی نہیں مل رہی اور آپ شازیہ کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بڑے انداز سے بولا تو صالحہ جیسی منہ پھٹ اور آزاد طبع لڑکی کے ہاتھوں میں بھی پسینہ اتر آیا۔

"آپ کون ہیں؟"

"ہائے۔" اس نے جیسے سرد آہ بھری۔ پھر شرارت سے بولا۔ "کبھی ہم مراد صدیقی ہوا کرتے تھے مگر اب دل چاہ رہا ہے کہ تخلص کے طور پر آگے بے دل کا اضافہ کرلیں۔"

"صالحہ۔" شازیہ کہیں سے برآمد ہوگئی تھی۔ جوش سے پکارتی چلی آئی۔ صالحہ کے سامنے کھڑے مراد کو اس نے گھورا۔

"آپ کیوں یہاں کھڑے ہیں جناب؟"

"میں تو جا ہی رہا تھا یار! ایکایک زمین نے پاؤں جکڑ لیے۔" وہ ایک معنی خیز نگاہ خاموش کھڑی صالحہ پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اوفوہ۔ جایئے نا۔ اماں کو ضروری کام تھا کوئی۔" شازیہ نے اسے باہر دھکیلا۔

"یہ کون ہے؟" شازیہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے صالحہ نے پوچھا۔

"اماں کے بھانجے ہوتے ہیں دور پار کے۔ مگر چونکہ اماں سے محبت بہت ہے تو باقاعدگی سے ملنے چلے آتے ہیں۔" شازیہ نے بتایا، پھر پوچھنے لگی۔

"تمہیں تو کچھ نہیں کہہ دیا۔ دراصل بہت آزاد خیال اور منہ پھٹ سے ہیں۔"

صالحہ کو ہنسی آئی۔ "یعنی میرے جیسے ہی ہیں۔"

"ارے ہاں۔ بالکل۔" شازیہ بھی ہنسی تھی۔

"تم سناؤ۔ تمہارے امیت کا کیا حال ہے؟" صالحہ نے منہ بنایا۔

"کچھ مت پوچھو۔ وہ تو اماں اور دادی کے پلو سے بندھا بیٹھا ہے۔ نفرت ہوتی ہے مجھے اس گھٹے ہوئے ماحول سے۔" اس کی بےزاری حد سے سوا تھی۔ شازیہ نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ اتنا پیار کرنے والا بندہ ہے وہ۔ قدر کرو اس کی۔"

"ہنہ۔ اتنا دودھ کا دھلا پیار مجھے نہیں چاہیے۔" صالحہ نے سر جھٹکا۔ پھر بحث کرنے والے انداز میں بولی۔

"مرد کے پیار میں عورتوں جیسا خوف اور جھجک نہیں ہوتی۔ ایک بیباکی ہوتی ہے۔ نڈر پن ہوتا ہے۔"

شازیہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"شرم کرو صالحہ! اس کی عزت ہو تم۔ چچا کی بیٹی اور منگیتر بھی۔ مردانہ بےباکی تو وہ دکھاتے ہیں جنہوں نے فقط ٹائم پاس کی دوستی کرنی ہو۔ جس نے پوری زندگی کا ساتھ نبھانا ہو وہ موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔"

"تائی اماں اور دادی کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟ اسے امیت کہہ دیا تو غصہ "اس کے کمرے میں جا کے بات کرلی تو دفعہ عائد۔ قسم سے ایسے وارد ہوتی ہیں جیسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے چھاپہ مار رہی ہوں۔" وہ سخت بےزار تھی۔

"شادی ہو جانے دو پھر دیکھنا کتنے چھاپے پڑتے ہیں تمہارے کمرے پر۔" شازیہ نے اطمینان سے کہا۔

"ہنہ۔ پھر کس کی جرات۔" وہ تنکی۔

"وہی تو۔ ہر بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے صالحہ۔ ابھی تم دونوں کے درمیان کوئی شرعی بندھن تو ہے نہیں اس لیے وہ لوگ اتنا خیال کرتے ہیں۔ بعد میں تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔" شازیہ مسکرائی۔

"بہرحال... مجھے یہ سب پابندیاں بالکل بھی نہیں پسند۔ میں زندگی کو اپنی مرضی سے اپنے طور گزارنا چاہتی ہوں۔ میں زندگی کے اس دور کا بھی لطف اٹھانا چاہتی ہوں مگر یہاں تو اسے منگیتر سمجھنا ہی گناہ ہے۔"

"وہ اس لیے میری جان کہ منگنی کوئی شرعی رشتہ تو ہے نہیں۔ یہ تو بس ایک نشانی ہے کہ مزید رشتے نہ آئیں لیکن اسے رومانوی تعلق کی بنیاد بنالینا تو سراسر عاقبت نااندیشی ہے۔"

شازیہ بہرطور اس سے زیادہ سمجھ دار اور حقیقت پسند لڑکی تھی۔ صالحہ نے سر جھکا لیا۔

واپسی پر گیٹ کے پاس دوبارہ مراد صدیقی سے ملاقات ہو گئی۔ اسے دیکھ کر وہ شازیہ سے بے تکلفی سے بولا۔

"بھئی... تم نے تعارف تو کروایا نہیں مہمان سے ہمارا۔"

"کروادیا ہے مراد بھائی۔" شازیہ مسکرائی۔

"اور یہ...؟" اس کا اشارہ صالحہ کی طرف تھا۔

"یہ میری دوست ہے صالحہ۔" شازیہ نے بتایا۔

"چلو اچھا کیا تم نے بتادیا۔ ورنہ میں تو پرستان کا رستہ بھولی کوئی پری سمجھ بیٹھا تھا انہیں۔" اس کی شرارتی نگاہ صالحہ کے ان چھوئے روپ پر ٹکی تھی۔

صالحہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ڈریں مراد بھائی... منگنی شدہ ہے یہ۔" شازیہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار بولا۔

"تو کیا ہوا... شادی شدہ تو نہیں ہے نا۔"

"میں چلتی ہوں شازیہ!" وہ سنجیدہ سی ہو کر شازیہ سے بولی۔ پچھلی ہی گلی میں اس کا گھر تھا۔

"ارے ناراض ہو گئیں کیا؟" وہ پریشان سا ہوا۔ "اکیلی جائیں گی۔ کہاں جانا ہے میں ساتھ چلوں۔ چھوڑ دیتا ہوں۔"

"ہاں صالحہ... شریف آدمی ہیں۔ خیریت سے تمہیں گھر پہنچا دیں گے۔ میری گارنٹی ہے۔"

شازیہ نے کہا تو وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ وہ پیچھے سے تیز قدموں چلتا اس کے ہم قدم ہوا تھا۔

"آپ ناراض ہو گئی ہیں کیا؟"

"میرا آپ سے کیا واسطہ...؟" صالحہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"واسطہ ہونے میں کیا دیر لگتی ہے۔"

وہ برجستہ بولا تو صالحہ کا دل بدھم پڑا مگر پھر اس نے اپنے قدم تیز کر لیے۔

"آپ یہاں سے لوٹ جائیں۔ میرا گھر آ گیا ہے۔"

وہ اس کی جانب دیکھے بغیر آگے بڑھی اور گلی کا موڑ مڑ گئی۔ مراد صدیقی وہیں جا کھڑا جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

معیز کے کئی بار صاف چٹ انکار کے بعد بھی سفینہ نے رشتے والی سے تین چار لڑکیوں کی تصویریں منگوالی تھیں۔

"یہ دیکھو ذرا... اس کا رنگ ذرا دبتا ہوا ہے مگر یہ تینوں ہی اچھی ہیں۔"

سفینہ نے تصویریں ایزد اور زارا کے آگے کیں تو زارا سے پہلے ایزد نے جھپٹ لیں۔

"یہ لیں... ادھر ایک کی ٹھنڈیا بچی ہوئی ہے اور ادھر بھائی کو اکٹھی تین تین تھمادیں۔"

"بے وقوف... تینوں سے تھوڑی کرواؤں گی۔ ان تینوں میں سے میرے بیٹے کو جو پسند آئے گی اسے دیکھ لیں

گے۔" سفینہ نے پیار سے کہا۔

"اور جسے بھائی ریجیکٹ کریں گے۔ اسے تم دیکھ لینا۔" زارا نے کڑوے کریلے جیسا لقمہ دینا ضروری سمجھا تھا۔ وہ تلملایا۔

"مطلب... میرے لیے بچی کچھی..."

"اب اگر تمہارے جذبات فنا ہو چکے ہوں تو تصویریں مجھے دے دو۔" زارا نے اسے جلایا تو اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہوئے ایزد نے تصویریں سینٹر ٹیبل پر پٹخ دیں۔ زارا ہنستے ہوئے تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"ویسے ماما۔ بھائی کے لیے ایک اور لڑکی بھی ہے میری نظر میں۔"

زارا نے تصویریں دیکھتے ہوئے پُرسوچ انداز میں کہا تو وہ چونکیں۔

"کون...؟" تصویریں ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے وہ مسکرائی۔

"وہ ان تینوں سے زیادہ خوب صورت بھی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے بھائی میں انٹرسٹڈ بھی ہے۔"

"کس کی بات کر رہی ہو تم؟" سفینہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"رباب کی بات کر رہی ہوں ماما۔" زارا کے لہجے میں جوش سا در آیا۔

"لو... ایک اور کو کھڈے لائن لگا دیا۔" ایزد بے ساختہ بولا تھا۔ سفینہ چونکیں۔

"تم سے معیز نے کچھ کہا؟" بے یقینی سے پوچھا۔

"نہیں ماما۔ نہ بھائی نے، نہ رباب نے... لیکن مجھے سو فیصد یقین ہے کہ رباب ان میں انٹرسٹڈ ہے۔" زارا نے تیقن سے کہا تو سفینہ ہلکے پھلکے انداز میں بولیں۔

"چلو... معیز سے بات کر کے دیکھ لیتی ہوں۔ پھر جو وہ کہے۔ محض رباب کے انٹرسٹ سے تو بات نہیں بن سکتی۔" زارا طمانیت سے مسکرا دی۔

شاید رباب اور معیز کے رشتے کا طے ہو جانا اس کے اور سفیر کے رشتے کی مضبوطی کے لیے اچھا ہو۔ یہ زارا کا ذاتی خیال تھا۔

"ماما جانی... ایک کنوارہ بے چارہ ادھر بھی بیٹھا ہے۔ مگر اس کے انٹرسٹ میں کوئی بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" ایزد نے خفگی سے کہا تو انہوں نے مسکراہٹ دبائی۔

"سوری بیٹا جی! جب تک معیز کی بات نہیں بن جاتی تمہاری بات کوئی نہیں سنے گا۔"

"بالکل ظالم ماں لگ رہی ہیں جو بڑی بیٹی کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹی کو بھی کنواری رکھ لیتی ہے۔" وہ یوں ہی الٹا پلٹا بولتا تھا۔

زارا اور سفینہ دونوں کو ہنسی آئی۔

"دیکھنا زارا! تم... اتنی دیر سے کریں گی تو دو کروں گا۔" وہ منہ پہ ہاتھ پھیر کے بولا تو ارادہ مصمم تھا۔

☼ ☼ ☼

رباب کی ہمت اور مستقل مزاجی کی وجہ سے معیز جیسا آدم بے زار اور اکھڑ (بن جانے والا) شخص جیسے زندگی کی طرف لوٹنے لگا اور اس کی یہ تبدیلی عون کی نگاہوں سے کیونکر چھپی رہ سکتی تھی۔

"کیا بات ہے میرے یار! بڑے چمک دمک رہے ہو۔ کوئی نیا سرف استعمال کر رہے ہو آج کل؟" اس کا اپنا ہی انداز تھا۔ معیز مسکرا دیا۔

"اگر کہوں ہاں تو...؟"

"تو میں کہوں گا مبارک ہو۔ میرا یار زندہ باد۔" عون فی الفور بولا۔ معیز نے کچھ سوچا اور پھر نپے تلے انداز میں بولا۔

"بس یار... میں نے سوچا کہ بے نام سی ٹینشن اور بے کار سی چند بُری یادوں میں الجھ کر زندگی برباد کرنے کا فائدہ؟ کچھ بھی نہیں... غلطی ہماری زندگی کی کتاب کا ایک صفحہ ہوتی ہے عون! اس کے لیے پوری کتاب کو پھینک دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ تو بس یہی سمجھ لو کہ میں ایک بے کار صفحے کے لیے پوری کتاب کو برباد نہیں کر سکتا۔"

"شکر اللہ..." عون نے ہاتھ پھیلا کر اوپر دیکھا تو معیز ہنس دیا۔

"یہی میں تمہیں کہتا تھا یار! زندگی میں کبھی اپنے کیے ہوئے فیصلوں پر مت پچھتاؤ۔ ہاں سبق حاصل کرو، آگے بڑھنے کے لیے۔ مگر اس غلط فیصلے پر بال کھول کے تاعمر ماتم کرنا زی بے وقوفی ہے۔"

"اچھا... اب زیادہ سقراط بقراط بننے کی ضرورت نہیں۔ میں تیرے ہوٹل میں فری کا لنچ کرنے آیا ہوں۔ اپنا منڈے برباد کرنے نہیں۔"

معیز نے اسے ٹہلایا۔ اس قدر ثقیل موضوع ہضم نہ ہو رہا تھا۔

"تو اب تک جناب نے کون سا لنچ ڈنر پے منت کر کے کھایا ہے۔ مجھے تو حسرت ہی رہے گی تجھ سے کچھ کمانے کی۔"

عون نے اس پر چوٹ کی تھی۔ معیز نے ہنستے ہوئے والٹ نکال کے ٹیبل کی سطح پر رکھا۔

"رہنے دے، رہنے دے، جمع کر رہا ہوں، ایک ہی بار لمبا چیک نکلواؤں گا۔" وہ یوں ہی ہمیشہ کہتا تھا۔

"تم بتاؤ... شادی کب کر رہے ہو؟"

معیز نے بڑے عرصے کے بعد عون کو اس موضوع پر کریدا۔ ورنہ تو جب سے اس نے خود کو اپنے آپ میں سمیٹا تب سے دوسروں کی زندگی میں دخل اندازی کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

عون نے گہری سانس بھری اور کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"کیا بتاؤں یار! اپنی غلطی ہے جو ڈنڈے کی طرح سر پہ برس رہی ہے۔ ثانی کی بچی تو وہ سب بھولنے کو تیار ہی نہیں۔ اب تم ہی بتاؤ۔ میرا کیا قصور اس میں... بچپن کی منکوحہ... پسماندہ چھوٹے سے شہر میں پلی بڑھی گرمیوں کی چھٹیاں گاؤں کی حویلی میں گزارنے والی۔ میں سالوں بعد بڑی چاہت سے اسے دیکھنے گیا تو مٹی کا فرش لیپ رہی تھی۔ بالوں میں مٹی، منہ پہ مٹی... میں تو اس کا تعارف سنتے ہی الٹے پیروں بھاگا۔ آتے ہی ابا کے سامنے شادی سے انکار کیا۔ ابا سے لعنتیں کھائیں۔ ہائے، پھر آپی کی شادی پہ اسے دیکھا۔ کیا رنگ و روپ تھا اور کیا روپ سب سے جدا... اس لڑکی نے ایک نظر بھی مجھ پہ نہیں ڈالی اور میری ہر نظر فقط اسی تک گئی۔ میں نے قسم کھائی شادی کروں گا تو اسی حور شمائل سے۔ امی سے بات کی تو وہ ہنسیں۔ ابا کو بتایا اور پھر سب گھر والوں کو۔ خوب مذاق بنا میرا۔ وہ ثانیہ ہی تھی... ثانی... میری بچپن کی منکوحہ... اب بتاؤ... میں اس کے پیچھے مجنوں بنا پھر رہا ہوں اور وہ مجھے گھاس ڈالنے پہ بھی آمادہ نہیں۔"

عون کی داستان خاصی دل گیر تھی مگر معیز کو ہنسی آرہی تھی سن کر۔

"یعنی تو اپنی ہی بیوی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔"

"ہاں تو ہو گیا ہوں مگر وہ اب میرے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کے بیٹھ گئی ہے۔" عون نے منہ لٹکایا۔

"تو انکل سے کہہ کر رخصتی کروا لو۔ نکاح تو ہو ہی چکا ہے۔ بھگا کے بھی لا سکتے ہو۔ سوری، اٹھا کے۔"

"ہاں... اٹھا کے لانے والا خیال تو بہت رومانٹک ہے۔ مگر یہ فقط خیال ہی ہے۔ وہ پوری ہلاکو خان ہے۔"

عون نے باچھیں پھیلائیں۔

"تو تو گیا عون عباس! مر گیا ایک لڑکی پر۔" معیز نے گویا اس کی مردانگی کو للکارا مگر وہ ہنسے گیا۔

"مردیوں ہی کسی پہ نہیں مرمٹا کرتے معیز احمد! اس کے لیے لڑکی میں کوئی خاصیت ہونا ضروری ہوتا ہے۔"

"اور اس میں کیا خاصیت ہے؟" معیز نے بے اختیار پوچھا۔

عون نے آہ بھری۔

"وہ میری پہلی نظر کی محبت ہے یار!"

"اور وہ کون سی نظر تھی جو فرش کی لپائی کے دوران پڑی تھی؟" معیز نے طنز کیا۔

"وہ اصل روپ تھوڑی تھا اس کا۔ اصلیت دیکھ کے تو میری آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ پڑھی لکھی سلجھی والی۔ رشتوں کو نبھانے والی بس میری مت ماری گئی تھی۔ الٹے پیروں دوڑا تھا۔"

"اب تو ناک سے لکیریں کھنچوائے گی وہ۔"

"ہاں... بات چل نکلی ہے۔ اب دیکھیں کہاں تک پہنچے۔" اس نے آہ بھر کے کہا تو معیز ہنسنے لگا۔

☆ ☆ ☆

شازیہ کے گھر آنا جانا تو بچپن ہی سے تھا مگر ایک حد میں رہ کر لیکن جب سے مراد صدیقی آیا' صالحہ روزانہ دن میں ایک چکر شازیہ کے گھر کا ضرور لگاتی اور شازیہ نادان نہیں تھی۔

"وہ منگنی ہو چکی ہے تمہاری صالحہ! ان چکروں میں مت پڑو' آگ کا کھیل ہے یہ۔"

اس نے مخلص بن کر سمجھایا مگر مراد کے خوب صورت لفظوں نے اس کے ارد گرد جال سا بُن دیا تھا۔ جسے وہ توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

ایسے میں امتیاز احمد کہیں دور رہ گیا۔

مراد صدیقی کی آزاد خیالی اسے بہت بھاتی۔ وہ تعریف کرنے میں کنجوس تھا اور نہ پیار جتانے میں۔

"بچپن کی منگنیاں کھیل ہوا کرتی ہیں شازی! تم نے دیکھا نہیں ہمارے بڑے اسے کھیل ہی تو سمجھتے ہیں رعب' پابندیاں' ہنہ۔" وہ تنفر سے بولی۔

"دیکھو۔ امتیاز احمد کا ایک فیملی بیک گراؤنڈ ہے۔" مراد بھائی تو اکیلے' چھڑے چھانٹ' کبھی یہاں تو کبھی وہاں۔ پیسہ ہے' جائیداد بھی ہے تھوڑی بہت۔ مگر کوئی بڑا نہیں ہے سر پر۔ تب ہی تو بنجاروں کی طرح جونوں یہاں اور دنوں وہاں ڈیرے ڈالے رہتے ہیں۔"

شازیہ نے دبے لفظوں میں سمجھایا۔ مگر جو سمجھنا ہی نہ چاہے اسے کون سمجھا سکتا ہے؟ تب شازیہ نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

وہ مراد صدیقی کے ساتھ بیٹھی گھنٹوں باتیں بگھارتی رہتی یا پھر مسحور سی اس کی گفتگو کا رس اپنے کانوں میں اتارتی رہتی۔

کب دل کے آئینے سے امتیاز احمد کی شبیہہ دھندلائی اور کب مراد صدیقی وہاں براجمان ہوا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

☆ ☆ ☆

زارا نے جو بات سفینہ کے دماغ میں ڈالی' وہ انہیں بھی بھائی تھی۔ واقعی اگر معیز سے رباب کی شادی ہو جاتی تو سسرال میں زارا کے قدم مضبوط ہو جاتے کیونکہ رباب گھر والوں کی بہت لاڈلی تھی۔

اسی سوچ کو لیے وہ امتیاز احمد کے پاس آبیٹھیں۔

"میں سوچ رہی تھی کہ اب معیز کی شادی کے متعلق بھی کوئی پیش رفت ہونی چاہیے۔" سفینہ نے دوستانہ انداز میں بات شروع کی تو انہوں نے چونک کر پہلے انہیں دیکھا۔ پھر ہاتھ میں تھامی کتاب بند کرکے رکھ دی اور پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ معیز پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش مت کرو۔ اسے اس ضمن میں اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے دو۔" وہ مضطرب لہجے میں بولے تو سفینہ مسکرائیں۔

"وہ میرا بیٹا ہے امتیاز احمد! تم دیکھنا بہت خوش ہوگا میرے فیصلے سے۔"

"اور تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" انہوں نے چبھتے انداز میں پوچھا۔

"میں نے سوچا ہے کہ معیز کے لیے رباب کا رشتہ لے لیتے ہیں۔"

"رباب کون؟" وہ چونکے۔

"ارے زارا کی نند۔"

"نہیں۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ تمہارا یہ فیصلہ راست ہے۔" وہ بے اختیار بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ اچھی فیملی ہے اور لڑکی بھی معیز کے جوڑ کی ہے۔" سفینہ کو ان کے اعتراض پر اعتراض ہوا تھا۔

"مگر میں وٹے سٹے کی شادی کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا سفینہ! ایسا فیصلہ مت کرو جس سے کل کو زارا کی میرڈ لائف ڈسٹرب ہو۔" امتیاز احمد سنجیدہ تھے۔

"آپ فکر مت کریں۔ یہ سوچ تجھے زارا ہی نے دی ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"زارا ابھی بچی ہے سفینہ۔۔۔ رشتوں کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتی۔ اسے نہیں پتا کہ اس میچ کن قباحتوں کو جنم دیتی ہے۔"

امتیاز احمد گویا اس رشتے کے حق میں نہیں تھے۔ مگر سفینہ کا ان کے انکار کو اہمیت دینے کا قطعاً "کوئی موڈ نہ تھا۔

"چلیں۔۔۔ زندگی تو معیز کو گزارنی ہے۔ اس سے پوچھوں گی پھر جو وہ کہے۔"

"تم کیوں اسے ڈسٹرب کرتی ہو سفینہ! ابھی اس کی یونیورسٹی کا فائنل ایر ہے۔ بزنس سنبھالنا ہے اس نے۔" امتیاز احمد کو جانے کیا بے چینی لگی تھی۔

"سب ہوجائے گا لوگوں کے نکمے بیٹے بیاہے جاتے ہیں۔ ہمارا تو ماشاء اللہ سے کامیاب بیٹا ہے۔" سفینہ مطمئن تھیں۔

"بھئی۔۔۔ جیسی تمہاری مرضی۔ تم جانو اور تمہارا بیٹا۔ ہمیں تو بس شادی میں بلالینا۔"

وہ جیسے خفا سے ہوئے مگر ان کی خفگی سے قطع نظر سفینہ کسی اور ہی جوڑ توڑ میں لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

شام کو ہی انہوں نے معیز احمد کو گھیر لیا۔ ان کی بات سن کر وہ مسکرا دیا۔

"تو وہ ماما۔۔۔ شادی کا تو فی الحال سوچیے بھی مت۔"

"چلو منگنی ہی سہی۔ میرے دل کو تسلی ہوجائے گی۔" سفینہ کو بڑے عرصے بعد اس کا موڈ صحیح لگا تھا مگر اس نے اس کے لیے بھی انکار کردیا۔

"سب کچھ کریں گا ماما آپ کی مرضی سے۔ لیکن فی الحال مجھے موقع تو دیں اسے سمجھنے کا۔"

اور سفینہ کے لیے یہی بات قابل اطمینان تھی کہ معیز ہمیشہ کی طرح شادی کے نام پر اکھڑا نہیں تھا۔ بلکہ اس نے رباب کو جاننے سمجھنے کے لیے وقت مانگا تھا جو انہوں نے بخوشی دے دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ چچا کے گھر آیا تو صالحہ نے اسے ذرا بھی لفٹ نہ کروائی تھی۔ یوں ادھر ادھر کاموں میں مصروف تھی جیسے انہیں جانتی ہی نہ ہو۔ امتیاز احمد کو اس کے اس روپ اور انداز نے بھی مزہ دیا۔

کہ حسن کی تو ہر ادا ہی بے مثال لگا کرتی ہے۔

وہ چائے اس کے آگے رکھ کے جانے لگی تو چچی تخت پہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھیں۔

امتیاز نے اس کا ہاتھ کلائی سے تھام لیا۔ صالحہ نے کٹیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کیا ہے؟" تیکھا انداز۔

"شش۔۔۔" امتیاز احمد نے چچی کے متوجہ ہوجانے کے ڈر سے اس کی کلائی چھوڑی اور بے ساختہ اسے گھورا۔

"ہنہ۔۔۔ بس۔۔۔ یہ ہے تمہاری بہادری۔۔۔ کبھی یہی ہاتھ اپنی اماں کے سامنے بھی پکڑا کرو نا۔ اکیلے میں کیوں ہاتھ اٹھاتے ہو۔" وہ پھنکاری اور امتیاز کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"تم بات کو خوامخواہ بڑھا رہی ہو صالحہ!"

"بات ہی تو ختم کرنا چاہتی ہوں میں۔" وہ عجیب سے انداز میں بولی اور کچن میں چلی گئی۔

امتیاز احمد نے چند لمحے اس کی بات اور انداز پر غور کیا اور پھر گویا کسی فیصلے پر پہنچ کر اٹھا اور کچن میں آگیا جہاں وہ پرات میں آٹا نکال رہی تھی۔

"یہ ناراضی کب تک چلے گی صالحہ؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"یہ ناراضی نہیں ہے امتیاز احمد! مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے تائی اماں اور دادی کا رویہ برداشت نہیں ہوتا۔" "شادی تمہاری مجھ سے ہونی ہے اماں یا دادی سے نہیں اور پھر تم یہ سوچا کرو کہ شادی کے بعد ان کا رویہ بدل جائے گا۔"

امتیاز احمد کے انداز میں مخصوص نرمی اور توجہ رچی تھی۔ وہ صالحہ کی جذباتی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ فوری فیصلے اور فوری عمل پر یقین رکھنے والی صالحہ ضدی بھی بہت تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ کرے یا اماں اور دادی کے خلاف دل میں بغض پال لے۔

مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ صالحہ کی سلطنت دل تبدیل ہوچکی ہے اور اب وہاں بادشاہ کی سیٹ پر کوئی اور براجمان ہوچکا تھا۔

صالحہ شادی والی بات پر کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر آٹا گوندھنے لگی۔

مگر اس نے اگلے روز جب امتیاز احمد نے واپس لاہور جانا تھا تب وہ ہنستی کھلکھلاتی اسے خدا حافظ کہنے آگئی۔

اس کے ہاتھ کا بنا ناشتا کرتا امتیاز احمد دادی سے بھی خوب لاڈ اٹھوا رہا تھا۔

اماں اور دادی دونوں ہی نے یوں بے تکلفی سے صالحہ کا آنا اور امتیاز احمد کے ساتھ بیٹھ جانا پسند نہ کیا تھا۔

"ارے واہ۔۔۔ پراٹھا۔" صالحہ نے اس کی پلیٹ میں رکھے پراٹھے کا نوالہ توڑا اور اسی کے سالن میں ڈبو کر منہ میں رکھ لیا۔

"ہائیں۔۔۔ ارے حد ہوتی ہے صالحہ! وہاں سے دوسری پلیٹ پکڑ لے بیٹا! یہ کیا کہ اسی کی پلیٹ سے نوالے بھرنے شروع کر دیے۔"

اماں شریعت کا دامن تھامے رکھتی تھیں۔

"کیوں۔۔۔ اس کو کوئی بیماری ہے کیا جو مجھے بھی لگ جائے گی؟" وہی نڈر اور پُراعتماد سا انداز۔

"کوئی بات نہیں اماں!" امتیاز احمد کے دل میں تو صالحہ کو دیکھتے ہی طمانیت اتر آئی تھی۔ نرمی سے بولا مگر اماں تو جیسے پھٹ ہی پڑیں۔

"خبردار امتیاز احمد! ہمارے گھر کی کچھ اقدار ہیں۔ خبردار! جو تم نے اس دیدہ ہوائی کی حمایت لینے کی کوشش کی ہو تو۔"

"اماں۔۔۔" وہ تو ششدر ہی رہ گیا۔ اماں اس بُرے طریقے سے تو صالحہ سے کبھی بھی نہ بولی تھیں۔

اور صالحہ۔۔۔ لمحہ بھر کو تو وہ ساکت ہی رہ گئی۔ دادی جو بھی کہتیں اسے وہ دوسرے کان سے اڑا دیتی تھی مگر اماں کا یہ انداز؟ ان کی سرد مہری تو اسے پتا ہی تھی۔ مگر ہونے والی ساس اس سے بری طرح متنفر ہیں' یہ اسے اندازہ نہ تھا۔ آج تو وہ اپنے دل اور جذبات پر پاؤں رکھتی امتیاز احمد کی طرف پلٹنے کی ایک کوشش کے طور پر یہاں آئی تھی صدق دل سے۔

مگر شاید۔۔۔ وہ امتیاز احمد کی قسمت میں نہ تھی۔

"منگیتر ہو مگر ہو تو نامحرم نا۔ کس کتاب میں لکھا ہے کہ نامحرم کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا جائز ہے۔" اماں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو رہا تھا۔

امتیاز احمد نے صالحہ کو ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھتے دیکھا۔ وہ سختی سے لب بھینچے ہوئے تھی۔ جیسے ایک بھی لفظ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔

"میں بات کرلی ہوں اس کے باپ سے۔" دادی بھی ناراض تھیں۔ "گھر میں کیوں نہیں ٹکتی تو۔۔۔ شادی ہونی ہے تیری اس گھر میں۔ یہی سوچ کے پردہ کر لیا کر۔"

اس نے ایک نگاہ امتیاز احمد پر ڈالی۔

صرف ایک نگاہ۔

بے حد کٹیلی بہت کچھ جتاتی ہوئی۔

وہ اماں اور دادی کے سامنے ان کے شرعی جواز کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ دل سے اسے صالحہ کی اس بے تکلفی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ اٹھ گئی۔

"بیٹھو نا۔۔۔" امتیاز احمد خود کو روک نہیں پایا۔۔۔ بے ساختہ بولا تو اماں نے تیزی سے کہا۔

"رہنے دو تم اچھا ہے۔ اگر اسے اب کچھ عقل آگئی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے ہی یہاں کے طور اطوار سیکھ لے گی تو فائدے میں رہے گی۔"

"چلو۔۔۔ چل کے میرے ساتھ ناشتا کرو تم۔" دادی کو خیال آہی گیا تھا۔

"کرلیا دادی۔۔۔ پیٹ بھر گیا آج تو۔"

وہ نارمل سے انداز میں اللہ حافظ کہتی تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تو امتیاز احمد بے اختیار اٹھا۔ اماں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو ایک تنبیہی دباؤ کو محسوس کرتے ہوئے وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ جبکہ دل تھا کہ صالحہ کے قدموں کے ساتھ ہی لپٹا جا رہا تھا اور صالحہ۔۔۔

وہ دروازے سے نکلنے تک اپنے پیچھے امتیاز احمد کی بلند ہوتی آواز کی منتظر رہی۔

وہ رک جائے گی۔ پلٹ آئے گی۔ مراد صدیقی کی طرف کھلنے والا روزن بند کر دے گی مگر نہ تو اسے اپنے پیچھے امتیاز احمد کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور نہ ہی اس کی بے تابانہ پکار۔

وہ نم آنکھوں اور سخت دل کے ساتھ اس گھر سے نکلی تھی اور شاید امتیاز احمد کی زندگی سے بھی۔

☼ ☼ ☼

وہ مسلسل امتیاز احمد کو کال کر رہی تھی مگر وہ اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔

وہ سردیوں کی شاپنگ کر کے آئی تو حنا نے اس کے پرس میں روپے دیکھ کر اسے بھی کھلے دل سے شاپنگ کروائی۔ مگر اس کے نتیجے میں اب وہ خالی پرس بیٹھی تھی۔

فائنل ایگزیمز سے پہلے سب لڑکیاں فری ہونے والی تھیں مگر اس سے پہلے فیس جمع کروانی تھی اور ہاسٹل کے ڈیوز بھی ادا کرنے تھے۔

حنا اس کی رونی صورت دیکھ کر خوب ہی ہنسی۔

"کون سی کنگال ہو تم۔ گھر فون کر دو یار! ابھی کے ابھی بڑی سی رقم منگوالو۔"

مشورہ مفت تھا۔ ایپھا ہونٹ کاٹ کے رہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ امتیاز احمد اس کے اکاؤنٹ میں اس ماہ پوری رقم بھجوا چکے تھے اور پہلے کچھ حنا نے ادھار لے لیے اور اب شاپنگ' وہ گویا اپنی اس ماہ کی پوری پونجی لٹا چکی تھی۔ حنا نے تو جیسے کیا ہانکی تھی۔ اس نے دل کڑا کر کے امتیاز احمد ہی کو کال ملائی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ مسلسل لائن کٹ جاتی رہی۔

یعنی وہ کال ریسیو ہی نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

ایپھا کا دل پریشان ہونے لگا۔ پچھلی کال میں مختصری بات اور اب کال اٹینڈ نہ کرنا۔ کیا معیز احمد اپنی چال چل

چکا تھا؟

اس کی دھڑکن سست پڑنے لگی۔ پھر اچانک ہی اس کی کال ریسیو کرلی گئی۔

"ہیلو... ایمہا بات کررہی ہوں میں۔ آپ کال اٹینڈ نہیں کررہے تھے تو مجھے پریشانی ہورہی تھی۔"

ایمہا نے کال ملتے ہی بے تابانہ بولنا شروع کردیا۔ پھر چپ ہوئی تو ایک سناٹا سا چھا گیا۔ شاید وہ ابھی بھی خفا تھے۔

"ہیلو۔ ناراض ہیں آپ ابھی تک۔ وہ تو اس دن بس غصے میں میں نے پتا نہیں کیا کچھ کہہ دیا اور آپ کے بیٹے نے آپ سے پتا نہیں کیا کہہ دیا۔" وہ شرمساری تھی۔

"بہت اچھے۔ یہ سب بھی میں والد محترم سے کہہ دوں گا اور کچھ؟"

وہ معیز احمد ہی تھا۔ ایمہا کا دل رکتے رکتے بچا مگر پھر اس نے بڑی ہمت سے خود کو سنبھالا۔ اسے معیز احمد کا سامنا کرنا تھا۔ اپنی زندگی بدلنے کے لیے مقابلہ کرنے کے لیے۔

"مجھے آپ کے والد صاحب ہی سے بات کرنی ہے۔"

"آخر تم ہماری زندگی میں سے نکل کیوں نہیں جاتیں۔" وہ جیسے ضبط کھو کر پھنکارا تھا۔

ایمہا کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ مگر لہجے کی کمزوری کا مطلب تھا معیز احمد سے مات اور آج وہ ہمت کرنا چاہتی تھی۔ معیز احمد پر واضح کرنا چاہتی تھی کہ وہ امتیاز احمد کے فیصلے کی پابند ہے' نہ کہ معیز احمد کے۔

"آپ مجھے یہ آرڈر نہیں کرسکتے' کیونکہ میں آپ لوگوں کی زندگی میں آپ کے والد محترم کی خواہش پر آئی ہوں۔ اپنی یا آپ کی خواہش پر نہیں۔"

وہ چپ رہ گیا۔

اب جانے کہنے کو کچھ سوجھا نہ تھا یا پھر وہ غیض و غضب کی کیفیت میں چپ تھا مگر ایمہا نے اسی ہمت سے پھر کہا۔

"ان سے کہیے گا میرے اکاؤنٹ میں۔" لائن ایک دم سے کاٹ دی گئی' بے وہ جان موبائل کان سے لگائے کھڑی رہ گئی۔

وہ امتیاز احمد کی طرف سے مایوس ہونے لگی مگر اسی شام امتیاز احمد کا ڈرائیور اسے لینے آیا تو وہ متحیر رہ گئی۔

"شکر کرو تمہارے گھر والوں کو بھی ترس آیا تم پر۔" حنا نے اس کی بے یقینی پر اسے گھر کا اور ساتھ ہی ٹوک بھی دیا۔

"ہونہہ تو کرلو سلوٹوں سے بھری قمیص ہے تمہاری۔" وہ جلدی سے سامنے لٹکا سوٹ پہن کر سلیقے سے دوپٹا اوڑھتی آکر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وارڈن بھی امتیاز احمد کے ڈرائیور سے واقف تھی۔ سو اجازت کا مسئلہ ہی نہ تھا۔

ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"کہاں جانا ہے ہمیں؟"

"صاحب نے فلیٹ پر بلایا ہے۔"

ڈرائیور نے مختصراً بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔ اب ظاہر ہے امتیاز احمد اسے سفینہ کے گھر میں تو نہیں بلوا سکتے تھے۔ ڈرائیور اسے فلیٹ کے دروازے تک چھوڑ کر پلٹ گیا۔ ایمہا کا دل ہلکا پھلکا سا ہوگیا۔ اپنے تمام مسائل کا حل اسے دروازے کے پار دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر کوئی جواب نہ پایا تو تاب تھما کر کھا

دروازہ کھل گیا۔ وہ جھکتے ہوئے اندر داخل ہوگئی مگر سامنے کوئی بھی نہ تھا۔ ویل فرنشڈ فلیٹ کا نئی وی لاؤنج اس کے سامنے تھا اور قدموں کے نیچے قیمتی کارپٹ۔ اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی تو وہ بے اختیار پلٹی۔ دروازہ لاک ہوچکا تھا۔ سامنے والے کو دیکھ کر ایمہا دہشت زدہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ معیز احمد کے تاثرات نے اسے بے حد خوف زدہ کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے اصرار پر شازیہ چچی کے سامنے موجود تھی۔

ضروری بات کرنے کا کہہ کر شازیہ اب پہل سی بیٹھی تھی مگر الفاظ تھے کہ نوک زبان پر آتے ہی نہ تھے۔ صالحہ نے آتے جاتے اسے گھورا تو اسے مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق بات شروع کرنا ہی پڑی۔

"صالحہ کی شادی کب کررہی ہیں خالہ؟" چچی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس۔ امتیاز احمد ذرا اپنے قدم صحیح سے جمالے' پھر شادی کی تاریخ دے دیں گے۔"

"اور اگر امتیاز احمد سے اچھا رشتہ مل جائے تو؟" خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیر کر شازیہ نے کن اکھیوں سے چچی کے تاثرات دیکھے تو ان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا' بچپن سے بات طے ہے امتیاز اور صالحہ کی۔ اب تک اس سے اچھا نہ ملا تو اب کیا ملے گا۔" انہوں نے رکھائی سے بات ختم کردی مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ بات ختم نہیں بلکہ ابھی تو شروع ہوئی تھی۔

"میرا ایک دور پار کا کزن ہے خالہ! بہت امیر ہے پڑھا لکھا۔ شریف کاروباری آدمی ہے۔" شازیہ نے دبے لفظوں سے کہا تو وہ کچھ اور ہی سمجھیں۔

"اچھا۔ تمہارا رشتہ ڈالا ہے انہوں نے۔"

شازیہ کا حلق خشک ہوا۔ صالحہ نے دور سے اسے آنکھیں دکھائیں اور بولتے رہنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں خالہ! اپنی صالحہ کے لیے... آگے پیچھے تو کوئی ہے نہیں اس کا۔"

"کیا بکواس کررہی ہو لڑکی!" چچی کو جلال آیا۔

صالحہ جلدی سے وہاں آئی۔ ورنہ شازیہ ضرور ان کے عتاب کا شکار ہوجاتی۔

"اماں! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ مراد صدیقی سے مل کے تو دیکھیں' ہر لحاظ سے امتیاز احمد سے بڑھ کر ہے وہ۔"

"لعنت ہو" بدتمیزی سے بولی تو چچی نے کھینچ کے تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

اقتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھیں مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہیں۔ صالحہ مر چکی ہیں۔ ابیہا ان کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہیں۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔

ابیہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑ سی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور نانی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے

آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں سے مراد کا ذکر کرتی ہے۔ وہ غصہ میں صالحہ کو تھپڑ مار دیتی ہیں۔
امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ایبہا کو بلواتے ہیں مگر ایبہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

چوتھی قسط

یہ صالحہ کے منہ پر ماں کا پہلا تھپڑ تھا۔
اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد پہلا تھپڑ۔ وہ بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھنے لگی۔
"بے حیا۔ بے غیرت گھول کے پی گئی ہے کیا؟ مر نہ گئی تو ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے۔" وہ غیظ و غضب سے کانپ رہی تھیں۔ چیخ کر بولیں تو گلے میں خراش پڑ گئی۔
شازیہ جو صالحہ کے ہمت بندھانے پر بہت کچھ کہنے کے لیے آئی تھی ماں کا غصہ دیکھ کر ڈر گئی اور اس کی حمایت میں کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے چلی آئی۔
"اری ٹھہر رک۔ آستین کی سانپ۔ آکے کرتی ہوں میں تیری ماں سے بات۔ اتنا ہی بھلا رشتہ ہے تو تجھے کیوں نہ ٹکا دیا تیری ماں نے وہاں۔ بے حیا منہ پھاڑ کے راہ کھولنے آگئی ہماری۔"
ان کی آواز نے گیٹ تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ لرزتا دل لیے شازیہ تیزی سے گیٹ پار کر گئی۔
اتنی دیر میں صالحہ خود کو سنبھال چکی تھی۔
"دفع ہو جا میری نظروں سے۔ ایسی بکواس تو نے منہ سے نکالی بھی کیسے۔"
"یہ بکواس نہیں ہے امی!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تو مارے غصے کے ان کے منہ سے کوئی لفظ ہی نہ نکل پایا۔
"تو ذلیل۔ خانہ خراب ہو تیرا۔"
"مراد بہت اچھا لڑکا ہے امی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا ہم مزاج۔" صالحہ منہ پھٹ ہی نہیں' جی دار بھی بہت تھی۔ ان کی آنکھیں ابلیں۔
"تو نوج۔ کب سے ملاقاتیں کی جا رہی ہیں؟ کیا کرتی رہی ہے۔ ہمارے سروں میں خاک ڈالنے کا بندوبست؟" وہ اونچی آواز میں بولیں تو لہجہ مضبوط تھا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں کیا میں نے۔ شازیہ کے گھر سب کے سامنے بات ہوتی ہے اس سے۔ اچھا آدمی ہے۔ خوش مزاج' خوش لباس۔" انہوں نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مارے اور بے دم سی تخت پر گر گئیں۔
"اللہ کرے وہ دن آنے سے پہلے ہی میں مر جاؤں۔ جو تو امتیاز احمد کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اس گھر سے نکلی۔"
ان کے آنسو بہہ نکلے تھے۔
"اتنی کمزور کردار کی نکلی تو صالحہ!"
ماں کا طعنہ دل میں بھالے کی طرح پیوست ہو گیا۔
"میں نے کچھ غلط نہیں کیا امی! وہ اچھا لگا سو بتا دیا۔ مذہب اجازت دیتا ہے مجھے۔"
"بکواس بند کر بے غیرت! منگنی ہو چکی ہے تیری۔" وہ چیخیں۔
"نکاح تو نہیں کہ خلع یا طلاق کا مسئلہ ہو گا۔" ادھر وہی اطمینان تھا۔
وہ ہاتھ مل مل کے رونے اور شازیہ کو گھر والوں سمیت کوسنے دینے لگیں۔ صالحہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ اسے ابا کے آنے سے پہلے اپنا ہوم ورک مکمل رکھنا تھا۔

کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی صالحہ نے کتنی ہی دیر اپنے گال پہ چھپا اپنی ماں کی انگلیوں کا نشان دیکھا۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہونے لگی۔
مگر اسے علم نہیں تھا کہ یہ آخری نہیں۔ بلکہ پہلا تھپڑ تھا۔

☆ ☆ ☆

معیز کو اس قدر غیر متوقع طور پر سامنے پا کر ایبہا کے وجود میں دہشت کی لہر سی دوڑ گئی۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی' جو دروازہ مقفل کر کے اسی طرف آ رہا تھا۔
"تک۔ کیا بات ہے۔ مم۔ مجھے یہاں کیوں بلوایا ہے؟" وہ بہت سختی سے استفسار کرنا چاہتی تھی مگر خوف اتنا تھا کہ الفاظ بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ ہو سکے۔ چند قدم دور وہ عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
ایبہا بے اختیار پیچھے ہٹی تو اس کی ٹانگیں پیچھے رکھے صوفے سے ٹکرائیں اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی صوفے پر گر سی گئی۔
"تمہیں یہاں بلانے کا مقصد ہے تمہیں تمہاری حقیقت بتانا۔ تم۔ جو ہماری زندگیوں پر ایک عذاب بن کے مسلط ہو گئی ہو۔"
وہ انتہائی حقارت سے بولا تو ایبہا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔
"بولو۔ بتاؤ۔ ایک ہی بار بتاؤ۔ کتنے کا چیک بنا کے دوں کہ تمہیں دوبارہ ہماری زندگیوں میں دخل دینے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔"
وہ اس سے یقیناً" شدید نفرت کرتا تھا تب ہی تو بلا جھجک۔ اور بنا سوچے سمجھے اپنا غصہ اور نفرت اس پر انڈیل رہا تھا۔
اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"میں اپنی مرضی سے آپ کی زندگی میں نہیں آئی۔"
"تو پھر ہماری مرضی سے ہی ہماری زندگی سے نکل جاؤ۔ غلطی ہو گئی تھی ہم سے۔" وہ اطمینان سے بولا۔
"اگر آپ اپنے اور میرے رشتے کا۔" ایبہا نے اسے احساس دلانا چاہا مگر وہ اس بات پر یوں بھڑکے گا' یہ اس نے بھولے گمان میں بھی نہ تھا۔
"شٹ اپ۔ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے کہ میں بڑے ادب و آداب کا خیال رکھتا پھروں۔ تمہارا جو بھی رشتہ ہے' وہ صرف امتیاز احمد تک ہے اور وہیں آکے ختم ہو جاتا ہے۔"
اور وہ جو پہلے خوف اور اب سہم دبے چارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی' اس کے الفاظ نے پتا نہیں روح پر کیسا کوڑا مارا کہ وہ تڑپ ہی اٹھی۔ چیخ کر بولی۔
"ہاں۔ نہیں ہے میرا آپ سے کوئی رشتہ۔ تو پھر یوں مجھے دھوکے سے اس جگہ بلوانے کا کیا مقصد ہے آپ کا؟"
"ایک ہی ہے۔" وہ بے حد سکون سے بولا۔ "ابو کا پیچھا چھوڑ دو۔ طلاق لو اور ہمیں ہماری زندگی جینے دو۔ میں جانتا ہوں تمہیں پیسہ چاہیے۔ وہ میں تمہیں دوں گا۔ تمہیں بس ابو سے طلاق کا مطالبہ کرنا ہے اور بس۔"
ایبہا کا تمام غصہ' تمام وحشت اور خوف اس شخص کی حقارت اور نفرت تلے دب گئے۔
بھلا کوئی کسی کی یوں بھی نفی کر سکتا ہے؟ اس کا دل کرلایا۔
"میں۔ کہاں جاؤں گی؟"
"وہ تمہارا دردِ سر ہے۔ میں صرف اپنی فیملی کی زندگی میں سکون چاہتا ہوں۔"
"میری تو فیملی بھی نہیں ہے۔" وہ گڑگڑائی۔

"باپ ہے نا تمہارا۔ ایک کال کرتا 'پیسہ دیکھ کے دوڑا چلا آئے گا۔" وہ بے حد سفاک ہو رہا تھا۔

جب ہم ہر حال میں اپنی زندگی کو پرسکون بنانا چاہتے ہیں تو اس کے بدلے کتنے دل بے سکون ہوں گے' یہ نہیں سوچتے۔ معیز احمد بھی اسی منزل پر تھا۔

ایہا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کے آنسو رخساروں پہ بہہ نکلے پھر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

معیز کے دل کو ایک دم سے کچھ ہوا۔

ظالم ہونا اور ظالم ہونے کی اداکاری کرنا۔ دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

اور کچھ وہ لڑکی چہرے سے اس قدر معصوم اور سادہ سی لگتی تھی کہ۔ مگر جس طریقے سے وہ ان لوگوں کی زندگی میں آئی تھی۔

معیز نے جبڑے بھینچے تو گردن کی رگیں کھنچ سی گئیں۔ اسے دفعتاً" اپنی ماں کا دھیان آیا۔

اپنی زندگی کے ڈھیروں سال جس نے صالحہ نامی خیالی سوکن سے جل جل کر گزارے تھے اور اب یہ ایہا مراد ہے؟

امتیاز احمد صالحہ کو تو اپنا نہ بنا سکے مگر ایہا کو اپنا کرلے آئے معیز کو یاد آیا کہ سامنے بیٹھی روتی بلکتی لڑکی جس پر وہ ترس کھا رہا ہے' وہ رشتے میں اس کی کیا لگتی ہے۔

اسے اپنی زندگی سے دفعتاً" نفرت محسوس ہوئی۔ اسے یاد آیا کہ تین سال پہلے وہ کیا قدم اٹھا چکا تھا۔ اپنی ماں کے مقابلے میں اس نے اپنے باپ کا ساتھ دیا اور صالحہ کو جتوا دیا۔

اس کی ماں امتیاز احمد سے شادی کرکے بھی ہار گئی تھی۔

"اسٹاپ اٹ۔" وہ سخت لہجے میں بولا مگر ایہا کی سسکیاں بند نہ تھیں۔

"آئی سیڈ اسٹاپ دس نان سینس۔" وہ دانت پیس کر غرایا تو ایہا نے دم سادھ لیا۔ وہ چند قدم چل کر اس تک آیا۔ ایہا اپنا بیگ دبوچے خائف سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تمہارا فیصلہ چاہیے۔ میں تمہیں اب کوئی گیم نہیں کھیلنے دوں گا۔ سمجھیں تم!" وہ پھنکارا تو اس کی آنکھوں سے جھلکتی نفرت اتنی واضح تھی کہ ایہا کا وجود سرد پڑنے لگا۔

"میں آپ کے والد صاحب کے فیصلے کی پابند ہوں۔" وہ بھکارن بن گئی تھی۔ مگر معیز احمد اس وقت رحم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے یہ لڑکی اپنی خوشیوں کی قاتل اور اپنے گھر کے لیے قیامت لگ رہی تھی۔

"تمہاری ماں نے انہیں آخری دم تک نکاح کرنے کی۔ اور یاد رکھو کہ امتیاز احمد وہ شخص ہے جس نے اس وقت تمہیں جوئے میں بکنے سے بچایا تھا۔ اور تم یہ صلہ دے رہی ہو اس مہربانی کا۔"

وہ بے حد حقارت سے کہتے انگشت شہادت سے اس کی پیشانی کھٹکھٹا کر بولا تو ایہا نے مارے شرم کے خود کو مٹی ہوتے محسوس کیا۔ لوگوں کے باپ ان کا فخر ہوا کرتے ہیں اور یہاں اس کی ولدیت اس کے لیے ذلالت کا باعث بن گئی تھی۔

"تمہیں روپیہ چاہیے۔ میں تمہیں دوں گا مگر تمہیں خود ابو سے طلاق کا مطالبہ کرنا ہوگا۔ ورنہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہارا کیا حشر کر سکتا ہوں۔"

سرسراتا ہوا لہجہ ایہا کے وجود میں پھریری دوڑا گیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ جو کہتے ہیں میں وہی کروں گی۔" بے حد خوف زدہ انداز میں وہ تیزی سے بولی مگر اسی وقت کلک کی خفیف سی آواز کے ساتھ دروازہ کھولا گیا۔

معیز بے اختیار پلٹا۔ کوئی دروازے کی ناب گھما رہا تھا۔ معیز کا دل بے ترتیبی سے دھڑک اٹھا۔ یہ فلیٹ امتیاز احمد کا تھا اور وہ سمجھ سکتا تھا کہ اگر ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس تھی تو ماسٹر کی (Key) اس دروازے پر کون استعمال

کرسکتا ہے۔

☼ ☼ ☼

ابا کے آنے سے پہلے امی بمشکل اپنا موڈ تھوڑا بہتر کرکے صالحہ کے کمرے میں آئیں۔ وہ شاید جلد بازی کر بیٹھی تھیں۔ ہو سکتا ہے امتیاز کے ساتھ کوئی لڑائی ہو گئی ہو صالحہ کی۔ اس لیے الناسید ھا بک گئی ہو۔ انہیں صالحہ کو مارے جانے والے تھپڑ پر افسوس ہوا۔

صالحہ کانوں پہ ہیڈ فون چڑھائے ٹیپ میں کیسٹ لگائے گانے سن رہی تھی۔ امی کو اور اطمینان ہوا۔ سرخ رنگ کا یہ چھوٹا خوبصورت سا ٹیپ امتیاز نے صالحہ کے شوق کو دیکھتے ہوئے گفٹ کیا تھا۔ ماں کو دیکھ کر صالحہ نے بٹن دبا کر ٹیپ بند کیا اور ہیڈ فون اتار دیے۔ وہ قدرے خفیف سی تھیں۔

"ایسے ہی تھپڑ دے مارا بچی کو۔ اگر کچھ الناسیدھا بول ہی گئی تھی تو پیار سے سمجھاتی میں۔"

وہ انہیں دیکھ کر مسکرائی تو ان کا دل سکون سے بھر گیا۔ یعنی وہ تھپڑ والی بات پر ناراض نہ تھی۔ وہ محبت سے اس کے پاس جا بیٹھیں۔

"کیوں کمرے میں بند ہو کر بیٹھی ہو۔ ابھی تمہارے ابا آئیں گے تو آتے ہی تمہارے نام کی دہائی دینے لگیں گے۔"

"بس یونہی۔ یہ نئی کیسٹ منگوائی تھی۔ وہی سن رہی تھی۔" نارمل سا لہجہ۔

"اچھا۔ امتیاز سے جو منگوائی تھی اس بار؟" انہیں کھلنے کے لیے پچ مل گئی۔

لمبی سی سانس اندر کھینچ کر صالحہ مسکرائی۔ پھر ماں کو دیکھ کر اس نے بھی گویا ہار مان لی۔

"جی۔ اور جس کی خاطر دادی اماں اور تائی کی لعنتیں کھائی تھیں۔"

"تم بھی تو خیال نہیں رکھتیں۔ پتا بھی ہے ان کے اور ہمارے ماحول کا فرق۔"

انہوں نے خفگی دکھائی۔ وہ جم کر کھیلنا چاہتی تھیں۔ مگر جانتی نہیں تھیں کہ مخالف بھی فل فارم میں ہے۔

"آپ کو یہ فرق پہلے بھی معلوم تھا امی! پھر مجھے اس امتحان میں کیوں ڈالا آپ نے؟" وہ تلخ ہوئی۔ انہیں لگا بات سر اٹھانے لگی ہے۔

"جہاں بھی تمہاری بات چلاتی' وہاں کا ماحول ہم سے الگ ہی ہوتا صالحہ! سسرال جا کے ہر لڑکی کو وہاں کا ماحول اپنانا پڑتا ہے۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"آنکھ او جھل پہاڑ او جھل امی! آنکھوں سے کبھی کبھی تو کوئی نہیں نکلتا نا۔"

صالحہ سنجیدہ تھی۔ انہوں نے بات کو ہنسی میں ٹالنا چاہا۔

"چل ٹھیک ہے۔ جا کے سارے بدلے لے لینا۔ ساس سے بھی اور دادی ساس سے بھی۔"

"میں ان سے کوئی بدلہ نہیں لینا چاہتی کیونکہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا ہے۔" صالحہ کا لہجہ عجیب سا تھا۔

انہوں نے کچھ بغیر اطمینان سے کہا۔ "بڑی اچھی بات ہے۔ معاف کرنے والے کو اللہ بھی پسند کرتا ہے۔ دیکھنا بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جب میاں بیوی راضی ہوں تو حالات چاہے جتنے بھی خراب ہوں' آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا پھر قدرے توقف کے بعد گویا وضاحت کی۔

"میں نے انہیں معاف کر دیا ہے کیونکہ میں مزید ان سے کوئی تعلق نہیں بڑھانا چاہتی۔"

انہوں نے نا سمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

"وہ میری تائی ہیں اور میری دادی۔ اور بس۔ ساس واس نہیں۔"

"اچھی بات ہے نا۔ ساس سمجھنا بھی مت۔ ساں اور دادی سمجھ کے خدمت کرے گی تو پھل پائے گی۔"

ماں نے نصیحت کی۔ صالحہ یک ٹک ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر پھیلا اضطراب گواہ تھا کہ وہ گھبرا رہی ہیں۔ وہ شاید دل ہی دل میں محو التجا تھیں کہ صالحہ اس موضوع کو نہ کھولے۔

مگر وہ مجبور تھی۔ پہلے حالات سے اور اب دل سے۔

''آپ فکر مت کریں امی! ساس والا کوئی چکر ہی نہیں۔ مراد بالکل اکیلا ہے۔ ماں باپ تو کیا بھائی بہن بھی نہیں ہیں۔'' صالحہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو ان کی دھڑکن رکتے رکتے بچی۔

''صالحہ۔ میری بچی! یہ مذاق کی بات نہیں ہے۔'' وہ بمشکل خود کو بھڑکنے سے روک پائیں۔

صالحہ نے ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے اور نرمی سے بولی۔

''یہ بھی مذاق نہیں ہے امی! میں امتیاز احمد سے شادی نہیں کروں گی۔''

وہ دم سادھے اسے دیکھے گئیں۔

''میں ان لوگوں کی تنگ دلی اور تنگ نظری میں زندگی نہیں گزار سکتی۔ اور نہ ہی مجھے امتیاز احمد کا یہ انداز اچھا لگتا ہے۔ وہ صرف اپنی ماں کا بیٹا اور دادی کا پوتا ہے اور بس۔ اسے رشتے نبھانے نہیں آتے امی!''

وہ بڑے آرام سے کہہ رہی تھی۔ ان کا سکتہ یک لخت ہی ٹوٹا۔ اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر وہ پھنکاریں۔

''اور تو۔ تجھے کون سا نبھانے آتے ہیں رشتے۔ جو ہم نے جوڑے تھے ان پر بھی لات مار رہی ہے۔''

''میں نے پوری کوشش کی ہے نبھانے کی۔ امی کو آداب نہیں آئے۔'' صالحہ نے تلخی سے کہا تو انہوں نے سختی سے اس کا بازو ہاتھ کی گرفت میں جکڑا اور جھنجوڑتے ہوئے بولیں۔

''یہ ذہنی آوارگی ہے تمہاری۔ بھول جاؤ اس بکواس کو۔ خبردار جو باپ کے سامنے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو۔ جانتی ہو وہ امتیاز کو اپنے بیٹے کی طرح جانتے ہیں۔''

''اور میں... مجھے اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں؟'' اس نے احتجاج کیا۔

ان کا جی چاہا اسے دونوں ہاتھوں سے دھنک ڈالیں۔

بچپن سے لے کر جسے آج تک نازوں اور لاڈوں سے پالا پوسا۔ ہر فرمائش پوری کی۔ وہ آج اپنی زندگی کے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتی تھی۔ گویا اس کی زندگی پر ان کا کوئی حق ہی نہ ہو۔

''بے اختیار۔ کیوں نہیں ہے۔ ہم تمہاری شادی کر دیں گے تو جیسے جی چاہے زندگی گزارنا۔''

انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔ گویا بات ختم۔

''میرا مذہب مجھے اجازت دیتا ہے امی! آپ مراد سے ملیں۔ اسے پرکھیں۔ اگر آپ کو امتیاز سے بہتر نہ لگا تو بے شک انکار کر دیجیے گا۔''

صالحہ کے لب و لہجے میں التجا اتر آئی کہ وہ جتنی بھی ضد لگا لیتی گھر والوں کی اجازت اور ساتھ کے بغیر بہرحال کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔

''میں کہتی ہوں بکواس بند کر صالحہ! آلینے دے تیرے باپ کو۔ میں کل ہی ان سے فون کرواتی ہوں اماں جی کو اور شادی کی تاریخ رکھنے کا کہتی ہوں۔''

وہ گرج کر بولیں تو صالحہ بھی ساری نرمی اور التجا میں بھول کر اپنی فطری ضد اور ہٹیلے پن پر اتر آئی۔

''اگر آپ میری اور مراد کی شادی کی تاریخ طے کرنا چاہ رہی ہیں تو بصد شوق۔ مگر امتیاز احمد سے شادی میری ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔''

انہوں نے کھینچ کے دو تھپڑ اسے مارے مگر یہ حقیقت ان پر پوری طرح عیاں ہو گئی تھی کہ ان کے گھر کی عزت بیچ چوراہے میں آن پہنچی تھی۔

ان کا غصہ، نرمی، پیار سب صالحہ نے ایک ہی جملے کے بار تلے دبا دیا۔

''میری زندگی چاہتی ہیں تو مراد سے بیاہ دیں۔ ورنہ لاشوں کے نکاح تو ہوا نہیں کرتے۔'' صالحہ کے لہجے کا پتھریلا

پن محسوس کرکے وہ دنگ رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ بھول گیا تھا کہ حبیب خان اس کے باپ کا انتہائی وفادار ملازم تھا۔ زارا کے نکاح والی رات ایمہا کو معیز نے کہنے پر واپس چھوڑ کے آنے کی اس نے فقط ایک ہی غلطی کی تھی۔ اس کے بعد امتیاز احمد جو کے تو نہ ہوں گے۔ یقیناً" حبیب خان نے سیدھا جا کر ان کو رپورٹ دی ہوگی۔

معیز ساکت سا دروازہ کھلتا دیکھ رہا تھا۔ حسب توقع امتیاز احمد کو سامنے دیکھ کر اور اپنی موجودہ پوزیشن کا خیال کر کے معیز شرمندگی سے گڑ سا گیا۔

وہ بے حد پرسکون انداز میں اس کے قریب آئے۔ ایمہا جیسے ہوش میں آئی۔ بلک کر روئی اور اٹھ کر امتیاز احمد کے شانے سے لگ گئی۔

انہوں نے بے حد شاکی انداز میں معیز کو دیکھا تو وہ باپ کے سامنے سارے الفاظ ساری صفائیاں بھولنے لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ مجھے دھوکے سے یہاں لائے ہیں۔" ایمہا اپنی طرف سے تو بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی مگر امتیاز احمد کے سامنے موجودہ صورت حال میں معیز کے اعصاب پر اس کے الفاظ کوڑوں کی طرح لگے۔

"میں صرف اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ امتیاز احمد نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ عجیب سا محسوس کرنے لگا۔

ان کی ساری توجہ ایمہا مراد پر تھی۔ اس کے بال سہلا کر اسے چپ کراتے، تسلی دے رہے تھے اور وہ ان کی بانہوں کے حصار میں جیسے ہر دکھ پر آج ہی رو دینا چاہتی تھی۔

معیز کو شدید غصہ آیا۔ اس کی پوزیشن عجیب سی ہو رہی تھی۔ امتیاز احمد نے خود کچن سے پانی لا کر ایمہا کو پلایا تو وہ کچھ بہتر ہوئی۔

"آپ مجھے ہاسٹل چھوڑ دیں پلیز۔" اس کی آنکھیں سرخ اور آواز رونے سے بھاری ہو رہی تھی۔

"ہاں۔ چلو۔" وہ فوراً" بولے تو اپنا بیگ لیے وہ بھی فوراً" اٹھ گئی۔

معیز کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ وہ دونوں یوں محو گفتگو تھے جیسے کوئی تیسرا وہاں موجود ہی نہ ہو۔

ایمہا کی تو خیر اسے ذرہ برابر بھی پروا نہ تھی۔ ہاں مگر امتیاز احمد کے رویے نے ضرور اسے شرمندہ کیا تھا۔

"ابو! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

وہ انہیں جاتا دیکھ کر بے اختیار بولا تو انہوں نے پلٹ کر گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"اب بھی کچھ باقی رہ گیا ہے کہنے کو؟"

ان کا لہجہ کسی بھی قسم کے طنز سے پاک تھا۔ نارمل سے لہجے میں کی گئی عام سی بات۔

مگر معیز احمد تو جیسے شرم سے گڑ گیا۔ وہ پتا نہیں کیا سمجھ رہے تھے۔ وہ ایمہا کو یہاں کیوں لے کے آیا تھا؟؟

"میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا ابو!" وہ تیز آواز میں احتجاجاً" بولا۔

"مگر تمہارا انداز مجھے پسند نہیں آیا معیز!" وہ واقعی قطعی لہجے میں کہہ کر ایمہا کے شانے پر ہاتھ پھیلائے اس کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔

اور پیچھے معیز احمد رہ گیا۔ سراپا کسی بھانبڑ میں جلتا سلگتا۔ وہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ یہ سوچ ہی معیز احمد کو مارے جا رہی تھی۔

آخر وہ کس رشتے سے اسے یہاں تنہا لے کر آیا تھا۔ وہ بھی دھوکے سے؟

وہ بے دم سا صوفے پر گر پڑا۔

وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

ان کے لیے اب ممکن نہ رہا تھا کہ ابا سے مزید چھپاتیں۔ بات جتنی بگڑ چکی تھی، وہی قیامت لانے کے مترادف تھی۔

دادا ابا چاہے اپنی اکلوتی اولاد سے جتنا بھی پیار کرتے تھے، ایسی بات ان کے غیظ و غضب کو جگانے کے لیے کافی تھی۔ مگر انہوں نے انہیں صالحہ سے الجھنے کی غلطی کرنے کے بجائے وادی سے شادی کی تاریخ طے کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے بہت ہمت اور حوصلے کے ساتھ انہیں ٹھنڈا کیا تو یہ ان کی عقل مندی تھی۔ ورنہ تو وہ صالحہ کو جان سے مار دینے کے موڈ میں تھے۔ بھتیجا انہیں بہت پیارا تھا اور داماد کے روپ میں تو وہ اور بھی بہترین تھا۔ ایسے میں صالحہ کے کردار کا یہ ہلکا پن۔۔۔ ان کا دل ٹوٹ گیا تھا اور ادھر صالحہ 'باپ کے کمرے سے اپنے نام کی اٹھنے والی پکار کی منتظر ہی رہی۔ مگر چند لمحوں تک اٹھنے والی اونچی آوازوں کے بعد پہلے آوازیں اعتدال پر آئیں اور پھر خاموشی چھا گئی یا شاید سرگوشیاں؟

وہ کچھ کچھ خوف زدہ اور کچھ پریشان سوچوں میں الجھی تھی۔ اگلے روز امی اور ابا سے بنا کچھ بتائے کہیں چلے گئے۔ امی نے اسے سختی سے گھر ہی میں رکنے اور دروازے بند کرنے کا آرڈر دیا اور ابا کے ساتھ نکل گئیں۔

صالحہ اور ان کے بیچ ایک نامعلوم سا فاصلہ اور جھجک آ گئی تھی۔ ورنہ وہ انہیں یوں بنا بتائے گھر سے نکلنے نہ دیتی۔ دوپہر کو واپس آ کے بھی ماں' باپ میں سے کسی نے اس سے بات کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

اس پر بجائے اس کے کہ صالحہ اپنی بے وقوفی پر پچھتاتی' اس کا دل ماں' باپ کے رویے پر اور سخت ہونے لگا۔ ساری عمر اس نے ماں' باپ کو نخرے دکھائے اور ضد منوائی تھی اور اب جبکہ معاملہ اس کے دل کی خوشی اور پوری زندگی کا تھا تو وہ دونوں یوں یکسر اجنبی بن گئے تھے' روایتی ماں' باپ۔

امی نے بازار کے چکر لگانے شروع کر دیے۔ واپسی پہ وہ یوں ہی شاپرز لے کر اپنے کمرے میں گھس جاتیں۔ صالحہ سے وہ ہر بات کرتیں۔ سوائے اس کی شادی کے' گزشتہ معاملے کو تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھیں۔ مگر صالحہ اس معاملے کو دبانا نہیں' بلکہ اچھالنا چاہتی تھی۔ اس کا شازیہ کے گھر جانا مکمل بند کر کے وہ مطمئن تھیں۔ مگر انہیں علم نہیں تھا کہ جب بھی وہ شاپنگ کرنے جاتی ہیں۔ صالحہ جلدی سے جا کر شازیہ کے گھر کا چکر لگا لیتی اور مراد صدیقی سے ملاقات کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔ اس کی چکنی چپڑی باتیں اور حسن و خوب صورتی کو سراہے جانے کا انداز صالحہ کو اپنا دیوانہ بنا چکا تھا۔

سب وہ باتیں تھیں' جو وہ امتیاز احمد کے لبوں سے سننا چاہتی تھی۔ مراد صدیقی کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے وہ امتیاز احمد کی آنکھوں میں ڈھونڈا کرتی تھی مگر اب تو اسے امتیاز احمد بھی بھول کر بھی یاد نہ آتا تھا۔ مراد صدیقی کی چرب زبانی اسے پوری طرح شیشے میں اتار چکی تھی اور وہ ماں باپ کی اس پریشان کن خاموشی سے انجان ہی رہتی اگر امتیاز احمد کا فون نہ آ جاتا۔

امی اگر پاس ہوتیں تو صالحہ کو فون اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ مگر وہ نہانے گئی ہوئی تھیں۔ صالحہ نے ریسیور کان سے لگایا تو دوسری طرف امتیاز احمد کو پا کر جیسے منہ میں کونین سی گھل گئی۔

"کیسی ہو؟" وہ بڑی چاہت سے پوچھ رہا تھا۔

"بس۔۔۔ ٹھیک ہوں۔" صالحہ پر بے زاری طاری ہونے لگی۔ یہی وہ شخص تھا جس کی وجہ سے اس کے والدین اس سے بے زار تھے۔ اگر یہ شخص میری زندگی میں نہ رہے تو۔۔۔

اس کے دل نے بے ساختہ خواہش کی تھی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا' صالحہ چونکی۔

"یہ بے زاری کیا مطلب؟" اس کے یوں انجان بننے پر جیسے امتیاز بہت محظوظ ہو کر ہنسا۔

"ایک پری میرے گھر میں اترنے والی ہے۔ ابھی پتا نہیں چلا تمہیں؟"

"کون۔۔۔ کس کی بات کر رہے ہو تم؟" اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی تو فی الفور پوچھا۔

"بس یوں سمجھ لو کہ میری زندگی میں بہار آرہی ہے۔" وہ اپنی ہی موج میں تھا۔
"فون کیوں کیا ہے' یہ بتاؤ۔" صالحہ اس کی کسولی سے زچ ہو کر بولی۔ وہ ہلکی سی ہنسی کے بعد بولا۔
"ابھی تک ناراض ہو؟ میں نے تو سوچا کہ تم ہی نے چچا جان کو بھجوایا ہو گا شادی کی تاریخ طے کرنے۔"
صالحہ کا دل سکڑ کر پھیلا۔ تو اس کی ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلا جا رہا تھا۔
"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ان فضولیات میں پڑنے کی۔" وہ بے حد رکھائی سے بولی۔
"چلو اب مان جاؤ یار! امی اور دادی کی عادت کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔" وہ جلد از جلد اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہتا تھا۔
"ہاں اور تمہاری عادتوں کا بھی ٹھیک ٹھاک پتا چل چکا ہے مجھے۔ ابھی تمہیں خیال آرہا ہے مجھے منانے کا۔ جب پورا ڈیڑھ مہینہ گزر چکا۔" صالحہ کے لہجے میں تلخی در آئی۔ وہ شرمسار ہوا۔
"غلطی تو پہلے بھی فون وغیرہ نہیں کرتا تمہیں۔ اب کرتا تو جی کیا سوچتیں۔ سوچا تھا آکر تمہیں راضی کرلوں گا۔"
"ہنہ۔ بعض اوقات بہت دیر ہو جایا کرتی ہے امتیاز احمد صاحب!"
قطعی بے گانہ لہجہ۔ کم از کم "امیت جی" سننے والے کی سماعتوں کے لیے تو وہ بہت انجان انداز تھا۔

لہٰذا اسے آئی نہ تھی اور یہ صالحہ کے معاملے میں امتیاز احمد کا سب سے بڑا منفی پوائنٹ تھا۔ وہ اس کے ساتھ منگیتر والا رومانٹک سا رشتہ چاہتی تھی جس کو نبھانے کی امتیاز احمد کی تربیت اجازت نہ دیتی تھی۔ تب ہی تو وہ ٹوٹی ڈال کی طرح مراد صدیقی کے ہاتھ بڑھاتے ہی ہاتھ میں آگئی تھی۔
"چلو ٹھیک ہے۔ شادی ہو جانے دو۔ بہت اچھی طرح مناؤں گا تمہیں۔"
وہ اسے بہلا رہا تھا۔ صالحہ نے ثانیہ بھر کچھ سوچا پھر بے نیازی سے بولی۔
"اس وقت تو شاید میرا شوہر تمہیں اتنی بے تکلفی کی اجازت نہ دے۔"
امتیاز احمد کو جھٹکا لگا۔ پھر سنبھلتے ہوئے وہ زبردستی ہنسا۔
"اچھا مذاق ہے۔"
"مراد صدیقی نام ہے اس کا۔ میں نے امی سے بات کی تھی۔ ابا بھی جانتے ہیں میری خواہش۔ اب تم بتاؤ کیا کہتے ہو؟"
وہ اس قدر سفاکی سے پوچھ رہی تھی کہ امتیاز بے چارہ گنگ سا ہو گیا کہ اس ساری بکواس کے جواب میں کیا کہے۔ بہت دیر بعد وہ کچھ کہنے کے قابل ہو سکا۔
"تم مذاق کر رہی ہو صالحہ!" وہ اندر سے اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے صالحہ سے پوچھا نہیں' بلکہ اسے گویا بتانا چاہا کہ وہ مذاق کر رہی ہے یا شاید خود کو۔
"میں مذاق نہیں کر رہی امتیاز! بلکہ اچھا ہی ہوا کہ تم سے بات ہو گئی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ امی اور ابا تمہارے گھر شادی کی تاریخ لینے گئے تھے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ میں انہیں مراد کے بارے میں سب کچھ بتا چکی ہوں۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔ امتیاز کا دل ڈوبنے لگا۔
"کون مراد؟"
"وہ... مجھے بہت چاہتا ہے۔ میرے بالوں' میری آنکھوں پہ شعر کہتا ہے۔ جسے میری ہر ادا پہ یوں فخر ہوتا ہے جیسے یہ اس کی تخلیق ہو۔ اسے نہ تو میری آزاد خیالی پہ اعتراض ہے اور نہ ہی کسی عادت پر۔ بہت پیار کرتا ہے مجھ سے۔"
اس کا محبتوں سے بوجھل ہوتا لہجہ گویا امتیاز احمد کی سماعتوں میں آگ لگا گیا۔
"کیا بکواس کر رہی ہو صالحہ!" اس کی آواز غصے سے پھٹ سی گئی مگر وہ متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

اسی اطمینان سے بولی۔
"یہی سچائی ہے امتیاز! جو میرے ماں' باپ تم سے چھپا رہے تھے مگر میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ تائی اماں اور دادی جان بھی یہی سمجھتی ہیں کہ میں تمہارے اور تمہارے گھر کے قابل نہیں ہوں۔ اس لیے کسی آزمائش میں پڑنے سے بہتر ہے کہ تم پہلے ہی سب کچھ جان کر فیصلہ کرلو۔ میں مراد صدیقی کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کا امتیاز احمد کی منتیں کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔
امتیاز احمد بے دم ہونے لگا۔
"صالحہ... مذاق مت کرو' دیکھو! تم مجھ سے ناراض ہو یا گھر والوں سے تو میں سب کی طرف سے تم سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ غصے میں الٹی سیدھی باتیں مت کرو۔" وہ گھگھیاتے ہوئے بولا۔
صالحہ کی خاطر وہ اس کی منتیں بھی کر سکتا تھا۔ اپنی مردانگی کا زعم بھول کر اس سے معافی بھی مانگ سکتا تھا۔ اسے کوئی تردد نہ تھا۔ وہ اس سے واقعی بہت محبت کرتا تھا۔ مگر صالحہ کی محبت کی ڈیمانڈ کچھ اور تھی۔ اسے محبت کی وارفتگی اور بے باکی چاہیے تھی' جو بغیر شرعی رشتے کے امتیاز احمد کے لیے تو گویا حرام تھی۔
"میں نہ تو مذاق کر رہی ہوں اور نہ ہی غصہ۔" صالحہ نے رسان سے کہا۔
"میں جانتا ہوں صالحہ... تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ یوں بولا گویا اسے خود سے زیادہ جانتا ہو مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے آدھا بھی نہیں جانتا۔

"عجیب آدمی ہو تم۔ میں اپنے منہ سے ایک مرد کا نام لے کر اس سے شادی کا اعلان کر رہی ہوں اور تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔ کیا کوئی لڑکی مذاق میں کسی اور مرد کا نام لے سکتی ہے۔"
صالحہ کو غصہ آیا۔ فون پر خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد کافی دیر تک وہ ہیلو' ہیلو کرتی رہی۔ مگر کوئی جواب نہ ملا تب صالحہ نے ریسیور رکھ دیا۔
اب اسے آنے والی قیامت کا انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

امتیاز احمد کی گاڑی حبیب خان ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ پچھلی نشست پر ایبہا کے ساتھ بیٹھے دھیمی آواز میں مسلسل معیز کی صفائی پیش کر رہے تھے۔
"وہ ایسا نہیں ہے۔ بہت سوفٹ نیچر ہے اس کی۔ بس... اپنی ماں کے حوالے سے بہت جذباتی ہے۔ اس کے خیال اسے اس نفرت پر اکسا رہا ہے۔"
"تو آپ بھی اپنی بیوی کے دکھ کا خیال کر لیتے۔ کیوں راضی ہوئے اس نکاح پر...." وہ بے حد چڑ کر تلخی سے بولی تھی۔
"تمہاری زندگی کا سوال تھا ایبہا!" وہ دکھ سے بولے۔
"ہنہ... ایسے بھی تو داؤ پہ لگ ہی گئی نا۔ ویسے ہی لگ جانے دیتے۔" ایبہا کا لہجہ بھاری تھا۔
امتیاز احمد لاجواب ہونے لگے مگر پھر بھی اسے تسلی دی۔
"میں سمجھاؤں گا معیز کو۔ اسے تمہاری حیثیت کو تسلیم کرنا ہی ہو گا۔ خود سمجھے گا تو ماں کو بھی آسانی سے سمجھالے گا۔"
"وہ آج مجھے یہاں فورس کرنے کے لیے لائے تھے کہ میں آپ سے ڈائریکٹ طلاق کا مطالبہ کروں۔"
اس نے جتاتے ہوئے انداز میں کہتے انہیں ایک دم سے خاموش کرا دیا۔ "آپ کا جذباتیت میں کیا گیا فیصلہ نفرت بن کر دوراہے پر لے آیا ہے۔"
امتیاز احمد خاموش ہی رہے اور یہ خاموشی ہاسٹل آنے تک برقرار رہی۔

"میں معیز کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں اور میری ایک بات کا یقین رکھنا ایبہا! کہ ایک نہ ایک دن اس گھر میں تمہاری حقیقت کو ضرور تسلیم کیا جائے گا۔"
اترتے ہوئے ایبہا نے امتیاز احمد کی آخری بات سنی اور ان کی طرف دیکھے بغیر خدا حافظ کہہ کر ہاسٹل کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ امتیاز احمد کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھائی تو انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

✡ ✡ ✡

اس روز معیز کو کمرے میں بلا کر انہوں نے پہلی بار بری طرح جھاڑا۔
"تم ہوتے کون ہو اس پر دباؤ ڈالنے والے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے۔۔۔؟ کبھی شرعی نکتے سے سوچا ہے تم نے کہ یوں زبردستی کسی کو طلاق لینے پر مجبور کرنا کس قدر بڑا گناہ ہے اور سب سے بڑا جرم تمہارا یہ ہے کہ تم نے اسے دھوکے سے وہاں بلوایا۔"
باقی سب تو ایک طرف رہا" آخری جملے نے گویا معیز کو کوڑا رسید کیا۔
"میں نے صرف اس سے بات کرنے کے لیے۔۔۔ میں اور کسی طریقے سے بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے۔۔۔"
بات سنبھالتے ہوئے اس کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ یہ بات اس کی ذہنی برداشت سے بڑھ کے تھی۔ امتیاز احمد نے بیچ میں ہی ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور تلخی سے بولے۔
"میں تم سے صفائی نہیں مانگ رہا۔ میں تمہیں اس سے دور رہنے کا کہہ رہا ہوں۔ وہ میرا مسئلہ، میری ذمہ داری ہے۔"
"وہ میرا بھی مسئلہ ہے۔" معیز نے احتجاج کیا۔
"تو اسے حل کرو۔" وہ فوراً بولے۔
"حل ہی تو کر رہا ہوں مگر آپ شاید اپنی فیملی سے بڑھ کر اسے سپورٹ کر رہے ہیں۔" معیز نے اسے جتایا۔
"میری زندگی میں اور میرے ناتے سے اس گھر میں ایبہا کی اہمیت مسلم ہے معیز۔۔۔ اور یہی میری وصیت بھی ہوگی۔" وہ قطعی انداز میں بولے۔ معیز دانتوں پر دانت جما کر رہ گیا۔
"تم اب جا سکتے ہو۔"
"میں اس معاملے کو ختم کیے بنا نہیں جاؤں گا۔"
"معاملہ ختم ہی سمجھو۔ آئندہ تم اس کو بھی پریشرائز نہیں کرو گے۔ اینڈ دیٹس آل۔" انہوں نے رکھائی سے بات ختم کر دی تھی۔ معیز بہت سلگتے ہوئے ذہن کے ساتھ ان کے کمرے سے نکل گیا۔

✡ ✡ ✡

"کوئی ٹاسک ایسا نہیں دیا تم لوگوں نے آج تک جو میں ہٹ نہ کر سکی ہوں۔"
رباب کی آواز پودوں کی درمیانی باڑ کے پار سے واضح طور پر ایبہا کے کانوں میں پڑ رہی تھی چھٹی سے پہلے آج حنا کالج نہیں آئی تھی۔ فری پیریڈ میں وہ دھوپ کا مزا لینے کلریکل آفس سے ملحقہ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی۔ یوں طبیعت پر پچھلے دو دنوں سے جو گرانی چھائی تھی اس میں کمی آنے لگی۔ مگر پھر فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ پودوں کی باڑ کے دوسری طرف گھاس کے قطعے پر رباب اور اس کی دوستیں براجمان تھیں۔
رباب کے لب و لہجے کی کھنک سے اس کی مطمئن زندگی اور بے فکری کا پتا چلتا تھا۔ اس کی دوستیں بھی اسی کے اسٹینڈرڈ اور بیک گراؤنڈ کی تھیں۔ منہ میں ببل گم ڈال کے ٹیچرز سے انگریزی میں بات کرتی فیشن کا سمبل۔ ان کے گروپ کے کپڑوں اور جوتوں کی ورائٹی کی پورے کالج میں دھوم تھی۔ اگرچہ کالج یونیفارم کی پابندی تھی مگر وہ

یونیفارم میں ہی کافی کچھ "ارینج" کر لیتی تھیں۔
سرما کی حرارت سے بھرپور دھوپ میں ایبہا کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پچھلے دو دنوں سے معیز احمد کی وحشت نے اسے سونے نہ دیا تھا۔
"اور وہ بھول گئی ہو جو بلیک سوٹ والے کے ساتھ ایک گھنٹہ گزارنا تھا تمہیں؟" رباب کی دوست اسے کچھ یاد دلا رہی تھی۔
"اف۔۔۔ وہ گنجا۔ پانچ ہزار کی شرط لگی تھی ہماری اور پورے بیس منٹ گزارے میں نے اس بندر کے ساتھ۔ ناک تک تو پہنچ گیا تھا میرے۔ اگر ایک گھنٹہ اس کے ساتھ گزار لیتی تو جانے کیا کرتا۔" رباب نے قہقہہ لگایا۔ ساتھ اس کی دوستوں نے بھی۔
ایبہا چونک کر جاگی۔ غنودہ ذہن نے کچھ آدھا ادھورا ہی سمجھا تھا۔
"اور وہ جو چھٹی کے ٹائم میرون کرولا میں بیٹھا لائن دے رہا ہوتا ہے اس کا چیلنج۔۔۔؟" کسی نے پوچھا۔
"بھئی۔ وہ تو رباب ہی پورا کر سکتی ہے۔ اس کے جیسی ذہانت اور خوب صورتی ہم میں کہاں۔" اس کی کسی دوست نے اسے جھاڑ پہ چڑھایا۔
"چیلنج کیا ہے ہم یہ بتاؤ؟" رباب نے غرور سے پوچھا۔
"وہی۔ نکلواؤ اس سے لمبی رقم۔ پھر شاندار سا ڈنر اڑاتے ہیں پی سی میں۔"
وہ سب ہنسیں۔ ایبہا شاکڈ تھی۔
وہ جو کچھ سمجھ رہی تھی اگر ویسا ہی تھا تو پھر افسوس تھا ان لڑکیوں کی ذہنیت پر۔
وہ سب ہی بہت امیر گھرانوں کی لڑکیاں تھیں مگر اس انداز میں پیسہ حاصل کرنے میں جو تھرل انہیں لگتا تھا، وہی شاید انہیں یہ گھٹیا حرکتیں کرنے پر اکساتا تھا۔
"یہ تو شہر کے سارے لڑکوں کو مجھ ہی سے کنگال کروائے گی۔ اس گنجے نے پچاس ہزار تو ونڈو شاپنگ کے دوران ہی مجھ پر خرچ کر دیے تھے۔ تم لوگ تو صرف پانچ ہزار ہاری تھیں۔" رباب کے لب و لہجے میں عجیب تفاخر تھا۔
ایبہا کو یوں ان کی باتیں سننا معیوب لگ رہا تھا۔ مگر اب یوں ایک دم سے وہاں سے اٹھ کر خود کو نمایاں کرنا بھی مناسب نہ تھا۔ سو مجبوراً وہ یہ سب سننے پر مجبور تھی۔
"چلو ٹھیک ہے۔ پھر کل کی ڈیٹ ڈن ہے رباب! تم اس کی گاڑی میں بیٹھ جانا۔ دیکھتے ہیں ذرا۔ یہ رومیو کتنے پانی میں ہے۔" اس کی ایک دوست نے پروگرام فائنل کیا تھا۔
"کہیں ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے اسے۔" رباب ہنسی۔
"ہاں یار! کسی کو لفٹ نہیں آتا۔ یونہی کھڑا تمہیں دیکھتا رہتا ہے۔" کسی نے موشگافی کی۔
"ظاہر ہے۔ بھئی! دیکھنے والی چیز کو تو بار بار دیکھیں گے ہی۔" وہ سب اٹھ گئی تھیں۔ چھٹی کا وقت قریب تھا۔ انہیں یقیناً گیٹ کے پاس جانے کی جلدی تھی۔
ایبہا شاکڈ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔
وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی اتنی ویل ڈریسڈ اور ویل مینرڈ لڑکی ایسی گراوٹ کا شکار ہو سکتی ہے۔
پھر اسے دفعتاً خیال آیا۔
کیا وہ معیز احمد کو بھی ایک چیلنج سمجھ کر اسے پھانس رہی تھی؟
اس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔

✡ ✡ ✡

قیامت تو کیا آتی۔ اس سے پہلے امتیاز اس کے روبرو آگیا مگر صالحہ مطمئن ہی رہی۔
وہ اب اس دور سے نکل آئی تھی جب وہ امتیاز احمد کو چاہتی تھی یا یوں کہا جائے کہ ایک منگیتر ہونے کے ناتے جو کشش تھی وہ اب مراد صدیقی جیسا بے باک عاشق پیار کر ختم ہو چکی تھی مگر امتیاز احمد وحشتوں کا شکار تھا۔
"تم کیا فضول باتیں کر رہی تھیں فون پر؟" وہ خفا تھا۔ یقیناً "لاہور سے سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔ سفر کی تکان اس کے پورے وجود سے ظاہر تھی۔
مگر ابھی بھی وہ ایک آس ایک امید ساتھ لے کر آیا تھا۔ صالحہ کو اکتاہٹ سی محسوس ہوئی۔
"وہی جو تم نے سنا ہے۔" وہ آرام سے بولی۔ اسے خوب اندازہ تھا کہ امی انہیں بات کرنے کا موقع دے کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ تو وہ بھی اس موقع کو ضائع نہ کرنا چاہتی تھی۔
"پاگل ہوگئی ہو تم صالحہ! اتنی چھوٹی سی ناراضی کو تم اتنا طول کیوں دے رہی ہو۔" وہ بے بس ہونے لگا۔ "جھیک آپ صرف مانگ ہی سکتے ہیں کسی کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔
"میں کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں اور اگر تمہیں میری ناراضی کی اتنی ہی پروا ہے تو اس شادی سے انکار کر دو امتیاز! کیونکہ میں بھی یہی کروں گی۔ ابھی کروں گی اور اگر ابھی کسی نے نہ مانا تو نکاح کے وقت پھر انکار کروں گی۔ پھر کوئی بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"
وہ بے حد سنگ دلی سے بولی تو امتیاز احمد جیسے خالی ہاتھ رہ گیا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ وہ سامنے جائے گا اور صالحہ کی ناراضی ختم ہو جائے گی مگر یہاں تو معاملہ ہی اور چل رہا تھا۔
وہ الٹے قدموں وہاں سے بھاگا۔
جیسے بلائیں پیچھے لگ گئی ہوں۔ تین روز تک وہ بخار میں پھنکتا رہا اور چوتھے روز حواس میں آیا تو اس نے چچا سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ صالحہ کی مرضی سے اس کی شادی کروا دیں وہ بھتیجے سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہے۔ وہ گھر آئے اور انہوں نے صالحہ کو دھنک کر رکھ دیا۔ سر سے پاؤں تک وہ نیلو نیل ہو گئی۔ مگر اس کی "نہ" ہاں میں نہ بدلی۔
وہ بے جان سی ہو کر گر گئی۔
"تو مر بھی رہی ہوگی تب بھی تیرا نکاح امتیاز ہی سے ہوگا۔" ابا نے کف اڑاتے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔
صالحہ نے مرتے مرتے بھی امتیاز کو فون کر کے بلوا بھیجا۔ وہ آیا تو صالحہ کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔
"بولو یہ داغ داغ صالحہ قبول ہے تمہیں؟ زندگی گزار لو گے اگر میں بے ایمان دل لے کر تمہارے نکاح میں آئی تو؟" اس کا ہر لفظ گواہ تھا کہ وہ مراد صدیقی کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔
امتیاز احمد نامراد وہاں سے اٹھ آیا۔ اس کا دل بالکل خالی تھا کسی فقیر کے کاسے کی مانند۔
گھر آ کے وہ ماں کی گود میں منہ چھپا کے بچوں کی طرح رویا۔ وہ پریشان ہو اٹھیں۔
وہ اتنی بے قراری سے رو رہا تھا جیسے کوئی مر گیا ہو۔
"میں سفینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
اس نے دل پہ پاؤں رکھتے ہوئے فیصلہ کیا تو اماں کا دل کرلا اٹھا۔ فوراً "اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
"نہ میرے بچے! میں تجھ پہ قربان۔ صالحہ تیرے دل کی سچی خوشی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو تیری دلہن نہ بناؤں گی۔" وہ معاملہ جانتی نہ تھیں۔
"نہیں اماں۔۔۔ سفینہ سے بس۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا اور اماں کو بھی رلا رہا تھا۔ کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ان کی رگیں کاٹ رہا تھا۔ شاید ان کے رویے کی وجہ سے ان کے بیٹے کی زندگی خراب ہو رہی تھی۔ انہوں نے فوراً "صالحہ سے مل کر

بات جاننے کی سعی کی۔ مگر یہاں تو معاملات ہی اور تھے۔ صالحہ کا نیل نیل ہوتا وجود کچھ اور ہی داستان سنا رہا تھا۔

اس نے تائی کے سامنے صاف لفظوں میں مراد کی محبت اور امتیاز سے شادی نہ کرنے کا مژدہ سنایا تو وہ سکتے میں آ گئیں۔

اتنے رعب داب والی تائی بس چھٹانک بھر کی صالحہ کے سامنے بول نہ پائیں یا نہ ہی اپنے بیٹے کا حق مانگ سکیں۔

امی اسے ان کے سامنے ہی پیٹنے لگیں۔ مگر اس کے لبوں پر ہر کراہ کے ساتھ مراد کا نام تھا۔

"آپ بے فکر رہیں بھابھی! اس کی شادی امتیاز ہی سے ہوگی اور بس۔"

ابا نے انہیں یقین دلایا تو وہ خاموشی سے اٹھ کے گھر آ گئیں۔ امتیاز کو ان کا عندیہ دیا۔

"میں اسی ہفتے سفینہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اماں!"

صالحہ کی حالت کا سن کر امتیاز کا زخم دل تڑپ اٹھا۔ اس نے اٹل لہجے میں کہا تو اماں آہ بھر کے رہ گئیں مگر وہی ہوا جو صالحہ کے دل کی مرضی تھی۔

ایک ہفتے کے اندر امتیاز نے سفینہ کو بیوی بنا کر صالحہ کی زندگی آسان کر دی۔

ابا کو صالحہ سے نفرت ہو گئی۔ انہوں نے مراد صدیقی کو بلوا کر صالحہ کا نکاح پڑھوا دیا اور اپنے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر لیے اور خود کو اس کے لیے مار دیا۔ مگر صالحہ کو کسی کی پروا نہ تھی۔ اس نے مراد کی صورت اپنے من کی مراد پالی تھی۔ وہ دن شازیہ کے گھر رہ کر وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ بے حد شان دار مگر دھول مٹی سے اٹا ہے توجہی کا نشان۔ صالحہ دل و جان سے اسے سنوارنے میں لگ گئی۔ مراد کی اس کے لیے محبت بے پایاں تھی۔ اس کے تن بدن پہ لگے زخم دنوں میں بھر گئے۔ ان دنوں وہ سب کچھ بھولے محض مراد صدیقی کی محبتوں کے جام پی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

زارا اور سفیر مختصر سے عرصے میں ایک دوسرے کے کافی قریب آ چکے تھے۔ وہ ان دنوں فرانس میں تھا۔ مگر روزانہ دونوں اسکائپ پر روبرو ہوتے اور ڈھیروں باتیں کرتے۔

زارا نے اندازہ لگایا کہ وہ رباب سے بہت پیار کرتا تھا۔

"چھوٹی ہے اور پھر اکلوتی بھی ہے اس لیے لاڈلی ہے۔ بڑے ناز اٹھواتی ہے ہم سب سے۔"

سفیر کے لب و لہجے سے رباب کے لیے پیار جھلک رہا تھا۔ زارا نے یہ بات پلو سے باندھ لی۔ یعنی سفیر کے دل میں آسانی سے گھر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ رباب کو خوش رکھا جاتا۔

یہ سوچ زارا کی بے وقوفی تھی۔

وہ اپنے اور سفیر کے رشتے کو رباب نامی ترازو میں رکھ کے تولنے لگی تھی۔ وہ رباب کو ترازو کا وہ کانٹا سمجھ رہی تھی جو ان دونوں کے پلڑوں کو متوازن رکھے گا اور یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔

☆ ☆ ☆

رات بارہ بجے اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تو اس وقت وہ سونے کی تیاری میں تھا۔ تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے نیم دراز ہو کر اس نے میسج دیکھا۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

اسی لڑکی کے نمبر سے میسج تھا۔ معیز کی پیشانی پر بل پڑنے لگے۔ اتنی ذاتی بات اس لڑکی کو کیسے معلوم ہوئی؟

میسج ٹون پھر بجی۔

معیز نے دیکھا وہ عون عباس کا وش میسج تھا۔ ساتھ ہی التجا بھی کی گئی تھی۔

"یار! صبح یونیورسٹی میں مل۔ بڑا مسئلہ آن پڑا ہے۔" معیز کا ابھی اس سے بات کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ موبائل آف کر کے وہ اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔

مگر صبح یونیورسٹی میں عون کی روتی شکل دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ بات واقعی گمبھیر تھی۔ وہ اسے کیفے ٹیریا میں لے آیا۔ دو چائے آرڈر کرنے کے بعد وہ عون کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب بتا! کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی بات نہیں۔ میں کون سا مر رہا ہوں مسئلہ سنانے کو۔ تو پہلے اچھی طرح کھا پی لے۔" اس نے منہ پھلایا۔

"اچھی بات ہے۔" معیز اطمینان سے کہہ کر ٹیبل کو ناخنوں سے بجاتا کیفے ٹیریا میں بیٹھے اسٹوڈنٹس کا جائزہ لینے لگا۔

عون چند پل ہی برداشت کر پایا۔ دانت پیس کر آگے کو جھک کر بولا۔

"بہت خبیث ہے تو۔ دوستی کے نام پر دھبہ۔ دوست یہاں مر رہا ہے اور تجھے کھانے کی پڑی ہے۔"

"دوست کس پر مر رہا ہے؟" وہ ہنسا۔ "اپنی منکوحہ پر؟"

عون نے جز بز ہو کر پہلو بدلا۔ کیا مسئلہ کی تہ تک پہنچا تھا وہ پھر صفائی پیش کرنے لگا۔

"کوئی غلط ہے۔ اعتراض تو جب ہوتا کہ کسی اور کی منکوحہ پر مر رہا ہوتا۔"

"اچھا اب کیا شوشا چھوڑا ہے اس نے؟" معیز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بی ایس سی کر چکی ہے اور آگے پتا نہیں کون کون سے کورسز اور ڈپلومے لے چکی ہے۔ اب کہہ رہی ہے مزید پڑھنے اپنی خالہ کے پاس لندن جائے گی۔" وہ رونی صورت بنائے ہوئے بولا۔

"تو جانے دے یار۔" معیز نے لاپروائی سے کہا۔ پھر آگے جھکتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"تیرا کون سا ہنی مون کا ٹکٹ کٹانا ہے۔"

"ہاں۔ ہنی مون پہ جا رہے ہیں ناں ہم۔" وہ کڑھا تو معیز خوب ہنسا۔

"یہ کون سا ہنی مون ہے۔ جس پہ بیوی پہلے اور شوہر بعد میں جائے گا۔"

"کچھ کر نا یار! مجھے وہ چاہیے۔" وہ بچوں کی طرح مچلا۔ معیز تو اس کی دیوانگی سے متاثر ہو چلا تھا۔

"اپنے والد صاحب سے بات کر۔ ان ہی کے ہاتھ میں ہے سب کچھ۔" معیز نے مسکرا کر مشورہ دیا۔

"وہ تو کہتے ہیں سب کے بیچ معافی مانگو ثانی سے۔ پھر وہ رخصتی کی بات کریں گے۔ یہ کہاں کی مردانگی ہے۔"

عون نے بتایا معیز نے سر ہلایا۔

"تو بے۔ اب مرد معافی مانگتا اچھا لگتا ہے بھلا۔" مگر وہ دفعتاً آگے جھک کے سرگوشی میں بولا۔

"ویسے اگر وہ تنہائی میں ملے تو معافی مانگ بھی لوں گا یار۔ مگر یوں سب کے سامنے۔"

معیز نے سر تھام لیا۔

"کیوں! سر میں درد ہے؟" عون نے پوچھا۔ معیز نے اسے گھور کے دیکھا۔

"تیرا کوئی قصور نہیں۔ تجھے عشق خوار کر رہا ہے۔ تو ضرور لڑکی سے معافی مانگے گا۔"

"وہ سچی محبت کرے مجھ سے تو ہزار بار مانگوں گا۔" وہ سینہ ٹھونک کر بولا۔

"لعنت ہو ایسی محبت پر۔ جس میں انا ہے ہی نہیں۔" معیز کو اعتراض ہوا۔

"محبت میں انا نہیں مان ہوا کرتا ہے معیز احمد۔" عون نے اسے یاد دلایا۔ پھر جیسے پکا ارادہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں اس کے سامنے کان پکڑوں گا اور سوری کہوں گا۔"

"ناک سے لکیریں نکالنے والا ڈائیلاگ تو بھول گیا ہے شاید۔"

معیز نے طنز کیا۔ عون ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"وہ اس قابل ہے یار! کہ میں اسے منانے کی خاطر ناک سے لکیریں بھی کھینچ لوں۔"

معیز گہری سانس بھر کے چائے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عون کے ساتھ دماغ کھپا کھپا کے وہ باہر نکلا تو آسمان بادلوں سے ڈھک چکا تھا۔

عون تو پیزا لینے چلا گیا مگر معیز کا رخ باہر کی جانب تھا۔ اس کا دل یک لخت ہی ہر شے سے بے زار ہونے لگا تھا۔

زندگی کچھ ایسا رخ اختیار کر گئی تھی کہ ہر وقت خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنے والا معیز احمد چڑچڑا ہونے لگا تھا۔
ٹپ ٹپ بارش کی بوندیں ونڈ اسکرین پر پڑیں تو وہ چونکا۔ یہ سردیوں کی پہلی بارش تھی۔
اور پنجاب کی بارشیں تو ملک بھر میں مشہور ہیں۔ آسمان سیاہ بادلوں سے بھرا پڑا تھا اور وہی بادل اب ایسے برسے کہ موسم کی خوب صورتی کا مزہ ہی آگیا۔
معیز کی ذہنی کیفیت بدلنے لگی۔ موسم کی خوب صورتی پریشانی پر غالب آنے لگی۔ گاڑی کا ہیٹر آن کر کے اچھا سا میوزک لگائے وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر جب بارش اپنے پورے جوبن پہ آئی اور ونڈ اسکرین پہ تیزی سے حرکت کرتے وائپرز کے باوجود اسکرین کے پار دیکھنا ناممکن ہو گیا تو اس نے گھر کی راہ لی۔
اپنی طرف سے وہ بہت احتیاط کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا مگر نجانے کہاں سے بھاگتی وہ لڑکی ایک دم سے کسی چھلاوے کی مانند آکر اس کی گاڑی کے سامنے خوف زدہ سی جم سی گئی۔
"واٹ دا ہیل..."
تیزی سے وہیل گھما کر گاڑی موڑتے ہوئے بھی وہ اسے بچا نہ پایا تھا۔ اس نے لڑکی کو برستی بارش میں سڑک پر گرتے دیکھا اور ایک سائیڈ پہ گاڑی روک کر تیزی سے نکل کے اس کی طرف بڑھا۔ سردیوں کی بارش اسے سر تا پا سر دپانی میں شرابور کر رہی تھی۔ مگر وہ بے سدھ پڑی تھی۔
معیز کا دل خوف سے بھرنے لگا۔ سنسان سڑک پر اتنا بڑا حادثہ اس کی زندگی کی پہلی غلطی تھا۔ کوئی اور ہوتا تو یوں ٹکر مار کے بھاگ چکا ہوتا مگر خوف خدا نے معیز کو یہ اقدام کرنے سے روک لیا تھا۔ اس نے پنجوں کے بل بیٹھ کر اس لڑکی کو سیدھا کرنے کی سعی کی تو اس کا چہرہ دیکھ کر زمین و آسمان اس کی نظروں کے آگے گھوم سے گئے ماتھے سے رستا خون بارش کے ساتھ اس کے چہرے پہ پھیل رہا تھا۔

پہلی بار معیز کا جی چاہا کہ وہ اس لڑکی کو مرنے کے لیے یہیں چھوڑ کر فرار ہو جائے۔ اس نے سختی سے جبڑے بھینچے تھے۔

☆ ☆ ☆

صالحہ کو تو مراد سے محبت تھی ہی مگر مراد نے بھی اسے بے حد پیار دیا... تب تک جب تک "نئے نئے" کا خمار رہا۔ اس کے بعد راتوں کو دیر سے گھر آنا اس کا معمول بننے لگا سو اتنے بڑے گھر میں تنہا ڈرتی رہتی۔
"تم کام کاج تو کچھ کرتے نہیں پھر آدھی آدھی رات تک کہاں بیٹھے رہتے ہو؟"
وہ پہلی بار مراد سے الجھی تو اس نے ہنستے ہوئے صالحہ کو بانہوں میں لے لیا۔
"ارے میری جان کو غصہ بھی آتا ہے۔" اور صالحہ پگھل کے موم بن گئی۔
مگر پھر یہ روٹین ہی بن گئی۔ اوپر سے پیسے کی تنگی۔ وہ پریشان ہونے لگی۔ بینک بیلنس تو کیا خالی بیٹھ کے کھانے سے تو خزانے بھی ختم ہو جایا کرتے ہیں۔
"دوست کے کاروبار میں روپیہ لگایا تھا، سب ڈوب گیا۔" پوچھنے پر مراد نے بتایا تو وہ دل تھام کے رہ گئی۔
"اب بس سر چھپانے کا یہ ٹھکانا ہی بچا ہے۔"
"اب کیا ہو گا مراد؟" وہ خوف زدہ ہونے لگی۔ مراد کچھ نہ بولا۔
"تم کوئی نوکری کر لو۔"
صالحہ نے حالات کے مطابق مشورہ دیا تو وہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگا۔ مگر کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اس نے دوستوں کو گھر میں لانا شروع کردیا۔ ڈرائنگ روم میں محفلیں سجتیں۔ اونچی آوازیں، قہقہے اور بلند بانگ آواز میں گالیاں۔

صالحہ کے کان سنسنا اٹھتے۔ کئی بار اس کا جی چاہتا سب کو دھکے دے کر گھر سے نکال دے۔ وہ کئی بار مراد سے الجھی مگر وہ اپنے دوستوں یا اپنی روٹین کے متعلق ایک بھی لفظ سننے کو تیار نہ تھا۔

پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب مراد کے زیادہ بے تکلف دوست بلا تکلف کچن تک آنے لگے۔

"بھابھی! چائے کا ایک کپ
بھائی! سالن کی پلیٹ
بھائی نمک۔۔۔"

اس نے کئی بار مراد کے سامنے ناگواری ظاہر کی مگر اسے اپنے دوستوں پر اندھا اعتماد تھا اور ان کی اس بے تکلفی پر چنداں اعتراض نہ تھا۔

اور پھر مراد کا ایک اور روپ صالحہ پر کھلا۔ جب وہ شراب کے نشے میں دھت اس کے پاس آیا۔

صالحہ تو کھڑے کھڑے مر گئی۔

اس مراد کو چاہا تھا اس نے؟

دادی اسے حرام اور حلال کی تمیز سکھایا کرتی تھیں (محرم اور نامحرم کا مطلب بھی تو حلال اور حرام ہی تھا نا) اور اب اس نے ہمیشہ کے لیے حرام کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ تب اسے پہلی بار امتیاز احمد نامی شریف اور نفیس شخص یاد آیا جو اس پر میلی نگاہ بھی نہ ڈالا کرتا تھا اور آج اس کے پہلو میں نشے میں دھت ایک آدمی لیٹا تھا اور جسے وہ اپنی قربت نوازنے پر مجبور تھی۔

اس کے بعد کھانے کے لالے پڑنے لگے۔ صالحہ مراد سے الجھنے لگی۔ محبت روٹی کی طلب تلے دب گئی۔

"میں تو کچھ کام نہیں کر سکتا۔ ساری عمر بیٹھ کے کھایا ہے میں نے۔"

وہ صفاحت انداز میں بولا۔ خود تو وہ دوستوں میں باہر پیٹ بھر آتا ہوگا۔ گھر میں کھانے کو ایک کھیل نہ تھی صالحہ کی حالت دگرگوں تھی۔

"تو پھر مجھے ہی کوئی کام دلا دو۔ میں ہی کمالوں گی۔" اس نے غصے سے چیخ کر گویا مراد کی غیرت کو للکارا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ بھی صحیح کہا تم نے۔۔۔ تم تو کافی کچھ کما سکتی ہو۔" وہ سرتاپا اسے دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں بولا۔ اور اسی رات اس نے صالحہ کے لیے کام کا بندوبست کرلیا۔

شیطانی آنکھوں والا مکروہ چہرے۔۔۔ وہ شخص مراد کے ساتھ اندر اس کے بیڈ روم میں چلا آیا۔ صالحہ دوپٹہ اتار بے پروائی سے لیٹی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھی اور ادھر ادھر دوپٹے کی تلاش میں ہاتھ مارا۔

"لے بھئی صالحہ! تیرا تو کام ہو گیا میری جان۔۔۔" بڑی بے تکلفی سے مراد نے اسے پیچھے سے آکر بانہوں میں جکڑا تو غیر مرد کے سامنے اس قدر بے شرمی پر صالحہ کی سانسیں رکنے لگیں۔

"آج کی رات اسے خوش کردو۔ صبح یہ تمہیں خوش کردے گا۔ پورے پچاس ہزار دے گا ایک رات کے۔"

مراد صدیقی نے اسے کھڑے کھڑے ایک ہی وار میں قتل کرڈالا تھا۔ وہ مڑ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز، زارا اور ایزد۔ صالحہ امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھیں مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہیں۔ صالحہ مر چکی ہیں۔ ابیہا ان کی بیٹی ہے۔ [illegible] باپ سے بچانے کے لیے صالحہ ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہیں۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا [illegible] ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے [illegible] امتیاز احمد ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب ابیہا کی کلاس فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا [illegible] ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔ ابیہا بھی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑ سی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے [illegible] ہے۔ اس کی دادی اور نانی کو ان کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ "[illegible]" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود [illegible]

ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں سے مراد کا ذکر کرتی ہے۔ وہ غصہ میں صالحہ کو تھپڑ مار دیتی ہیں۔

امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ابیہا کو بلواتے ہیں مگر ابیہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کو خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

معیز نے ابیہا کو صرف از خود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ قطعاً "غلط" نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد ابیہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ابیہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے' جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرتی ہیں۔ عموماً "یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا تھا' جسے وہ بڑی کامیابی سے جیتا کرتی تھی۔

صالحہ کی ہٹ دھرمی سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کر دیتے ہیں۔ مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ امتیاز احمد' دلبرداشتہ ہو کر منیفہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کر دیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔

ابیہا' معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتی ہے۔

— ۵ —

پانچویں قسط

معیز اس کا چہرہ دیکھ کر شاکڈ تھا۔

وہ ابیہا مراد تھی۔

اس کی گاڑی سے ٹکرانے کے بعد ہوش و حواس سے عاری وہ سرما کی سرد بارش میں بھیگتی سڑک پر بے یارو مددگار پڑی تھی۔ جانے اس پر کیا افتاد آن پڑی تھی کہ وہ اتنی سردی' بلکہ برستی بارش میں یوں سڑکوں پہ بھاگتی پھر رہی تھی۔

"اچھا موقع ہے اس فتنے سے نجات حاصل کرنے کا۔"

معیز کے ذہن میں سفاک سی سوچ لہرائی۔ اس نے سڑک کے دونوں طرف نگاہ دوڑائی۔ ٹریفک کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

وہ فی الفور اٹھ کھڑا ہو۔ بارش تیزی سے اسے بھگوتی ہاتھوں اور چہرے کو سن کر رہی تھی۔

"مرنے دو اسے یہیں۔"

وہ شاید انسان نہیں رہا تھا۔ اس کے ذہن پر شیطان کا غلبہ آیا ہوا تھا۔ اس نے گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تو اس کے ضمیر نے چیخ چیخ کر اسے یاد دلایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ملوث ہوا ہے۔ اسے دفعتاً "یاد آیا کہ سامنے کرالحہ بہ لحہ سر د پڑتا وجود اسی کی گاڑی سے ٹکرایا ہے۔

اسے جھرجھری سی آئی۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ پرانا معیز احمد بن گیا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کے اسے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی کا ہیٹر آن کرنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ذہن پر کیچڑ میں لتھڑا پرس کچھ دور پڑا تھا مگر عجلت میں وہ دیکھ نہ سکا۔ کان میں ہینڈ فری لگاتے ہوئے اس نے موبائل سے عون کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" اس کی مصروف سی آواز آئی۔

"کیا کر رہے ہو اس وقت؟" معیز نے سیدھے سبھاؤ پوچھا۔

"ریسٹورنٹ میں ہوں یار! موسم کی وجہ سے چائے کافی پینے والوں کا رش پڑا ہوا ہے۔ تم بھی یہیں آجاؤ۔" وہ یقیناً "مصروف تھا اور عجلت میں بھی۔

وہ سارا کام عملے پر چھوڑ کر خود محض ڈی ہن کے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہونے کا قائل نہیں تھا۔ اگر کسٹمرز زیادہ ہوتے تو وہ خود بھی ویٹر کے امور سرانجام دے لیتا تھا یا پھر آرڈرز وغیرہ نوٹ کرنے میں مدد کر دیتا اور ایسے موسم میں تو واقعی لوگ بھاگ کر زوکی ریسٹورنٹس ہی کا رخ کرتے تھے۔

"کسٹمرز کو چھوڑو یار! مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے۔ فوراً "نکلو ریسٹورنٹ سے۔" معیز نے تیز لہجے میں کہا۔

"اویار۔۔۔ میرے والد صاحب کو جانتا نہیں تو۔ ریسٹورنٹ سے نکلا تو گھر سے نکال دیں گے۔"

وہ چلتے پھرتے اس کی کال اٹینڈ کر رہا تھا۔

"سیریسلی' میری بات سنو عون! میری گاڑی سے ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ کوئی لڑکی ہے اور میں اسے لے کر کسی اسپتال کی طرف جا رہا ہوں۔"

معیز نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ دوسری طرف اسے یقیناً "کرنٹ لگا تھا کیوں اور کیسے کے چکر میں پڑے بغیر وہ تیزی سے بولا۔

"کون سے اسپتال جا رہے ہو۔ اپنی لوکیشن بتاؤ۔ میں فوراً "نکل رہا ہوں۔"

معیز نے اسے قریب ترین اسپتال کا نام بتا دیا۔

"ڈونٹ وری! میں جلد از جلد پہنچ رہا ہوں۔"

عون نے کہا تو رابطہ منقطع کرکے وہ لب بھینچے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔ وہ شعوری طور پر کوشش کر رہا تھا کہ پچھلی نشست پر لیٹی اپسرا مراد کے بارے میں نہ سوچے۔ اسپتال کے کھلے گیٹ سے وہ گاڑی اندر لے آیا۔

☼ ☼ ☼

نرس نے فوری ٹریٹمنٹ کے بعد آکر معیز کو اطلاع دی۔

"آپ گھر سے مریضہ کے کپڑے لے آئیں۔ فی الحال تو انہیں گاؤن پہنا دیا گیا ہے۔"

"جی۔۔۔" معیز نے بڑی فرماں برداری سے کہا مگر نرس کے جانے کے بعد اس کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔ یہ مصیبت اس نے خود مول۔۔۔ بلکہ مفت لی تھی۔

اسی اثنا میں وہ عون کو کوریڈور میں داخل ہوتے دیکھ چکا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکا۔

"کیا ہوا۔۔۔ زیادہ بڑا مسئلہ تو نہیں؟" عون بھی پریشان تھا۔

"ابھی تو ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں۔ فی الحال تو فوری طور پر لڑکی کے لیے کپڑوں کا بندوبست کرنا ہے۔"

معیز نے تیز لہجے میں کہا تو وہ بدکا۔

"ہیں۔۔۔ کیا مطلب؟"

"او یار۔۔۔ بارش میں روڈ پہ گری تھی وہ۔ سارے کپڑے گیلے ہو گئے تھے اور ظاہر ہے گندے بھی ہوں گے۔"

معیز جز بز ہوا۔

"تو اب کپڑے کہاں سے آئیں گے؟" عون نے ہونق پن سے پوچھا۔ پھر ساتھ ہی مشورہ بھی دے ڈالا۔

"آنٹی یا پھر زارا کو فون کرو۔"

"نہیں یار!" معیز جھنجلایا پھر اسے گھورتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"کیا ہے؟"

"اپنا موبائل دو ذرا۔"

"اس کا کیا کرو گے؟" موبائل نکال کر معیز کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ حیرت سے استفسار کرنے لگا۔ معیز موبائل کال لاگ چیک کرنے لگا۔

"بھابھی کا نمبر۔۔۔"

"کس کی بھابھی کا نمبر۔۔۔؟" عون کی حیرت بے پناہ۔

"اپنی۔۔۔" وہ مصروف انداز میں بولا۔

"مگر تمہاری بھابھی کا نمبر میرے موبائل میں۔۔۔" عون تحیر سے پوچھنے لگا تھا کہ پھر رک گیا۔ ایک لمحہ کے توقف کے بعد اس نے بڑی بے یقینی سے پوچھا۔

"ثانی کا نمبر ڈھونڈ رہے ہو؟"

"ہاں۔۔۔ یہ رہا۔" معیز نے مطمئن انداز میں کہتے ہوئے کال کا بٹن دبایا۔

"اس سے کیا کہو گے؟ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق؟" عون کو بے چینی ہوئی مگر معیز نے جواب دیے بغیر بات شروع کر دی۔ دوسری طرف یقیناً" ثانیہ ہی تھی۔ معیز نے اسپیکر آن کر دیا۔

"السلام علیکم۔۔۔ ثانیہ بات کر رہی ہیں؟"

"جی۔۔۔ لیکن آپ کون ہیں؟ یہ نمبر تو عون کا ہے؟" ثانیہ کو یقیناً" حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"جی بالکل! یہ عون ہی کا نمبر ہے بلکہ یہ موبائل بھی اسی کا ہے۔ میں اس کا بیسٹ فرینڈ معیز احمد بات کر رہا ہوں۔"

معیز نے اطمینان سے اپنا تعارف کرایا۔ ادھر عون اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اسے یقیناً" معیز کی اس حرکت کا ماخذ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"جی۔۔۔ تو میں کیا کروں؟" وہ فوراً" بے مروت ہونے لگی۔

بھلا عون عباس سے ایسے کون سے خوشگوار تعلقات تھے کہ وہ اس کے دوست سے بھی خوش اخلاقی برتتی۔

معیز نے فوراً" اس کے بدلتے لب و لہجے کو محسوس کیا۔ تب ہی بڑی مسکینی طاری کرتے ہوئے بولا۔

"اس وقت آپ ہی اس کا ساتھ دے سکتی ہیں پلیز! اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"وات۔۔۔" اسے یقیناً" جھٹکا لگا تھا۔

"اسے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔" لمحہ بھر میں ہی اس کی تمام تر بے نیازی اور اکھڑپن رخصت ہو گیا۔ بے تابی سے پوچھا تو عون کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہیں زیادہ تو نہیں لگی مگر۔۔۔"

معیز نے مختصر لفظوں میں اسے سارا معاملہ اس طرح بتایا کہ اپنا سارا ملبہ عون پر ڈال دیا۔ عون نے اسے گھورا۔

"آپ اس وقت چونکہ قریب ترین ہیں۔ اس لیے اس مشکل وقت میں اس کی آپ ہی مدد کر سکتی ہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے اپنا ایک عدد سوٹ لے آئیں پلیز۔"

"آپ مجھے اسپتال کا نام بتائیں پلیز میں آتی ہوں۔" وہ اب عجلت میں تھی۔

"جی نوٹ کر لیں۔۔۔ اور ہاں۔ آپ سے میری ریکویسٹ ہے کہ کسی اور کو فی الحال اس بات کا پتا نہ چلنے دیجئے گا۔" اسپتال کا نام و مقام بتا کر معیز نے اسے پابند کیا۔

"اوکے۔۔۔" وہ متفق ہو گئی۔

"اوکے۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔"

معیز نے موبائل کان سے ہٹایا تو عون کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"دیکھا۔ اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار۔" معیز آج بہت عرصے بعد پرانے موڈ میں لوٹا تھا۔ جہاں وہ ایک زندہ دل شخص تھا۔

"اور اب بھی تم کہو گے کہ مجھے اس لڑکی کو نانا دکھائی چاہیے جو ناراضی کے باوجود میرے ایکسیڈنٹ کا سن کر اڑتے ہوئے آنے کو تیار ہے۔" عون نے اسے جتایا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی آئے گی تو تیرے ساتھ اس کا سلوک بھی دیکھ لیں گے۔" معیز مسکرایا۔ پھر دفعتاً" سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"ایک اور بہت امپورٹنٹ بات یار! میں نے یہاں اسپتال میں کسی کو نہیں بتایا کہ وہ لڑکی میری گاڑی سے ٹکرائی ہے۔ بس یہی کہا کہ میری کزن ہے اور چوٹ لگنے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"مگر کزن کیوں بتایا؟"

"اب کسی لڑکی کو ساتھ لانے کا ریزن تو بتانا ہی تھا نا۔" معیز درحقیقت اس وقت الجھا ہوا اور ذہنی پراگندگی کا شکار تھا اس لیے جو بھی ذہن میں آیا وہی کہہ گیا تھا۔ عون نے سر ہلا دیا۔

ثانیہ جلدی ہی اسپتال پہنچ گئی۔

”وہ آرہی ہے۔۔۔“

عون نے زیر لب اسے اطلاع دی اور بینچ سے ٹیک لگا کر نڈھال سا انداز اپنا لیا۔

معیز نے دیکھا۔ سی گرین ٹراؤزر پر لانگ سویٹر اور گرم شال اوڑھے وہ بہت جاذب نظر لڑکی تھی۔

ان کے قریب آتے آتے وہ یقیناً ”بینچ پہ آنکھیں موندے ٹیک لگائے بیٹھے عون کو دیکھ چکی تھی۔ اس لیے معیز کے آگے بڑھ کے سلام کرنے پر اس نے سلام کا جواب دیا اور ساتھ ہی ایک شاپنگ بیگ بھی اس کی طرف بڑھایا۔

”تھینک یو۔ میں یہ اسٹاف کو دے کر آتا ہوں۔ آپ بیٹھیں پلیز۔“

معیز نے ممنون ہوتے ہوئے شاپر تھام کر ثانیہ سے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

وہ چند لمحے کھڑی عون کو تیز نظروں سے گھورتی رہی۔ کوئی ایک چوٹ دکھائی نہ دیتی تھی اور نہ ہی کوئی زخم۔ اس کی نظروں کی کاٹ ہی سے کسمسا کر عون نے مندی آنکھیں کھولیں اور مسکین انداز میں بولا۔

”کم از کم حال ہی پوچھ لو۔“

”حال تو اس بے چاری کا پوچھنا ہو گا جو ڈاکٹرز کے رحم و کرم پہ پڑی ہے اندر۔“ ثانیہ نے طنز کیا۔ اس کا اشارہ اینہا کی طرف تھا۔

”آئی سوئیر! اس ایکسیڈنٹ میں میری کوئی غلطی نہیں۔“ وہ بے چارگی سے بولا۔

معیز جھوٹ بول کے اسے پھنسا چکا تھا ورنہ وہ صاف بتا دیتا کہ اس لڑکی کے قتل سے معیز احمد بال بال بچا تھا نہ کہ عون عباس۔۔۔ مگر یہ باری سب پہ بھاری۔

”بہرحال میرے ایکسیڈنٹ کا سن کر پریشان ہونے کا شکریہ۔“

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر جتانے والی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ثانیہ نے دایاں ابرو خفیف سا اٹھا کر جیسے اس کی خوش فہمی پر تحیر کا اظہار کیا پھر گویا اس کی تصحیح کرتے ہوئے بولی۔

”مائنڈ یو مسٹر عون عباس! مجھے اس لڑکی کی فکر تھی جو اندر ڈاکٹرز کی کسٹڈی میں پڑی ہے۔“

اس کا انداز بھی جتانے والا تھا۔ قریب آتے معیز کے ہونٹوں پر محظوظ ہونے والی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے تسلی دینے والے انداز میں عون کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”اچھا اب ایسا ہے کہ وہ لڑکی ہوش میں آچکی ہے۔ خطرے سے باہر ہے۔ بس ماتھے پہ چوٹ تھی جس پہ بینڈیج ہو چکی ہے۔“

وہ انہیں بتا رہا تھا۔ پھر ثانیہ سے مخاطب ہوا۔

”اور آپ کا بہت شکریہ بھابھی! اگر آپ اس وقت ہماری مدد نہ کرتیں تو بہت مشکل ہو جاتی۔“

اس کے جذبات اپنی جگہ مگر بھابھی کا لقب سن کر ثانیہ کا چہرہ لحہ بھر کو لال پڑا تھا۔ وہیں عون نے بھی بتیسی چمکائی، مگر اگلے ہی لمحے ثانیہ نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

”ثانیہ۔۔۔ آپ مجھے ثانیہ کہہ سکتے ہیں۔“

عون کے دانت اندر جاتے تاہم نہیں لگا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر معیز نے بمشکل ہنسی روکی پھر معذرت خواہانہ بولا۔

”اوہ آئم سوری۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا۔“ وہ عون کی طرف پلٹا۔

”اچھا عون۔ میں اب چلتا ہوں۔“

"ٹھیک کہاں....؟" وہ گڑبڑایا۔

"بھئی اب ثانیہ آچکی ہیں تم دونوں مل کے معاملہ سنبھال سکتے ہو۔ بلکہ اب تو اس لڑکی کو صرف اس کے گھر تک ڈراپ ہی کرنا ہے۔"

وہ اطمینان سے بولا تو عون بے اطمینان ہونے لگا۔ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے معیز اس کے شانے پہ بازو پھیلائے کوریڈور کی طرف چل پڑا۔

"میں ذرا اس لڑکی سے مل لوں۔" انہوں نے ثانیہ کی آواز سنی تھی۔

"شیور۔ یہ رائٹ ٹرن پہ روم نمبر فورٹی ہے۔" معیز نے چہرہ موڑتے ہوئے اسے بتایا تو وہ ادھر چل دی۔ عون تلملا کر پیچھے ہٹا۔

"یہ کیا ذلیل حرکت ہے۔ تو اپنی بلا میرے سر کیوں ڈال رہا ہے؟"

"بس۔ ہو گئی مدد سی پوری؟" معیز نے طنز کیا تو وہ خفیف سا ہو کر بولا۔

"نہیں یار! مگر میں اس لڑکی سے کیا کہوں گا.... اور اگر ڈاکٹر نے...."

"کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔ ڈاکٹر کو میں مطمئن کر چکا ہوں اور لڑکی جانتی ہے کہ اس کی اپنی غلطی کی وجہ سے یہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ سو اب بس اس لڑکی کو کہیں بھی ڈراپ کر دینا۔ اینڈ دیٹس آل۔ وہ نہیں جانتی کہ کس کی گاڑی سے ٹکرائی ہے۔ نہ میں کمرے میں گیا۔" معیز سنجیدہ تھا۔

"اوکے...." عون نے گہری سانس بھری۔ "حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وجہ وہ بات کچھ اور ہی ہے، جو تو مجھے بتانا نہیں چاہ رہا۔ ورنہ مجھ پہ ڈالے بغیر بھی معاملہ سلجھ سکتا ہے۔"

معیز نے اسے ہلکا سا گھور کے دیکھا۔ اندر ہی اندر وہ اس کی چہرہ شناسی کا قائل بھی ہو گیا تھا۔

"شرم کر۔ ایک تو بھابھی کے ساتھ تیری ملاقات کی سبیل نکالی ہے اوپر سے تو...."

"چل ٹھیک ہے۔" عون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ معیز کے نکلتے ہی وہ دل میں خوش کن بلکہ خوش فہم خیالات لیے روم نمبر فورٹی کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ایک رات کے پچاس ہزار دے گا اور سوچو اگر تین سے چار راتیں گزار لو گی تو لاکھوں میں کھیلنے لگیں گے ہم۔"

وہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

صالحہ کھڑے کھڑے مر گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں میں ٹوٹے یقین کی کرچیاں تھیں۔ تحیر و بے یقینی تھی۔ چہرے کی رنگت سپید تو ہونٹ بے رنگ۔ کپکپاتا وجود۔

"یا اللہ...." اس کا دل تڑپ کر کرلایا۔

زمین پھٹ کیوں نہ گئی۔ آسمان سر پہ کیوں نہ آن گرا۔

خبیث سی مسکراہٹ کے ساتھ مراد نے اسے آنے والے بدقماش شخص کے حوالے کرنے کے لیے اپنی گرفت سے آزاد کیا تو وہ کٹے شہتیر کی طرح زمین پہ منہ کے بل آن گری۔

لمحہ بھر کو تو مراد اور وہ شخص بھی ہکا بکا رہ گئے۔

"صالحہ....!" مراد تیزی سے آگے بڑھا اور نیچے بیٹھ کر صالحہ کا وجود سیدھا کیا۔ منہ کے بل گرنے کی وجہ سے اس کی ناک سے خون جاری تھا۔

"اوہ نو...." وہ حواس میں نہ تھی۔ مراد نے جلدی سے اسے بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے چیخ کر اس آدمی سے کہا۔

"گاڑی اسٹارٹ کرو۔ اسپتال لے کے جانا پڑے گا۔" وہ دونوں باہر کی طرف دوڑے۔

☼ ☼ ☼

صالحہ ہوش میں آئی مگر اسے جیسے چپ لگ گئی تھی۔ ٹکر ٹکر سب کو دیکھتی۔ مراد کو دیکھ کر گھڑیوں ٹوٹ کر ہوش میں آئی کہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ گلے میں خراشیں ڈال لیں۔ اسٹاف نرس نے مراد کو کمرے سے باہر نکال دیا اور ڈاکٹر کو بلا لائی۔ مسکن انجکشن کے بعد وہ کچھ پرسکون ہوئی اور پھر نیند کی وادی میں اتر گئی۔

مراد ساری ہمدردی بھول کر باہر کھڑا اسے گندی گالیوں سے نواز رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنے پاس بلایا۔

"تم شوہر ہو مریضہ کے؟"

اکھڑ لہجے میں ڈاکٹر نے عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے استفسار کیا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

"جی...."

"خیال رکھا کرو اس کا۔ خون کی کمی ہے اور خوراک کی بھی۔ باپ بننے والے ہو تم۔ اسے ذہنی سکون دو مگر تمہاری تو وہ شکل نہیں دیکھنا چاہ رہی۔" دوائیوں کا لمبا سا پرچہ تیار کرتے ہوئے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ڈاکٹر نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔

مراد فرمانبرداری سے سر ہلاتا سنتا رہا۔ مگر گھر آکے اس نے صالحہ کو دھنک کے رکھ دیا۔ وہ دکھ سے شل ہوتے دماغ کے ساتھ پٹتی رہی۔

"سالی! بے عزت کرتی ہے مجھے۔"

وہ اس کی ماں بہن ایک کرتا کف اڑاتا اپنی عزت کو لے کر فکر مند تھا۔ اپنی بیوی کو دوسروں کے آگے پیش کرنے والا عزت دار....

"شادی سے پہلے بھی تو یاروں کو چسکا تھا تجھے۔ منگیتر کے ہوتے مجھ سے یاری لگائی۔ اب میرے یار کو خوش کرنے کی باری آئی تو تو پاک باز بن رہی ہے۔"

قیامت آگئی تھی۔ خوفناک گڑگڑاہٹ صالحہ کی سماعتیں پھاڑ رہی تھی۔ پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے تھے۔ مگر نہیں.... صالحہ کو یک لخت حقیقت کا خوفناک ادراک ہوا۔ یہ جیتے جی بھوگنے والا عذاب تھا۔ جو مرتے دم تک اسے سہنا تھا۔

وہ اپنے عشق سے مرتد ہوئی تھی.... سو واجب القتل تھی۔

ایک جگہ سر جھکانے والوں کو جگہ جگہ سجدے نہیں کرنا پڑتے۔ صالحہ بے وقوف تھی۔ جانتی نہیں تھی کہ یار منانا آسان ہوتا ہے مگر اس نے بتوں کو یار بنایا تھا.... اور بت تو نری مٹی ہوا کرتے ہیں۔ مراد صدیقی بھی مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب اسے ٹوٹ کر امتیاز احمد یاد آتا تھا۔ اس کی پریگننسی کا سن کر شاید مراد کو اس پر ترس آگیا اس لیے اس کی جان چھوڑ دی۔

وہ جوئے اور شراب میں غرق تھا۔ مال اسباب تو پہلے ہی لٹا چکا تھا۔ اب شاندار سا گھر بھی بیچ ڈالا اور صالحہ اور وہاں کی ننھی ایبہا کو لیے کرائے کے دو کمرے کے گھر میں آ پڑا۔

"مر جاؤں گی مگر عزت بیچنے کا کام نہیں کروں گی۔ یہ تمہارے خاندان کا رواج ہو گا۔" وہ نفرت سے تھوک کر

بولی۔

بے شک اسے اپنی تعریفوں سے بھرے رنگ برنگے الفاظ اچھے لگتے تھے۔ امتیاز احمد کی شرافت سے چڑ اور مراد صدیقی کی بے باکی پسند تھی مگر وہ اس حد تک بد کردار نہ تھی اور نہ ہی بے راہ روی پہ اتر کر اس نے شادی سے پہلے مراد صدیقی کے ساتھ غلط تعلقات استوار کیے تھے ' جو وہ اتنے آرام سے اس کی بات مان لیتی۔ مگر وہ باورچی خانے میں گیا اور تیز دھار چھری لا کر سوئی ہوئی چھ ماہ کی ایمہا کی گردن پر رکھ دی۔

"تیری تو ماں بھی کرے گی یہ کام۔" صالحہ کی آنکھیں ابل پڑیں۔ جیسے کسی نے ہاتھ ڈال کے کلیجہ باہر نکال لیا ہو۔

"مراد..... کیا کر رہے ہو۔ بچی کو چھری لگ جائے گی۔" وہ گھگھیا کر بولی۔

"ذبح کر ڈالوں گا قسم سے! اگر تو آج رات ڈیرے پہ نہ گئی تو۔"

وہ بے رحمی سے بولا اور جیسی وحشیانہ کیفیت میں وہ تھا' صالحہ کو یقین تھا کہ وہ ایمہا کو ذبح کر ہی ڈالے گا۔

اس نے بلکتے ہوئے اپنی بچی کو بچا لیا اور خود ذبح ہو گئی لیکن وہ مراد ان اس کے لیے سکون کا پیغام لایا۔

جوئے کے اڈے پر لڑائی کے دوران ایک بندے مر گئے۔ مراد صدیقی کو بھی پولیس پکڑ کے لے گئی۔ جانے کیا کیس بنا مگر وہ گیارہ سالوں کے لیے جیل ضرور چلا گیا۔

صالحہ جیسے پھر سے جی اٹھی۔

اس روز وہ یوں نہائی جیسے آج ہی پیدا ہوئی ہو۔ کلمے پڑھ پڑھ کے رگڑ رگڑ کے جسم صاف کیا اور سجدے میں گری تو دعائیں مار مار کے روئی۔

پنجگانہ نماز شروع کی تو رفتہ رفتہ دل کو ملنے والے سکون نے خدا کی بارگاہ میں معافی ملنے کی آس کو مضبوط کر دیا۔

ایمہا اسکول تو پہلے ہی جا رہی تھی۔ گھر کا خرچا پانی چلانے کے لیے صالحہ نے ایک فیکٹری میں ملازمت کر لی۔ جس سے اچھی گزر بسر ہونے لگی۔

وہاں فیکٹری میں اس کی کئی عورتوں سے اچھی دعا سلام ہو گئی۔ اس کی سب سے اچھی سہیلی زرینہ بنی مگر کچھ عرصے کے بعد ہی اسے اچھی نوکری مل گئی تو وہ وہاں سے چلی گئی۔

"وہاں کا ماحول دیکھ کے تمہیں بھی بلا لوں گی۔ نئی فیکٹری ہے انہیں کافی ورکروں کی ضرورت ہے۔"

زرینہ نے اپنا کہا دو ماہ کے اندر ہی سچ کر دکھایا اور صالحہ کو لے کر اپنی نئی فیکٹری پہنچ گئی۔

"ابھی منیجر صاحب آئیں گے تو تمہاری ملاقات کراؤں گی۔ وہی نوکری پکی کریں گے۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے۔ انہیں محنتی اور ایماندار بندے چاہییں بس۔ تنخواہ بھی پہلی نوکری سے ڈبل ہے۔"

زرینہ خوش تھی۔ مگر اس روز منیجر آیا ہی نہیں۔

"چلو صاحب سے بات کر لیتے ہیں۔ وہ بھی بڑے ہی خدا ترس آدمی ہیں۔" زرینہ پر اعتماد تھی۔ صالحہ کو اس نوکری کی سخت ضرورت تھی۔

صاحب کے پی اے نے بتایا کہ صاحب کے پاس کوئی ملنے والا آیا بیٹھا ہے۔ وہ دونوں وہیں بیٹھ کے انتظار کرنے لگیں مگر جب گلاس وال کا پردہ ہوا سے لہرا کر پرے ہٹا تو صالحہ کی انہی نظروں پر قیامت بیت گئی۔

وہاں اندر شیشے کی دیوار کے پار کوئی اور نہیں۔ امتیاز احمد بیٹھا تھا۔

اس کا "امیت جی۔"

"کیا نام ہے صاحب کا؟"

اس نے وحشت زدہ انداز میں زرینہ کا ہاتھ دبوچا۔

"امتیاز صاحب ہیں۔ بڑے نیک اور باکردار۔ خدا ترس انسان ہیں۔"

وہ رطب اللسان تھی۔

مگر صالحہ تو وہاں سے ایسے بھاگی جیسے بھوت پیچھے لگ گئے ہوں۔ زرینہ انگشت بدنداں اس کے پاگل پن کو دیکھتی رہ گئی۔

کئی آوازیں بھی دیں مگر وہ تو مانو پنجرے سے نکلا پنچھی بن گئی تھی۔

شام کو زرینہ اس کے گھر آئی تو سخت ناراض تھی مگر صالحہ کو بخار میں سلگتے اور ایمہا کو روتے پا کر اس کی ساری ناراضی اڑن چھو ہو گئی۔

"ہاں۔ میں بھی کہوں وہاں سے بھاگی کیوں۔ اتنی طبیعت خراب تھی تو پہلے کہتی' کسی اور دن چلی چلتی۔"

صالحہ کو کسی پل چین نہ تھا۔ سر کو پٹختی۔ روتی کرلاتی..... اس کے بین نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔

زرینہ نے اسے ڈاکٹر سے دوا لا کے دی۔ گھر سے سالن روٹی لا کے ایمہا کو کھلایا اور صالحہ کو زبردستی دلیے کے دو چار چمچے کھلا کے دوا دے دی۔

ایمہا ماں سے لپٹ کے لیٹ گئی تھی۔

"میں کل چکر لگاؤں گی فیکٹری جانے سے پہلے۔" زرینہ اسے اچھی طرح دروازہ بند کرنے کا کہہ کر جا چکی تھی۔

صبح فیکٹری جانے سے آدھا گھنٹہ پہلے وہ ان کے ہاں آئی تو صالحہ کی طبیعت بہتر تھی۔ اگرچہ وہ گم صم سی تھی اور مضمحل سی بیٹھی تھی۔

زرینہ نے ہی ناشتا بنا کے دونوں ماں بیٹی کو دیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تو چلو گی فیکٹری....؟" زرینہ نے پوچھا۔

صالحہ کا دل بلک اٹھا۔ وہ تو اڑ کے جانا چاہتی تھی امتیاز احمد کے پاس۔

وہ جو عزت اور غیرت والا تھا۔

وہ جو باکردار اور روشن پیشانی والا تھا۔

مگر یہ داغ داغ اور بدبودار وجود لے کر وہ اس کے پاس جا سکتی تھی بھلا؟

وہ تعفن کے مارے منہ نہ پھیر لیتا اس سے؟

"مجھے اپنی فیکٹری کا کارڈ دے دو۔ جب میری مرضی ہوگی تو چکر لگا لوں گی۔" صالحہ نے بمشکل کہا۔

"ابھی تو میرے پاس نہیں ہے۔ آج منیجر سے لے لوں گی۔" زرینہ جلدی میں تھی۔ اس کی فیکٹری کا ٹائم ہو گیا تھا اور جب اگلے روز زرینہ نے اسے امتیاز احمد کے نام کا وزٹنگ کارڈ لا کے دیا تو وہ مٹھی میں جیسے کوئی ہیرا دبوچ بیٹھی۔

زرینہ کے جانے کے بعد اس نے ان چمکتے حروف کو چوم لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور بے طرح روئی۔

"میں نے تمہیں نہیں کھویا امتیاز احمد! حق کی راہ ہی کھو دی تھی۔" اور پھر اس نے وہ وزٹنگ کارڈ اپنے صندوق میں کپڑوں کی تہوں کے نیچے بچھے اخبار کے نیچے رکھ دیا۔

وہ اپنی زندگی میں کھلنے والے تازہ ہوا کے اس روزن کو بند نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

عون کمرے میں دستک دے کر داخل ہوا تو ثانیہ اس لڑکی سے باتیں کر رہی تھی۔

عون کو دیکھ کر وہ لڑکی جھجک کر خاموش ہو گئی۔
"یہ۔۔۔" ثانیہ نے تعارف کرانے کو جیسے موزوں الفاظ ڈھونڈے۔ عون کے کان کھڑے ہو گئے مگر لمحہ بھر سوچنے کے بعد وہ اطمینان سے بولی۔
"یہ وہ موصوف ہیں جن کی گاڑی نے تمہیں ٹکر ماری ہے۔" عون تلملا اٹھا۔
"مائنڈ یو۔ میں نے نہیں ماری۔ یہ خود میری گاڑی کے آگے آئی تھیں۔"
"ایک ہی بات ہے۔" ثانیہ نے کندھے اچکائے۔
"نن نہیں۔۔۔" ایبہا کی زبان لڑکھڑائی۔ "غلطی میری ہی ہے۔ ایک تو موسم خراب تھا۔ مجھے ہاسٹل سے نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ موٹر سائیکل پہ کوئی بد تمیز سے لڑکے تھے۔۔۔ میں بھاگی تو بے دھیانی میں روڈ پہ آ نکلی۔"

"اب اگر تم بہتر محسوس کر رہی ہو تو ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیتے ہیں۔"
ثانیہ نے دوستانہ انداز میں کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حالانکہ ابھی بھی اس کا دماغ سن کیفیت میں تھا۔ سر کی چوٹ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔
"تم کیسے آئی ہو۔۔۔؟"
عون نے ثانیہ سے پوچھا تو وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "ٹیکسی سے آئی تھی۔"
"اوکے تو پھر انہیں ساتھ لے کے باہر چلو اور گاڑی میں بیٹھو۔"
تمام چارجز معیز ادا کر گیا تھا۔ ثانیہ یوں تو کبھی عون کو اتنی لفٹ نہ کراتی مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ ایبہا کو اس کے گھر پہنچانا تھا۔ اکیلے عون کے ساتھ شاید وہ نہ جاتی۔
وہ خاموشی سے ایبہا کے ساتھ گاڑی تک چلی آئی۔
"تم نے ماموں کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ کیا ہے؟" وہ اسے گھور کر پوچھ رہی تھی۔
"کہاں۔ ابھی لے کے آیا ہوں ریسٹورنٹ سے" وہ بے اختیار بولا پھر جلدی سے تصحیح کی۔ "بس آتے آتے ہی ان سے ٹکر ہو گئی۔"
"اگر اپنی آنکھوں سے صحیح کام لو تو تم سے اتنی غلطیاں نہ ہوں۔"
ثانیہ نے طنزاً "کیا کیا نہ جتا دیا تھا۔ عون نے بیک ویو مرر اس پر سیٹ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"اب تو صحیح سے کام لیتا ہوں مگر لوگ پہلے کی خطائیں بھولنے کو تیار ہی نہیں۔"
"ہنہ۔۔۔" وہ سر جھٹک کر ایبہا سے ایڈریس پوچھنے لگی۔
"گرلز ہاسٹل میں رہتی ہوں میں۔"
اس نے ایڈریس بتا کر سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ دماغ اس قدر شل ہو رہا تھا کہ کسی ایک سوچ پر مرتکز ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ سو آنکھیں بند کیے دماغ کو سکون پہنچنے کی سعی کرنے لگی۔
ایبہا کو ہاسٹل ڈراپ کرنے کے بعد عون ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ثانیہ کا انتظار کر رہا تھا' جو ایبہا کو اندر چھوڑنے گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مستقل مسکراہٹ کا ڈیرا تھا۔
معیز کی مہربانی سے آج وہ وقت آیا تھا' جس کے بارے میں وہ صرف خوابوں اور خیالوں ہی میں سوچا کرتا تھا۔
ثانیہ ہاسٹل کے گیٹ سے باہر آئی تو وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔
مگر وہ گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے سڑک پہ نظریں دوڑانے لگی۔ عون نے کھڑکی سے منہ باہر نکالا۔
"آؤ نا۔ کیا دیکھ رہی ہو؟"

"ٹیکسی۔۔۔" نہایت اطمینان سے کہا گیا۔
عون کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔
"ٹیکسی کیوں۔۔۔ گاڑی میں بیٹھو۔"
"میں ٹیکسی ہی میں آئی تھی۔ تمہارے ساتھ آنا تو مجبوری تھی۔"
اس کا انداز صفاجٹ تھا۔ وہ منتیں کروانے کے موڈ میں تھی اور عون جی جان سے منتیں کرنے کے موڈ میں۔
"کم آن ثانی۔۔۔ یار! اب غصہ جانے بھی دو۔"
"کیسا غصہ۔۔۔؟ مجھے تو کوئی غصہ نہیں ہے۔" وہ نارمل انداز میں بولی۔
"تو پھر ناراض کیوں ہو مجھ سے؟" عون نے بچوں کی طرح پوچھا۔
"میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی جینے کا حق حاصل ہے۔ تم اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہو میں اپنے۔"
اس نے شانے اچکائے۔ عون نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی۔ مگر اس کا پر اعتماد انداز اور ذات کا تفاخر اسے بہت جاذب نظر بنا تا تھا۔
وہ بولتی تو عون کی نگاہ اس کے لبوں سے ہٹتی نہ تھی۔ اب بھی یہی ہوا۔ وہ بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے جمود سے وہ جز بز ہوئی۔
"مجھے گھورنا بند کرو اور جاؤ یہاں سے۔"
عون نے ونڈ اسکرین کے پار نظر گھمائی اور ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا۔
ایک سیکنڈ' دو' تین' چار' پانچ۔
وہ تیزی سے کھڑکی پہ جھکی۔ "یہ کیا بد تمیزی ہے"
"جب تک تم گاڑی میں نہیں بیٹھو گی' میں یہ بد تمیزی کرتا رہوں گا۔"
وہ اطمینان سے بولا مگر ہارن پر سے ہاتھ نہیں ہٹایا۔ وہ اس کی اس حرکت پر پاؤں پٹختی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔
"میں صرف ماموں جان کی گاڑی کے خیال سے بیٹھ رہی ہوں۔" عون کی مسکراہٹ پر اس نے چڑ کر جتانے والے انداز میں کہا تو اس نے برجستہ جواب دیا۔
"کبھی ماموں کے خیال سے ان کے بیٹے پر بھی نظر کرم کر دیا کرو۔" اس کے چہرے کی رنگت بدلی۔
"گاڑی چلاؤ' ورنہ اب کی بار اتری تو کبھی نہیں بیٹھوں گی۔" ڈپٹ کر کہا اور ساتھ ہی دھمکی بھی دے دی۔ عون نے شرافت سے گاڑی چلا دی۔
موسم بے حد سرد مگر خوب صورت تھا اور عون کے دل کا موسم تو باہر کے موسم سے بھی زیادہ حسین ہو رہا تھا۔
"آئم سوری ثانیہ! میں جانتا ہوں میں نے جو کچھ کیا اس سے تمہارا دل دکھا ہو گا۔ مگر اب میں ہی اپنے کہے کا مداوا کرنا چاہتا ہوں تو تم چانس ہی نہیں دے رہیں۔" عون نے مسکینی طاری کرتے ہوئے کہا۔
"تم بار بار مجھ سے معذرت مت کرو عون!" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ "مجھے تم سے معذرتیں کروانے کا شوق نہیں ہے۔ مگر معاف کرنا! مجھے اب تمہارے لفظوں پر اعتبار نہیں رہا۔"
"کیا مطلب۔۔۔ میں سچ میں شرمندہ ہوں۔" عون نے اپنے لفظوں پر زور دیا۔
"تم نے کہلوایا تھا کہ تم مجھ جیسی پینڈو اور فرش کی لپائی کرنے والی گنوار لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔"
ثانیہ نے اسے یاد دلایا۔
"وہ بھی تمہارے الفاظ تھے اور یہ معذرت بھی۔ اب میں کسے سچ مانوں؟"

وہ قطعیت سے پوچھ رہی تھی۔ عون لاجواب ہونے لگا۔

"جھوٹ نہیں بولوں گا ثانی! میرا خواب تھا کہ میری بیوی پڑھی لکھی اور ذہین ہو۔ تمہارا فرسٹ امپریشن ایسا پڑا کہ میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ مگر جب مجھے پتا چلا کہ تمہاری اصلیت کچھ اور ہے تو۔۔۔"

عون نے بھی سنجیدہ انداز اپنایا مگر ثانیہ نے بیچ ہی میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مگر میں کیسے تم پر اعتبار کروں؟ ظاہر پہ مرمٹنے والے مرد بھی کبھی میرا آئیڈیل نہیں رہے۔" اس کا انداز کڑوا تھا۔

"تم بھی تو مجھے ظاہری طور پر ہی دیکھ رہی ہو۔" وہ ناراض ہوا۔

"بہرحال۔ ابھی میں کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی۔" وہ آرام سے بولی۔

بڑی پھپھو کا گھر آ گیا تھا۔ آج کل ثانیہ وہیں رہ رہی تھی۔

"مگر تم لندن نہیں جاؤگی۔"

وہ اترنے لگی تھی جب عون نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا۔ وہ گاڑی سے اتر کر شیشے میں جھکی۔

"کیوں۔۔۔؟"

"اکیلی کیا کروگی جاکر۔ تھوڑا ویٹ کرلو تو ہنی مون پہ لے جاؤں گا۔"

عون کی زبان پھسلی تو ثانیہ کے چہرے پر غصے اور حیا کے دلکش رنگ نظر آئے۔

"بدتمیز۔" وہ دانت کچکچاتی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ عون سر پہ ہاتھ پھیر کے رہ گیا۔

"ثانیہ بی بی۔۔۔ تمہیں بھی اپنے عشق میں مبتلا نہ کیا تو عون عباس نام نہیں۔"

خود کلامی کرتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تو اس کا ذہن کہیں اور ہی اڑانیں بھر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یا اللہ۔۔۔"

حنا اس کے ماتھے کی بینڈیج دیکھ کر پریشان ہوا تھی۔ پکڑ کر اسے بستر پر لٹایا۔

"کیا۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیسے؟"

ایبہا نے اس کے تمام سوالوں کا تفصیلی جواب دیا تھا۔

"مگر تمہیں مصیبت کیا پڑی تھی اکیلے نکلنے کی' وہ بھی اتنے خراب موسم میں۔" حنا نے چائے کا پانی رکھتے ہوئے اسے گھورا۔

"بینک جانا تھا۔ پرسوں فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ ہے۔ بس وہاں سے نکلی تو موٹر سائیکل پہ دو لڑکے پیچھے پڑ گئے۔"

وہ کہتے کہتے چپ سی ہو گئی۔ پھر ایک دم سے اٹھ بیٹھی اور متوحش انداز میں ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی۔

"پرس۔۔۔ میرا پرس کہاں ہے؟"

"کون سا پرس۔۔۔ ابھی تو تم خالی ہاتھ آئی ہو۔" حنا اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

ایبہا اب اٹھ کر بستر کی چادر جھاڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے۔ حنا نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے اسے بستر پر بٹھایا تو وہ سر ہاتھوں میں تھام کے رو دی۔

"پتا نہیں میرا پرس کہاں گم ہو گیا۔۔۔ ہاسٹل کے ڈیوز اور فیس۔۔۔ میں نے سارے پیسے نکلوا لیے تھے۔" حنا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"بیگ لے کے جاتیں۔ اس میں پرس رکھتیں۔"

"تمہیں پتا تو ہے' یہاں سے بینک کتنا نزدیک ہے۔ مجھے تو وہم بھی نہیں تھا کہ ایسا ہوگا۔ جب میں گاڑی سے ٹکرائی تو پرس میرے پاس ہی تھا۔ اس کے بعد... میں ہوش میں آئی تو اسپتال میں تھی۔"

اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ لاسٹ سمسٹر کی فیس اور ہاسٹل کے ڈیوز ادا کرنے بہت ضروری تھے اور آج تو وہ بینک سے اس ماہ کی ساری رقم نکلوالائی تھی۔

"رو مت بیا! کچھ سوچتے ہیں۔" حنا نے اسے تسلی دی' پھر بولی۔

"کوئی دھوکے باز ہی ہوں گے جن کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا۔ انہوں نے ہی تمہارا پرس اڑایا ہوگا۔"

"ایسے لگ تو نہیں رہے تھے وہ۔" وہ بے بسی سے بولی پھر سہمے ہوئے انداز میں پوچھنے لگی۔

"حنا! اب کیا ہوگا۔ سارے پیسے چلے گئے۔"

"تو گھر سے اور منگوالو۔ بلکہ اپنے پاپا کو اپنے ایکسیڈنٹ کے متعلق انفارم کرو گی تو وہ فوراً" ہی پیسے بھجوادیں گے۔"

حنا نے چٹکی بجائی اور جا کے چائے بنانے لگی۔

ایبہا پر تو جیسے چھوٹی موٹی سے قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ اس دن والے واقعے کے بعد وہ تہیہ کر چکی تھی کہ اب خود سے کبھی امتیاز احمد سے رابطہ نہ کرے گی مگر قسمت اسے پھر اسی موڑ پہ لے آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

یہ صالحہ ہی جانتی تھی' کیسے اس نے اپنے روتے کرلاتے دل کو سنبھالا تھا۔

اس کا جی چاہتا امتیاز احمد کے سامنے بھکارن بن کے کھڑی ہو جائے اور اس کا ردعمل دیکھے۔

اسی سوچ کے تحت وہ کئی بار اس کی فیکٹری گئی۔ شہر کے آخری کونے تک جانے میں اس کے سینکڑوں روپے خرچ ہوتے' کبھی وہ آدھا راستہ پیدل طے کرتی اور آدھا رکشے پر' مگر امتیاز احمد پر نگاہ پڑتے ہی وہ چادر سے منہ ڈھانپ لیتی۔

وہ ویسا ہی پر تمکنت اور وجیہہ تھا۔ چہرے پر عجیب سا حزن اور گہری سنجیدگی کی چھاپ۔

زرینہ نے کہا تھا۔ صاحب بہت باکردار ہیں۔

صالحہ جانتی تھی وہ واقعی باکردار ہے۔

اور یہ اس کے کردار کی حیا ہی تھی' جو صالحہ کو اس کے سامنے آنے سے روکتی تھی۔

کیا جاؤں گی اسے۔ یہ بدن کی عمارت کیسے کھنڈر بن گئی؟ مر نہ جاؤں گی' مراد صدیقی کی بدکرداری کی داستان سناتے ہوئے۔

وہ کیا سوچے گا۔ اسے کتنا دکھ ہوگا یہ جان کر کہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں اس کے مقابل جو شخص کبھی صالحہ کو وزنی لگا تھا۔ وہ کردار کا کتنا ہلکا نکلا۔

وہ پوچھے گا۔ "صالحہ... تم مجھے اس مرد کے مقابلے میں دھتکار کر چلی گئی تھیں؟" تو کیا جواب ہوگا میرے پاس؟

وہ کوڑھ زدہ فقیرنی کی طرح فٹ پاتھ پہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہانپتی رہتی۔ مگر امتیاز احمد کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ وہ دن رات میں ایک بار لازمی امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ نکال کے دیکھتی۔

اس پر چھپا امتیاز احمد کا نام اور فون نمبر اسے حفظ ہو چکے تھے مگر وہ پھر بھی روزانہ وہ کارڈ نکال کے دیکھتی' پڑھتی' چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔

یہ وہ نعمت تھی جو اس نے خود ٹھکرادی تھی اور نعمتوں کو ٹھکرانے والے خود بہت ٹھکرائے جاتے ہیں۔ سو اندر ہی اندر جانے کون کون سے روگ لگا بیٹھی۔ دل کے آس پاس اٹھنے والا ہلکا ہلکا درد کبھی کبھی اسے خوف زدہ کردیتا تھا مگر اس کے پاس ٹیسٹ کرانے کے لیے رقم نہ تھی۔ سو زندگی کی گاڑی بس چلتی رہی۔

ہاں... مگر اس میں امتیاز احمد نامی ایک درز پیدا ہو گئی تھی۔ جہاں سے آنے والی ہوا بہت سبک اور تروتازہ تھی۔

☆ ☆ ☆

ایبہا کی پریشانی حد سے سوا تھی۔

وارڈن نے ہاسٹل کی فیس جمع کروانے کے لیے تو اسے ایک ہفتے کی مہلت دے دی تھی مگر کالج کی فیس جمع کرانا تو لازمی تھا۔ ورنہ اسے ایگزیمز میں بیٹھنے کی اجازت نہ ملتی۔

"ایم سوری بیا! تمہیں تو پتا ہے' میں اپنی پاکٹ منی کیسے اڑاتی ہوں اور ممی' پاپا یہاں ہیں نہیں۔ بھائی سے بھی کوئی رابطہ نہیں۔ ورنہ میں ہی کچھ کردیتی۔" حنا شرمندہ تھی۔ اگر وہ حواس میں ہوتی تو اس کے لنگڑے لولے جھوٹ پکڑ لیتی مگر اس وقت تو اسے صرف کالج فیس کی فکر تھی۔

"صرف دو دن ہیں حنا۔ مجھے ہر حال میں ایگزیمز میں بیٹھنا ہے۔"

وہ بھنچے لہجے میں بولی۔

"تم چاہو تو میں اپنے انکل سے مدد مانگ سکتی ہوں۔ میرے چچا... تم گئی تو تمہیں ان کے ہاں میرے ساتھ۔" حنا نے آفر کی۔

"اگر تم خود ان سے بات کرو تو وہ فوراً" ہی تمہاری مدد کردیں گے۔"

ایبہا کو عجیب سے احول والا وہ شخص اور حنا کے چچا یاد آئے تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

"نہیں... میں گھر فون کر کے دیکھتی ہوں۔" وہ کمرے سے نکل گئی۔

حنا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ گھر پہنچا تو سفینہ کو روتے ہوئے پایا۔ ابرو اسی کو کال کر رہا تھا۔

"ابو کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

امتیاز احمد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ دونوں بھائیوں نے فوری طور پر انہیں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور شہر کے بہترین اسپتال میں لے آئے۔

امتیاز احمد کو آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا۔ سفینہ اور زارا کو وہ ساتھ نہیں لائے تھے مگر سفینہ موبائل فون پر مسلسل ابرو سے رابطے میں تھیں۔

"آپ گھر پہ ہی رہیں اور دعا کریں۔ یہاں آئیں گی تو ہم بھی ڈسٹرب ہوں گے۔" معیز نے انہیں سختی سے روکا تھا۔

فوری ٹریٹمنٹ سے امتیاز احمد کی حالت کچھ سنبھلی مگر ابھی بھی ان کی حالت خطرے سے باہر نہ تھی۔

دونوں بھائی جیسے ادھ موئے ہو گئے تھے۔

باپ کی اہمیت تو اپنی جگہ مسلم تھی مگر آج جب امتیاز احمد ہاتھوں سے جاتے محسوس ہوئے تو پتا چلا کہ وہ تو دل تھے۔ دل کی دھڑکن تھے۔ ان کی سانس تھے۔ وہ تو ان کی پوری زندگی تھے۔ اور زندگی دور جانے لگے تو کیسا محسوس ہوتا ہے... وہ دونوں بھی اسی کیفیت میں تھے۔

پچھلے چھ گھنٹوں سے ایک پاؤں پہ کھڑے باپ کی ایک نظر کے متلاشی۔ خدا جانے کیا ہونے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

امتیاز احمد کا نمبر ڈائل کر کر کے ایبہا کی انگلی تھک گئی۔ مگر شاید وہ آفس سے نکل چکے تھے۔
اس نے اپنے موبائل سے ان کا موبائل نمبر ملایا۔ اس سے پہلے بھی دوران کا موبائل نمبر ٹرائی کرتی رہی تھی۔ مگر مسلسل بیل جانے کے باوجود انہوں نے کال اٹینڈ نہ کی تھی۔
ایبہا کا دل جیسے بند ہونے کو تھا۔
اس سال امتحان میں نہ بیٹھنا۔ مطلب ایک سال اور۔۔۔ جبکہ اسے جلد سے جلد تعلیم مکمل کر کے اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا تھا۔
اس کے آنسو بہہ نکلے۔
اسی وقت کسی نے کال اٹینڈ کرلی۔
"ہیلو۔۔۔" کسی عورت کی آواز پہ گھبرا کر ایبہا نے لائن کاٹ دی۔ شاید سفینہ یا زارا میں سے کسی نے کال ریسیو کی تھی۔
"یا اللہ۔۔۔ رحم کردے۔" وہ بے بس تھی۔
خدا کو پکار سکتی تھی۔ سو پکارے گئی۔

☼ ☼ ☼

اٹھارہ گھنٹوں کے بعد امتیاز احمد کو کمرے میں شفٹ کردیا گیا۔ اس دوران ان کی ہارٹ سرجری بھی کی گئی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ سفینہ اور زارا اسپتال آپہنچی تھیں۔ رو رو کر ان کا برا حال تھا۔
"اب وہ بہتر ہیں ماما پلیز۔۔۔ ایسی حالت لے کر ان کے سامنے مت جایئے گا۔ زارا تم بھی خود کو سنبھالو۔" معیز نے انہیں تنبیہہ کی تھی۔
معیز کچھ ضروری چیزیں لینے گھر آیا تو ساتھ ہی شاور لے کر کپڑے بھی تبدیل کرلیے۔ واپس جاکر وہ ایز دکو گھر بھیجنے والا تھا۔
وہ وارڈ روب سے امتیاز احمد کے کپڑے نکال رہا تھا۔ جب سائیڈ ٹیبل پہ پڑا ان کا موبائل بجنے لگا۔
معیز نے چونک کر دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا۔
ایبہا کی کال تھی۔
اس نے لب بھینچے۔۔۔ اور کال ریسیو کرلی۔
"ہیلو۔۔۔"
"ہیلو۔۔۔ میں ایبہا۔۔۔ میں کب سے آپ کو فون ملا رہی ہوں۔ مگر آپ کال اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ کل میں بینک سے سارے پیسے لے آئی تھی۔ ہاسٹل کے ڈیوز بھی اور کالج فیس بھی۔ راستے میں میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ میرا پرس وہیں گر گیا۔ سارے پیسے گم ہوگئے۔ اب میں کیا کروں۔"
بے ربط انداز میں وہ تیز تیز سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی۔ شاید لائن کٹ جانے کا ڈر ہو۔
پھر وہ رونے لگی۔
معیز کے وجود میں جیسے کوئی شرارہ سا لپکا۔

"کاش کہ کبھی تم بھی ہماری زندگی میں سے ایسے ہی گم ہوجاؤ۔"
وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا تو ایبہا ساکن ہوگئی۔ معیز نے موبائل سوئچ آف کر کے وہیں ڈال دیا اور چیزیں سمیٹ کر نوکروں کو ہدایات جاری کرتا گھر سے نکل آیا۔
اس کا ذہن منتشر تھا۔ ابھی تک گھر والوں کے علاوہ کسی کو بھی امتیاز احمد کی خرابی طبع کی اطلاع نہ دی گئی تھی۔ کچھ خیال آنے پر معیز نے آفس فون کر کے امتیاز احمد کے پی اے کو ان کی طبیعت کی معمولی خرابی کا بتایا اور مینیجر کو بھی اور اگلے ایک ہفتے تک کی تمام میٹنگز کینسل کروادیں۔
گاڑی اسپتال کی طرف تیزی سے رواں تھی۔

☼ ☼ ☼

صالحہ نے بہت مرتبہ اپنے والدین کے پاس لوٹنے کا سوچا۔ لیکن اگر بات صرف مراد صدیقی کی بے وفائی کی ہوتی تو جاکر ماں باپ سے دکھڑا رولیتی۔ ناک رگڑ کے معافی مانگ لیتی۔
اب یہ سب کچھ وہ اپنے ماں باپ کو کس منہ سے بتاتی انہوں نے تو اسے بیاہتے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ انہیں مرا ہوا سمجھ لے۔
مراد صدیقی کو جیل گئے سات سال ہونے کو تھے۔ ایبہا دسویں کا امتحان دے چکی تھی اور صالحہ اپنے اندر جانے کون کون سی بیماریاں لیے بستر پہ آن پڑی۔
ایبہا کی تو جان پہ بن آئی۔ ایک ماں ہی کا سہارا تھا۔ وہ بھی ہاتھوں سے جاتا دکھائی پڑتا تھا۔
ماں نے اسے اپنی ساری کہانی سنائی تھی۔ اسے ماں کی بے وقوفی پر افسوس ہوا۔ مگر اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا مراد صدیقی اس کا باپ تھا اور یہ ایک تلخ حقیقت تھی۔ صالحہ بمشکل گھر کی دال روٹی چلا رہی تھی۔ مگر اب جب بستر پہ پڑی تو جان کے لالے پڑگئے۔
اس پہ مستزاد مراد صدیقی کی واپسی۔
ایبہا چھت پہ کپڑے اتارنے گئی تھی۔ دروازہ مسلسل دھڑ دھڑائے جانے پر صالحہ نے بدقت تمام اٹھ کر دروازہ کھولا۔۔۔ تو لگا جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔
اس کے بدن کی جان ٹوٹنے لگی۔
"ارے واہ۔۔۔ میری بلبل۔۔۔ خوشی سے سکتہ ہوگیا نا۔ کہاں تو گیارہ سال اور کہاں سات سال ہی میں واپسی۔" وہ چہکتا ہوا اندر داخل ہوا۔
اسی وقت ایبہا چھت سے کپڑوں کا ڈھیر لیے نیچے آئی اور کپڑے چارپائی پہ رکھ دیے۔
مراد کو دیکھ کر اس کا رنگ زرد پڑگیا تھا۔
"آہا۔۔۔ یہ میری دولت ہے۔۔۔ میری کل کائنات۔" ایبہا کا بازو دبوچ کر اسے سامنے کیے دیکھتا چمکتی آنکھوں والا یہ کوئی باپ نہیں بلکہ گندی نظروں والا شیطان تھا۔
صالحہ کے کمزور وجود میں جیسے بجلی سی دوڑ گئی تھی۔ اس نے لپک کر ایبہا کا بازو چھڑالیا۔
"جاؤ۔۔۔ جاکے باپ کے لیے پانی لے کے آؤ۔"
ایبہا خوف زدہ ہرنی کی طرح وہاں سے بھاگی۔
"ٹھیک سے دیکھنے تو دیتی۔ بالکل تیری طرح قیامت نکلی ہے یہ بھی۔"
وہ کہہ رہا تھا۔ صالحہ کا دل جیسے کسی نے کچل ڈالا ہو۔ اس کا جی چاہا مراد صدیقی کے منہ پر تھوک دے۔ جوانی

بیٹی پر شفقت کے بجائے شیطانیت بھری نظر ڈال رہا تھا۔

"تجھے کیا ہو گیا ہے الو کی پٹھی؟"

صالحہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ راہ بھٹکنے کی کیسی کڑی سزا پائی تھی اس نے۔

مراد کو افسوس ہوا۔ کمائی کا بڑا ذریعہ ہاتھوں سے نکل گیا۔

اس کے ابھی بھی وہی رنگ ڈھنگ تھے۔ آتے ہی شراب اور جوا شروع۔

صالحہ مرنے کو تھی۔ مگر پوری جان لڑا کے چوکنی ہو کر بیٹی کی حفاظت کرتی۔ مراد کو وہ دوسرے کمرے میں سلا کر خود ساتھ والے کمرے میں ایبہا کے ساتھ کنڈی لگا کے ایک ہی بستر پر سوتی۔ اسے مراد پر اعتبار نہ تھا۔ وہ غلاظت کے کسی بھی گڑھے میں گر سکتا تھا اور پھر وہ وقت بھی آگیا جس سے صالحہ ڈر رہی تھی۔

مراد کا کسی سے جھگڑا ہوا اور وہ جھگڑا گھر تک آپہنچا۔

"دس لاکھ جوئے میں ہارا ہے یہ اور اب جیب سے پھوٹی کوڑی نہیں نکال رہا۔" کلف لگا اکڑا شخص اور ساتھ میں مراد کو قابو کیے اس شخص کے حواری بھی تھے۔

مراد کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"صبر کر جبار بھائی۔ ایک ایک پائی چکا دوں گا۔"

"ارے تیری تو۔ بکواس کرتا ہے سالے حرامی۔" اتنی گندی گالیاں... صالحہ ڈوب مرنے کو تھی۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ کہاں چھپتی اور کہاں ہیرے جیسی بیٹی کو چھپاتی۔

"میں آج پیسہ لے کے ہی جاؤں گا۔ چاہے مکان بیچ.... چاہے اپنی عزت...."

وہ شخص لال آنکھیں لیے غرایا تھا۔ ایک ہاتھ کھینچ کے مارا۔ مراد بلبلانے لگا۔

"خدا کی قسم مکان کرائے کا ہے۔"

"کچھ بھی کر۔ مگر مجھے میری رقم آج ہی چاہیے۔" اس شخص کا ارادہ اٹل تھا۔

"اب... بندی چلے گی؟" مراد کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"کون... یہ؟" اس شخص نے آنکھ سے نحیف و نزار صالحہ کی طرف اشارہ کیا تو انداز میں حقارت تھی۔

"نہیں... میری بیٹی ہے۔ قیامت ہے قیامت۔" وہ پرجوش سا بولا تو صالحہ کے کمزور وجود میں جیسے بجلی سی بھر گئی۔ اچھل کر مراد پر جھپٹی اور ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ لیا۔

"بے غیرت... خبردار جو اپنی گندی زبان سے میری بیٹی کا نام لیا ہو تو۔"

مراد نے وہیں سب کے بیچ صالحہ کو ٹھڈوں اور تھپڑوں پر رکھ لیا۔

ایبہا چیختی ہوئی دوسرے کمرے سے نکل آئی۔ جبار بھائی نے پسندیدہ نظروں سے مکھن ملائی جیسی اس نوخیز کلی کو دیکھا تھا۔

وہ ماں کو بانہوں میں چھپا کے بیٹھ گئی۔

"چل بھئی مراد... سودا منظور ہے مجھے۔ بندی بنا کے لے جاؤں گا۔ دس لاکھ کے بدلے اسے۔"

اس کی نظریں ایبہا سے گویا چپک سی گئی تھیں۔ مرتی ہوئی صالحہ تڑپ اٹھی۔

"مم.... میں دوں گی دس لاکھ.... مجھے بس دو دن کی مہلت دے دو.... میں دس لاکھ دوں گی۔"

"ہوں..." جبار بھائی کے لیے یہ آفر بھی پرکشش تھی۔

"ٹھیک ہے... دو دن تیرے... پھر تیری اس مکھن ملائی کو اٹھا کے لے جاؤں گا میں۔"

وہ خبیث ہنسی کے ساتھ بولا۔ صالحہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے آنسو بہاتی رہی۔

مگر بہرحال وہ اسے دو دن کی مہلت دے گیا تھا۔ مراد صدیقی متحیر تھا۔

"کہاں دبا کے رکھا ہے خزانہ۔ کیا میرے پیچھے بھی دھندہ کرتی رہی ہے؟"

"میں امتیاز احمد کو بلاؤں گی۔" وہ ایک نئی ہمت کے ساتھ اٹھی۔

"امتیاز احمد کون؟" وہ بھول چکا تھا۔

صالحہ کے دل میں ٹیس اٹھی۔

"جب آئے گا تو دیکھ لینا۔ وہ پیسہ دے گا۔ مگر اس کے بعد تیرا نہ تو مجھ سے کوئی تعلق ہوگا اور نہ میری بیٹی سے۔" وہ کرختگی سے بولی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے پانچ لاکھ مجھے بھی نکلوا دے۔ پھر میری شکل بھی نہیں دیکھے گی تو۔"

وہ واقعی بے غیرت تھا' شیطان تھا۔

صالحہ نے لرزتے کپکپاتے ہاتھوں سے امتیاز احمد کا نمبر ملایا۔ جواب تک اس کے دل پر نقش ہو چکا تھا۔

"ہیلو۔" یہ امتیاز احمد کا لہجہ تھا۔ اس کے امیت جی کی آواز تھی۔ صالحہ سسکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

وہ پریشان ہو گیا۔

"کون بات کر رہا ہے' ہیلو۔"

"میں... صالحہ (بدکار)" وہ بولی تو دل کرلایا۔ دوسری طرف امتیاز کو جیسے چپ لگ گئی۔

وہ یقیناً "شاکڈ" تھا۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے امتیاز احمد۔ تم آج ابھی اسی وقت میرے گھر آجاؤ۔"

وہ رو رہی تھی' بلک رہی تھی۔

امتیاز تو ویسے ہی اس کے لیے موم تھا۔ کیوں نہ پگھلتا۔ اگلے دو گھنٹوں میں وہ اس کے مقابل تھا۔ صالحہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے پھٹ گئیں۔

"اچھا... تو پرانے عاشق کو بلایا ہے تو نے۔" مراد صدیقی ہنستا ہوا چھت سے نیچے اترا تھا۔ مگر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھے۔

"صالحہ... یہ تم ہو؟" وہ بے یقین تھا۔

وہ سونے چاندی جیسی لڑکی اور کہاں یہ بدرنگا چہرہ۔

"مجھے صالحہ مت کہو امتیاز احمد۔ صالحہ تو کب کی مر چکی۔ تم سے جدا ہوتے ہی مر گئی وہ تو۔" صالحہ بلک کے روئی تھی۔

امتیاز احمد کو بہت کچھ ان دیکھا اور ان سنا بھی سمجھ میں آگیا تھا۔

باقی صالحہ نے اسے بتا دیا۔ ہاتھ جوڑے۔

"میری بیٹی جوئے پہ لگ رہی ہے امتیاز۔ میں تو نہ بچ سکی۔ مگر اسے بچا لو۔"

"میں دوں گا چند روک کے۔" امتیاز نے مزید کچھ نہ سنا تھا۔ "تم لوگ میرے ساتھ چلو گی۔"

"ارے ایسے کیسے۔ نامحرم کے ہاتھ اپنی بیٹی سونپ دوں میں۔ یوں نہیں بھیجوں گا میں اسے۔"

مراد بہت غیرت مند باپ بن کے چیخا۔ مستقل کمائی کا ذریعہ جو ہاتھ سے نکل رہا تھا۔

"امتیاز احمد.... نکاح کر لو میری بیٹی سے۔" صالحہ کی سانسیں تنگ پڑ رہی تھیں۔

امتیاز احمد ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' وہ رو پڑا۔

"ہاں... نکاح کرکے لے جاؤں گا۔"

وہ سرگوشی میں بولا تو صالحہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ صالحہ نے تفاخرانہ نظروں سے مراد کو دیکھا۔

امتیاز احمد موبائل لیے اپنے بیٹے کو فوری طور پر پندرہ لاکھ روپیہ لے کر وہاں پہنچنے کا کہہ رہے تھے۔

اسی شام پندرہ لاکھ کی ادائیگی ہوئی۔ نکاح کی سنت ادا کی گئی اور امتیاز احمد اپنے ساتھ ابہا کو لے کر سیدھے ہوٹل میں گئے۔ دو دن اسے وہاں رکھا اور اس کا ایڈمیشن کالج میں کروا دیا۔ رہائش کے لیے گرلز ہاسٹل تھا۔

اور تب سے اب تک یہ سلسلہ جاری و ساری تھا۔ دو دن بعد ہی انہیں سانحے کی خبر مل گئی۔ ابہا کے لیے واپسی کا آخری در بھی بند ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

امتیاز احمد کی حالت پہلے سے اب کافی بہتر تھی۔ مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں معیز کے دل کو عجیب سا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

ابھی سفینہ اور زارا آنے والی تھیں اور وہ امتیاز احمد کے پاس اکیلا تھا۔

"بزنس بہت ڈاؤن جا رہا ہے۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ ویسے آرام کرنے کا یہ طریقہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہے۔"

وہ انہیں بہلا رہا تھا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں معیز۔ اب تم کاروبار سنبھال لو۔ مجھے لگتا ہے میرے مستقل آرام کے دن آگئے ہیں۔"

وہ عجیب سے لہجے میں کہتے معیز کے دل کو خدشات سے بوجھل کر گئے۔

"ہرگز نہیں۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہوں اور اپنے مسئلوں سے خود نمٹیں۔ میں یہ درد سر نہیں لینے والا۔"

معیز نے ان کا دھیان بٹانے کے لیے گویا ڈپٹ کر کہا۔

"معیز..." وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگے تو ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ معیز بھونچکا رہ گیا۔

اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے ان پر جھکا ان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ صدمے کی کیفیت میں گھر گیا تھا۔

"ابو... پلیز... اب بالکل ٹھیک ہیں آپ۔"

"معیز... میرا وجدان کہتا ہے کہ میرے پاس بہت وقت نہیں ہے۔"

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہنے لگے تھے کہ معیز جذباتی ہو کر انہیں ٹوک گیا۔

"خدا آپ کو صحت تندرستی دے ابو۔"

"مجھے کہنے دو معیز۔ میری سانسیں تنگ پڑ رہی ہیں۔ مگر ابہا کا خیال مجھے سونے نہیں دیتا۔"

وہ شدید دکھ کے حصار میں تھے۔

اپنے ہاتھ کی گرفت میں معیز نے ان کا ہاتھ لرزتا محسوس کیا۔

"میں نے وصیت میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں معیز... وکیل سے ملو گے تو وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ مگر تم سے میں ایک وعدہ چاہتا ہوں معیز۔"

ان کے لب و لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اندر داخل ہوتی سفینہ ادھر ہی ٹھٹک گئیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ ابہا در در کی ٹھوکریں نہ کھائے۔ وہ صالحہ کی نشانی ہے معیز... کیا تم میری آخری خواہش سمجھ کر اسے میرے گھر میں مقام نہیں دلاؤ گے۔"

وہ بڑی آس سے پوچھ رہے تھے۔ معیز کا دل جیسے کوئی شکنجے میں جکڑنے لگا۔ انہیں بہلانا چاہا۔

"آپ ٹھیک ہو جائیں ابو۔ پھر اس موضوع پر بات کریں گے۔"

"نہیں... معیز! وہ صالحہ کے مرنے کے بعد بالکل اکیلی ہو گئی ہے اور وہ اکیلی اس دنیا میں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرے گی' تب ہی تو صالحہ نے مجبور ہو کر اسے میرے نکاح میں دینے جیسا بے جوڑ فیصلہ کیا تھا۔ میں اس نکاح کو نبھانا چاہتا ہوں معیز۔ اگر میری زندگی میں ابہا رخصت ہو کر اس گھر میں آ جائے صالحہ کی تصویر مجھے اپنے آس پاس چلتی نظر آئے... تو شاید آخری سانسیں آسان ہو جائیں۔"

معیز گنگ سا سن رہا تھا۔

اور ادھ کھلے دروازے کے باہر کھڑی سفینہ آج برسوں کے بعد ہوا میں معلق تھیں۔

ان کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ابہا کا ذہن بالکل سن تھا۔ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا ہوئے اور نہ ہی انگریزی کی فیس جمع ہو سکی۔ وہ دو دن تڑپتی رہی۔ مگر کوئی سبیل نہ بنی۔

حنا نے اس کی مجبوری دیکھی۔ مگر وہ بے چاری خود بہت مجبور تھی۔ سو وہ منہ زبانی ہی بس ہمدردی کرتی رہی۔

امتیاز احمد کے آفس کا فون پی اے نے اٹینڈ کیا اور ان کی بیماری کی خبر سنا دی۔ موبائل ان کا آف تھا اور ان کے علاوہ... کسی اور کو جانتی نہ تھی شہر میں۔

وہ بالکل لٹی پٹی بیٹھی تھی۔

فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ گزر چکی تھی اور آج ہاسٹل میں اس کا آخری دن تھا۔

وہ رو رو کر تھک چکی تھی اور اب جبکہ ہر آس' ہر امید ختم ہو چکی تھی تو وہ شل ہوتے دماغ کے ساتھ ٹھس سی بیٹھی تھی۔

حنا نے گہری سانس بھر کے اٹھتے ہوئے ابہا کے کپڑے نکال کے بیگ میں رکھنے شروع کیے۔ اپنے کپڑے وہ پہلے ہی پیک کر چکی تھی۔

"بس... اب تم میرے ساتھ میرے گھر چل رہی ہو۔" اس نے فارغ ہو کر ابہا کے پاس بیٹھتے ہوئے اطمینان سے کہا تو وہ خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بھول جاؤ سب رشتوں کو ابہا۔ یہ سب دنیا دکھاوا ہے۔ تم دیکھنا میں کیسے اپنی دوستی نبھاتی ہوں۔"

حنا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور ہونٹوں پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی۔

اگر ابہا حواس میں ہوتی تو کم از کم حنا پر اعتبار کر کے ہاسٹل سے نہ نکلتی۔

وہ دونوں ٹیکسی سے اتر کے حنا کی شاندار سی کوٹھی کے اندر داخل ہوئیں' تو اندر سے نکلتا شخص ان دونوں کو دیکھ کے ٹھٹکا۔

"سیفی..." حنا زور سے چلائی۔

ابہا نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا۔ حنا بھاگ کے سیفی سے لپٹ گئی تھی۔ ابہا کو دفعتاً احساس ہوا کہ اس نے حنا کے ساتھ آ کر اچھا نہیں کیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھیں مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہیں۔ صالحہ مر چکی ہیں۔ ایبہا ان کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ایبہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہیں۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ایبہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ایبہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ایبہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ایبہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔ ایبہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑسی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور تائی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان

ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے ولار کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں سے مراد کا ذکر کرتی ہے۔ وہ غصہ میں صالحہ کو تھپڑ مار دیتی ہیں۔

امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ابیہا کو بلواتے ہیں مگر ابیہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کو خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ معیز احمد نے ابیہا کو صرف از خود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ قطعاً "غلط" نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔

امتیاز احمد ابیہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ابیہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے 'جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرتی ہیں۔ عموماً "یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا تھا' جسے وہ بڑی کامیابی سے جیتا کرتی تھی۔

صالحہ کی ہٹ دھرمی سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کردیتے ہیں۔ مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ امتیاز احمد 'دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کردیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔

ابیہا 'معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتی ہے۔

مراد صدیقی جواری ہوتا ہے۔ وہ صالحہ کا بھی سودا کرلیتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر پھر ایک روز جوے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے پولیس مراد کو پکڑ کرلے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرنے لگتی ہے۔ فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی ایک سہیلی کسی دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔ جو امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ صالحہ کی سہیلی اسے امتیاز احمد کا کارڈ دیتی ہے جسے صالحہ محفوظ کرلیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے جب مراد رہا ہو کر واپس آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کردیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً "آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس دوران معیز بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد 'ابیہا کو کالج میں داخلہ دلوا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کردیتے ہیں۔ صالحہ مرجاتی ہے۔

معیز احمد ابیہا کو اسپتال لے کر جاتا ہے مگر وہاں پہنچ کر عون کو آگے کردیتا ہے۔ ابیہا اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ ابیہا کا پرس ایکسیڈنٹ کے دوران کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے 'نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ امتیاز احمد دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر بحالت مجبوری حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔

— ۶ —

چھٹی قسط

"واٹ اے سرپرائز۔۔۔ آج تو بڑے بڑے لوگ ساتھ لائی ہو حنی۔۔۔"
حنا سے بے تکلفی سے ملنے کے بعد وہ اب سیاہ چادر میں لپٹی خائف سی ابیہا کو سرتاپا گہری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اور ابیہا مراد۔۔۔ جو ابھی تک ایک صدمے اور بے حسی کی کیفیت میں حنا کے ساتھ بنا سوچے پیچھے چلی آئی تھی۔ گویا حواسوں میں لوٹ آئی۔
"بڑے نہیں۔ خوب صورت کہو' بلکہ حسین۔"

حناؤں اترائی جیسے ابیہا کی خوب صورتی میں اس کا بھی ہاتھ رہا ہو۔
"تو کبھی ہمیں بھی موقع دو ان سے مل بیٹھنے کا۔"
اس کی نگاہوں میں خمار سا اترنے لگا تو ابیہا اپنی چادر کو بے اختیار اپنے گرد لپیٹتی حنا کے پیچھے ہو گئی۔ تب ہی حنا سنجیدہ ہو گئی۔
"تم کب آئے۔۔۔؟" وہ سیفی سے پوچھ رہی تھی۔
"میں گیا ہی کہاں تھا۔۔۔؟" وہ شانے اچکا کر حیرت سے بولا تو حنا بے اختیار کھنکھاری۔
"ہاں 'تمہارے تو فارن کے اتنے چکر لگتے ہیں کہ گھر باہر ایک سا بنا رکھا ہے۔" سیفی نے حنا کو ہلکا سا گھور کے دیکھا۔
"ابھی کدھر جا رہے ہو؟"
"میم سے ملنے آیا تھا۔۔۔ مگر قسمت میں تم سے ملاقات بھی لکھی تھی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
مگر ابیہا نے اس کی مسکراہٹ کا رنگ نہیں دیکھا' کیسا تھا۔ وہ تو زمین پر نظریں گاڑے حنا کی اوٹ میں کھڑی ان لمحوں کے جلد سے جلد گزرنے کی دعا مانگ رہی تھی۔
"اوکے۔۔۔ ابھی شاید تم کسی کام سے جا رہے تھے۔ پھر ملاقات ہوگی۔"
ابیہا کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ حنا کو اپنے بازو پر اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی' اسی لیے اس نے اپنے "بھائی" کو گویا جانے کی اجازت دے دی۔
"آہاں۔۔۔" اس کی بات کو سمجھتے ہوئے سیفی نے دونوں ہاتھوں سے حنا کے رخساروں کو چھوا اور پیار سے بولا۔

"اوکے۔۔۔ ابھی تو واقعی جلدی میں ہوں۔ مگر بہت جلد ملوں گا تمہیں۔"
بمشکل وہ ٹلا تھا۔ ابیہا نے کب کی دبی سانس مکمل کی۔
"پاپا بھی آگئے ہیں" حنا نے اپنے تئیں اسے خوش خبری سنائی۔ پھر ابیہا کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔
"دیکھو نا اللہ کی مرضی۔ جب تمہیں ضرورت تھی تب نہ تو سیفی یہاں تھا اور نہ ہی پاپا اور اب دونوں ہی موجود ہیں۔"
ابیہا کا دل پھر سے کٹنے لگا۔ اسے اچھی طرح احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بند گلی میں آچکی ہے۔ زندگی میں اپنی مرضی سے آگے بڑھنے کا راستہ اس پر بند ہو چکا تھا۔
"مگر۔۔۔ تمہارے بھائی تو۔۔۔ میم کہہ رہے تھے۔" اسے دھیان آیا۔
"ہاں۔۔۔ وہ ماما کو ہی میم کہہ رہا تھا۔ ایکچوئلی کبھی مام سے اتنا کلوز نہیں رہا وہ اس لیے۔"
حنا نے اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھتے ہوئے اسے بتایا۔ حنا کا گھر واقعی بہت بڑا اور شان دار تھا۔ ابیہا کی توجہ بٹنے لگی۔ قیمتی ڈیکوریشن پیسز اور پینٹنگز سے سجی دیواریں 'وال ٹو وال کارپٹ' وسیع و عریض لاؤنج میں کئی کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔
"ہماری فیملی تو بہت چھوٹی ہے مگر گھر بہت بڑا ہے۔ اسی لیے تو یہاں دل نہیں لگتا ہمارا۔" حنا نے افسردگی سے کہا۔ پھر ابیہا کو دیکھ کر قصداً "مسکرائی۔" مگر اب تم آگئی ہو تو کم از کم میرے لیے تو رونق لگ ہی جائے گی۔ میں بھی اب گھر شفٹ ہو جاؤں گی۔"
ابیہا خاموش رہی۔

www.paksociety.com

سیفی کے مطابق ماما آچکی تھیں مگر فی الحال تو وہ دکھائی نہ دے رہی تھیں۔ حنا اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ کمرہ دیکھ کے ایبہا متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ کمرہ کیا... ایک شاہی خواب گاہ تھی۔

"یہ سب چھوڑ کر تم ہاسٹل میں سڑ رہی ہو۔" ایبہا کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"بھئی۔ کیا کروں۔ میری قسمت میں تمہیں وہاں سے چرانا لکھا تھا۔" حنا ہنسنے لگی۔

"تم اپنی زندگی جیو حنا۔ تمہیں ہاسٹل میں رہنا اچھا لگتا ہے تم وہیں رہو میں تو فقط چند دنوں کے لیے... مہمان ہوں بس۔" ایبہا آزردہ تھی۔

"بھول ہے تمہاری سویٹ ہارٹ۔ اس "خواب نگر" میں جو آیا' وہ قید ہو کے رہ گیا۔ یہاں آنے کا راستہ تو بہت سیدھا سادہ سا ہے مگر واپسی میں اتنی بھول بھلیاں ہیں کہ باہر نکلنے کو راستہ نہیں ملتا۔"

حنا سنجیدہ تھی نہ... یا خدا جانے مذاق میں اتنی سنجیدہ ہو رہی تھی۔ مگر ایبہا کا دل گھبرا سا گیا۔

"کیسی بھول بھلیاں...؟"

"میرے پیار کی بھول بھلیاں..." وہ کھلکھلائی تو ایبہا کی سانسیں آسان ہوئیں۔

حنا نے پیار سے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

"میں یہی سمجھوں گی' مجھے بہن مل گئی۔ دونوں مل کے خوب موجیں کریں گے۔"

"اب اگر تمہاری ماما آگئی ہیں... تو کیا اب وہ میری مدد نہیں کر سکتیں... مطلب... میں ایگزیمز دینا چاہتی ہوں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی تو حنا نے سر جھٹکا۔

"دفع کرو یار! بلکہ تمہارے پیچھے تو میں بھی ایگزیمز میں نہیں بیٹھ رہی۔"

اس نے اس قدر اطمینان سے کہا کہ ایبہا بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"تم نے جان بوجھ کر اپنا سال ضائع کیا...؟"

"سو واٹ! مجھے ویسے بھی کون سا پڑھنے کا شوق تھا یا میں ہر سال گولڈ میڈل لے رہی تھی۔"

حنا نے لاپروائی سے کہا اور اپنے کپڑے لیے نہانے گھس گئی۔ اتنی سردی میں حنا کی ہمت کی داد دیتی وہ بستر میں گھس گئی۔ قیمتی بیڈ شیٹ سے سجا میٹرس اس قدر نرم و گداز تھا اور اس پر ڈبل پلائی کا گرم و ملائم کمبل۔

ایبہا کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

پچھلے دنوں وہ اس قدر تباہ حالوں میں رہی تھی کہ یہ آرام روح میں تازگی بھر گیا تھا۔ ہر دکھ' ہر غم بند ہوتی پلکوں تلے سوتا چلا گیا۔

تین بجے کی سوئی وہ رات آٹھ بجے بیدار ہوئی تو حنا کمرے میں ہی تھی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

"کک... کیا ٹائم ہو گیا ہے؟" اس کی آواز نیند سے بوجھل اور بھرائی ہوئی تھی۔

"زیادہ نہیں۔ بس رات کے آٹھ ہی بجے ہیں۔" حنا میگزین بند کرتی اس کے پاس آبیٹھی۔

وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔ "اتنی دیر سوئی میں..."

"اچھا ہی ہوا ہاسٹل کی نحوست اتر گئی ساری۔ اب دیکھنا یہاں بالکل گھر والے مزے ہوں گے۔" حنا مسکرائی۔ پھر اس سے کہا۔

"اب تم بھی جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ ماما کو میں نے تمہارے بارے میں بتایا ہے' وہ بھی تم سے ملنے کے لیے ایکسائیٹڈ ہیں۔" ایبہا جلدی سے بستر سے اتر کر جوتوں میں پاؤں ڈالتے ہوئے بولی۔

"تم مجھے جگا تو دیتیں حنا! تمہاری ماما کیا سوچ رہی ہوں گی۔ آتے ہی گدھے گھوڑے بیچ کے سو گئی۔"

"جتنا سونا تھا سو لیا میری جان۔ اس گھر میں نیندیں ہماری غلام نہیں ہیں یہاں کے دن رات کی گھڑی ماما کی سوئیوں پر چلتی ہے۔"

حنا کا انداز نہ سمجھ میں آنے والا اور بڑا معنی خیز تھا۔ ایبہا نے اسے گھورا۔

"مطلب کہ جب تک ماما گھر میں رہتی ہیں' ہر کام ان کے ٹائم ٹیبل کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔"

"تو اچھی بات ہے نا ماؤں کی یہی تو عادت ہوتی ہے۔"

ایبہا کے لب و لہجے سے حسرت سی جھلکنے لگی۔ حنا نے جلدی سے اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔

"اچھا اب جلدی سے فریش ہو کے آؤ۔ میں تمہارے اچھے سے کپڑے نکال کے رکھتی ہوں۔ ماما پر اچھا امپریشن پڑے گا۔"

حنا اس کا بیگ کھنگالنے لگی تو ایبہا اتنی اچھی دوست ملنے پر خدا کا شکر ادا کرتی واش روم میں گھس گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ حنا کے ساتھ بڑی نروس سی لاؤنج میں آئی۔ جہاں اس کی ماما فل اسکرین پلازما ٹی وی لگائے صوفے میں دھنسی بیٹھی تھیں۔

وہ ایبہا سے بہت گرم جوشی سے ملیں۔ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس ماڈرن سی خاتون۔ ایبہا کو حنا کے بتائے ہوئے خاکے سے بہت مختلف لگیں اور حنا سے بھی۔

حنا کی ان سے ذرا بھی مشابہت نہ تھی۔ وہ بہت حسین اور طرح دار خاتون تھیں۔ جبکہ حنا کو حسن نکھارنے کے لیے پارلر جانا پڑتا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کا حال احوال پوچھا۔ حنا یقیناً" اس کے تمام حالات انہیں بتا چکی تھی تب ہی انہوں نے پیار بھرے رعب سے اسے باور کرایا کہ اب وہ اسی گھر میں رہے گی اور ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔

"اچھا ہے تمہارے باپ کو بھی پتا چلے تمہاری قدر و قیمت کا۔ دنیا میں ہاتھ تھامنے اور سہارا دینے والوں کی کمی نہیں ہے۔"

وہ ممتاز احمد کے متعلق کہہ رہی تھیں۔ لمحہ بھر کو ایبہا کا جی چاہا کہ وہ انہیں اپنے نکاح اور امتیاز احمد کے ساتھ جڑے اپنے رشتے کے متعلق بتا دے مگر پھر کسی مناسب وقت کا سوچ کر اس نے اس خیال کو ذہن کے پچھلے خانے میں دھکیل دیا۔

"بڑی بدتمیز ہو تم حنا! اتنی اچھی ماما ہیں تمہاری۔ تم تو ان سے یوں متنفر ہو کر ہاسٹل بھاگیں جیسے پتا نہیں کتنی ظالم سوتیلی ماں سے پالا پڑ گیا ہو۔"

ڈائننگ ٹیبل پر صرف وہی دونوں تھیں۔ جب ایبہا نے موقع پا کر حنا کو لتاڑا۔

"مائنڈ یو۔ میں ماما سے نہیں ان کی بے جا مصروفیت اور اس گھر کی تنہائی سے بھاگی تھی۔" وہ تصحیح کرتے ہوئے بولی۔ پھر بات بدل ڈالی۔

"اب تم بتاؤ۔ تم نے کیا سوچا ہے آگے کے بارے میں؟"

"میں چاہتی ہوں میں پرائیویٹ امتحان دے لوں۔" ہاتھ روک کے وہ پر امید نظروں سے حنا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ تو حنا نے چند ثانیوں تک اسے دیکھا پھر خفیف سے شانے اچکا کر چمچ سے چاول مکس کرتے ہوئے بولی۔

"اس کے لیے تو ماما سے پرمیشن لینی پڑے گی۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" ایبہا نے تحیر سے پوچھا۔

"مطلب یہ میری جان کہ بینک بیلنس ماما کا ہے۔ سارا بجٹ وہی چلاتی ہیں۔ میری تو فکس پاکٹ منی ہے۔" حنا نے گویا ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

"میں انہیں واپس لوٹا دوں گی۔ آئی پرامس کہیں جاب کرلوں گی۔"

ایبہا جانتی تھی اس کے لیے فقط یہی ایک امید باقی ہے جب تک امتیاز احمد سے رابطہ ہو پاتا تب تک تو۔۔۔۔ شاید پرائیویٹ امتحان دینے کا چانس بھی گزر جاتا۔

"میں جانتی ہوں بیا۔ لیکن یقین کرو اس گھر میں داخل ہونے کے بعد صرف ماما کا آرڈر چلتا ہے۔ تم ان سے بات کرلو۔ اگر وہ اجازت دیتی ہیں تو پھر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔"

حنا نے خود کو اس معاملے سے یکسر الگ کرلیا تھا۔ ایبہا ذرا سی کھٹکی اور یہ اس کی نظروں ہی کا احساس تھا کہ حنا سنجیدگی سے بولی۔

"یہ دنیا کھیل تماشا ہے میری جان! یہاں جو دکھائی دیتا ہے' وہ جھوٹ اور جو نہیں دکھائی دیتا وہی سچ ہے۔"

"مگر آنٹی تو اتنی سافٹ سی ہیں اور پھر۔۔۔ میری تھوڑی سی ہیلپ کرنے میں انہیں کیا پرابلم ہوسکتی ہے؟"

ایبہا کو لگا تھا جیسے حنا جھوٹ بول رہی ہے وہ خود اس کی مدد نہیں کرنا چاہتی اور نام اپنی ماما کا لگا رہی ہے۔

"یہ تو جب تم ان سے بات کرو گی تب تمہیں پتا چلے گا۔ ان کے اپنے بڑے تحفظات ہیں۔"

حنا نے اسی سنجیدگی سے بات لپیٹ دی تھی۔ ایبہا کی طبیعت مکدر ہوگئی' وہ بنا کچھ کہے گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ مگر یہ تو طے تھا کہ اب ماما سے اسے خود ہی بات کرنا تھی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ کے وجود پر سے دھڑ دھڑ کرتی ٹرین گزر رہی تھی اور وہ اتنی ہی تکلیف محسوس کررہی تھیں جتنی کہ ٹرین سے کٹتا وجود محسوس کرسکتا ہے۔

وہ سفینہ تھیں۔ امتیاز احمد سے ہلکا سا شکوہ ہو جانے پر ہی گھر کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیتی تھیں' یہ قیامت خیز باتیں سن کر تو واقعی قیامت کا سا طوفان اٹھا دیتیں مگر لگ بھگ ایک گھنٹے میں امتیاز احمد کی طبیعت بگڑنے لگی۔

"ایبہا کو لے آؤ معیز۔۔۔" سب سب ہی کچھ بھولے تھے۔ سفینہ اس وقت صرف ان کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھیں جب پسینہ نچڑتے سپید پڑتے چہرے کے ساتھ امتیاز احمد نے معیز کا ہاتھ تھام کر کہا۔ تو معیز رک سا گیا۔ وہ ان کی حالت دیکھتے ہوئے جھکا اور باپ کے ہاتھ کو چوم لیا۔

"آپ ٹھیک ہو جائیں ابو پھر۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" انہوں نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔ سفینہ کے آنسو آنکھوں ہی میں ٹھٹھر گئے تھے۔ انہوں نے بے بسی سے سفینہ کو دیکھا۔

"میں جانتی ہوں امتیاز! سب سن لیا تھا میں نے۔" انہوں نے سرد و سپاٹ انداز میں محض ایک جملہ کہا تھا اور معیز سن ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر ماں کا چہرہ دیکھنے کی ہمت خود میں۔۔۔ مفقود پائی تھی۔

امتیاز احمد کی حالت بگڑنے لگی تھی اور ان کی آخری فرمائش۔

"ایبہا کو لے آؤ معیز۔۔۔"

ڈاکٹر نے فوری طور پر امتیاز احمد کو آئی سی یو میں شفٹ کرادیا۔ معیز نے اپنی تمام تر ہمت ان کے ساتھ رخصت ہوتی محسوس کی تھی۔

وہ سب آئی سی یو کے سامنے ساکت و جامد تھے۔ سب کی سانسوں کی ڈوریاں اندر مشینوں میں جکڑے' ڈاکٹرز کے نرغے میں بے سدھ پڑے امتیاز احمد کی الجھتی اٹکتی سانسوں سے بندھی تھیں۔

معیز اپنی ہمت ٹوٹتی محسوس کررہا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے دل ہی دل میں باپ کی زندگی کے لیے محو مناجات تھا' ایسے میں سفینہ کا سوال۔

"تم نے ایسے کیسے کیا معیز۔۔۔ اپنی ماں کو کیسے دھوکا دیا؟ میرے مقابلے میں صالحہ کو جتوا دیا؟"

روہانسا کرلاتا۔۔۔ شکوہ کناں لہجہ۔

یہ اس کی ماں کا تھا۔ وہ ماں جس سے وہ بہت پیار کرتا تھا۔ معیز کو اپنا آپ چور سا لگا۔

مگر وہ اس پل میں اپنے باپ کو بری الذمہ قرار دینا چاہتا تھا۔ اس نے بینچ پہ بیٹھی ماما کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

وہ بالکل سرد تھے۔

"وہ بہت مشکل وقت تھا ماما! آپ نہیں جانتیں' وہ ہماری دنیا سے الگ ہی کوئی لوگ تھے۔ بہت گھٹیا اور نیچ۔۔۔ میں مانتا ہوں۔ ابو کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر وہ بہت مجبور ہو گئے تھے۔۔۔۔"

وہ ضبط کی حدوں پر تھا۔۔۔ سفینہ نے بالکل غیر متوقع طور پر اس کے ہاتھ جھٹکے اور سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"وہ تو صالحہ کے معاملے میں سدا کا مجبور تھا۔ مگر تم۔۔۔ تم تو میرے بیٹے تھے معیز! تم نے بھی اپنے باپ کا ساتھ دیا۔ وہ عورت ساری عمر امتیاز کے حواس پر سوار رہی اور اب اس کی بیٹی کو بیاہ لایا ہے وہ۔"

وہ پھٹ پڑی تھیں۔ اتنی اونچی آواز میں کہ کچھ نہ جاننے والے ایزد اور زارا بھی گھبرا کر ان کے پاس چلے آئے۔ مگر معیز کی تمام تر توجہ ماں کی طرف تھی۔

"ماما پلیز۔۔۔ میری آپ سے ریکویسٹ ہے۔ اس وقت کوئی گلہ' کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ وہ آئی سی یو میں ہیں ان کی حالت لحظہ بہ لحظہ بگڑ رہی ہے۔ انہیں صرف ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

معیز نے عاجزی سے کہا تو خود پر ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔ زارا ہاتھوں میں منہ چھپا کر رودی۔

سفینہ نے لب بھینچ لیے۔ اسی وقت زارا کے سسرال والے آگئے تو معیز کے ساتھ ان کی توجہ بھی بٹ گئی۔

اور پھر وہ رات شاید قیامت کی رات تھی۔

آئی سی یو کا دروازہ کھلا تو ان لوگوں پر گویا زندگی کا دروازہ بند ہو گیا۔

"آئم سوری۔۔۔ ہی از نو مور۔"

ڈاکٹر نے معیز کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بوجھل لہجے میں کہا تو وہ ڈھے سا گیا۔

زارا اور سفینہ کی چیخیں پورے کوریڈور میں گونجنے لگیں۔ ایزد لپک کر اس کے شانے سے آلگا تو خود پر قابو کھو کر ایزد کے شانے میں منہ چھپائے وہ بھی رو دیا۔

☼ ☼ ☼

ایبہا نے مسلسل امتیاز احمد کے نمبر پر کالز کیں مگر ان کا فون بند مل رہا تھا۔ ایبہا کی جان ٹوٹنے لگی۔

"اور اگر یہ رابطہ منقطع ہو گیا تو۔۔۔؟"

"تم کیوں بے کار کی کوشش کر رہی ہو ہیا! اپنے گھر والوں کو جانتی تو ہو تم۔ انہوں نے تو شاید تمہاری گمشدگی پر شکر کیا ہے۔"

حنا نادانستگی میں اس کے زخم کرید رہی تھی۔

"میں وارڈن سے کہہ کے آئی تھی کہ اگر کوئی میرا پوچھنے آئے تو وہ اسے۔۔۔"

"کوئی کیوں ڈھونڈنے آئے گا اللہ کی بندی۔۔۔؟ تمہارا سیل فون نمبر سب کے پاس ہو گا۔ اگر کسی نے ابھی تک رابطہ کرنا ہوتا تو کال آجاتی۔"

حنا نے تیز لہجے میں کہا تو وہ چپ سی ہو گئی۔

"تم ایک چکر گھر کا کیوں نہیں لگا لیتیں۔"

حنا نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا تو ایہا گڑبڑا گئی۔

"وہ۔۔۔ میں تو کبھی اکیلی گئی نہیں۔۔۔ مجھے تو ٹھیک سے ایڈریس بھی بتانا نہیں آتا۔"

حنا بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔

"مائی گڈنیس۔۔۔" وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے ایہا کو دیکھ رہی تھی۔ "تمہیں اپنے گھر کا ایڈریس نہیں معلوم۔۔۔؟"

ایہا کو زوروں کا رونا آیا۔ جسے روکنے کی کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک سی گئیں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اسے واقعی امتیاز احمد کے گھر کا ایڈریس نہیں معلوم تھا۔ صرف ان کے کانٹیکٹ نمبرز پاس تھے۔ جواب بیکار ہی لگ رہے تھے۔

"یعنی۔۔۔ یعنی کہ تم اب گم ہو چکی ہو۔"

باوجود سنجیدہ بلکہ رنجیدہ صورت حال کے حنا کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" وہ اپنے بیڈ پہ لوٹ پوٹ ہو گئی۔ "یہ تو جوک آف دی منتھ ہے۔"

ایہا جو ایک غیر متوقع دکھ بھری صورت حال کا اچانک ادراک کر کے ششدر سی بیٹھی تھی۔ حنا کی بات سن کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

یک لخت اندر خوف سا بھر گیا۔

تو کیا بھرے میلے میں وہ امتیاز احمد کا ہاتھ چھوڑنے جیسی سنگین غلطی کر بیٹھی تھی؟

ہاں یقیناً" وہ کھو گئی تھی۔

حنا اسے ایک دم یوں خود پر سے قابو کھوتے دیکھ کر فوراً" اٹھ کر اس کے پاس آئی۔ وہ پشیمان تھی۔

"سوری۔ آئم رئیلی سوری ہیا۔ میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہی۔ بس اس سچویشن کا سوچ کر۔۔۔ سوری یار۔"

وہ اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیے چپ کروا رہی تھی۔

"میں اب کیا کروں گی حنا! میں واقعی کھو گئی ہوں۔ میرے گھر والے مجھے کہاں ڈھونڈیں گے۔" وہ روتے ہوئے بے بسی سے بولی۔

"ڈونٹ وری یار۔ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ میڈیا اتنا اسٹرونگ ہو گیا ہے کہ سالوں پہلے کے بچھڑے ہوئے ٹی وی شوز میں مل جاتے ہیں۔ ایک تمہارے گھر والے نہ ملیں گے؟"

حنا نے اسے تسلی دی۔ مگر اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

وہ کسی کی منکوحہ تھی۔۔۔ اس کی گمشدگی اس کے لیے عذاب بننے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

وقت کبھی ٹھہرا نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوا کرتا تو لوگ اپنی مرضی سے خوشیوں کے پل ٹھہرائے ہی رکھتے۔

ابھی کل کی بات لگتی تھی کہ امتیاز احمد ان سے بچھڑے اور آج چالیسواں بھی ہو چکا تھا۔

تھکا تھکا سا معیز سفینہ کے کمرے میں چلا آیا۔ وہاں ایزد اور زارا موجود تھے۔ بلکہ زارا تو اب سفینہ کے پاس ہی سوتی تھی۔

وہ سب ہی دکھ سے نڈھال تھے۔ مگر سفینہ۔۔۔ وہ روئیں ضرور لیکن ان کے وجود پر ایک محسوس کن سی سرد مہری لپٹی ہوئی تھی جو کسی اور نے تو نہ سہی مگر معیز نے بڑی اچھی طرح محسوس کی تھی۔

وہ ان کے بستر پر ان کے پیروں کی جانب آبیٹھا۔ ان چالیس دنوں میں ماں نے ضرورت کی بات کے علاوہ معیز کو مخاطب نہ کیا تھا۔

"کل وکیل صاحب آنا چاہ رہے ہیں۔ وصیت کے سلسلے میں۔"

معیز نے دانستہ ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بھائی پلیز۔۔۔ ابھی رہنے دیں سب کچھ۔ ان سب باتوں سے تو ابو کے جانے کا دکھ زیادہ ستاتا ہے۔" زارا رونے لگی تو ماحول ایک دم سے بھیگ گیا۔

"صبر کرو زارا! نہ تو وقت رکا کرتا ہے اور نہ ہی دنیا کے کام۔"

سفینہ نے سپاٹ سے انداز میں کہا تو معیز کو دکھ کا شدید احساس گھیرنے لگا۔ پھر وہ معیز سے کہنے لگیں۔

"وصیت پڑھنا ضروری تو نہیں۔ میرے سامنے ہی سب طے ہوا تھا۔"

معیز کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ اسی وقت سے وہ گھبراتا تھا اور یہ وقت آکر ہی رہا۔

"ابو نے وصیت میں کچھ تبدیلی کروائی تھی۔ اور ویسے بھی وکیل کا جو فرض ہے وہ تو اسے ادا کرنا ہی ہے۔"

وہ نظر جھکا کر آہستگی سے بولا تو سفینہ بے اختیار سیدھی ہو کر بیٹھیں۔

"کیا۔۔۔ کیا تبدیلی کی تھی انہوں نے؟" ان کا لہجہ تیز تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔۔۔" معیز نے سچ بولا۔

"جھوٹ مت بولو۔ باپ کی طرح تمہیں بھی باتیں چھپانے کی عادت ہو گئی ہے۔" وہ پھنکاریں تو معیز کے ساتھ ایزد اور زارا بھی ششدر سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ریلیکس ماما۔۔۔" زارا نے بے ساختہ انہیں شانوں سے تھاما۔

مگر وہ معیز کو گھور رہی تھیں۔

"ہر کام میں تم ان کے "رائٹ ہینڈ" بنے رہے ہو اور اب تمہیں نہیں پتا۔"

"آئی سویر ماما! مجھے تو بس اسپتال میں انہوں نے مختصراً" وصیت کی تبدیلی کا بتایا تھا اور بس۔ وہاں تفصیل پوچھنے کا وقت ہی کہاں تھا۔"

معیز نے اپنی صفائی پیش کی۔

"بس۔۔۔ چھوڑ گیا ہو گا اپنی اس ہوتی سوتی کے نام جائیداد۔۔۔" وہ سنگ کر بولیں۔ تو معیز ضبط کی کوشش میں ناکام ہو کر سرخ چہرہ لیے انہیں ٹوک گیا۔

"ماما پلیز۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اب ان کی صرف اچھی باتوں کو یاد کریں۔"

"اچھی باتیں۔" وہ تنفر سے بولیں۔ "خود سوچ لو تم۔ میرے ساتھ اندر سے وہ اتنے اچھے تھے کہ صالحہ نہ سہی اس کی بیٹی کو میرے سر پہ بٹھا گئے۔"

ایزد نے معیز کی طرف نا سمجھنے والے انداز میں دیکھا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کی طبیعت فی الحال ٹھیک نہیں۔ آپ کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔ پھر بات کریں گے۔"

وہ مزید وہاں رک کر ماحول کو اور خراب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ جو معیز کے سامنے بڑی پتھریلی بیٹھی تھیں رونے لگیں۔

"ماما پلیز۔ مت روئیں نا۔ آپ کی طبیعت مزید خراب ہوگی۔"

زارا ان سے لپٹ گئی۔

"یہ سب کیا ہے ماما...... بھائی سے اتنی کیوں ناراض ہیں آپ؟ اور کس کے لیے وصیت میں تبدیلی کی تھی ابو نے؟؟"

ایزد بچہ نہیں تھا کہ بدلتے ماحول اور رویوں سے انجان رہتا اور سفینہ کون سا چھپانا چاہتی تھیں۔ پھٹ پڑیں۔

"دوسرا نکاح کر رکھا تھا تمہارے باپ نے۔ جانتے ہو کس سے؟ اسی صالحہ کی بیٹی سے۔ جو کبھی تمہارے باپ کی منگیتر تھی اور یہ تمہارا بھائی...... یہ باپ کے سب کرتوتوں میں برابر کا شریک تھا۔"

سفینہ کی باتیں اس قدر دھماکہ خیز اور غیر یقینی تھیں کہ وہ دونوں ششدر بیٹھے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

وکیل صاحب گیارہ بجے تک آپہنچے تو مجبوراً سفینہ کو لاؤنج میں آنا ہی پڑا۔

سیاہ لباس میں سر کو دوپٹے سے ڈھانپے وہ چہرہ چھپائے ہوئے تھیں۔ وہ ایزد کی اوٹ میں صوفے پر بیٹھیں۔

ساری جائیداد انہوں نے اپنی اولاد اور بیوی کے نام ہی کی تھی۔ البتہ ایک اکاؤنٹ کی پچاس لاکھ کی رقم اور ماہانہ دس ہزار خرچہ انہوں نے ابیہا مراد کے لیے وصیت کیا تھا اور اس گھر کا تین چوتھائی حصہ بھی۔

جب وکیل اس بارے میں تفصیل بتا رہا تھا تو نفرت سے سفینہ کا بگڑتا چہرہ معیز سے چھپا ہوا نہ تھا۔

"ابیہا مراد کہاں ہیں؟ اصولاً تو ان کی موجودگی میں یہ وصیت پڑھی جانی چاہیے تھی۔ میں نے آپ سے کہا بھی تھا۔" وکیل معیز سے استفسار کر رہا تھا۔

"جی...." وہ چونکا۔ پھر گڑبڑا کر بولا۔ "جی.... وہ ابھی رابطہ نہیں ہے ان سے۔"

"حق دار تک اس کا حق پہنچانا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ مرنے والا تو اپنا فرض ادا کر گیا۔ اس سارے لین دین کا گناہ و ثواب اب آپ لوگوں پر ہے۔"

وکیل وصیت نامہ معیز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے خاکی لفافہ بھی معیز کے حوالے کیا جو سربمہر تھا۔

"یہ خط آپ کے لیے ہے۔ آپ کے والد صاحب کی طرف سے۔"

معیز کا ہاتھ لرزا۔ وہ نا کھولے بھی اس خط میں لکھے وعدوں اور قسموں کو پڑھ سکتا تھا۔

وہ وکیل کو ڈراپ کرنے چلا گیا۔

"دیکھ لی تم لوگوں نے اپنے باپ کی وصیت۔" سفینہ زہر زہر ہو رہی تھیں۔

"ریلیکس ماما! اب تو وہ سب ختم ہو گیا۔ ابو زندہ ہوتے تو کوئی شکوہ بھی تھا۔ یہ داستان تو ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔" ایزد نے انہیں دلاسا دیا۔

خود ان لوگوں کو بھی امتیاز احمد کی اس حرکت کا یقین نہیں آیا تھا۔ مگر وصیت کے بعد تو ساری بات کھل کر سامنے آچکی تھی۔

"داستان تو اب شروع ہو رہی ہے میرے بھولے بچے۔" سفینہ چیخیں۔

"وہ ناگن تو مر گئی مگر اپنا سنپولیا چھوڑ گئی مجھے ڈسنے کو۔ سنا نہیں تم نے؟ تمہارے باپ نے پچاس لاکھ روپیہ چھوڑا ہے اس کے لیے اور معیز کو پابند کیا ہے کہ وہ اس لڑکی کو اس گھر میں لے کر آئے گا اور وہ یہیں رہے گی ہمارے ساتھ۔"

وہ نفرت سے نیلی پڑنے لگیں۔

"اللہ جانے وہ کہاں مر کھپ گئی ہے ماما! اس کا صرف ابو سے رابطہ تھا اب وہ بھی ختم ہوا۔ آپ سمجھیں کہانی ختم ہی ہو گئی۔"

زارا بھی مطمئن ہی تھی۔ مگر سفینہ کو کسی طور چین نہ پڑتا تھا۔

"وہ تمہارے باپ کی مطلقہ ہوتی تو میں بھی چین کی بنسی بجاتی۔ مگر وہ ناگن ان کی بیوہ ہے اور جائیداد میں حصہ دار بھی۔"

سفینہ نے انہیں باور کرایا۔

ایزد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"اور معیز کو تو میں اس گناہ میں شریک ہونے پر کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔ جیتے جی میرے لیے جہنم خریدنے میں میرا بیٹا بھی شامل تھا۔ یہ سوچ مجھے سونے نہیں دیتی۔ کیسے نیچا دکھایا ہے ان باپ بیٹے نے مجھے۔"

وہ نا چاہتے ہوئے بھی شکست خوردہ سی رو دیں تو دروازے تک آیا معیز احمد دکھ کے شدید حصار میں گھرا وہیں سے لوٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

اس ڈیڑھ ماہ میں ابیہا کی ساری خوش فہمیاں دم توڑ چکی تھیں۔

حنا کی بظاہر بہت نرم دل اور اعلا دکھائی دینے والی ماما اس کی پڑھائی کا سن کر اکھڑ ہی گئیں۔

"دیکھو ابیہا۔ یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ تم یہاں سے نکلیں تو یوں شکار ہو گی جیسے معصوم چڑیا کسی ظالم شکرے کا شکار ہوتی ہے۔ شکر کرو کہ حنا تمہیں یہاں لے آئی مگر اس سے آگے میں تمہیں کوئی فیور نہیں دے سکتی۔ بلکہ تمہیں تو کسی آفس میں جاب کرنے کا سوچنا چاہیے اب۔ تاکہ اپنا خرچا خود اٹھا سکو۔"

انہوں نے چند جملوں میں اس کا منہ بند کرا دیا تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی ظالم ثابت ہو سکتی ہیں۔ دولت کی ریل پیل ہونے کے باوجود وہ اس کی چند ہزار کی مدد کرنے سے لاچار تھیں۔

وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔ حنا نے اس کی اتری ہوئی صورت اور سرخ آنکھیں دیکھیں ضرور مگر پوچھا کچھ نہیں۔ وہ تو پہلے ہی سے سب کچھ جانتی تھی۔

"مجھے بھلا کہاں جاب مل سکتی ہے ڈگری کے بغیر...." وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"حسن ڈگریوں کا محتاج نہیں ہوتا ڈارلنگ....." حنا نے عجیب سی بات کی۔

"مگر پیسے کا محتاج ضرور ہوتا ہے۔ بلکہ پیسے پیسے کا۔" وہ تلخ ہونے لگی۔

بعض اوقات ہما (خوش قسمتی کا پرندہ) لوگوں کے سر پہ بیٹھ چکا ہوتا ہے مگر انہیں اس کا علم نہیں ہو پاتا۔ ابیہا کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔

وہ پچاس لاکھ کی مالکن بن چکی تھی مگر یہاں کوڑی کوڑی کو ترس رہی تھی۔ اس کا مستقبل داؤ پہ لگ چکا تھا اور "حال" کا حال بہت خراب تھا۔

اب تو اسے یہاں مفت کا کھاتے بھی شرم آنے لگی تھی۔

"تو پھر کوئی نوکری ڈھونڈ لو۔"

حنا کا مشورہ لاپرواہانہ تھا۔ وہ اب پرانی حنا نہ تھی جو بڑی دل سوزی سے اسے یہاں لے کے آئی تھی۔ اب تو وہ اسے چھوڑ کر سارا سارا دن نئی سنوری جانے کہاں کی سیریں کرتی رہتی اور ابیہا کا سارا دن رو رو کر گزرتا۔ اپنی ماں شدت سے یاد آتی اور امتیاز احمد۔۔۔ جو اسے نکاح کے بندھن میں باندھ کر بہت سے وعدوں اور ارادوں کے ساتھ یہاں لائے تھے۔۔۔ مگر اب مگر اب وہ کہیں نہ تھے۔

وہ روزانہ باقاعدگی سے فون چارج کرتی اور سارا دن امتیاز احمد کو کال ملاتی رہتی مگر ادھر سے مسلسل فون بند آرہا تھا۔

اور پھر ایک دن ابیہا نے وہ موبائل فون بھی کھو دیا۔ جو اس کی آخری امید تھا۔

وہ پاگلوں کی طرح ڈھونڈتی پھری۔

حنا شرمندہ تھی۔

"مل جائے گا یار! صفائی کے دوران اِدھر اُدھر ہو گیا ہوگا۔ تم میرا موبائل لے لو۔ تمہارے فون سے بھی اچھا ہے۔"

اس نے موبائل ابیہا کو تھما دیا۔

وہ پھپھک کر رو دی۔

"اس میں میرے کانٹیکٹ نمبرز تھے حنا! مجھے تو زبانی کوئی بھی نمبر یاد نہیں۔"

حنا بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور اب صحیح معنوں میں ابیہا کو احساس ہوا تھا کہ بے یار و مددگار ہونا کسے کہا جاتا ہے۔ ایک جو مدھم سی آس تھی کہ کبھی نہ کبھی امتیاز احمد سے رابطہ ہو ہی جائے گا وہ بھی ختم ہو گئی۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج بڑے عرصے کے بعد وہ عون کے بے حد اصرار پر اس کے ریسٹورنٹ میں آیا تھا۔

"کیا یار۔۔۔ تم تو عید کا چاند ہی ہو گئے ہو۔" عون نے شکوہ کیا۔ وہ بذات خود اپنے اور معیز کے لیے چائے لے کر آیا تھا۔ یہ اس کی محبت کا خاص انداز تھا۔

"وبس یار! زندگی نے کس بل نکال دیے سارے۔ کہاں تو زندگی کا مزہ چکھ رہا تھا اور اب وہی زندگی مزہ چکھانے پہ تل گئی ہے۔"

وہ آزردہ تھا۔ عون کو وہ بے حد کمزور اور تھکا ہوا لگا۔ آنکھیں سوجن زدہ اور سرخی مائل۔ جیسے نیند کی کمی کا شکار ہوں۔

"کم آن معیز۔ مشیت ایزدی میں راضی رہو گے تو صبر کرنے کے لیے کوشش نہیں کرنا پڑے گی۔ خود بخود ہی صبر و سکون آتا جائے گا۔"

عون نے اسے سنبھالا دیا۔ مگر وہ اس پر آئی قیامتوں سے واقف ہی کہاں تھا۔

"ہوں۔۔۔" معیز نے مبہم انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے پانی کا گلاس منہ سے لگا کر دو تین گھونٹ بھرے۔

"یونیورسٹی آؤ گے۔۔۔؟" عون اس کا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا۔

"چند۔۔۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرایا "اب تو وہ سارے کھیل تماشے ختم ہو گئے۔ زندگی نے میرے باپ کی سیٹ پہ لا بٹھایا ہے مجھے۔"

عون چپ رہ گیا۔ پھر اس کی ہمت بندھانے والے انداز میں بولا۔

"اچھی بات ہے۔ ایزد تو اس لائن میں ہے نہیں۔ مگر تم تو کافی عرصے سے انکل کے ساتھ تھے۔ امید ہے ان شاء اللہ اچھے طریقے سے سب سنبھال لو گے۔"

"ہاں۔۔۔" اس نے گہری سانس بھری۔ شاید وہ خود بھی اس اداسی اور خود ترسی کے ماحول سے نکلنا چاہتا تھا۔ تب ہی بات بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اسٹاف تو اچھا ہے۔ کوآپریٹو بھی ہے۔ امید تو یہی ہے کہ کوئی بہتری ہی ہوگی۔"

"آنٹی کیسی ہیں اب۔۔۔؟"

عون نے سفینہ کے بارے میں پوچھا تو معیز کے چہرے پر دکھ کا تاثر بکھر گیا۔

"بہتر ہیں اب۔" اسے ماں کی سرد مہری اور خود سے لاتعلقی ٹوٹ کر یاد آئی تھی۔ مگر وہ کچھ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

عون نے نظر بھر کے اپنے عزیز دوست کو دیکھا۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک وہ محض دو ہی دوست تھے۔ کسی تیسرے کی انہیں کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔ اگر عون محبت میں توحید کا قائل تھا تو معیز احمد نے بھی دوستی نبھانے میں کبھی کمی نہ کی تھی۔

"آفس کیسے جا رہے ہو؟"

عون کو اس کی خاموشی سے وحشت ہونے لگی تو گھبرا کر پھر سے بات شروع کر دی۔ تو وہ چونکا۔

"ابھی تو بہت ڈسٹرب ہوں۔"

وہ تھکے تھکے سے انداز میں گویا ہوا۔

"ابو جاتے ہوئے مجھ پر اتنی ذمہ داریاں ڈال گئے ہیں سوچتا ہوں روز قیامت پتا نہیں میں سرخرو ہو پاؤں گا کہ نہیں۔"

"صدق دل سے نبھاؤ گے تو ضرور سرخرو ہو گے معیز۔" عون نے تیقن سے کہا۔

معیز نے ایک ٹک اسے دیکھا۔

"اور اگر کچھ ایسا میں نہ کر پاؤں جس کا وہ مجھ سے وعدہ لے چکے ہیں تو۔۔۔؟"

"تو سنا ہے کہ مرنے والے کی روح کو چین نہیں آتا۔" عون نے کہا۔

ایکدم ہی وہ ٹیبل پر کہنیاں ٹکاتا آگے کی طرف جھکا۔

"اس روز اس لڑکی کو تو نے کہاں ڈراپ کیا تھا؟"

معیز نے بہ عجلت پوچھا تو عون گڑبڑا گیا۔

"خدا کو مانو۔ کون سی لڑکی کو؟"

"وہی۔ جس کا میری گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

"وہ تو۔۔۔ گرلز ہاسٹل میں رہتی تھی شاید۔ وہیں ڈراپ کیا تھا۔ خیریت؟ وہ کہاں سے یاد آگئی تمہیں۔" ایڈریس بتا کر عون نے حیرت سے اسے دیکھا۔

معیز نے اپنا موبائل جیب میں ڈالا اور ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

"کدھر۔۔۔؟"

"اس لڑکی کا پرس میری گاڑی میں ہی گر گیا تھا۔ اچھی خاصی اماؤنٹ تھی اس میں۔ ابو والے سانحے کی وجہ سے اتنے دن گزر گئے میں لوٹا نہیں سکا۔ ابھی یاد آیا تو سوچا' یہ کام بھی کر ہی ڈالوں۔"

وہ بڑی تفصیل سے بتاتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ عون سر ہلا کر رہ گیا۔

معیز تیزی سے آکر گاڑی میں بیٹھا اور اسٹارٹ کرکے گاڑی پارکنگ سے نکالنے لگا۔

پرس والی بات ایک دم سے اس کے دماغ میں آگئی تھی جو بطور بہانہ اس نے عون کو مطمئن کرنے کے لیے کردی۔ اسے یاد آیا اس روز جب ایبہا کا فون آیا تو وہ اپنے پرس کی گمشدگی ہی کا ذکر کررہی تھی۔

اور اب معیز احمد کچھ بار اپنے کندھوں سے اتارنا چاہتا تھا۔ امتیاز احمد نے ایبہا مراد کا جیب خرچ لگایا ہوا تھا۔

وہ اسے بہر طور ہر حال میں ملنا چاہیے تھا۔

اسے دھیان آیا۔۔۔ اس لڑکی کو ابو اپنی ذمہ داری بنا کے لائے تھے' اس کے نان نفقے کی ذمہ داری قبول کی تھی اور اب جبکہ وہ فوت ہوگئے تھے تو کیا ان کی قبر کی منزل آسان کرنے کے لیے معیز کو یہ ذمہ داری پوری نہیں کرنی چاہیے تھی؟

وہ صالحہ سے نفرت کرتا تھا۔ کیونکہ سفینہ نے تمام عمر اس کے ان دیکھے وجود سے نفرت کی تھی۔ اسے ایبہا مراد سے بھی نفرت تھی۔ کیونکہ وہ صالحہ کی بیٹی تھی۔ وہ صالحہ جو نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ اس کی ماں اور باپ کے درمیان موجود رہی۔

مگر اب بات شرعی نقطہ نظر سے سوچنے کی تھی۔

شریعت کی رو سے وہ پابند تھا کہ اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرتا اور سب سے کرواتا۔ حق داروں کو ان کا حق دیتا۔ اسی لیے جو سب سے پہلے اس حق کی (اس کی نظر میں) مستحق تھی' وہ اس کے پاس جارہا تھا۔

اسے باپ کا آخری خط ازبر ہوچکا تھا۔ وہ خط جو صرف معیز کے لیے تھا اور معیز ہی نے پڑھا تھا۔ اس نے دانتوں پر دانت جماتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ تیز کی۔

چند لمحوں کے بعد وہ عون کے بتائے ایڈریس کے مطابق گرلز ہاسٹل کے سامنے موجود تھا اور کچھ ہی دیر سے وارڈن کے سامنے۔

"آپ کس سلسلے میں ایبہا مراد سے ملنا چاہتے ہیں؟" وارڈن نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔

"میں۔۔۔ کزن ہوں اس کا۔ دوسرے شہر سے آیا ہوں۔" معیز نے اسے ٹہلایا۔

"ہوں۔۔۔" وارڈن نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"مگر وہ تو دو ماہ ہوئے یہاں سے جاچکی۔" معیز بے اختیار کرسی کی ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"میرے خیال میں آپ کا اس سے کوئی زیادہ قریب کا رشتہ نہیں ہے ورنہ وہ اس قدر بدحالی کا شکار نہ ہوتی۔ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کا پرس گم ہوگیا جس میں اس کی ہاسٹل اور کالج کی فیس تھی۔ نتیجتاً" نہ تو وہ ایگزام دے سکی اور نہ ہی ہاسٹل میں رہ سکتی تھی۔ برے حالوں میں نکلنا پڑا اسے۔"

"مگر کہاں گئی وہ۔۔۔ جاتے وقت کوئی ایڈریس وغیرہ نہیں دے کر گئی۔" معیز جو ساکت سا سن رہا تھا' سے بولا۔

"نہیں۔ بس اتنا پتا ہے کہ اس کی روم میٹ حنا اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" وارڈن اب بے زار ہونے لگی تھی۔

معیز کے پھر سے کچھ پوچھنے کے لیے کھلتے لب دیکھ کر وہ تیزی سے بولی۔

"باقی اب تم اس کے کالج سے پتا کرسکتے ہو۔ ہوسکتا ہے وہ پرائیویٹ امتحان دے رہی ہو۔ البتہ اتنا تمہیں بتادوں کہ اس کی روم میٹ کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ کم از کم میری نظر میں۔"

معیز بے اختیار اسے دیکھنے لگا۔

"اس کے گھر والوں کا قصور ہے۔ اس کے یہاں ایڈمیشن کے بعد سب گویا اسے بھول ہی گئے تھے۔ خدا کرے نیک ہاتھوں میں ہو وہ۔"

وارڈن نے تاسف سے کہا تو وہ کرسی گھسیٹتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کالج کا نام بتاسکتی ہیں آپ۔ جہاں ایبہا مراد پڑھتی تھی۔" معیز نے آخری سوال پوچھا۔

کالج کا نام سن کر وہ چونکا۔

وارڈن کے کمرے سے نکل کر باہر گاڑی تک پہنچتے اسے یاد آچکا تھا کہ یہ وہی کالج تھا جہاں رباب احسن پڑھتی تھی۔

"فائنل ایر... اور رباب کے بھی انگیجڈ ہورہے ہیں... شاید وہ ایبہا مراد کو جانتی ہو۔" معیز کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔

اس نے گاڑی کا رخ رباب کے گھر جانے والی سڑک کی طرف موڑ دیا۔

وہ اس سلسلے میں خود کو سرخرو کرنے کے لیے اپنی سی کوشش کرنا چاہتا تھا... باقی جو اللہ کو منظور۔

☼ ☼ ☼
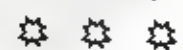
وہ نیٹ آن کیے اسکائپ پر اپنی بیسٹ فرینڈ سنبل سے گپیں لگا رہی تھی۔

بڑا ہاٹ ٹاپک زیر گفتگو تھا۔

"اچھا... شکل سے تو اتنا امیر نہیں لگتا تھا اور گاڑی اس کی نئی تھی مگر ہزاروں والی چلا رہے ہیں۔" سنبل نے مذاق اڑایا۔

"کاش تم اس دن ساتھ ہوتیں پھر دیکھتیں۔ تین برانڈ نیو گاڑیاں اس کے وسیع و عریض پورچ میں کھڑی تھیں۔ اس کی شکل پہ مت جاؤ۔ وہ صرف شکل ہی سے غریب لگتا ہے۔" رباب ہنسی۔

"کم آن رباب۔ اب اور کتنا کھینچوگی اس معاملے کو۔ ٹاسک پورا ہوگیا اب دفع کرو۔ کہیں وہ سیریس ہی نہ ہو جائے تمہارے لیے۔"

سنبل نے اسے ڈرایا۔ یہ واحد بندہ تھا جس کے ساتھ ٹاسک پورا ہونے کے بعد بھی رباب نے دوستی ختم نہ کی تھی۔

"وہ بھی تو انگیجڈ ہورہے ہیں۔ فون ملاقات بالکل بند ہے۔ ڈونٹ وری۔" رباب نے اسے تسلی دی۔

"مجھے لگ رہا ہے تم اس کے متعلق سیریس ہو۔" سنبل نے اسے گھور کے دیکھا تو وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ پھر آہ بھر کے بولی۔

"بس تھوڑی سی گڑبڑ کی وجہ سے مجھے میرا آئیڈیل ملتے ملتے رہ گیا۔"

"وہ کیا گڑبڑ ہے؟" سنبل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ میرا آئیڈیل گھر سیفی کے پاس ہے اور شکل و صورت معیز احمد کے پاس۔"

وہ حسرت سے اس طرح بولی کہ اس کے ساتھ ساتھ بات کے اختتام پر سنبل بھی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

"ایک ہی حل ہے۔ دونوں کے ساتھ کچھ عرصے کے لیے شادی کرسکتی ہو تم۔"

ان ذہنی بیمار لڑکیوں کی گفتگو کیسے میں یونہی اخلاق سے عاری ہوتی تھی۔ بظاہر انہیں دیکھ کر کوئی اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ وہ اس طرح کی لچر گفتگو بھی کرسکتی ہیں۔

"بے نا زیادتی۔ مردوں کو تو اکٹھی چار کی اجازت دی ہے اللہ نے۔ عورتوں کے پاس دل نہیں ہوتا کیا۔" رباب نے منہ بنایا۔

بہت سی باتیں جو "ایسے ہی" مذاق میں کہہ دی جاتی ہیں۔ مگر ایسی باتوں کی پکڑ بھی "ایسے ہی" ہو جایا کرتی ہے۔

"اچھا بس کرو۔ کسی مفتی ملا نے سن لیا تو گردن اتروا دے گا تمہاری۔" سنبل ہنسی۔

"بہر حال۔ تھینکس ٹو گاڈ۔ اگر وہ لڑکے نہ بناتا تو ہم تو بہت بور ہوتیں یار۔" رباب نے قہقہہ لگا کر کہا۔

رباب اس معاملے میں اب خاصی پکی ہو چکی تھی۔ کسی کو ہاتھ تک نہ پکڑنے دیتی مگر ایسے گھماؤ اور چکر دیتی کہ لڑکے اس کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے اور چند دنوں کے بعد رباب نامی تتلی پھر سے اڑ جاتی۔

"یہ تو ہے۔" سنبل نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ سب رباب کی طرح مختلف لڑکوں کو پھنسا کر ان کے جذبات سے کھیلنے کی عادی تو نہ تھیں مگر ان سب ہی نے ایک ایک بوائے فرینڈ ضرور بنا رکھا تھا۔ جو ان کی ذہنی آزادی اور پراگندگی کا ثبوت تھا۔ اسی وقت رباب کا موبائل بجنے لگا۔

اس نے اسکرین پر نظر ڈالی۔ پھر موبائل اٹھاتے ہوئے سنبل کو آنکھ مار کر بولی۔

"معیز کی کال ہے... اوکے۔ پھر بات کریں گے۔"

"اوکے... بیسٹ آف لک۔"

رباب کال اٹینڈ کرتی کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ کر اپنے بیڈ کی طرف آگئی۔

"ہیلو معیز۔ کیسے ہو؟" اس کا لہجہ پرجوش تھا۔ وہ معیز کو دل سے پسند کرتی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ محض ایک "سہیلی" جیسا تھا۔ دوست نہیں۔ سہیلی۔ نہ تو وہ اس کے لب و رخسار کی تعریف کرتا تھا اور نہ اس کے حسن و خوب صورتی پر مرتا تھا۔ "تجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔"

وہ اکثر معیز کے لیے گنگناتی یا شاید خود کو باور کراتی رہتی تھی۔

"ابھی... مجھے انتظار تو کرتے۔ میں تیار ہی ہو جاتی۔" وہ ٹھنکی۔

"کہیں جانا نہیں ہے۔ تمہارے لان ہی میں ٹہل لیں گے بس۔" وہ اپنے آنے کا بتا کر فون بند کر چکا تھا۔

رباب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسے جلد سے جلد شعلہ بننے کا طریقہ بہت اچھی طرح آتا تھا۔ اگلے چند منٹوں میں وہ بلیک ٹراؤزر اور پنک ٹاپ پہنے... تیار تھی۔ اسٹائلش سا پنک ٹاپ اس کی رنگت کو جگمگا رہا تھا اور کچھ نہ دکھائی دینے والی میک اپ کا کمال۔ اس نے ملازم کو ہدایت کردی۔

"معیز آئے تو اسے اوپر ٹیرس پہ بھیج دینا اور ساتھ ہی دو کافی لے آنا۔" وہ خود ٹیرس پر آگئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد اس نے معیز کی گاڑی کو اندر آتے دیکھا تو اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ گاڑی سے اتر کر اب بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ملازمہ اس کے پاس کھڑی یقیناً "رباب ہی کا پیغام اسے دے رہی تھی۔ معیز نے ٹیرس کی طرف دیکھا تو رباب نے ہاتھ ہلا دیا۔

وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

رباب کا دل انوکھی سی ترنگ میں دھڑکنے لگا۔ آج گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ما سوائے رباب کے۔ کیا آج بھی وہ دل کی بات نہ کہے گا؟ رباب کے ہونٹوں پر جیت لینے والی مسکراہٹ تھی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا۔

"ہیلو....!" رباب کا انداز بہت دلبرانہ تھا۔ معیز مسکرا دیا۔

"کیسی ہو....؟"

"یہ تو آج تم بتاؤ گے۔" وہ اس کے پاس آکر اس کے سینے پہ انگشت شہادت کھبو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"بیٹھتے ہیں۔" معیز نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا تو رباب گہری سانس بھر کے اس کے پیچھے آئی۔

"آج کتنے دنوں بلکہ مہینوں کے بعد آئے ہو۔" رباب کا شکوہ بجا تھا۔

امتیاز احمد کی وفات اور بعد میں آتے جاتے معیز سے سامنا تو ہوا۔ مگر یوں روبرو آج ملاقات ہو رہی تھی۔

"تم جانتی تو ہو سب۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا، جیسا پرسکون تھا۔ مگر یہی سکون رباب کے اندر تلاطم پیدا کر رہا تھا۔

اسے اب تک واسطہ پڑنے والے مردوں کی ستائشی اور ترسی ہوئی نظریں یاد آنے لگیں۔

"انکل آنٹی کہاں ہیں؟" معیز کی نظریں اس کے چہرے پر بھٹکیں۔

"ملنے والوں میں فنکشن تھا۔ وہیں گئے ہیں۔ رات تک واپسی ہوگی۔"

رباب نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی نظروں میں اس کی نظروں کو جکڑ رکھا تھا۔

ملازمہ کافی کے دو مگ رکھ گئی۔ معیز اسے کافی رکھتے دیکھنے لگا۔ مگر رباب کی نگاہ ابھی بھی معیز پر تھی۔

"میں نے تمہیں اتنا یاد کیا۔"

"تم مجھے روزانہ سونے سے پہلے کال کرتی ہو۔" معیز نے اسے یاد دلایا۔

"مگر وہ ملنا تو نہیں۔ ملنا تو کچھ اور ہوتا ہے۔" وہ بے اختیار بولی تو معیز چونکا۔ مگر یہ فقط ثانیے بھر کی بات تھی۔ پھر وہ مسکرا دیا۔

"چلو آج مل بھی لیے اب خوش؟"

"ہوں...." وہ منہ بنا کر بولی اور اثبات میں سر ہلایا۔

"پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟" معیز نے پوچھا۔

"اچھے...."

"بس اچھے؟"

"ہاں۔ اچھے ہی ہوتے ہیں تب ہی تو ہر بار پوزیشن آتی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

اور واقعی غیر نصابی سرگرمیاں اس کی چاہے کتنی بھی "غیر اخلاقی" تھیں مگر پڑھائی کے معاملے میں وہ بہت اچھی تھی اور کچھ پوزیشن لے کر سب کی نظروں میں رہنے کا شوق بلکہ جنون۔

"ہوں.... اور تمہاری فرینڈز کے؟" معیز بات سے بات نکال رہا تھا۔ رباب نے کافی کا مگ اسے تھمایا۔

"تھینک یو...."

"وہ بس ایوریج ہی ہیں۔ اچھے نمبرز لے کر پاس ہو جاتی ہیں۔"

رباب نے ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے اپنی مخصوص لاپروائی سے کہا۔

معیز کافی کے گھونٹ بھرتا کچھ سوچنے لگا۔

رباب نے کافی کے مگ سے اٹھتے دھوئیں کے پار اس کا خوب صورت مردانہ چہرہ دیکھا۔

اس کی سوچتی آنکھیں دل میں کھب رہی تھیں۔ اس کا مضبوط مردانہ سراپا اور مخصوص کلون کی دلکش خوشبو ہر بار ہی رباب پر عجیب سا اثر کرتی تھی۔ وہ بے خودی سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم کسی ایہام مراد کو جانتی ہو؟" ایک دم ہی اسے لگا اس کی سماعتوں نے کچھ غلط سنا ہو۔ وہ بڑے زوروں سے

چونکی۔

"ہوں۔ کیا پوچھ رہے تھے تم؟"

"ایہام مراد۔ تمہارے ہی کالج میں پڑھتی تھی۔ فائنل ایئر تھا اس کا بھی۔" وہ رباب کو دیکھ رہا تھا۔

"تم اسے کیسے جانتے ہو؟" رباب کا دل عجیب سے وہم سے دھڑکا۔

"اہم بات یہ ہے کہ تم اسے جانتی ہو۔ کالج آ رہی ہے وہ؟" معیز نے اضطرابی انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ بلکہ وہ تو ایگزیمز دے ہی نہیں رہی۔ میرا اسی کے ساتھ کمپی ٹیشن ہوا کرتا تھا۔ اس بار تو کوئی مقابل ہے ہی نہیں۔"

رباب نادانستگی میں ایہام کی ذہانت کا اعتراف کر گئی تھی۔ پھر جیسے مزہ لیتے ہوئے مسکرائی۔

"غریب گھرانے سے تھی بے چاری۔ ایگزیمز کی فیس جمع کرانے کے لیے بھی پیسے نہیں تھے اس کے پاس۔ آخری دن کالج میں روتی پھر رہی تھی۔"

معیز کے دماغ میں سنسناہٹ سی دوڑ اٹھی۔

"تو تم اس کی ہیلپ کر دیتیں۔" وہ بے اختیار بولا۔

"آئی ہیٹ ہر۔" رباب نے حقارت سے کہا۔

"کس بات کی نفرت؟" وہ حیرت سے بولا۔

"جو بھی میرے مقابل آئے میں اسے مخالف سمجھ کر ہی مقابلہ کرتی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"دوست سمجھ کر بھی مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔" معیز نے نصیحت کی۔

"دوستوں کے ساتھ مقابلے نہیں ہوا کرتے۔ صرف دوستی ہوتی ہے۔ اسے کس نے کہا تھا کہ اتنے بہترین کالج میں ایڈمیشن لے۔ اس کی دوست تو شاید اس کے لیے چندہ مانگنے بھی آئی تھی ہمارے پاس.... خوب مذاق بنا اس کا۔" وہ اب بھی مذاق اڑا رہی تھی۔ پھر دفعتاً "ٹھٹکی اور معیز کو ہلکا سا گھورا۔

"مگر تم کیسے جانتے ہو اسے؟"

معیز اپنا ہوم ورک راستے ہی میں مکمل کر کے آیا تھا۔

"میرا فرینڈ ہے عون۔ اس کی دور پار کی کزن تھی۔ اس نے ذکر کیا تو مجھے یاد آیا کہ تم بھی اسی کالج میں پڑھتی ہو۔"

"تھینک گاڈ! اس سے جان چھوٹی۔ تین سال سے ہر کلاس ٹیسٹ اور ایگزیمز میں جی جان سے میرا مقابلہ کر رہی تھی۔ دیکھنے میں کچھ نہیں تھی مگر تھی بہت انٹیلی جینٹ۔"

رباب بھی اس سے نفرت کرتی کبھی حسد اور کبھی رشک۔ معیز کو ڈھلکتی سیاہ چادر میں سے جھلکتا روپ یاد آیا۔ جب وہ زارا کے نکاح میں شریک ہونے آئی تھی۔

"لاحول پڑھا...." اس نے سر جھٹکا۔

"کافی تو ختم ہو گئی۔ اب لانگ ڈرائیو پہ چلتے ہیں۔" رباب نے ایہام مراد نامی بورنگ موضوع کو بند کرتے ہوئے دلربائی سے مسکرا کر کہا تو وہ نرمی سے انکار کرتے ہوئے بولا۔

"آئم سوری رباب۔ ابھی تو صرف تم سے چھوٹی سی ملاقات کرنے آ گیا تھا۔ بٹ آئی پرامس یو۔ جلد ہی پروگرام بناتے ہیں کوئی۔"

رباب کو اس کا انکار اچھا نہیں لگا۔ بلکہ اسے تو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ کوئی رباب نامی قیامت کو انکار کر سکتا ہے۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے محض وہاں کافی ہی پینے آیا ہو۔ اس نے رباب کے چھلکتے حسن پر ایک بھی نگاہ غلط انداز نہ ڈالی تھی۔ جانے وہ کس دھیان میں تھا۔

اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک وہ وہیں بیٹھی اندر ہی اندر سلگتی رہی۔

☆ ☆ ☆

عون نے والد محترم کی سامنے بے شرمی اور ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ وہ سب کے بیچ ثانیہ سے معذرت کرنے کو تیار ہے۔ مگر شرط یہ تھی کہ اس کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر ثانیہ کی رخصتی کی تاریخ فائنل کی جائے اور وہ تو پہلے بھی یہی چاہتے تھے۔

اور عون نے یہ شوشا چھوڑا بھی تب تھا جب کہ ثانیہ اپنی بڑی خالہ (عون کی بڑی پھپھو) کے ساتھ ان کے گھر ہی آئی ہوئی تھی۔

عون کی چھوٹی بہن عبیر نے فوراً ”جاکے یہ خوش خبری ثانیہ کے کان میں پھونکی تو وہ بدک اٹھی۔

”صبح سب کے سامنے بھائی آپ سے معافی مانگ لیں گے اور پھر شادیانے بجیں گے بھابی جان۔“ عبیر بہت خوش تھی۔

اسے ثانیہ بہت اچھی لگی تھی اور دونوں میں اس سے دوستی بھی ہو گئی تھی۔

اب ثانیہ کا بس نہ چلتا تھا' دو چار لگا کے سب کے درمیان قہقہے لگاتے عون عباس کو ٹھیک کر دے۔ مگر بہرحال اس کا دماغ درست کرنا بھی ضروری تھا۔ تبھی محفل چلی۔ ثانیہ تو جلد ہی اٹھ کر اپنے اور عبیر کے کمرے میں آگئی۔ عبیر بھی سو چکی تھی۔ اس کا صبح ضروری ٹیسٹ تھا۔

مگر ثانیہ کروٹوں پر کروٹیں بدل رہی تھی۔

اسے یاد آیا۔ کیسے عون نے اس سے شادی سے انکار کیا تھا۔ جس رشتہ دار کے ہاتھ اس نے پیغام بھیجا اس نے نہ صرف ثانیہ کے گھر بلکہ پورے خاندان میں عون کے انکار کے الفاظ کو نشر کیا تھا۔

ثانیہ کے ددھیال والے تو یوں بھی اس بچپن کے رشتے کے خلاف تھے سب نے طعنوں تشنوں کی بارش کر دی۔ اس کی فیملی کو کیا کیا باتیں نہ سننا پڑی تھیں۔

”اور اب تم اتنی آسانی سے اپنے من کی مراد پانا چاہتے ہو۔ ہنہ ' کبھی نہیں۔ پہلے تم نے انکار کیا تھا اب میں کروں گی۔“

وہ سلگ رہی تھی۔ شدید غصے اور بے بسی سے آنکھیں بار بار بھر آتیں۔

پھر کچھ فیصلہ کر کے وہ اٹھی۔ رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ وہ دوپٹہ شانوں پہ ڈالتی کمرے سے نکلی تو ٹی وی لاؤنج میں خاموشی تھی۔ اس نے دیکھا' سب ہی سونے کے لیے جا چکے تھے۔

کچن میں جا کر پانی پینے کے بعد اس نے ہمت پکڑی اور دھڑکتے دل کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتی عون کے کمرے کی طرف بڑھی۔

چند سیکنڈ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے جیسے اپنی ہمت مجتمع کی اور پھر دروازے کی ناب گھما کر جلدی سے اندر داخل ہوئی۔

ادھر سے عون بھی شاید باہر ہی نکلنے لگا تھا دونوں کا تصادم شدید تھا۔ ثانیہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ بھی زمین بوس ہو گیا تھا۔

خوشبوؤں سے بھری لچکیلی ڈال تھی جو اس پر لد گئی تھی۔ اس کا دل عون کے سینے میں دھڑک رہا تھا۔ ثانیہ کے تو حواس ہی اڑ گئے۔

”چور چور...“ وہ شرارت سے دھیمے لہجے میں بولا تو ثانیہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پرے ہٹی۔

وہ جان بوجھ کر کراہتا ہوا اٹھا۔ ثانیہ جو خجالت اور شرم کے مارے لال بھبھوکا کھڑی تھی اس کی اداکاری پر طیش میں آگئی۔ مگر پیشتر اس کے کہ کچھ کہتی' باہر سے ماموں جان کی آواز آئی۔

وہ عون کے کمرے ہی میں آ رہے تھے شاید۔ عون نے نیچے گری فائل اٹھائی اور جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک دبا دیا۔

”یہ... کیا کر رہے ہو؟“ مارے صدمے کے ثانیہ کی آواز بند ہونے لگی۔

”شش...“ عون نے ہونٹوں پہ انگلی رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچا تو ثانیہ کی تمام تر بہادری اڑن چھو ہو گئی۔ وہ بے یقینی اور صدمے کی کیفیت میں کھڑی عون کو دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

حنا پچھلے ایک ہفتے سے غائب تھی۔ آج ماما نے ایبہا کو بھی طلب کر لیا۔

”کیا سوچا ہے پھر تم نے؟“ ایبہا نے ان کے خشک انداز پر اپنی ہمت ٹوٹتی محسوس کی تھی۔

”جی وہ... آنٹی! کوئی جاب نہیں ملی مجھے...“ وہ دونوں ہاتھوں کو باہم مسلتے ہوئے شرمندگی سے ڈوب مرنے کو تھی۔

”دیکھو۔ بہت ہوا۔ یہ کوئی آشرم یا دارالامان نہیں ہے... ہزار خرچے ہیں تمہارے۔ مفت خوری سے اب مزید وقت نہیں گزار سکتیں تم۔“ ان کا انداز ان دو ڈھائی ماہ میں بالکل بدل چکا تھا۔

شروع میں تو وہ بالکل محبت سے پیش آتیں۔ پھر آہستہ آہستہ ان کا رویہ بدلنے لگا اور وہ اسے گھر سے نکلنے اور جاب کرنے کا کہنے لگیں۔ اب حنا کسی شادی میں شرکت کا کہہ کر گئی تو ایک ہفتہ ہوا واپس نہ آئی تھی۔ ایبہا نے خود کو مزید تنہا محسوس کیا۔ حالانکہ حنا نے بھی ماسوائے اسے یہاں لانے کے آگے اس کا کوئی ساتھ نہ دیا تھا۔

ایبہا ان لوگوں کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ حنا خود ہزاروں اڑاتی۔ مگر ایبہا کو وہ ایک روپیہ بھی نہ چھونے دیتی۔ اور اب ماما کا بگڑتا رویہ...

”میں نے سیفی سے بات کر لی ہے۔ اس کے آفس میں ایک پوسٹ خالی ہے۔ تم وہاں جاب کرو گی۔“ ماما کا لہجہ قطعی تھا۔

ایبہا کو لگا اس کی سماعتوں پر بجلی گر گئی ہو۔

”اور اگر تمہارا جواب انکار میں ہے تو اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور کسی یتیم خانے میں شفٹ ہو جاؤ۔“ وہ سفاکی سے بولیں۔

ایبہا کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ اگلے ماہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہے۔ صالحہ مر چکی ہے۔ ایبہا اس کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ایبہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہے۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ایبہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ایبہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ایبہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ایبہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔ ایبہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑسی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور تائی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں

سے مراد کا ذکر کرتی ہے۔ وہ غصے میں صالحہ کو تھپڑ مار دیتی ہیں۔

امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ابیہا کو بلواتے ہیں مگر ابیہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کو خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ معیز نے ابیہا کو صرف از خود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ قطعاً "غلط" نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد 'ابیہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ابیہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے 'جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے "ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرتی ہیں۔ عموماً "یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا ہے 'جسے وہ بڑی کامیابی سے جیت لیا کرتی ہے۔

صالحہ کی ہٹ دھرمی سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کر دیتے ہیں۔ مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ امتیاز احمد 'دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔

ابیہا 'معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتی ہے۔

مراد صدیقی جواری ہوتا ہے۔ وہ صالحہ کا بھی سودا کر لیتا ہے۔ صالحہ اپنی بچی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر پھر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے پولیس مراد کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرنے لگتی ہے۔ فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی ایک سہیلی کسی دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔ جو امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ صالحہ کی سہیلی اسے امتیاز احمد کا کارڈ دیتی ہے جسے صالحہ محفوظ کر لیتی۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے جب مراد رہا ہو کر واپس آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس دوران معیز بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد 'ابیہا کو کالج میں داخلہ دلوا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ صالحہ مر جاتی ہے۔

معیز احمد 'ابیہا کا اسپتال لے کر جاتا ہے مگر وہاں پہنچ کر عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ابیہا اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ ابیہا کا پرس ایکسیڈنٹ کے دوران گم ہو جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کر پاتی ہے 'نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ امتیاز احمد دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر بحالت مجبوری حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں 'زور زبردستی کر کے ابیہا کو اپنے راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا روتی پیٹتی ہے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

امتیاز احمد 'معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آؤ۔ وہ متذبذب ہو جاتا ہے۔ سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد انتقال کر جاتے ہیں۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ روپے 'گھر میں حصہ اور دس ہزار ماہانہ کر جاتے ہیں۔ جس سے سفینہ اور ناراض ہو جاتی ہیں۔ معیز 'ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے 'مگر وہ اسے نہیں مل پاتی۔ ابیہا کا موبائل بھی حنا کے گھر میں گم ہو جاتا ہے۔ معیز باتوں باتوں میں رباب سے اس کے بارے میں پوچھتا ہے 'وہ اس کی رہائش سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے 'مگر حسد میں غیر ارادی طور پر اس کی تعریف کر جاتی ہے۔

عون خاندان والوں کے بیچ ثانیہ سے معافی مانگنے کا اعلان کرتا ہے۔ ثانیہ سخت جز بز ہوتی ہے۔

ساتویں قسط

ابیہا کا رونا اس کے بعد ہسٹریائی انداز میں چیختا چلانا اور چلاتے ہی جانا۔

اس سب پر حواس باختہ تو "اپنے" ہوتے ہیں۔ ماما تو کھاگ شکاری تھیں 'بیٹھی سگریٹ کے کش لگاتی رہیں۔ رو رو کے اس نے آنکھیں سجالیں۔ چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا۔ وہ پار لرنہ گئی تو ماما نے گھر میں پارلر والی بلوالی۔ پانچ گھنٹوں کی محنت کے بعد اس کا فیشل ہو گیا۔ بالوں کی کٹنگ بھی کیو رسیڈی کیور ہوا تو ساتھ ہی زندگی میں پہلی بار اس کی بھنووں کو دھاگے نے چھوا۔ اب تو صورت حال یہ تھی کہ وہ ذرا بھی آواز نکالتی تو ماما غرا اٹھتیں۔

اور ابیہا تو اپنے خوب صورت بالوں کو زمین پہ بکھرا دیکھ کر ہی گونگی ہو گئی تھی۔

درحقیقت اس میں اب مزید احتجاج کی ہمت بھی نہ رہی تھی۔ جو کچھ انہوں نے کرنا تھا وہ تو ہو کر ہی رہا۔

"اب بتائیں میم۔" بیوٹیشن فاتحانہ انداز میں اسے ماما کے سامنے کرتے ہوئے پوچھنے لگی جیسے وہ اسی کی "پروڈکشن" ہو۔

ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ویری گڈ۔"

وہ سب یقیناً "ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے۔

"احسان مانو میرا۔ پرانی شکل لے کر باہر جاتیں تو کوئی بھیک بھی نہ دیتا۔" ماما نے اسے قد آدم دیوار گیر شیشے کے سامنے دھکیلتے ہوئے حقارت سے کہا۔

وہ خود ترسی کا شکار 'خوف زدہ سی آئینے میں نظر آتے اجنبی سے عکس کو دیکھ کر منہ پہ ہاتھ رکھ کے بمشکل چیخ روک پائی۔

"یہ جلوہ اور قاتل ادائیں لے کے کسی سیٹ پہ بیٹھو گی تو دیکھنا کیسے تمہارے قدموں میں نوٹوں کے ڈھیر لگتے ہیں۔" ماما کی آواز پگھلے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں اتر رہی تھی۔

"پلیز۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ پلیز مجھے جانے دیں یہاں سے۔" وہ دفعتاً "ان کے آگے ہاتھ جوڑتی بلک اٹھی۔

"ہنہ" انہوں نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔ "کہاں جاؤ گی؟ یہاں سے باہر جاتے ہی شکار ہو جاؤ گی۔ کوئی سونگھ کے 'مسل کے کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک دے گا۔ پھر ہاتھ جوڑنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔" وہ بولتی نہیں زہر اگلتی تھیں۔

ابیہا کے قریب آئیں تو وہ سہم سی گئی۔ گدی سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر انہوں نے اس کا چہرہ اپنے قریب کیا۔

"میرے لیے کام کرو گی تو تمہاری مرضی کے بغیر تمہاری عزت نہیں نچوں گی۔ مگر اپنی مسکراہٹ اور ادائیں ضرور بیچنی پڑیں گی تمہیں۔" وہ اس کے کان میں کہہ رہی تھیں۔ عجیب سرسراتا ہوا سا لہجہ۔

ابیہا کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔ گھگھی بندھ گئی۔

"پلیز۔ پلیز۔" انہوں نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا تو تکلیف کی شدت سے ابیہا کی چیخ نکل گئی۔

"بس۔ اس کے آگے ایک بھی پلیز نہیں۔ دو ہی آپشن ہیں تمہارے پاس۔ یا تو اداؤں کا سودا کرلو یا پھر آج رات ہی پارٹی بلوا کے تمہارا سودا کرتی ہوں۔" وہ بے حد سفاک تھیں اور جابر بھی۔

ابیہا کی ساری ہمت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ اب زندگی کس کے زیر نگیں گزرنے والی تھی۔ اس کی وارڈروب میں نت نئے ڈریسز آگئے۔ اسے پبلک ڈیلنگ کے اسرار و رموز ماما نے سکھائے۔ جنہیں سن کر وہ گھبرا گئی۔ مگر یہ بہرحال طے تھا کہ وہ اس دلدل میں اترنے والی تھی۔

اسی شام حنا بھی لوٹ آئی۔ بہت فریش 'اڑتی پھرتی تتلی کی طرح۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلائی تو

آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی ایمہا چونک کر دیکھنے لگی۔

حنا نے اس کا یکسر بدلا حلیہ دیکھ کر سیٹی بجائی تو وہ بجلی کی سی تیزی سے بستر سے اتر کر اس کی طرف آئی۔

"حنا... حنا... مجھے بچالو پلیز۔ مجھے یہاں سے جانا ہے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔" اسے جیسے امید کی آخری کرن دکھائی دے گئی۔ وہ اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ اسے یقین تھا وہ ضرور اسے اس دلدل میں دھنسنے سے بچالے گی۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اور آواز میں التجا بلکہ رحم کی بھیک تھی۔ حنا نے لحہ بھر کو آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھری۔ پھر اسے دیکھ کر تلخی سے بولی۔

"انسان بھی نا بہت ناشکرا ہے۔ جتنا ملتا جائے اتنا ہی حریص ہوتا جاتا ہے۔ یہ مل گیا تو وہ کیوں نہ ملا۔ یہ ملا تو وہ ملتا تو اچھا تھا۔"

اس کے طنز و تلخی سے بھرپور انداز پر ایمہا پھپک کر رو دی۔

"میں نے تو کبھی کچھ نہیں مانگا۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کے حرص نہیں کی۔ مجھے بس اس گندگی سے بچالو حنا!"

"بچا کے ہی تو لائی ہوں یہاں۔ ورنہ تم ہو کون؟" حنا نے گہرے طنز سے کہتے ہوئے اسے گھورا۔

"اماں ابا تک تو جانتی نہیں ہو اپنا۔ گھر والے ہاسٹل میں ڈال کے بھولے ہوئے تھے۔ ابھی بھی میں ساتھ نہ لاتی تو لوٹ کا مال سمجھ کے کوئی لے گیا ہوتا تمہیں۔" حنا کی زبان کے جوہر اس پر اب کھلے تھے۔

"تم نے بھی تو وہی کیا ہے۔ اگر کوئی غیر کرتا تو اتنا گہرا دکھ نہ پہنچتا مجھے۔ تم تو میری بہت اچھی دوست ہو حنا!" ایمہا دکھ کی انتہا پر تھی۔

"دیکھو۔ فی زمانہ سب غرض کے رشتے ہیں۔ یہ دوستی وغیرہ اب صرف قصے کہانیوں میں ہے اور دوسری بات یہ کہ میں تمہیں اغوا کر کے یا زبردستی یہاں لے کر نہیں آئی۔" حنا نے نخوت سے کہا۔

"مگر میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی حنا!" وہ بہت خوف زدہ لگ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں اول روز ہی باور کرا دیا تھا کہ اس گھر میں آوی آنا تو اپنی مرضی سے ہے مگر جانے کی پرمیشن صرف اور صرف میم ہی دے سکتی ہیں۔" یہ حنا کی بہادری تھی۔ وہ اس کے سامنے اب ماما کو میم کہہ رہی تھی۔

"میں یہ سب نہیں کر سکتی حنا! تم جانتی ہو مجھے۔" وہ گھگھیا کر بولی۔ وہ معافی کی ہر حد تک جا سکتی تھی۔ اگر حنا اسے میم کے چنگل سے نجات دلا دیتی۔

"صرف پہلا قدم اٹھاتے خوف آتا ہے پھر تو فل انجوائے منٹ ہے۔ تم نے دیکھا نہیں چھوٹا بچہ بھی صرف پہلا قدم اٹھانے سے ہی ڈرتا ہے۔ اس کے بعد بخوشی دوڑتا ہے۔ تم بھی یہ کڑوا گھونٹ پی لو۔ اس کے بعد سارے میٹھے گھونٹ بھی تمہارے ہی ہیں۔"

وہ بے حد اطمینان سے اسے مشورہ دے رہی تھی۔ پھر اسے گویا اس کی خوش قسمتی کا احساس دلاتے ہوئے بولی۔

"اور تم تو لکی ہو کہ صرف آفس سیکریٹری بن کے ادائیں دکھانے کی جاب ملی ہے۔ مجھے جب میری سوتیلی ماں میم کے پاس "جاب" کے لیے چھوڑ کے گئی تھی تو میری انا اور خودداری کو آتے ہی میم نے اپنے ڈرائیور کے آگے ڈال دیا... سوچ سکتی ہو تم؟ جب تک میرے اندر سے سیلف ریسپیکٹ ختم نہیں ہو گئی۔ مجھے اس بھوکے کتے کے سامنے ہڈی کی طرح ڈالے رکھا۔" وہ چیونگم کا ریپر اتارتے ہوئے بہت سکون سے اپنی آپ بیتی سنا رہی تھی۔

ایمہا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"اور اب... اب میں تمہارے سامنے ہوں۔ ایک پالش شدہ نئی نکور حنا۔ وہ ڈرائیور بھی ہاتھ باندھے میڈم میڈم کرتا پھرتا ہے اب۔"

اس کی خوش فہمی کے عجیب ہی انداز تھے۔ ایمہا کو کراہیت آئی۔ وہ بے اختیار حنا سے دو قدم دور ہٹ گئی۔

"اور وہ تمہارے چچا...؟" جانتے ہوئے بھی ایمہا نے ہکلا کر پوچھ ہی لیا۔

"ہنہ... چچا..." حنا کے منہ سے اس نے پہلی بار گندی گالی سنی تھی۔

"یتیم لڑکی بن کے پہلی بار اس کمینے سے مدد مانگی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ حرام کی کمائی نہیں محنت کا پیسہ ہے۔ ایسے ہی غریبوں یتیموں پہ نہیں لٹا سکتا۔ پھر جب اپنی چمڑی دکھائی تو اس نے دمڑی نکالنے میں ایک منٹ نہیں لگایا۔ یہ دنیا نیکوں کے لیے ہے ہی نہیں میری جان! اور تم تو ویسے بھی بے وقوف ہو۔ اس روز میں نے آفر بھی کی تھی۔ ایک دو گھنٹے اس کمینے چچا پر لگا تیں تو برس بھر کے لوٹاتا تمہیں۔ آرام سے ایگزیم دیتیں اور ساتھ یہ پارٹ ٹائم بھی جاری رہتا۔" حنا کی گراوٹ کی کوئی حد نہ تھی۔

ایمہا کی رنگت تو یہ سب ماورائے انسانیت گفتگو سن کر سفید پڑ گئی۔ سانو خون کا ایک قطرہ نہ ہو جسم میں۔ وہ پیچھے ہٹ کے بستر پر ٹک گئی۔ تھوڑی دیر اور کھڑی رہتی تو شاید گر ہی جاتی۔

"چلو۔ کہیں آؤٹنگ پہ چلتے ہیں۔ تمہارا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا اور فریش ایئر میں کچھ بہتر سوچ بھی سکو گی۔"

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ حنا! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے کہ تم مجھے دکھائی نہ دو۔" ایمہا نے نفرت سے اسے دیکھا۔ غلاظت میں لتھڑی نظر آتی تھی وہ۔ گندے رشتوں کو باپ بھائی اور چچا کے پردوں میں چھپا کر کاروبار کرنے والی۔

اسے خیال آیا۔ تب ہی سیفی اس کے بھائی کہنے پر تلملایا کرتا تھا۔ مگر حنا کا دل کبھی اس گناہ سے نہ لرزا تھا۔

"اوکے۔ بیسٹ آف لک۔ ویسے بھی یہ جگہ دوستیاں نبھانے کے لیے نہیں ہے اور میری جو ڈیوٹی تھی۔ وہ تو میں پوری کر چکی۔" وہ شانے اچکا کر اطمینان سے کہتی چلی گئی تو خود کو پوری طرح بے بس محسوس کرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کر رہے ہو...؟" رباب کی فریش سی آواز بھی اسے فریش نہیں کر پائی۔ آج وہ صحیح معنوں میں امتیاز احمد کی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو بے حد ڈسٹرب تھا۔ وہ اپنے باپ کی سیٹ پر بیٹھنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔ مگر اس کمرے سے اٹھتی باپ کی مہک اور ان کی یادوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ یہیں بیٹھے۔ ورنہ اس کا اپنا آفس بھی موجود تھا۔ وہ مودی صاحب کے ساتھ سر کھپا رہا تھا جو اس کی غیر موجودگی اور امتیاز احمد کی ناگہانی موت کے باعث فیکٹری کا کام سنبھال رہے تھے۔ اس عرصے میں معیز کی عدم دلچسپی کے باعث کئی کنٹریکٹ منسوخ کرنے پڑے تھے جس کی وجہ سے کافی نقصان بھی ہوا تھا۔ مودی صاحب نہ صرف منیجر کی پوسٹ پر تھے بلکہ امتیاز احمد کے دوست بھی تھے۔ اس لیے معیز کے دل میں ان کے لیے احترام تھا تو وہ بھی اسے اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھتے تھے اور بزنس کے اسرار و رموز سمجھاتے تھے۔ ایسے میں رباب کا فون آنا... وہ سچ مچ ڈسٹرب ہوا تھا۔

"اچھا... ایسا ہے کہ میں تھوڑا بزی ہوں۔ تم بعد میں کال کرنا' بلکہ میں فارغ ہو کے خود ہی کر لوں گا۔"

معیز کا ذہن مودی صاحب کے مشوروں میں الجھا ہوا تھا۔ رباب کو اس نے عجلت میں جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی او کے 'خدا حافظ' کہہ کر وہ دوبارہ مودی صاحب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

رباب نے بے اعتباری سے اپنے سیل فون کو دیکھا۔ اسے اپنی شدید ہتک محسوس ہوئی۔

ایسے تو اسے زندگی میں کبھی کسی نے نہ ٹرخایا تھا۔ وہ ہی ہر ایک کو جوتے کی نوک پر رکھا کرتی تھی۔ وہ لب کاٹنے لگی۔

اسے دھیان آیا۔ معیز وہ پہلا لڑکا تھا جس کی طرف وہ خود بڑھی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ انہی کے دلوں سے کھیلی تھی جن کی نظروں میں اپنے لیے ستائش دیکھی تھی۔ وہ ابھی معیز کی طبیعت صاف کرنا چاہتی تھی۔ اس نے دوبارہ کال ملائی مگر اب کی بار معیز نے اس کی کال اٹینڈ کرنے کی بھی زحمت نہ کی تھی۔

مارے غصے کے رباب کے ہاتھ کانپنے لگے۔

اور ایسا غیظ و غضب کے عالم میں اس کے ساتھ ہمیشہ ہی ہوتا تھا۔ اس نے معیز کو گالی دیتے ہوئے موبائل ایک طرف اچھال دیا۔

"دیکھ لوں گی معیز احمد تمہیں بھی۔ اپنے جوتوں کی خاک چٹاؤں گی تمہیں اور پھر ایک زوردار ٹھوکر تمہارا مقدر ہوگی۔" اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکی اور جلدی سے گہری سانس بھر کے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"ربا۔ اگر بزی نہیں ہو تو۔" ماما تھیں۔ مگر ان کی بات آدھی منہ میں ہی رہ گئی۔ اندر آتے ان کا پاؤں کسی چیز پر پڑا اور کچھ چٹخنے کی سی آواز آئی تو وہ بے اختیار بات ادھوری چھوڑ کر اپنے پاؤں کے نیچے دیکھنے لگیں۔

"اوہ نو۔ یہ تو تمہارا موبائل فون ہے ربا۔" انہوں نے تاسف سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو اس کے تنے ہوئے تاثرات دیکھ کر بے اختیار اس کے نزدیک آئیں اور اس کے چہرے کو انگلیوں سے چھوا۔

"کیا ہوا ہے ربا! کسی فرینڈ سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟"

"آپ بتائیں۔ کیا کہنے آئی تھیں؟"

اس نے ان کے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے عام سے انداز میں پوچھا تو ماما نے ایک بار پھر تیس ہزار کے کچرا بنے موبائل کو ایک نظر دیکھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اب وہ لاکھ سر پٹختیں' رباب انہیں اپنے معاملے کا ایک لفظ بھی نہ بتانے والی تھی۔

"ہاں۔ میں پوچھ رہی تھی اگر فری ہو تو ذرا میرے ساتھ مارکیٹ تک چلو۔ موسم بدل رہا ہے' کچھ کپڑے خریدنے ہیں۔"

انہوں نے بھی ہمیشہ کی طرح صرف نظر ہی کیا۔ وہ جانتی تھیں' شدید غصے میں ارباب انتہائی نقصان ہی کرتی تھی۔

"نہیں ماما میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے شاپس کھنگالنے کا۔ آپ زری کو لے جائیں۔"

اس کا انکار صفا چٹ تھا۔ ساتھ ہی اس نے انہیں فل ٹائم ملازمہ زری کو لے جانے کا مشورہ دے دیا۔

"کم آن جان! تم ساتھ چلو۔ موڈ فریش ہو جائے گا۔ مجھے پتا ہے تم غصے میں ہو۔ اور میرے جانے کے بعد اکیلے مزید کڑھو گی۔"

انہوں نے پیار سے کہا تو رباب نے سر جھٹکا اور ان کی بات کا جواب دیے بغیر بستر پر پڑا ریموٹ اٹھا کر دیوار گیر ایل سی ڈی آن کر لیا اور خود تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

یعنی یہ اشارہ تھا کہ اب وہ جا سکتی ہیں۔

انہوں نے تاسف سے اپنی لاڈلی اور خود سر بیٹی کو دیکھا۔ اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے انہوں نے تو اسے پیار دیا ہی تھا۔ مگر اس کے باپ کے بے جا لاڈ نے اسے انتہا درجے کا خود سر بھی بنا دیا تھا اور بھائی بھی ہر ضد پوری کرنے کو تیار۔

وہ گہری سانس بھرتی باہر نکل گئیں۔ رباب ایک ٹک اسکرین کو دیکھ رہی تھی مگر اس کا دماغ کہیں اور ہی اُڑانیں بھر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عون نے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس ناگہانی آفت پر ششدر رہ گئی اور ابھی سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔

"شش..." عون نے بے اختیار اس کے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کو کہا تو وہ جو اس ساری افتاد پر ابھی تک حواس باختہ سی کھڑی تھی کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔

"عون..." باہر سے ماموں جان کی آواز پر ثانیہ کو مزید جھٹکا لگا۔ اسے یکبارگی احساس ہوا کہ وہ کیا سنگین غلطی کر بیٹھی ہے۔

"سو گئے ہو کیا... فائل لانے کو کہا تھا تم سے۔" وہ اونچی آواز میں پوچھ رہے تھے۔ عون نے ہاتھ میں تھامی فائل ثانیہ کے سامنے لہرا کر گویا سارا معاملہ بتایا۔

"یہی لے کر جا رہا تھا کہ تمہارا نزول ہو گیا۔" سرگوشی میں کہا تو ثانیہ نے دانت پیس کر دھیمی آواز میں کہا۔

"دروازہ کھولو۔"

"کھول دیتا ہوں۔ مگر پھر باہر والوں کو تم ہی صفائیاں پیش کرنا کہ آدھی رات کو میرے کمرے میں کیا کر رہی تھیں۔ اوپر سے دروازہ بھی لاکڈ..." شرارت سے کہہ کر بڑی فرماں برداری سے دروازے کی طرف بڑھا جیسے ابھی کے ابھی لاک کھولنے کا ارادہ ہو۔

ثانیہ نے گڑبڑا کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک دیا۔ عون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تو جھنجلا کر ثانیہ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

ماموں جان کے دور جاتے قدموں کی آواز آئی تو ثانیہ نے گہری سانس بھر کے فوراً دروازے کی طرف پیش قدمی کی مگر عون فی الفور اس کی راہ میں ایستادہ ہو گیا۔

"اس بدتمیزی کا مطلب...؟" وہ تلملائی مگر عون بڑے موڈ میں تھا۔

"اور اب میں تمہاری اس ادا کو کیا سمجھوں...؟"

"میں صرف تمہارے معافی والے ڈرامے کا پوچھنے آئی تھی اور بس۔" وہ تلخ تھی۔ خالص چاکلیٹ کی طرح کڑوی۔ جبکہ اسے اپنے کمرے میں یوں تنہا اپنے مقابل پا کر عون میاں یونہی شوخ ہوئے جا رہے تھے۔

"تو کیا اب ساری عمر معاف نہیں کرو گی؟" بڑے لاڈ سے پوچھا۔ نظر بڑی فرصت سے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے یوں فضول مردوں کی طرح گھورو مت..." اس نے عون کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کرتے ہوئے جھنجلا کر انگشت شہادت اٹھا کر کہا تو وہ ہنسنے لگا۔

"سٹوپڈ! بیوی ہو تم میری۔" مگر ثانیہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہ آئی تھی اور نہ چہرے پر کوئی افسانوی لالی پھیلی۔ اس کے برعکس اس نے خشک انداز میں عون کی تصحیح کی۔

"بیوی نہیں۔ منکوحہ۔"

"نائنٹی نائن فیصد بیوی بی عالم فاضلہ! ایک نامحرم لڑکی سے بیوی بننے کے درمیان نکاح ہی کا رشتہ ہوتا ہے۔ جو الحمدللہ ہمارے درمیان موجود ہے۔"

عون کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔ ثانیہ نے بمشکل خود کو ٹھنڈا رکھا۔ ورنہ جواب تو بہت اعلا تھے اس کے پاس۔

"دیکھو یہ ڈرامے بازی چھوڑ دو۔ تم سب کے درمیان کمزور مردوں کی طرح مجھ سے معافی مانگو گے؟"

وہ اس مجنوں کے جانشین کو کسی بھی طور اس عمل سے باز رکھنا چاہتی تھی جس کا انجام اسے ثانیہ کی رخصتی کی شکل میں ملنا تھا۔ سو لہجے کو ذرا دھیما رکھا۔ عون نے مسکراہٹ دبائی اور بھولپن سے بولا۔

"تو پھر طاقت ور مردوں کی طرح ابھی اکیلے میں ہی مانگ لیتا ہوں۔"

"دیکھو عون...!" وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتی کچھ کہنے لگی تھی کہ وہ ٹوک گیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ مت دیکھو۔ اور ابھی فرمائش کر رہی ہو کہ دیکھوں۔ تم بھی نا... بہت ہی بیوی ہو۔"

ثانیہ کا جی چاہا کوئی شے اٹھا کر اپنے ہی سر پہ دے مارے۔ اس جیسی سنجیدہ فطرت کی مالک لڑکی کے لیے عون کا یہ رویہ بہت غیر سنجیدہ تھا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ عون!" بے اختیار ہی غصے کی لالی لیے وہ قدرے اونچی آواز میں بولی۔ کچھ کچھ بے بسی کا بھی شکار تھی۔

اس نے تو عون کا کچھ اور ہی تصور اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا۔ مگر ادھر تو مسلسل ایک جلد باز، جذباتی اور نظرباز (ثانیہ کے خیال میں) قسم کے عون عباس سے پالا پڑ گیا تھا۔

"میں ابھی شادی کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔ تم چاہتے ہو کہ میں لندن نہ جاؤں۔ اوکے ڈن۔ مگر پھر تم مجھ سے کوئی معافی نہیں مانگو گے اور نہ ہی میری رخصتی کا مطالبہ کرو گے۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ عون نے گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہو تمہاری بات ماننے کی۔" وہ بولا تو اب کی بار لہجے میں سنجیدگی بھری لاپروائی تھی۔ ثانیہ چڑ کر بولی۔

"یہ وجہ کیا کم ہے کہ میں خود اپنی رخصتی سے انکار کر رہی ہوں۔ تمہیں تو فوراً "شوہروں" کی طرح میری بات کو انا کا مسئلہ بنا لینا چاہیے اور خود اس رخصتی سے انکار کر دینا چاہیے۔"

"کیا تم کسی... آئی مین کوئی اور ہے تمہاری زندگی میں؟" لمحہ بھر کے توقف کے بعد عون نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا تو ثانیہ کی رنگت میں غصے کی سرخی گھل گئی۔

"تم سے میں ہر انتہائی سوچ کی توقع کر سکتی ہوں۔" اس نے تلخی سے کہا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے پرے ہٹنے کا کہا۔

"اوکے۔ یعنی تمہاری زندگی میں صرف میں ہوں۔" وہ مطمئن ہوا۔ "تو پھر کیا مسئلہ ہے یار! کیوں سیدھے سادے معاملے کو کمپلیکیٹڈ بنا رہی ہو۔"

ثانیہ نے دانتوں پر دانت جمائے پھر خود پر ضبط کرتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے۔ تم جو محض پانی کو سطح سے دیکھ کر اس کی گہرائی کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ سمجھے بغیر کہ پانی میں اترے بغیر اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔"

وہ اسے ہاتھ سے دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھی تو عون نے اس کا وہی ہاتھ اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھام لیا۔ ثانیہ بے اختیار پلٹی تو اسے اپنے چند مقابل پایا۔

اس کے ملبوس سے اٹھتی گہری دلکش خوشبو اس کے نتھنوں میں گھستی چلی گئی۔

"چلو مان لیا میں نے بے وقوفی کی تھی۔ مگر اب میں پانی میں اتر کر اس کی گہرائی ماپنا چاہتا ہوں تو تم کیوں راستے میں رکاوٹ کھڑی کر رہی ہو؟" اس کا لہجہ دھیما تھا۔

وہ اس کی قربت پر شرمائی نہ گھبرائی۔ اس کے برعکس اسے گھورتے ہوئے اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔
"تم صرف یہ جان رکھو کہ میں اس شادی میں فی الحال۔۔۔ زیرو پرسنٹ بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ اگر اپنی اور میری زندگی برباد کرنا چاہتے ہو تو بصد شوق اپنا ڈراما پورا کرلو۔ مگر اتنا جان لیتا عون عباس۔۔۔ زبردستی کے سودے میں صرف دل جسم ہی ہاتھ آیا کرتے ہیں۔"
اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے اس نے ناب گھما کر لاک کھولا اور دروازہ کھول کر چلی گئی۔
بات کچھ بھی نہ تھی۔
عون نے اگر پہلے شادی سے انکار کیا تو پھر بعد میں برضا۔۔۔ و رغبت مان بھی گیا تھا مگر ثانیہ نے شاید اس بات کو انا کا مسئلہ ہی بنا لیا تھا۔ کوئی اور مرد ہوتا تو ثانیہ کی اس قدر خود سری پر تین لفظ منہ پہ دے مارتا۔
مگر ہائے۔۔۔ ادھر عون عباس تھا۔ جس کا جگر عشق کے تیر نے چھلنی کر دیا تھا اور وہ ہر قیمت پر علاج بھی اسی ستمگر سے چاہتا تھا۔
ابھی بھی وہ وہیں کھڑا سنجیدگی سے ثانیہ کے لفظوں پر غور کر رہا تھا۔۔۔ اور صبح اپنے اور ثانیہ کے والدین کے سامنے جب وہ پیش ہوا تو اس نے بڑی سنجیدگی اور صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔
"میں ثانیہ کی خوشی میں خوش ہوں۔ اگر وہ فی الحال رخصتی نہیں چاہتی تھی تو پرابلم۔ میں نے لاعلمی میں جو دکھ اسے پہنچایا ہے شاید اس کی بھرپائی تک وہ اپنے دل کو اس رشتے کو نبھانے کے لیے راضی نہ کرپائے۔ اس لیے میں اسے وقت دینا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے اچھی طرح جان لے، سمجھ لے اور اپنی مرضی کا فیصلہ کرے۔ میں ہر حال میں اس کا انتظار کروں گا۔"
وہ بڑے مدبرانہ انداز میں کہہ رہا تھا اور جیسے اس نے سارا ملبہ ثانیہ پر گرا دیا۔ ثانیہ کا تو دانت پیس پیس کر برا حال تھا۔
مگر بہر حال۔۔۔ رخصتی کا معاملہ تو ٹل گیا۔ کمرے میں ثانیہ نے ٹہلتے ہوئے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کیا اور سوچنے کی کوشش کی۔
موبائل کی میسج ٹون پر وہ موبائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔
عون کا میسج جگمگا رہا تھا۔
"پرندوں کی نظر کمال کی ہوتی ہے مگر دانہ دیکھ کر وہ جال کو بھول جاتے ہیں اور اسیر ہو جاتے ہیں۔۔۔ مجھے یقین ہے تم جو اتنی عقل مند بنتی ہو، میری پسپائی کے پیچھے محبت کے بچھے جال میں نہ پھنسیں تو کہنا۔۔۔ میں تو تمہاری بے اعتنائی کے باوجود اسیرِ محبت ہوں دیکھنا تمہیں کیسے محبت سے اپنی محبت کا شکار کرتا ہوں۔۔۔ بائی ذی وے لو یو سویٹ سی۔"
پورا میسج پڑھنے تک نہ صرف ثانیہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا بلکہ بی پی بھی شوٹ کر گیا۔ اتنے غصے سے اس نے عون کا میسج ڈیلیٹ کیا کہ گویا موبائل کے بٹن کی جگہ عون کی گردن دبا رہی ہو۔
"ہنہ۔۔۔ تم کیا جانو عون عباس! محبت ہے کس چڑیا کا نام؟"

☼ ☼ ☼

ڈرائیور اسے سیفی کے آفس چھوڑ گیا۔ یہ کوئی بہت بدلی ہوئی ادھا تھی۔ ماڈرن سی۔ خوب صورت انداز میں کٹے بال سلیقے سے شانوں پہ بکھرے ہوئے تھے۔ رو رو کر سوجی آنکھوں پر ڈارک سن گلاسز۔

زرد ٹراؤزر اور پنک ٹاپ میں ملبوس وہ گاڑی سے اتری۔ اپنا بیگ شولڈر پہ ڈالا۔ ڈرائیور اس کا منتظر کھڑا تھا۔ وہ مرجانے کو تھی۔
اس کا دل کر رہا تھا اسی پارکنگ لاٹ میں دھاڑیں مار مار کے رونے لگے۔ اس نے سر اٹھا کے اونچی شاندار بلڈنگ کو دیکھا۔
سیفی کو اس کے آنے کی خبر تھی۔ وہ خود باچھیں پھیلائے دروازے میں ہی اس کے استقبال کو موجود تھا۔
ڈرائیور اسے دیکھ کر مؤدبانہ واپس ہو لیا۔
"واؤ۔ یقین نہیں آتا۔ میں تو پہلی بار تمہیں دیکھ کر ہی لٹ گیا تھا۔ اب تو قیامت بن گئی ہو۔" سیفی مخمور سا تھا۔ اس کی نگاہ ایہا کے بنا چادر کے وجود سے لپٹی جارہی تھی۔
وہ بے اختیار سمٹی۔ مگر نہ دوپٹہ نہ اسکارف۔
اس کے دل سے نوحے اٹھے۔۔۔ بے آواز آہیں اور چیخیں۔ سیفی نے اس کے شانے پر بازو پھیلانا چاہا۔
"میں خود چل سکتی ہوں۔" وہ سختی سے بولی تو لحہ بھر حیران ہونے کے بعد وہ ہنس دیا۔
"او کے۔ ایز یو وش۔ چلو۔ باقی اسٹاف سے تمہارا تعارف کروادوں۔"
اسے یقیناً "میم" کی طرف سے ہدایات مل چکی تھیں۔ تب ہی وہ حد میں ہی رہا۔
ایک قیامت کا مرحلہ طے کرنے کے بعد۔۔۔ پورے اسٹاف سے مل کر اب وہ اپنے چھوٹے مگر ویل ڈیکوریٹڈ کمرے میں بیٹھی تو آنکھیں پھر بھر آئیں۔
اس نے گلاسز اتار کر ٹشو سے تھپتھپا کر آنکھیں خشک کیں اور گہری سانسیں بھرتی خود کو نارمل کرنے لگی۔
پچھلے ایک ماہ میں وہ میم کی اصلیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی جان چکی تھی کہ محض رونے سے کچھ بھی بدلنے والا نہیں ہے۔ اللہ کی ذات کے بعد اگر اسے یہاں سے کوئی بچا سکتا تھا تو وہ خود اس کی اپنی ہمت اور ہوشیاری ہی ہوسکتی تھی اور اب وہ جو ہو رہا تھا اس پر ماتم کناں ہونے کے بجائے کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہتی تھی جس پر عمل کر کے وہ خود کو اس دلدل میں مزید دھنسنے سے بچا سکتی۔

☼ ☼ ☼

رباب کی طبیعت کی خرابی کا سن کر زارا اس کی عیادت کو آئی تو اسے گم صم پایا۔
"اب تم ہی پوچھو اس سے۔ کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔ جب بھی مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے یہ یونہی ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔"
ماں نے اسے رباب کے متعلق بتایا تھا۔ وہ محض سرہلا کر اس کے کمرے میں آئی تو رباب نے اسے پہلی بار اپنے گھر میں دیکھ کر کسی حیرت یا خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بس وہی ہیلو کے جواب میں روایتی سا ہائے۔
"کیا ہوا رباب! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" زارا نے پیار سے پوچھا۔
سفیر احسن کی لاڈلی بہن کے وہ بھی بہت ناز نخرے دیکھتی تھی۔ رباب نے لحہ بھر کو کچھ سوچا۔ پھر منہ بسور کر بولی۔
"میرا دل بہت دکھا ہوا ہے زارا۔" زارا بے ساختہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئی۔
"کس نے اتنی جرأت کی کہ رباب احسن کا دل دکھا سکے۔" رباب نے اسے دیکھا۔
"تمہیں بتا تو دوں۔ مگر تم بھی کچھ کر نہ سکو گی۔"
"میں سفیر احسن کی سسٹر کے لیے اپنی پوری کوشش کرنا چاہوں گی۔" زارا نے نرمی سے کہا۔

"معیز احمد۔" رباب کے ہونٹوں سے نکلنے والے نام نے زارا کو جھٹکا لگایا۔

"وہ بہت ظالم شخص ہے۔ ایک تو فون پر میرے ساتھ۔۔۔ روڈلی بی ہیو کیا اور دوسرے اس کے بعد میری کوئی کال اٹینڈ نہیں کی اور وعدے کے باوجود کال بیک نہیں کی۔" وہ بہت معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ زارا کو اس پر بے ساختہ پیار آیا۔

"ہاں۔ یہ بندہ میرے چارج کی حدود میں آتا ہے۔ اس کا تو میں کورٹ مارشل بھی کرواسکتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی تو رباب نے خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"سچی۔۔؟"

"آف کورس۔ اب تم دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے خیال میں فیکٹری کے معاملات کی وجہ سے کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہوگی۔ ابو کے بعد اب انہیں ہی سب کچھ دیکھنا ہے۔ بزی ہوں گے وہاں۔" اسے تسلی دینے کے ساتھ زارا نے بھائی کی طرف سے صفائی بھی پیش کی تو رباب کو کچھ اطمینان ہوا اور زخمی انا کو بھی تھوڑا مرہم ملا۔

"پھر بھی یار! اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔ لڑکیوں کے دل بہت نازک ہوتے ہیں۔ اتنی بے رخی سے ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔" اس نے بڑے انداز سے زارا کو یاد کرایا کہ "کچھ ہے" معیز اور اس کے درمیان۔ اور زارا کو یہ راز کو پا کر دلی مسرت اور اطمینان ہوا کہ سب کچھ اس کی سوچ کے مطابق ہو رہا تھا۔

"او کے۔ تم ٹینشن مت لو۔ اٹھو۔ ذرا لانگ ڈرائیو پہ چلتے ہیں۔ فریش ہو کر پھر پلاننگ کریں گے کہ میرے بھائی صاحب کو راہ پہ کیسے لانا ہے۔" زارا نے مسکرا کر کہا تو وہ فوراً" اٹھ گئی۔ اس کے واش روم میں جانے کے بعد زارا خود ہی سوچوں کے تانے بانے بنتی مسکرانے لگی۔

☆ ☆ ☆

آج بہت دنوں کے بعد سفینہ نے اسے مخاطب کیا تو معیز کا دل اطمینان سے بھر گیا۔

"آفس کا کام کیسا چل رہا ہے؟"

"ٹھیک ہے ماما! سودی صاحب کی وجہ سے بہت حوصلہ ہے مجھے۔" وہ مسکرایا بہت عرصے بعد وہ تھکان سے پاک ایک مسکراہٹ تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے چائے لے کے آتی زارا کو دیکھا۔ ابھی وہ لوگ رات کے کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔

"تم نے رباب سے کوئی مس بی ہیو کیا ہے۔" ان کی بات بہت غیر متوقع تھی۔ معیز چائے کا کپ تھامتے ہوئے چونکا۔ پھر ذرا سا سوچنے کے بعد شانے اچکائے۔

"ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔ سودی صاحب سے ڈسکشن کے دوران اس کی کال آئی تو میں بات نہیں کر سکا اور بعد میں بات کرنے کا کہہ دیا تھا۔"

"تم نے اسے کال بیک کا کہا تھا تو پھر کی کیوں نہیں؟" تفتیشی انداز۔

معیز کو حیرت ہوئی۔ "اس نے آپ سے شکایت کی ہے؟"

"وہ بہت ڈسٹرب ہے آپ کے رویے سے۔ آج میں اس سے ملنے گئی تھی۔" زارا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اس میں ڈسٹربنس والی کون سی بات ہے۔ میں اس وقت فارغ نہیں تھا' نہیں بات کر سکا۔" معیز نے لاپروائی سے کہا۔

زارا کو رباب جیسی شدت معیز کے انداز و اطوار میں کہیں دکھائی نہ دی۔

"وہ کل سے آپ کی کال کا ویٹ کر رہی تھی۔" زارا نے جتایا۔

"کم آن زارا! اتنی ہی ضروری بات تھی تو وہ مجھے دوبارہ کال کر لیتی۔ مجھے واقعی بعد میں یاد نہیں رہا تھا۔" معیز نے بات ختم کر دی۔

"یہ کوئی عام سی بات نہیں ہے معیز! تمہاری بہن کی سسرال کا معاملہ ہے۔" سفینہ نے بات کو آگے بڑھایا تو معیز کو ہلکی سی جھنجلاہٹ نے گھیرا۔

"آپ میری رباب سے دوستی کو بہن کی سسرال سے الگ ہی رکھیں ماما! میں اس سے زارا کی نند کے حوالے سے نہیں بلکہ ایک فرینڈ کے حوالے سے ملتا ہوں۔"

"تمہارے سمجھنے سے رشتہ بدل نہیں جائے گا معیز!" سفینہ نے اسے جتایا۔

"وہ سفیر کی بہت لاڈلی بہن ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے رباب کا بہت خیال رکھنے کو۔" زارا خوامخواہ ہی حساس ہو رہی تھی۔

"تو تم رکھو اس کا خیال۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" معیز اب اس موضوع سے چڑنے لگا تھا۔ زارا کو اس کا انداز برا لگا۔ تب ہی وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کے چلی گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو معیز! تمہاری رباب سے الگ طرح کی دوستی ہے' مگر رہے گی تو وہ سفیر کی بہن اور زارا کی نند ہی نا۔" سفینہ نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔

"او کے ماما! میں اسے کال کر لوں گا اور سمجھا لوں گا۔" معیز کو بات ختم کرنے کا یہی طریقہ سمجھ میں آیا۔

"کوشش کرو کہ تم دونوں کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈیویلپ ہو جائے۔ میرا تو ارادہ ہے کہ زارا اور سفیر کے ساتھ ہی تم دونوں کی شادی بھی کر دوں۔"

معیز کے تاثرات میں سنجیدگی اتر آئی۔

"جیسا چل رہا ہے ویسا چلنے دیں ماما! میں فی الحال اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میرے لیے دوسرے مسئلے ہی کافی ہیں۔"

"ہاں۔۔ تمہارے باپ کے چھوڑے ہوئے مسئلے۔ جن میں سب سے سرفہرست ایبھا مراد کو ڈھونڈنا ہے۔" وہ طنزاً" بولیں۔ ان کی سی آئی ڈی کمال تھی۔

"آپ کو برا تو لگے گا مگر یہ حقیقت ہے۔ آپ درست کہہ رہی ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"دفع کرو اسے۔ مٹی ڈالو اس لڑکی پر۔ وصیت کا کیا ہے۔ عدالت میں جا کے دعوا کرو کہ یہ لڑکی مر چکی ہے' دو گواہ پیش کرو اور اس کا حصہ اپنے نام کروا لو۔ جو بے وقوفی تمہارے باپ نے کی ہے' اسے آگے مت بڑھاؤ۔" سفینہ انتہائی سوچ کی مالک تھیں۔ اب بھی تلخی سے بولیں تو معیز کی نگاہ میں تاسف اتر آیا۔

"وہ ابو کی وصیت ہے ماما! اور دنیا کی عدالت میں تو شاید میں جھوٹ بول ہی لوں' مگر کیا روز قیامت اللہ کی عدالت میں یہ بول پاؤں گا کہ اس جائیداد پر میرا حق تھا؟" سفینہ لمحہ بھر کو چپ ہوئیں۔ پھر معاندانہ انداز میں بولیں۔

"لیکن اگر مرنے والا اپنے بچوں کی حق تلفی کرتے ہوئے کسی اور کے نام جائیداد کر دے تو اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے۔ ہم اسے چیلنج کر سکتے ہیں۔"

"ابو نے کسی کی بھی حق تلفی نہیں کی ہے ماما! یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ کاروبار ہم دونوں بھائیوں کے نام ہے' گھر کا پلاٹ آپ کے نام ہے۔ آپ کے اور زارا کے لیے بینک میں اکاؤنٹ الگ سے ہے۔ یہ اتنا شاندار

گھر ہمارا ہے۔"

معیز کو مرے ہوئے باپ کے لیے ماں کا انداز اچھا نہیں لگا تھا مگر بہرحال وہ نرمی سے بولا۔

"اور اس منحوس کا کیا کہو گے جس کے نام پچاس لاکھ چھوڑے ہیں تمہارے باپ نے۔ مہینے کا دس ہزار الگ سے اور اس گھر میں بھی حصہ داری دے ڈالی اور تمہاری نظر میں کوئی حق تلفی ہوئی ہی نہیں کسی کی۔" سفینہ بھڑک اٹھیں۔

"بمشکل ایکسی اس کے حصے میں آتی ہے ماما! آپ ٹینشن مت لیں۔ ویسے بھی' وہ بالکل لاپتا ہو چکی ہے۔ نہ تو ہمارے کانٹیکٹ میں ہے اور نہ ہی اس کے ہاسٹل اور کالج سے اس کا پتا چل سکا ہے۔"

معیز نے ان کے غصے کو دیکھتے ہوئے فی الفور مفاہمت کی راہ اپنائی۔

"مر جائے۔ اللہ کرے مر جائے کہیں۔ پہلے اس کی ماں نے میری زندگی برباد کی۔ پھر اس منحوس کے زندگی میں آتے ہی میرا شوہر چل بسا۔ خدا نہ کرے کبھی اس کے منحوس قدم میرے گھر میں پڑیں۔" سفینہ بددعاؤں پر اتر آئیں پھر رک کر اسے گھورا۔

"اور تم۔ اس کا پتا کرتے پھر رہے ہو ہر جگہ؟"

"مجبوری ہے ماما! ایسے تو ساری عمر اس سے جان نہیں چھوٹ سکے گی۔ میں بھی اس معاملے کو اب ختم کرنا چاہتا ہوں۔" معیز نے سچ بتایا۔

"اور۔ اس خط میں امتیاز نے کیا لکھا تھا؟"

سفینہ کے دل میں وہ خط پھانس کی طرح گڑا ہوا تھا' جسے معیز نے کسی کو دیکھنے بھی نہیں دیا۔ پہلے تو سفینہ اس سے ناراض تھیں۔ اس لیے نہیں پوچھا' مگر اب جبکہ وہ اس سے بات چیت شروع کر چکی تھیں تو اس سے پوچھ ہی لیا۔

معیز چپ ہو گیا۔ کندھوں پر رکھا بوجھ بہت محسوس ہونے لگا۔

"وہ ہر حال میں ایبہا کو اس گھر میں لانے کے خواہش مند تھے ماما! اور انہوں نے مجھے اس بات کا پابند بنایا ہے۔"

"ارے ہٹو۔ پابند بنایا ہے۔ مر کھپ گئی۔ جان چھوٹ گئی ہماری۔ تمہارے باپ کی آنکھوں پر تو صالحہ کے عشق کی پٹی بندھی تھی۔ صالحہ کی بیٹی اسی جیسی ہو گی۔ بھاگ گئی ہو گی کسی اور کے ساتھ۔" سفینہ نے حقارت سے کہا۔

معیز نے ٹھنڈی ہوتی چائے کا کپ تین چار گھونٹ میں خالی کر کے تپائی پہ رکھ دیا۔

"مگر یہ بھی طے ہے کہ اگر وہ آ گئی تو بہرحال اس کا اس گھر میں بھی حصہ ہے۔ اسے یہاں رہنے سے ہم روک نہیں سکتے۔" معیز نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو اس کی آنکھوں میں خفیف سی سرخی اتر آئی۔

اسے احساس ہو رہا تھا کہ ایک لڑکی۔۔۔ بلکہ جوان اور خوب صورت لڑکی اس کی وجہ سے پتا نہیں کن حالوں میں پہنچ چکی تھی اور اب تک اس کے ساتھ کیا حالات پیش آ چکے ہوں گے۔

اسے امتیاز احمد کی ایبہا کے لیے محبت یاد آتی تو دل ندامت اور بے چینی سے بھرنے لگتا۔ وہ خوابوں میں امتیاز احمد کو بہت بے چین کیفیت میں دیکھتا تھا۔

یا پھر اسپتال میں جب ان کی طبیعت بہت خراب تھی تو ان کے آخری الفاظ "ایبہا کو لے آؤ معیز۔" وہ کئی بار سوتے میں ہڑبڑا کے اٹھا تھا۔ وہ کیا کرتا۔ ایبہا کو تو اس نے خود گم ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اور اب جبکہ وہ اسے ڈھونڈ کر اس کا حصہ اسے دے کر اپنے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا تو وہ گم ہو گئی تھی۔

"کاش! ابھی تم بھی ہماری زندگی سے گم ہو جاؤ۔" اس کے کانوں میں اپنی ہی آواز گونجی تو وہ گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"رباب سے بات ضرور کر لینا۔ اور اب تم ذہن میں یہ بات ضرور رکھو معیز! کہ میں رباب کو اس گھر کی بہو بنانا چاہتی ہوں۔" سفینہ نے اسے باور کرایا تو وہ کچھ کہے بنا کمرے کی طرف چل پڑا۔ جاتے ہی اس نے رباب کو کال کی۔ اور اس نے اپنے نئے سیل فون پر وہ کال یوں جلدی سے اٹینڈ کی جیسے اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ مگر لب و لہجہ خفا خفا۔ ناز و انداز سے پُر۔

"ہاں۔ بتاؤ۔ کیوں فون کیا ہے؟"

"آئم سوری رباب! پہلے تو میں بزی تھا اور بعد میں مجھے کال کرنا یاد نہیں رہا۔ رئیلی سوری۔" معیز نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے کہا تو وہ چیخی۔

"واٹ۔ تم مجھے بھول گئے تھے معیز احمد۔؟" وہ بے یقین تھی۔

معیز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تمہیں نہیں بھولا' کال کرنا بھول گیا تھا۔"

"جو بھی ہو معیز! تم نے میرا دل دکھایا ہے۔ مجھے دو دن تک ڈسٹرب رکھا ہے۔ اس کی پنالٹی تو تمہیں دینا ہی پڑے گی۔" وہ ہوس بھرے لہجے میں بولی۔ تو معیز ہنس دیا۔ "او کے ڈن۔ جو تم کہو۔"

"تو پھر کل کا دن صرف میرے لیے۔ بلکہ تم میرے رحم و کرم پر ہو گے۔ میں جہاں چاہے تمہیں لے جاؤں۔"

"اوں۔۔۔ یہ تو تھوڑا سا مشکل ہو جائے گا۔" وہ اس کی سزا پر تھوڑا سا سوچ کر بولا۔

رباب نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھ سے پرامس کر چکے ہو۔"

"میں کب مکر رہا ہوں یار!" معیز کا انداز صلح جویانہ تھا۔

"لیکن تم سمجھ سکتی ہو کہ میں آج کل بزنس کے حوالے سے کن مشکلات کا شکار ہوں۔ بمشکل توجہ دے پا رہا ہوں اور ایسے میں آفس نہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رباب نے منہ بنایا۔

"تمہاری کون سی لاکھوں کی ڈیلنگ کینسل ہو رہی ہے۔ بہانے مت بناؤ معیز!"

"اچھا تھوڑی سی چھوٹ دے دو۔ یوں کرتے ہیں کہ آف ڈے تمہارے ساتھ آؤٹنگ کے لیے رکھ لیتے ہیں۔"

"ہنہہ۔ کسی کو اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے اپنے کام چھوڑ کر آنا پڑتا ہے۔ آف ڈے کسی کے نام کیا تو کیا کیا۔" وہ بدستور منہ پھلائے ہوئے تھی۔ معیز نے کوفت سے گہری سانس بھری۔ پھر جان بوجھ کر بولا۔

"او کے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ سنڈے کو بھی میں اپنا آرام چھوڑ کے آنے والا تھا۔"

"او کے۔ او کے۔۔۔" وہ جلدی سے بولی۔ مبادا معیز اپنا پروگرام بدل ہی نہ لے۔ "گزارہ کر لیتے ہیں۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" وہ مسکرا دی۔

"ہاں۔ لیکن آئندہ کے لیے میری ایک بات یاد رکھنا۔ ہماری دوستی کے درمیان زارا اور سفیر کا رشتہ نہیں آنا چاہیے۔" معیز نے آخر میں جو نصیحت کی' اسے سن کے رباب چونک گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سوری صاحب! میں نے یہ دونوں کنٹریکٹس کی ڈیٹیلز پڑھ لی ہیں۔ میرے خیال میں تو خالد اینڈ سنز ہماری شرائط پہ پورے اترتے ہیں۔"

سوری صاحب کو اپنے سامنے والی نشست پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے معیز نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

www.paksociety.com

"شاباش۔ بہت ٹھیک اندازہ لگایا ہے آپ نے۔"

"اور یہ سفیان اینڈ کمپنی کا مالک سفیان حمیدی ہی ہے نا....؟" معیز نے سوچتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے اس کی تائید کی۔

"جی ہاں اور میرے خیال میں آپ ایک آدھ دفعہ کسی میٹنگ میں ان سے مل بھی چکے ہیں۔"

"ہاں۔ بہت چالاک شخص لگا تھا مجھے۔" معیز کو یاد تھا۔

"بہرحال۔" اس نے گہری سانس بھری اور بولا۔

"مجھے خالد اینڈ سنز کا پروپوزل اچھا لگا ہے۔ آپ دو تین روز تک ان کے ساتھ میٹنگ رکھوائیں۔ پھر کنٹریکٹ بھی سائن ہو جائے گا۔"

"او کے۔" موسوی صاحب نے دونوں فائلز اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے گئے۔

☼ ☼ ☼

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ وہ ہمارا پروپوزل کیسے ریجیکٹ کر سکتا ہے۔ اتنے زیادہ مارجن کو وہ کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ ہم مارکیٹ سے زیادہ ریٹ پر ان کا مال اٹھانے کو تیار تھے۔" سیفی فون پر کسی سے الجھ رہا تھا۔

"سر! میں نے خود فائل چیک کی ہے۔ آپ کا پروپوزل ریجیکٹ ہو گیا ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بتا رہا تھا۔ اسے کسی کے اچانک آجانے کا بھی ڈر تھا۔

"یہ تو پتا ہی ہو گا۔ تمہیں کس کمپنی کا پروپوزل پسند آیا ہے انہیں۔" سیفی نے اپنا غصہ دباتے ہوئے پوچھا۔

"سوری سر جی! منیجر صاحب دوسری فائل اپنے کمرے میں لے گئے ہیں۔ یہ فائل آپ کو واپس بھجوائی ہے۔ اس لیے پی اے کے روم میں پڑی تھی۔"

وہ گڑبڑایا تو سیفی نے گالی دیتے ہوئے فون رکھ دیا۔ اسے درحقیقت معیز احمد پر شدید غصہ تھا۔ وہ تین سالوں سے امتیاز احمد کے ساتھ کاروبار کر رہا تھا اور بہت فائدے میں تھا مگر اس معیز احمد نے سیٹ سنبھالتے ہی گڑبڑ کرنا شروع کر دی تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

☼ ☼ ☼

"کمال ہے یار! تیری بزنس پارٹی ہے۔ اس میں میرا کیا کام۔" عون بدکا تو معیز نے اسے گھورا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے اور بس۔"

"مجھ پہ ایسا کون سا برا وقت آگیا ہے کہ میں اپنے ریسٹورنٹ کی رنگینیاں چھوڑ کر تیری بورنگ بزنس پارٹی میں چل پڑوں۔" عون ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"کم آن یار! مجبوری ہے۔ پہلے تو ابو ہی یہ سب ہینڈل کرتے تھے۔" معیز نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مگر میں وہاں کروں گا کیا؟" عون نے بیچارگی سے پوچھا تو معیز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بس ایک معتبر سا بزنس مین بن کے پارٹی اٹینڈ کرنا اور کیا۔"

"زندگی میں دو لوگ میری زندگی میں بہت خاص ہیں اور دونوں ہی میری زندگی اجیرن کیے ہوئے ہیں۔" عون نے چڑ کر کہا۔

"میں اور بھابھی۔" معیز نے یقین سے کہا۔

"ظاہر ہے۔ اس ہٹلر کی نانی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" عون کو دل کے پھپھولے پھوڑنے تھے 'سو بات کو

گھسیٹ کر اپنے مطلب پہ لے ہی آیا۔

"اچھی بھلی ہماری شادی کی شہنائیاں بجنے والی تھیں۔ مگر اس کی فضول سی ضد کے پیچھے اتنے خوبصورت دن گزرتے جا رہے ہیں۔"

"ویسے مائنڈ نہ کرنا۔ وہ تو پھر اچھی ہے۔ جو ریجیکٹ ہونے کے بعد بھی تجھے منہ لگا رہی ہے کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک تجھے سیدھا کر چکی ہوتی۔"

معیز نے آرام سے کہا تو وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔ "اس نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"تو مسئلہ کیا ہے۔ تو معافی مانگنے کو راضی تھا پھر بھی بات نہیں بنی؟" معیز کو اس کی شکل پر ترس آیا۔

"اسے اب میری کسی بات 'کسی وعدے پر یقین نہیں اور نہ ہی اعتراف محبت پر" عون نے منہ لٹکایا۔

"تم جیسے جلد باز اور جذباتی بندے کی یہی سزا ہونی چاہیے۔ ایک نظر اسے دیکھ کر ایسے فٹ سے انکار بھجوایا کہ کسی سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" معیز نے اسے لتاڑا۔

"شرمندہ ہوں۔ پچھتا رہا ہوں' اب اور کیا چاہتے ہو تم لوگ۔" عون نے اسے یوں آنکھیں دکھائیں جیسے وہ تانیہ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

معیز نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"میری سمجھ سے تو تمہاری یہ اسٹوری باہر ہے۔"

"یہ مردوں کی باتیں ہیں میری جان!" عون نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہا تو معیز نے اسے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

اور طنزیہ بولا۔

"اور تف ہے ایسی مردانگی پر جس سے ایک پانچ فٹ چھ انچ کی لڑکی پٹائی نہیں جا رہی۔"

"لڑکی نہیں 'بیوی۔" عون نے تصحیح کی۔ "لڑکی ہوتی تو اب تک پٹ چکی ہوتی۔ وہ بیوی والے نخرے دکھا رہی ہے یار! اور میں شوہروں کی طرح ہی وہ نخرے اٹھانے پر مجبور۔"

معیز اس کی شکل دیکھ کر ہنسنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"میم پلیز! میں اس آفس میں جاب نہیں کر سکتی۔" تیسرے دن ہی ابیہا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہاں آنے والے ہر شخص کی حریص نگاہیں اسے چیونٹیوں کی طرح اپنے وجود پر رینگتی محسوس ہوتی تھیں۔

"پھر وہی بکواس۔ میں نے تمہیں سمجھایا تھا ڈارلنگ کہ میں اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں کروں گی۔" ماما نے اسے پچکارا تو ابیہا کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کا وجود لرزنے لگا تھا۔

"وہ جگہ میرے لیے نہیں ہے۔ وہاں آنے والا ہر مرد مجھے احترام کی نہیں بلکہ ایک مرد کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور مجھے اب پتا چلا ہے کہ مرد کی نگاہ کتنی حریص ہوتی ہے۔"

"فضول ڈائیلاگ بازی بند کرو۔ تمہارا تو کام ہی یہی ہے۔ وہاں آنے والوں کو چارم کرنا۔ اپنے جال میں ایسا پھانسنا کہ وہ کہیں جا ہی نہ پائیں۔" ماما نے اسے گھرکا۔

"میں کہیں اور جاب کر کے گزارہ کر لوں گی۔" ابیہا نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا مگر ادھر رحم کی ایک رمق بھی نہ تھی۔

"بکواس مت کرو۔ خدا نے تمہیں یہ خوبصورتی محض گزارہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ عیش کرنے اور عیش

کرانے کے لیے دی ہے۔ ناشکری مت ہو۔"
پھر انہوں نے اسے آرڈر دیا۔
"سیفی بتا رہا تھا کل اس کی کوئی بزنس پارٹی ہے۔ تمہیں بھی اس کے ساتھ جانا ہوگا۔"
"م۔ میں۔" ایمھا کی روح پرواز کرنے لگی۔
"ایسی جگہوں پر بہت بڑے بڑے بزنس مین آتے ہیں اور یہی جگہیں ہوتی ہیں جہاں تم اپنی خوبصورتی کا جادو چلا کر اپنے لیے بھی فائدہ حاصل کر سکتی ہو اور ہمارے لیے بھی۔"
وہ اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔
"میں نے حنا سے کہہ کے تمہارا ڈریس سلیکٹ کر لیا ہے۔ اب میں تمہارے منہ سے ایک لفظ نہ سنوں۔ ورنہ حنا سے تم سن تو چکی ہو گی۔ یہاں کے کتے ہی نہیں ہم کر بھی بہت بھوکے ہیں۔"
وہ سفاکی سی بولیں تو ان کا مطلب سمجھ کر ایمھا کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی۔

☼ ☼ ☼

بزنس پارٹی کیا تھی۔ رنگ و بو کا ایک طوفان تھا۔ مترنم ہنسی، بے باک قہقہے۔
معیز عون کو لے کر یہاں آ تو گیا مگر اب اسے مودی صاحب کی بات یاد آ رہی تھی۔
"بزنس مین ہر قسم کی اور ہر کسی کی پارٹی میں نہیں جایا کرتے۔ ریپوٹیشن پہ اثر پڑتا ہے۔"
مگر معیز کو شوق ہو چلا تھا کہ ایک بزنس پارٹی بھی اٹینڈ کر کے دیکھے۔ اس طرح شاید کچھ تجربے میں بھی اضافہ ہوتا۔
یہی بات اس نے عون سے بھی کہی تھی۔
مگر اب جب نشے میں لڑکھڑاتی، آدھے حواس اور آدھے لباس میں ایک آنٹی ٹائپ خاتون زبردستی معیز کے گلے کا ہار ہونے لگیں تو عون کو ہنسی آنے لگی۔
"اچھا۔ تو یہ تجربے حاصل کرنے آیا ہے یہاں۔" اب معیز نے اس عورت سے کیسے پیچھا چھڑایا اور اسے دوسری میز پر چھوڑ کے آیا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ اس کی واپسی پر بھی عون ہنس رہا تھا۔
"پتا نہیں کوئی اپنی اصلی بیوی بھی لے کے آیا ہے یہاں کہ نہیں۔ سب ہی کی بغل میں ایک حور شمائل ہے۔" معیز تپا ہوا تھا۔ بھلا بزنس پارٹی میں عورتوں کا کیا کام۔
"ایک واحد تو مومن ہے جو اپنے یار کو ساتھ لایا ہے۔" عون کو اس کا چہرہ دیکھ کر پھر ہنسی آئی۔
"شٹ اپ یار! یہ ماحول تو میرے ذہن میں بھی نہیں تھا۔" وہ بے زار ہو رہا تھا۔
"ہر بزنس پارٹی میں یہ سب کہیں ہوتا میری جان! مودی صاحب نے ٹھیک کہا تھا۔ بندہ دیکھ کے ہی جانا چاہیے۔"
عون نے اسے سمجھایا۔ پھر اس کی توجہ بھٹکی۔
آنے والے شخص کے ساتھ بے حد خوبصورت اور ماڈرن لڑکی تھی۔
سب ہی فطری طور پر ان کی طرف متوجہ تھے۔ مگر عون کے لیے دلچسپی کا باعث اس لڑکی کی گھبراہٹ تھی۔ وہ اپنے پارٹنر سے دو قدم پیچھے چل رہی تھی اور جب وہ کسی سے اس کا تعارف کراتا تو وہ اپنے پارٹنر کی اوٹ میں کھڑی رہتی۔ جیسے ڈری سہمی سی ہو۔
"کمال ہے۔ آج کی پارٹی میں ایسی لڑکی بھی آ سکتی ہے۔" عون نے سر دھنا تو کولڈ ڈرنک ختم کرتا معیز چونکا۔

"کیسی لڑکی؟" عون نے اشارہ کیا۔ آنے والے دونوں افراد کی ان کی جانب پشت تھی۔ وہ کسی سے مل رہے تھے۔

"لگ رہا ہے اس لڑکی کو زبردستی پارٹی میں لایا ہے یہ بندہ۔"

عون نے کہا۔ وہ دونوں دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ لڑکی کا انداز اب بھی وہی تھا۔ سب سے بچ کے چلنا۔ خود میں سمٹنا اور نروس ہونا۔

"یہ سفیان حمیدی ہے۔" معیز نے اس مرد کا تعارف کرایا۔

"اور ساتھ اس کی بیوی ہوگی۔" عون نے اندازہ لگایا۔

"اونہوں۔ بیوی ہوتی تو ابھی کسی اور کے ساتھ خوش گپیاں لگا رہی ہوتی۔" معیز نے نگاہ پھیلی۔

"یار! لڑکی کچھ دیکھی دیکھی سی لگ رہی ہے۔" عون نے گردن موڑ کر ایک بار پھر پیچھے دیکھا۔ وہ لڑکی اب ایک ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اور اس کا سائیڈ پوز عون کے سامنے تھا۔

"مہمانوں سے مت دیکھو۔ یہاں جو عورتیں آتی ہیں وہ دیکھنے سے نہیں بلکہ نہ دیکھنے سے ناراض ہوتی ہیں۔ اس لیے تم بھی چاہو تو اس کی سیٹ پہ جاکے کوئی پرانی واقفیت نکال سکتے ہو۔" معیز نے اسے اچھا خاصا سرگید ڈالا تو وہ آنکھیں دکھانے لگا۔

"السلام علیکم!" اس قدر اچانک سلامتی پر دونوں ہی چونکے۔ وہ سفیان حمیدی تھا۔

معیز نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا تو عون نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ ان ہی کے پاس بیٹھ گیا۔

"بہت شکوہ ہے جی ہمیں آپ سے۔ سالوں سے ہم آپ کے والد صاحب کے ساتھ بزنس کر رہے تھے اور آپ نے ہمیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکا۔" وہ ہلکے سے نشے میں لگ رہا تھا۔

"سالوں نہیں سیفی صاحب! صرف تین سال۔" معیز نے پرسکون انداز میں تصحیح کی۔

سیفی نے آنکھیں سکیڑ کر معیز کو دیکھا جیسے نظروں سے اسے تولنا چاہتا ہو۔

"چلیں۔ صرف تین سال سے ہی سہی۔ مگر ہم مارکیٹ سے زیادہ قیمت پر آپ کا مال اٹھا رہے تھے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"دیکھیں مسٹر سیفی! اس پارٹی میں آپ انجوائے کرنے آئے ہیں تو جاکر انجوائے کریں۔ بزنس کی باتیں ہم تب کریں گے جب آپ مکمل حواس میں ہوں گے۔" معیز نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"ہو ہو۔" وہ بے ہنگم انداز میں ہنسا۔ "زیادہ تو نہیں پی۔ اور یہ نشہ کیا کرے گی۔ اصل نشہ تو میں اپنے ساتھ لے کے آیا ہوں۔ آپ آئیں۔ آپ کا بھی تعارف کراتا ہوں۔"

وہ رازدارانہ انداز میں بولا تو عون نے بے اختیار معیز کی طرف دیکھا۔ وہ یقیناً اپنے ساتھ آنے والی لڑکی کی بات کر رہا تھا۔

"نو تھینکس۔" معیز کا انداز خشک تھا۔

"آئیں تو۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔ آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ ایسا کورا اور بے داغ حسن ہے۔" سیفی کی اپنی بھی جیسے رال ٹپک رہی تھی۔ ان دونوں کو کراہیت محسوس ہونے لگی۔

معیز بھڑکا۔

"تم ہمیں سمجھ کیا رہے ہو؟ کہیں اور جاکے اپنا کاروبار کرو۔"

عون نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے اسے ٹھنڈا رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولا۔

"وہ نشے میں ہے۔ تم تو ہوش میں ہو۔ پرسکون رہو۔"

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ذرا سے نشے میں بھی لڑھک جاتے ہیں۔ تب ہی اوٹ پٹانگ "اول فول بولے جا رہا تھا۔ معیز نے اپنا موبائل اور کی چین اٹھائی۔

"کدھر؟"

"کہیں اور بیٹھتے ہیں یار!" وہ بے زار تھا۔

عون ہنسا۔

"یار! جیسا بھی ویسا بھی۔ ویسے اس کی آفر بری نہیں ہے۔"

"مگر ثانیہ کو خاصی بری لگے گی۔ اگر ابھی میں اسے کال کرکے بتاؤں تو۔" معیز اسے دھمکاتے ہوئے بولا تو وہ گڑبڑایا۔

"مذاق کر رہا ہوں یار!"

سیفی کسی کے بلانے پہ وہاں سے اٹھ کے گیا تو وہ دونوں پرسکون ہوگئے۔

"بس طے ہے کہ آئندہ سے مودی صاحب طے کریں گے کہ مجھے کس پارٹی میں جانا چاہیے اور کس میں نہیں۔" معیز نے تہیہ کرلیا۔

"ہاں۔ جب تک تم بڑے نہیں ہو جاتے۔" عون نے لقمہ دیا۔

"پتا نہیں یار! عورتوں کی یہ کون سی قسمیں ہیں جنہیں گھر کی چار دیواری کے بجائے شمع محفل بننے میں زیادہ مزا آتا ہے۔" معیز کو سیفی کی باتوں پر تاسف ہو رہا تھا۔

اسی وقت چٹاخ کی آواز کے ساتھ کسی تھپڑ کی آواز گونجی تو سب کی طرح ان کی گردن بھی ادھر کو گھومی۔

سیفی کی سیکریٹری نے خواہ مخواہ بے تکلف ہوتے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو تھپڑ دے مارا تھا۔

سیفی کا نشہ ہرن ہوگیا۔ جواباً" اس نے اپنی سیکریٹری کو زوردار تھپڑ مارا تو وہ لڑکھڑا کے نیچے گر گئی۔ پھر تو سب جیسے سکتے میں آگئے۔

پھر کسی نے سیفی کو سنبھالا اور کچھ لوگ بات ختم کرانے کو بیچ میں آگئے۔

"او گاڈ! عورت کی اتنی تذلیل۔" معیز کا دل مکدر ہونے لگا۔

وہ عون کو لیے فوراً" اٹھ گیا۔

"کوئی مجبور لڑکی ہوگی جو اس کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔" عون نے تبصرہ کیا۔ پھر الجھ کر بولا۔

"مگر یار! دور سے دیکھی دیکھی لگ رہی ہے۔ جیسے میں پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں۔"

"اسے دور سے ہی دیکھو۔ جس نے قریب سے دیکھنا چاہا اس کا حال دیکھا ہے نا تم نے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☼

عِفت سحر طاہر

عرضِ مراد کی دُعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔معیز' زارا اور ایرج۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہے۔ صالحہ مر چکی ہے۔ ابیہا اس کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کر جاتی ہے۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کر کے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کر لیتا ہے۔ ابیہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑ سی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور تائی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں

سے مرادکاذکرکرتی ہے۔وہ غصہ میں صالحہ کو تھپڑ ماردیتی ہیں۔
امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ایبہا کو بلواتے ہیں مگر ایبہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتی ہے۔
معیز نے ایبہا کو صرف ازخود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔اس کا ارادہ قطعاً" غلط نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد' ایبہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔
ایبہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے' جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرتی ہیں۔عموماً" یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا ہے' جسے وہ بڑی کامیابی سے جیت لیا کرتی ہے۔
صالحہ کی ہٹ دھری سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کردیتے ہیں۔مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کردیتی ہے۔امتیاز احمد' دلبرداشتہ ہوکر سفینہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کردیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔
ایبہا' معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہوجاتی ہے۔
مراد صدیقی جواری ہوتا ہے۔وہ صالحہ کا بھی سودا کرلیتا ہے۔صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہوجاتی ہے مگر پھر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے پولیس مراد کو پکڑ کرلے جاتی ہے۔صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرنے لگتی ہے۔فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی ایک سہیلی کسی دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔جو امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔صالحہ کی سہیلی اسے امتیاز احمد کا کارڈ دیتی ہے جسے صالحہ محفوظ کرلیتی۔ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے جب مراد رہا ہوکر واپس آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کردیتا ہے۔دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہوکر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اس دوران معیز بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔امتیاز احمد' ایبہا کو کالج میں داخلہ دلوا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کردیتے ہیں۔صالحہ مرجاتی ہے۔
معیز احمد' ایبہا کو اسپتال لے کر جاتا ہے مگر وہاں پہنچ کر عون کو آگے کردیتا ہے۔ایبہا اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ایبہا کا پرس ایکسیڈنٹ کے دوران کہیں گرجاتا ہے۔وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے' نہ اکیڈمی کی فیس۔بہت مجبور ہوکر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔امتیاز احمد دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ایبہا کو ہاسٹل اور اکیڈمی چھوڑ کر بحالت مجبوری حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔
وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ایبہا کو اپنے راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ایبہا روتی پیٹتی ہے' مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔
امتیاز احمد' معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آؤ۔وہ متذبذب ہوجاتا ہے۔سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔امتیاز احمد انتقال کرجاتے ہیں۔مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ روپے' گھر میں حصہ اور دس ہزار ماہانہ کرجاتے ہیں۔ جس سے سفینہ اور ناراض ہوجاتی ہیں۔معیز' ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر وہ اسے نہیں مل پاتی۔ایبہا کا موبائل بھی حنا کے گھر میں گم ہوجاتا ہے۔معیز باتوں باتوں میں رباب سے اس کے بارے میں پوچھتا ہے' وہ اس کی رہائش سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے' مگر حسد میں غیر ارادی طور پر اس کی تعریف کرجاتی ہے۔
عون خاندان والوں کے بیچ ثانیہ سے معافی مانگنے کا اعلان کرتا ہے۔ثانیہ سخت جزبز ہوتی ہے۔
حنا کی میم ایبہا پر بہت سختی کرتی ہیں۔اسے مارتی بھی ہیں۔ایبہا کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔وہ مجبور ہوکر سیفی کے آفس میں ملازمت کرنے پر رضامند ہوجاتی ہے۔
معیز کے نظرانداز کرنے پر رباب' زارا سے اس کا شکوہ کرتی ہے۔زارا ماں سے تذکرہ کرتی ہے۔سفینہ' معیز سے بات کرتی ہیں۔وہ اس سے واضح لفظوں میں رباب سے شادی کا کہتی ہیں مگر معیز دوٹوک انداز میں انہیں منع کردیتا ہے۔

تاہم ان کے کہنے پر وہ رباب کو منانے پر راضی ہوجاتا ہے۔
عون نے سب کے سامنے یہ کہہ کر معاملہ ٹال دیا کہ اسے ثانیہ کی مرضی اور خوشی مطلوب ہے۔
سیفی' ایبہا کو زبردستی پارٹی میں لے کر جاتا ہے۔جہاں معیز احمد بھی عون کے ساتھ آیا ہوتا ہے مگر وہ ایبہا کو بالکل پہچان نہیں پاتے۔کیونکہ ایبہا اس وقت یکسر مختلف انداز و حلیے میں ہوتی ہے۔تاہم اس کی گھبراہٹ کو معیز اور عون محسوس کرلیتے ہیں۔ایبہا پارٹی میں بلاوجہ بے تکلف ہونے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کو تھپڑ ماردیتی ہے۔جواباً" سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ ماردیتا ہے۔عون اور معیز احمد کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔

—۸—

آٹھویں قسط

سیفی نے وہاں تو کید رنگ کے خیال سے بات نہیں بڑھائی مگر واپس آکے اس نے ساری بات میڈم کو بتائی۔
انہوں نے لرزہ براندام ایبہا کو سرد نگاہوں سے دیکھا۔پھر سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔
"میں نے اسے تمہارے حوالے کردیا ہے سیفی!یہ تمہاری مجرم ہے۔جو دل چاہے کرو اس کے ساتھ۔"
اور اس کے بعد سیفی نے دل کھول کر اپنا غصہ اس پر نکالا۔تھپڑ گھونسے لاتیں۔اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔میز کا کونا پیشانی میں کھب گیا۔خون سے اس کا چہرہ تر ہوگیا۔رخسار کی ہڈی پہ چوٹ آئی۔
وہ چیختی چلاتی ادھر ادھر بھاگتی رہی مگر اس کی شنوائی نہ ہوئی۔
"عزت دار۔زیادہ عزت دار بنتی ہے۔"مار مار کے سیفی تھک گیا۔
وہ بے ہوشی کی کیفیت میں کارپٹ پر گر گئی تو میڈم نے ہاتھ اٹھا کر گویا ریسلنگ ختم ہونے کا اشارہ کیا۔
"اسے سمجھالیں۔آپ کا کاروبار بھی جائے گا اور میرا بھی۔"وہ زہر خندہ لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔
میڈم نے آواز دے کر ملازم کو بلایا اور ایبہا کو اٹھا کر اسے کمرے میں لے جانے اور اس کے زخم صاف کرنے کو کہا اور خود اطمینان سے ٹی وی لگا کے چینل بدلنے لگیں۔

☼ ☼ ☼
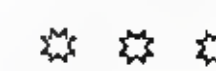
وہ رباب کے ساتھ چھٹی منا رہا تھا۔ساحل سمندر پر دور تک اس کے ساتھ چلتے پانی کی لہروں سے کھیلتے ہوئے وہ اپنا تمام ماضی بھولے ایک نیا معیز بن گیا۔
جسے زندگی سے پیار تھا۔
"دیکھا۔سمندر میں کیسا جادو ہے۔تم جیسے سڑیل آدمی کو بھی اس نے خوش مزاج بنادیا۔"رباب اسے چھیڑ رہی تھی۔
"مائنڈ یو۔میں پہلے سے ہی ایک خوش مزاج آدمی ہوں محترمہ!"
معیز نے مسکرا کر کہا۔
"محترمہ؟"رباب نے ناک چڑھا کر ناگواری سے دہرایا۔
"میں کون سی سیاست دان ہوں جس کے لیے تم اتنے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کررہے ہو۔"وہ نازنین تھی' ناز پرور تھی۔
اس کے پیچھے ڈوبتا سورج اس کے بالوں کو نارنجی کررہا تھا۔اور وہ سونے کی بنی مورت لگ رہی تھی۔
رات ہونے کو تھی اور سمندر پر جادو اترنے لگا تھا۔معیز پر بھی یہ جادو اثر کرنے لگا۔

www.paksociety.com

اس نے بے اختیار رباب کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے سامنے کیا۔

"آئم سوری ہنی۔" رباب کا دل عجیب سے انداز میں لرزا۔ وہ بہت سے مردوں کے ساتھ ڈیٹ پہ جاتی رہی تھی مگر ایسی اجازت اس نے کسی کو نہ دی تھی۔ اور یہاں وہ اجازت مانگ ہی کب رہا تھا۔ دندناتا ہوا دل میں گھسا چلا آرہا تھا۔

رباب نے اس کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا۔ ڈوبتے سورج کے سامنے وہ سائے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے شاید ایک دوسرے کے دل میں اترنے کو تھے۔

معیز کے موبائل کی رنگ ٹون نے انہیں حواس میں لا پٹخا۔

"ایسے موقعوں کے لیے ہی سائیلنس کا آپشن رکھا گیا ہے سیل فون میں۔"

رباب جی بھر کے بدمزہ ہوئی تو عون کا نام اسکرین پر جگمگاتے دیکھ کر معیز ہنستے ہوئے اس کی کال اٹینڈ کرنے لگا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف وہ بہت پرجوش تھا۔

"یار! میں کل تجھے کہہ رہا تھا نا کہ وہ لڑکی مجھے دیکھی دیکھی لگ رہی ہے۔" معیز کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ چلتے ہوئے رباب سے تھوڑے فاصلے پر ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ کون سی لڑکی؟"

"وہی یار! جو کل رات تمہاری بزنس پارٹی میں دیکھی تھی۔"

"وہاں تو بہت سی لڑکیاں دیکھی تھیں۔" معیز نے رباب کو نگاہوں میں فوکس کرتے ہوئے بات برائے بات کہا۔ اس لمحے کا فسوں تھا کہ اس کا سارا دھیان رباب میں تھا۔ وہ بھی اسی کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"ارے یار! وہ جس نے کسی آدمی کو تھپڑ مار دیا تھا۔" عون نے کہا تو معیز کو مجبوراً" حاضر دماغ ہونا پڑا۔

"ہاں۔ سیفی کی سیکریٹری تھی وہ۔"

"ہاں۔ ہاں۔ وہی۔" عون پرجوش لہجے میں بولا۔

"یار وہی لڑکی آج اسپتال میں دیکھی میں نے۔ خاصا تشدد کیا گیا تھا اس پر شاید۔"

"آگے بول ۔۔۔ کیوں بے کار کا سسپنس ڈال کے میرا سنڈے خراب کر رہا ہے۔"

"وہ یار! یہ وہی لڑکی ہے جو بارش میں تیری گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ اور بعد میں تو اس کا پرس لوٹانے بھی گیا تھا۔"

عون نے کہا تو معیز کے ذہن کو لمحہ بھر لگا حاضر ہونے کو۔ رباب کا چہرہ اس کی نظروں کی سامنے یک لخت ہی گم ہوا۔

"کیا۔ کیا کہا تم نے؟" وہ متوحش سا پوچھنے لگا۔

"ہاں یار! آج اسپتال میں اسے دیکھا تو مجھے یاد آیا۔ کل سے میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ رہا نہیں گیا تو سوچا تمہیں بتا دوں۔"

عون کہہ رہا تھا اور معیز احمد کو لگ رہا تھا جیسے اس کے قدم ریت میں دھنستے چلے جا رہے ہوں۔

"ایبہا مراد۔" وہ ایک بار پھر برے حالوں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جیسے تین سال پہلے وہ ٹھٹھر سا گیا۔

عون کی بات سن کر معیز کے اعصاب کو شدید جھٹکا لگا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایبہا مراد، سیفی جیسے شاطر اور اوباش آدمی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

"تمہیں تو پتا ہے جب تک میرے ذہن کی الجھن سلجھ نہ جائے مجھے نیند نہیں آتی۔ وہ لڑکی میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ اسپتال میں اسے دیکھا تو یاد آگیا۔"

عون نے فاتحانہ انداز میں بتایا اور معیز اس کی "الجھن سلجھاؤ" عادت سے اچھی طرح واقف تھا۔ بدقّت خود کو سنبھال پایا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"بالکل نہیں۔ اس لڑکی نے ثانیہ کو اپنا نام ایبہا بتایا تھا۔ وہاں نرس سے کنفرم کیا تھا میں نے اسپتال والی لڑکی کا نام بھی ایبہا مراد تھا۔"

عون نے پُریقین انداز میں کہا تو وہ سُن رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اور معیز احمد سے اب رات گزارنی مشکل تھی۔

"ہنہ۔ مجھے کیا بھاڑ میں جائے ایبہا مراد۔" ایک ان دیکھی آگ میں جلتے سلگتے اس نے کئی بار ذہن کو جھٹکا۔ مگر ہر "مجھے کیا؟" کے بعد اسے خیال آتا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کیا رشتہ تھا اور یہ کہ وہ اب سیفی جیسے بدقماش کے قبضے میں تھی۔

کمرے کے وسط میں کھڑے معیز نے طیش سے مٹھیاں بھینچیں۔

"یا اللہ۔ کیسا امتحان بن گئی ہے یہ لڑکی میرے لیے۔" اس کی غیرت جوش میں آنے لگی۔ وہ لڑکی مر جائے، گمنام ہو جائے، اسے منظور تھا۔ مگر وہ سیفی کے پہلو میں نظر آئے، وہ کسی طور برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کا شدت سے جی چاہا کہ مودی صاحب کو فون کرے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ کسی بھی طور سہی اسے قیامت کی یہ رات گزارنی ہی تھی۔ صبح ہی اس مسئلے کا کچھ حل نکل سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ صبح ہی صبح گاڑی اس کی رہائش گاہ کے سامنے کھڑی کیے محوِ انتظار تھا۔ اس نے گاڑی میں لگی گھڑی میں وقت دیکھا۔ وہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی آچکا تھا۔ مگر بہرطور یہ آدھا گھنٹہ اب گزر چکا تھا۔

اس نے دوبارہ گیٹ پر نظریں جما دیں۔

دس، پندرہ سیکنڈوں کے بعد چھوٹا گیٹ کھلا اور وہ باہر نکلی اور نکل کر اسی روانی سے چلتی گاڑی میں آکر نہیں بیٹھی۔ بلکہ پہلے تو سینے پہ بازو لپیٹ کر وہیں کھڑے ہو کر اس نے "ڈرائیور" کو خوب گھور کر دیکھا۔

ڈرائیور کے ہونٹوں پر خوب کھلی کھلی مسکراہٹ آگئی۔ وہ فوراً" اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اترا اور آگے سے گھوم کے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بے حد کوفت زدہ سی سر جھٹکتی گاڑی میں آ بیٹھی تو وہ احتراماً" ذرا سا سر جھکا کر دروازہ بند کر کے اپنی سیٹ پہ آیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ اپنا شولڈر بیگ گود میں رکھے وہ یوں ہی بازو لپیٹے سامنے اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔

عون نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے صلح جویانہ "اسٹارٹ" لیا۔

"اس وقت تم بالکل ایسے بچے کی طرح لگ رہی ہو جس کا آج اسکول میں پہلا دن ہو۔" ثانیہ نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور جب بولی تو انداز میں حد درجہ ناراضی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو مجھے کس بات کا غصہ ہے۔"

"وہ تو تمہاری بے وقوفی ہے نا۔ اس لیے میں تمہارے غصے کو سیریس نہیں لے رہا۔" عون نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو... اگر میں جاب کر سکتی ہوں تو کنوینس کا انتظام مشکل نہیں تھا میرے لیے۔ تمہیں یہ نیا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ثانیہ کو واقعی اچھا نہیں لگا تھا۔

ایک تو اس نے لندن نہ جانے کا ان چاہا فیصلہ کیا' دوسرے یہاں اپنی مرضی کی جاب ملی تو عون نے پھپھو سے واشگاف الفاظ میں کہا کہ چونکہ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے اس لیے وہ اس کے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری خود نبھائے گا اور پھپھو تو گیا۔ اس رشتے میں پڑتی دراڑوں کے ڈر سے سب ہی نے عون کی اس آفر کا کھلے دل سے خیر مقدم کیا تھا۔

مگر ثانیہ کا تو دل جل کر خاک ہی ہو گیا۔ جاب کے پہلے ہی دن کا آغاز ان چاہا ہوا تھا۔

"یہ نیا نہیں' بہت پرانا ڈرامہ ہے' بلکہ حقیقت... وہ تو تجھے ہی اب پتا چلا ہے کہ حقیقت سے نظریں چرانے والے بہت گھاٹے میں رہتے ہیں۔" وہ آہ بھر کے بولا۔

"لیکن میں اپنی زندگی میں ڈسٹربنس نہیں چاہتی۔" ثانیہ جھنجلائی۔

"اچھا... یعنی میں نے تمہیں 'ڈسٹرب' کرنا شروع کر دیا ہے۔" عون نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بڑے ذو معنی انداز میں کہا تو ثانیہ کو جی بھر کے غصہ آیا۔ دل چاہا اپنا بیگ ہی اٹھا کے اس سر پھرے کے سر پر دے مارے۔

"عون پلیز بی سیریس۔"

"میں تو تمہارے معاملے میں بالکل سیریس ہوں۔ تم جانتی ہوں۔" وہ اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے اسی انداز میں بولا۔

بہار کے سارے رنگ ہی اس کے پیرہن میں نظر آتے تھے اور کھلتا ہوا زرد رنگ اس کے سونے جیسے روپ کو دمکا رہا تھا۔ یہ ایک محبوب کی نظر تھی۔ ایک چاہنے والے کی نظر اور اس نگاہ کو ثانیہ نے فی الفور محسوس کر لیا۔ وہ جز بز سی ہو کر زور سے بولی۔

"سامنے دیکھ کے گاڑی چلاؤ۔" عون زور سے ہنسا تھا۔

"اس پیار سے میری طرف نہ دیکھو۔ پیار ہو جائے گا۔" وہ گنگنا رہا تھا۔

"اسی لیے... اسی لیے میں تمہارے ساتھ آنا نہیں چاہ رہی تھی۔" وہ خفا تھی۔

"میرے راستے میں مت آؤ عون۔"

عون نے فرم کی شان دار عمارت کی پارکنگ میں گاڑی روکتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ بے حد سنجیدگی سے بولی اور دروازہ کھول کر گاڑی سے اترنے لگی تو عون نے اسی مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تمہارے راستے میں نہیں آ رہا ثانی۔ بلکہ تمہارا راستہ ہی میں ہوں اور میری منزل تم...."

"چار دن میں عشق کا بھوت سر سے اتر جائے گا۔ میری طرف سے تم آزاد ہو عون عباس۔ جا کے اپنی زندگی جیو۔" وہ سلگی۔

"ابھی تمہارا آفس سامنے نہ ہوتا اور وہ بڑی تند والا واچ مین ہمیں اتنے غور سے نہ دیکھ رہا ہوتا تو میں تمہاری اس آفر کا بہت خوب صورت جواب دیتا۔"

عون نے بڑے پُرسکون انداز میں کہا تو لب و لہجے کی نرو معنویت واضح تھی۔ ثانیہ نے نیچے اتر کر گاڑی کا دروازہ زور سے بند کیا اور پھر اس کی طرف دیکھے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔
عون نے گہری سانس بھری اور طمانیت سے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں معیز بیٹا۔" مودی صاحب اس کی بات پر ازحد حیران تھے۔ ایک تو وہ وقت سے پہلے ہی آفس آپہنچا تھا۔ اس پر اس کا اضطراب و بے چینی اس کی ہر ہر حرکت سے ظاہر تھی۔
"انکل پلیز۔ ٹائم ویسٹ مت کیجیے اور کل بلکہ کوشش کرکے آج ہی سیفی کے ساتھ میٹنگ رکھ لیں۔ میں فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ حد درجہ عاجز تھا۔
"لیکن بیٹا! کوئی ریزن بھی تو ہو میٹنگ کا۔" مودی صاحب پریشان تھے۔
اور واقعی ان کی بات صحیح تھی۔ اگر فون کرکے میٹنگ کا ٹائم لیا جاتا تو پھر کچھ وجہ بھی تو بتانی پڑتی میٹنگ کرنے کی۔ معیز خالی الذہنی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگا۔
"کیا آپ ان کے کنٹریکٹ میں انٹرسٹڈ ہیں؟" مودی صاحب نے خود ہی پوچھنا چاہا۔
معیز نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔ پھر دفعتاً" جیسے اسے خیال آیا۔ اس طرح بے سروپا گفتگو کرکے وہ مودی صاحب کو بھی الجھا رہا تھا۔
"ایکچوئلی میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور بس۔۔۔ آپ پی اے سے کہیں آج یا کل کا کوئی ٹائم لے اس سے۔ وہ ریزن نہیں پوچھے گا مودی صاحب۔"
مودی صاحب سمجھ دار انسان تھے۔ لمبی سانس کھینچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر کچھ یاد آنے پہ پوچھا۔
"اس میٹنگ میں۔۔۔ میں آپ کے ساتھ ہوں گا؟"
"نہیں مودی صاحب۔" وہ فی الفور بولا۔ "یہ نان آفیشل میٹنگ ہے۔"
"اوکے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں ابھی آپ کو انفارم کرتا ہوں۔"
مودی صاحب کے جانے کے بعد معیز نے گہری سانس بھرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔
رات وہ بمشکل کچھ دیر ہی سو پایا تھا۔ ابھی بھی اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔
مگر ایسا مرادنا ی مصیبت اس کے اعصاب پر ایسی سوار تھی کہ کسی کروٹ چین نہ پڑتا تھا۔
مودی صاحب نے آفس لائن پہ تھوڑی دیر بعد کال کی۔
"سیفی کے ساتھ میٹنگ طے ہو گئی ہے۔ بلکہ اس نے لنچ پہ انوائیٹ کیا ہے آپ کا نام سنتے ہی۔"
معیز کے تنے ہوئے اعصاب قدرے سکون میں آئے۔
"اوکے مودی صاحب تھینک یو۔" وہ متشکر ہوا۔
مودی صاحب نے لائن کاٹ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی تفکر کی لکیریں تھیں۔
امتیاز احمد ایک تجربہ کار بزنس مین تھے۔ وہ سیفی جیسے کئی اور کو بھی بڑی سمجھ داری سے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ مگر معیز احمد جیسے نو آموز کو تو سیفی جیسا شاطر بندہ چٹکیوں میں اڑا دیتا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت سوچ سمجھ کر عون کو ساتھ لیا۔ حالانکہ اس نے بہتیرے ہاتھ جوڑے۔
"بلکہ تم کہو تو کان بھی پکڑ لیتا ہوں۔ اس روز بزنس پارٹی سے جو "بزنس" کا تجربہ حاصل ہوا' وہ اگلے پانچ سالوں

تک بزنس کرنے کے لیے کافی ہے۔" اس نے باقاعدہ کان پکڑ کے بھی دکھا دیے۔
پُرسکون بیٹھا رہا۔ تحمل سے اس کی اداکاری دیکھی۔
"بس۔۔۔ ختم ہو گئی تمہاری بکواس؟"
"پر میں ہی کیوں؟ مودی صاحب کو لے جاؤ یار۔ کوئی اچھی سی بزنس ٹپ ہی دے دیں گے۔"
وہ اچھا خاصا اڑیل گھوڑا تھا۔
"یہ بزنس میٹنگ نہیں ہے۔"
وہ ٹیبل پر سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔ یعنی یہ اب اٹھنے کا اشارہ تھا۔ عون ٹھٹکا پھر طنزاً" بولا۔
"تو پھر کون سا تجربہ حاصل کرنے جا رہے ہو۔ معاف کرنا مودی صاحب نے کچھ خاص اچھا نہیں بتایا اس بندے کے متعلق۔"
"ہم اس سے اس لڑکی کا پوچھنے جا رہے ہیں۔" معیز نے عون کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ متحیر ہوا۔
"کون سی لڑکی؟"
"وہی۔۔۔ جسے وہ اس رات پارٹی میں لایا تھا۔"
معیز کا انداز اسے بہت بہکا سا لگا۔ عون الجھا۔
"کم آن معیز۔ میں نے تمہیں بتا تو دیا تھا۔ اس رات وہی روڈ ایکسیڈنٹ والی لڑکی اس کے ساتھ تھی۔"
"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ سیفی کے ساتھ کس حیثیت میں رہ رہی ہے۔" معیز کا لہجہ یک لخت تیز ہوا اور چہرے کی رنگت بدلی۔
"مائنڈ یو مسٹر معیز احمد!" ٹیبل کی سطح پر ہلکا سا مکا مارتے ہوئے عون آگے کو جھکا۔ "اور یہ ساری انویسٹی گیشن ہم کس رشتے سے کریں گے اور کیوں؟" اس کے لہجے میں استہزا تھا۔
"وہ سب میرا مسئلہ ہے عون۔ باقی کا کیس وہاں جا کے حل کرلینا۔ اب اٹھ جاؤ۔ ہم آل ریڈی لیٹ ہیں۔"
عون حیران ہوا۔ معیز کے انداز نے اسے سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔
"یعنی ہم محض اس لڑکی کی خاطر اس شخص سے ملنے جا رہے ہیں؟" اسے جیسے یقین کرنے میں دشواری تھی۔
"ہاں۔۔۔ وہ ابو کی کزن کی بیٹی ہے۔" معیز نے یک لخت کچھ اس انداز میں بتا دیا کہ عون کے پاس مزید بحث کرنے کا کوئی چارہ ہی نہ رہا۔ مگر وہ پھر بھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔
"تو پھر ایکسیڈنٹ والے روز تم نے کیوں نہ بتایا اور اس کے سامنے بھی نہیں گئے؟"
معیز اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیبل کی سطح پر سے گاڑی کی چابیاں اور موبائل اٹھاتے ہوئے بولا۔
"ہمارے فیملی ریلیشنز (تعلقات) اتنے اچھے نہیں' ابھی بھی میں اسے سیفی کے ساتھ نہ دیکھتا تو۔۔۔" وہ کہتے کہتے لب بھینچ گیا۔
عون نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے معیز کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اور سوجن دکھائی دی۔
"اور پھر ابو اپنی وصیت میں اس کے نام بھی کچھ حصہ چھوڑ گئے ہیں اور میں حق دار کو اس کا حق پہنچانا چاہتا ہوں۔"
معیز نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے باہر کی راہ لی تو سر ہلاتے ہوئے عون بھی اس کے پیچھے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"میری سمجھ میں تو یہ لڑکا نہیں آتا۔ زندہ ماں سے زیادہ مرے ہوئے باپ سے محبت اور ہمدردی ہے اسے۔"

سفینہ کڑھتے ہوئے بولیں۔ تو ناخن فائل کرتی زارا چونکی۔

"کس کی بات کررہی ہیں ماما؟"

"معیز کی اور کس کی کروں گی۔ وہی ہے جو اپنے باپ کی بیوہ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔"

سفینہ کے لہجے میں زہر تھا اور یہ زہر صالحہ کی بیٹی ایبہا مراد کے لیے تھا۔

"ایک لحاظ سے تو اس سلسلے میں بھائی ٹھیک ہی کررہے ہیں ماما۔ اسے اس کا حصہ دے کر ایک مذہبی فریضہ ادا ہو جائے گا۔ ابو تو ہیں نہیں کہ وہ آکے یہاں رہنے لگے گی۔ حصہ دے کے چلتا کریں گے اسے۔"

زارا نے غیر جانب داری کا مظاہرہ کیا۔ جو انہیں بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ تیز لہجے میں بولیں۔ "ایسے ہی دے دیں گے حصہ۔ اس کے باپ کی نہیں بلکہ تمہارے باپ کی کمائی کا ہے یہ حصہ۔"

"یہ مت بھولیں کہ ابو ہی نے اپنی کمائی میں سے اس کے لیے یہ حصہ چھوڑا ہے۔ بہرحال اس پر ہمارا حق نہیں ہے۔" ایزد ابھی آیا تھا۔

اس نے بھی گزشتہ مہینوں میں اس بارے میں غیر جانب داری سے سوچا تو یہی سمجھ آیا کہ حق دار کو اس کا حق ملنا چاہیے۔ خواہ وہ دوست ہو یا دشمن۔

"بس کرو تم لوگ۔ بھائی کی زبان بولنے لگے ہو۔ مذہب تو جیسے تم ہی لوگوں نے پڑھ رکھا ہے۔ ارے میرے بچوں کا حق کھائے گی وہ ڈائن۔ خود تو مر گئی' بے حیا اپنی بیٹی کو چھوڑ گئی مرتے دم تک میرے سر پہ ناچنے کے لیے۔"

سفینہ اس موضوع پر یوں ہی جذباتی ہو جایا کرتی تھیں۔

"مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آتا ماما۔ ابو کو کیا سوجھی اس عمر میں۔ میری عمر کی لڑکی سے شادی کرلی۔" زارا کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی۔

محبت کرنے والے باپ کے متعلق ایسی بات کرنا بھی اسے گناہ لگتا تھا' مگر وصیت کے بعد تو جیسے سارا معاملہ ہی کھل کے سامنے آگیا تھا۔

"اب کیا کہوں میں۔ زندہ ہوتے تو لڑتی ان سے۔ اب مرے ہوئے سے کیسے گلے شکوے کروں۔ میرا تو سارا مان' سارا غرور مٹی میں ملا گئے امتیاز احمد۔" سفینہ رو دیں۔

ایزد نے ان کے شانوں پہ بازو پھیلا کر تسلی دی۔

"ابو کو کچھ مت کہیں ماما۔ بھائی نے بتایا تو تھا کہ وہاں حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ ابو کو نکاح جیسا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لڑکی کا باپ جواری تھا۔ بیچ رہا تھا اپنی لڑکی کو۔"

"میری طرف سے سو دفعہ بیچتا اسے۔ امتیاز احمد نے بھی تو رقم چکائی تھی' کوئی اور چکا کے لے جاتا میری بلا سے۔" وہ نفرت سے بولیں۔

"کم آن ماما۔ ریلیکس۔ فی الحال تو وہ لڑکی ہمارے آس پاس کہیں نہیں ہے۔ اس لیے ٹینشن مت لیں۔" ایزد انہیں ٹھنڈا کرنے لگا۔

زارا کے موبائل پر رباب کی کال آنے لگی تو وہ اٹھ کے اپنے کمرے میں آگئی۔ یہ معاملہ ابھی تک گھر ہی کے لوگوں کے علم میں تھا۔ زارا کی سسرال کو تو ایبہا مراد اور صالحہ کی بھنک بھی نہ پڑنے دی گئی تھی۔

"کیسی ہو۔؟" رباب کی فریش سی آواز نے ہمیشہ کی طرح زارا کے اعصاب کو پرسکون کیا۔

سفیر نے اسے بتایا تھا کہ رباب اس سے کتنی خوش ہے اور ظاہر ہے سفیر بھی خوش تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تم کتنے دنوں سے نہیں آئیں' کہاں گم ہو۔" زارا نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور بستر پہ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز ہو گئی۔

"بس۔ ایگزیمز کی تھکاوٹ اتار رہی تھی اور معیز کو دیکھو۔ ایک بار بھی جو فون کیا ہو۔ زبردستی لانگ ڈرائیو پہ لے گئی تھی میں اور بس۔" رباب نے شکوہ کیا۔

"بس یار۔ وہ مصروف ہی اتنے رہتے ہیں۔"

"اچھا۔ وہ اس کے دوست کی کزن مل گئی کیا؟" رباب کو یاد آیا۔

"کون سی کزن' کون سا دوست؟" زارا کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"اس کے دوست کی کزن میرے ہی کالج بلکہ میری کلاس میں تھی۔ پھر کچھ پرابلمز کا شکار ہو کر وہ فیس نہیں دے پائی تو کالج سے چلی گئی۔ اسی کا معیز مجھ سے پوچھنے آیا تھا پچھلے دنوں۔" رباب نے اسے تفصیل بتائی۔

"اچھا۔ ہو گا کوئی۔ البتہ دوست تو ان کے صرف عون بھائی ہی ہیں۔" زارا کے لیے یہ گفتگو معمولی تھی۔

"ہاں۔ شاید اسی کی کزن تھی۔ کچھ زیادہ ہی برے حالات ہو گئے تھے بے چاری کے۔ اسی لیے ایگزیمز کی فیس بھی نہیں دے پائی اور اب پتا نہیں کہاں دھکے کھا رہی ہو گی۔"

"اچھا۔ عون بھائی تو اچھے خاصے ویل اسٹیبلشڈ بندے ہیں۔" زارا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"لیکن اس کے حالات تو کافی سے زیادہ ہی برے تھے۔ ہاں پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ بلکہ میرے ساتھ تو باقاعدہ کمپیٹیشن چل رہا تھا اس ایبہا مراد کا۔" رباب بڑی فرصت کے عالم میں تھی۔ تب ہی بات نکالتی جا رہی تھی یا شاید اس روز معیز کا ایبہا کے متعلق پوچھنا اس کے ذہن کے کسی گوشے میں اٹک گیا تھا۔

"ایبہا مراد۔؟" زارا کو کرنٹ سا لگا۔ وہ بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔

"ہاں۔ ایبہا مراد۔ تم جانتی ہو اسے؟" رباب نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"نہیں۔ ایکچوئلی نام ہی سنا ہے اس کا۔ ابو کی کسی دور پار کی کزن کی بیٹی بھی ہے وہ شاید۔" زارا بے اختیار کچھ کا کچھ کہہ گئی۔

"اچھا۔ تو معیز اسے کیوں ڈھونڈ رہا تھا؟" رباب کے یقیناً" کان کھڑے ہوئے تھے۔

"یہ تو اب وہ جانیں اور عون بھائی۔ شاید عون بھائی ہی نے کہا ہو ان سے۔" زارا سے اب بات نہ بن پا رہی تھی۔ مگر رباب پر بہرحال یہی تاثر پڑا کہ عون بھی ان کا دور پار کا ہی سہی مگر رشتہ دار ہی ہے۔

"ایني وے۔ اس کے جانے کے بعد میری پوزیشن تو پکی ہے۔" رباب مطمئن تھی۔ زارا نے موضوع بدلتا دیکھ کر گہری سانس بھری تھی۔

☼ ☼ ☼

سیفی نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔

"تھینکس ٹو میٹ یو مسٹر معیز۔ مجھے یقین تھا کہ آپ اپنے والد صاحب کے احباب کی قدر کریں گے۔" وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ چلتا معیز اس کے آفس کی طرف بڑھتا اس کے اسٹاف کا جائزہ لے رہا تھا۔

"یہ تو زیادتی ہو گئی سیفی صاحب! کوئی حسین و جمیل سیکریٹری تو رکھی ہوتی آپ نے۔ جو ہمیں دروازے سے ریسیو کر کے آپ کے آفس تک پہنچاتی۔ میں تو اسی آس میں آیا تھا۔" عون نے نشانہ سیدھا نشان پہ مارا۔ تو سیفی اپنے مخصوص بھدے انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔

"ارے بے فکر رہو۔ ہم نے بھی سیکریٹری نامی حسین بلا پال رکھی ہے۔ بس اس کا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ کل پرسوں تک آجائے گی۔"

"پھر رونق بڑھے گی آپ کے آفس کی۔" وہ دونوں سیفی کے کمرے میں داخل ہوئے۔
"ارے رونق کیا وہ تو پورا ماحول جگمگا دے گی۔ اتنی خوب صورت ہے وہ۔" سیفی کے انداز میں ایک حسرت سی تھی۔
"انٹرویو کے ذریعے سلیکٹ کیا ہے آپ نے اسے؟" یہ معیز کا پہلا سوال تھا۔ "نہیں۔ نہیں۔ کہیں سے تحفہ ملا ہے ہمیں۔ مگر بہت ہی نایاب۔" وہ آنکھ دبا کر بے تکلفی سے بولا۔
"تم لوگوں نے دیکھا ہوگا اسے۔ پارٹی میں میرے ساتھ۔" وہ ان لوگوں کے سوالوں سے ان کی کھٹکوی کا اندازہ لگا رہا تھا۔
"ایکچوئلی معیز بھی ایک اچھی سی سیکریٹری رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ سے ٹپس لے رہے ہیں۔"
عون کو اس کی سوچ کا اندازہ ہو رہا تھا۔
تب ہی اس نے معیز کو سنبھالا دیا۔ "ہاں۔ ہاں۔ ضرور ٹپس دوں گا۔ پہلے میرے خیال میں ایک ایک ڈرنک ہو جائے 'دوستی کے نام پہ؟"
سیفی کو شکار جال میں پھنستا نظر آ رہا تھا اور کھرا سید ھا ایہا مراد کی طرف جا رہا تھا۔
"تو تھینکس۔ ہم۔ "فی الحال" یہ شوق نہیں رکھتے۔" عون اس کا اشارہ سمجھ کر بو کھلا کر بولا۔ "کولڈ ڈرنک ہی چلے گی۔" انتہائی خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیے گئے سٹنگ روم میں ان کی جوسز سے تواضع کی گئی۔
"اب اصل بات کی طرف آئیں سیفی صاحب! یہ سیکریٹری وغیرہ جیسی فضولیات تو بس تمہید میں آ گئیں۔"
معیز نے یک لخت ہی پینترا بدلا۔
"ارے نہیں جناب! اگر آپ چاہیں تو آپ کے آفس میں بھی ایسا ہی خوب صورت بندوبست ہو سکتا ہے۔" وہ ہنسا۔
"لیکن میں ان فضولیات میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ آپ کو پتا ہوگا میرے فادر نے آفس میں لیڈیز کا شعبہ الگ رکھا ہے مردوں سے۔" معیز نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر موضوع پر آ گیا۔
"مجھے پتا چلا ہے کہ آپ ہمارا مال اٹھا کر بعد میں اپنے مونوگرام کے ساتھ مارکیٹ میں چلا رہے ہیں؟" سیفی سنبھل کر بیٹھا۔
"بہت سی کمپنیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔"
"دیکھیں سیفی صاحب! ہم اس مارکیٹ میں اپنی پروموشن کے لیے بیٹھے ہیں نہ کہ آپ کی۔ اب آپ اصل پہ نقل کا لیبل لگا کے بیچیں گے تو کیا گارنٹی ہے کہ اس کی کوالٹی میں بھی فرق نہ ہوگا؟"
"ایسا کچھ نہیں ہے اور پھر اس سے پہلے امتیاز اینڈ سنز سے کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی ہمیں۔" سیفی شاید لنچ کی اس دعوت کو دے کر پچھتا رہا تھا۔
"آپ ہماری کمپنی سے مال اٹھا کر جس قیمت پہ بیچ رہے ہیں' وہ ڈبل ہے۔ جانتے ہیں نا آپ؟" معیز نے طنز کیا۔
"دیکھیں۔ لوگوں کو مناسب لگتا ہے تو وہ خریدتے ہیں نا۔" سیفی نے اپنا دفاع کیا۔
"لیکن اس سے ہماری کمپنی کی ساکھ کو نقصان پہنچ رہا ہے مسٹر سیفی۔" معیز نے خشک لہجے میں کہا۔
"کوالٹی اور قیمت میں فرق کی شکایات آپ کو نہیں ہماری کمپنی کو ملتی ہیں۔ یہ شاید آپ کے علم میں نہیں۔"
"دیکھیں معیز صاحب۔ آپ ابھی اس فیلڈ میں نئے ہیں۔ آپ کے والد محترم کے ساتھ میں کئی برسوں سے کام کر۔"

سیفی نے صفائی پیش کرنا چاہی مگر معیز تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ گیا۔
"یہ سب نوٹس مجھے ان ہی کی ڈائری میں سے ملے ہیں سیفی صاحب۔ اور کوئی جواز؟"
سیفی کے پاس واقعی نہ کوئی جواز بچا تھا اور نہ ہی جواب۔
جبکہ عون دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا معیز کو یوں پینترا بدلتے دیکھ رہا تھا۔ گھر سے وہ کچھ کہہ اور سوچ کے نکلا تھا اور یہاں آ کے وہ اور ہی کھاتے کھول کے بیٹھ گیا تھا۔ مگر فی الحال زبان کو بند رکھنے ہی میں عقل مندی تھی۔ سو وہ وہی کر رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

واپسی پر گاڑی میں وہ اس سے خوب الجھا۔
"یہ تم وہاں ایہا مراد کے متعلق انفارمیشن لینے گئے تھے یا اس کی جھاڑ پونچھ کرنے؟"
"تو لی نا انفارمیشن۔ وہ اسی کے پاس ہے۔" معیز سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
"اور یہ بعد میں جو سلسلہ تھا وہ؟" عون نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔
"تمہارا کون سا ہونے والا سسر تھا جو تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے۔" معیز نے اسے گھور کر دیکھا۔
"اللہ نہ کرے۔" عون کا دل سہم گیا۔ "خبیث انسان! تجھے پتا ہے میں ثانی کے علاوہ خواب میں بھی کسی اور کا سوچ نہیں سکتا۔"
"اور وہ خواب میں بھی تیرے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔" معیز نے لطف لیا۔ عون چند ثانیے اسے گھور گھور کے دیکھتا رہا۔ پھر تھک کر سیٹ پر سیدھا ہو بیٹھا۔
"اب خود ہی بتا دو اس ساری فضول میٹنگ کا مقصد' جس میں صرف کھانا ہی اچھا تھا۔ وہ بھی اس شخص نے تکلفاً "کھلا دیا۔ ورنہ جوتے کھانے کے بعد کون کھانا کھلاتا ہے کسی کو۔"
وہ در حقیقت چڑا ہوا تھا۔
معیز کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ "میں وہاں ایہا مراد کا پتا کرنے گیا تھا۔ میں اسے ہر قیمت پر وہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں اسے ٹریپ کر کے سیفی کے پاس بھیجا گیا ہے۔"
"ہاں تو بات کرتے نا۔ کہ میری کزن کو میرے حوالے کرو۔" عون نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔
"تمہیں لگ رہا تھا کہ وہ "یوں ہی" اسے ہمارے حوالے کر دے گا؟" معیز نے بڑے تحمل سے پوچھا۔ عون ٹھنڈا پڑ گیا۔
"یہاں کوئی حکمت عملی اپنانی پڑے گی۔ ایسی کہ کسی کو ہم پر شک بھی نہ ہو اور وہ لڑکی بھی وہاں سے نکل آئے۔"
معیز کا انداز پُرسوچ تھا۔

✡ ✡ ✡

"پتا نہیں اللہ نے اس دنیا میں بے وقوف کیوں بھیجے ہیں اور ناشکرے۔ تم جیسے۔" حنا مسلسل برہمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
سیفی سے مار کھانے کے بعد ایہا کی حالت بہت بری تھی۔ مگر حنا نے خدا ترسی دکھا ہی دی کہ اتنے دنوں تک کسی دوست ہی کی طرح اس کا خیال رکھا' جب تک کہ اس کے زخموں پر کھرنڈ نہ آ گئے۔
سیفی نے بہت بے دردی سے اسے پیٹا تھا۔

www.paksociety.com

"تمہارا کیا خیال ہے۔ مجھے تمہاری طرح عقل مندی کے ساتھ اپنی عزت کو بزنس بنا لینا چاہیے اور اس کے بدلے جو پیسہ ملے' وہ وصول کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے؟"

ایمہا نے پھنکارتے ہوئے یک لخت ہی کہا تو حنا بھک سے اڑ گئی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو۔" اس نے سنبھلتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"یہ صرف تم ہی کر سکتی ہو۔" ایمہا نے ماتھے پر حنا کی لگائی بینڈیج اتار کر پھینکتے ہوئے نفرت سے کہا۔ "میں جب تک احتجاج کر سکتی ہوں' کروں گی' جہاں تک میرے اللہ نے میرے اختیار کی حدیں رکھی ہیں اگر میں وہاں تک ہاتھ پاؤں مارے بغیر خود کو حالات کے حوالے کر دوں تو تف ہے میری بشریت پر۔"

"ہنہ۔ یہ نام نہاد عزت فاقے تو دے سکتی ہے' مگر دو وقت کی روٹی نہیں۔" حنا نے طنز سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو سن لو۔ میں عزت کی خاطر بھوکا مرنا پسند کروں گی۔" وہ چیخی۔

"شٹ اپ۔" حنا نے غصے سے اسے دیکھا۔ "میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میم تمہیں اتنی چھوٹ کس خوشی میں دے رہی ہیں۔ کسی ڈرائیور یا مالی کے آگے ڈالا ہوتا تو پھر میں دیکھتی' تمہاری زبان سے کیسے یہ "صوفیانہ" کلام نکلتا ہے۔"

حنا کے انداز میں حقارت تھی۔ اس کے باعزت ہونے کے لیے' اپنی نسائیت کی حفاظت کے لیے نفرت تھی۔ جانے کیسی مردہ ضمیر لڑکی تھی وہ۔

✡ ✡ ✡

عون کو جیسے کرنٹ لگا۔

وہ اچھل ہی تو پڑا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو یار۔ نشے میں تو نہیں ہو؟" معیز آج اس کے ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے آیا تھا۔ عون نے بڑے لاڈ اور شوق کے ساتھ اپنے بہترین دوست کے ساتھ ایک ہی ٹیبل پہ بیٹھ کے کھانا کھایا اور اب اس کی بات نے ایک دم ہی دماغ گھما دیا تھا۔ "میں سوچ رہا تھا' ثانیہ بھابھی کو سیفی کے آفس میں جاب کے لیے بھیجا جائے۔" معیز نے اطمینان سے کہا اور پانی پیتے عون کو اچھو لگ گیا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ میری بیوی کو اس بے غیرت اور بے حیثیت شخص کے آفس میں۔" عون کا دانت پیس پیس کر برا حال تھا۔

"نانڈیو۔ میں تم سے اجازت نہیں لے رہا۔ صرف ڈسکس کر رہا ہوں۔ اجازت تو میں بھابھی سے لوں گا۔" معیز نے آرام سے اسے اس کی "حیثیت" جتائی۔

"خبردار معیز! ایسا کچھ مذاق میں بھی مت کہنا جس سے ثانی پر کوئی حرف آئے۔" عون بے حد سنجیدہ تھا۔

"وہاں سے اس لڑکی کو نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہے میرے پاس۔" معیز بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"ہم اسے ٹریپ کر کے وہاں سے نکال سکتے ہیں۔" عون نے اعتراض کیا۔

"ان پانچ دنوں میں۔ میں واچ کر چکا ہوں۔ پرسوں سے اس نے آفس آنا شروع کیا ہے اور ڈرائیور اسے اندر تک چھوڑ کے جاتا ہے۔" معیز نے اس کا پلان مسترد کر دیا۔

"اور بھی کئی طریقے ہیں معیز۔"

"میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا ہوں۔ سیفی کو علم نہ ہو کہ ایمہا کو وہاں سے میں نے نکالا ہے۔ ایسے لوگوں کے

لیے کسی کی فیملی یا عزت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" معیز نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اور تو وہاں میری بیوی کو بھیج رہا ہے۔ حد ہو گئی یار۔" وہ برہم ہوا۔

معیز نے اسے بغور دیکھا۔ "میں شاید غلط بندے کے پاس پہلے آگیا۔ مجھے پہلے بھابھی سے بات کرنا چاہیے تھی۔"

عون نے چونک کر اسے دیکھا۔

معیز اپنے سیل فون پر کوئی نمبر ملا رہا تھا۔

"ثانی کو کال کر رہے ہو؟" معیز نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

"یہاں بلا رہا ہوں۔"

"وہ کبھی نہیں آئے گی۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

عون کے خفا خفا سے لہجے میں یقین تھا۔ آج سنڈے تھا۔ وہ گھر پہ ہی ہوتی۔ مگر اس کے ریسٹورنٹ پہ تو کبھی بھی نہ آتی۔ مگر پھر عون نے دیکھا کہ آدھے گھنٹے کے بعد وہ وہاں موجود تھی۔

دونوں کو مشترکہ سلام کرنے کے بعد وہ معیز کی طرف یوں متوجہ ہو گئی جیسے عون وہاں موجود ہی نہ ہو۔

معیز نئے سرے سے الفاظ ترتیب دینے لگا کہ ثانیہ کو کن الفاظ میں سارا مسئلہ بتایا جائے۔ عون منہ پھلائے بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

اس نے شاید قسمت سے ہار مان لی تھی۔ بے حسی کا لبادہ اوڑھ لینا بھی تو قسمت سے ہار مان لینا ہی ہوا کرتا ہے۔

میم اور حنا اسے ہر وقت اس کے حسین سراپے کی "قیمت" جتاتی رہتی تھیں۔ وہ شرم سے گڑگڑ جاتی۔ مگر اس کی زبان لڑکھڑا جاتی۔ وہ کہہ نہ پاتی حنا! اس جسم کے پردے کے بدلے جنت ملے گی۔

اس دنیا میں اس جسم کی قیمت پیسہ اور اگر اس کی آبرو کی حفاظت کی تو جنت...

مگر وہ بیوپاریوں میں آن پھنسی تھی۔

یہ فرعون وقت تھے۔ دنیا کو جنت سمجھنے یہیں ہر "پھل" کا مزہ چکھنے کی ہوس میں مبتلا۔

سیفی نے اسے اس قدر مارا۔ شاید میم نے اس سے جو فاصلہ رکھنے کی تنبیہہ کی تھی اسی کا غصہ سیفی نے نکالا ہو بہانے سے۔

اب وہ چپ کر کے آفس آجاتی۔ گندی نگاہوں کو اپنے وجود پر رینگتے محسوس کرتی۔ اللہ کے نام کا دل ہی دل میں ورد کرتی اور اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی رہتی۔ اسے اپنی مری ہوئی ماں کی یاد آتی۔

نی مائے، کتنی بھولی تھی تو۔

اپنی طرف سے تو مجھے کتنے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کے گئی تھی۔ مگر دیکھ ان ہاتھوں کی لاپروائی۔ دیکھ ماں! کتنی آسانی سے انہوں نے مجھے کھو دیا۔ دنیا کی بھیڑ میں گم کر دیا۔

یا شاید بھیڑیوں کے بھٹ میں۔ دروازہ بجا تو وہ اذیت ناک سوچوں سے بمشکل نکلی۔

"مے آئی کم ان میم..." کوئی پیاری سی لڑکی دروازہ نیم وا کیے چہرہ اندر ڈالے پوچھ رہی تھی۔

"یس..." وہ پل بھر میں خود کو "سمیٹ" کر دنیا دار ایبہا بن گئی۔

"بیٹھیے۔" ایبہا نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہیلو... مجھے پتا چلا تھا کہ آپ کے آفس میں لیڈیز کے لیے کسی جاب کی ویکنسی نکلی ہے۔ اسی سلسلے میں ٹرائی کرنے آئی ہوں میں۔"

وہ بے تکلفی سے گویا ہوئی تو ایبہا الجھی۔ بغور اسے دیکھا۔ پھر معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"سوری! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں کوئی ویکنسی نہیں ہے۔"

"اچھا..." وہ لڑکی مایوس ہوئی۔ ایبہا کا ذہن تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس لڑکی سے وہ شاید پہلے بھی کہیں مل چکی تھی۔

پھر اس لڑکی نے ایبہا کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"آپ کو یاد ہے، میرے کزن کی گاڑی سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔"

اف۔ ایبہا کا پھوٹ پھوٹ کے رونے کو جی چاہا۔ اسے یاد آگیا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو ایکسیڈنٹ کے بعد اسے ہاسٹل تک ڈراپ کر کے گئی تھی۔

اور اسی ایکسیڈنٹ نے ایبہا کی زندگی کو ایک بند اور تاریک گلی میں لا کھڑا کیا تھا۔

نہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوتا نہ اس کا پرس گم ہوتا اور نہ وہ کالج اور ہاسٹل سے نکالی جاتی۔

بہت ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا معیز... کہاں سے ڈھونڈ لیا تم نے اس ناگن کی بیٹی کو۔"

سفینہ کا تو سن کر دماغ ہی گھوم گیا۔ معیز نے ایبہا کے کسی بھی دن آجانے کی اطلاع دی اور ملازم سے انیکسی کی صفائی کا کہا تو وہ اس پر الٹ پڑیں۔

"ریلیکس ماما... کام ڈاؤن۔" معیز نے انہیں شانوں سے تھاما۔ انہوں نے معیز کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"میری زندگی کو مزید امتحان مت بناؤ معیز! ساری عمر تمہارے باپ کی "محبوبہ" نے تڑپایا ہے مجھے۔" سفینہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"ہم اسے صرف اس کا حق دے رہے ہیں ماما۔ اسے آ لینے دیں۔ ہم اسے پیسہ دے کر اس کا حصہ خرید لیں گے۔ پھر وہ یہاں سے چلی جائے گی۔"

معیز نے انہیں بھرپور تسلی دی تو ایرو نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں ماما! ہم کیوں غاصب کہلائیں اور اللہ کا شکر ہے، ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ جو ہم اس کے حصے کو ہڑپنے کا سوچیں۔"

"بس تھوڑے دنوں کی بات ہے ماما! ذرا سا صبر اور برداشت سے کام لیں۔ وہ خود ہی چلی جائے گی۔ یہاں کس کے پاس رہنا ہے اس نے۔"

معیز آہستہ آہستہ ان کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اس ایکسیڈنٹ کو میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ اسی کی وجہ سے تو میں آج یہاں موجود ہوں۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

"میرا نام ثانیہ ہے۔ آئم سوری، اگر ہماری وجہ سے آپ کے ساتھ کچھ برا ہوا ہو تو..." ثانیہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"سنیں۔۔ آپ کسی امتیاز احمد کو جانتی ہیں؟" دفعتاً" آگے جھکتے ہوئے ایبہا نے سرگوشی میں پوچھا۔ وہ خوف سے اندرونی کمرے میں کھلنے والے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

ثانیہ گڑبڑائی۔ "نن۔۔۔ نہیں۔۔ میرے کزن کا نام تو عون ہے۔ عون عباس۔"

"مم۔۔ میں گم ہو گئی ہوں۔ مطلب۔۔۔ میرے گھر والے۔۔۔ میں ان سے بچھڑ گئی ہوں اور اب ان لوگوں کے قبضے میں ہوں۔"

وہ بعجلت اسے بتا رہی تھی۔ ثانیہ گنگ رہ گئی۔ ایبہا کی آنکھوں کا خوف زدہ سا تاثر اور آواز سے جھلکتے نوحے۔۔۔ وہ بخوبی دیکھ اور سن رہی تھی۔

اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا اور کوئی تیز قدموں سے چلتا ثانیہ کی پشت پر آکھڑا ہوا۔

اس نے ایبہا کو کھڑے ہوتے دیکھا۔

"کب سے ڈائری لے کر آنے کا کہا ہوا ہے تمہیں اور تم یہاں بیٹھی گپیں لڑا رہی ہو۔۔۔ کون ہیں یہ محترمہ؟؟"

بڑے تیز اور کڑوے لہجے میں کسی نے آتے ہی چڑھائی کر دی۔ یقیناً" ایبہا کا باس ہوگا۔

ثانیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ جاب کے سلسلے میں آئی ہیں۔ مگر میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ ہمارے ہاں کوئی ویکنسی نہیں ہے۔" ایبہا نے جلدی سے کہا۔ مبادا ثانیہ ہی نہ بول اٹھے۔

مگر ثانیہ کا قطعاً" ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس نے تو پلٹ کے سیفی کا چہرہ بھی نہ دیکھا تھا۔

"آئم سوری۔۔۔ میں نے آپ کا ٹائم ویسٹ کیا میم۔" ثانیہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ برابر ایک پاؤچ ایبہا کے سامنے رکھی فائل کے نیچے غیر محسوس کن انداز میں کھسکا دیا اور ایبہا کو خفیف سا اشارہ کیا۔

ایبہا کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

(کیا یہ لڑکی اس کی کچھ مدد کرنا چاہتی تھی؟) پھر وہ وہیں سے پلٹ کر باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سیفی نے مشکوک نظروں سے ایبہا کو دیکھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تمہارا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟"

"وہ۔۔ تھکاوٹ کی وجہ سے۔۔۔" ایبہا کو حلق میں کانٹے اگتے محسوس ہو رہے تھے' جی چاہ رہا تھا۔ یہ جہنمی شخص یہاں سے دفع ہو اور وہ دیکھے کہ وہ لڑکی اس کے لیے کیا چھوڑ کے گئی تھی۔

"ارے۔۔ ابھی تھکاوٹ والے کام تم سے میم نے لیے ہی کہاں ہیں۔" وہ بے ہودہ انداز میں ہنسا۔ ایبہا کا چہرہ جل اٹھا۔

"جلدی سے ڈائری لے کے آؤ۔ کچھ اپائنٹمنٹس لکھوانی ہیں۔" سیفی اس سے کہتا ہوا پلٹ گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی ایبہا نے جھپٹ کر فائل کے نیچے سے وہ پاؤچ نکالا۔ قدرے وزنی پاؤچ کی زپ کھولتے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ وہ بار بار سیفی کے دروازے کو دیکھتی۔۔ پاؤچ کھلتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسی وقت سیفی دروازہ کھول کے دوبارہ باہر آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مر جائے اللہ کرے۔ جیسے ماں مر گئی ویسے ہی یہ لڑکی بھی مر جائے۔ جان کا عذاب بن گئی ہیں یہ منحوس میرے لیے۔"

سفینہ کو کسی پل چین نہ تھا۔ زارا نے انہیں زبردستی تھام کر لٹایا اور سر دبانے لگی۔

"کیوں خواہ مخواہ اپنا بی پی بڑھا رہی ہیں ماما! سر میں درد ہو رہا ہے۔ کچھ الٹا سیدھا مت سوچیں۔" "ارے جب اپنے ہی بچے الٹا سیدھا کرنے لگیں تو پھر میں کیا سیدھا سوچوں۔"

انہیں معیز کے اٹیکسی صاف کروانے کا بہت غصہ تھا۔

"دیکھ لو تم۔۔۔ تمہارے باپ کی خود تو ہمت نہ ہوئی اپنے گناہ کو گھر میں لانے کی۔ مگر اولاد کتنی فرماں بردار ہے اس کی۔"

"ماما پلیز۔ اپنے مرحوم باپ کی وصیت سے مجبور ہو کر وہ یہ سب کر رہے ہیں۔ ورنہ ان کا کیا تعلق اس سے۔"

زارا کو اس موضوع پر بات کرنا بہت تکلیف دہ لگتا تھا۔ مگر سفینہ کیا کرتیں۔ اپنی راجدھانی میں انہیں کسی کی "سوتن" کا آنا بھی پسند نہ تھا اور یہاں تو ایک جیتے جاگتے انسان کا معاملہ تھا۔

"ارے ہٹو۔۔۔" انہوں نے غصے سے زارا کا ہاتھ جھٹکا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"تمہارے باپ کی شادی میں گواہ بن کے شریک ہوا تھا۔ میں نے خود تمہارے باپ کے منہ سے سنا ہے۔"

"ماما۔۔۔ بچے۔۔۔ بہت مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے ماں یا باپ میں سے کسی کو چننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ابو نے جو کہا ہوگا بھائی نے کر دیا۔"

"ہاں۔۔۔ تمہارا باپ ہی تو سگا تھا تمہارا۔۔۔ سوتیلی تو بس میں ہی ہوں۔"

سفینہ اور بھڑکیں تو زارا ان سے لپٹ گئی۔ ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کا اس کے بعد فوری طور پر یہی حل تھا۔ غصہ تو ٹھنڈا ہوا یا نہیں مگر وہ خاموش ضرور ہو گئیں اور زارا کے لیے اتنا بھی بہت تھا۔

☼ ☼ ☼

عون اسے دیکھتے ہی بے تابی سے اس کی طرف لپکا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟" اس کے پرتشویش انداز پر ثانیہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"میں کون سا محاذ جنگ پہ گئی تھی۔"

"تم نہیں جانتیں۔ وہ بڑا خبیث آدمی ہے۔ حالانکہ اس سے کوئی زیادہ لمبی بات چیت نہیں ہوئی۔ مگر۔۔۔ عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا وہ۔"

وہ ثانیہ کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اس کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھ کر ثانیہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"اسے واقعی ٹریپ کیا گیا ہے۔ میں معیز بھائی کا کام کر آئی ہوں' اب وہ چیز اس کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگ جائے بس یہی دعا ہے۔"

ثانیہ نے کہا تھا۔ عون گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"اور کل والی فائل ابھی تک تمہاری ٹیبل پہ رکھی ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ سائن کرنے کے بعد لقمان صاحب کو واپس بھیجنی ہے۔"

وہ بولتا ہوا اپنی دھن میں باہر نکلا تھا۔ ایبہا نے بڑی پھرتی سے وہ پاؤچ دراز میں ڈالا اور فوراً" ہی ٹیبل کی سطح پہ رکھی فائل اٹھالی۔

"یہ بس میں بھجوانے ہی والی تھی۔ وہ لڑکی اچانک آگئی تو یہ کام رہ گیا بس۔" سیفی کرسی گھسیٹتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ڈائری نکالو میں یہیں تمہیں اپائنٹمنٹس کی ڈیٹیلز لکھوا دیتا ہوں۔"
اس نے ایبہا کی بدحواسی نوٹ نہیں کی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پین اور ڈائری تھامی تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔
(اگر سیفی دیکھ لیتا کہ وہ لڑکی اسے کیا دے کر گئی ہے تو۔۔۔)
وہ آخری حد تک سوچ سکتی تھی کہ سیفی اس کے بعد کس انتہا تک جا سکتا ہے۔
وہ خود کو سنبھالتی ڈائری میں نام اور وقت نوٹ کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"اس لڑکی کے ساتھ واقعی بہت برا ہوا ہے معیز! اور اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے وہاں نہیں گئی۔ بلکہ بقول ثانی اسے ٹریپ کیا گیا ہے۔" عون اسے تفصیل بتا رہا تھا۔
"اور کچھ نہیں بتایا اس نے؟؟"
"موقع ہی نہیں ملا۔ سیفی آگیا تھا وہاں۔۔۔ پھر بھی ثانی نے بڑی ہوشیاری سے وہ پاؤچ اس تک پہنچا ہی دیا۔ اب آگے اس کی قسمت اور ہمت پہ منحصر ہے۔"
عون نے ثانیہ سے ملی تمام معلومات معیز کو پہنچا دی تھیں۔
"ہوں۔۔۔" وہ خاموش تھا۔ عون نے مزید کہا۔
"وہ کہہ رہی تھی کہ اس روز ایکسیڈنٹ کے بعد وہ ان مصائب کا شکار ہوئی ہے۔" معیز کو یاد آیا۔ ایبہا نے امتیاز احمد کے موبائل پہ آخری کال کی تھی۔ جس میں اس نے اپنا پرس گم ہو جانے کا ذکر کیا تھا۔ مگر تب امتیاز احمد اسپتال میں تھے اور معیز نے بہت بری طرح ایبہا سے بات کی تھی۔ اس کے بعد ہی یقیناً" اسے کالج اور ہاسٹل سے نکل کر اپنی دوست کے ساتھ جانا پڑا۔
اور یقیناً" اسی دوست کی مہربانی سے وہ آج سیفی کے جنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔
معیز نے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری سانس بھری۔
"اوکے۔۔۔ دیکھتے ہیں۔ اب وہ اپنی قسمت سے کیا حاصل کرتی ہے۔"
"ہم پولیس کی مدد بھی لے سکتے ہیں معیز۔" عون نے آئیڈیا دیا۔
"نہیں۔۔۔ بہت سی باتیں پھیلیں گی۔ زارا کی سسرال کا بھی مسئلہ ہے اور پھر ایسے لوگ پیسہ لگا کر کچھ عرصے میں سزا سے فارغ ہو جاتے ہیں تو پھر درخواست گزاروں ہی کی باری آتی ہے بھگتنے کی۔"
معیز نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس معاملے کو اپنی فیملی تک نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔
"اوکے۔۔۔" عون شانے اچکا کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

آفس ٹائم بمشکل ختم ہوا۔ ایبہا کو تو وہ تین گھنٹے تین ماہ لگ رہے تھے۔ اس نے پاؤچ دراز میں سے نکال کے اپنے شولڈر بیگ میں ڈال لیا تھا۔
اور اب اسے صرف اور صرف گھر جانے کا انتظار تھا۔ وہ اس تحفہ کو استعمال کر کے ایک بار پھر اپنی قسمت ضرور آزمانا چاہتی تھی۔
اس کی امید پھر سے جان پکڑنے لگی۔ میں بچ سکتی ہوں۔ اللہ مجھے بچانا چاہتا ہے' وہ تھکی۔ مگر کیا یہ لڑکی مجھے یہ تحفہ دینے ہی آئی تھی؟ تو کیا وہ جاب کا پتہ کرنا محض بہانا تھا؟ اسے کیسے پتا کہ میں ہوں؟

تو کیا ایک اور ٹریپ؟

اس کا دل بند ہونے لگا۔

اس نے شکر ادا کیا کہ آج اس کے کمرے میں حنا نہیں تھی۔ طبیعت کی خرابی اور تھکاوٹ کا بہانا کر کے وہ کمرے میں آئی تو احتیاطاً" دروازہ لاک کر لیا۔

بیگ کھول کر لرزتے ہاتھوں سے وہ پاؤچ نکالا اور جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

واش روم کا دروازہ بھی لاک کیا اور زپ کھول کر پاؤچ میں سے اس لڑکی کا دیا تحفہ نکالا۔

یہ ایک چھوٹا۔۔۔ مگر نفیس سا موبائل فون تھا۔ دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ ایہا نے بٹن دبایا تو لائٹ آن ہو گئی۔

یعنی موبائل فل چارج تھا۔ اس نے جلدی سے اس کی پیکنگ اتار کر دیکھا تو اس میں سم بھی موجود تھی۔ وہ جلدی سے فون کی میموری چیک کرنے لگی۔

اس میں صرف ایک ہی نمبر تھا اور اس نمبر کے ساتھ ثانیہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

ایہا کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اسے لگا اندھیری قبر میں کوئی تازہ ہوا کا روزن کھلا ہو۔

اس نے موبائل کو واپس پاؤچ میں ڈالا اور واش روم سے باہر آ کر اس پاؤچ کو اپنے شولڈر بیگ میں ڈال دیا۔

دروازے کا لاک کھول کر لائٹ آف کرتی وہ اپنے بستر پر آ کر لیٹی تو اس کا دل تیزی اور خوف سے دھڑک رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یار! تمہیں اپنا نمبر محفوظ کرنا چاہیے تھا فون میں۔ وہ ڈائریکٹ تم سے رابطہ کرتی۔" عون کو خیال آیا۔

"وہ ثانیہ کو کھل کے اپنی پرابلم بتا سکتی ہے۔" معیز نے اس سے نگاہ نہیں ملائی تھی۔

"ویسے سچی بات بتاؤں یار! مجھے تمہاری سنائی ہوئی کہانی خاصی لولی لنگڑی لگ رہی ہے۔ یعنی کہ اس میں کوئی دم نہیں ہے۔ ایکسیڈنٹ والے روز تو اس لڑکی سے بالکل انجان بن کے نکل گئے تھے اور اب اسے شیر کی کچھار میں سے نکالنے کے درپے ہو۔" عون بچہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے کڑیوں سے کڑیاں ملا تا رہا ہو گا۔

"وقت آنے دو۔ سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے اسے وہاں سے نکل تو لینے دو۔"

معیز نے اسے صاف ٹالا تھا۔ عون نے اسے گھور کے دیکھا۔

"ابھی اگر میں اپنے سارے خدشات ثانی کو بتا دوں تو وہ اپنی مدد کی پیشکش واپس بھی لے سکتی ہے۔" وہ دھمکا رہا تھا۔

"وہ الحمدللہ تم سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

معیز نے طنز کیا۔ تو عون نے مکا اس کے شانے پر رسید کر دیا۔

☆ ☆ ☆

رات اپنے کتنے ہی پہر گزار چکی تھی۔ ایہا نے اندھیرے کمرے میں دروازے کے ساتھ کان لگا کے سن گن لی۔ باہر سے کوئی آوازیں نہیں آ رہی تھیں دروازہ لاک کر کے وہ پورا اطمینان کرتی بیگ میں سے موبائل نکال کر واش روم میں چلی آئی۔

اس نے اپنی قسمت آزمانے کی ٹھان لی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے ثانیہ کا نمبر دبا کر اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

دوسری' تیسری بیل پر کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"ہیلو۔ ایہا۔؟" دوسری طرف سے بے تابانہ پوچھا گیا تو وہ تھرا سی گئی۔

"میں ثانیہ بات کر رہی ہوں۔"

"جی۔ جی۔" وہ کھنکھاری۔ پھر دھیمی آواز میں بولی۔

"میں ایہا بول رہی ہوں۔"

"کیسی ہو تم۔ اور تمہارے باس کو پتا تو نہیں چلا اس موبائل کے متعلق؟"

"نہیں۔ مگر آپ نے یہ موبائل مجھے کیوں دیا ہے؟" وہ بہت پھونک پھونک کے چلنا چاہتی تھی۔

"تاکہ تم مجھ سے رابطہ کر سکو۔"

"آپ کو کیسے پتا تھا کہ مجھے آپ سے رابطے کی ضرورت ہے؟" سوال در سوال۔ وہ پورا اطمینان چاہتی تھی۔ گڑھے سے نکل کے کھائی میں گرنا اسے گوارا نہ تھا۔

"دیکھو جب کوئی اپنا مصیبت میں ہو تو دل کو فوراً" پتا چل جاتا ہے۔" وہ نرمی سے کہتی ایہا کے زخموں کو چھیڑ گئی۔

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب یہ کہ تم وہاں سے نکلنا چاہتی ہو نا؟" ایہا پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ موت کے بعد زندگی پانا کیسا لگتا ہے؟؟ اسے بھی ویسا ہی لگا تھا۔

"مگر آپ۔ اس روز آپ لوگوں ہی کی وجہ سے میرا پرس گم ہوا۔ میں ہاسٹل اور کالج سے نکالی گئی اور پھر اس زندان میں قید کر دی گئی۔ اور اب اچانک ہی آپ میرے پیچھے یہاں پہنچ گئیں۔ بنا کسی جان پہچان کے مجھے موبائل فون دیا۔ آپ نجومی تو ہو نہیں سکتیں۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی اتنی مدد کے پیچھے۔" اسے کسی طور یقین نہ

آرہا تھا۔

"بہت عقل مند ہو۔" ثانیہ نے اسے سراہا۔

"ٹھوکریں کھا کے یہ عقل حاصل کی ہے میں نے ثانیہ جی! آپ کی مہربانی ہوگی اگر آپ مجھے یہاں سے نکال دیں گی۔ مگر میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"میرے ساتھ تو نہ سہی۔ مگر جس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا اس کے ساتھ تو جاؤ گی نا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

ایبہا بن دیکھے بھی اس کی مسکراہٹ اس کے لفظوں سے محسوس کر سکتی تھی۔

"ک۔ کون۔؟" ایبہا کا دم اٹکنے لگا۔

"ابھی میں میٹنگ پہ اس سے بات کرواتی ہوں تمہاری۔"

ثانیہ نے اس سے کہا اور یقیناً "دوسرا نمبر ملانے لگی۔

ایبہا جیسے زندگی اور موت کے دوراہے پہ کھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھائی۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب زارا نے اسے آواز دی۔ وہ اس کی طرف چلا آیا۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟" معیز نے پوچھا۔ وہ شاید اسی کے انتظار میں لاؤنج میں ٹی وی آن کیے بیٹھی تھی۔

"آپ کا ویٹ کر رہی تھی۔ ضروری بات کرنی تھی۔" زارا سنجیدہ تھی۔ معیز نے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"ہاں۔ بولو۔" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"ماما آپ کے فیصلے سے بہت ڈسٹرب ہوگئی ہیں۔" زارا نے کہا تو وہ چونکا۔

"کون سے فیصلے سے؟"

"یہی۔ اس لڑکی کو انیکسی میں رکھنے والے فیصلے سے۔"

"یہ محض مجبوری ہے زارا۔ تم ہی سمجھاؤ انہیں۔ ابو کی روح کو سکون پہنچے گا۔ اور ویسے بھی میں سوچ چکا ہوں کہ اس سے چھٹکارا کیسے حاصل کرنا ہے۔" معیز نے اسے تسلی دی۔

"مگر ہم لوگوں سے کیا کہہ کے تعارف کروائیں گے اس کا؟"

"وہ بھی میں نے سوچ لیا ہے۔ بلکہ میں نے رباب سے کہا تھا کہ ایبہا عون کی کزن ہے۔ تو تم لوگ بھی سب یہی شو کر سکتے ہو کہ انیکسی کسی ضرورت مند کو رہائش کے لیے دی ہے ہم نے۔" اس نے چٹکی بجاتے ہی مسئلے کا حل اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

زارا کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا۔ ورنہ تو اسے فکر کھائے جا رہی تھی کہ اپنے سسرال والوں سے ایبہا کا کیا تعارف کروائے گی۔

"اب جا کے سو، تم ایزد آگیا؟" وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

"جی۔ بس ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی لیٹا ہے جا کے" وہ مسکرائی۔ تو وہ سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ شاور لے کر نائٹ سوٹ پہنے وہ بستر پہ آیا تو طبیعت میں تازگی کے بجائے کسل مندی ہی محسوس کر رہا تھا۔ اور یہ سب یقیناً "ذہنی ٹینشن" کا نتیجہ تھا۔

اس نے ثانیہ کے ہاتھ ایبہا کو موبائل بھجوایا تو تھا لیکن اگر وہ سیفی کے ہاتھ لگ جاتا تو۔

اس میں ثانیہ کا نمبر Save تھا۔

معیز نے اسے سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ اگر ایبہا کے بجائے سیفی اس سے رابطہ کرے تو وہ اپنی سم فوراً" ضائع کر دے۔

اپنی وجہ سے وہ ثانیہ کو کسی مصیبت میں پھنسانا نہیں چاہتا تھا۔

عون تو پہلے ہی ثانیہ کو اس معاملے میں ملوث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ تو شکر خدا "ثانیہ ذرا ایڈونچر پسند تھی۔ سو فوراً" مان گئی۔

وہ کتنی ہی دیر نہ چاہتے ہوئے بھی اسی معاملے کو سوچتا رہا۔

جب جب وہ ایبہا کا سیفی کے پاس ہونا سوچتا اس کے وجود میں بے چینی کی لہر سی دوڑ جاتی۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اور سیفی کی بد طینتی سے معیز اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔

تو کیا۔ ایبہا محفوظ تھی؟

اس کا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ جانے کب ان ہی الٹے سیدھے خیالوں میں الجھا وہ نیند کی وادی میں اتر گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ سوتے ہوئے بھی اس کے حواس اتنے الرٹ تھے کہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پلٹ کر ہاتھ مارا اور موبائل اٹھا کر دیکھا۔

ثانیہ کی ہی کال تھی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"السلام علیکم۔ ثانیہ بات کر رہی ہوں۔"

"ہاں ثانیہ بولو۔" وہ بہ سرعت اٹھ بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

ایبہا کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ خوف کے مارے پسیجتے ہاتھوں سے موبائل چھوٹ رہا تھا۔

ثانیہ کسی سے بات کر رہی تھی۔

"میٹنگ پہ اس وقت ایبہا ہے۔ بات کریں۔"

"ہیلو۔" مردانہ لہجہ ابھرا تو ایبہا پوری جان سے لرز گئی کیا ثانیہ اسے ٹریپ کر رہی تھی۔

"معیز احمد بات کر رہا ہوں۔ ایبہا۔ تم سن رہی ہو؟"

بہت معتدل اور پرسکون سا لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تو موبائل اس کے ایک دم سے لرزتے ہاتھ سے گر گیا۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑائے جانے کی آواز آنے لگی تو ایبہا کا دل ڈوب سا گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی اور سفینہ کو یقین ہے کہ وہ آج بھی ان کے دل میں بستی ہے۔ صالحہ مرچکی ہے۔ ابیہا اس کی بیٹی ہے۔ جواری باپ سے بچانے کے لیے صالحہ' ابیہا کو امتیاز احمد کے سپرد کرجاتی ہے۔ تین برس قبل کے اس واقعے میں ان کا بیٹا معیز ان کا رازدار ہے۔

ابیہا ہاسٹل میں رہتی ہے۔ حنا اس کی روم میٹ ہے اور اچھی لڑکی نہیں ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' معیز میں دلچسپی لینے لگتی ہے۔

رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ زارا کے اصرار پر معیز احمد مجبوراً" رباب کو کالج پک کرنے آتا ہے تو ابیہا دیکھ لیتی ہے۔ وہ سخت غصے میں امتیاز احمد کو فون کرکے طلاق کا مطالبہ کردیتی ہے۔ اتفاق سے وہ فون معیز احمد اٹینڈ کرلیتا ہے۔ ابیہا اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوتی ہے۔ معیز رباب میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

صالحہ ایک شوخ الھڑسی لڑکی ہے۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند ہے مگر اس کے گھر کا ماحول روایتی ہے۔ اس کی دادی اور نانی کو اس کا امتیاز احمد سے بے تکلف ہونا پسند نہیں ہے۔ امتیاز احمد بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر وہ ان کی مصلحت پسندی اور نرم طبیعت کو بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" وہ امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہونے لگتی ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی سے ہوتی ہے۔ مراد صدیقی اسے اپنے آئیڈیل کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔ صالحہ کی ضد پر شازیہ اس کی ماں

سے مراد کاذکر کرتی ہے۔ وہ غصے میں صالحہ کو تھپڑ ماردیتی ہیں۔

امتیاز احمد اپنے فلیٹ پر ایبہا کو بلواتے ہیں مگر ایبہا وہاں معیز احمد کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ معیز نے ایبہا کو صرف از خود طلاق کا مطالبہ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں بلایا ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ قطعاً غلط نہ تھا مگر بات پوری ہونے سے قبل ہی امتیاز احمد ڈرائیور کی اطلاع پر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ معیز بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد' ایبہا کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ایبہا کالج میں رباب اور اس کی سہیلیوں کی باتیں سن لیتی ہے' جو محض تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرتی ہیں۔ عموماً" یہ ٹارگٹ رباب کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے دیا جاتا ہے' جسے وہ بڑی کامیابی سے جیت لیا کرتی ہے۔

صالحہ کی ہٹ دھرمی سے گھبرا کر اس کے والدین امتیاز احمد سے اس کی تاریخ طے کردیتے ہیں۔ مگر وہ امتیاز احمد کو مراد کے بارے میں بتا کر ان سے شادی کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ امتیاز احمد' دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کردیتے ہیں مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھانے لگتا ہے۔

ایبہا' معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہو جاتی ہے۔

مراد صدیقی جواری ہوتا ہے۔ وہ صالحہ کا بھی سودا کرلیتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر پھر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے پولیس مراد کو پکڑ کرلے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرنے لگتی ہے۔ فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی ایک سہیلی کسی دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔ جو امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ صالحہ کی سہیلی اسے امتیاز احمد کا کارڈ دیتی ہے جسے صالحہ محفوظ کرلیتی۔ ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے جب مراد رہا ہو کر واپس آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کردیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس دوران معیز بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ امتیاز احمد' ایبہا کو کالج میں داخلہ دلوا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کردیتے ہیں۔ صالحہ مر جاتی ہے۔

معیز احمد' ایبہا کو اسپتال لے کر جاتا ہے مگر وہاں پہنچ کر عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایبہا اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ ایبہا کا پرس ایکسیڈنٹ کے دوران کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے' نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ امتیاز احمد دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ایبہا کو ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر بحالت مجبوری حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔

وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ایبہا کو اپنے راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا روتی پیٹتی ہے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

امتیاز احمد' معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آؤ۔ وہ متذبذب ہو جاتا ہے۔ سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد انتقال کر جاتے ہیں۔ مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ روپے' گھر میں حصہ اور دس ہزار ماہانہ کر جاتے ہیں۔ جس سے سفینہ اور ناراض ہو جاتی ہیں۔ معیز' ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر وہ اسے نہیں مل پاتی۔ ایبہا کا موبائل بھی حنا کے گھر میں گم ہو جاتا ہے۔ معیز باتوں باتوں میں رباب سے اس کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ اس کی رہائش سے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے مگر حسد میں غیر ارادی طور پر اس کی تعریف کر جاتی ہے۔

عون خاندان والوں کے بیچ ثانیہ سے معافی مانگنے کا اعلان کرتا ہے۔ ثانیہ سخت جز بز ہوتی ہے۔

حنا کی میم ایبہا پر بہت سختی کرتی ہیں۔ اسے مارتی بھی ہیں۔ ایبہا کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ مجبور ہو کر سیفی کے آفس میں ملازمت کرنے پر رضامند ہو جاتی ہے۔

معیز کے نظر انداز کرنے پر رباب' زارا سے اس کا شکوہ کرتی ہے۔ زارا ماں سے تذکرہ کرتی ہے۔ سفینہ' معیز سے بات کرتی ہیں۔ وہ اس سے واضح لفظوں میں رباب سے شادی کا کہتی ہیں مگر معیز دو ٹوک انداز میں انہیں منع کردیتا ہے۔

تاہم ان کے کہنے پر وہ رباب کو منانے پر راضی ہو جاتا ہے۔

عون نے سب کے سامنے یہ کہہ کر معاملہ ٹال دیا کہ اسے ثانیہ کی مرضی اور خوشی مطلوب ہے۔

سیفی' ایبہا کو زبردستی پارٹی میں لے کر جاتا ہے۔ جہاں معیز احمد بھی عون کے ساتھ آیا ہوتا ہے مگر وہ ایبہا کو بالکل پہچان نہیں پاتے۔ کیونکہ ایبہا اس وقت یکسر مختلف انداز و حلیے میں ہوتی ہے۔ تاہم اس کی گھبراہٹ کو معیز اور عون محسوس کرلیتے ہیں۔ ایبہا پارٹی میں بلاوجہ بے تکلف ہونے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کو تھپڑ ماردیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ ماردیتا ہے۔ عون اور معیز احمد کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔

۹
نویں قسط

معیز کی آواز کی صورت ایبہا نے ایک مژدہ جاں فزا سن لیا تھا گویا۔ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر جذبات کی شدت نے اسے گنگ کر ڈالا۔ اور ابھی اس نے معیز کی اس پکار کا جواب دے کر اپنے "ہونے" پر مہر اثبات بھی ثبت نہیں کی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بے دردی سے پیٹا جانے لگا۔

موبائل اس کے ہاتھ سے پھسل کر چکنے فرش پر جا گرا۔ موبائل کی بیک کھل گئی اور بیٹری الگ ہو گئی۔ معیز سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ مگر فی الحال تو سر پہ آئی قیامت کا سامنا کرنا تھا۔ اس نے جلدی سے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے موبائل کے حصے اکٹھے کرکے کونے میں پڑے کور والے ڈسٹ بن میں ڈالے اور فوراً" واش روم سے باہر نکل آئی۔ مگر باہر نکلنے سے پہلے وہ فلش سسٹم کا بٹن دبانا نہیں بھولی تھی۔

باہر سے آنے والی آواز حنا کی تھی۔

وہ یقیناً" اندر آنے کی کوشش میں دروازہ لاکڈ پا کر مشکوک ہو گئی تھی۔

خود کو معتدل کیفیت میں لاتے ہوئے ایبہا نے تاب تھما کر لاک کھولا اور دروازہ کھلتے ہی اسے حنا کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔

"کیا مصیبت آگئی ہے۔ اب بند واش روم بھی نہیں جاسکتا۔"

ایبہا نے اسے گھورا۔ جواباً" حنا اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا مارنے کے اسٹائل میں دھکیل کر کمرے کے اندر تک لے آئی۔

"تم جانتی ہو کہ یہاں دروازہ لاک کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر بھی تم نے ایسا کیا۔"

"مجھے دھیان نہیں رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے لاک دب گیا۔" ایبہا کی دھڑکنیں ابھی بھی بے ترتیب تھیں۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ فون پر معیز تھا۔ یعنی کہ امتیاز احمد اسے تلاش کررہے تھے۔ اس کا دل اطمینان سے بھرنے لگا۔

"ابھی تو شکر کرو میم کو پتا نہیں چلا ورنہ تمہاری ہڈی پسلی ایک کردیتیں۔"

دھمکی دینے والے انداز میں کہتے ہوئے حنا ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر بھی شک دور نہیں ہوا تو واش روم کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ ایبہا کا دل گویا ہاتھ پیروں میں دھڑکنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔ ہیلو ایبہا۔"

لائن ایک دم سے کٹ گئی تھی۔ معیز اسے بے اختیار پکارے گیا۔
مگر دوسری طرف ایک جامد خاموشی تھی۔
ثانیہ نے گہری سانس بھری۔ "لائن ڈراپ ہو گئی ہے شاید۔"
"ہوں... یا شاید کوئی آگیا ہوگا۔" معیز اس وقت اسے صرف ایک مظلوم اور مدد کی طالب لڑکی کی طرح سوچ رہا تھا۔
وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی۔ ایک "زندگی" تھی۔ اور کسی "زندگی" کو موت سے بچانا یقیناً "انسانیت" کی ڈیل تھا۔
"او نو۔ پھر تو اس کے لیے مشکل ہو گئی ہوگی۔" ثانیہ بھی پریشان ہوئی۔
"ہنی ویز۔ تھینکس ثانیہ۔ آپ بھی ڈسٹرب ہوئیں۔" معیز کو اس کا دھیان آیا۔
"ارے نہیں معیز بھائی! اتنی پیاری اور معصوم سی لڑکی ہے وہ اور مجھے یقین ہے کہ بہت برے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔ اسے بچانا تو ہمارا فرض ہے۔" ثانیہ نے خلوص دل سے کہا۔
"اوکے۔ پھر دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے۔" معیز نے بات سمیٹ دی۔
ثانیہ نے اللہ حافظ کہہ کے فون بند کر دیا۔
معیز کا دل طرح طرح کے اوہام میں گھرنے لگا۔ بمشکل وہ خود کو لیٹنے پر آمادہ کر سکا۔ ایک تو اب اس کی نیند ویسے بھی کم ہو چکی تھی اوپر سے یہ ناگہانی حالات۔

☼ ☼ ☼

حنا واش روم سے باہر آئی تو خالی ہاتھ تھی۔ ایبہا نے بے اختیار اطمینان کی سانس لی۔
"میرے خیال میں مجھے تمہارے ساتھ اسی کمرے میں آجانا چاہیے۔ میم سے بات کرتی ہوں میں۔"
حنا نے کہا تو ایبہا تھوک نگل کے رہ گئی۔
اگر اس کے دل میں چور نہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح اسے یہاں سے دفع ہو جانے اور اپنی شکل کبھی نہ دکھانے کا کہہ دیتی۔ مگر فی الحال تو اس سے نگاہ بھی نہ ملا سکی۔ کمزور لہجے میں بولی۔
"ہر بات تو مان رہی ہوں تم لوگوں کی۔ پھر بھی تم پتا نہیں کیا چاہتی ہو۔"
"تمہاری حرکات ہی مشکوک ہیں ایبہا میڈم۔ کمرے کا دروازہ لاک کر کے تم پورے ہوش و حواس میں جاگ رہی ہو۔ بستر پر ایک بھی شکن نہیں یعنی تم ابھی تک لیٹی نہیں تھیں۔" حنا واقعی اندازے سے بڑھ کے خرانٹ تھی۔
"میں واش روم میں تھی۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ گھر والے یاد آرہے تھے۔ سارے میرے اپنے ان سے بات کرنے کو دل کر رہا تھا۔ اگر میرا موبائل مل جاتا تو شاید کسی کا فون آہی جاتا۔" اس کی آواز واقعی رندھ گئی۔
معیز کا فون آجانا مرتے کے منہ میں پانی ڈالنے والی بات تھی۔
اسے احساس ہوا کہ وہ بے نام و نشان نہیں تھی۔ امتیاز احمد اپنے رشتے کی پاس داری کر رہے تھے۔ یقیناً "انہوں نے ہی معیز کو اسے ڈھونڈنے پر لگایا ہوگا۔ اسے اپنی ماں کی بات یاد آئی۔
صالحہ نے اسے بتایا تھا اس کے نکاح سے پہلے۔
"میں نے ایک روز غصے میں امتیاز احمد سے کہا تھا کہ تمہیں رشتے نبھانے نہیں آتے۔ مگر ایبہا... وہ تو میری

سوچ سے بڑھ کے نکلا۔ اس نے مجھ بدنصیب کو بتا دیا کہ رشتے کیسے نبھائے جاتے ہیں۔ اور تم دیکھنا۔ وہ مرتے دم تک اس رشتے کو نبھائے گا۔"
"بھول جاؤ اب وہ سب۔ تمہارے گھر والے تو رو پیٹ کے صبر شکر کر چکے ہوں گے اب تک کسی اخبار میں اشتہار نہیں لگا۔" تمہارا حنا نے اطمینان سے کہا۔
"حنا۔ تمہارا دل نہیں کرتا اس دلدل سے نکلنے کو؟" ایبہا کو جانے کیا دھیان آیا۔
"ہونہہ۔ اس لٹے پٹے وجود کے ساتھ...؟" وہ تلخی سے مسکرائی۔
"حنا! اگر کپڑا داغ دار ہو جائے تو اسے دھویا جاتا ہے۔ پھینکا نہیں جاتا۔" وہ بے اختیار بولی۔
"اپنی عزت جانے کے بعد اس وجود کو سنبھال کے کیا کروں گی اب۔" حنا نے اکتا کر اسے دیکھا۔ اسے یقیناً یہ لیکچر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
"تم کیا سمجھتی ہو اگر لڑکی کی عزت ایک بار چلی جائے تو بعد میں اسے اپنی عزت کا "احساس" بھی گنوا دینا چاہیے؟ اگر کوئی چلتے چلتے ہمیں دھکا دے کر گرا دے تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھ کے کھڑا نہیں ہونا چاہیے؟"
ایبہا جذباتی ہونے لگی۔
حنا خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تو ایبہا کا حوصلہ کچھ اور بڑھا۔ اس نے آگے بڑھ کے حنا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔
"تم بھی ظالموں کے ہاتھوں ٹریپ ہوئی ہو حنا۔ مگر تم چاہو تو ہم دونوں اس ذلت کی زندگی سے نکل سکتی ہیں۔ تم نئے سرے سے ایک زندگی شروع کر سکتی ہو۔ ایک شرم ناک زندگی کو چھوڑ کر۔"
"تم سے کس نے کہا' یہ زندگی میرے لیے شرم ناک ہے؟" حنا نے پرسکون انداز میں کہا تو وہ صدمے کا شکار ہوئی۔
"تم ہی نے تو کہا تھا کہ تمہاری سوتیلی ماں نے تمہیں بام کے حوالے کیا تھا۔"
"لیکن وہ تب کی بات تھی۔ اب میں انگلی تھام کے چلنے والا بچہ نہیں رہی سویٹ ہارٹ۔ اب میں اپنا شکار خود ڈھونڈتی ہوں۔"
حنا نے لطف لینے والے انداز میں کہا تو اس کی ہمدردی سے لبریز ایبہا جھک سے اڑی۔
"لعنت ہو تم پر۔" اس نے ایک جھٹکے سے حنا کے ہاتھ جھٹکے۔
"ویسے تم ہو کن خیالوں میں... جبکہ میں نے تمہیں اچھی طرح وارن کر دیا تھا کہ یہاں سے تمہیں اب موت ہی نکال سکتی ہے اور کوئی نہیں۔" حنا نے اسے گھورتے ہوئے دھمکایا اور یہاں آنے کے بعد آج یہ پہلی بار تھا کہ ایبہا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں جواب دیا۔
"اللہ موت سے بھی بڑا ہے حنا۔"
"ہاں... تو پھر یہاں بیٹھ کے اللہ مدد کا انتظار کرو' لیکن میں میم کو تمہارے افکار ضرور پہنچا دوں گی۔ شاید وہ تمہارا کوئی بہتر حل سوچ سکیں۔"
وہ اسی دھمکی آمیز انداز میں کہتے ہوئے چلی گئی تو ایبہا نے آنکھیں موند کر ایک گہری سانس لی۔
اس کا شدت سے جی چاہا کہ جا کے موبائل نکال کے دوبارہ سے ثانیہ کو کال کرے' مگر فی الحال وہ ایسا کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی کہ جس سے کسی کو اس پر شک ہو۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' مگر پھر بھی وہ لائٹ آف کر کے بستر پہ لیٹ گئی۔ وہ اس کھلنے والے نئے راستے کے متعلق اچھی طرح سوچ کر پلان کرنا چاہتی تھی۔

❋ ❋ ❋

شام کو ثانیہ پھر عون کے ریسٹورنٹ میں موجود تھی۔ کاؤنٹر پہ کسی ویٹر کو ہدایت دیتے ہوئے عون نے یوں ہی اتفاقاً" نظر اٹھا کے دیکھا تو اٹینڈنٹ آنے والی کسی لڑکی کے لیے دروازہ کھول رہا تھا۔

عون کی نظر نے پلٹ کے آنے سے انکار کیا۔

ویٹر کو بعجلت رخصت کرتا وہ لپک کر داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

"ہیلو..." وہ عین ثانیہ کے سامنے جا کھڑا ہوا جو پورے ہال پر طائرانہ نگاہ دوڑا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اطمینان سے شاید طنز کیا گیا تھا۔ مگر عون نے اس طنز کو بھی تحفے کی طرح لیا۔

"وعلیکم السلام۔ مجھے کال کرتیں میں آجاتا۔" دبے لفظوں میں کہا۔

"میں یہاں معیز بھائی سے ملنے آئی ہوں۔" ثانیہ کا انداز جتانے والا زیادہ تھا یا تپانے والا۔ عون سمجھ نہیں پایا۔ مگر تپ ضرور گیا۔

"تو اس ملاقات کے لیے میرا ریسٹورنٹ ہی رہ گیا تھا کیا؟"

"ایکسکیوزمی۔ کیا ماموں جان نے یہ ریسٹورنٹ تمہارے نام کر دیا ہے؟"

آنکھیں پھیلا کر وہ کچھ اس معصومیت سے اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھی کہ عون کا دل پہلو میں لوٹ پوٹ ہو کر رہ گیا۔ وہ خود ہی ایک کارنر ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

"معیز نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا۔"

عون نے اس کے بیٹھتے ہی اپنے لیے کرسی گھسیٹی تو اسے اپنے سامنے بیٹھتے دیکھ کر ثانیہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

"میں نے انہیں یہاں بلایا ہے۔ ان کی کزن کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے۔"

"تم کیوں خود کو اس معاملے میں الجھا رہی ہو ثانی... جتنا تم نے کرنا تھا کر دیا اب بس کرو۔" عون مضطرب تھا۔

"وہ بہت مظلوم لڑکی ہے اور بری طرح سے ان لوگوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ اگر میری تھوڑی سی مدد سے وہ وہاں سے نکل سکتی ہے تو میں ہرگز بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" ثانیہ کا انداز اٹل تھا۔

عون نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری سانس بھری اور ہال میں نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے زیادہ تمہاری ضد سے کون واقف ہوگا۔" پھر قدرے توقف سے اس کی طرف دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولا۔

"مگر میں تمہیں کسی مصیبت کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا ثانی۔"

"میں کون سا کسی محاذ پہ جانے والی ہوں۔" ثانیہ کا انداز وہی تھا "لاپروا۔" پھر وہ اپنی رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھنے لگی۔

عون نے دیکھا۔ اس کی ایک کلائی میں گولڈ کی ایک خوب صورت سی چوڑی تھی اور دوسرے ہاتھ کی کلائی میں نازک سی گھڑی تھی۔ اس کی انگلیاں البتہ انگوٹھی سے خالی تھیں۔

"السلام وعلیکم..." معیز کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ معیز شرارتی نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپا۔ ثانیہ کو دیکھتے ہوئے اسے ارد گرد کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا۔"

اپنی خفت دور کرنے کے لیے وہ رعب سے پوچھنے لگا۔ کرسی گھسیٹ کے بیٹھتے معیز نے خفیف سا ابرو اچکا کر

اسے حیرت سے دیکھا۔

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے تمہیں یہاں ملنے کا کوئی وقت دیا ہو۔"

ثانیہ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے مینیو کارڈ کھول کر منہ کے آگے کر لیا۔

عون نے دانت کچکچاتے ہوئے معیز کو مکا دکھایا۔ جواباً" اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے معیز نے الٹا انگوٹھا دکھا دیا۔ وہ زوردار آواز میں کرسی پیچھے دھکیل کے اٹھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور..." غصے سے کہتے ہوئے وہ ٹھٹکا ثانیہ نے ترچھی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ پھر دانت پیس کر بات مکمل کی۔ "اور تم بھی۔" وہ واپس پلٹتا وہاں سے گیا تھا۔

"کمال ہے۔ یہ تو کسی کو اپنے آگے بولنے ہی نہیں دیتا۔ آپ کیسے قابو کر لیتے ہیں اسے۔"

ثانیہ متاثر ہونے والے انداز میں بولی۔

"یار ہے میرا یہ سب تو اس کی ایکٹنگ ہے۔" معیز مسکرایا۔

اور اس مسکراہٹ میں دوستی کے سارے رنگ تھے۔ ایک بہترین دوست کے ہمیشہ ساتھ ہونے کا احساس تھا۔

"انتہائی جذباتی عجلت باز غیر مستقل مزاج۔" ثانیہ سنجیدہ تھی۔

اس کا یہ تجزیہ عون عباس کے متعلق تھا۔ کھلم کھلا اور بے لاگ تجزیہ۔ معیز قدرے محتاط ہوا۔

"آپ نے اپنے معاملے میں اسے ایسا پایا ہوگا۔ ورنہ وہ ایک بے حد پر خلوص انسان ہے۔ دوستوں کی پشت پر ہمیشہ کھڑا رہنے والا۔"

لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ مسکرا کر بولا۔

"شاید کچھ اس طرح کا شعر ہے کہ!

عدم خلوص کے لوگوں میں ایک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

ہیں"

"خیر... میں یہاں آپ سے کسی اور معاملے پر بات کرنے آئی ہوں۔"

وہ ایک دم ہی سے اپنا آپ لپیٹ گئی۔ شاید خیال آیا ہو کہ ابھی معیز اتنا قابل اعتبار بھی نہ تھا کہ وہ اپنی پرابلمز شیئر کرنا شروع کر دیتی۔

"جی... ضرور..." معیز اس کی بات فوراً" سمجھ گیا تھا۔

اسی وقت ویٹر نے دونوں کے سامنے ان کے پسندیدہ ڈرنکس لا کر رکھے۔

"میں نے تو آرڈر نہیں کیا تھا۔" ثانیہ نے کہنا چاہا۔

"یہ عون عباس کا خلوص ہے میڈم... ابھی کچھ دیر بعد وہ بنا ہم دونوں سے کنفرم کیے عین ہماری پسندیدہ ڈشز پر مبنی ڈنر بھی کروائے گا۔"

ویٹر کے جانے کے بعد معیز نے بڑے فخر کے ساتھ دوست کی بڑائی بیان کی۔ جسے ثانیہ نے قطعا" نظر انداز کر دیا۔

"ظاہر ہے ایک ہوٹل چلانے والا ان کاموں میں ماہر ہی ہوگا۔" لاپروائی سے بات بدلتے ہوئے بولی۔

"اچھی ویسے... ایمہا سے دوبارہ رابطہ ہوا؟" معیز نے پوچھا تو ثانیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"میں اسے کال بھی نہیں کر رہی... کہیں موبائل کسی اور کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔"
"ہوں..." معیز کا انداز پرسوچ تھا۔ "ایسی صورت میں تو تمہیں کال آچکی ہوتی۔" وہ بے ساختہ بولا۔ پھر خفیف سا ہو کر معذرت کرنے لگا۔
"آئم سوری... آئی مین 'آپ کو کال آچکی ہوتی۔"
"اٹس ناٹ اے بگ ڈیل معیز بھائی! آپ مجھے تم کہہ سکتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔
"دراصل میری چھوٹی بہن بھی تمہاری ہی ایج کی ہے۔ اس لیے ہی منہ سے آپ جناب نہیں نکل رہا۔" معیز بھی مسکرا کر بولا۔
"اوکے... اس کا مطلب ہے کہ اس وقت جب وہ ہم سے بات کر رہی تھی۔ کوئی آگیا تھا اور اب وہ مناسب موقع کی تلاش میں ہے۔"
ثانیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
"لگتا تو یہی ہے۔ واقعی اگر موبائل کسی کے ہاتھ لگتا تو وہ سب سے پہلے میرے نمبر پہ کال کر کے چیک کرتا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اس کی اگلی کال کا انتظار کرنا چاہیے۔" معیز کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں تھیں۔
"اور اگر اسے وہاں موقع نہ ملا تو کیا ہم انتظار ہی کرتے رہیں گے؟" ثانیہ کچھ اور گہرائی میں سوچ رہی تھی شاید۔ معیز چونک کے اسے دیکھنے لگا۔
"یہ نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے۔ آپ نہیں جانتے۔ معیز بھائی! میں نے اس کی آنکھوں میں کتنا خوف اور وسوسے دیکھے ہیں۔" ثانیہ مضطرب تھی۔
تب پہلی بار معیز کو محسوس ہوا کہ وہ ایمہا سے ملنے کے بعد کافی ڈسٹرب تھی۔
"اس کا خوف بالکل دنیا کی بھیڑ میں کھو جانے والی بچی کا سا ہے معیز بھائی! جب اس نے مجھ سے امتیاز احمد کے بارے میں پوچھا تو میں نہیں جانتی تھی کہ وہ آپ کے والد کے متعلق بات کر رہی ہے۔ میرے انکار پر وہ بجھ گئی۔ بلکہ مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ میں آپ کو اس کی کیفیت بتا سکوں۔" معیز ساکت سا سن رہا تھا۔
"ہمیں مزید انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اسے وہاں سے فوری طور پر نکالنا چاہیے۔" ثانیہ بے حد سنجیدہ تھی۔ پھر وہ اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کرنے لگی۔ جبکہ معیز ابھی تک یوں ہی اسٹرا گلاس میں گھما رہا تھا۔
"میں اس معاملے کو پولیس کیس نہیں بنانا چاہتا۔ کل کو بات میرے گھر پہ بھی آسکتی ہے۔"
"بالکل ٹھیک۔" ثانیہ نے اطمینان سے کہا۔ "اور میں نے اس کا متبادل سوچ لیا ہے۔"
معیز نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "وہ کیا؟"
"وہ یہ کہ میں دوبارہ سفیان حمیدی کے آفس میں جاؤں گی' جاب کے بہانے سے۔"
ثانیہ نے ڈرامائی انداز میں حل پیش کیا اور ابھی معیز کچھ بولا بھی نہیں تھا کہ عون نے جھک کر ٹیبل پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے خشمگیں انداز میں کہا۔
"خبردار... تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" وہ دونوں اس کے قطعی انداز پر بری طرح چونکے تھے۔

☼ ☼ ☼

حنا نے جانے میم کے کانوں میں کون سا اسم پھونکا کہ نہ صرف انہوں نے رات کو حنا کو اس کا کمرہ شیئر کرنے کا

آرڈر دے دیا' بلکہ ایمہا کی حرکات و سکنات پر نظر بھی کڑی ہو گئی۔
شاید حنا کو ایمہا کی باتوں سے بغاوت کی بو آگئی تھی۔ ایمہا کو اپنی خوامخواہ کی جذباتیت پر افسوس ہوا۔ اس نے ناحق حنا کو اس گندگی سے نکلنے کی آفر کی حالانکہ وہ اب تک حنا کی اصلیت اور فطرت دونوں کو اچھی طرح جان گئی تھی۔ ایمہا نے ڈسٹ بن میں سے موبائل نکال کر آف حالت میں ہی ٹشو پیپرز میں لپیٹ کر اپنے شولڈر بیگ میں ڈال لیا۔
اب کی بار وہ حنا سے دھوکا نہیں کھانا چاہتی تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ بہت پلاننگ کے ساتھ اس کا پرانا موبائل چرا کر اسے بے دست و پا کیا گیا تھا۔
آفس کے اندر تک اسے ڈرائیور چھوڑ کے جاتا تھا۔ وہاں سے نکل بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ سو... ایک آخری امید یہ موبائل فون تھا۔ شاید معیز اور امتیاز احمد کچھ کر پائیں۔
وہ بہت پرامید ہو گئی تھی۔ آفس میں وہ کسی طور بھی موبائل استعمال نہ کر سکتی تھی۔ ہر پل کسی کے آجانے کا ڈر رہتا۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔
وہ ٹشو پیپرز میں لپٹا موبائل ہاتھ میں لیے لیڈیز واش روم میں چلی آئی۔ یہ باتھ روم کوریڈور میں تھا۔
دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے پاور کا بٹن دبایا تو چند... سیکنڈز کے بعد اسکرین روشن ہوئی مگر ساتھ ہی موبائل سے ابھرنے والی دلکش سی موسیقی نے اسے گڑبڑا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر موبائل کو سینے سے لگا کر اس کی آواز دبانے کی کوشش کی۔
موبائل کو سائیلنٹ پر لگا کر اسے قدرے تسلی ہوئی۔ وہ ثانیہ کو کال کرنے کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ واش روم میں موبائل پر باتیں کرنا کسی کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتا تھا۔
تب ہی اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔
ایک' دو' تین... لگاتار کئی میسجز ان باکس میں آگئے۔
ایمہا نے جلدی سے میسجز دیکھے۔ وہ سب ہی ثانیہ کے تھے۔ جن میں اس کی خیریت پوچھی گئی تھی۔ ایمہا کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس دنیا میں کوئی تو تھا جسے اس کی فکر تھی۔
وہ ایس ایم ایس کرنے میں اناڑی تھی۔ بمشکل اپنی خیریت کا پیغام ثانیہ کو بھیج پائی... اور پھر فوراً" ہی واش روم سے باہر نکل آئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
سیفی کمرے کے وسط میں ٹہلتا رک کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عون نے صاف لفظوں میں اسے سفیان حمیدی کے آفس جانے سے منع کر دیا تھا۔
ثانیہ نے اختلاف کرنا چاہا مگر معیز نے اسے روک دیا۔
"عون ٹھیک کہہ رہا ہے ثانیہ۔ تمہیں اس کی بات ماننی چاہیے۔"
اس وقت تو وہ خاموش ہو گئی۔ کیونکہ وہ معیز کے سامنے کوئی ڈراما نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر گھر آ کے اس نے عون کو کال کر کے خوب سنائیں۔
"دیکھو ثانیہ! تم پر ذرا سی بھی آنچ آئے میں برداشت نہیں کر سکتا۔" عون کا لہجہ نرم تھا۔
"کوئی مجھے کھا نہیں جاتا عون عباس..." وہ چڑی۔
"یہاں پہلی کیٹیگری نظروں سے کھانے والوں کی ہے' یہ بات یاد رکھنا۔" عون نے تنبیہہ کی۔

"خیر۔۔۔ نظروں کے معاملے میں شریف کیا اور بدمعاش کیا۔" ثانیہ نے طنز کیا۔ جو فریق ثانی تک بحفاظت پہنچا۔

"نظر۔۔۔ نظر میں فرق ہوا کرتا ہے ثانی۔" وہ اس کے معاملے میں حد درجہ متحمل مزاج بن جاتا تھا۔

بہرحال عون نے لمبی بحث کے بعد بھی اسے وہاں جاب کرنے کا ناٹک کرنے کی قطعی اجازت نہ دی تھی۔

آفس آنے سے پہلے اس نے دل مضبوط کرکے اپنی دوسری سم سے ایبہا کے نمبر پہ دو چار میسجز بھیجے۔ مگر اسے مایوسی ہی ہوئی۔ کوئی جواب نہ آیا تھا۔

اور اب۔۔۔

جبکہ وہ باس کے ساتھ ایک میٹنگ میں سر کھپانے کے بعد نڈھال سی بیٹھی تھی تو اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی۔

اس نے ان باکس چیک کیا۔ پورے کا پورا عون کے پیغامات سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے بے ارادہ ایک میسج کھولا۔

چلو ایسا کرتے ہیں، تم پہ مرتے ہیں
ہم نے ویسے بھی تو مر ہی جانا ہے

"لاحول ولا۔۔۔" ثانیہ کا دل لرز سا گیا۔ اس نے فی الفور میسج ڈیلیٹ کیا، وہ ٹھٹکی۔

ایبہا۔۔۔ یہ ایبہا کا میسج تھا۔ اس نے بے تابی سے میسج چیک کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کال پہ رابطہ نہیں کر سکتی۔ حنا ساتھ ہوتی ہے رات میں۔"

ثانیہ نے پورا ان باکس کھنگال ڈالا۔ مگر ایبہا کا صرف ایک ہی پیغام تھا۔ وہ پیغام معیز کو فارورڈ کرنے کے بعد ثانیہ نے جلدی سے معیز کو کال ملائی۔

"ایبہا کا میسج ملا ہے۔ میں نے آپ کو فارورڈ کر دیا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ کیا لکھا ہے؟" معیز الرٹ ہوا۔

"خیریت سے ہے۔ مگر اس کی نگرانی سخت ہے۔ اسی لیے وہ رابطہ نہیں کر پا رہی۔"

"ہوں۔۔۔" معیز نے دبی سانس خارج کی۔

"آپ پولیس ریڈ کیوں نہیں کراتے وہاں؟" ثانیہ کو یہی آسان حل دکھائی دیا تھا۔

"ان لوگوں کا نیٹ ورک بہت اسٹرونگ ہے۔ میں میڈم رعنا پر کافی ریسرچ کر چکا ہوں۔ تم سوچ نہیں سکتیں۔ اس کے ہاں کون کون سے عہدوں کے لوگ آتے ہیں۔ اس کی جوتیاں سیدھی کرنے والے ہماری مدد کیا کریں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بات پہلے ہی لیک آؤٹ ہو جائے اور میڈم رعنا اسے غائب ہی کر دے۔"

معیز نے تفصیل سے بتایا تو ثانیہ چپ سی رہ گئی۔ پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"معیز بھائی! آپ عون کو سمجھائیں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔ وہاں جا کر ایبہا کے حالات سمجھ کر میں اس کی مناسب انداز میں مدد کر سکتی ہوں۔"

"نہیں ثانیہ! میں اس کام کے لیے عون کو کبھی مجبور نہیں کروں گا۔ ہاں۔۔۔ بات اگر عون کی ہوتی تو میں اسے زبردستی مجبور کر سکتا تھا۔" معیز نے شائستگی سے پہلو بچا لیا۔

"لیکن میں خود اپنی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔" ثانیہ نے احتجاج کیا۔

"لیکن تم اس کے نکاح میں ہو۔ اس کی مرضی اور خوشی کی پابند۔" معیز نے بے ساختہ اسے یاد دلایا۔

"مگر فی الحال میں اپنے والدین کے گھر میں ہوں۔ عون کی پسند و ناپسند مجھ پر اس طرح سے فرض نہیں ہے۔" ثانیہ نے خفگی سے کہا۔

"یس ڈیئر۔۔۔ میں تمہاری آفر پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے خلوص دل سے مجھے یہ پیش کش کی تھی۔ مگر میں عون سے متفق ہوں۔ پہلے ہی ایبہا وہاں پھنسی ہوئی ہے۔ ہم مزید کوئی پریشانی افورڈ نہیں کر سکتے۔"

معیز نے اسے سراہتے ہوئے نرمی سے بات ختم کر دی۔

"یہ سب عون کا قصور ہے۔ اچھی بھلی ایک معصوم لڑکی کی جان بچانے کی نیکی کرنے والی تھی میں۔۔۔ لے کے اعتراض جڑ دیا۔" ثانیہ نے دانت پیسے۔۔۔

اسی وقت اس کا موبائل بجنے لگا۔

عون کا نام اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر اس نے گہری سانس بھری۔

"شیطان کو یاد کیا اور شیطان حاضر۔" اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی طنز جڑا۔

"چلو۔۔۔ تم نے کسی بہانے مجھے یاد کرنا شروع تو کیا۔" عون کی خوش فہمی کے اپنے ہی انداز تھے۔ ثانیہ چڑی۔

"تم کون سا نیس کا پہاڑہ ہو جسے یاد کرنا بہت ضروری ہو۔"

اس کی بات پر عون کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تمہاری وجہ سے میں ایک بے بس و مجبور لڑکی کی مدد نہیں کر پائی۔ گناہ تمہارے ہی سر جائے گا۔" اس کا غصہ انداز گفتگو سے عیاں تھا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں دو بے بس و مجبور لڑکیاں ہو جائیں۔"

"میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔ اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔" ثانیہ نے تفاخر سے کہا۔ جسے عون نے ہنسی میں اڑا دیا۔

"اچھا۔۔۔ اپنی بلیک بیلٹ تم نے مجھے تو ابھی تک نہیں دکھائی۔ کراٹے ماسٹر بھی ہو تم؟"

"مذاق مت اڑاؤ عون۔۔۔ اور تم بھول رہے ہو۔ ہمارے مابین کیا معاہدہ طے پایا تھا؟ پھر ہر معاملے میں نکاح نامہ نکال کے لے آتے ہو مجھ پر خوامخواہ کی پابندیاں لگانے کے لیے۔" وہ زچ آ کر بولی۔

"خوامخواہ کی نہیں، صرف جائز۔" عون نے تصحیح کی۔

"کسی مجبور کی مدد کرنے سے روکنا جائز عمل ہے؟"

"میں نے صرف مدد کرنے کے طریقے سے اختلاف کیا ہے اس کی مدد کرنے سے نہیں۔" عون نے تحمل سے کہا۔

"اس سے اچھا تھا کہ میں لندن ہی چلی جاتی۔ وہاں پر بھی تم ہی نے ٹانگ اڑائی تھی۔" ثانیہ جل کر بولی تو عون نے فی الفور ٹوکا۔

"ایکسکیوز می۔۔۔ تم بھول رہی ہو۔ وہاں میں تمہیں ہنی مون پہ لے جانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تم صرف یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے؟" ثانیہ کو اپنا غصہ ضبط کرنے میں دقت محسوس ہوئی۔

"کیوں۔۔۔ اب میں بغیر وجہ کے تمہیں فون بھی نہیں کر سکتا؟" بڑے لاڈ کا مظاہرہ کیا گیا۔

"عون عباس۔۔۔" ثانیہ کا لب و لہجہ تنبیہی تھا۔

"بعد میں دیکھنا تمہارے گلے شکوے ہی ختم نہیں ہوں گے۔ دس دفعہ ریسٹورنٹ فون کیا کرو گی۔ مگر میں بزی ہی ملوں گا۔" عون نے خفگی سے کہا۔

"کاش۔۔۔" ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

"بنی وے۔۔۔ کل سے میرے فائنل ایگزیمز اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔ سوچا اچھے شگن کے طور پر تم سے بات کرلوں۔" وہ اب شرافت کی جون میں تھا۔

"بہتر ہوتا کہ تم اچھی طرح پڑھائی ہی کرلیتے۔" ثانیہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"بڑی ظالم ہو یار۔۔۔" وہ کراہا۔ پھر گویا اسے ایک پیش کش کی۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اور تم اچھے دوست بن جائیں اور اگر اس دوران تم میری محبت میں مبتلا ہو جاؤ۔ جو کہ تم ہو ہی جاؤ گی... تو ہم رخصتی کروالیں۔ ورنہ اچھے دوستوں کی طرح جدا ہو جائیں۔" انداز بے حد مظلومانہ تھا۔

ثانیہ چپ رہ گئی۔

"اوکے۔۔۔ میرے خیال میں تم لیٹ ہو رہی ہو۔ پھر بات کریں گے۔"

وہ بڑی خوب صورتی سے اس کے ہاتھ میں ایک نئی سوچ تھما کر رخصت ہوا تھا۔ جبکہ ہاتھ میں بے جان موبائل تھامے ثانیہ الجھن کا شکار تھی۔

☼ ☼ ☼

آفس کے معاملات تو بہت اچھے جا رہے تھے۔ مگر ایبہا والے معاملے نے معیز تو کیا پورے گھر کو پریشان کیا ہوا تھا۔

سفینہ وقتی طور پر معیز کی بات سمجھ کر خاموش ہو جاتیں۔ مگر پھر سوچوں کے کئی در وا ہو جاتے تو ٹینشن کا شکار ہونے لگتیں۔

ان دنوں تو وہ معیز سے بات کرنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ جب سے اس نے ایبہا کے لیے انیکسی صاف کروائی تھی۔ ابھی بھی آفس جانے سے پہلے وہ ان کے کمرے میں گیا تو اسے دیکھ کر انہوں نے یوں آنکھوں پہ بازو رکھ لیا جیسے سو رہی ہوں۔

مگر وہ دیکھ چکا تھا۔

"ماما پلیز۔۔۔ ایسی سخت دل تو آپ کبھی بھی نہیں تھیں۔" وہ عاجز سا ہو کر ان کے قدموں کی طرف بیٹھ گیا۔ تو انہوں نے تڑپ کر بازو ہٹایا۔

"اچھا۔۔۔ میرے گھر پہ جو ڈاکا پڑا ہے اس کا کیا؟"

"مانتا ہوں میں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے آپ کے مقابلے میں ابو کا ساتھ دیا۔ لیکن میرے لیے آپ دونوں ہی برابر ہیں۔ اگر آپ مجھ سے کچھ کہیں تو میں وہ بھی کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔" وہ جذباتی ہونے لگا۔

سفینہ اٹھ بیٹھیں۔ "تو پھر نکال باہر کرو اس ناگن کی بیٹی کو ہماری زندگیوں میں سے۔"

انہوں نے قطعیت سے کہا۔ معیز بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھے ایک مرے ہوئے انسان کی وصیت کا پاس رکھنا ہے ماما۔"

"یعنی تم سے اپنی بات منوانے کے مجھے بھی مرنا پڑے گا۔ وصیت لکھنا پڑے گی۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"اللہ نہ کرے ماما۔" معیز نے ان کے پیروں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں گرفت کیا۔

"آپ پلیز میری پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ ہر چیز صحیح کروں گا۔ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔"

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ مگر ان کے تاثرات میں کوئی نرمی یا لچک نہ تھی۔

چند ثانیوں کے بعد معیز اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آفس جا رہا تھا۔ خدا حافظ کہنے آیا تھا۔"

"خدا حافظ۔۔۔" وہ بے تاثر انداز میں بولیں تو معیز لب بھینچے کمرے سے نکل آیا۔

اسے در حقیقت ایبہا مراد سے پھر سے نفرت محسوس ہوتی تھی' یہ لڑکی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان کے گھر کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

مگر وہ مجبور تھا۔ اسے ہر حال میں ایبہا کو سیفی کی شیطانی گرفت سے نکالنا تھا۔ پھر چاہے وہ کہیں بھی جاتی۔

☼ ☼ ☼

ایبہا کا دھیان اب اس دنیا میں کہیں بھی نہیں تھا۔ سوائے اس موبائل فون کے۔

مگر اسے کہیں بھی موقع نہ ملتا تھا کہ وہ ثانیہ سے رابطہ کرپاتی۔ گھر میں حنا سائے کی طرح اس کے ساتھ ہوتی اور آفس میں سیفی کا خوف۔

اس سے ہر کام الٹا سیدھا ہونے لگا۔ سیفی سے وہ کئی بار جھاڑ کھا چکی تھی۔ وہ صرف ایک موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ دوبارہ ثانیہ سے رابطہ کرتی۔۔۔ شاید امتیاز احمد اسے آزاد کروانے کے لیے کچھ کر رہے ہیں۔

ڈرائیور کے ساتھ بے دلی سے چلتی وہ گاڑی تک آئی۔ تب ہی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے مخصوص نسوانی قہقہے کی آواز نے چونکایا۔

دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے سرسری نظر اٹھا کے دیکھا۔ لمحہ بھر کو لگا اس کی آنکھوں نے کچھ غلط دیکھا ہو۔

سیفی کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی وہ رباب احسن تھی۔ ایبہا کو اپنی بصارت پر شک گزرا۔ اس نے آنکھیں سکیڑیں۔ رباب کا سیفی جیسے بدکردار کے ساتھ کیا تعلق؟

ڈرائیور اب پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا۔

تو کیا رباب ابھی تک وہی کھیل کھیلتی ہے؟

ایبہا کا دل اتھاہ گہرائی میں اترنے لگا۔

وہ سیفی کی اصلیت جانتی تھی۔۔۔ مگر رباب نہیں۔ رباب نے تو ہمیشہ کی طرح شاید اسے اپنے ٹارگٹ کے طور پر چنا تھا۔

مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ کبھی کبھار شکاری خود بھی شکار ہو جایا کرتا ہے۔

ایبہا نے تھک کر سر سیٹ سے ٹکا دیا۔

گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے خدا کا شکر ادا کیا آج حنا موجود نہ تھی۔ ظاہر ہے ایک "بزنس وومن" تنے دنوں فارغ تو نہیں بیٹھی رہ سکتی تھی۔

ایبہا کی گاڑی اندر آئی تو دوسری گاڑی میں بنی سنوری حنا کسی ہینڈسم سے مرد کے ساتھ جا رہی تھی۔ ایبہا نے

اپنے آپ کو آزاد اور ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

آج وہ ہر حال میں ثانیہ سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر رات کے کھانے پر میم کی بات نے اس کی جان ہی نکال لی۔

"بہت ہو گئی بھئی موج... فیل ہو تم اس کام میں۔" میم نے چمچ اور کانٹے سے کھیلتے ہوئے سرسری انداز میں بات شروع کی تو ایبہا تحیر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یہ پارسائی اور پرہیزگاری والا اپنا ڈرامہ اب بند کرو۔ ایک لاکھ کا بھی بزنس نہیں کر کے دیا تم نے۔" میم کے لب و لہجے میں سختی تھی۔

ایبہا کا دل لرزنے لگا۔

"میں نے تو اپنی پوری کوشش..."

"کوشش مائی فٹ..." میم نے اس کی بات کاٹ کر یک لخت غراہٹ آمیز لہجے میں کہا تو ایبہا کے ہاتھ میں تھاما چمچہ لرزنے لگا۔

"ہمارے بزنس میں خود آگے بڑھ کے گلے کا ہار ہوا جاتا ہے۔ سیفی تو تنگ آچکا ہے تم سے۔" وہ تلخی سے بولیں۔

ایبہا سے چبایا ہوا نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔

"کل سے تم آفس نہیں جاؤ گی۔ دو دن گھر بیٹھو۔ اپنا مائنڈ میک اپ کرو اور پھر اپنا بزنس چلاؤ... جسٹ لائک دیٹ۔" میم نے بے نیازی سے اس کا ٹائم ٹیبل سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

ایبہا کی رنگت سفید پڑ گئی۔ دل رک رک کے چلا تو سانس بھی تنگ ہوتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے ذبح ہونے والے جانور کی طرح میم کی طرف دیکھا۔

"دیکھو ایبہا! مجھ سے اب تمہارا کوئی ڈرامہ اور منت سماجت برداشت نہیں ہوگی۔ جو میں نے کہہ دیا ٹھیک دو دنوں کے بعد تم اس پر خوش دلی سے عمل کرو گی۔ ورنہ مجھے خود ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

وہ اب سویٹ ڈش لے رہی تھیں۔

اس وقت عموماً" میم ہی گھر پر ہوتی تھیں۔ یہاں موجود ڈھیروں لڑکیاں (جن میں سے کچھ مجبور تھیں اور کچھ پیسے کے لیے بخوشی یہ کام کرتی تھیں۔) اس وقت اپنے "بزنس" کے لیے جا چکی تھیں اور اب صبح ہی واپس آتیں۔

بلکہ کئی تو میم کی زبان میں اس قدر "لکی" تھیں کہ بڑے اعلا عہدے داروں کے ساتھ بیویوں کے بجائے ہنی مون پہ جاتی تھیں۔ "ٹانچنگ"

"میرے خیال میں تمہاری لانچنگ بھی ہنی مون ٹرپ سے ہی کی جائے۔ یہ لوگ بیرون ملک اپنی بدصورت بیویوں کو لے کر جانا پسند نہیں کرتے نا۔"

میم اب بڑے دوستانہ انداز میں ڈسکشن کر رہی تھیں۔

ایبہا کا کھایا پیا الٹنے کو تھا۔

"میم..." اس کے منہ سے لفظ نہ نکلا تھا۔ میم نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اٹھو... اور اپنے کمرے میں جا کے خوب سوچو۔ میں کسی بھی معاملے میں تمہاری اجازت کی پابند نہیں ہوں تم یہ نہیں مانو گی تو پھر میں جو چاہے وہ کروں گی۔" ان کا لہجہ ان کی نظروں سے زیادہ برفیلا تھا۔

وہ کمرے میں آکر خوف زدہ سی چادر لپیٹ کے بیٹھ گئی۔

ایک عجیب سی ان سیکیورٹی نے اسے گھیر لیا تھا۔ میم کسی بھی وقت اس پر کتے چھوڑ سکتی تھیں اور یقیناً... وہ کتے انسانی شکل میں ہوتے۔ اسے اپنی ماں یاد آئی۔

اس کی پیاری ماں... اگر وہ امتیاز احمد سے شادی کر لیتی تو آج ایبہا کے لیے حالات یکسر مختلف ہوتے۔

"کاش... اے کاش میری ماں... اس وقت تو نے اپنے دل پہ پاؤں رکھ لیا ہوتا تو بعد میں کوئی تیری عزت نفس پہ پاؤں نہ رکھتا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ پھر کچھ خیال گزرا تو جلدی سے اٹھ کر وضو کیا اور جائے نماز پہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی گریہ زاری تھی کہ بے قابو ہوئی جاتی تھی۔ آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔

"رحم میرے خدا... اے مالک کل کائنات۔ حوا کی اس بیٹی کی طرف بھی کرم کی ایک نظر..."

وہ سجدے میں گر کے بے تحاشا روئی، تڑپی... اتنا روئی کہ اس کے بعد وہ کوشش بھی کرتی تو آنسو نہ نکلتے تھے۔ وہ بے دم سی پڑی تھی۔ مگر دل محو مناجات تھا۔ جانے کن وقتوں سے وہ خود کو گھسیٹتی بستر تک آئی۔ در حقیقت اس میں اب مزید گریہ وزاری کی سکت نہ رہی تھی۔

ذہن اسی ایک نکتے پر منجمد تھا کہ اب اس کی عزت داؤ پہ لگائی جانے والی تھی۔ وہ یک دم چونکی۔

اس کے تکیے میں تھرتھراہٹ سی ہوئی تھی۔

اس نے تکیہ پرے کر کے ٹشوز میں لپٹا موبائل بے تابی سے کھولا تو اس کی اسکرین چمک رہی تھی اور اس پر ثانیہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کے وجود میں جیسے جان آگئی۔

تیزی سے اٹھ کر وہ واش روم کی طرف بڑھی۔ دروازہ بند کیا۔
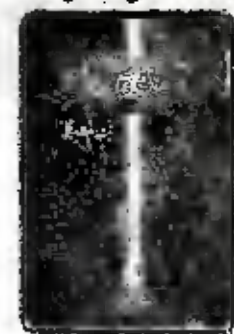
ثانیہ کی کال مسلسل آرہی تھی۔
ایبہا نے برق رفتاری سے واش بیسن کا نل اور شاور کا پانی کھول دیا۔
وہ نہیں چاہتی تھی کہ باہر اچانک کسی کے آجانے پر کوئی شک پڑے۔
اس نے دروازے سے دور ہٹ کے ثانیہ کی کال اٹینڈ کی۔
"ہے۔۔۔ ہیلو۔۔۔" اسے خود اپنی آواز ہی غیرانسانی لگی۔۔۔۔۔ کھینچی ہوئی نسوں کے ساتھ اسے بولنا دنیا کا مشکل ترین کام لگا۔
"ایبہا۔۔۔؟" ثانیہ کا انداز محتاط تھا۔
"ہاں۔۔۔ میں ایبہا ہوں۔ ثانیہ! میں ایبہا ہوں۔" خوف سے اسے لرزہ چڑھ رہا تھا۔
"کیسی ہو ایبہا؟"
"مم۔۔۔ میں بہت مشکل میں ہوں۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس کی آواز پھنسی ہوئی تھی۔
"کیا ہوا ہے ایبہا کھل کے بات کرو۔ اگر موقع ملا ہے تو۔"
ثانیہ نے نرمی اور پیار سے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
عرصہ ہوا تھا یہ بے ریا لہجہ سنے۔
"میں یہاں محفوظ نہیں ہوں۔ میم مجھے کسی کے ہاتھوں بیچنا چاہتی ہیں۔ بس دو دن کے بعد۔۔۔ خدا کے لیے ثانیہ۔۔۔ مجھے بچالو۔۔۔ میری عزت داؤ پہ لگنے والی ہے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔
"ڈونٹ وری ایبہا۔۔۔ روؤمت۔۔۔ حوصلہ کرو۔۔۔ یو آر اے بریو گرل۔۔۔ میں ضرور تمہاری ہیلپ کروں گی۔"
ثانیہ نے بہت پیار سے اسے پچکارا۔
"میرا کل سے آفس جانا بند ہوگیا ہے۔ بس دو دن کے بعد۔۔۔" وہ بلک اٹھی۔
"حوصلہ کرو ایبہا۔"
"کیسے حوصلہ کروں۔۔۔ اتنے دنوں سے تم لوگوں کو پتا ہے کہ میں ان کے قبضے میں ہوں تو کچھ کرتے کیوں نہیں تم لوگ۔ معیز سے کہو میری بے بسی کا تماشا مت دیکھے اور امتیاز احمد کہاں ہیں جو میری ماں سے پکے وعدے کرکے ایک مضبوط بندھن میں باندھ کے مجھے ساتھ لائے تھے؟ کیا وہ میم کو ثبوت دکھا کر دعوے کے ساتھ مجھے یہاں سے چھڑوا نہیں سکتے؟"
وہ بھنچی ہوئی آواز میں اپنی چیخیں روکتی کبھی غصے اور کبھی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔
ثانیہ گنگ سی سنے گئی۔ یہ کیسے راز چھپے تھے اس کی باتوں میں۔ کون سا مضبوط بندھن کیسا ثبوت اور کیسا دعوا؟
"معیز احمد کو بتادو ثانیہ۔۔۔ پرسوں تک کا وقت ہے میرے پاس۔ اگر پرسوں بارہ بجے تک وہ کچھ نہ کرسکا تو میری خودکشی اس کے سر۔ قیامت کے روز میں ان دونوں باپ بیٹے سے حساب طلب کروں گی۔" اس نے تھک کر خود ہی لائن کاٹ دی۔
کہنے سننے کو اور کچھ بچا ہی کہاں تھا۔
امتیاز احمد تو جیسے اس سے ہر رشتہ ہی توڑ بیٹھے تھے اور اب جبکہ معیز کو اس کے بارے میں پتا چل گیا تھا تو وہ بھی محض تماشائی دیکھ رہا تھا۔ وہ بے دم ہونے لگی۔
"ہیلو۔۔۔ ہیلو ایبہا۔۔۔"

ثانیہ نے لائن کٹنے پر بے اختیار اسے پکارا مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔
"سن لیا آپ نے معیز بھائی؟"
ثانیہ نے میٹنگ پر موجود معیز کو تھکے ہوئے انداز میں متوجہ کیا جو گنگ سا تھا۔
"یہ تو بہت برا ہو رہا ہے۔" وہ بمشکل خود کو کچھ کہنے پر آمادہ کرپایا۔
"میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اسے فوری طور پر وہاں سے نکالنے کی ضرورت ہے مگر آپ لوگ پتا نہیں کس نفع و نقصان کے چکروں میں پڑے ہیں۔" ثانیہ کے انداز میں خفگی تھی۔
"لیکن اب آپ نے سن لیا نا۔ اسے پرسوں تک کی ڈیڈ لائن ملی ہے۔"
"او کے۔۔۔ میں کچھ کرتا ہوں۔" معیز کا ذہن سخت پراگندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس سے منسلک ایک اہم رشتہ۔۔۔
اسے احساس ہوا کہ تین سال پہلے اسے امتیاز احمد کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالنے چاہیے تھے۔
آج وہ بھاڑ میں بھی جاتی تو معیز کو پروا نہ ہوتی مگر امتیاز احمد جس حیثیت سے اس کی ذمہ داری معیز پر چھوڑ گئے تھے۔ اسے یوں بھاڑ میں جاتے دیکھنا۔۔۔ دل گردے کا کام تھا۔۔۔ نہیں۔۔۔ یقیناً "بہت بے غیرتی اور بے حمیتی کا۔ سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے کو تھا۔ رات کے اس پہر جب سب اپنے کمروں میں اے سی آن کیے پرسکون نیند لے رہے تھے۔ وہ بے چینی اور اضطراب کی آگ میں جلا جا رہا تھا۔
کبھی سوچتا کہ سیدھا جاکے میڈم رعنا کے سامنے کھڑا ہوجائے اور کزن ہونے کا دعوا کرکے ایبہا کو وہاں سے نکال لے مگر کیا وہ اتنی آسانی سے سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو ہاتھ سے جانے دیتی؟
اور اگر پولیس لے کے جاتا۔۔۔ لیکن اگر پولیس نے ہمیشہ کی طرح ایمان داری سے کام نہ کیا تو۔۔۔ اس کے بعد تو میڈم ایبہا کو ایسی تہوں میں چھپائے گی کہ اس کی دھول بھی نہ ملے گی۔ ثانیہ نے صبح اسے اور عون کو اپنے ہاں بلایا تھا۔ وہاں شاید کوئی صورت حال نکل آئے۔ اس نے تھک کر سوچتے ہوئے خود کو بستر پر گرالیا۔

☼ ☼ ☼

"لڑکوں کے لیے لڑکی سے اہم کچھ نہیں ہوتا معیز۔۔۔ اور تم ہو کہ تمہارا پیچھا کرنا پڑتا ہے۔" رباب کے لب و لہجے میں خفیف سی تلخی کار جاؤ تھا۔
"آئم سوری۔۔۔ بہت بزی تھا میں۔۔۔ یقین کرو۔۔۔ اور آج تو سر میں شدید درد بھی ہے۔"
معیز نے کنپٹی دباتے ہوئے تھکاوٹ زدہ لہجے میں معذرت کی۔
وہ آفس آتو گیا تھا مگر اب کچھ کام نہیں ہو پا رہا تھا۔
"میری طرف آجاؤ نا۔ اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلاؤں گی تو سارا درد بھول جاؤ گے۔" وہ گنگنائی۔
"آفر تو بہت شان دار ہے مگر آج ایک بہت ضروری میٹنگ ہے۔"
وہ ہلکے سے مسکرایا۔ جانتا تھا رباب کو چائے بنانے کی الف ب کا بھی نہیں پتا مگر وہ اس کے لیے چائے بنانے کا کہہ رہی تھی یہ معیز کے لیے یقیناً "فخر کی بات تھی۔
"کم آن معیز۔۔۔ یو آر سو بورنگ۔۔۔ کوئی اور لڑکا ہوتا تو سر کے بل آتا۔"
"سوری۔۔۔ مجھے یہ کرتب سیکھنے کا کبھی وقت ہی نہیں ملا۔" معیز نے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔
"معیز۔۔۔ تم میرا موڈ خراب کرنا چاہتے ہو؟ لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز کے بارے میں کیا کیا نہیں بتاتیں اور ایک تم ہو کہ۔۔۔" وہ جذباتیت پر اترنے لگی۔ معیز سنجیدہ ہوگیا۔

"اول تو یہ کہ میں تمہارا ابوائے فرینڈ نہیں ہوں۔ دوسرا یہ کہ لڑکیوں کی اس طرح کی فضول باتوں میں نوے فیصد جھوٹ ہوتا ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔ تم دوسرے لورز کی طرح نہیں ہو۔" وہ بے اختیار بولی پھر ہنسنے لگی۔

"آئی مین! دوسری لڑکیوں کے لورز کی طرح۔"

"مجھے محبت میں چیپ ہونا پسند نہیں ہے رباب۔۔۔ محبت میں ایک فاصلہ اور پاکیزگی ضروری ہے۔ ورنہ وہ محبت نہیں رہتی' ہوس بن جاتی ہے۔" معیز نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"پلیز۔۔۔" وہ کراہی۔ "نو مور لیکچر معیز۔"

"اتنی رومانس کی باتیں تو نہیں کیں کبھی' جتنا صوفیانہ لیکچر جھاڑتے ہو۔" وہ خفا تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم ناراض ہی رہنا۔ ملو گی تو دیکھنا کتنے پیار سے مناتا ہوں۔ پھر فخر سے ساری فرینڈز کو بتانا۔"

وہ اتنے پیار بھرے دھیمے لہجے میں بولا کہ رباب کا دل گدگدا اٹھا۔

"کیسے۔۔۔ کیسے؟" وہ بے تاب ہوئی۔ معیز آہستہ سے ہنسا۔

"ابھی نہیں۔۔۔ سنڈے کو۔۔۔ جسٹ ویٹ اینڈ سی۔" اس نے رباب کے دل کی بے قراری بڑھادی تھی۔

معیز کا فون بند ہوا تو وہ جلدی سے اسکائپ پہ اپنی دوستوں کو بتانے لگی۔ اس کا انداز بہت جوش سے بھرا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے عون کے پاس پہنچ کر اسے چلنے کو کہا تو وہ حیران ہوا۔

"کہاں۔۔۔؟"

"ثانیہ نے ہمیں انوائیٹ کیا ہے۔ اپنی خالہ یعنی تمہاری پھپھو کے گھر۔"

معیز ابھی لنچ ٹائم پہ آفس سے اٹھا تھا اور سیدھا عون کے ریسٹورنٹ میں پہنچا۔

"تجھے انوائیٹ کیا ہے یا مجھے؟" عون نے طنز کیا۔

معیز سے مسکراہٹ چھپانی مشکل ہوگئی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ ثانیہ نے بطور خاص عون کو انوائیٹ کرنے کے لیے کال نہیں کی تھی۔ بس معیز ہی سے کہہ دیا کہ کل دونوں چلے آنا۔

"تمہارے حالات تو پہلے سے بھی پتلے جارہے ہیں یار۔۔۔ بنے گا کیا تم دونوں کا۔" معیز کو عون کی شکل دیکھ کے ہنسی آرہی تھی۔

"معاملہ کیا ہے' کیوں بلایا ہے اس نے؟" وہ کاٹ کھانے کو تھا۔

"ایبھا والے معاملے پہ بات کرنی ہے۔ وہ بہت مشکل میں ہے۔ اس کا آفس جانا بند کردیا گیا ہے۔ ایک روز بعد شاید وہ اس کا سودا کردے۔"

معیز یک لخت ہی سنجیدہ ہوا تو وہ سب بھی کہنا پڑا' جو وہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"اوہ۔۔۔!" عون کو تاسف ہوا۔ "میں ساتھ چلوں گا معیز! جو ہیلپ کرسکا کروں گا۔ مگر پلیز یار! ثانیہ کو وہاں مت جانے دینا۔ ان لوگوں کا نیٹ ورک بہت اسٹرونگ ہے۔ میں اس پہ کوئی آنچ نہیں آنے دینا چاہتا۔ وہ میری گرل فرینڈ نہیں' منکوحہ ہے اور اپنی عزت کے لیے مرد جان سے چلے جایا کرتے ہیں۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ معیز نے ایک ٹک اسے دیکھا۔ جانے کون سے لفظوں نے دل کے تاروں کو کیسا جھنجھوڑا تھا۔

عون اس کے ساتھ چل پڑا۔ گیٹ خود ثانیہ نے کھولا۔

"السلام علیکم۔"

اس کے ہونٹوں پر دونوں کے لیے مسکراہٹ تھی۔ عون ساری خفگی بھولنے لگا۔

"اتنی دیر لگادی۔ کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے۔"

"اگر مجھے ڈائریکٹ دعوت دیتیں تو ناشتے کے فوراً" بعد ہی آجاتا۔"

عون نے کہا تو وہ اطمینان سے بولی۔

"میں جانتی تھی۔ تب ہی معیز بھائی کو کہا۔"

عون نے مسکراہٹ دباتے معیز کو گھورتے ہوئے کہا۔

"جانتا ہوں میں۔۔۔ مجھے تو بس باڈی گارڈ کے طور پہ بلالیا ہے تم نے۔"

"چلو۔ بہت اچھی بات ہے۔ اب جاؤ دونوں ہاتھ منہ دھو کے فریش ہو کے آجاؤ۔ خالہ جان تو کھانا کھا کے میڈیسن لے کر لیٹ چکیں۔"

ثانیہ کے ہونٹوں پہ پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ عون کو بہت حوصلہ دے رہی تھی اور یقیناً" کسی تبدیلی کا اعلان بھی تھی۔

لنچ کیا تھا۔ گھر کے کھانے کی بہترین ورائٹی تھی۔

"یہ سب آج میں نے اسپیشلی آپ لوگوں کے لیے بنایا ہے۔"

ثانیہ نے کہا تو معیز نے رشک سے عون کو دیکھا۔ دونوں نے دل کھول کے لذیذ کھانا کھایا اور میٹھے میں ٹرائفل۔ اس کے بعد چائے کے مگ لیے وہ لاؤنج میں آبیٹھے۔

"مسئلہ کیا ہوا ہے اب؟" عون نے پوچھا تو ثانیہ نے اپنے موبائل میں ریکارڈ ایبھا کی کال آن کردی۔ وہ انہماک سے سننے لگا۔

"اور میں نے جتنی بار بھی اس کال کو سنا ہے۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ ہم لوگ پوری حقیقت سے واقف نہیں ہیں معیز بھائی!"

ثانیہ نے بے حد سنجیدگی سے معیز کو دیکھا۔ وہ یقیناً" ایک ذہین لڑکی تھی۔ معیز نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

"وہ کس بندھن اور کن ثبوتوں کی بات کرتی ہے' وہ بھی اتنے دعوے کے ساتھ؟"

"ابو اسے اپنی ذمہ داری پہ یہاں لائے تھے۔" معیز آنکھیں چرا گیا۔ "وہ اپنی دوست کے ہاتھوں دھوکا کھاگئی۔ ورنہ ابو ہاسٹل اور کالج کی فیس ادا کررہے تھے۔"

"معیز یار! اس کا صاف اور سیدھا حل یہی ہے کہ پولیس ریڈ کرائی جائے اور ایبھا کو وہاں سے برآمد کرلیا جائے۔"

عون نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ سب سے زیادہ کالی بھیڑیں اسی محکمے میں ہیں۔ ریڈ سے پہلے ہی میڈم کو کال دے دی جائے گی۔ اور پھر شاید ہم آئندہ کبھی ایبھا کو نہ دیکھ پائیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ثانیہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"اس مسئلے کو فول پروف طریقے سے حل کرنے کی ضرورت ہے۔" عون نے رائے دی۔

"نہ وہ وہاں سے باہر آسکتی ہے اور نہ ہی کوئی وہاں جاسکتا ہے۔" معیز نے یاد دلایا۔

"تم سیفی کو بھول رہے ہو۔ وہ ہمارا شکار بن سکتا ہے۔" عون نے ذو معنی انداز میں کہا تو وہ چونکا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ تو تمہیں سوچنا ہے۔ کیونکہ وہی ایک شخص ہے جو تمہیں اندر بھی لے جا سکتا ہے اور ایبہا کو باہر بھی لا سکتا ہے تمہارے کہنے پر۔" عون کا ذہن واقعی کام کر گیا تھا۔

"اسے باہر لا کر وہ میرے حوالے ہی تو نہیں کر دے گا نا۔ واپسی بھی تو ہوگی۔" معیز الجھا۔

"پیسہ۔ پیسہ لگاؤ میری جان! وہ لوگ بزنس چلا رہے ہیں۔ انہیں صرف پیسہ چاہیے۔" عون نے حقیقت بیان کی۔

"میرے ہاتھ کی بنی چائے پی کر تمہارے دماغ نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔" ثانیہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی، پھر اس نے معیز کو دیکھا۔

"مگر میں پھر بھی کہوں گی کہ اس لڑکی کی کہانی میں سے بہت کچھ مسنگ ہے۔" معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اس نے آپ سے ایسے شکوہ کیا تھا جیسے اسے بہت مان ہو آپ پر۔ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ امتیاز احمد میڈم کو ثبوت دکھا کے اسے وہاں سے نکال سکتے ہیں۔" ثانیہ ابھی تک اسی نہج پہ سوچ رہی تھی۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" عون نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انکل کے پاس ایسا کچھ ثبوت ہے جس کی بنا پر ایبہا کا کلیم کر کے اسے وہاں سے نکال سکتے ہیں۔"

ثانیہ نے صاف لفظوں میں وضاحت کی۔ عون نے منتظر نظروں سے معیز کو دیکھا۔

"اب تم بتاؤ۔"

"کیا انکل نے اسے اپنی کزن سے ایڈاپٹ کر لیا تھا؟ اگر ایسا کوئی تحریری ثبوت ہے تو پھر بھی کام بن سکتا ہے۔ ایک بار ایبہا وہاں سے نکل آئے تو پھر تحریری ثبوت دکھا کر اس کی واپسی کو روکا جا سکتا ہے۔" ثانیہ نے جوش سے کہا۔

مگر معیز چپ تھا۔ بالکل چپ۔

"وہ بہت مشکل میں ہے معیز بھائی! آپ سب نفع نقصان چھوڑ کر صرف یہ سوچیں کہ وہاں محض اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے۔"

ثانیہ دبے لفظوں میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی۔

معیز کی رگوں میں دوڑتا سیال تپ اٹھا۔

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی پینٹ کی جیب میں رینگ گیا اور جب باہر آیا تو اس میں ایک پیپر دبا ہوا تھا۔

"یہ لو۔ شاید یہ کچھ کام آ جائے۔" اس نے وہ پیپر عون کی طرف بڑھایا۔ عون اس کے بدلے ہوئے تاثرات پہ غور کرتا حیران سا ہو کر وہ پیپر دیکھنے لگا۔

اور اس پیپر کا متن پڑھتے ہی جیسے اسے چار سو چالیس واٹ کا جھٹکا لگا۔ اس نے بے اختیار بے یقینی سے معیز کی طرف دیکھا۔

(باقی اگلے ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ابیہا۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الہڑسی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر ان کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھاتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

لاستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ایبہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد 'ایبہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب 'ایبہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے 'ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب 'معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ایبہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ایبہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ایبہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں 'زور زبردستی کرکے ایبہا کو بھی غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز 'ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر ایبہا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی 'ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم' ایبہا کو سیفی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ایبہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ایبہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ایبہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ایبہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ایبہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ایبہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ایبہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد 'ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

دسویں قسط

"وہ بہت مشکل میں ہے معیز بھائی! آپ سب نفع نقصان چھوڑ کر صرف یہ سوچیں کہ وہاں شخص اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے۔"

ثانیہ دبے لفظوں میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی پینٹ کی جیب میں رینگ گیا اور جب باہر آیا تو اس میں ایک پیپر دبا ہوا تھا۔

"یہ لو۔ شاید یہ کچھ کام آجائے۔" اس نے وہ پیپر عون کی طرف بڑھایا۔ عون اس کے بدلے ہوئے تاثرات پہ غور کرتا حیران سا ہو کر وہ پیپر دیکھنے لگا۔

اور اس پیپر کا متن پڑھتے ہی جیسے اسے چار سو چالیس والٹ کا جھٹکا لگا۔ اس نے بے اختیار بے یقینی سے معیز کی طرف دیکھا۔

عون کے تاثرات اس قدر شاکنگ تھے کہ ثانیہ بے اختیار اس کے شانے پر سے جھک کر اس کے ہاتھ میں تھما پیپر دیکھنے لگی۔

"یہ۔۔۔"

"اسے تو وہ فوراً" چیلنج کر سکتے ہیں۔ کیٹی آفس جاتے ہی قلعی کھل جائے گی کہ یہ تم نے نقلی بنوایا ہے۔"

لمحاتی جھٹکے کے اثر سے نکلتے ہوئے عون نے کہا تو ثانیہ نے بھی خاصی مشکوک نظروں سے معیز کو دیکھا۔

"ہوں۔۔۔" اس نے ایک نظر عون کو دیکھا۔ اور ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ جائیں گے تو ضرور پتا چل جائے گا۔۔۔ اس نکاح نامے کی اصلیت کا۔"

معیز نے ان دونوں کی سماعتوں پر گویا کوئی دھماکا کر دیا تھا۔

عون کی نگاہوں میں حد درجہ بے یقینی اتر آئی۔ وہ بے اختیار صوفے پر آگے کو ہو بیٹھا۔ "یہ۔۔۔ یو مین۔۔۔ یہ اصلی ہے۔۔۔؟"

"وہ لڑکی تین' ساڑھے تین سال سے آپ کے نکاح میں ہے؟" ثانیہ کی بھی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی۔

اور معیز۔۔۔ وہ اپنے آپ کو بے حد ذہنی اذیت میں گرفتار محسوس کر رہا تھا۔

اپنے آپ کو کسی کے سامنے کھولنا کس قدر تکلیف دہ امر تھا' یہ وہی جانتا تھا۔ مگر صورت حال ایسی تھی کہ بتائے بنا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

"اوہ گاڈ۔۔۔" ثانیہ کو صحیح معنوں میں تاسف نے گھیرا۔ پوری کہانی میں ایبہا کا کردار بہت قابل رحم تھا۔

"کیا قسمت ہے اس بے چاری کی۔ مظلوم ہوتے ہوئے بھی وہی پس رہی ہے۔"

"مگر معیز۔۔۔ تو نے کیا کیا یار۔۔۔ اس قدر معتبر رشتے میں باندھ کر ایسی لاپروائی۔۔۔؟" عون کو یقین کرنے میں دشواری تھی۔

"میں اپنی صفائی پیش نہیں کروں گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے لیے یہ نکاح صرف ایک حادثہ تھا اور بس۔ ابو نے کہا تھا کہ اسے وہاں سے نکال کر وہ کہیں اور 'اس کی مرضی سے شادی کروا دیں گے۔"

معیز نے سرد لہجے میں کہا۔

"مگر وہ ابھی بھی آپ کے نکاح میں ہے۔ آپ نے اسے طلاق نہیں دی ہے۔ وہ آپ کی ذمہ داری ہے۔"

ثانیہ کو افسوس ہوا۔ وہ معیز سے ایسی بے وقوفی بلکہ سنگ دلی کی توقع نہیں رکھتی تھی۔

"اسی لیے تو خوار ہو رہا ہوں سو رنہ ایک بہترین لائف گزار رہا تھا میں۔" وہ تلخ ہوا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" عون واقعی ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں گھرا تھا۔ اسے پچھلے تین سالوں سے معیز کی بدلتی نیچر اور ذہنی الجھاؤ کی کیفیت یاد آنے لگی۔

تو یہ راز تھا اس "بدلاؤ" کے پیچھے۔

"تم نے اپنے ہاتھوں سے اسے گنوایا ہے معیز! اگر انکل کا کہا مان کر تم نے ایک نیکی کر ہی لی تھی تو کم از کم اسے سنبھال کر رکھتے۔"

عون سے معیز کی طبیعت کا یہ پہلو برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ سو جتانے والے انداز میں بولا۔ معیز نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور بے حد ناگواری سے بولا۔

"میں نے یہ سب اس لیے نہیں بتایا کہ تم جواباً" مجھے ہی کٹہرے میں گھسیٹ لو۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی حل ہے تو بتاؤ۔"

"رکے... معیز بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں عون!" ثانیہ نے فی الفور معیز کے غصے کو محسوس کیا اور فوراً" ہی عون کو ٹوک دیا۔ "فی الحال تو اہم مسئلہ ہے ایبھا کو وہاں سے نکالنے کا۔ ان کی کھنچائی تو تم بعد میں بھی کر سکتے ہو۔"

عون نے گہری سانس بھرتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ در حقیقت وہ اس انکشاف کو قبول ہی نہیں کر پا رہا تھا جو یک لخت ہی معیز نے سامنے لا رکھا تھا۔

"تو اب کیا کیا جائے...؟" عون کا انداز خفا خفا سا تھا۔ معیز نے تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

ثانیہ نے کھنکھارتے ہوئے ثالثی کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔

"میں کل رات کافی سوچتی رہی ہوں اس معاملے پر میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اگر آپ لوگوں کو پسند آئے تو۔" وہ آہستہ آہستہ بتانے لگی۔

معیز کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ اس خیال سے متفق ہے۔

"ارے واہ۔ بہت خوب ثانی! جی چاہ رہا ہے تمہارا منہ..." عون تو پھڑک ہی اٹھا' بے اختیار والہانہ انداز میں کہنے لگا تو ثانیہ اونچی آواز میں اسے ٹوک گئی۔

"عون..." تو وہ حیرت سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے معصومیت سے بولا۔

"موتیوں سے بھر دوں یار... میں اور کیا کہنے والا تھا؟" معیز کو اس ٹینشن زدہ ماحول میں بھی ثانیہ کا تلملاتا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر ہنسی آنے لگی۔ عون کی بدمعاشیوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔

ثانیہ منہ پھلائے چائے کے مگ لے کر چلی گئی تو وہ دونوں اس کے بتائے ہوئے خیال کو ٹھونک بجا کے دیکھنے لگے۔

☼ ☼ ☼

میڈم رعنا کی اجازت کے بعد ان دونوں کو جس سٹنگ روم میں بٹھایا گیا تھا اس کے در و دیوار پر آویزاں جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصاویر پر نگاہ پڑتے ہی ان دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور نگاہ چرائی۔ ملازم انہیں بٹھا کر ان کے وزیٹنگ کارڈ واپس تھما گیا۔

"اگر میں مزید آدھا گھنٹہ اس ماحول میں بیٹھا تو مجھے الٹی ہو جائے گی۔"

ایک نے کہا۔ دوسرے نے تحمل انداز میں مشورہ دیا۔

"دو پچیس منٹ تک سیدھی کیے رکھو پھر بیشک الٹی کر دینا۔"

اسی وقت دروازے سے خوشبوؤں کا ایک جھونکا سا اندر آیا۔

وہ دونوں بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

"اہاں۔" میڈم چہکیں۔ "وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر تو میں سمجھی کہ کوئی بڑی عمر کے صاحب ہوں گے۔"

انہوں نے ناز سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے دونوں نے ہلکا سا تھام کر چھوڑ دیا۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی میڈم ان کے سامنے سنگل صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھ گئیں۔

تپائی پر رکھے سگریٹ کیس میں سے ایک سگریٹ نکال کر میڈم نے اسے لائٹر سے شعلہ دکھایا اور ایک طویل کش لیا۔

وہ دونوں سامنے بیٹھے ہونق بنے یہ "لائیو شو" دیکھ رہے تھے۔

"میڈم کے ڈریم لینڈ میں آنے کا مطلب سمجھتے ہو نا؟" میڈم نے دیواروں پر لگی پینٹنگز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

"جی... جی..."

بلیک ہاف سلیوز ٹی شرٹ میں ملبوس یہ عون عباس تھا۔ عون کو ثانیہ کا یہ آئیڈیا اچانک زہر لگنے لگا تھا۔

"کیا چاہیے...؟" میڈم نے معنی خیز نگاہوں سے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔ معیز کو سخت کراہیت محسوس ہوئی۔

"کوئی بھی۔ نیا پیس۔ ان ٹچ۔"

وہ جیسے بہت پیشہ ور بن کے بولا۔ میڈم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

معیز کا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس نے دانتوں پر دانت جما کر سرد نظروں سے میڈم کو دیکھا۔

"دراصل! مجھے چاہیے۔ آفس ورک کے لیے۔ اس ہفتے یورپی ڈیلی گیشن آ رہا ہے۔ میں نے کوئی لیڈی سیکریٹری نہیں رکھی ابھی تک۔ سیفی سے آپ کا سنا تھا..." سیفی کا نام سن کر میڈم مطمئن ہو گئیں۔

انہوں نے تپائی پر رکھا البم اٹھا کر آگے بڑھایا۔

"پیس تم خود سلیکٹ کرو۔ قیمت میں بتاؤں گی۔" عون نے البم پکڑ کر معیز کے حوالے کیا۔

البم کھولتے ہی جیسے جہنم کا در وا ہوا تھا۔ وہ میڈم کے پاس کام کرنے والی لڑکیوں کی غیر مہذب تصاویر تھیں۔ معیز نے فی الفور البم بند کیا۔ عون تو باقاعدہ اس کی طرف سے تھوڑا سا پہلو بدل کے بیٹھ گیا تھا۔ در حقیقت اس کی طبیعت مکدر ہو رہی تھی۔

"یہ سب نہیں... ایکچوئلی میرے آفس کا ماحول ایسا نہیں ہے۔" معیز نے معذرت خواہانہ انداز اپنایا۔

"ہوں..." میڈم نے سوچنے میں لحہ لگایا۔

"ایسا نادر پیس بھی ہے میرے پاس مگر قیمت ڈبل ہو گی۔ سمجھتے ہو نا تم۔ ان ٹچ ہے وہ۔"

"نام کیا ہے...؟" معیز رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

"ایبھا نام ہے اس کا۔ ابھی نئی ہے' اس لیے اس کا سارا حساب کتاب میرے ہاتھ میں ہے۔"

میڈم نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ دیکھ لیتے ہیں۔" معیز نے فوراً" اوکے کر دیا۔ وہ تو شکر تھا کہ میڈم نے خود ہی ایبھا کا نام لے دیا' ورنہ — خود نام لیتے ہوئے اسے بہت پریشانی ہوتی۔ اس صورت میں میڈم بھی مشکوک ہو سکتی تھیں۔

میڈم نے انٹر کام اٹھا کر ایک نمبر دبایا۔

"ایبھا کہاں ہے؟" تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ سپار لرسے آ جائے تو فوراً" میرے پاس بھیجنا۔"

انٹر کام رکھتے ہوئے میڈم نے معذرت خواہانہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا۔

"ابھی وہ پارلر گئی ہوئی ہے۔ ورنہ تمہاری ملاقات ہو جاتی۔"

"ڈونٹ وری۔ ہمیں آپ کے کہے پر یقین ہے۔" معیز کو اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے میں قیامت کا سامنا تھا۔

اسے شدت سے یہ احساس اندر ہی اندر کچوکے لگا رہا تھا کہ ایہا مراد کی وجہ سے آج وہ وہاں آنے پر مجبور ہو گیا تھا، جہاں آنے کا کبھی وہ خواب میں بھی سوچ نہ سکتا تھا۔

اور میڈم رعنا جیسی بے حمیت، بے غیرت اور بدقماش عورت کو تو وہ کبھی منہ بھی نہ لگاتا مگر یہ ایہا مراد۔۔۔

معیز نے جبڑے بھینچے۔

"میرے خیال میں اب باقی کی ڈیٹیلز طے کر لیتے ہیں۔"

میڈم کے ہونٹوں پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ ڈرائیور کے ساتھ پارلر آئی تھی۔

میڈم کی دی مہلت آج ختم ہو گئی تھی، سو آج سے اسے میڈم کے بجائے "راستے" پہ چلنا تھا۔

وہ پورا راستہ اپنی آنے والی زندگی کے متعلق سوچتی رہی اور آنسو بہاتی رہی۔

اور ایک قیمتی متاع۔

اس نے اپنے شولڈر بیگ کو دبوچ کر سینے سے لگایا۔

اس شولڈر بیگ کی تہہ میں ٹشو پیپرز میں لپٹا موبائل فون رکھا تھا۔

اس کی نجات کا ذریعہ۔ شاید آخری۔

پارلر میں کسٹمرز کا رش بے پناہ تھا مگر میڈم رعنا کی بھیجی ہوئی لڑکی پر خصوصی توجہ دی گئی۔

کھٹ، کھٹ، کھٹ

ایک لڑکی کے ماہرانہ انداز میں چلتے ہاتھ اس کے کمر تک آتے بالوں کو نئی لک دینے لگے اور وہ بے تاثر نگاہوں سے سامنے شیشے میں دیکھتی موبائل کو استعمال کرنے کا طریقہ سوچ رہی تھی۔

"چلیں میم! اپنی کیور اور پیڈی کیور کے لیے۔" کٹنگ سے فارغ ہو کر کپڑا جھاڑتے ہوئے لڑکی نے اسے چونکایا اور ساتھ ہی ہاتھ سے اسے ایک کیبن کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔

"باتھ۔۔۔ باتھ روم کہاں ہے؟" وہ ہکلائی۔

"اس کیبن کے سامنے والے کیبن کے اندر ہے۔" لڑکی اسے بتا کر اگلی کسٹمر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی اپنا شولڈر بیگ دبوچے باتھ روم کی طرف آ گئی۔ اندر آ کر اس نے پھرتی سے شولڈر بیگ کھول کر اندر سے موبائل فون نکالا۔ فی الحال کیبن میں کوئی نہیں تھا اور وہ ثانیہ سے بات کر سکتی تھی۔

لرزتے ہاتھوں سے ثانیہ کو کال ملا کر دھڑکتے دل کے ساتھ وہ انتظار میں تھی۔

اس کا نام دیکھ کر ثانیہ نے "فوراً" ہی کال اٹینڈ کر لی۔

"م۔۔۔ میں ایہا۔۔۔!" اس کا حلق خشک تھا۔

"ہاں۔۔۔ بولو ایہا۔ خیر سے ہو تم؟" ثانیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ پارلر آئی ہوئی ہوں۔ ابھی مجھے یہاں کافی ٹائم لگے گا۔۔۔ آپ پلیز۔ میری ہیلپ کریں پلیز۔"

اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

آخری داؤ تھا، جو وہ اپنی جان پہ کھیلنے جا رہی تھی۔ اس کے بعد تو شاید ایہا مراد کو کوئی دیکھ بھی نہ پاتا۔ اور اگر دیکھ بھی لیتا تو شاید دامن بچا کے آگے نکل جاتا۔

"کون سا پارلر ہے ایہا! ریلیکس۔ میں ابھی "فوراً" آؤں گی۔ تم نام جانتی ہو پارلر کا؟" اور اپنی قسمت آزمانے کے لیے ایہا نے آتے ہوئے سائٹ ایریا اور پارلر کا نام اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ اس نے ثانیہ کو نوٹ کروا دیا۔

"تم بے فکر رہو ایہا! اور کوشش کرو کہ زیادہ سے زیادہ وقت پارلر میں ٹھہر سکو۔ میں "فوراً" آ رہی ہوں۔"

ثانیہ نے اسے سمجھایا۔

"جلدی۔۔۔ پلیز۔ یہ پارلر بھی میڈم کی جاننے والی کا ہے۔" وہ بھنچے ہوئے لہجے میں بولی۔ خوف اس کی آواز اور ہر انداز سے ظاہر تھا۔

"او کے۔۔۔ بس میں نکل رہی ہوں۔ ڈونٹ وری ایہا!" ثانیہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔

ایہا کے دل کو کچھ ہوا۔ شاید یہ آخری رابطہ تھا۔

وہ موبائل کو بیگ میں ڈال کر جلدی سے باہر آئی تو اسے دیکھ کر ایک لڑکی تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"آپ میم رعنا کی ایمپلائی ہیں ناں؟"

"ج۔۔۔ جی۔۔۔" وہ گڑبڑا کر خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"جلدی سے جا کر اپنا کام ختم کروائیں۔ میم کا فون دو بار آ چکا ہے۔"

اس نے کہا تو ایہا کا دل اچھل کر حلق میں آ اٹکا۔ میڈم کا کام بہت منظم تھا۔

ایہا جب پارلر پہنچی تب ڈرائیور نے اس کے پہنچ جانے کی اطلاع کی تھی اور اب ایہا باہر تب ہی جا سکتی تھی، جب پارلر والی فون پر ڈرائیور کو انفارم کرتی کہ ایہا باہر آنے لگی ہے۔ پھر وہ میڈم کو اطلاع دیتا اور اسے لے کر پہنچتا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مینی کیور پیڈی کیور سیکشن کی طرف بڑھ گئی۔

لرزیدہ دل جلد از جلد ثانیہ کے آنے کی دعا مانگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ نے پہلے تو معیز کو فون کرنے کا سوچا مگر پھر اسے دھیان آیا کہ وقت بہت مختصر تھا۔ جو بھی کرنا تھا اسے خود ہی کرنا تھا۔

اس نے جلدی سے الماری کھول کر اپنا عبایا نکالا۔ بہت زیادہ رش والی جگہ پر جاتے ہوئے وہ اکثر عبایا استعمال کرتی تھی۔

ابھی اس کے ذہن میں کوئی واضح پلان تو نہ تھا مگر وہ احتیاطاً وہاں اپنی پہچان چھپا کر جانا چاہتی تھی۔

جلدی سے عبایا پہن کر وہ خالہ سے گاڑی کی چابی لینے آئی۔

"ہائیں۔ کدھر چل دیں اس وقت۔۔۔ وہ بھی عبایا پہن کر؟"

"ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی خالہ! پارلر میں اپائنٹمنٹ ہے۔"

اس نے شرافت سے کہا۔

"تو عون کو بلا لیتیں۔"

"وہ کہیں بزی ہے خالہ! اور میرے پاس انتظار کرنے کا بالکل بھی وقت نہیں۔"

ثانیہ نے آگے بڑھ کے دراز کھول کے چابی نکال لی۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گئیں۔

ثانیہ جلدی سے باہر آئی ڈرائیور کو بلایا۔ گاڑی کی چابی اس کی طرف اچھالی۔

"جلدی۔۔۔ فوراً"

اسے ایڈریس بتاتے ہوئے ثانیہ نے بعجلت کہا۔ وہ کسی طور بھی اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی تھی اور نہ ایہا مراد کو۔

☆ ☆ ☆

میڈم حنا پر برس رہی تھیں۔

"میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ جب تک وہ ایک طرف لگ نہیں جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ رہو۔ پھر اسے اکیلے ڈرائیور کے ساتھ کیوں بھیجا تم نے؟"

"سوری میم! میں بزی تھی۔ اور ویسے بھی شاہانہ کا پارلر ہے تو میں نے سوچا۔۔۔" حنا منمنائی۔

"اتنا مت سوچا کرو۔" میڈم نے اونچی آواز میں اس کی بات کاٹی۔ "یہاں سوچنے کا کام صرف میرا ہے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اور اسے فارغ کروا کر یہاں لاؤ۔ ڈیل ہو چکی ہے اس کی شام کو پارٹی آرہی ہے اسے لینے۔"

"جی۔۔۔" حنا نے کان لپیٹ کر وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ دوسرا ڈرائیور مالی سے گپیں لڑا رہا تھا۔ وہ جلدی سے آکر گاڑی میں بیٹھی۔

"شاہانہ کے پارلر جانا ہے۔" تحکمانہ انداز میں اس نے کہا۔

"جی میم۔۔۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی پارلر کی طرف رواں ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

ڈرائیور کو پارلر کے نزدیک ہی گاڑی پارک کرنے کا کہہ کر وہ نیچے اتری۔

"میں بس ابھی آرہی ہوں۔" اس نے ڈرائیور کو الرٹ رکھنے کی خاطر کہا۔ "گاڑی میں ہی رہنا۔ پان سگریٹ کے لیے مت نکل جانا۔ مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔" ثانیہ کو دھیان آیا۔

"جی میڈم۔۔۔" وہ مؤدب ہوا۔

ثانیہ ادھر ادھر دیکھتی جلدی سے پارلر میں گھس گئی۔ اب اسے اتنے رش اور اتنے وسیع پارلر میں ایہا کو ڈھونڈنا تھا۔

مختلف کیبنوں میں جھانکتی، پیڈی کیور کراتی ایہا اسے دکھائی دے ہی گئی تو وہ اطمینان کا سانس لیتی اس کی طرف بڑھی۔

☆ ☆ ☆

ایہا کے دل کی حالت اس وقت خدا ہی جانتا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ آج اگر وہ یہاں سے میڈم کے اڈے پر دوبارہ چلی گئی تو زندگی بھر وہاں سے نکل نہ پائے گی۔

"کیا ثانیہ آجائے گی۔۔۔ ابھی تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔۔۔ اور اگر نہ آئی تو۔۔۔"

اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔

اسی وقت کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ بڑھایا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"واہ۔۔۔ بڑی موجیں ہو رہی ہیں۔" وہ چہکی اور اسے سامنے دیکھ کر ایہا کا دل رکتے رکتے بچا۔ وہ خبیث مسکراہٹ لیے چہکتی حنا تھی۔

"تو کیا۔۔۔ میری باقی کی زندگی میڈم کے جہنم میں گزرنے والی ہے؟؟"

ایہا کے وجود پر دھڑ دھڑ کرتی ٹرین سی گزرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ جوش سے آگے بڑھی۔ ارادہ ایہا کو متوجہ کرنے کا تھا مگر اسی وقت ایک شوخ سی لڑکی نے ایہا کے شانے پر ہاتھ رکھ کے اسے متوجہ کر لیا تو وہ ٹھٹک گئی۔

ایہا کے چہرے کا خوف اس سے چھپا نہ رہ سکا۔ ثانیہ کا دل ڈوب سا گیا۔

مطلب میڈم کا کارندہ ایہا کو لینے اس سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ وہ مایوس ہو کر ایک طرف پہ بیٹھ گئی۔

"جی۔ آپ نے کیا کروانا ہے؟" ایک لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ میں ان کے ساتھ ہوں۔" ثانیہ نے گڑبڑا کر دور بیٹھی مینی کیور، پیڈی کیور کراتی ایک عورت کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ ویٹنگ روم میں چل کے بیٹھیں۔ یہاں صرف کسٹمرز الاوڈ ہیں۔"

وہ خاموشی سے ایہا کو دیکھتے ہوئے اٹھ گئی۔

اس لڑکی کو سامنے دیکھ کر ایہا کے چہرے سے جھلکتا خوف بہت واضح تھا۔

ثانیہ کا دل پریشانی کا شکار ہونے لگا۔

اسے ویٹنگ روم میں آکر بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایہا بھی اس لڑکی کے ساتھ آگئی۔ اس کا کام یقیناً ختم ہو چکا تھا۔

"حنا۔۔۔ میں ذرا۔۔۔ واش روم جانا ہے مجھے۔۔۔" ثانیہ نے قریب آنے پر ایہا کی آواز سنی۔

اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکا۔

"ایہا یقیناً واش روم جا کر مجھ ہی سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔"

"ہوں۔۔۔ جلدی آنا۔ میم کا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہے۔"

حنا نے ناگواری سے کہا اور پھر پارلر والی لڑکی سے گفت و شنید میں مصروف ہو گئی۔

ثانیہ موقع پا کر تیزی سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی اور ایہا کے پیچھے ہی وہ بھی اندر داخل ہو گئی۔

اس نے چہرے کو قدرے ڈھانپنے والے اسکارف کو سرکا کر ایہا کو آواز دی۔

"ایہا۔۔۔!" وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔ بے یقینی سے ثانیہ کو دیکھا پھر روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

"مجھے بچا لو پلیز۔۔۔ وہ۔۔۔ حنا آگئی ہے مجھے لینے پلیز۔"

ثانیہ نے لمحہ بھر کچھ سوچا پھر تیزی سے اپنا عبایا اتارنے لگی۔

"جلدی سے یہ پہنو اور اچھی طرح اسکارف اوڑھ لو۔ جیسے میں نے اوڑھا ہوا تھا۔"

ثانیہ نے بعجلت کہا تو وہ فوراً اس کی بات سمجھ کر اس کے کہے پر عمل کرنے لگی۔

ثانیہ نے اس کا شولڈر بیگ ٹٹولنا شروع کیا۔

"اس میں کچھ قیمتی چیز تو نہیں؟؟"

"صرف موبائل ہے۔" ایہا نے کہا۔

ثانیہ نے موبائل نکال کر اپنے بیگ میں رکھا اور ایہا کا بیگ سائیڈ پر ڈال دیا۔

اس نے ایہا کا اسکارف بالکل اپنی طرح سیٹ کیا اور اپنا شولڈر بیگ بھی اسے تھما دیا۔

"ثانیہ ابیہا۔ ٹرنس یور ٹرن۔(ابیہا! اب تمہاری باری ہے)" ثانیہ نے اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے کہا۔
"بی کانفیڈنٹ! آرام سے سیدھے چلتے ہوئے دروازے سے باہر نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی بھی نہیں روکے گا۔ ڈرنا مت۔ یہ تمہارا شاید آخری چانس ہے۔ حوصلے اور ہمت سے کام لینا۔"
ابیہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وہ دونوں اکٹھی باہر آئیں۔
"میں تم سے باتیں کرتی رہوں گی۔ تم جلد بازی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔ خصوصاً "حنا" کے قریب سے گزرتے ہوئے۔ مت بھولو کہ اس وقت تم اپنے نہیں 'میرے والے حلیے میں ہو۔"
ثانیہ ہلکی آواز میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔
انہوں نے دفعتاً "حنا" کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ثانیہ ٹھٹکی۔ ابیہا نے بے اختیار ثانیہ کا بازو تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ لیا تم نے اپنی سنگ دلی کا انجام۔ کس قدر بے ہودہ بلکہ انسانیت سے عاری ماحول میں رہ رہی ہے وہ بے چاری۔ صرف تمہاری بے کار کی ضد اور بے جا انا کے ہاتھوں۔"
عون سارے راستے اس سے الجھتا آیا تھا۔
میڈم رعنا کے اڈے کا ماحول رہ رہ کر اس کے خون میں چنگاریاں دوڑا رہا تھا۔
"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ لڑکی ایک مصیبت کی طرح میرے سر پر لادی گئی تھی۔"
معیز خود بھی عجیب پژمردہ سے احساسات کا شکار تھا۔
وہ مرد تھا۔ میڈم کے ماحول نے اس ایک گھنٹے میں اس کے ذہن پر اتنا برا اثر ڈالا تھا تو وہ نازک سی لڑکی.....
اسے میڈم کا کھلا ڈلا لہجہ یاد آیا۔
ایسے ہی وہ ابیہا سے بھی باتیں کرتی ہوگی۔
"وہ ایک نیکی تھی **معیز احمد!** جو تم جیسے ناشکرے سے کروائی گئی۔ مگر تم نے اس کے ثواب کو سمجھے بغیر اسے کسی بوجھ کی طرح سر پہ لاد لیا۔" عون نے برہمی سے کہا۔
"میں کبھی بھی اس رشتے کو نبھانا نہیں چاہتا تھا عون! تم کبھی ماما کے جذبات سنو اس کی ماں کے بارے میں تو تمہیں پتا چلے۔"
معیز بے زار ہوا۔
"رشتے نبھانے نہ آتے ہوں تو رشتے بنانے ہی نہیں چاہئیں **معیز**.....!" عون نے ناراضی سے اسے دیکھا۔
"ابھی بھی اس کا سودا ہو رہا ہے۔ پہلے ہی ہو جانے دیتے۔"
"اچھا 'شٹ اپ! اب کوشش کر تو رہا ہوں اپنی غلطی کو سدھارنے کی۔"
معیز کو دفعتاً "بہت ہوا" کا خیال آیا تو عون کو فوراً "ہی جھاڑ دیا۔
عون نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ابیہا کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔
"میں ذرا اس الوکی پٹھی کو دیکھوں۔ اتنا ٹائم ویسٹ کر رہی ہے۔"
حنا اس لڑکی سے کہتی ان کے قریب سے گزر گئی۔ تب ثانیہ نے ابیہا کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔
باہر آ کر اس نے جلدی سے اپنی گاڑی اور ڈرائیور پر نگاہ کی تو دل میں سکون سا اتر آیا۔
وہ ابیہا کو لیے گاڑی میں آ بیٹھی۔
"جلدی کرو۔ فوراً" گاڑی نکالو یہاں سے۔" وہ ڈرائیور کو حیرت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر ڈپٹ کر بولی تو وہ جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔
وہ یقیناً" اس کے حلیے پر الجھا تھا۔ گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔
"اب گھر جا کے سب سے پہلے شکرانے کے نوافل پڑھنا۔" ابیہا کا ہاتھ دباتے ہوئی ثانیہ نے دھیمی مگر جوشیلی آواز میں کہا تو آزادی کا طاقت ور احساس پا کر ابیہا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اللہ کی شکر گزار تھی۔

☼ ☼ ☼

میڈم رعنا کے اڈّے پر گویا بھونچال آیا ہوا تھا۔
میڈم نے خود حنا کو تھپڑوں گالوں پر رکھ لیا۔ بال نوچ پہلے اس کے اور پھر اپنے۔
"وہ کہاں غائب ہو گئی اور کیسے؟ چڑیا تھی کہ روشندان میں سے اڑ گئی۔ تم نے اسے جانے کیسے دیا وہاں سے۔"
میڈم کف اڑا رہی تھیں۔
ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے ایک ہفتے کے لاکھوں طے کیے تھے ابیہا کے۔
بنا چھوئے..... بنا ہاتھ لگائے 'وہ ایک ہفتے میں واپس آ جاتی اور لاکھوں بھی مل جاتے۔
ایسے بے وقوف شکار روز روز تھوڑی ملا کرتے تھے۔
اور حنا تو خود بے یقینی سے شل دماغ لیے پٹ رہی تھی۔ واش روم میں ابیہا کا بیگ موجود تھا۔
وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی۔ پھر دروازہ دھکیل کر دیکھا تو وہ کھلا ہوا تھا۔
اس نے جلدی سے دوسرا واش روم چیک کیا۔ وہ بھی خالی تھا۔
اور اب..... ساری مصیبت اس کے سر۔
وہ خطاکار ٹھہرائی جا رہی تھی۔ وہ پٹتی جا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ آخر وہ گئی کہاں؟

☼ ☼ ☼

گھر آ کے وہ تحفظ کے احساس میں گھری ثانیہ سے لپٹ کے خوب روئی۔
بے تحاشا..... اونچی آواز میں پھوٹ پھوٹ کر۔
ثانیہ اس کے جذبات سمجھتی اسے تھپکتی رہی۔
وہ جہنم سے نکل کے آئی تھی۔ پھر ثانیہ اس کے لیے ٹھنڈا پانی لے کر آئی۔ اسے آرام سے اپنے بستر پر بٹھایا اور گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پانی حلق سے اتارنے لگی۔
ثانیہ نے بغور اسے دیکھا۔
پہلی ملاقات میں وہ ایک سادہ غربت زدہ اچھی شکل و صورت کی لڑکی لگی تھی۔ مگر میڈم رعنا نے تو اس کے حالات ہی بدل ڈالے تھے۔ بنا میک اپ کے چمکتی جلد اور جدید انداز میں تراشے بال اتنے خوب صورت اور صحت مند کہ ایک ساتھ ترتیب سے اس کے شانوں پہ گرے ہوئے تھے۔
گھور سیاہ آنکھوں اور سیاہ بالوں والی وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ جس کے ہونٹ بنا سرخی کے ہی لال تھے۔
ثانیہ کو اس کی خوب صورتی دیکھ کر اس کی قسمت پر ترس آیا۔

روروکر اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

"اللہ جب کسی کو بچانا چاہتا ہے تو ہزار راستے خود بخود بن جاتے ہیں ابیہا۔۔۔ اور تم صرف یہ یاد رکھو کہ اللہ تمہیں بچانا چاہتا تھا۔" ثانیہ نے نرمی سے کہا۔

"میں آپ کا احسان کبھی چکا نہیں پاؤں گی۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"یہ اس اللہ کا احسان ہے تم پر، ورنہ کئی لڑکیاں اسی دلدل میں دھنسی ہوئی ہیں۔"

ثانیہ نے اسے ٹوک دیا۔ وہ عون کا نمبر ملا رہی تھی۔ ایک بار بزی ملا اور اس کے بعد ثانیہ کے موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہوگئی۔ معیز یا عون سے رابطہ نہ ہو پایا تھا۔

"تم فریش ہو جاؤ۔ یہ میری وارڈ روب ہے، جو بھی دل چاہے کپڑے نکالو اور چینج کرلو۔" وارڈ روب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ثانیہ نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا اور موبائل چارجنگ پہ لگانے لگی۔

"میں ذرا خالہ جان کے پاس چکر لگا کے آتی ہوں۔" ثانیہ اسے کچھ دیر تنہا رہنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد ابیہا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اپنی آزادی کا احساس کرنا چاہا تو آنکھیں پھر بھر آئیں۔ اس نے اٹھ کر ثانیہ کی وارڈ روب کھولی اور ایک سادہ سا لان کا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ پہلے وہ اپنے جسم پر سے میڈم کی غلامی کی علامت اس ٹراؤزر شرٹ کو اتار پھینکنا چاہتی تھی۔

اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر وہ کتنی ہی دیر آنسو بہاتی اور اس کا شکر ادا کرتی رہی۔

ثانیہ کمرے میں لوٹی تو وہ دوپٹا نماز کے اسٹائل میں لپیٹے تکیے سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔ ثانیہ کو دیکھ کر چونک گئی۔

"اوں ہوں۔۔۔" ثانیہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر منع کیا۔ "تم آرام کرو بلکہ کچھ دیر نیند لے لو۔ جانے کب سے ٹھیک طرح سے نہیں سوئی ہو گی۔ میں اپنا موبائل چیک کرنے آئی تھی۔" ابیہا کو جوس سے لبریز گلاس تھمانے کے بعد وہ موبائل کی چارجنگ چیک کرنے لگی۔

ثانیہ کے جانے کے بعد وہ لیٹی تو ذہن اس قدر ٹینشن فری تھا کہ اسے بنا کچھ بھی سوچے سونے میں محض چند منٹ لگے۔

☆ ☆ ☆
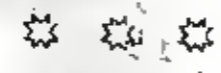
"آئم سوری۔۔۔ یہ ڈیل نہیں ہو سکے گی مسٹر معیز!" میڈم کا انداز فون پر معذرت خواہانہ تھا۔

معیز کو جھٹکا لگا۔

"مگر کیوں؟ آپ کی مرضی کے مطابق ڈیل ڈن ہوئی ہے اور ایڈوانس بھی پے کر دیا تھا میں نے۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"وہ سب میں مانتی ہوں لیکن وہ لڑکی اب میں تمہیں نہیں دے سکتی یوں سمجھو کہ وہ اب میری رینج سے باہر ہو چکی ہے تم آ کے اپنی ایڈوانس پے منٹ واپس لے سکتے ہو بلکہ چاہو تو اس کی جگہ کوئی دوسرا پیس۔۔۔" میڈم کے انداز میں شگفتگی تھی۔ معیز کا دل خوف زدہ سا ہو گیا۔

"اس لڑکی کا کیا ہوا۔۔۔ کہیں اور ڈیل ہو گئی ہے کیا؟"

"نہیں۔ یہ ہمارے بزنس کا اصول نہیں ہے۔ تم سے ڈیل ہوئی تھی تو وہ صرف تمہی کو ملتی مگر وہ کم بخت بھاگ نکلی۔ کم بخت کو عزت سے جینے کا بہت شوق تھا مگر یہ نہیں جانتی کہ یہاں سے بھاگ کے کن کن ہاتھوں میں مسلی جائے گی۔"

میڈم کے انداز میں ابیہا کے لیے نفرت تھی۔

معیز کے دل میں یک گونہ سکون بھرتا چلا گیا۔

وہ اس دنیا میں کہیں بھی تھی۔۔۔ مگر میڈم کے اڈے پر نہیں تھی۔ اس سے بڑھ کے اطمینان بخش بات اور کوئی نہ تھی۔

"او کے مگر اب میں آپ سے مزید کوئی ڈیل نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ اب بھروسے والی بات نہیں رہی۔"

معیز نے بات ختم کر دی، میڈم نے کسی اور لڑکی کے لیے اسے کنوینس کرنے کی کوشش کی مگر معیز نے فون بند کر دیا۔ اس کے دل میں موہوم سی خوشی تھی۔ ابیہا چاہے کیسے بھی حالات میں تھی مگر اپنی عزت کی حفاظت کیے ہوئے تھی۔

اسی وقت اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور آندھی و طوفان کی طرح عون اندر داخل ہوا۔

"میڈم نے ڈیل کینسل کر دی ہے کیونکہ ابیہا وہاں سے فرار ہو گئی ہے۔"

معیز نے اپنے تئیں دھماکا کیا مگر ادھر عون نے کوئی خاص رسپانس نہیں دیا۔ کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے طنزیہ بولا۔

"چلو۔ تمہاری جان چھوٹی۔ اسے وہاں سے نکال کے بھی تم کون سا اپنی ذمہ داری نبھانے والے تھے۔"

معیز کو جھٹکا سا لگا۔

"میں اسے وہاں سے نکالنا چاہتا تھا اپنی پوری نیک نیتی کے ساتھ۔"

معیز نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے اسے باور کرایا۔

"ہاں۔ اسے پوری نیک نیتی سے وہاں سے آزاد کرواتے، پھر طلاق دے کر اسے در در کی ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دیتے۔ اچھا ہے نا اس نے خود ہی یہ راہ چن لی۔" عون کا انداز ابھی بھی وہی تھا۔

"بکواس مت کرو عون! میں کیا کہہ رہا ہوں اور تم کیا فضول بولے جا رہے ہو۔" معیز جھلایا۔

میز کی سطح پہ دونوں بازو رکھ کے جھکتے ہوئے عون نے تلخی سے کہا۔

"یہ ایک حقیقت ہے اور تم اسے جھٹلا نہیں سکتے۔ ایک لڑکی۔۔۔ جس کی ماں مر چکی ہے اور باپ نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ تمہارے نکاح میں ہے اور تم اسے چھوڑنا چاہتے ہو۔ پھر یہ بھی بتا دینا کہ وہ اپنی ماں کے پاس لوٹے یا باپ کے پاس۔"

معیز سُن رہ گیا۔

"تم طلاق دے کے اسے کسی دارالامان میں داخل کروا دو گے؟ آدھے سے زیادہ دارالامان بھی میڈم والا دھندا چلا رہے ہیں اور اگر اپنے باپ کے پاس جائے گی تو وہ بھی میڈم رعنا ہی ثابت ہو گا اس کے لیے۔" عون واقعی سچ کہہ رہا تھا۔

"مگر اس سارے میں میرا کیا قصور ہے۔ میں تو اسے ان حالوں میں نہیں لایا؟"

معیز کو بھی غصہ آیا۔ صورت حال ہی کچھ ایسی تھی۔

"مگر اللہ نے اس کا نصیب تمہارے ساتھ جوڑ کر تمہیں اس قابل تو کر دیا ہے کہ اسے ان حالوں سے بچا سکو۔" عون نے برجستہ کہا۔

"اس ساری بکواس کو چھوڑو اور یہ سوچو کہ وہ میڈم کے ہاں سے فرار ہو چکی ہے۔" معیز کو ایک اور ٹینشن ہو گئی تھی۔

"جانتا ہوں میں۔" عون نے کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے آرام سے کہا۔

معیز نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں؟"

"تم کس بات کے لیے پریشان ہو پہلے وہ واضح کردو۔ اپنی منکوحہ کے لیے یا مل جانے پر اسے طلاق دینے کے لیے؟" عون نے خفیف سا طنز کیا تو وہ جھنجلا اٹھا۔

"جو بات طے ہے اس پر کیوں بحث کیے جا رہے ہو تم۔"

"مگر اس میں اس لڑکی کا کیا قصور ہے معیز! ایک بے بس و بے سہارا کو سہارا دینے کی ایک نیکی کر ہی لی ہے تو اسے احسن طریقے سے نبھا بھی لو۔"

"تم میرے گھر کے حالات نہیں جانتے۔ ماما کا ری ایکشن تمہیں بتا چکا ہوں پھر بھی تم نہیں سمجھ رہے۔"

معیز نے بمشکل تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"تم نے لو میرج کرنے والے لڑکے لڑکیوں کو دیکھا ہے معیز...؟ ماں باپ زہر کھالیں یا ٹرین کے نیچے آجائیں... وہ اپنی پسند کی شادی کرکے ہی چھوڑتے ہیں۔"

"وہ لڑکی اب نہیں ہے عون!" معیز نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں... کیونکہ وہ ثانیہ کے پاس ہے... وہی اسے پارلر سے فرار کرا کے لائی ہے۔"

عون کا انداز اس قدر غیر متوقع تھا کہ لحہ بھر تو معیز نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

عون نے اثبات میں سر ہلایا تو گہری سانس لے کر خود کو کرسی پر ڈھیلا چھوڑتے وہ ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔

"کیا کمال کی بیوی پائی ہے تو نے یار!" معیز کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔

"ہاں۔ جو ٹھان لیتی ہے کسی بھی طور کر گزرتی ہے۔" عون کا انداز تفاخر سے بھرپور تھا۔

"اور جو تمہارے بارے میں وہ ٹھان چکی ہے اس کا کیا؟" معیز نے اسے یاد دلایا۔

"محبت سب کچھ بدل دیتی ہے میری جان! میں نے بھی بڑے چکر میں پھانس لیا ہے اسے۔ دوست بن گیا ہوں اس کا اور تمہیں تو پتا ہے دوستوں سے محبت ہو ہی جایا کرتی ہے۔"

معنی خیزی سے کہتے ہوئے آخر میں عون نے قہقہہ لگایا تو معیز کو بھی ہنسی آگئی۔

"خبیث..."

"سیم ٹو یو..." وہ بڑی نیاز مندی سے بولا۔

چند لمحوں کی خاموشی... بدلی ہوئی بات بھی ختم ہو چکی تھی۔

عون نے ہی پہل کی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔ ملو گے جاکے اس سے؟"

اور یہ موضوع معیز کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ جتنا پہلو بچاتا' یہ پھر سامنے آجاتا تھا۔

"ظاہر ہے۔ بہت سے معاملات طے کرنے ہیں اس کے ساتھ' پھر اسے گھر لے کے جانا ہے۔ اس کا حصہ اس کے حوالے کرنا ہے۔ پھر وہ جو چاہے کرے۔" معیز نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر وہ تمہیں نہ چھوڑنا چاہے تو...؟" عون نے اسے امتحان میں ڈالا۔

"وہ چھوڑ دے گی۔ کیونکہ میں اسے چھوڑنا چاہتا ہوں۔" معیز نے قطعیت سے کہا۔

عون نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے معیز!"

"مگر میں اتنی اچھی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتا۔" معیز نے بات ختم کردی۔ عون تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔

معیز ٹیبل پر سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

"اس کے وہاں رہنے میں کوئی پرابلم ہے تو میں ابھی اسے گھر لے جاتا ہوں۔"

"نہیں۔ پرابلم تو کوئی نہیں۔ ثانی اسے دو دن وہیں رکھنا چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی وہ بہت خوف زدہ اور ذہنی ٹینشن کا شکار ہے۔ انیکسی میں اکیلی شاید نہ رہ پائے۔" عون نے بتایا تو اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔ پھر وہ موبائل اٹھاتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

"و کے۔ ٹھیک ہے۔ جیسا وہ مناسب سمجھے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عون نے بھی اس کی تقلید کی۔

"میں دو دن کے بعد ہی چکر لگاؤں گا۔"

"ملو گے نہیں جاکر ابھی؟" عون نے اسے گھورا۔

"شٹ اپ۔" معیز نے ناگواری سے کہا۔

"وہ ٹھیک ہے اور محفوظ بھی۔ پھر مجھے ایسی بے قراری دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"خدا کرے میری طرح تو بھی پچھتائے۔ پھر وہ بھی تجھے منہ نہ لگائے ثانی کی طرح۔"

آہ بھر کے کہتے ہوئے وہ معیز کے پیچھے آفس سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

معیز نے کہا تھا۔

"اسے وہیں ابو کی ڈیتھ کا بتا دینا۔ میں خوامخواہ کی جذباتیت افورڈ نہیں کرسکتا۔" اور عون کے کہنے پر ثانیہ نے اسے بتا کر گویا کسی قیامت میں دھکیل دیا تھا۔

وہ بے طرح روئی' کرلائی تھی۔

"اب میرا کیا ہوگا ثانیہ...؟" وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پوچھتی تو ثانیہ اسے تسلی دیتی۔

رات اسے نیند کی مسکن دوا دے کر سلایا ورنہ تو شاید وہ ساری رات روتے ہوئے گزار دیتی۔

"ایک تم اور دوسرا تمہارا دوست... دونوں بالکل ایک جیسے ہو۔" ثانیہ نے فون پر عون کو سنائیں۔

"مگر میں تو اب ٹھیک ہو گیا ہوں۔" وہ منمنایا۔

"معیز بھائی کو سمجھاؤ۔ بڑی مظلوم اور معصوم لڑکی ہے۔ اسے چاہے کیسے بھی حالات ملے ہوں مگر بہت باحیا اور باعزت ہے وہ۔"

ثانیہ کو بہت دکھ تھا۔ ایبہا کی ساری داستان ہی رلا دینے والی تھی۔

اور ایسے میں اب اگر معیز بھی اس کا ساتھ نہ دیتا تو اس بے چاری کا جانے کیا بنتا۔

"میں نے تو اسے کنوینس کرنے کی پوری کوشش کی ہے مگر فی الحال تو وہ اپنے ہی نفع و نقصان میں گھرا ہے۔ امید ہے آگے چل کے حالات بہتر ہو جائیں۔" عون نے ایمان داری سے کہا۔

☼ ☼ ☼

اسے رباب سے کیا وعدہ یاد تھا مگر اب بیچ میں ایبہا والے معاملے نے ایک نئی کروٹ لے کر گویا اسے ڈسٹرب سا کردیا تھا۔

پھر بھی اتوار کو وہ بہت فریش سا موڈ بنا کر رباب کے لیے گلاب کے خوب صورت سرخ پھولوں کا گلدستہ لے کر مقررہ جگہ پہنچا تو اسے دیکھ کر مزید فریش ہو گیا۔

سرخ اور سبز ٹراؤزر اور شرٹ میں وہ کمال لگ رہی تھی۔

ہائے ہیلو کے بعد وہ خاموشی سے بیٹھ رہی۔

"کیا ہوا۔ پھول پسند نہیں آئے؟" معیز ٹھٹکا۔

"میں تم سے خفا تھی ڈیئر! تم نے کہا تھا ایچھے سے مناؤ گے کسی بہت خاص انداز میں۔" وہ دلکشی سے مسکرائی۔

اس کے انداز میں ادا تھی' بے تکلفی تھی۔ معیز بھی مسکرا دیا۔

"میرا خاص انداز یہی ہے۔" اس نے پھولوں کے بکے کی طرف اشارہ کیا تو رباب نے اسے گھورنے کے بعد ناگواری سے ناک چڑھائی۔

"اس میں خاص کیا ہے۔ ہزاروں لوگ روزانہ ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔"

"مگر وہ ہزاروں لوگ رباب احسن کو تو نہیں دیتے نا۔"

معیز نے جتایا تو وہ اس کی بات پر غور کرتی مسکرا دی۔

"چلو۔ لانگ ڈرائیو پہ چلیں پھر سمندر کے کنارے خوب ٹہلیں گے۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رباب کا انداز بہت رومانس لیے ہوئے تھا۔

معیز کو وہ بہت اچھی لگی۔ منفرد سی۔

"پہلے آئس کریم کھائیں۔ پھر چلتے ہیں۔ جہاں کہو گی وہیں۔" معیز نے بشاشت سے کہتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔ رباب تفاخر سے معیز احمد کو "ڈھیر" ہوتا دیکھ رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

ایبہا کی طبیعت بمشکل سنبھلی۔ مگر اس کے اپنے بہت سے خدشات تھے۔

"نیاز انکل مجھے اپنی ذمہ داری پر یہاں لائے تھے۔" وہ ابھی بھی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہہ اٹھتی۔

"پریشان مت ہو ایبہا! معیز بھائی ہیں نا۔ تمہارا نکاح ہوا ہے ان کے ساتھ۔"

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر ثانیہ نے اسے تسلی دی تو وہ پھپک کر رو دی۔

"انہوں نے تو آج تک طلاق کے علاوہ دوسری کوئی بات ہی نہیں کی کبھی۔"

ثانیہ کو تاسف نے گھیرا۔ اس قدر پڑھا لکھا اور مہذب بندہ۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا ایبہا! پہلے حالات اور تھے اب تو بہت کچھ بدل چکا ہے۔" ثانیہ نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"اور تمہیں پتا ہے کل وہ تمہیں اپنے گھر لے جائیں گے پھر تم وہیں رہو گی۔"

ثانیہ کی بات گویا کوئی دھماکا تھی۔

ایبہا نے رونا بھول کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ثانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"انکل نے تمہارے نام وصیت میں کافی حصہ رکھا ہے۔ وہ بھی تمہیں ملے گا اور مہینے کا خرچ الگ سے ہو گا۔" ثانیہ نے تفصیل بتائی تو وہ پھر سے رونے لگی۔

جانے والا اس کے جینے کے جتن کر کے گیا تھا۔ اب اسے کیا ملتا' یہ نصیب کی بات تھی۔

عون آیا۔ ثانیہ اس کے ساتھ لان میں چلی آئی۔ شام کے وقت موسم خاصا اچھا ہو رہا تھا۔

ایک چکر دونوں نے ہم قدم خاموشی سے لگایا۔ ٹہلنے پر ثانیہ کا موڈ خوش گوار تھا۔

"ایسے ہی کالج میں ہم دوستیں گراؤنڈ کے چکر لگایا کرتی تھیں۔"

"تو سمجھو وہی دور واپس آگیا ہے۔ دوستی اور دوستوں والا۔" عون کا لہجہ واقعی دوستانہ تھا۔ ثانیہ چپ ہو گئی۔

بولی تو انداز کسی بھی لچک سے پاک تھا۔

"ہم صرف کچھ عرصہ ہی دوست رہیں گے عون! اس دوران اگر تم میری سمجھ میں نہیں آئے تو میں اپنی مرضی کا فیصلہ کر لوں گی۔"

کافی دیر کے بعد عون نے ہنکارا بھرا۔

"ہوں۔ اوکے۔ میں تو پہلے ہی یہ آفر تمہیں کر چکا ہوں۔"

"اور۔ ایبہا کا کیا بنے گا اب؟"

"معیز اسے کل گھر لے جائے گا۔" عون نے بتایا تو وہ خوش ہوئی۔

"دیٹس گریٹ۔"

"اتنا بھی گریٹ نہیں۔ وہ کسی صورت اس رشتے کو نبھانے کے حق میں نہیں۔ گھر لے جانے کا مقصد صرف وصیت کے مطابق ایبہا کا حق اسے دینا ہے اور بس۔ اس گھر میں بھی تھوڑا سا حصہ چھوڑا ہے انکل نے۔" عون نے مفصل بتایا۔

"ایک تو مجھے ان مردوں کی سائیکی سمجھ میں نہیں آتی۔ بہتر سے بہتر چیز بنا مانگے مل جائے پھر بھی ان کی سیری نہیں ہوتی۔" وہ خفگی سے بولی۔ عون نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔

"اور لڑکیوں کی ضد کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے۔"

اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ ثانیہ نے اس کی بات سے صرف نظر کیا۔ اس کی خاموشی پر عون نے بات بدل ڈالی۔

"ایبہا کیسی ہے اب۔؟"

"پہلے سے بہت بہتر۔"

"معیز کے متعلق اس کی کیا سوچ ہے۔ اس بات کا پتا نہیں کیا تم نے؟" عون کو خیال آیا۔

"ہونہہ۔۔۔ اس کی کیا سوچ ہوگی۔ وہ تو خود معیز بھائی کے رحم و کرم پر ہے۔۔۔ مائنڈ مت کرنا، مگر مرد کے پاس یہ جو طلاق کا ہتھیار ہوتا ہے نا، وہ ہر وقت اسے استعمال کرنے کو تیار رہتا ہے۔"

ثانیہ کا انداز تلخ تھا۔ پھر چلتے چلتے وہ رخ موڑ کر عون کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ وہ بھی رک گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا عون! ایک نکاح نامے پر جب تک لڑکا اور لڑکی دونوں کے سائن نہ ہوں تب تک نکاح نہیں ہو سکتا، مگر طلاق دیتے وقت صرف مرد ہی کا فیصلہ کیوں۔۔۔؟"

وہ جذباتی ہو رہی تھی۔

"خیر! کبھی کبھار یہ حق عورتیں بھی استعمال کر لیتی ہیں۔" عون نے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دیتے ہوئے خلع کی طرف اشارہ کیا۔

"ان کے پاس یہ لاسٹ آپشن ہوتا ہے، جبکہ ہر مرد کے پاس فرسٹ آپشن۔" عون نے بغور اسے دیکھا۔

وہ ضدی تھی اور اپنی بات پر اڑ جانے کی فطرت رکھتی تھی۔ عون نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی۔

"یہ بحث ایک نشست میں ختم نہیں ہو سکتی۔ تم یوں کرو کہ مجھے اگلی تاریخ دے دو۔"

وہ سر جھٹک کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"بہرحال تم ایبہا کو سمجھا دینا۔ آگے کی زندگی اس کے لیے پھولوں کی سیج نہیں ہوگی۔" عون نے کہا۔

"ہاں۔ پہلے تو جیسے پھولوں کی سیج تھی نا۔" وہ طنزاً بولی۔

"بس بھی کرو یار! نہ جانے نہ پائی۔ کب سے تلخ گفتگو پہ ٹرخا رہی ہو۔ ایسے ہوتے ہیں دوست۔۔۔؟" عون نے

اسے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔

"آؤ۔ تمہیں چائے پلواتی ہوں۔"

"شکریہ۔" وہ ممنون ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ نے اسے معیز کے گھر والوں کے متوقع رد عمل کے متعلق صاف صاف بتا دیا تھا۔

"آپ کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ معیز کا اپنا رویہ بھی ان کے گھر والوں ہی کی عکاسی کرتا ہے۔"

ایبہا کا انداز بہت ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے اندر بہت ٹھہراؤ پیدا کر لیا تھا۔ ذلت کی زندگی کے بعد ملنے والی زندگی کو وہ صبر و شکر کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔

معیز کی ماں جتنی بھی تلخ ہوتی، میم جیسی گندی زبان تو استعمال نہ کرتیں۔

اس گھر کی چار دیواری میں تحقیر تو ملتی، مگر زمانے بھر کے اوباش مردوں کی غلیظ نظریں تو اس کی چادر کے تقدس کو پامال نہ کرتیں۔

اس کے جواب نے ثانیہ کو خاموش کروا دیا، مگر معیز کے سامنے وہ ضرور بولی، جب وہ ایبہا کو لینے آیا۔

"اچھی بیوی خدا کا تحفہ ہوتی ہے معیز بھائی! ایبہا کی قدر کیجیے گا۔ اس گھر میں اسے کوئی بھی حیثیت آپ کا رویہ دلائے گا۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ اپنا ذہن کلیئر کر کے اسے لے کر جائیں۔"

"میں کوئی وعدہ نہیں کروں گا ثانیہ! ہاں، مگر وہ حالات کے مطابق اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہے۔"

معیز نے صاف لفظوں میں بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ ایبہا باہر آئی تو وہ اسی عبایا میں ملبوس تھی۔

"اسے باہر نکلتے ہوئے بہت احتیاط کی ضرورت ہوگی اس لیے اسے عبایا پہننا پڑے گا۔" ثانیہ نے کہا تو معیز نے ایک اچٹتی نگاہ نقاب سیٹ کرتی ایبہا پر ڈالی۔

اس کے دل میں عجیب بے زار کن سے احساسات پیدا ہونے لگے۔

وہ ایک ان چاہی شے کی طرح اس پر مسلط کی گئی تھی اور ان چاہے رشتے فقط بوجھ ہوتے ہیں۔ بوجھ۔۔۔ جو نبھائے نہیں ڈھوئے جاتے ہیں۔۔۔ وہ گہری سانس بھرتا ثانیہ کو خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا۔

ایبہا کو ثانیہ نے لپٹا لیا۔

اسے اس معصوم لڑکی سے بہت ہمدردی تھی۔

"میں تم سے ملنے آتی رہوں گی اور موبائل میں نے تمہارے اس بیگ میں ڈال دیا ہے۔ تم جب جی چاہے مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ بڑی بہن سمجھ کر۔" ایبہا کی آنکھیں بھر آئیں۔

اثبات میں سر ہلا کر وہ بیگ اٹھائے باہر کی طرف بڑھی تو ثانیہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

معیز ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ثانیہ نے اس کا بیگ پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

اس کے بیگ میں اپنے دو چار جوڑوں کے ساتھ ثانیہ نے مقدور بھر اس کی ضرورت کی چیزیں بھر دی تھیں۔ وہ ثانیہ کی ممنون تھی۔

سفر شروع ہو گیا تھا۔

گاڑی میں بھید بھری خاموشی تھی۔ اور دونوں کی سوچوں کی پرواز کا رخ الگ سمتوں میں تھا۔

حالانکہ منزل دونوں کی ایک ہی تھی۔

گاڑی بہت خوب صورت سی کوٹھی کے پورچ میں آ کر رکی۔ گاڑی سے اتر کر جھجکتے ہوئے ابھی اس نے ادھر ادھر دیکھا بھی نہیں تھا کہ اندر سے دروازہ کھول کر ایک عورت باہر نکلی۔

"تو لے ہی آئے اس حرافہ کو تم میرے گھر تک۔"

ایبہا کا چہرہ فق ہو گیا۔

اس نے معیز کی ماں کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا، مگر یہ انداز گفتگو اس کے ذہن میں قطعاً "نہ تھا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس عورت نے آگے بڑھ کر ایبہا کے قریب پڑا اس کا بیگ اٹھایا اور دور پھینک دیا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے گندگی کی پوٹ۔۔۔"

معیز تیزی سے بے قابو ہوتی ماں کی طرف لپکا جبکہ ایبہا جیسے وہیں ساکت ہو گئی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور زاہد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الھڑسی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ایبہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ایبہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد 'ایبہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب 'ایبہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے 'ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب 'معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ایبہا کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ایبہا کا پرس کہیں گرجاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ایبہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ایبہا کو بھی غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا بہت سرپٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہوجاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز 'ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ایبہا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم 'ایبہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ایبہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ایبہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ایبہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ ماردیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ایبہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ایبہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ایبہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ایبہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہوجاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد 'ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

11
گیارہویں قسط

ایبہا کے حواس ٹھٹھر گئے۔

اس نے سفینہ بیگم کے ردعمل کے بارے میں انتہا تک سوچ ڈالا تھا' مگر آتے ہی وہ اس پر یوں بھوکی شیرنی کی طرح حملہ آور ہوں گی' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

لمحہ بھر کو تو خود معیز بھی ششدر رہ گیا' مگر پھر فوراً" ہی اس نے آگے بڑھ کر غصے میں کف اڑاتی ماں کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

"پلیز ماما! کیا کررہی ہیں آپ۔"

"ہٹو تم بھی یہاں سے باپ سے کم نہیں کیا' تم نے میرے ساتھ۔" وہ معیز پر الٹ پڑیں۔

اسی اثنا میں اندر سے زارا اور ایزد بھی نکل آئے اور ماں کو سنبھالنے لگے۔ ایبہا پر نظر پڑتے ہی انہیں معاملہ سمجھ میں آگیا تھا۔

وہ دونوں جلد ہی سفینہ کو اندر لے گئے۔

معیز نے بے اختیار گہری سانس لی۔ اسے ماما کے غصے کا اندازہ تو تھا' مگر وہ اس طرح چیخیں گی' یہ پتا نہیں تھا۔ وہ ایبہا کی طرف پلٹا تو ماتھے پہ تیوریاں تھیں۔ جاکے اس کا بیگ اٹھا کے لایا۔

"چلو۔" بس ایک لفظ۔ وہ شاید انیکسی کی طرف بڑھا تھا۔ سفید پڑتی ایبہا لرزتے قدموں کے ساتھ اس کی تقلید میں بڑھی تو دل مستقبل کے خدشات سے بوجھل اور بے حد مایوس تھا۔

☼ ☼ ☼

ایزد اور زارا مسلسل ماں کی دل جوئی کررہے تھے' مگر سفینہ کو کسی پل چین نہ تھا۔

"دیکھا تم نے کتنے دعوے سے آگئی ہے وہ اس گھر میں۔ اپنی ملکیت جتانے۔"

"کام ڈاؤن ماما۔ وہ انیکسی میں رہے گی۔ اس کا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ایزد نے انہیں تسلی دی۔

"کوئی تعلق نہ ہوتا تو وہ یہاں نہ ہوتی۔ وہ ایک تلخ حقیقت ہے ایزد۔" وہ مچلیں۔

"اتنی کم عمر اور حسین بیوی۔ امتیاز احمد نے کہاں تک صرف نظر کیا ہوگا؟"

اس سوچ سے وہ پچھلے کئی ماہ سے تڑپ رہی تھیں' مگر آج ایبہا کے کم عمر حسن کو دیکھ کر تو گویا ان کا دل ہی شکنجے میں آگیا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں ماما! اس کے حصے کی رقم اس کے حوالے کرکے ہم اس سے پیچھا چھڑوالیں گے۔ یہ کارروائی بھی بہرحال ضروری تھی۔"

زارا نے بھی ماں کا حوصلہ بڑھایا تو وہ جو قدرے بہل کر دوپٹے سے آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ اندر آتے معیز کو دیکھ کر پھر سے آگ بگولہ ہونے لگیں۔

"لے آئے ہو اپنی سگی کو یہاں۔ اپنی ماں کے سینے پر مونگ دلنے کو۔" معیز سے بات کرنا مشکل ہونے لگا۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے ماما!"

"اسے باہر ہی سے فارغ کرکے دفع نہیں کرسکتے تھے تم' میرے گھر میں یہ ناپاکی لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابو کی وصیت ہے ماما۔ اگر وہ خود یہاں سے جانا چاہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اسے اپنی مرضی سے نہیں نکال سکتا۔" وہ بہ دقت تمام بولا۔ ماں سے تو نظر نہ ملائی جاتی تھی۔

"ہنہ۔ وصیت۔ زندہ ہوتا امتیاز احمد تو پھر اسے بتاتی میں۔" وہ غرائیں۔

"ماما پلیز۔" ان تینوں کے دل کو کچھ ہوا۔ باپ کے متعلق ماں کا یہ انداز گفتگو درحقیقت ان کا دل دکھا گیا تھا۔

"ہاں تو کیا غلط کہہ رہی ہوں میں۔ جیتے جی زندگی جہنم بنا گیا میری اور یہ چار دن کی لڑکی۔ دیکھنا کیسے اس کی زندگی بھی عذاب بناتی ہوں میں۔ خود ہی بھاگے گی یہاں سے۔" وہ چلا رہی تھیں۔ اور کمرے کی طرف تھکے قدموں سے بڑھتا معیز سوچ رہا تھا۔۔۔ کاش۔۔۔

☼ ☼ ☼

گھر کی عمارت کے پچھلے حصے میں الگ سے انیکسی کے دو کمرے اٹیچ باتھ اور کچن تھا۔
اس کا کپڑوں والا بیگ یونہی دروازے کے پاس پڑا تھا جیسے معیز چھوڑ کے گیا تھا اور وہ کسی بت کی طرح ساکت وجامد صوفے کے کونے پر ٹکی ہوئی تھی۔ سانو ہاتھ بھی لگاؤ تو توازن کھو کے نیچے جا گرے اور چکنا چور ہو جائے اور پھر اس مجسمے کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جو اس یک لخت ہی پگھلے۔ چکنا چور ہی تو ہو گئی تھی وہ۔
کیا خرابی تھی اس میں۔۔۔؟ اس کی ذہنی رو بھکی۔ وہ ایک بیٹی تھی؟ یا وہ صالحہ کی بیٹی تھی؟
تو کیا بیٹیاں خوب صورت ہوں تو باپ انہیں بیچ دیا کرتے ہیں؟
اس کا دل ایک ایک سوال پہ تھوڑا تھوڑا کٹنے لگا اور ایک ہی بار کٹنے کی تکلیف سے تھوڑا تھوڑا کٹنے کی تکلیف یقیناً" کئی گنا زیادہ تھی۔ وہ ماضی کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا ماضی ذلت کے نشان کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔
وہ اٹھی اور اپنے بیگ کی طرف بڑھی اور بیڈ روم میں آ گئی مگر ہاں۔۔۔ کچھ تھا جو اس کے ماضی میں چمکتا تھا۔
ایہا نے اپنے کپڑے بیگ میں سے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کیے۔ سب سے نچلی تہہ میں ایک کاغذ بہت سلیقے سے تہہ کیا رکھا تھا۔ لرزتے ہاتھوں سے ایہا نے وہ کاغذ اٹھایا اور اس کا متن پڑھنے لگی۔
یہ اس کا اور معیز احمد کا نکاح نامہ تھا۔ وہی فوٹو کاپی جو معیز نے عون کو دی تھی اور بعد میں ثانیہ نے احتیاط کے ساتھ رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے ایہا کے بیگ میں ڈال دی۔ یہی ایک چمکتا روشن ستارہ تھا جس کے سہارے وہ یہاں تک آن پہنچی تھی۔ اس نے اس کاغذ کو ویسے ہی تہہ لگا کر بیگ کے اندرونی زپ والے خانے میں رکھ دیا۔
مگر آزمائشیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔ سفینہ کا رویہ بہت حوصلہ شکن تھا اور معیز احمد! ایہا کا دل سوچ کر لرزا۔ وہ تو امتیاز احمد کی زندگی میں ہی اس پر طلاق کا مطالبہ کرنے کے لیے دباؤ ڈالتا رہتا تھا۔ اب تو کوئی رکاوٹ ہی نہ تھی۔
"اور اگر میرے بس میں ہو معیز احمد! تو میں آپ کے پاؤں پکڑ لوں اور کہوں کہ مجھے خود سے الگ مت کرنا باہر دنیا بہت گندی ہے۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
انیکسی کے خوب صورت، در و دیوار بھی اداس نظر آنے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"میرے ساتھ چائے پی سکتی ہو؟" عون کا میسج آیا تھا۔
جواباً" عون کو میسج ملا۔
"میں بس پینے ہی والی تھی۔ تم بھی کپ پکڑ لو اور میرے ساتھ ساتھ پیو۔"
"تمہاری تو ایسی کی تیسی۔" عون نے دانت پیسے ایک منٹ میں یہ لڑکی رومانٹک موڈ کا کباڑا کرتی تھی، جھنجلا کر اس نے کال ملائی۔

"کیا ہوا۔ تم نے اتنی جلدی پی لی؟" ثانیہ نے معصومیت سے پوچھا۔
"دوستی کا پہلا اصول مروت ہوتا ہے بائی داوے۔" عون کڑھا۔
"یعنی منافقت۔" وہ چوکی نہیں تھی۔
"مروت، منافقت نہیں ہوتی۔ نا چاہتے ہوئے بھی کسی کی خاطر کوئی کام کر دینا مروت ہے اور یہ محبت کی ہی ایک قسم ہے۔" عون کا اپنا ہی فلسفہ تھا۔
"جبکہ میرے نزدیک وہ منافقت ہے۔ کسی کام کا نہیں دل کر رہا تو اسے نہ کریں۔ یہ کھرا پن ہے اور سچائی۔" ثانیہ نے اطمینان سے کہا۔
"اچھا بابا بی فلاسفر۔ ایک کپ چائے ساتھ پینے کو کہا تھا، لے کے اتنا لمبا لیکچر دے دیا۔" وہ تنگ کر بولا۔
"سوری بھئی۔ فی الحال تو میں۔۔۔" وہ صفا چٹ انکار کرنے والی تھی مگر عون نے اس کی بات کاٹ دی۔
"دو منٹ میں ریڈی ہو جاؤ ورنہ جیسے بھی حلیے میں ہو گی گاڑی میں لاد کے لے جاؤں گا۔" اور فون بند۔
ثانیہ کو غصہ آیا مگر دو دفعہ نمبر ملانے پر بھی فون سوئچ آف ملا۔ تو اسے اپنے ملگجے حلیے کا خیال آیا۔ خالہ جان سے تیل کی چمپی کروا کے ابھی وہ نہانے کے ارادے سے بیٹھی تھی۔ وہ بے اختیار کپڑے بدلنے کے خیال سے اٹھی مگر پھر ٹھٹک کر رک گئی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ہم تو ایسے ہی ہیں۔ لے جاؤ اگر دل چاہتا ہے تو۔" عون کی گاڑی کے ہارن پر وہ اندر سے یوں نکلی جیسے تیار ہی تھی۔
"تھینک گاڈ! میں تو سوچ رہا تھا" آدھا گھنٹہ ضائع کراؤ گی۔"
وہ جو جان بوجھ کر مصروفیت ظاہر کرنے کی خاطر بیگ کی زپ کھول بند کر رہی تھی۔ اس کی طرف متوجہ ہو گئی بلیک پینٹ کے ساتھ لائننگ کی سفید شرٹ۔۔۔ وہ بے حد فریش لگ رہا تھا۔ اس کے حلیے پر ایک بھی کمنٹ پاس کیے بغیر وہ اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولے منتظر کھڑا تھا۔
"تم نے ٹائم ہی نہیں دیا تیار ہونے کا۔" ثانیہ نے اس کا دھیان دلانے کی پوری کوشش کی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔
"ہم کون سا ولیمہ پہ جا رہے ہیں۔ چائے ہی تو پینی ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ تو ثانیہ کو افسوس ہونے لگا۔ جسے چڑانے کی خاطر اس برے حلیے میں باہر نکلی تھی اس کو کوئی فرق بھی نہ پڑا تھا۔
مگر ایک اچھے سے ریسٹورنٹ کی اوپن ایریا چھت کی سیڑھیاں چڑھتے وہ خفت کا شکار ہونے لگی۔
"تم تھوڑی دیر پہلے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتا سکتے تھے۔" سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی۔ عون نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"تھوڑی دیر پہلے ہی تو بتایا تھا۔ تم نے سیریس ہی نہیں لیا۔"
وہ خفگی سے منہ پھیر کر جنگلے سے باہر نیچے کا منظر دیکھنے لگی۔ عون نے مسکراہٹ دبائی۔ وہ اس کی جھنجلاہٹ کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور اپنی اداکاری پر خود کو داد بھی دے رہا تھا۔ ورنہ ثانیہ کو اس حلیے میں دیکھ کر خود عون کو بھی غصہ آیا تھا، مگر پھر فوراً" ہی کچھ سوچ کر اس نے خود کو بالکل متوازن کر لیا۔ اور اب رزلٹ اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔
"کیا ہوا یار۔ اب چائے بھی اسی موڈ کے ساتھ پیو گی؟"
وہ بھولا بن کے کہہ رہا تھا جیسے کچھ پتا ہی نہ ہو۔
"تم مجھے بتاتے تو کہ اتنی اچھی جگہ لے کے جا رہے ہو کم از کم بال دھو کے چینج ہی کر لیتی میں۔"

وہ ناراضی سے بولی تو اب کی بار عون اپنی ہنسی روک نہیں پایا۔
"مجھ سے اچھی توقعات وابستہ کرتیں تو ایسی ناگہانی صورت حال نہ پیش آتی۔"
وہ یونہی خفا نظروں سے دیکھتی رہی۔ عون کو مزہ آنے لگا۔
"میں نے تو اس لیے نہیں ٹوکا کہ تمہیں بناوٹ پسند نہیں، سوچا شاید تم اپنے اصلی حلیے میں ہی آنا چاہتی ہو۔" وہ بڑی فرصت سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ثانیہ جزبز ہوئی۔
"یہ میرا اصل حلیہ نہیں ہے۔ وہ تو میں خالہ جان سے تیل لگوا کے۔ اور تمہیں کیا ضرورت تھی بیچ میں جائے لے کے آنے کی؟" وہ بات کرتے کرتے اسی پر الٹ پڑی۔
عون ہنسا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ ثانیہ نے دیکھا ان کے داہنی سائیڈ کی ٹیبل پر بیٹھا تین لڑکیوں کا گروپ پوری طرح ان ہی کی طرف متوجہ تھا بلکہ اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ عون کی طرف۔
"اچھا بس۔ اب چائے منگواؤ۔ میں زیادہ دیر کے لیے نہیں آئی ہوں۔" ثانیہ کو اپنا دھیان ہٹانے میں دقت محسوس ہوئی۔
"ہاں۔ جا کے نہانا بھی ہو گا۔" عون نے لطیف سا طنز کیا۔ پھر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی مزید لقمہ دیا۔
"حالانکہ اگر نہا کے آجاتیں تو بھی میں ساتھ لانے سے انکار نہ کرتا۔"
"اگر اب تم ایک لفظ بھی مزید بولے تو میں اس جنگلے سے کود جاؤں گی عون۔"
ثانیہ نے دانت پیس کر کہتے ہوئے اسے دھمکایا تو وہ ہنس دیا۔
تین گردنیں پھر سے ان کی طرف مڑیں۔ اب کی بار ثانیہ نے باقاعدہ گھور کر ان لڑکیوں کی طرف دیکھا۔
"فرینڈز ہیں؟" عون نے ایک نظر ان ہنستی کھلکھلاتی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتی لڑکیوں پر ڈالی۔
"تمہاری لگ رہی ہیں۔" ثانیہ نے طنز کیا۔
"اوہو۔" عون نے جگمگاتی نظروں سے اسے دیکھا۔
(اندر سے وہی خالص لڑکی تھی۔ جیلس)
"تمہیں میرے ساتھ دیکھ کے انہیں رشک آرہا ہو گا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ نظروں کی گرفت میں اس کا چہرہ تھا۔ جھنجلایا ہوا۔ گویا اپنی کسی حرکت پر پچھتا رہی ہو۔
"ہونہہ!" ثانیہ نے سر جھٹکا۔ "کہہ رہی ہوں گی ماسی کے ساتھ ڈیٹ پہ آیا ہے۔" وہ پھر ہنسا۔
"تو اتنا رئیل بننے کو کس نے کہا تھا۔ تھوڑی سی بناوٹ کے بعد تم خاصی خوب صورت لگ سکتی تھیں۔ یعنی ماسی کے بجائے ملکہ لگتیں۔ پھر یہ لڑکیاں رشک سے نہیں حسد سے ہمیں دیکھتیں۔"
وہ بہت فرصت میں تھا۔ چہرے پہ ٹھہری مسکراہٹ اسے بہت خاص بنا رہی تھی۔ ثانیہ نے عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے خوامخواہ ہی مینیو کارڈ اٹھا لیا۔
"سنڈے کو میرا تمہیں ڈنر پہ لے جانے کا پروگرام ہے۔ تب تک پلیز نہا لینا۔"
عون کی غیر متوقع بات پر ثانیہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس کا ہنستا چہرہ مینیو کارڈ کے پیچھے سے برآمد ہوا تو وہ شرارت سے بولا۔
"اب تو نہیں کہو گی کہ پہلے بتانا چاہیے تھا۔؟" ثانیہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ عون کا مستقل ہلکا پھلکا انداز بہرحال اس کا موڈ بھی بہتر بنا ہی گیا تھا چائے آنے تک وہ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہے۔
"معیز بھائی سے رابطہ نہیں ہوا۔؟" ثانیہ کو دھیان آیا۔
"اس روز کے بعد تو نہیں۔"

"میں سوچ رہی تھی ان کے گھر جاؤں۔ ایمہا سے ملنے۔" ثانیہ نے سوچ ظاہر کی۔
"ہاں۔ تو میں لے چلوں گا۔ تم اپنا پروگرام بتا دینا۔" عون نے رضامندی ظاہر کی۔ تو ثانیہ نے اسے ہلکا سا گھور کے دیکھا۔
"اب کیا میں ہر جگہ تمہارے ساتھ جانے کی پابند ہو گئی ہوں؟"
"دوست ہر پروگرام مل کے بناتے ہیں بے وقوف لڑکی! مگر تم جیسی آدم بے زار کو کیا معلوم۔ کبھی مجھ جیسا دوست ملا ہو زندگی میں تو نا۔" عون نے ملامتی انداز اپنایا۔ تو وہ گہری سانس لے کر بولی۔
"الله شکر۔"
"بس جی۔ الله نے شکر خورے کو شکر دے دی ہے اور کیا۔" عون نے اس پہ طنز کیا تھا جسے وہ صفائی سے نظر انداز کر گئی۔
"میرے خیال میں ہمیں ایمہا کا وکیل بننا پڑے گا اور اسے معیز بھائی کی زندگی اور ان کے گھر میں حق دلانا پڑے گا۔"
"میرے خیال میں تو یہ کوشش اسے خود کرنی چاہیے میری طرح۔" عون نے آخری دو الفاظ آہستگی سے کہے کہ ثانیہ سن نہ سکے۔
"وہ اس قابل ہوتی تو معیز بھائی یوں زند ناتے نہ پھرتے اور نہ یوں اس کی زندگی کو ایک کھیل بناتے۔" ثانیہ کو غصہ آیا۔
"ٹھنڈے دماغ سے سوچو ثانی۔ وہ اس نکاح پر مجبور ہوا تھا۔"
"جو بھی ہو مگر ہر مرد کے لیے نکاح کا ایک ہی مطلب ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے تمام حقوق و فرائض ادا کرے گا۔ اگر یہ سب کرنا تھا تو طلاق دے دیتے۔" وہ اپنی رائے میں اٹل تھی۔
"طلاق ہی تو نہیں دے سکتا غریب۔" عون بے ساختہ بولا۔ پھر زبان دانتوں تلے دبالی مگر سننے والی مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اب جانے بغیر چھوڑنے والی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼
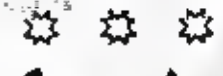
وہ چار دنوں سے فریج میں رکھے انڈے ڈبل روٹی اور دودھ پہ گزارہ کر رہی تھی اور یہ سب بھی یقیناً معیز ہی کی مہمانی کی وجہ سے یہاں رکھا تھا مگر اس کے بعد معیز نے ادھر جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔
ابھی ابھی وہ ڈبل روٹی کے آخری دو توس اور چائے پی کے فارغ ہوئی تھی۔ صبح دوپہر رات۔ ڈبل روٹی اور انڈے کھا کھا کر اس کا دل اوب گیا تھا۔ چھوٹے سے نفیس کچن میں برتن تو تھے مگر کھانا پکانے کو نہ دال تھی نہ سبزی اور نہ ہی آٹا چاول۔ سر پہ چھت کا سکون ہوا تھا تو اب آنے والی کی فکر نے آلیا۔ اسے اپنی قسمت پہ ہنسی آنے لگی اور پھر رونا۔ چار دنوں سے وہ اس قید تنہائی میں تھی اور زبان ایک لفظ نہ بولی تھی۔
رات اس اکیلے پن میں وہ کیسے گزارتی تھی یہ اسی کو معلوم تھا۔ درختوں کے سائے اس کی کھڑکی کے شیشوں پر عجیب عجیب سی اشکال بناتے تو وہ سر شام ہی کھڑکی مضبوطی سے بند کر دیتی۔ اس نے گھبرا کر اونچی آواز میں درود پاک صلی الله علیہ وسلم پڑھا۔ پھر ماں کو آواز دی۔
"امی۔ کہاں ہیں آپ؟" خالی کمرے میں اسے اپنی ہی آواز عجیب سی لگی اور کچھ اتنے دنوں خاموش رہ کر آواز میں بھاری پن سا آگیا تھا۔ تب ہی اسے موبائل کا خیال آیا تو اس نے جلدی سے اٹھ کر بیگ میں سے موبائل نکال کے چیک کیا۔ اس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ موبائل چارجنگ پہ لگاتے ہوئے وہ ثانیہ سے رابطہ کرنے کا پکا ارادہ

کر چکی تھی۔

کمرے سے باہر تو وہ سفینہ کے ڈر سے نکلتی ہی نہ تھی۔ بس کھڑکی کھول کر دن کی روشنی دیکھ کر خوش ہو لیتی۔ ابھی بھی وہ کھڑکی کے پٹ کھول کے وہاں آکھڑی ہوئی۔ یہ انیکسی گھر کی عمارت سے الگ پچھلی سائیڈ پہ بنی ہوئی تھی۔ وہ رشک و حسرت سے اس خوب صورت عمارت کو دیکھنے لگی۔ کاش۔ اس میں رہنے والوں کے دل بھی اتنے ہی بڑے اور خوب صورت ہوتے۔

اپنی آئندہ زندگی کا سوچ کر اس کا دل بند ہونے لگتا تھا۔ اس لیے وہ آئندہ کے متعلق سوچنے سے گریز ہی کرتی تھی۔ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ معیز احمد اسے طلاق دے کر اس گھر سے نکال دے گا اور شاید وہ پھر کسی "میم" کے ہتھے چڑھ جائے۔ تب ہی وہ چونکی۔ اس نے فارمل سی ڈریسنگ میں معیز احمد کو تیز قدموں سے روش پہ چلتے انیکسی کی طرف آتے دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

☼ ☼ ☼

"کیوں۔ اسے کیا طلاق دینی نہیں آتی؟" ثانیہ نے ٹیبل کی سطح پر بازو ٹکاتے ہوئے اطمینان سے پوچھا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

"دوستوں کے راز بتایا نہیں کرتے۔"

"مگر دوستوں کو بتادیا کرتے ہیں۔" وہ اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولی۔ عون نے گہری سانس بھری۔

"انکل نے وصیت کے طور پر معیز کے نام ایک خط بھی چھوڑا ہے۔ جس میں انھوں نے معیز سے ریکوئسٹ کرتے ہوئے اسے پابند کیا ہے کہ وہ ایبہا کو طلاق دے کر دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور نہ کرے۔ اسے ٹائم دے۔ اگر ایبہا کو کوئی اور پسند آجائے تو بہت بہتر ورنہ معیز خود اس کے لیے بہترین سا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کروادے۔"

"ویل ڈن۔" ثانیہ کی آنکھیں چمکیں۔ اس نے خوش ہو کر ہلکی سی تالی بجائی اور پھر جلدی سے پوچھا۔

"اور اس وصیت کے بارے میں معیز بھائی کا کیا خیال ہے؟"

"باپ کے آخری لفظوں کا یقیناً "پاس رکھے گا۔ ورنہ گھر لانے سے پہلے ہی طلاق دے دیتا۔" عون نے تجزیہ کیا۔

"مگر طلاق دینا ضروری تو نہیں عون۔" وہ پراسرارت سے مسکرائی۔ عون چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔" وہ رک کر آگے ٹیبل پر جھکی۔

"اس عرصے میں ہم ان دونوں کے درمیان محبت بھی تو کرواسکتے ہیں۔" وہ جو مارے تجسس کے اسی کی طرح آگے کو جھک آیا تھا۔ اسے گھورنے لگا۔

"تم کیوں ہم دونوں دوستوں کی زندگی کو ایک ہی ٹریک پہ چلانے کی کوشش کر رہی ہو۔؟"

"کیوں۔ میں تمہارا داؤ تمہارے دوست پہ نہیں چلاسکتی؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔ عون نے ڈرنے کی اداکاری کی۔

"ارے۔ رے۔ دوست ہی کیا۔ تم چاہو تو مجھ پر بھی یہ داؤ آزما سکتی ہو۔ میں تو دل و جگر سمیت راضی ہوں۔"

مگر ثانیہ کا دھیان کہیں اور تھا اور اس کی آنکھوں کی چمک بتاتی تھی کہ وہ بہت کچھ "اور" سوچ رہی ہے عون کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ جلدی سے کھڑکی سے ہٹ گئی۔ دل گویا ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگا۔

"یاالٰہی۔ یہ ادھر کیا کرنے آرہا ہے؟ کہیں فیصلے کی گھڑی تو نہیں آگئی۔" وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔ ٹانگیں بے جان سی ہونے لگی تھیں۔ پھر ڈور بیل بجائی گئی۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ظاہر ہے کہ ایبہا ہی کو اٹھ کر دروازہ کھولنا تھا۔ دروازے کا لاک کھول کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ معیز نے ناب گھما کر دروازہ کھولا تو اس کی خائف سی شکل دکھائی دی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ میں اندر آسکتا ہوں۔؟" وہ خشک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ایبہا کا دم نکلنے لگا اس نے بولنا چاہا مگر اسے احساس ہوا کہ ان چار دنوں میں اس کی زبان بولنا بھول چکی تھی۔ اس نے بدقت تمام سر اثبات میں ہلایا تو وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر چلا آیا۔ اندر آکر وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا اور ایبہا کھلے دروازے کے پاس۔ وہ جیسے الفاظ ترتیب دے رہا تھا اور ایبہا کی جان فنا ہو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا "ادھر وہ اسے رہائی کا اذن دے گا اور ادھر اس کا بدن اس کی روح کو۔

وہ کھنکھارا۔

"تم جانتی ہو کہ یہ سارا ڈرامہ میری مرضی کے بغیر مکمل ہوا ہے۔ میں تمہارا جتنا ساتھ دے سکتا تھا' دے چکا ہوں۔ اب میری بھی ایک لائف ہے جسے میں اسٹیبل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کے لیے اپنی مرضی کا فیصلہ کرو۔ میں ابو کی وصیت کا پابند ہوں۔ تم کسی کو اپنی زندگی کے ساتھی کے طور پہ پسند کرو' اس کا ہاتھ پکڑ کے میرے سامنے لاؤ۔ میں اسی وقت تمہاری اس سے شادی کروادوں گا اور اگر نہیں تو میں خود یہ فرض سرانجام دوں گا۔ تب تک تم یہاں ایک مہمان کی حیثیت سے ہو۔"

بہترین ڈریسنگ اور مہنگے ہیر کٹ میں۔ وہ معیز احمد تھا۔ امیر لوگ سارے ہی اتنے خوب صورت ہوا کرتے ہیں شاید۔ یا اس کے ایبہا کو اچھا لگنے کی کوئی اور وجہ تھی؟

وہ ایک ٹک اسے بولتے دیکھ رہی تھی۔ شاید سن بھی رہی تھی۔

"کچھ چاہیے تو نہیں۔؟" وہ مروتاً "پوچھ رہا تھا۔

بھاری دل کے ساتھ ایبہا نے نفی میں سر ہلایا۔ جو اس سے سب کچھ چھیننے آیا تھا' اس سے وہ کیا مانگتی؟ ساری عمر کی ہم سفری مانگتی تو کیا وہ دے دیتا؟

نہیں نا۔ تو پھر وہ اللہ سے ہی سب کچھ مانگنا چاہتی تھی۔ ایبہا چونکی۔

وہ جاچکا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہاں سے گھر کا پورچ دکھائی دیتا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یقیناً "کسی فنکشن یا پارٹی میں جا رہا تھا۔ ایبہا نے دروازہ بند کر کے اس سے ٹیک لگالی۔ اس کا تنفس تیز تھا اور دل میں تکلیف دہ سا احساس اپنی پسندیدہ چیز کھو دینے کا۔؟ اس نے جاگتے ذہن کے ساتھ اپنی کیفیت کا تجزیہ کرنا چاہا۔ کچھ جاننے کی کوشش کی۔ یہ معیز احمد کی شخصیت کی کشش تھی۔ ان کے مابین بندھے رشتے کا احساس تھا۔ یا فقط ایک چار دیواری کا لالچ؟ مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کھانے کی میز پر پہنچا تو ہاٹ ٹاپک تھا' تایا جان کے گھر سے آنے والا شادی کارڈ۔

"او عون۔!"

امی نے اسے دیکھ کر کہا تو ابا نے اسے عینک کے اوپر سے گھور کے دیکھا۔

"پہلے برخوردار سے یہ پوچھو کہ ساری شام کہاں گزار کے آیا ہے۔ چار بجے ضروری کام کہہ کے گیا تھا اور اب آرہا ہے۔"

"چلو بچو۔ جلدی سے کھانا ختم کرو۔" اس نے ثنا اور عبداللہ کو ڈانٹتی عاصمہ بھابھی کی مسکراہٹ اچھی طرح دیکھی تھی۔

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے منمنایا۔ "دوست کے ساتھ چائے پینے گیا تھا ابا!"

لو جی۔ بات ختم تو کیا ہوتی' نئے سرے سے شروع ہوئی۔ عون کے سامنے بریانی کی ڈش رکھتی امی کا بے اختیار اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارنے کا جی چاہا۔ ورنہ شاید عون کو تو ایک لگا ہی دیتیں۔

"واہ۔ خوب۔ بہت خوب۔" ابا کی تو گویا کرسی میں کیلیں اگ آئیں۔

"یعنی۔ اپنا ریسٹورنٹ چھوڑ کے یہ موصوف اپنے دوست کو کہیں اور چائے پلوانے لے گئے تھے۔" وہ بھڑک کر بولے۔

عون کو بھی فی الفور اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ والد محترم کے سامنے یہ اعتراف ایک اعتراف جرم بن سکتا تھا۔ عاصمہ بھابھی ماحول کی گرماگرمی دیکھ کر بچوں کو کھانا ختم کروا کے اندر دھکیلنے لگیں۔ چاچو کی ہونے والی متوقع بے عزتی ان پر برا اثر ڈال سکتی تھی۔ خود تو وہ وہیں ڈٹ کے بیٹھتیں پورا شو دیکھتیں۔

"اپنے ریسٹورنٹ میں چائے پلواتا تو لگتا' فری میں بھگتا رہا ہوں۔" اس نے صفائی پیش کی۔ امی نے فوراً اس کی تائید کی۔

"ہاں۔ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"کیا خاک ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ تو وہی لطیفہ ہوا کہ کسی نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں۔ پتا چلا' موصوف اپنی دوا لینے کسی اور ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔" غصے میں ابا اچھے خاصے 'طنز نگار' بن جایا کرتے تھے۔

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" بے چاری امی۔ پہلے تو ابا کی بیوی تھیں نا۔ کمزور لہجے میں بولیں۔

"ویسے تو کاروبار پہ برا اثر پڑتا ہے بیٹا۔ بڑا بے وقوف دوست تھا جو یہ سمجھتا۔"

"خردماغ کہیے۔" عون جھنجلایا۔ ایک تو مجال تھی جو اس گھر میں کوئی بات راز ہی رہ جاتی۔ پھر منہ پھلا کر بولا۔

"عون کی بھتیجی کو لے کر گیا تھا۔"

"شانی کو۔" ابا کے تاثرات فی الفور بدلے۔ "اچھا کیا۔ ذرا "ہوا بدلی" ہو گئی تمہاری بھی۔ یہ کارڈ آیا ہے فراست کی طرف سے ذرا دیکھ لو۔"

"واہ۔" عون کا سر دھننے کو جی چاہا۔ کیسے منٹ میں ٹریک بدلا تھا ابا نے۔ وہ عاصمہ بھابھی کی چڑانے والی ہنسی نظر انداز نہیں کر پایا تھا۔

"آپ کو بڑی ہنسی آرہی ہے۔" دھیمی آواز میں دانت پیس کر کہا تو وہ شرارت سے بولیں۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی خوش مزاج ہوں۔" "نہیں" ہلکا سا گھور کر عون نے سنہری عبارت سے سجا سرخ شادی کارڈ اٹھالیا۔

تایا جان سے جائیداد کے تنازعہ کے بعد پوری فیملی ہی کے تعلقات خراب تھے۔ نہ تو یہاں سے کوئی آتا جاتا تھا اور نہ ہی تینوں پھپھوؤں کے گھر سے۔

اور اب یوں کارڈ کا آنا۔ چہ معنی دارد۔

"اچھا۔ تو نازیہ موٹو کی شادی ہو رہی ہے۔" اس نے اونچی آواز میں تبصرہ کیا۔

"ونہوں۔" ابا نے کھنکھارتے ہوئے چشمے پر سے گھورا۔ وہ فوراً "شرافت کے جامے میں آگیا۔

"تو اب کیا کرنا ہے؟"

"میں تو کہہ رہی تھی ختم کریں اس بلا سبب ناراضی کو۔ ان کی طرف سے بائیکاٹ تھا۔ انہوں نے خود ہی دوستی کا ہاتھ بڑھادیا۔" امی دل کی بہت صاف تھیں۔ ورنہ تائی جان کے ساتھ گزارا ماضی بہت تکلیف دہ تھا۔

"ہوں' مگر یہ بھی تو دیکھو کہ تاریخ چن کے وہی رکھی ہے' جو تمہاری بھتیجی کی شادی کی ہے۔" ابا نے ان کی توجہ دلائی۔

"خاندان میں کبھی کبھار ایسا ہو ہی جاتا ہے' مگر کوئی حل نکل ہی آتا ہے۔"

عون اپنا کھانا ختم کرنے لگا۔ اسے فی الحال تو بریانی میں دلچسپی تھی جو ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو تین چمچے چاولوں کے بھر کے منہ میں ڈالے۔

"کیوں بھئی عون! تمہارا کیا خیال ہے؟" اب عون صاحب کا منہ نوالوں سے بھرا ہوا تھا۔

"مجھے تو کچھ اور ہی چکر لگ رہا ہے۔" بھرے منہ کے ساتھ وہ بولا تو ابا نے گھور کے اسے دیکھا۔

"ہیں۔ کیسے چکر آرہے ہیں؟" عاصمہ بھابھی کی مشہور زمانہ قلقل کرتی ہنسی بے اختیار آزاد ہوئی۔ عون نے جلدی سے نوالہ نگلا اور بات بدلی۔

"میں کہہ رہا ہوں' چکر لگا ہی لینا چاہیے کسی کو۔ خیر سگالی کے طور پر۔"

"ہوں۔۔۔" ابا نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"بہنوں سے مشورہ کرتا ہوں پہلے۔ پھر دیکھتے ہیں۔" ابا کارڈ جاتے ہوئے ساتھ لے گئے۔

"آپ کا مقدمہ تو میں شمعون بھائی کی عدالت میں فرانس میں پیش کروں گا۔" عون نے ان کے جاتے ہی بھابھی کو دھمکایا تو وہ ہنسیں۔

"یہ بھی کر دیکھو۔۔۔ اور اپنی رازداری کی ملاقاتوں کا بھی حال لازمی بتانا۔"

"خاک رازداری۔ جس کا بھانڈا پھوڑنا بھی پڑے تو والد محترم کے سامنے۔" وہ جلا بھنا تھا۔

"شانی کیسی ہے۔۔۔ لے ہی آتے اسے ساتھ۔" امی نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اس کے ساتھ تو ضرور ہی آتی۔" بھابھی نے مذاق اڑایا۔

"دیکھنا آپ۔ کچے دھاگے سے بندھی آئے گی۔" عون کے ہونٹوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی اور انداز میں پر یقین دعوا۔

بھابھی نے دل ہی دل میں آمین کہا' مگر دیور کو چڑانا بھی تو ضروری تھا' اس لیے گہری آہ بھری۔ وہ انہیں گھور کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

ایبہا کی کال بہت غیر متوقع تھی۔ سو واپس آکر وہ اپنے کپڑے نکال کے فوراً "نہانے گھس گئی۔ اسے رہ رہ کر عون کے ساتھ اپنے یوں بے کار حلیے میں جانے پر افسوس ہو رہا تھا' مگر اس سے بھی زیادہ غصہ اسے اس افسوس پر آرہا تھا۔

"میں کیوں اتنا کانشس ہو رہی ہوں۔ چاہے جو مرضی سوچتا پھرے۔ میری بلا سے۔"

اس نے اب تک دسیوں مرتبہ سوچا' مگر ہر بار اسے خیال آتا کہ اگر وہ صرف کپڑے ہی بدل کر چلی جاتی تو شاید تیل لگا سر پس منظر میں چلا جاتا۔ بال تولیے سے خشک کرنے کے بعد ابھی وہ گیلا تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلا ہی رہی

تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا۔
"عون ہی ہوگا۔" اس کا پہلا اندازہ تھا مگر ایبہا کے نام پہ نظر پڑتے ہی اس نے فوراً "کال ریسیو کرلی۔
"کیسی ہو۔۔۔؟ موبائل کیوں آف کر رکھا تھا۔ میں تو اس دن سے بار بار کال کر رہی ہوں تمھیں۔ کیسی ہو تم؟" ثانیہ نے بے اختیار ہی ڈھیروں سوال کر ڈالے۔
"موبائل چارجنگ کے لیے لگانا یاد ہی نہیں رہا تھا۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" ایبہا کی آنکھیں کسی کی اتنی فکر پہ نم سی ہو گئیں۔ وہ دنیا میں تنہا تھی۔ نہ ماں نہ باپ نہ بھائی بہن۔ ایسے میں ثانیہ کا انداز اسے اپنی بہن جیسا ہی لگتا تھا۔
"اللہ کا شکر ہے۔ تم وہاں کے حالات سناؤ۔ کیسا استقبال ہوا تمہارا۔ سسرال کیسی ہے تمہاری؟" وہ اطمینان سے فلور کشن پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"ٹھیک ہے سب۔ میں تو انیکسی میں ہوں۔۔۔" وہ قدرے جھجک کر مجرمانہ انداز میں بولی۔
"ہاں۔ سوری۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ عون نے بتایا تھا مجھے۔" ثانیہ نے اسے ریلیکس کرنا چاہا۔
"کیا آپ مجھ سے ملنے آسکتی ہیں یہاں؟" ایبہا کا لہجہ آس بھرا تھا۔ اور ثانیہ تو پہلے ہی ان ہی چکروں میں تھی۔ فی الفور بولی۔
"ہاں ہاں۔ تم بے فکر رہو۔ میں تو پہلے ہی پروگرام بنا چکی ہوں اور ہاں۔ کسی سے بھی ڈرنا مت۔ یوں سمجھو، اب میں تمہارا میکہ ہوں بلکہ میں اور عون دونوں۔"
دوسری طرف نم آنکھوں کے ساتھ ایبہا ہنس دی اور ادھر ادھر کی کتنی ہی باتوں کے بعد فون بند کرتے ہوئے ثانیہ کو دھیان آیا کہ اس نے عون کا نام اپنے ساتھ کیوں لیا تھا؟ ساتھ ہی اسے یاد آیا۔ آج وہ کتنا ہینڈسم لگ رہا تھا اور اسے بار بار دیکھتی وہ تینوں لڑکیاں۔ ثانیہ کے دل میں پھر سے جیلسی ابھری۔ تو وہ لاحول پڑھتی اٹھ گئی۔
"کم ہی ملنا پڑے گا تم سے عون عباس! دماغ خراب کر رہے ہو تم میرا۔ اور شاید دل بھی۔" اس نے تہیہ کرلیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیپی برتھ ڈے۔۔۔" معیز کا میسیج رات بارہ بجے اسے اپنے موبائل پہ موصول ہوا تھا۔
"اور پروگرام۔۔۔؟" رباب نے کھل کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"جو تم کہو۔۔۔" معیز کا جواب آیا۔
"جی نہیں۔ جو تم چاہو۔" رباب نے بڑے ناز سے جواب لکھا۔
"او کے سویٹ اینڈ سی۔" معیز کا جواب تھا۔
ارباب طمانیت سے مسکرانے لگی۔ اسی وقت اس کے موبائل کی میسیج ٹون بجی۔
"ہیپی برتھ ڈے سویٹ ہارٹ۔" میسیج پڑھتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ یہ سیفی کا میسیج تھا۔
"تھینکس۔۔۔" روکھا سا جواب بھیج کر اس نے فوراً ہی موبائل آف کر کے بیڈ پہ ڈال دیا۔
وہ بہت کامیابی سے سیفی اور معیز کی کشتیوں میں سوار تھی۔ سیفی دولت کے لحاظ سے خوابوں کی تعبیر تھا تو معیز خوابوں کا شہزادہ۔ کسے چھوڑنا تھا اور کسے تھامنا۔ یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ثانیہ کو اگلے ہی روز اپنے دروازے پر پا کر اتنی حواس باختہ ہوئی کہ اس کے گلے لگ کے رو ہی پڑی۔ ثانیہ اس قدر جذباتی صورت حال کا اندازہ کر کے نہیں آئی تھی۔ سٹپٹا گئی۔
"کم آن یار۔ ریلیکس۔" وہ اس کی پشت تھپتھپانے لگی۔
"اچھا۔ اندر تو آنے دو۔" وہ جھینپ کر ثانیہ سے الگ ہوئی۔ دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔
"آ تو گئیں نا۔" ثانیہ اس کے ہمراہ اندر آگئی۔
"ہوں۔ رہائش تو اچھی ہے۔" اس نے ستائشی نظروں سے کمرے کی سیٹنگ دیکھی۔ مختصر سی راہداری کے بعد ایک کمرہ ہی ٹی وی لاؤنج کے طور پہ تھا اور اس سے ملحقہ بیڈ روم اٹیچ باتھ اور کچن سائیڈ پہ تھا جس کی بڑی سی کھڑکی گھر کے پچھلی سائیڈ پہ کھلتی تھی۔
"واؤ۔۔۔" "وہ یقیناً" ایبہا کو بہلا رہی تھی مگر ایبہا کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ ثانیہ کو کچھ کھانے پینے کو بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ گھر میں کچھ تھا ہی کب۔ لانے والا اسے یہاں ڈال کے اپنا فرض نبھا چکا تھا۔
"مجھے تو یہ تنہائی بہت فیسی نیٹ کرتی ہے۔" ثانیہ بے تکلفی سے ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ یونہی چلتے پھرتے اس نے فریج کا دروازہ کھولا۔ روم سائز فریج میں محض پانی کی ایک بوتل اور دودھ کا چھوٹا ڈبہ تھا۔ اس کی مسلسل چلتی زبان رک سی گئی۔ کچھ سوچ کر وہ کچن میں آئی اور تمام درازیں اور کیبن کھول کے چیک کیے۔ کٹلری کے سامان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہ تھا۔ وہ واپس ایبہا کے پاس آئی تو انداز میں بے یقینی اور تاسف تھا۔
"تم کیا یہاں ہوا کھا رہی ہو؟" وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔ جیسے قصور اسی کا ہو۔
"نہیں۔ انڈے بریڈ اور دودھ تھا۔ آج ہی ختم ہوئے ہیں۔" وہ اور جھینپی۔
"کیا۔ یعنی تم چار دنوں سے محض انڈے بریڈ کھا کے زندہ ہو؟"
ایبہا سٹپٹائی۔
"مجھے معیز بھائی جیسے ڈیسنٹ بندے سے یہ امید نہیں تھی۔ انہیں تو چاہیے تھا یہاں فل سائز فریج رکھواتے اور اسے لبالب اشیائے صرف سے بھر دیتے۔ کچن میں اتنا کچھ ہو تاکہ تمھیں مہینوں کوئی فکر نہ ہوتی۔" ثانیہ کے انداز میں غصہ تھا۔
"اتنی فکر تو صرف اللہ کو اپنے بندے کی ہوتی ہے۔ بندے بندوں کی فکر کرنے لگیں تو ساری لڑائی ہی ختم ہو جائے۔" ایبہا آزردگی سے بولی۔ ثانیہ نے غصے سے بیگ ٹٹول کر اپنا موبائل نکالا۔ وہ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔
"ہاں۔ حال چال کو چھوڑو اور سیدھے یہاں پہنچو۔" اس کا لب و لہجہ تیز تھا۔ پھر قدرے جھنجلا کر بولی۔
"میں تمہارے عزت مآب دوست معیز احمد کے گھر کی انیکسی میں موجود ہوں۔ ایڈریس لیا تھا نا تم سے۔" اس کے انداز میں طنز تھا۔
"ہاں۔ غلطی ہو گئی بہت بڑی۔ تمہارے ساتھ ہی آنا چاہیے تھا۔ تم بھی اپنے دوست کی "اعلا ظرفی" دیکھتے تو یقیناً "متاثر ہوتے۔" ایبہا متحیری اس کی شعلہ بیانی دیکھ رہی تھی۔ وہ یقیناً "عون پر برس رہی تھی۔
"فوراً" یہاں آؤ بلکہ اپنے دوست کو بھی لائن حاضر کرو۔" اور اب وہ مسلسل ادھر ادھر ٹہلتی بڑبڑاتے ہوئے ایبہا کا بی پی لو کر رہی تھی۔ اور اپنا ہائی۔
"جانے دیں۔ آپ بات کو خواہ مخواہ بڑھا رہی ہیں۔" ایبہا نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تو وہ رک کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔
"بات پہلے ہی بڑھی ہوئی ہے بے وقوف! اب تو تمہاری زندگی داؤ پہ لگ رہی ہے۔" ایبہا کے دل میں جیسے کوئی نوکیلا خنجر سا کھب گیا۔
"تو کون سی نئی بات ہے۔ میں نے تو ہوش ہی ان ہی حالات میں سنبھالا ہے۔"

"مگر اب نئی بات ہونا چاہیے۔" وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی۔ "تم ان کے نکاح میں ہو۔"
"کب تک...؟" ایہا کا لہجہ زخمی تھا۔
"جب تک بھی یہ رشتہ برقرار ہے۔ ان پر اپنے فرائض کی ادائی فرض ہے۔" ثانیہ کا لہجہ دھیما ہو گیا۔
اسے یاد آیا' وہ کانٹوں پہ چلتی زندگی کے اس موڑ تک پہنچی تھی۔
"رشتوں کی اہمیت انہیں تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔" ایہا نے اسے یاد دلایا۔ وہ چپ ہو گئی۔
عون آیا تو ثانیہ نے اسے خالی فریج کھول کے دکھایا۔ کچن کی ساری درازیں' سارے خالی کیبن دکھائے اور عون بے چارہ ایہا کے سامنے اس کنجائی پر یوں شرمندہ ہو رہا تھا جیسے اس سارے میں اسی کا قصور ہو۔
"اور اس دوست کی تعریف میں تم زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہو۔" ثانیہ نے طنز کیا۔
"مجھے تو اس صورت حال کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ میں ضرور اس سے پوچھوں گا۔ اس کی مذمت کروں گا۔" عون شرمسار تھا۔ ثانیہ تڑخی۔
"معاف کرنا ویسے تمہارے دوست کو مذمت کی نہیں بلکہ مرمت کی ضرورت ہے۔"
"وہ... آئے تھے۔ مجھ سے پوچھا تھا' کسی چیز کی ضرورت تو نہیں...." ایہا نے مجرمانہ انداز میں کہا تو عون نے فخریہ انداز میں ثانیہ کو دیکھا' مگر وہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔
"اللہ کے ہی کیا رکھا ہے یہاں جو مزید لانے کا پوچھ رہے تھے۔ ضروریات زندگی بھی پوچھنے کی چیز ہے؟ غضب خدا کا۔ انہیں کھانا کھاتے ہوئے بھی خیال نہیں آیا کہ یہ بے چاری کیا کھا رہی ہوگی۔" ثانیہ کو واقعتاً" معیز پر بہت غصہ تھا۔
"اچھا۔ تم تمام چیزوں کی لسٹ بناؤ۔ میں خود لا کے دیتا ہوں۔ معیز سے بھی بات ہو جائے گی۔" عون نے شرافت سے کہا۔ اور پھر وہ دونوں بیٹھ کر فریج اور کچن میں بھری جانے والی چیزوں کی لسٹ بنانے بیٹھ گئے۔
اگلے دو گھنٹوں میں عون تمام سامان لا چکا تھا اور ثانیہ نے ایہا کے ساتھ مل کے اسے ٹھکانے لگا دیا تھا اور جب وہ دونوں جانے لگے تو وہ ثانیہ کے ہاتھ تھام کے رو دی۔
"مجھے زندگی میں اچھے لوگ بہت کم ملے ہیں اور ان میں میری ماں اور امتیاز انکل کے ساتھ آپ بھی شامل ہیں۔" ثانیہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔
"تم بے فکر رہو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کھاؤ پیو اور جان بناؤ۔ تب ہی حالات کا مقابلہ کر سکو گی۔"
"اور یہ اتنا خرچا...؟" وہ ہچکچائی ____ جتنا سامان وہ دونوں خرید کے لائے تھے' وہ ہزاروں کا تھا۔
"وہ آپ اپنے دیور کی طرف سے تحفہ سمجھ لیں۔" عون نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا۔
"دیور نہیں بھائی۔" ثانیہ نے طنز سے لقمہ دیا۔ تو وہ برجستہ بولا۔
"ہاں۔ بھائی اور بھابھی کی طرف سے۔"
اس نے اپنی اور ثانیہ کی طرف اشارہ کیا تو ثانیہ کا چہرہ پل بھر میں رنگ بدل گیا۔
ایہا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کزن شپ کا تو اسے پتا تھا مگر یہ بھائی بھابھی والا سلسلہ۔
"اچھا۔ اب موبائل آف مت ہونے دینا۔ میں کال کرتی رہوں گی۔"
ثانیہ نے بدقت تمام موضوع بدلا۔ تو ایہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گاڑی کے مین روڈ پہ آتے ہی وہ بھی "اسٹارٹ" ہو گئی۔
"میں نے تم سے کہا تھا کہ ہر بات میں نکاح نامے کو مت گھسیٹا کرو۔ اور یاد ہے نا تم نے کیا کہا تھا؟" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔
"یہی کہ اب ہم اچھے دوست ہیں۔" عون نے مسکراہٹ دبائی۔ پھر بھولی بن سے بولا۔
"اچھے دوست میاں بیوی بھی تو ہو سکتے ہیں۔"
"مگر میاں بیوی اچھے دوست نہیں ہو سکتے۔" وہ برجستہ بولی۔
"تم آزماؤ تو سہی۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔
"آزمائے ہوئے کو کیا آزمانا۔" وہ بڑے اطمینان سے طنز کرتے ہوئے بولی۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔ پھر وہ بولا۔
"تایا جان کی طرف سے نازیہ کی شادی کا کارڈ آیا ہے۔"
"ہوں۔ امی بھی بتا رہی تھیں۔ اور ادھر بڑی خالہ کی طرف بھی آیا ہے۔" ثانیہ نے بتایا۔
"موقع تو اچھا ہے پھر سے رابطے استوار کرنے کا۔" عون نے رائے دیتے ہوئے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ گویا اسے بھی اظہار رائے کا موقع دیا ہو۔
"ہوں...." ثانیہ نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بے چین سا ہوا۔
"میں کسی اور نظریہ سے بات کر رہا ہوں۔"
"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" ثانیہ نے آرام سے کہتے ہوئے شانے اچکائے۔
تایا جان یعنی ثانیہ کے بڑے ماموں کی تیسرے نمبر کی بیٹی ارم (جو نازیہ سے چھوٹی تھی) عون کو بہت پسند کرتی تھی۔
بلکہ جب عون نے ثانیہ سے شادی سے انکار کیا تو متبادل کے طور پر ارم ہی کا نام دیا تھا۔
"اس دیہاتن سے بہتر ہے کہ ارم ہی سے میری شادی کرا دیں۔"
اور عون کے انکار کے ساتھ یہ اعلان بھی خاندان بھر میں خوب اچھلا۔ حالانکہ تایا جان کی فیملی کے ساتھ تعلقات بالکل ختم تھے۔ مگر فتنہ پرور قسم کے رشتہ داروں نے اس بات کو خوب پھیلایا اور ظاہر ہے کہ تایا جان کی فیملی تک بھی بات پہنچی ہوگی۔
"بعض لوگوں کی دور کی نظر کمزور ہوتی ہے اور بعض کی قریب کی۔ تم کیوں نہیں سوچ لیتیں کہ تمہارے معاملے میں میری قریب کی نظر کمزور نکلی۔"
عون خفگی سے بولا تو مثال بھی الگ ہی ڈھنگ کی تھی۔

"ہاں۔ میں نے سوچ لیا ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ پھر اضافہ کیا۔
"تب ہی تو دکھ بھی زیادہ نہیں ہوا۔"
عون لب بھینچے سامنے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی ثانیہ کا رویہ بہت روکھا اور تکلیف دہ ہونے لگتا تھا۔ اسے لگتا وہ ضبط کھو دے گا مگر۔
"عون...... وہ دیکھو۔ معیز بھائی کے ساتھ گاڑی میں۔ وہ خوبصورت سی لڑکی کون ہے؟"
سگنل پہ گاڑی رکی تو اچانک ہی ثانیہ نے اس خاموشی کو جوشیلی آواز سے توڑا۔ عون چونکا۔ گاڑیوں کے ہجوم میں اس نے معیز کی گاڑی کو ڈھونڈ لیا تھا۔ اور اس کے ساتھ بے فکر اور بے تکلفانہ انداز لیے بیٹھی رباب۔
عون نے گہری سانس لے کر گرین سگنل پر نگاہ ڈالی اور گاڑی آگے بڑھادی۔ عون کی خاموشی پر حیرت کی بات تھی کہ ثانیہ بھی خاموش ہوگئی۔ عون نے اسے گھر کے باہر ہی ڈراپ کیا۔
"اندر نہیں آؤ گے؟" عموماً" وہ اسے پوچھا نہیں کرتی تھی۔ مگر آج پوچھا۔ اور یوں تو سر کے بل چل کے جاتا مگر آج انکار کر دیا۔
"نہیں۔ ریسٹورنٹ جانا ہے۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہوں۔ ٹیک کیئر۔" ایک نرم سی نگاہ اس کے صبیح و ملیح چہرے پر ڈال کر عون نے گاڑی آگے بڑھادی۔ اور اس ایک نگاہ میں جانے کیسا فسوں تھا کہ وہ دور تک اس کی جاتی گاڑی کو دیکھتی رہی۔

☼ . ☼ . ☼

وہ بہترین ڈریسنگ کے ساتھ بے حد فریش اور پرجوش تھی۔
معیز نے نہ صرف رات اسے وشنگ میسج بھیجا بلکہ آج اسے لانگ ڈرائیو کے بعد ڈنر بھی کروانے والا تھا۔ اور ابھی جب آتے ہوئے اس نے راستے میں گاڑی روکی تو جگہ تقریباً" سنسان ہی تھی۔ اور پھر ایک خوبصورت اور نازک سی ڈائمنڈ کی انگوٹھی اس نے رباب کے سامنے کی تو اس کا چہرہ اپنی فتح کے احساس سے تمتما اٹھا۔ یا شاید معیز کی شکست کے احساس سے۔
اس نے بڑے ناز سے اپنا ہاتھ معیز کے سامنے پھیلا دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کو انگوٹھی پہنانے لگا۔ رباب نے از خود رفتگی کے عالم میں آگے ہو کر اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔
معیز لمحہ بھر کو تو حیران ہی رہ گیا مگر پھر شاید وہ بھی لمحوں کی گرفت میں آنے لگا۔
معیز نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ پرفیوم اور شیمپو کی مہک اس کی سانسوں کو معطر کرتی ذہن کو دھندلا رہی تھی۔ مگر رباب کی نسبت وہ حواس میں تھا۔
"اوکے...... لیٹس گو فار اے لانگ ڈرائیو۔" نرمی سے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ اور رباب کا دل اس مسکراہٹ میں کہیں کھو گیا۔
ایک بہترین لانگ ڈرائیو کے بعد وہ دونوں ڈنر کے لیے ہوٹل آئے تھے۔ معیز نے ایک مینو کارڈ اسے تھمایا۔ وہاں خوشیوں کا ڈیرا تھا۔ مسرتوں کے گلاب کھل رہے تھے۔ وہ دونوں مینو ڈسکس کر رہے تھے جب کوئی ایک دم سے ان کی ٹیبل کے قریب آیا۔
"ہیلو ڈیر......"
ان دونوں نے بے اختیار آنے والے کو دیکھا۔ معیز کی آنکھوں میں حیرت تھی جبکہ رباب خوف و پریشانی کا شکار ہو گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز، زارا اور ایزد۔ صالحہ امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ، الھڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی، نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی ممتازیہ کے ورغلانے پر مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہو تا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً آ جاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد ایبہا کو کراچی میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور ضغیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب ابیہا کی کلاس فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹورنا کا گریٹ والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس گم ہو جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماں جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں، زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سرپٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید تپ جاتی ہیں۔ معیز ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے، جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد، ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور میں اسے اپنا پراسرار رازکھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتاتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے اگر وہ پہلے اس نکاح پر راضی نہیں تھا تو اب۔ پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم ریحانہ کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ زارا اور اس کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملتے ہی ابیہا ثانیہ کو فون

کرتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف ناظر ہونے پر میڈم حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے مگر ثانیہ ایبہا کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر صفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سیٹ زارا اور ارزا انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ایبہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ شناتی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد و نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

۱۲
بارہویں قسط

معیز تو آنے والے کو دیکھ کر ابھی حیران ہی ہوا تھا کہ یہ حیرانی اگلے ہی لمحے ناگواری اور ہلکے سے غصے میں بدل گئی۔

مگر رباب تو بھک سے اڑی تھی۔

وہ سفیان حمیدی تھا۔ عرف نام میں سیفی۔ رباب کی زبان گنگ تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بے تکلفی سے بیٹھ رہا تھا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر مسٹر معیز۔" اس کا روئے سخن معیز کی جانب ہوا جس کی رنگت مارے ضبط کے سرخ پڑ رہی تھی۔

"مگر میرے جذبات تم سے بالکل مختلف ہیں۔" وہ پھنکارا۔

"ارے تو تمہارے متعلق پہلے بھی اچھی نہیں تھی مگر اس طرح میرے پرسنلز میں گھس کر تم اتنی گراوٹ کا مظاہرہ کرو گے اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

معیز نے کوئی تکلف یا مروت نبھائے بغیر مزید خشک لہجے میں اس کی بدتہذیبی کا احساس دلایا تھا۔ رباب ابھی تک دم سادھے بیٹھی تھی۔ اسے لگتا تھا ابھی سیفی اس سے مخاطب ہو کے ہوا۔

"ارے یار! ہم جیسے تنہائی کے مارے تو تم جیسوں کی محفلیں ڈھونڈنے پھرتے ہیں۔ ہم پہ کیا ناراضی۔"

وہ ایک اچٹتی نگاہ کرسٹل کا مجسمہ بنی رباب پر ڈالتے ہوئے بے تکلفی سے یوں بولا جیسے معیز سے ماضی میں جانے کتنے اچھے تعلقات رہ چکے ہوں۔

"مگر میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے درمیان ایسے تعلقات ہیں کہ تم اتنی ڈھٹائی سے آ کر میری ٹیبل پہ بیٹھ جاؤ۔ یہ ہے ہو تاؤ۔"

معیز کے انداز میں سرد مہری کے ساتھ قطعیت بھی تھی۔ رباب کی رنگت معمول سے زیادہ سفید نظر آ رہی تھی۔

"اوکے۔" سیفی نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑی۔ رباب پہ ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور مخاطب جانے معیز کو کیا یا رباب کو۔

"لیکن تم سے بعد میں بات ضرور ہو گی۔" اس کے انداز میں تنبیہ تھی۔ وہ چلا گیا۔ رباب نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ قیامت ٹل گئی تھی۔

"بہت گرا ہوا ہے یہ شخص سدھرا جو میز آتے ہوں۔" معیز سلگ رہا تھا۔
"ارے... دفع کرو اسے... پبلک پلیسز پہ ایسے لوگ ملتے ہی رہتے ہیں۔" دفعتاً" رباب نے مسکراتے ہوئے ٹیبل پہ دھرے معیز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
"سارا موڈ خراب کر دیا خبیث نے۔ بزنس سرکل میں تو تھرڈ کلاس ہے ہی' ذاتی زندگی میں بھی آج ثابت ہو گیا۔" معیز نے سر جھٹکا۔
اسے دراصل سیفی کی جسارت پہ غصہ آ رہا تھا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ تھا اور سیفی اتنے آرام سے اس کی ٹیبل پہ یوں آ بیٹھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔
"چلو چھوڑو۔ جانے دو۔ اس بدتمیز شخص کے لیے تم اپنا موڈ کیوں خراب کر رہے ہو اور ہمارا ڈنر بھی۔"
رباب کی تو جیسے سانسیں بحال ہوئی تھیں اور اعتماد بھی۔
سیفی یقیناً" اسی کو دیکھ کر کھنچا چلا آیا تھا مگر صد شکر کہ اس نے رباب کو مخاطب کرنے اور شناسائی ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اس کو اپنی اس بدتمیزی کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔" معیز کا غصہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آ رہا تھا۔
اسے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا کہ پچھلا کچھ عرصہ اس بدقماش شخص کی وجہ سے اس پر کیسے قیامت بن کے ٹوٹا تھا' جب ایمن اس کے قبضے میں تھی۔
اسے دفعتاً" اپنے ہاتھ پر ہلکی سی ملائمت کا احساس ہوا تو وہ چونکا۔
رباب کا اس کی دی ہوئی انگوٹھی سے سجا ہاتھ اس کے ہاتھ کو نرمی سے سہلا رہا تھا۔ معیز ہلکے سے مسکرا دیا۔
رباب کے انداز میں ادا بھی تھی' دلکشی بھی۔ وہ دوسروں کو مسحور کرنے کا ہنر رکھتی تھی۔
"اب جلدی سے کھانا منگواؤ' بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ ناز سے بولی۔
اور جب تک وہ ویٹر کو اپنی اور رباب کی پسند کی چیزیں نوٹ کرواتا رہا' رباب دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے پورے ہال میں سیفی کی تلاش میں نظریں گھماتی رہی۔
اسے درحقیقت سیفی پر اب غصہ آ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ابھی وہ آفس پہنچ کر سیٹ پر بیٹھا اپنے پی اے کو کچھ ہدایات دے ہی رہا تھا کہ عون دندناتا ہوا اس کے آفس میں داخل ہوا۔ معیز نے اسے دیکھ کر مختصراً" بات کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ وہ کرسی کی پشت پر ہاتھ جمائے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
"میرا نہیں خیال کہ میں نے تمہارا کوئی بہت بڑا قرض دینا ہے جو تم یوں دشمنوں کی طرح مجھے گھور رہے ہو۔"
اسے ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے معیز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ یونہی منہ پھلائے بیٹھ گیا۔
"کیا ہوا... ثانیہ سے جھگڑا ہوا ہے؟"
"ہاں... اور اس بار وجہ تم ہو۔" وہ ترخ کر بولا۔
"میں...؟"
ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کرتا معیز بے حد حیرت کی زد میں آیا۔
"میں نے کیا کیا ہے؟ بلکہ میرا تو اس سے کسی بھی قسم کا رابطہ نہیں ہے۔" وہ بے اختیار بولا۔

"تمہارا تو شاید ان دنوں رباب کے علاوہ کسی بھی ذی روح سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔" عون کا طنز کرا تھا۔

معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ یوں اس کی ذاتیات میں دخل نہیں دیا کرتا تھا' چہ جائیکہ یوں رباب اور اس کے تعلق کو پوائنٹ آؤٹ کرنا۔

"کم نووی پوائنٹ عون! کیا مسئلہ ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ تھا اور عون اس سے بھی زیادہ۔

"تمہیں یاد ہونا چاہیے معیز! تمہارا کسی اور سے بھی بہت "قریبی" رشتہ ہے اور اسے تم گھر میں ڈال کے بھول چکے ہو۔" معیز کے اعصاب چوکنا ہوئے۔

وہ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچا۔

"یاد تو ایسا ہے کہ ہر وقت سر پہ سوار رہتا ہے کم بخت۔" اس نے دانت پیسے۔ پھر دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر مارتے ہوئے بولا۔

"مگر میں اسے بھولنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم یہ مت بھولو کہ وہ ایک انسان بھی ہے۔ جسے کھانے پینے اوڑھنے پہننے کی حاجت بھی ہے۔" اس کی بات کاٹ کر عون نے اونچی آواز میں کہا۔ معیز چپ ہو گیا۔ اسے یکلخت ہی اپنی بے حسی کا احساس ہوا۔

"جانتے ہو جب ثانی نے مجھے وہاں بلایا تو اس کے پاس کھانے اور پینے کے لیے پانی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔" عون کے اعصاب واقعی ایمہا کی حالت کا اندازہ کر کے متاثر ہوئے تھے۔

"میں نے کچھ چیزیں اس کے فریج میں رکھوائی تو تھیں۔" معیز نے کہنا چاہا۔

"ہاں۔ انڈے' دودھ اور بریڈ۔" عون نے تلخی سے کہا پھر طنزاً پوچھنے لگا۔

"ویسے تمہیں اگر ان تین چیزوں پہ زندہ رہنا پڑے تو صبح' دوپہر' شام کتنی بار کھا سکتے ہو اور کتنے دنوں تک؟"

"تو تمہیں اس نے اپنا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔" معیز نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"بالکل نہیں۔" عون نے قطعیت سے کہا۔ پھر بولا۔

"لیکن اگر بھیجتی بھی تو بالکل درست کرتی۔ میں تو ثانی کے سامنے شرمندہ ہو رہا۔ ایسا بے حس دوست ہے میرا۔"

"اس زبردستی کے رشتے نے ہی مجھے بے حس بنایا ہے عون! اس سے کہہ دو اور تم بھی جان لو کہ مجھے اس میں زیرو پرسنٹ بھی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ بے اعتنائی سے بولا۔

"ویری ویل اور وہ جو انکل نے اس کا خرچا باندھا تھا' اس کا کیا کیا تم نے؟" عون نے بھی بالکل اسی کا سا انداز اپناتے ہوئے پوچھا تو لمحہ بھر کو وہ اپنی یادداشت کو کوس کر رہ گیا۔ اصولاً تو ایمہا کو گھر لاتے ہی اس ماہ کا بلکہ پچھلے کئی ماہ کا خرچا اس کے ہاتھ میں تھمانا چاہیے تھا۔

"جب سے انکل کی وصیت قابل عمل ہوئی ہے' تب سے اس کا خرچا بھی اسٹارٹ ہو چکا ہے مگر افسوس....." عون واقعی متاسف تھا۔

"او کے۔ مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے' میں آج اس کو رقم پہنچا دوں گا اور سرونٹ سے کہہ کر کچن کا سامان بھی۔ کام کی مصروفیت میں دھیان نہیں گیا میرا۔" معیز نے دامن چھڑانا چاہا۔

"تم صرف رقم بھجواؤ۔ باقی کا سامان میں اور ثانی لے آئے تھے۔" عون نے بغیر جتائے اسے بتایا۔

"اس پہ کتنا خرچ آیا...؟" معیز نے یوں پوچھا جیسے ابھی چکانا چاہتا ہو مگر عون نظر انداز کر گیا۔

"بحثوں کو دفع کرو معیز! یہ ایک جیتی جاگتی زندگی کا سوال ہے۔ وہ پہلے بھی تکلیف میں تھی اب بھی قابل رحم زندگی گزار رہی ہے۔"

"تو کس نے کہا ہے گزارنے کو۔؟" وہ بڑے زور دار انداز میں بولا تو انداز میں حجابی تھی۔

"میں نے اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے، جو چاہے فیصلہ کر لے میں طلاق دینے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

معیز کے انداز پر عون چپ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ کئی ثانیوں کے بعد وہ بول پایا۔

"میں نے تمہارا یہ سفاک روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا معیز! اور نہ ہی تمہیں کبھی اس فانے میں فٹ کر کے سوچا تھا۔"

"فار گاڈ سیک عون۔ میرے گھریلو مسائل کو ہماری دوستی کے درمیان مت لاؤ۔" معیز نے تیز لہجے میں کہا۔ مگر عون کا دل خدا نے کسی اور مٹی سے بنایا تھا۔ اس نے غلطی کی نوعیت سے معافی مانگنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کی اور اب اگر وہ اسے سزا دے رہی تھی تو وہ خندہ پیشانی سے جھیلنے کو تیار تھا۔

مگر معیز۔۔۔

وہ انا پرست دل کا مالک تھا۔ غلطی پہ غلطی کیے جانے والا۔ ایمہا سے شادی کرنا اگر ایک غلطی تھی۔ اول تو یہ غلطی ہی نہ کرتا اور اگر کر ہی لی تھی تو اب اسے سنوارنے کے بجائے بگاڑ دیا تھا۔

"اور اگر وہ اپنی مرضی کا فیصلہ کرے اور تمہارے گھر سے نہ جائے تو۔؟" عون نے اسے ایک ٹک دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا۔

"اسے جانا ہی پڑے گا۔۔۔ ہر جگہ ہر کسی کے لیے نہیں ہوتی۔" معیز کا انداز بے حد پرسکون تھا۔ جیسے وہ پہلے سے ہی بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کر چکا ہو۔ عون کا دل بو جھل ہو گیا اور معیز کے تاؤ دینے پر بھی نہیں رکا۔

❁ ❁ ❁

اور شام کو وہ دانت پیستا تلملاتا ہوا ایمہا کے سامنے موجود تھا۔

وہ ایک معصومانہ سے احساس سے لبریز قدرے اہتمام سے اپنے لیے شام کی چائے کے ساتھ دو سینڈوچ بنا کے ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی۔ آج پہلی بار اس انیکسی میں اس کے ہاتھ سے ٹی وی کے ریموٹ کو چھوا تو لاؤنج جیسے زندگی کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ جس کے احساس کو کم کرنے کے لیے اس نے بیرونی دروازہ کھول دیا تھا۔ مگر اسے قطعاً امید نہ تھی کہ معیز احمد یوں دندناتے ہوئے سر پہ آن کھڑا ہو جائے گا۔

"بہت خوب! میری زندگی برباد کرنے کے بعد یہاں جشن منایا جا رہا ہے۔" منہ سے لگا گرم چائے کا کپ چھلکتے چھلکتے بچا۔

ایمہا کی رنگت فق ہو گئی۔ اس نے بمشکل کپ کو میز پر رکھا۔ وہ عین اس کے سر پہ کھڑا ہوا تھا۔

"میری زندگی کو تو بربادی کے دہانے پہ ڈال ہی دیا ہے تم نے۔۔۔ اب اور کیا چاہتی ہو۔" وہ جیسے بڑے ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا مگر اس کے لب و لہجے کی تلخی کو ایمہا نے اپنی رگ رگ میں اترتا محسوس کیا۔

"میں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے۔؟"

"زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" معیز نے دانت پیسے۔ "مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ جب تمہاری ضروریات کا خیال نہیں رکھ پایا مگر میں اس روز آیا تھا۔ تم سے پوچھا بھی تھا کہ کچھ چاہیے تو نہیں پھر تم

نے اس معاملے میں عون اور ثانیہ کو کیوں انوالو کیا۔ ان سے مدد مانگ سکتی ہو' مجھ سے نہیں۔" اس کا لب ولہجہ شعلہ بار تھا۔

ایمہا نے معیز کو واسطہ پڑنے کے بعد سے ہمیشہ اسی طرح دیکھا تھا۔

شدید ترغصہ' ماتھے پہ تیوریاں اور لب ولہجہ شعلہ بار۔ وہ خود کو بدقسمت سمجھتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں مرد کا اچھا روپ دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب بھی اس کا دل بچے کی طرح کانپنے لگا۔ ہاتھوں پیروں سے گویا جان نکلنے لگی۔

چند لمحوں تک خاموش رہ کر معیز نے جیسے اپنے آپ کو ٹھنڈا کیا۔

"اگر میں تمہارا برا چاہتا تو کبھی تمہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کے یہاں نہ لاتا۔ مگر میں اپنے مرے ہوئے باپ کی آخری وصیت کو پورا کرنا چاہتا تھا۔"

معیز نے ہاتھ میں تھامی نوٹوں کی گڈی صوفے پر پھینکی تو وہ یوں بدک کر اٹھی جیسے اس کے پاس سانپ آگرا ہو۔

"تمہیں گھر بیٹھے اپنا حق مل رہا ہے گا فکر مت کرو۔ میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ تم میرے رشتوں کو خراب کرو۔" انگلی اٹھا کر غصیلے انداز میں کہتا وہ جیسے دندناتا ہوا آیا تھا' ویسے ہی چلا گیا۔

"یا اللہ۔" نوٹوں کی گڈی صوفے پہ پڑی اس کا منہ چڑا رہی تھی اور اس گڈی کے ساتھ ربربینڈ میں جکڑی ایک چیک بک۔ اس نے بے اختیار جھپٹتے ہوئے چیک بک کو نوٹوں سے الگ کیا۔

یہ اس کے اسی پرانے بینک اکاؤنٹ کی نئی چیک بک تھی' جو امتیاز احمد نے اس کے نام پہ کھلوایا تھا اور جس میں سے ہاسٹل اور کالج کی فیس ادا کرنے کے لیے وہ ساری رقم نکلوا چکی اور۔ جہاں سے اس کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا۔

اس نے گہری سانس بھری اور چیک بک کھول کر دیکھنے لگی۔

اسے ایک جھٹکا لگا۔

پچاس لاکھ۔

شاید اسے صفر گننے میں غلطی ہو رہی تھی۔

ایمہا نے آنکھیں بند کر کے بچوں کی طرح ان ہندسوں کو بار بار گنا مگر ہر بار وہ چھ صفر ہی تھے۔

اس کے ہاتھوں پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس نے بے اختیار چیک بک بند کر کے باہر سے دیکھی۔ وہ اسی کے نام پہ تھی۔

"یا اللہ۔" اس نے چیک بک نوٹوں کے پاس ڈال دی۔

اتنی رقم پا کر اس کا دل گویا دھڑکنا ہی بھول گیا تھا وہ تیزی سے اٹھی اور موبائل اٹھا کر ثانیہ کو کال کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

شام کی چائے پر خالہ نے اسے پھر سے عون کے حق میں کنونس کرنا شروع کیا تو ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

"آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں خالہ جان! سب ٹھیک جا رہا ہے۔" اس نے لپٹا لپٹایا جواب دیا مگر خالہ بھی بڑی صاف گو تھیں۔ تنک کر بولیں۔

"یہ تو جب تم خود ماں بنو گی تب پتا چلے گا کہ جب بچے ایک جائز بات نہ مانیں تو ماں باپ پہ کیا بیتتی ہے۔"

"لاحول ولا۔" ثانیہ کانوں تک لال پڑ گئی۔

"اے میں کہوں۔ اس معصوم بچے سے غلطی ہو ہی گئی ہے تو کیا اب اس سے ناک کی لکیریں نکلواؤ گی۔"

"معصوم بچہ۔۔۔ خالہ؟"

ثانیہ کا دل چاہا زور سے ہنسے 'مگر خالہ آج جس طمطراق کے عالم میں تھیں۔ اس میں مسکراہٹ بھی شاید انہیں سیخ پا کر دیتی۔ ہنسنا تو ممنوع ہی تھا۔

"ہم بات کر رہے ہیں خالہ! اور پھر ابھی تو میری جاب شروع ہوئی ہے۔" وہی تفصیل سے بھاگنے والا انداز۔

"ارے جاب کو ڈالو بھاڑ میں 'میں کہتی ہوں رخصتی کرو اور جا کے اپنا گھر بار سنبھالو' پھر ساری عمر یا نہیں کرتی رہنا۔" خالہ نے اسے گھورا۔

"خالہ جان پلیز! جب عون کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر آپ لوگ کیوں خوامخواہ ایشو بنا رہے ہیں۔" وہ ناراضی دکھانے لگی۔

"یہ تو اس کی محبت ہے 'جو وہ کوئی اعتراض نہیں کر رہا۔ اپنی غلطی مان رہا ہے۔ اس کے بندھے ہاتھوں کو پیار سے اپنے ہاتھوں میں لے لو گی تو وہ ساری عمر تم سے محبت کرے گا۔ یوں چھان پھٹک کے کاروبار ہوا کرتے ہیں بی بی! محبت نہیں۔۔۔ اور میری ایک بات یاد رکھنا! مرد اگر محبت سے جھکے تو اسے کاٹھ کا الو بنانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ پچھتانا پڑتا ہے پھر۔"

وہ چائے کا کپ اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف بھاگ آئی 'مگر خالہ کے تمام جملے کانوں میں پڑ ہی گئے۔

وہ تھکی ہی اور ٹھنڈی چائے پیتے پیتے سوچتے کڑھتی رہی اور کڑھتے کڑھتے سوچتی رہی۔

"اور جو ایک لڑکی کی انا کو ٹھیس پہنچی وہ۔۔۔؟"

وہ بچپنوں میں گھر گئی تو اس کا والہانہ استقبال ہوا 'مگر دادی۔۔۔

انہیں ہمیشہ یہی فکر لاحق رہتی کہ پڑھائی میں جتے رہنے سے کہیں وہ گھر کے کام کاج نہ بھول جائے۔

وسیع و عریض سے طرز کے بنے گھر کا صحن مختص دادی کی فرمائش پہ کچا رکھا گیا تھا۔ اطراف میں رنگا رنگ پھولوں کی کیاریوں کا اہتمام تھا تو شام ہوتے ہی کچے صحن میں پانی چھڑک کر اس کو لرنگا دیے جاتے اور سفید چادروں سے بچی چارپائیاں بچھ جاتیں اور یہ ثانیہ کا امتحان ہی ہوا کرتا تھا کہ دادی اسی سے ہر بار صحن میں مٹی اور پھوس کی لپائی کروایا کرتی تھیں۔

ثانیہ کو اچھی طرح یاد تھا اور وہ بھول بھی کیسے سکتی تھی۔

جس روز عون نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا۔

مٹی سے لتھڑے ہاتھوں اور چہرے پہ مٹی کی چھینٹوں کے ساتھ فرش کی لپائی کرتی ثانیہ نے اسے یوں منہ اٹھائے صحن میں قدم رکھتے اور پھر اسکیٹرز کی طرح سلپ ہو کر عین صحن کے وسط میں خود کو سنبھالتے دیکھا تو ہنسی آنے کے بجائے اسے غصہ آیا۔ اس نے سارا صحن ہی کھود ڈالا تھا۔

وہ خوب چیخی چلائی۔

"دادی۔۔۔ دیکھ لیں آپ۔ میں اپنا کام کر چکی اور اب دوبارہ ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ اتنی محنت پہ آکے موصوف نے "پاؤں" پھیر دیا۔"

یہ ثانیہ تھی اور عون کو جب پتا چلا کہ "یہ" ثانیہ تھی۔ تو وہ وہاں محض ایک رات ہی رکا۔ اگلی صبح وہ وہاں سے نکل بھاگا اور پھر اس نے اس شادی کو نبھانے سے انکار کر دیا۔

بچپن کا وہ نکاح جس نے ثانیہ کو ایک ان دیکھی ڈوری سے باندھ رکھا تھا۔ یکلخت ہی جیسے کچا دھاگا بن گیا۔

بچپن سے لے کر اب تک ثانیہ کے رشتے کے طلب گار رشتہ داروں نے عون کے اس انکار کو خوب اچھالا۔ ثانیہ کے گھر پہ آکے دادی 'امی اور ابا کو برے بھلے کہے اور ساتھ ہی عون اور ارم کی پسند بدگی کا قصہ زبان زد عام ہوا۔

اور اب۔۔۔

ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

وہ لمحوں میں برسوں کا فاصلہ طے کر آئی تھی۔ کیا وہ عون جیسے جلد باز اور عجلت پسند شخص پہ اعتبار کر سکتی تھی!؟ وہ عون کو اسی انکار کی کسوٹی پہ پرکھتی تو جواب ہمیشہ نفی میں آتا تھا۔

ثانیہ نے بلا ارادہ اپنا موبائل فون اٹھایا۔ ان باکس عون کے گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ میسجز سے بھرا ہوا تھا اور دن میں جب بھی بقول اس کے ''تم یاد آتی ہو تو میسیج کر دیتا ہوں۔''

ٹچ اسکرین پہ حرکت کرتا اس کا انگوٹھا ایک میسیج پہ ٹھہرا۔

''کبھی تم ہو نہیں سکتے
کہ جس سے تم کو نفرت ہے
تمہیں تسلیم کرتا ہوں
ضرب سی دل پہ لگتی ہے!''

''ہنہ۔۔۔ جمع۔۔۔ جمع ہونے کے لائق تم نے چھوڑا ہی کہاں ہے ہم دونوں کو عون عباس!'' وہ سلگی۔

اسے اپنا دل راکھ کا ڈھیر لگتا تھا مگر یہ سلگتا؟ وہ ٹھٹک جاتی۔ تو کیا کوئی چنگاری ابھی باقی تھی۔ مگر وہ کھوج نہیں کرتی تھی یا شاید کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بے دلی سے موبائل ایک طرف ڈالا ہی تھا کہ وہ بج اٹھا۔

ثانیہ نے چونک کر موبائل اٹھایا اور ایمان کا نمبر دیکھ کر فوراً کال اٹینڈ کرلی۔

''کیسی ہو دوست؟''

سلام دعا کے بعد ثانیہ نے خوشی سے پوچھا۔

''ٹھیک! ویل۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟''

اس کا لہجہ مدھم تھا۔ ثانیہ کی مسکراہٹ سکڑی۔

''ہوں۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم بتاؤ۔ کیسے حالات جا رہے ہیں؟''

''پتا نہیں۔ آج معیز آئے تھے۔ بہت غصہ کیا۔'' وہ اٹکی۔ ثانیہ چونکنا ہوئی۔

''کیوں۔۔۔ کس بات پہ غصہ کیا انہوں نے؟''

''یہی کہ میں نے اس معاملے میں آپ لوگوں کو کیوں انوالو کیا اور یہ جو گھر کی چیزیں منگوائیں ان پر۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''ہاں۔ تو تم تمہیں سو دفعہ منگواؤں گی۔ ان کا کیا خیال ہے کہ تمہیں یوں بھوکا پیاسا مار کے اپنا راستہ صاف کرلیں گے۔''

ثانیہ نے تیز لہجے میں کہا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''نہیں، نہیں۔۔۔ وہ تو مجھے ڈھیر سارے روپے دے کر گئے ہیں اور ساتھ میں میرے اکاؤنٹ کی چیک بک بھی۔ اس میں پچاس لاکھ روپے ہیں میرے نام۔''

''تو کون سا احسان کیا ہے تم پر۔'' وہ متاثر ہونے کے بجائے بے اعتنائی سے بولی۔

''یہ پچاس لاکھ وہی ہیں جو انکل نے تمہارے لیے وصیت کیے تھے اور باقی تمہارا ماہانہ دس ہزار کے حساب سے خرچا ہے۔ وہ بھی انکل کی وصیت کے مطابق۔ ورنہ یہ موصوف تو نان نفقے کی ذمہ داری سے مبرا ہیں۔''

''مگر میں اتنے پیسوں کا کیا کروں گی ثانیہ۔۔۔؟'' وہ اتنی لاچاری سے بولی کہ ثانیہ کو ہنسی آگئی۔

"اپنے گھر کو سنوارو... شاپنگ کرو بیوٹی سیلون کے چکر لگاؤ۔ جاب نہیں چلے گا کہاں گئے۔"

"مجھے ان روپوں کی کوئی خوشی نہیں ہے ثانیہ! غم ہے تو یہ کہ کہیں وہ مجھے ٹھکرا نہ دیں۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔

ثانیہ سنجیدہ ہو گئی۔ "کسی سے یک طرفہ محبت کرنا اور اس کے ساتھ زبردستی بندھے رہنا ذلت کے سوا اور کچھ نہیں دیتا ایمہا!"

"محبت... تو نہیں ہے... وہ میرے شوہر ہیں۔" ایمہا لڑکھڑائی۔

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتی تھی پیا! ابھی محبت کا کوئی چکر نہیں ہے۔ معیز کا رویہ اور حالات تم دیکھ ہی رہی ہو۔ میری مانو تو وقت پہ کوئی اچھا سا فیصلہ کر لو۔" ثانیہ نے بڑی محبت سے اسے سمجھایا۔

"جن کی شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ کون سا پہلے سے آپس میں محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو وقت گزرنے کے ساتھ کا عمل ہے۔" ایمہا نے سادگی سے اپنا مطمع نظر پیش کیا۔ وہی... کسی ایک ہی کا ہو کر رہنے کی چاہت۔

"لیکن ان کے درمیان نفرت کا بھی رشتہ نہیں ہوتا ایمہا۔" وہ کہے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

ایمہا خاموش ہو گئی۔

"اچھا... اللہ حافظ..."

لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے رابطہ منقطع کر دیا تو ثانیہ کو افسوس ہوا۔

ابھی شاید اتنی گہری باتوں کا وقت نہیں آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سفینہ بڑی بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ جب سے ایمہا اس گھر میں آئی تھی ان کا بی پی ہائی رہنے لگا تھا۔

زارا ان کے لیے چائے لائی تو وہ متفکر تھیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا آرام کریں اور آپ واک کیے جا رہی ہیں۔"

زارا نے سائیڈ ٹیبل پہ چائے کا کپ رکھتے ہوئے خفگی دکھائی تو وہ اپنے بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے تلخی سے بولیں۔

"آرام اب رہا ہی کہاں ہے زندگی میں۔ بھلا ہو تمہارے باپ کا۔ عدت بھی سکون سے گزارنے نہیں دی مجھے۔"

"لاحول ولا... "ماں کی بنا سوچے بولنے والی عادت نے زارا کو گڑبڑا دیا۔ "کیا کیا سوچتی رہتی ہیں آپ۔"

"میں نے بہت کچھ سوچ لیا ہے۔ پہلے تو اس سے اس گھر کا حصہ واپس ہتھیانا ہے۔ اس کے بعد اسے دھکے دے کر یہاں سے نکالنا ہے۔" ان کی آنکھیں چمکیں۔

"مگر وہ حصہ واپس دے گی کیوں؟"

زارا نے محض ماں کا دل رکھنے کی خاطر موضوع میں دلچسپی لی۔ ورنہ اتنے دنوں سے وہ لڑکی انیکسی میں رہ رہی تھی اور کسی کو پتا بھی نہ تھا۔ ساری عمر بھی رہتی تو شاید اس گھر کے اندر اس کی آواز تک داخل نہ ہو سکتی۔

مگر یہ تو سفینہ جانتی تھیں کہ وہ کن انگاروں پہ لوٹ رہی تھیں۔ ان دیکھے سناظر کے وہ ذہن پر جا بجا گردش کرتی رہتیں تو امتیاز احمد کو خوب کوسنے دیتیں۔

"امتیاز احمد کی ملکہ کو اس گھر کی ماسی نہ بنایا تو نام بدل دینا میرا۔"
وہ پُراسرار انداز میں بولیں تو زارا نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ عون کے ساتھ ڈنر کے لیے آتو گئی مگر شدید جھنجلاہٹ کا شکار تھی۔
وہ بست ڈرتے ڈرتے اسے لینے گیا۔ کیا پتا اب کی بار وہ جیلی کون سا روپ بنائے ساتھ چل پڑتی۔ مگر کاٹن کے دیدہ زیب کڑھائی والے سوٹ میں ملبوس وہ سرتاپا ایک دلکشی کے حصار میں تھی۔
منہ پھلائے وہ فرنٹ سیٹ پہ آبیٹھی۔ بنا عون عباس کی جگمگاتی نگاہوں کا احساس کیے۔
وہ ہلکا پھلکا سا مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پہ آبیٹھا۔ نازک سا پرس گود میں رکھے۔ سینے پہ دونوں بازو لپیٹے وہ ونڈ اسکرین کو گھور رہی تھی۔ عون ٹھٹکا۔
"کیا ہوا۔ یہ غبارہ کیوں ساتھ لے آئی ہو؟"
"کون سا غبارہ؟" وہ چونک کر بولی۔ مسکراہٹ دباتے ہوئے عون نے بیک ویو مرر کا رخ اس کی طرف کیا تو اسے غصہ آگیا۔
عون ہنستے ہوئے مرر سیٹ کرنے لگا۔
"بالکل غبارے کی طرح منہ پھلا کے بیٹھی ہوئی ہو۔"
"خاموشی سے گاڑی چلاؤ اور جہاں مجھے لے جانا ہے' لے جاؤ۔ ورنہ خوامخواہ موڈ خراب ہوں گے۔" وہ تنک کر بولی۔
عون نے گہری سانس بھرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ وہ ہوٹل میں بھی جھنجلائی ہوئی تھی۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے سب کا۔ کوئی بھی نہیں جارہا تو ہم دونوں کو کیوں بھیجا جارہا ہے۔"
"اوف" عون معاملے کی تہ تک پہنچا۔ یہ نازیہ خالو کی شادی کا معاملہ تھا۔ جس کے لیے طے پایا تھا کہ عون اور ثانیہ کو بھیجا جائے تاکہ خیرسگالی کے طور پر دونوں گھروں میں سے نمائندگی ہوجائے۔
"کم آن یار۔ مزا آئے گا۔ میں تو سوچ کر ہی ایکسائیٹڈ ہو رہا ہوں۔"
وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس نگاہ کا احساس اسے شرما دیتا۔ یا کم از کم وہ بھی جذبات کی اس انتہا پر آجاتی جہاں اس پل عون عباس کھڑا تھا۔
مگر یہ ثانیہ تھی۔ لفظوں کی ٹھوکروں سے سب بکھرا دینے والی۔
"ہاں۔ تم ہو سکتے ہو۔ تمہارا ننھیال بھی ہے۔ مگر میرے لیے وہاں کیا ایکسائٹمنٹ ہوگی۔"
وہی۔ سید سالار مولا نہیں۔ بظاہر ثانیہ نے اچکا کر سادگی سے کہا۔
"میری ایکسائٹمنٹ یہ ہے کہ ہم دونوں باضابطہ ایک حیثیت سے اس شادی میں شریک ہونے جارہے ہیں۔"
عون نے اسے جتایا تو وہ بدبولی۔
"وہ حیثیت جس کا تعین ہونا باقی ہے۔"
عون نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا اور آرام سے بولا۔ "تمہارے لیے ہوگا۔ میں جانتا ہوں تم میری کیا ہو اور میرے لیے کیا ہو۔"
وہ تڑکی بہ تڑکی زبان چلانے والی وہ ساتن تھی۔ بڑھی لکھی ہی سہی مگر عون کے لفظوں کے جنانوں نے اس کی پلکوں

کو لمحہ بھر کے لیے بو جھل کرگیا۔
رخساروں کی لالی وہ چھپا نہ سکی تھی۔
"بچھوای..." اس کے لب لرزے اور اوپری ہونٹ کے خوب صورت خم نے بے اختیار عون کی نگاہ کو جکڑا۔
اس کے ہونٹوں پہ پیاری سی مسکراہٹ مچل گئی۔
"یو آر مائی بیسٹ فرینڈ۔ اور دوستوں کے ساتھ ٹرپ کی انجوائے منٹ تو تم بھی جانتی ہوگی۔" ایک پل میں وہ بات گھما کر اس کا اثر زائل کر گیا تھا۔
"مگر یہ ایک ہفتے کا ٹرپ ہے عون! میں کسی کے گھر جا کے اتنے دن نہیں رہ سکتی۔ اوپر سے بڑی ممانی کی طنزیہ گفتگو۔" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"کاٹنے کی فکر ہوگی۔" وہ بے اختیار بولا۔ پھر ثانیہ کے گھورنے پر جلدی سے کہا۔
"تمہیں بھی تو اس "علم" پر عبور حاصل ہے نانی جان کی طرح۔"
"تم پلیز۔ کسی طرح مجھے ساتھ لے جانے سے انکار کر دو۔" ملتجیانہ انداز میں بولی۔
"میں کسی بھی طرح تمہیں ساتھ لے جانے سے انکار نہیں کر سکتا۔ تم میرے ابا کو میرے جتنا نہیں جانتیں۔" عون نے جھرجھری لے کر خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی۔
"یہ سب تمہارا ہی رچایا ہوا ڈراما لگتا ہے مجھے۔" ثانیہ نے کانٹا اٹھا کر عون کے بازو میں چبھویا اور جواباً" اس نے اتنی زور سے "آہ" بلند کی کہ ثانیہ نے کانٹا ٹیبل پر رکھ کر بے اختیار لبوں کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔
کئی گردنیں ان کی طرف مڑی تھیں اور اب عون کے ہنسنے پر ثانیہ کو غصہ آ رہا تھا۔
"کانٹا تھا' تلوار تو نہیں کہ یوں چیخے تم۔"
"اتنی زور سے جو چبھویا بلکہ گھونپا تھا تم نے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔
"غلطی ہو گئی۔ مجھے یہ چھری استعمال کرنی چاہیے تھی۔" ثانیہ نے چھری اٹھا کر اسے دھمکایا تو وہ مسکرا دیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے انداز سے بولا۔
"تم چھری اٹھاتیں تو میں اپنا دل نکال کے پیش کرتا۔"
اس کی نگاہوں نے لحہ بھر ہی ثانیہ کی نگاہ کو جکڑنے کی گستاخی کی مگر ثانیہ کا دل گویا کسی نے زور سے مٹھی میں دبوچ کے پھر آہستہ آہستہ چھوڑا تھا۔ وہ نگاہ پھیر گئی۔
"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ میری بیسٹ فرینڈ کے لیے۔" گہرے سبز رنگ کا مخملی ڈبا ثانیہ کی طرف دھکیلتے ہوئے مسکرایا۔
"مجھے دوستوں سے گفٹ لینے کی عادت نہیں ہے عون! پلیز مائنڈ مت کرنا۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔
"تمہیں مجھ جیسا دوست ملا ہی کہاں تھا پہلے۔ مجھے بہت عادت ہے دوستوں کو گفٹ دینے کی۔" عون نے اس کی معذرت قبول نے سے انکار کر دیا تھا۔
وہ گہری سانس بھر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے یوں ہی ڈائننگ ہال میں لوگوں کو دیکھنے لگی۔
وہ بڑے سکون سے اسے دیکھتا اس کی توجہ کا منتظر تھا۔ پھر وہ جھنجلا کر آگے ہوئی اور ہاتھ بڑھا کر وہ کیس اٹھا لیا۔
"مجھے یہ سب پسند نہیں ہے عون! جن انجرز جیسی حرکتیں۔" وہ انتہا درجے کی بے مروتی تھی۔
"شکر ہے تم نے "جیپ" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کھول کے دیکھو' یہ ڈبا گفٹ نہیں کیا میں نے۔ اس کے اندر

بھی کچھ سبب۔"

وہ من سوچتی تھا۔ لمحہ بھر میں اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے پھر سے شاداب ہو جاتا۔

ثانیہ نے وہ کیس کھولا تو اس میں میرون اور سی گرین نگوں سے جڑی نفیس سی سونے کی چوڑی اور اس چوڑی سے منسلک باریک چین سے جڑی ایک نازک سی انگوٹھی۔ جس کا ایک نگ میرون تھا اور ایک سی گرین۔ وہ واقعی ایک نفیس گفٹ تھا۔

خود ثانیہ بھی اسے جیولر شاپ پہ دیکھتی تو خریدنا چاہتی۔

"یہ بہت قیمتی گفٹ ہے عون!" اس نے کیس واپس ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

"گفٹ کو قیمت کی نہیں جذبات کی بنیاد پہ رکھنا چاہیے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"اور انسانوں کو۔۔۔؟" ثانیہ نے طنز کیا۔ مگر وہ نظر انداز کر گیا۔

"اب تم یہ پہن رہی ہو یا میں خود اٹھ کے یہ کارنامہ بھی سرانجام دے لوں۔"

"میں رنگ وغیرہ نہیں پہنتی۔" وہ آنا کانی کر رہی تھی۔ شاید عون سے اتنا قیمتی گفٹ لینے میں ہچکچاہٹ مانع تھی۔

"فنگر میں نہ سہی، یہ تو پہننی چاہیے۔"

وہ بریسلٹ کو اشارہ کرتے ہوئے بولا تو ثانیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے وہ چوڑی اٹھائی اور کلائی میں ڈالنے لگی۔ انگوٹھی پہن کر جیسے اس کا سنگھار مکمل ہو گیا تھا۔

"ہوں۔ ویری نائس۔" عون نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے توصیفی انداز میں کہا۔

"اچھا۔ اب اصل بات پہ آؤ عون! میں اس شادی میں شرکت نہیں کرنا چاہتی۔" ثانیہ نے اس کی توجہ خود پہ سے ہٹانے کے لیے کہا۔

"شادی میں شرکت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ابا کہہ چکے ہیں اب میں تمہارے لیے منع کروں گا تو زیر عتاب آجاؤں گا۔"

ویٹر آگیا تھا۔

عون اسے اپنی اور ثانیہ کی پسند کی ڈشز نوٹ کرانے لگا۔ ایک بہترین ڈنر کے بعد وہ دونوں لانگ ڈرائیو پہ نکل گئے۔ گاڑی میں چلتا رومینٹک سا میوزک اور عون کی معنی خیز سی خاموشی ثانیہ کو اپنا دھیان کسی اور طرف لگانا دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔

"عون! اب گھر چلو۔" اس نے کہا اور عون نے شرافت سے گاڑی واپس موڑ لی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

ثانیہ نے گیٹ کے سامنے اتر کر پرس میں سے چابی نکالی۔ عون بھی نیچے اتر آیا۔

"میرے ساتھ اتنا خوب صورت وقت بتانے کا شکریہ۔"

"مگر آئندہ کبھی میں اتنے لیٹ نائٹ کے لیے نہیں جاؤں گی۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ صبح میرا آفس ہے۔" وہ اسے وارن کر رہی تھی۔

"اور یہ کہ آج تم بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔" عون کی جسارت۔۔۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ثانیہ کے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے کیا تھا۔ ثانیہ کی تو جیسے سانس تک رک گئی۔

"اچھا۔ اب گھر جاؤ سیدھے۔ ماموں جان سے ڈانٹ مت کھانا۔"

اسے اس پل عون کے سامنے کھڑے ہونا دنیا کا مشکل ترین کام لگا۔ پلٹ کر جالی لگا کر دروازہ کھولنے لگی۔ پھر پلٹ کر اسے ہاتھ ہلا کر الوداع کہا اور اندر چلی گئی۔
عون کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بہت سرشار سا پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

رباب نے اس روز کے بعد سفیان حمیدی کی کوئی کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔ اسے درحقیقت سیفی پر بہت غصہ تھا۔ مگر آج پانچویں روز وہ اسے اچھی طرح تڑپانے کے بعد نک سک سے تیار اس کے آفس آپہنچی۔
وہ اسے دیکھ کر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔
"واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ میں تو تم سے رابطے کی امید ہی کھو بیٹھا تھا۔" اس نے گرم جوشی سے رباب سے ہاتھ ملایا۔ وہ سن گلاسز بالوں پر اٹکاتی اس کے عین سامنے بیٹھ گئی۔
"تمہیں امید کھو ہی دینی چاہیے تھی۔ یہ تو میری مہربانی ہے کہ پھر سے تمہیں لفٹ کروا دی۔" ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ تن کے بیٹھی بہت مغرور دکھ رہی تھی۔
سیفی کا دل پہلو میں لوٹ کر رہ گیا۔
(ایک دفعہ یہ میڈم کے "آستانہ" میں داخل ہو جائے تو بس…)
"ناراض ہو گیا؟" وہ دلبری سے پوچھنے لگا۔
"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" رباب نے تیکھے انداز میں ابرو اچکایا۔
"ناراض تو شاید مجھے ہونا چاہیے۔ تمہارے سامنے اس شخص نے میری اتنی انسلٹ کی۔ مجھے محفل سے اٹھا دیا اور تم خاموشی سے دیکھتی رہیں۔" وہ شکوہ کناں انداز میں بولا۔
"کسی کی بھی فیملی کے درمیان یوں گھس کے بیٹھ جانا میرز کے خلاف ہے سیفی! اگر وہ تمہاری فیملی میں یوں گھس کے بیٹھتا تو تم بھی یہی کرتے۔" رباب نے بے اعتنائی سے کہا تو وہ چونکا۔
"فیملی…"
"کزن ہے میرا اور بہت اچھا دوست بھی… مگر شاید وہ تم سے میری دوستی کو پسند نہیں کرتا۔" رباب نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔
"ہاں… شاید…" سیفی نے اتفاق کیا۔ "ہمارے بزنس ٹرمز بھی کچھ خاص اچھے نہیں ہیں۔"
"لیکن آئندہ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔" رباب نے انگلی اٹھاتے ہوئے اسے وارن کیا۔
"تم پر نظر پڑتے ہی میرا دل بے قابو ہو گیا تھا سویٹ ہارٹ! میں خود کو روک ہی نہیں پایا۔" وہ اٹھ کر چلتا ہوا اس کی کرسی کی پشت پر آگیا۔
اور اس سے پہلے کہ رباب کچھ سمجھ پاتی سیفی نے جھک کر اسے اپنے بازو کی گرفت میں لیا۔ رباب نے اس کا چہرہ اپنے رخسار سے مس ہوتا محسوس کیا تو وہ جیسے کرنٹ کھا گئی۔
"یو نو… آئی لو یو سو مچ۔" وہ مخمور انداز میں بولا مگر رباب کے وجود میں تو جیسے ایک بھونچال سا آگیا۔ ایک جھٹکے سے اس نے سیفی کا بازو پیچھے دھکیلا۔
"واٹ نان سینس… کیا بکواس ہے یہ…" وہ غصے سے بلبلا اٹھی۔
"کم آن ڈیئر!" وہ اسی رو میں تھا۔ رباب اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اسٹاپ اٹ سیفی! تم جانتے ہو مجھے ایسی حرکتیں پسند نہیں، پھر بھی تم نے…" وہ شدید غصے اور اشتعال کی

کیفیت میں تھی۔ چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

"دو دن کی دوستی نہیں ہے ہماری رباب۔"

وہ مزید بحث وقت کے موڈ میں تھا۔ رباب کا دل گھبرانے لگا۔ ایسی صورت حال کے متعلق تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ یہاں آنے کی غلطی پر پچھتانے لگی۔

"سیفی پلیز۔ مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔ جب تک کہ ہمارے درمیان کوئی مضبوط رشتہ نہیں بن جاتا۔"

وہ اسے طریقے سے ہینڈل کرنا چاہتی تھی۔ سو اپنے غصے کو پس پشت ڈال کر قدرے نرمی سے بولی تو وہ معنی خیزی سے کہنے لگا۔

"مضبوط رشتہ بنانے کی شروعات ہی تو کر رہا ہوں۔ اتنے دنوں کے گیپ کے بعد ملو گی تو جذبات میں ایسا ابال تو فطری بات ہے۔"

"اوفوہ اچھا۔ چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔ تمہارا دماغ بھی کچھ ٹھنڈا ہو اور جذبات بھی۔"

وہ فوراً" دروازے کی طرف بڑھی۔

ادھر تو یہ حال تھا کہ نماز بخشوانے آئی تھی اور روزے گلے پڑ گئے۔ مگر رباب نے بہرحال یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اب سیفی سے پیچھا چھڑا ہی لے گی۔

☼ ☼ ☼

معیز نے جب جب اپنی لاپروائی کے متعلق سوچا اسے خود پر افسوس ہی ہوا۔

اس قدر بے حسی اس کی سرشت میں شامل نہیں تھی مگر حالات اسے اس نہج پر لے آئے تھے کہ دل ایمہا سے ہمدردی پر آمادہ ہوتا بھی تو دماغ اسے رد کر دیتا تھا۔

اس کا جی چاہتا تھا کہ اسے کہیں سے جادو کی چھڑی مل جائے جسے گھما کر وہ وقت کو پھر سے پیچھے لے جائے جہاں وہ ایک مکمل بے فکر اور خوش باش انسان تھا۔

اب تو ذہن پہ دھرا بوجھ کسی پل مکمل کے خوش ہونے ہی نہیں دیتا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایمہا والا معاملہ کس طور پار لگے گا۔ اس نے ایمہا سے کہہ تو دیا تھا مگر وہ انجکسی میں بیٹھے بیٹھے تو کسی کو پسند نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ خود۔ تو کیا تو جیہہ پیش کرے گا لڑکے والوں کو؟

وہ سوچتا تو الجھتا ہی چلا جاتا۔ اس کی ذہنی پراگندگی بڑھنے لگتی۔

اسے سراسر ایمہا قصوروار دکھائی دیتی۔ اسی کی وجہ سے وہ اپنی زندگی مکمل کر ہی نہیں پا رہا تھا۔

اور رباب۔

ہاں۔ رباب ایک ایسا روزن تھی جس سے زندگی کی تازہ ہوا آنا شروع ہوئی تھی۔ وہ شدت پسند تھی۔ جذبوں کے اظہار میں لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہ تھی۔

اور اتنا ہی صاف گو کبھی معیز احمد بھی ہوا کرتا تھا۔ مگر اب جانے کیا قفل لگا تھا اس کے ہونٹوں پر۔ رباب کے لیے دل میں بہت خاص جذبات رکھنے کے باوجود وہ کھل کر اس سے اظہار نہیں کر پایا تھا۔

اور اس سب کی قصوروار ایمہا مراد ہے۔ وہ طے کر چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا۔ اپنا دھیان رکھنا اور ہاں۔ کسی کے ساتھ زیادہ ہوشیاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی کچھ بولے بھی

تو بنا تلا جواب بنتا۔"

باہر آتے ہوئے بھی خالہ جان کی نصیحتیں اور فہمائشیں جاری و ساری تھیں۔

"وہاں جا کر اپنے آپ ہی میں مگن نہ رہنا۔ عون کا بھی دھیان رکھنا۔"

وہ جو شاید قسم کھا چکی تھی کہ ان نصیحتوں کے جواب میں کچھ نہیں بولنا۔ چیخ گئی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آپ کے بھتیجے کا خیال رکھنے والے وہاں بہت ہیں۔"

"خبردار۔" خالہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے ہو۔ کوئی تیسرا نہ سنوں میں۔"

وہ منہ پھلائے باہر آگئی۔ عون اس کا سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھنے لگا۔

"اللہ کی امان میں میرے بچے۔ ہم سب کی طرف سے بہت مبارک باد پہنچانا اور اس سرپھری کا دھیان رکھنا۔"

خالہ جان نے عون کی بلائیں لیتے ہوئے آخر میں کہا تو ثانیہ کے منہ کے زاویے بگڑتے دیکھ کر اسے ہنسی آگئی۔

انہیں ایئرپورٹ جانا تھا۔ عون نے ایئرپورٹ تک رینٹ پہ گاڑی لی تھی۔ ڈرائیور ساتھ ہونے کی وجہ سے ثانیہ کو اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ مگر ایئرپورٹ پہنچ کر مل گیا۔

"میں نے کہا تھا تم سے میں نہیں جاؤں گی۔"

"اوفوہ بس چپ۔۔۔ ابھی گڑیا کو جہاز کی سیر کروائیں گے۔"

عون نے جیسے چند سالہ بچی کو پچکارا تھا۔ ثانیہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔ عون نے دل پہ ہاتھ رکھا۔

"اف۔۔۔ بہت قاتلانہ انداز تھا۔ بندہ جان سے بھی جا سکتا تھا۔ خیال کیا کرو تھوڑا۔"

"ہمبسلف۔۔۔" بے اختیار غصے سے کہتے وہ جانے کیا خیال آنے پر زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

"لف۔۔۔ یعنی لفنگے۔۔۔؟"

وہ مزے سے پوچھ رہا تھا۔ ثانیہ نے پاؤں پٹخے اور میگزین میں منہ دے لیا۔

"میں کسی طور وہاں نہیں جانا چاہتی تھی عون!" جہاز اپنی پوری بلندی پر تھا' جب آنکھیں موندے عون نے ثانیہ کی مدھم آواز سنی۔

"میں اس ذلت کو وہاں دہراتے ہوئے نہیں سننا چاہتی' جو تم نے مجھے ریجیکٹ کر کے لوگوں کے لبوں کو بخش دی تھی۔" عون نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور چہرہ موڑ کر ثانیہ کو دیکھا۔

وہ بہت دل گرفتہ اور شکستہ لگی۔

"مگر میں تمہارے ساتھ وہاں ضرور جانا چاہتا تھا۔ ان سب کو تمہارا اصل مقام بتانے کے لیے۔" عون کا لہجہ بہت نرم تھا۔

ثانیہ لب کچلتی کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"اب بس بھی کرو۔ تمہارا تو بار سنگھار ہی مکمل نہیں ہو رہا۔"

نیلم نے ارم کے ہاتھ سے لپ گلوز چھینتے ہوئے طنز کیا تو وہ لہرا کر بڑے انداز سے بولی۔

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موج ہوا کے ہاتھ میں ان کا سراغ ہے

"ان کا۔۔۔ یعنی ان دونوں کا۔۔۔" نیلم نے اپنا میک اپ کا سامان سمیٹنا شروع کیا۔

"جی نہیں۔۔۔ مجھے تو صرف عون کا انتظار ہے۔ باقی سب گند بلا ہے۔ اس سے مجھے کیا سروکار۔" ارم نے ہونٹوں کو سکیڑ کر آئینے میں دیکھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"منکوحہ ہے وہ عون بھائی کی۔ جسے بیوی بھی کہہ سکتی ہو تم۔" نیلم اس سے دو سال چھوٹی تھی مگر دونوں یوں لڑائی جھگڑا میں جیسے ہم عمر ہوں۔ یوں بھی ارم کی خود پسند طبیعت کی وجہ سے نیلم کی اس سے کم ہی بنتی تھی۔

اب بھی طنزاً "اسے یاد دہانی کرائی۔

"ہنہ۔۔۔ مگر وہ صرف مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ یاد ہے نام سب کو۔۔۔" وہ بڑے غرور سے سر اٹھا کے بولی۔

وہ بہت خوب صورت نہ تھی مگر ہر تین ماہ بعد نیا ہیر اسٹائل ڈیزائنر کے کپڑے اور پارلر کے چکر اس کی دلکشی کو کسی حسینہ کی طرح برقرار رکھتے تھے

"خدا جانے کیا بات تھی اور ہمارے ہاں کس انداز میں پہنچی۔ تم اب اس چکر سے نکل آؤ۔" نیلم نے اسے آئینہ دکھایا۔

"چھ سال بعد مل رہے ہیں۔ تم دیکھنا! عون عباس میرے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گا۔" ارم اترائی۔

"جی۔۔۔" نیلم کا دل بے زار ہوا۔ "اچھا سوچو گی تو ہی اچھا ہوگا ورنہ ویسے بھی وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے آ رہے ہیں محترمہ۔۔۔!"

"مجھے پکی خبر ملی ہے۔ ثانیہ اس شادی کے لیے بالکل بھی راضی نہیں ہے۔ عون کے انکار اور مجھ سے شادی کے اعلان نے اسے عون کی نظروں میں اس کی حقیقت اور حیثیت بتا دی ہے۔"

وہ دوپٹے کو لہرا کر گھومی۔

نیلم کا سر چکرانے لگا۔

"پتا نہیں خوش فہمیوں کے کون سے پہاڑ کھڑے کر رکھے ہیں تم نے۔ بلکہ غلط فہمیوں کے۔ نیچے آؤ گی تو ہی حقیقت پتے گی تمہیں۔"

"حقیقت تو اب سارا زمانہ دیکھے گا۔" وہ کسی ان دیکھے منظر کا تصور کر کے گدگداہٹ محسوس کرتے ہوئے کھلکھلائی تھی۔

اسی وقت ڈور بیل بجی۔

"عون آ گیا۔۔۔" وہ جوش سے بولی۔ نیلم اس کا مسرت سے گلابی پڑتا رنگ دیکھ کر رہ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر ہوا کے جھونکے کی مانند باہر کو بھاگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"وہ سب ماضی کی باتیں تھیں۔ اب کون عون اور کہاں کا عون۔" عون نے آنے سے پہلے ثانیہ کو باور کرایا تھا۔

مگر جب کھٹاک سے گیٹ کھلا تو پھولی سانسوں اور گلابی پڑتی رنگت کے ساتھ وہ ارم فراست علی ہی تھی۔ جو صاف لگ رہا تھا کہ بھاگتے ہوئے دروازہ کھولنے آئی ہے۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس کا انداز پُر مسرت تھا۔ ثانیہ نے معنی خیز نظروں کے ساتھ عون کو دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا تو وہ خفیف سا مسکرا کر جھکتے ہوئے سامان اٹھانے لگا۔

"آپ بیٹھیں۔ میں ملازم کو بلاتی ہوں۔"
"تو گیٹ کھولنے کو کوئی ملازم نہیں تھا؟" عون نے ثانیہ کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔
"چوکیدار ہے نا۔ میں نے ہی اسے روکا تھا۔ اتنے سالوں کے بعد آنے والے مہمان کو تو خود ریسیو کر کے پروٹوکول دینا چاہیے نا۔" وہ پہلے سے زیادہ صاف گو ہوگئی تھی یا پھر منہ پھٹ۔
خوب صورت تنا ٹکڑے سے سجی روش کے دونوں اطراف سرسبز لان کو مسرت سے دیکھتی ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"مہمان نہیں مہمانوں کو۔" عون نے سنجیدگی سے اسے ٹوکتے ہوئے ثانیہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"جی بالکل۔"
وہ لاپروائی سے کہہ کر ملازم کو سامان اٹھانے کا اشارہ کرنے لگی۔
اندر سب نے دونوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ تایا جان اور فاران تو آفس میں تھے' جبکہ کاشان سے ملاقات ہوگئی۔ باقی نازیہ' ہنیلم اور تائی جان بھی بہت اچھے طریقے سے ملیں۔
"اوہ۔ نازی سولی؟" عون نے اسمارٹ اور خوش شکل سی نازیہ کو دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔
عون کے بے تکلفانہ انداز پر ثانیہ نے گہری سانس بھر کے تائی جان کی طرف رخ موڑا جو اس سے کچھ پوچھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

بیڈ روم کا اے سی جانے کب سے کام نہیں کر رہا تھا۔ انیکسی شاید زیادہ استعمال میں نہیں رہتی تھی۔ اسی لیے کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔
ان حبس کے دنوں میں ایمان نے یہی حل نکالا کہ دھوپ جانے کے بعد لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول دیتی۔ بیڈ روم کی کھڑکی کھول کر پنکھے چلا دیتی۔ نہانے کے بعد ابھی بھی وہ گرمی سے گھبرا کر کچن میں گئی اور ٹھنڈا ٹھار جوس بنا کر ابھی لاؤنج تک پہنچی ہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ یو پی ایس کا انتظام تو تھا نہیں البتہ جب کوٹھی کا جنریٹر آن ہوتا تو انیکسی کی لائٹ کی فراہمی شروع ہو جاتی' جبکہ کوٹھی میں یو پی ایس کی سہولت بھی موجود تھی۔ وہ تحمل سے وہیں کھڑی جنریٹر آن ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ جو اے سی چلانے کے لیے انہیں آن کرنا ہی پڑتا تھا۔
ایک' دو' تین۔
اس نے سیکنڈ گننے شروع کیے۔
اسی وقت اسے محسوس ہوا جیسے اس کی پنڈلی کو کسی نے چھوا ہو۔
وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ٹھنڈا جوس اس کے کپڑوں پر چھلکا۔
اسی وقت ایک غراہٹ کی آواز آئی اور ایک زندہ وجود اس سے آٹکرایا۔ گرم اور نرم سا لمس۔
وہ زوردار آواز میں چیخی۔ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا اور وہ یوں ہی چیختے ہوئے باہر کی طرف بھاگی۔ اس کا دل مارے خوف کے جیسے پھٹنے کو تھا۔ گاڑی کا دروازہ لاک کر کے اندر بڑھتے معیز کے کانوں سے اس کے چیخنے کی آواز ٹکرائی تو وہ بے اختیار اسی جانب لپکا۔ کھلے بکھرے بال اور ایک شانے سے لٹکتا دوپٹا جو اس کے قدموں کے ساتھ گھسیٹتا آ رہا تھا۔

"کیا ہوا......؟"

معیز نے پریشانی سے پوچھا تو وہ روتے ہوئے بے اختیاری جیسے سہارا پا کر اس کے شانے سے آ لگی۔

"وہ...... وہاں اندر...... کوئی ہے۔ کوئی اندھیرے میں ٹکرایا تھا مجھ سے۔"

وہ خوف زدہ و سراسیمہ تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو معیز ہرگز اسے یوں قریب نہ آنے دیتا مگر اس وقت تو اس کی بات سن کر معیز کے اعصاب تن گئے تھے۔

"کوئی ملازم......؟"

اس نے نرمی سے ایہا کو پیچھے کیا۔ وہ سرتاپا لرز رہی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

جنریٹر آن ہو چکا تھا۔ انیکسی روشن تھی۔ وہ محتاط سا اندر داخل ہوا۔ لاؤنج میں پنکھا چل رہا تھا مگر وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ اسی وقت دو بلیاں ایک دوسرے کے پیچھے غراتے ہوئے باہر کی طرف بھاگیں تو وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔

اگلے روز نہ صرف معیز نے اے سی ٹھیک کرایا بلکہ یو پی ایس کا کنکشن بھی کروا دیا۔

"اب باہر کا دروازہ بند رکھنا۔"

وہ اسے جاتے ہوئے کہہ گیا تو ایہا اس سے نظر بھی نہیں ملا پائی۔ اپنی بے اختیاری وہ بھول نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اور بھئی۔ تمہاری شادی کب ہو رہی ہے؟"

نانی جان نے متجسس انداز میں عون سے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔ مگر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ثانیہ نے بے اختیار کہا۔

"فی الحال تو نہیں۔ میں جاب کر رہی ہوں۔"

عون کو اس کا اس طرح بولنا اچھا نہیں لگا۔ مگر وہاں موجود ارم کے دل کو سکون ضرور ملا۔

یعنی خبر درست ہے۔ ثانیہ راضی نہیں رخصتی پر۔

"آئیں۔ آپ کو آپ کا کمرا دکھا دوں۔" ارم نے بطور خاص عون کو مخاطب کیا تھا۔

"ہاں بیٹا! سفر سے آئے ہو آرام کر لو۔ یہاں تو کل سے فنکشن اسٹارٹ ہو جائے گا۔"

نانی جان نے لگاوٹ سے کہا۔

"اور بیٹی کا آرام......" ثانیہ کے دل میں کھلبلاہٹ ہوئی۔ اسے اپنا خیال آیا تھا۔

"چلو ثانی......!" عون نے اٹھتے ہوئے ثانیہ سے کہا تو اس کا دل سکون سے بھر گیا۔

"ہیں۔ تم دونوں کیا ایک ہی کمرے میں رہو گے؟"

نانی جان نے جس طرح ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھ کے حیرت سے پوچھا ثانیہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی۔ اپنے چہرے سے نکلنے والی تپش کی لپٹیں وہ اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔

اوپر سے تینوں بہنوں اور ان کی دو خالہ زادوں کی ہنسی مگر عون کا انداز بہت سنجیدہ اور عام سا تھا۔

"ثانیہ بھی میرے ساتھ ہی سفر سے آئی ہے۔ اس کا کمرا بھی ارم نے ریڈی کروا دیا ہو گا۔ یہ بھی جا کے ریسٹ کر لے گی۔"

"ہوں۔۔۔ہاں بہو۔" تائی جان نے گڑبڑا کر بیٹیوں کی طرف دیکھا۔

"یہ میرے ساتھ روم شیئر کرلے گی۔ چلو ثانیہ تمہیں بھی کمرا دکھاتی ہوں۔"

ارم نے بڑی نزاکت سے جواب دیا تو ثانیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔

اس کے دل کی کیفیت کو اس کے چہرے سے متفکر عون ہی جان پایا تھا۔ ارم کے ساتھ ایک کمرے میں رہنا ثانیہ کے لیے جنتے بھر کا امتحان تھا۔

وہ گہری سانس بھرتا ان دونوں کے پیچھے چل پڑا۔

☼ ☼ ☼

وہ خوف زدہ تھی۔

بہت خوف زدہ۔ تب ہی دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ ایپہا نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔

دروازے پر معیز احمد کھڑا تھا۔

وہ مسکرایا تو ایپہا کی مشامِ جاں معطر ہوگئی۔

"آج پھر ڈر گئی ہو۔۔۔؟"

اس کا انداز معنی خیز تھا۔ ایپہا شرما سی گئی اور واپس پلٹی۔

مگر اس کے دوپٹے کا کونا معیز کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہلکے سے جھٹکے سے رکی مگر مڑ کر نہیں دیکھا۔

"میرے ہوتے ہوئے کس بات کا ڈر۔۔۔؟" وہ اس کے بالکل قریب تھا۔

اتنا قریب۔۔۔ جتنا کہ دو دن پہلے۔۔۔

معیز کی سانسوں کی تپش اس نے اپنے رخساروں پر محسوس کی تو ہڑبڑا سی گئی۔

وہ جھٹکے سے اٹھی تو پسینے میں شرابور تھی۔

خواب۔۔۔ وہ کئی لمحوں تک بیٹھی بے یقینی سے غور کرتی رہی۔

اسی وقت دروازہ زور سے بجا اور اس کے بعد بیل بھی بجا دی گئی۔

وہ تیزی سے اٹھ کر بھاگی۔ دروازے تک پہنچتے تک اس کا سانس تیز تر ہوگیا تھا اور دوپٹا پیروں میں ایک طرف سے لٹک رہا تھا۔

اس کے ذہن میں وہ خواب تر و تازہ تھا۔

اس نے لاک کھول کر جھجکتے ہوئے آہستہ سے ناب گھما کر دروازہ کھولا تو سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس کی رنگت پل بھر میں زرد پڑ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ۔ ان شاءاللہ)

عفت سحر طاہر

جو مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ابیہا۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول' امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی ہے۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دل برداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا ہے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھاتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کر لیتی ہے۔ وہ فوراً" آ جاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو ان کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ایبہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد ایبہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب ایبہا کی کلاس فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ایبہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ایبہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کر پاتی ہے نہ اکیڈمی کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ایبہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور اکیڈمی چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ان کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں زور زبردستی کرکے ایبہا کو بھی غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ایبہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ایبہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز ایبہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر ایبہا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان ضرب تکرار چل رہی ہے۔

میم ایبہا کو سیفی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش فری ہوتا ہے۔ ایبہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ایبہا کے بالکل مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ایبہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً سیفی بھی اسی وقت ایبہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ایبہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ایبہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ایبہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ایبہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد، ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور تبھی اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتاتا ہے کہ ایبہا اس کے نکاح میں ہے مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب۔ پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم و حنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ایبہا کا سودا معیز احمد سے طے کر دیتی ہے مگر معیز کی ایبہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملتے ہی ایبہا ثانیہ کو فون

کرتی ہے۔ ثانیہ ہوئی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف ناخیر دار نے میڈم حنا کو ہوٹل پارلر پہنچا دیتی ہے مگر ثانیہ ابیہا کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز حسیب زارا اور ابرو انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد و نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

۱۳
تیرہویں قسط

وہ کڑھ کڑھ کر سوچتی اور سوچ سوچ کر کڑھ رہی تھی۔ اسے عون کے ساتھ اسلام آباد آنے پر ہزار مرتبہ افسوس ہو رہا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ ممانی جان کی ذہنیت کیا ہے۔ اور وہ ارم وہ سوا ان ہی پر پڑی تھی۔

کینہ پرور، خود پسند اور خود غرض۔

اسے اگر علم ہوتا کہ اسے یہاں آکر ثمرہ بھی ارم کے ساتھ شیئر کرنا پڑے گا تو وہ وہاں عون کی منتیں کرنے کے بجائے خود سب کے سامنے بدتمیزی سے ہی سہی ٹھکرا جاتی اور اسلام آباد آنے سے انکار کر دیتی۔

اسے رہ رہ کر وقت کے ہاتھ سے نکلنے کا احساس ہوتا۔ وہ گھنٹوں کی نیند کے بعد وہ فریش تھی۔ جب نیلم اسے چائے کے لیے بلانے آئی۔

سفید رنگت لیے خوش شکل سی نیلم اور شاید خوش گفتار بھی۔ پہلے جب یہ لوگ کراچی میں تھے تب نیلم چھوٹی سی تھی۔ ثانیہ کا واسطہ نازیہ اور ارم سے زیادہ پڑا تھا۔ نازیہ چونکہ بڑی تھی اس لیے اس نے بھی ثانیہ نامی کزن کو کوئی خاص لفٹ نہیں کرائی۔ ہاں مگر ممانی جان اور ارم کو ثانیہ سے خاص طور پر کینہ تھا۔ عون عباس نامی کینہ۔

نیلم کے ہونٹوں پر خیر سگالی کی مسکراہٹ تھی مگر ثانیہ ان لوگوں سے دور۔ بچ کے ہی رہنا چاہتی تھی۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔

"آپ بہت چینج ہیں۔ آئی مین لگتا نہیں کہ کسی گاؤں میں رہتی ہیں۔"

نیلم شاید اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ثانیہ نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"کیوں... گاؤں میں انسان نہیں رہتے کیا؟" غصے میں تو وہ بقول عون "کڑوی دوائی" بن جایا کرتی تھی۔

"آپ نے مائنڈ کیا۔ سوری۔ میں تو آپ کی تعریف کر رہی تھی۔" اس کے سست روٹھے سے انداز پر نیلم کچھ کنفیوز ہوئی تو ثانیہ ٹھٹکی۔

ایک ثانیے کو اس کا سوال ذہن میں دہرایا تو خود ہی شرمندہ ہو گئی۔

وہ شاید سب ہی کو ایک لائن میں کھڑا کرنے کے چکر میں تھی۔ گناہ گار اور بے گناہ کا خیال کیے بغیر۔

"سوری۔ میں غلط سمجھی۔" ثانیہ نے فوراً ہی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو نیلم سر ہلا کر اس کے ساتھ لان میں چلی آئی۔

وسیع لان میں اس وقت ایک بھرپور محفل جمی ہوئی تھی۔ تایا جان اور فاران آفس سے آچکے تھے۔ گھر کے لوگوں کے علاوہ ارم کی دو خالہ زاد بھی موجود تھیں اور ایک ماموں زاد بھی۔ وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اسے نیلم کے ساتھ آتے دیکھ کر فطری طور پر خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے تو وہ اندر ہی اندر نروس نیس کا شکار ہونے لگی۔

"السلام علیکم ماموں جان!" اس نے پاس جا کر شائستگی سے تایا جان کو سلام کیا تو وہ کھڑے ہو کر ملے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہلکا سا شانے سے لگایا اور بس۔

اسے اپنی ماں کے بھائی سے اپنائیت کی کوئی مہک نہ آئی تھی۔

"یہ فاران بھائی ہیں۔ انہیں تو آپ جانتی ہی ہوں گی۔" نیلم نے تعارف کرایا تھا۔

ثانیہ نے فاران کو بھی سلام کیا جو اپنی کرسی پر ریلیکس سا نیم دراز کیفیت میں بیٹھا سینے پہ بازو لپیٹے دلچسپی سے اسی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو؟" گندمی رنگت والا خوش شکل سا فاران مگر ثانیہ کو اس کی اس قدر گہری جانچتی نگاہ پسند نہیں آئی تھی۔

"جی۔ اللہ کا شکر ہے۔" وہ مختصراً "کہہ کر قدرے کونے پر رکھی کرسی پر ٹک گئی۔

"کوثر نے بھی ساری عمر گاؤں ہی میں رول دی۔ زندگی بتانی نہیں آئی اسے تمام عمر۔"

یہ تائی جان کا بظاہر متاسفانہ مگر براہ راست حملہ تھا۔ ثانیہ کی امی یعنی اپنی نند پر۔

"جہاں والدین بیاہ دیں وہاں عمر گزارنا' زندگی بتانا ہی ہوتا ہے ممانی جان! اور امی نے تو دادی اور دادا جان کے ساتھ بہت بہترین وقت گزارا ہے' ان کی خدمت کر کے دعائیں لی ہیں۔" ثانیہ نے سنجیدگی سے ان کی بات کا جواب دیا۔

"چائے آئی ہے مگر یہ عون ابھی تک نہیں آیا۔ میں دیکھ کے آتی ہوں۔ ابھی تک ویسے کا ویسا ہی ہے۔ سست۔" نیلم کو چائے لاتے دیکھ کر ارم ناک چڑھا کر کہتی مسکرائی۔ کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔ مطلب کسی کو اس کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ثانیہ کے دل کی کیفیت عجیب سی ہوئی۔

یعنی۔ اب یہ عون کے کمرے میں جائے گی؟

"ثانیہ آپی! چائے۔" نیلم کے دوبارہ ٹوکنے پر وہ گڑبڑا کر متوجہ ہوئی۔

"تم لوگوں کا آنا بھی سر آنکھوں پر' مگر تم لوگوں کے ماں باپ کا رویہ بھی دیکھ رہا ہوں میں۔ رشتہ داری نبھانے والا کوئی انداز نہیں ہے ان کا۔"

تایا جان نے اخبار جھٹک کر سیدھا کرتے ہوئے کھردرے انداز میں کہا تو اپنی پلیٹ میں چکن رول رکھتی ثانیہ سیدھی ہو کر بیٹھی پھر بڑے سکون سے اپنے بڑے ماموں جان کی طرف متوجہ ہوئی۔

اس جیلی کو عون ہی اشارے سے چپ رہنے کا کہہ سکتا تھا۔ اب وہ نہیں تھا تو کون اس کی زبان بند کراتا؟

☆ ☆ ☆

فریش ہو کر چینج کرنے کے بعد وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلا رہا تھا۔ جب کھٹاک کی آواز سے ناب گھومی اور دروازہ کھلا۔

ارم کا مسکراتا ہوا چہرہ اندر آیا۔ آئینے میں دیکھتا عون گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"چائے ریڈی ہے مسٹر۔ تمہاری عادت نہیں گئی ابھی تک۔ کب تک یونہی انتظار کراتے رہو گے؟" ارم کے

انداز دوسروں کے سامنے کچھ اور تھے۔ تنہائی پاتے ہی وہ کھل کے سامنے آگئی تھی گویا۔

وہ برش ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے پلٹا۔

"ذرا واپس دروازے میں جاؤ۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"کیوں۔؟"

"جاؤ تو۔ کچھ بتانے والا ہوں تمہیں۔" وہ اسی انداز میں بولا تو ارم نا سمجھی کے عالم میں دروازے تک گئی۔

"اب ذرا اسے ناک کرو۔" عون نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ارم نے ہلکا سا دروازہ بجایا۔

"ہوں۔ یہ وہ طریقہ ہے جو کسی کے بھی روم میں آنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مس ارم فراست علی!" وہ طنز کر رہا تھا۔

ارم کھسیائی۔

"اب مجھ سے اتنی اجنبیت تو مت برتو عون! ہم بچپن کے فرینڈز ہیں۔"

"فرینڈز تو ہیں مگر اب بچپن نہیں ہے ارم!" وہ برجستہ بولا تھا۔

"اوہو! تم بھی نا۔ وہاں چائے پہ سب ویٹ کر رہے ہیں۔ مجھے بھی روک لیا ہیں۔" وہ بڑے ناز سے ٹھنک کر بولی۔

"ایکسکیوزمی ارم! میں آہی رہا تھا۔ نیلم مجھے چائے کا کہہ گئی تھی۔ تم نے ناحق زحمت کی۔"

عون نے اسے جتایا۔ جو اندھا ہو اس کا علاج تو کوئی کروا دیتا ہے مگر جو جان بوجھ کے اندھا بنے اس کا دوا دارو کچھ نہیں ہوا کرتا۔

ارم کا بھی یہی حساب تھا۔ وہ اسے ساتھ لینے آئی تھی' لے کر ہی ٹلی۔

☆ ☆ ☆

"یہ رشتہ داری نبھانے کا ہی انداز ہے ماموں جان! کہ ہم دونوں آپ کو اس شادی میں نظر آرہے ہیں۔ ورنہ ماضی کی تلخیوں کے بعد آپ کون سا اپنے بھائی اور بہنوں کو بذات خود بیٹی کی شادی میں انوائیٹ کرنے آگئے تھے۔ انہوں نے تو کارڈ کا بھی مان رکھ لیا۔"

لمحہ بھر کو تو سب ہی اس کی شکل دیکھتے رہ گئے۔ پھر گویا تائی جان کو ہوش آیا۔

"اللہ۔ یہ حال ہے آج کل کی پود کا۔ یعنی اب بڑے جائیں گے چھوٹوں کے تلوے چاٹنے۔"

وہ ناگواری سے بولیں تو لفظوں کے چناؤ میں اس قدر بے احتیاطی کر دی کہ شوہر نامدار کو انسانیت کے عہدے ہی سے جتا دیا۔ ثانیہ کا دل خراب ہوا۔

"ممانی جان! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا' لیکن ناراضیوں کے بعد منانے کا انداز جتنا دل موہ لینے والا ہو' اتنا ہی دوسرے کا دل صاف ہوتا ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"واہ بھئی واہ۔ ثانی کی سوچ بڑی اعلا ہے۔" پیچھے سے آکر اس کی کرسی کی پشت تھامتے عون نے گویا جھوم کر اس کی تائید کی تھی۔

"السلام علیکم تایا جان۔" وہ بہت گرم جوشی سے تایا جان سے ملا۔ فاران سے ملا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ ملنسار' گھل مل جانے والا۔

ثانیہ کی نگاہ بڑی۔ ارم بڑے پیار سے عون کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے چھلکتے چاہت کے جام اور لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ۔ ثانیہ کا دل اکتانے لگا۔ اس کا اس ماحول سے بھاگ جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

"یہ لو عون۔ ذرا شامی کباب چکھو۔ میں نے خاص اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔" ارم نے پلیٹ اٹھا کے عون کی طرف بڑھائی۔

"اس میں کیا خاص بات ہے۔ ہر کوئی اپنے ہاتھوں ہی سے بناتا ہے۔" عون نے اس کا مذاق اڑایا۔ نیلم زور سے ہنسی تو ارم نے اسے ہلکا سا گھور کے دیکھا۔

"تم سناؤ عون! آج کل کیا کر رہے ہو؟" نازیہ آپی نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

جانے وہ ان چھ سالوں میں واقعی بدل گئی تھیں یا پھر ہونے والی شادی نے ان کے اندر فی الحال نرم سا تاثر اجاگر کر دیا تھا۔

"کرنا کیا ہے۔ آپ کے چچا جان کا ریسٹورنٹ سنبھالتا ہوں۔" وہ بہت پرسکون سا بیٹھا تھا۔

مگر ثانیہ کڑی ٹینشن کا شکار تھی۔ اسے یہاں ہر چہرہ پر تاثر اجنبی لگ رہا تھا۔ تائی جان متاثر ہوتے ہوئے اشتیاق سے پوچھنے لگیں۔

"اچھا۔ تو تمہارے حوالے کر دیا عباس نے ریسٹورنٹ۔ کیسا چل رہا ہے؟"

"بہت اچھا تائی جان الحمدللہ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ فاران نے گہری نگاہ سے ثانیہ کا مضطرب چہرہ دیکھا پھر بہت اپنائیت سے بولا۔

"ارے ثانی! تم کیوں یونہی بیٹھی ہو۔ کچھ لو نا۔ یہ ڈونٹس چیک کرو۔ بہت ڈو فرنٹ فلیور ہے۔"

ثانیہ نے عون کو متوجہ ہوتے دیکھا تو وہ سنبھل کر ہلکا سا کھنکھاری پھر مسکرا کر فاران سے کہا۔

"تھینک یو فاران بھائی۔" وہ ڈونٹس اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھنے لگی۔

"بھائی...!" عون نے دل ہی دل میں دانت کچکچائے تھے۔

"آج ڈھولک رکھ رہے ہیں ہم۔ اب سے لے کر سات دن تک فنکشن ہوگا۔" نیلم پرجوش تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا اپنی دوستوں کو آخری تین دن کا بلاوا دینا۔ شروع کے دنوں میں صرف فیملی ہی ہوگی۔"

ارم نے اسے ٹوک دیا۔ نیلم نے منہ بنایا۔

"کہہ دیا ہے سب کو۔"

"اور ہاں فاران بھائی! عون اتنے سالوں کے بعد آیا ہے۔ دن کے ٹائم پکنک ہونی چاہیے روز۔"

ارم نے بڑے لاڈ سے فرمائش کی۔ ثانیہ نے طنزیہ نظروں سے عون کو دیکھا جو مجل سا ہو گیا تھا۔

"ہاں بھئی۔ گاڑی حوالے کر دوں گا جہاں جی چاہے لے جانا مگر میں اتنے دنوں تک آفس سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ ان دنوں مال کی ڈلیوری ہوتی ہے۔ میرا فیکٹری میں ہونا بہت ضروری ہے۔"

فاران نے خوش دلی سے اجازت دیتے ہوئے معذرت کی۔

"تھینک یو فاران مگر یار! ہم تو ہر سال گرمیوں میں مری ایوبیہ آنے والے لوگ ہیں۔ چپہ چپہ جانتے ہیں یہاں کا۔ ارم کی غلط فہمی ہے کہ میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

عون نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

"اوفوہ! تم بھی نا عون۔ بہت بورنگ ہو۔ اب سارا دن کیا یونہی گھر میں پڑے رہو گے؟" ارم نے تنک کر کہا تو وہ اطمینان سے بولا۔

''نہیں۔ ثانی کو یہاں کی سیر کراؤں گا۔ کیوں کہ یہ واقعی اسلام آباد پہلی بار آئی ہے۔''

''اف۔!'' ثانی کے تپتے سلگتے دل پہ ٹھنڈی سی پھوار پڑی مگر وہاں موجود کتنوں ہی کے دل جل کے راکھ ہو گئے۔

ثانیہ چپکے سے مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

اسے کوئی بھی نہ بتاتا تو وہ بوجھ لیتی کہ دروازے پہ بڑے کروفر سے کھڑی عورت کوئی اور نہیں بلکہ سفینہ امتیاز احمد تھیں۔

اس گھر میں آتے ہی ایمہا نے سفینہ کو دیکھا تھا۔ بے قابو ہوتی اسے لعن طعن کرتیں سفینہ اور یہ۔ نفیس سا لباس 'خوشبو میں اڑاتا وجود۔ نازک سی جیولری پہنے۔ وہ بیگم صاحب بن کے آئی تھیں۔

''اب پیچھے ہٹو گی یا بے وقوفوں کی طرح کھڑی منہ ہی دیکھتی رہو گی؟''

یہ تنفر بھرا لہجہ ان کے حلیے سے میل نہیں کھاتا تھا مگر اکثر چیزوں کی صرف پیکنگ ہی اچھی ہوتی ہے۔

ایمہا دروازہ کھول کے دیوار سے چپک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کسی ملکہ کے سے انداز میں اندر داخل ہوئی تھیں۔

ایمہا کا دل مارے پریشانی کے لرز رہا تھا۔ وہ گہری نظروں سے سارے ماحول کا جائزہ لیتی اب صوفے پر بڑے پُرتکلف انداز میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھ چکی تھیں۔

ایمہا ہونق سی دوسرے صوفے کی پشت پر ہاتھ جمائے کھڑی تھی۔

''آپ۔ چ۔ چائے پئیں گی۔'' سفینہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور حقارت سے بولیں۔

''میں یہاں تمہارے ساتھ بیٹھ کر پرانی یادیں تازہ کرنے نہیں آئی ہوں۔ یہ میرا گھر ہے۔ تم سے دو ٹوک بات کرنے آئی ہوں۔'' ایمہا سہمنے لگی۔ مردوں کے بدسے بدتر روپ وہ دیکھ چکی تھی۔ میڈم کے بعد آج ایک اور جنگ عورت سے اس کا پالا پڑا تھا۔

''میں صرف تم سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ امتیاز احمد نے نکاح کے بعد تمہیں یہاں لایا تھا۔ اب وہ نہیں رہا تو تم کس رشتے سے یہاں رہ رہی ہو؟'' وہ نخوت سے پوچھ رہی تھیں۔

''مجھے معیز یہاں لائے ہیں۔'' ہمت کر کے کہتے ہوئے ایمہا کی پلکیں بوجھل ہو گئیں۔

''وہ تو بے وقوف ہے۔ اسے کیا پتا ان باتوں کا مگر تم۔'' وہ تیز لہجے میں کہتے ہوئے رکیں۔ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا اور دوبارہ اسی انداز میں بولیں۔

''تمہاری ماں تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھی۔ تمہاری تربیت میں بھی چار چاند ضرور ٹانکے ہوں گے اس نے۔'' مارے ضبط کے اس کی رنگت لال پڑنے لگی۔

''خود تو یاری لگا کے مرضی کی شادی کر لی اس نے۔ تب اسے امتیاز احمد کی اچھائیاں نظر نہیں آئیں۔ پھر کیوں تمہاری دفعہ اسے امتیاز احمد ہی نظر آیا؟'' وہ برداشت کر کر کے تھک چکی تھیں۔ ارادہ تو کچھ اور ہی لے کر آئی تھیں مگر اس کی حسین صورت دیکھتے ہی پھٹ پڑنے کو بے تاب ہو رہی۔ ماں کے بارے میں کہے جانے والے لفظوں نے ایمہا کی سماعتوں میں گویا پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا تھا۔ اس کے بے اختیار آنسو بھر آئے۔

''ہم بہت برے حالات میں تھے۔ امی مرنے والی تھیں۔''

''تو مر ہی کیوں نہ گئی وہ۔ ایسا قدم اٹھانے سے پہلے ہی مر جاتی۔ میرے گھر پہ کیوں قیامت توڑی اس نے۔''

سفینہ نہیں کوئی ناگن پھنکاری تھیں۔

"روپیہ پیسہ' جائیداد۔ کچھ بھی مانگ لیتی۔ مگر یہ بے غیرتی تو نہ دکھاتی۔ جوان بیٹی کو آگے کر دیا۔" وہ اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی مگر اسے کوئی بھی سمجھانے والا نہیں تھا کہ ایبہا مرا ہے۔ مت رو۔ یہ دنیا روتے ہوؤں پر ترس کھانے والی نہیں ہے۔

"ابو۔ ابو۔ مجھے جوئے میں۔ اس لیے امی نے مدد مانگی۔" وہ ایک دفعہ پھر اپنا سیاہ ماضی دہراتے ہوئے اسی اذیت کا شکار ہو رہی تھی۔ بھلا کبھی باپ کا ایسا بھی رشتہ ہوا کرتا ہے بیٹی کے ساتھ ؟

"میرا شوہر ہی کیوں؟ اسے تو عادت تھی منہ مارنے کی۔ کسی اور کے پلے باندھ دیتی تمہیں۔" وہ گرجیں۔ ان کی آنکھوں میں مرچیں سی جل رہی تھیں۔

"کتنی بے غیرتی سے اس نے امتیاز احمد کو نکاح کا پیغام دے دیا۔"

"وہ مجبور تھیں۔" ایبہا کٹ کے رہ گئی۔ صالحہ نے تو اس وقت بس کسی بھی طریقے سے ایبہا کو بچانے کی کوشش کی تھی 'مگر خبر نہ تھی کہ یہ بات بار بار اس کی بیٹی کے منہ پہ ماری جائے گی۔

"وہ مجبور تھی اور پرائے محبوب کو بھی مجبور کر دیا اس نے۔" وہ پھنکار کر بولیں۔

"مگر کان کھول کے سن لو لڑکی! جس دولت اور جائیداد کے چکر میں تم یہاں آئی ہو وہ صرف میرے بچوں کا حق ہے اور امتیاز احمد کی بیوہ صرف میں ہوں۔" ایبہا خاموش کھڑی آنسو بہاتی رہی۔

"اس لیے جلد از جلد کہیں اور اپنے ٹھکانے کا بندوبست کرو۔ میں تمہیں ایک منٹ بھی یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ تنفر سے کہتی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایبہا کا حلق خشک تھا۔

"مجھے یہاں۔ معیز لائے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر۔" اس نے کہنے کی کوشش کی۔

"بس۔" وہ گرج کر اسے ٹوک گئیں۔ پھر انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"خبردار۔ خبردار! جو اتنے دھڑلے سے میرے بیٹے کا نام لیا۔ بے غیرت۔ میرے شوہر کو تو نگل گئیں۔ اب بیٹے پہ ڈورے ڈالنے کا پروگرام ہے۔"

"آنٹی پلیز۔!" وہ بے اختیار روتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئی اور ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ سفینہ نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔

"بے ہودہ۔ خبیث۔ میں کس حیثیت سے تمہاری آنٹی ہوئی ہوں۔" انہوں نے دانت کچکچائے۔

"بیوہ ہو تم امتیاز احمد کی اور میری سوکن۔" ایبہا کے آس پاس کوئی بم پھٹا تھا۔ اس نے بے اختیار چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے۔

مارے صدمے کے اس کے آنسو تھم گئے تھے۔ آنسوؤں سے بھیگا سرخ و سفید چہرہ اوس میں بھیگے گلاب کی مانند لگ رہا تھا۔ اتنے برے موڈ میں بھی سفینہ نے اس کے سحر طراز حسن کو بری طرح جل کر دیکھا تھا۔

"مم۔ میں۔ بیوہ نہیں ہوں آنٹی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بے اختیار بولی۔ سفینہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت مشکوک ہو۔

"میں۔ معیز کے نکاح میں ہوں۔ انکل نے ان ہی سے نکاح کروایا تھا میرا۔" سپید پڑتی رنگت کے ساتھ ایبہا نے بعجلت ان کی غلط فہمی دور کی۔

"میرے اللہ۔!" سفینہ کا سر چکرایا تو پوری دنیا ہی نظروں کے سامنے گھوم گئی۔

ایبہا بے بسی و حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

عون نے معیز کو اپنے جانے کی اطلاع محض میسیج کے ذریعے دی تھی۔ اسلام آباد جانے سے پہلے معیز سے ملنے نہیں آیا۔ شاید ایمہا والے معاملے پر اپنی ناراضی ظاہر کرنا مقصود تھا۔ ابھی بھی معیز ہی نے اسے کال کی تھی۔

"کیا حال چال ہیں؟" معیز نے ہینڈ فری کان میں ٹھونستے ہوئے خوش گوار گفتگو کا آغاز کیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"الحمد اللہ...... تم سناؤ۔"

"میں تو ٹھیک ہی ہوں۔ تم کس سلسلے میں اسلام آباد پہنچے ہوئے ہو؟" عون جوابا" ہنسا۔

"وہ بھی پورے ایک ہفتے کے لیے۔ ثانی بھی میرے ساتھ ہے۔"

"آہاں......" معیز مسکرایا۔ "ہنی مون پہ تو نہیں نکل گئے بیٹا! اور ہمیں خبر بھی نہیں۔" عون نے اب کی بار قہقہہ لگایا تھا۔

"وہ دن بھی ضرور آئے گا یار! فی الحال تو کزن کی شادی میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ سب میں یہی طے پایا کہ فیملیز کی نمائندگی مجھے اور ثانی کو کرنی چاہیے۔"

"ویری گڈ......" معیز نے سراہا۔ "اور محترمہ کے کیا حالات ہیں؟" وہ ثانیہ کے تاثرات پوچھ رہا تھا۔ عون نے گہری سانس بھری۔

"وہ تو آنے کو راضی ہی نہیں تھی۔ در اصل یہاں بھی اس کا دل جلانے کا کافی سامان موجود ہے۔"

"بی کیئر فل عون! جہاں تک میں اس کا پرابلم سمجھتا ہوں' وہ فقط تم سے تمہارے انکار کا بدلہ لے رہی ہے۔ معصوم سی ضد ہے اس کی۔"

"آئی نو...... تب ہی تو اس کے ہر موڈ کو سر آنکھوں پہ رکھتا ہوں اور بھابھی کی سناؤ۔ کیسی ہیں وہ؟" عون کے پوچھنے پر لمحہ بھر کو معیز کے اعصاب جھنجھنا سے گئے۔

"عون پلیز! اس ٹاپک کو رہنے دو۔ میں اپنی دوستی خراب نہیں کرنا چاہتا اور یہ بھابھی والی مت کہنا اسے آئندہ سمجھے۔"

"نو مائی معیز احمد! وہ خدا کی آزمائش بن کے تمہارے پاس آئی ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس آزمائش میں پورے اترتے ہو یا نہیں۔" عون نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس چیپٹر کو کلوز ہی سمجھو۔ وہ جب چاہے اپنی نئی زندگی شروع کر سکتی ہے۔"

معیز کے ارادے اٹل تھے۔

"وہ جن حالات سے گزر کے آئی ہیں' محبت سے ساتھ دو گے تو بہت قدر کریں گی۔ انسان دھکا دینے والے ہاتھوں کو تو بھول ہی جاتا ہے' مگر ہاتھ بڑھا کر سہارا دینے اور اٹھا کر کھڑا کرنے والے کو زندگی بھر نہیں بھولتا معیز!"

"او کے...... ٹیک کیئر۔ ابھی فی الحال ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔ پھر بات ہو گی۔"

معیز کا موڈ آف ہونے لگا تھا۔ عون نے بھی خدا حافظ کہہ دیا۔ معیز نے اسٹیئرنگ پر زور سے ہاتھ مارا۔

"ایمہا مراد......! میری زندگی میں کیوں نامرادی بھرنے چلی آئی۔" وہ بہت برے موڈ کے ساتھ ریش ڈرائیونگ کرتا گھر پہنچا تھا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اسے سناٹے کا احساس ہو گیا۔ ورنہ اس وقت اپنے اپنے کمروں میں ٹی وی ہونے کے

باوجود ایزد اور زارا کے درمیان ریموٹ پر چھینا جھپٹی ہو رہی ہوتی تھی۔ اور سفینہ بھی ہنس بیٹھی ہنستیں۔

"زارا۔ ایزی۔!" وہ بے اختیار ہی گھبرا کر آوازیں دینے لگا۔ ملازمہ نے کچن سے آکر اسے اطلاع دی۔

"بیگم صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ صاحب اور بی بی ان کے کمرے میں ہیں۔"

وہ پوری بات سنے بغیر اپنا آفس بیگ صوفے پر اچھالتا تیزی سے سفینہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تو عجیب ٹینشن زدہ سا ماحول دیکھنے کو ملا۔

ایزد ماں کے شانے دبا رہا تھا اور زارا انہیں کوئی دوا کھلانے پر بضد تھی جبکہ آنکھوں میں آنسو بھرے سفینہ اس کی بات ماننے کو تیار نہ تھیں۔ معیز کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف اشارہ کر کے اونچی آواز میں رونے لگیں۔

"کیا ہوا ہے ماما.... کیا ہوا؟" وہ پریشان سا ان تک آیا۔

"اسے کہو ایزد! چلا جائے یہاں سے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ چلائیں تو معیز ہکا بکا سا ان کی شکل دیکھنے لگا۔

ایزد اٹھ کر معیز کے بالمقابل آیا۔

"کیا مسئلہ ہے۔ ہوا کیا ہے آخر....؟" معیز نے اونچی آواز میں پوچھا۔ اس کا دل طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہونے لگا تھا۔

"انیکسی میں گئی تھیں ماما۔" ایزد نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تو معیز احمد کا دل پھر سے جلنے لگا۔ وہ کیوں بھول گیا کہ اب اس کی زندگی میں ہر ٹینشن کا سرا جا کر ایبہا مراد سے ملتا تھا۔

"تو....؟"

"تو یہ کہ آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ اس لڑکی کا نکاح ابو سے نہیں بلکہ آپ سے ہوا ہے؟" ایزد نے چبا چبا کر پوچھا تو معیز کے سر پر جیسے پہاڑ آن گرا۔

"واٹ دا ہیل.... "وہ بھڑک کر بولا۔ اس کے وجود میں یکلخت شرارے سے دوڑ اٹھے۔

"میں نے کب کہا کہ اس کا نکاح ابو کے ساتھ ہوا ہے؟ لاحول ولا.... "بے زاری سے بولا۔

"آپ کو کس نے بتایا تھا ماما؟" ایزد نے مڑ کر سفینہ سے پوچھا۔

"میں نے خود اسپتال میں اس کی اور اس کے باپ کی باتیں سنی تھیں۔ امتیاز نے صاف لفظوں میں کہا کہ صالحہ نے اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کو کہا تو وہ مجبور ہو گیا۔" وہ غصے سے بولیں۔

"ہاں۔ ہو گئے تھے مجبور مگر انہیں نہیں ہوئے تھے ماما! اگر اپنی سابقہ سیکریٹری کی بیٹی سے خود نکاح پڑھوا لیتے۔ مجھ سے ریکویسٹ کی تھی انہوں نے اور مجھے مجبوراً ان کی زبان کا پاس رکھنا پڑا۔" وہ تیز لہجے میں ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے بولا۔

"تم نے مجھے غلط فہمی میں مبتلا رکھا.... "سفینہ صدمے کی کیفیت میں تھیں۔

"فار گاڈ سیک ماما! آپ نے آدھی ادھوری بات سن کے خود ہی مفروضے گھڑ لیے۔ کھل کے مجھ سے بات کرتیں تو میں آپ کی فوراً تصحیح کر دیتا۔ میں آپ سے کیوں چھپاؤں گا بھلا۔"

"اللہ....!" سفینہ بے قراری سے روتے ہوئے بولیں۔

"امتیاز احمد کی طرف سے دل ٹھنڈا ہوا تو اب اس چڑیل کا تم پر قبضہ دیکھ کر جان شکنجے میں آگئی ہے۔ کاش وہی حقیقت رہتی۔ میں مان تو چکی ہی تھی کہ وہ امتیاز احمد کی بیوہ ہے پر تم۔ تم کیوں اس گند میں کود ے معیز!"

"آپ کے لیے تو اور بھی آسانی تھی بھائی! ڈائیورس دے دیتے۔ گھر تک لانے کی کیا ضرورت تھی اسے۔"

زارا نے ناگواری سے کہا۔

"ابو کا آخری خط دوں گی تمہیں۔ پڑھنا کیا وصیت کی ہے اور کس طرح۔ پھر بتانا مجھے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا اور کیا نہیں۔" وہ سب کی بدگمانی پر بددل سا ہو کر پلٹ گیا۔

"دیکھا۔ پتا نہیں کیا سوچا ہوا ہے اس نے۔ اب اس مردود صالحہ کی بیٹی کو اپنی بہو کہہ کے متعارف کرواؤ گی میں۔" سفینہ تڑپیں تو زارا زبردستی انہیں سکون دوا کھلانے لگی۔

بعض لوگوں کو ناشکرے پن کی اتنی عادت ہوتی ہے کہ وہ بڑی مصیبت میں سے نکل کر کسی چھوٹے مسئلے کا شکار ہو جائیں تو بھی سر پر ہاتھ رکھ کے روتے ہیں۔

"ریلیکس ہو جائیں ماما! ابھی بھائی نے کچھ بھی طے نہیں کیا وہ سو فیصد رباب میں انٹرسٹڈ ہیں۔ اگر اس لڑکی کی طرف ان کا دھیان ہوتا تو وہ ٹیکسی میں نہ سڑ رہی ہوتی۔ ابو نے واقعی مجبور کر دیا ہوگا بھائی کو۔"

ایرو نے انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے کر نرمی سے آہستہ آہستہ سمجھانا شروع کیا تو ان کا دل کچھ قابو میں آنے لگا۔ جبکہ زارا کا دل کچھ اور ہی اوہام کا شکار ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نئی جگہ کی وجہ سے اسے نیند کا بہت مسئلہ تھا۔ پھر رات گئے تک ڈھولک اور شور شرابے کی وجہ سے مارے باندھے اسے بھی بیٹھنا پڑا۔ اب اگر نیند آہی گئی تھی تو موبائل پہ لگا فجر کا الارم بولنے لگا۔

نیند ہی کی جھونک میں اس نے الارم بند کر کے سوچا کہ ابھی اٹھ کے نماز پڑھ لیتی ہوں مگر اس وقت شیطان نے نیند کے ایسے ہلورے دیے کہ وہ دوبارہ سو گئی۔ اس کے بعد اس کی آنکھ دوبارہ موبائل پر بجنے والی مسیج ٹون سے کھلی۔

"اگر نماز نہیں پڑھی تو پڑھ لو۔ چند رہ منٹ باقی ہیں۔" عون کا مسیج تھا۔ وہ شیطان پر لاحول پڑھتی جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

دوسرا مسیج آیا۔

"اگر نماز پڑھ چکی ہو تو لان میں آجاؤ۔ واک کے لیے چلتے ہیں۔"

وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ نماز کا وقت واقعی تنگ ہو رہا تھا۔ دوسرے بیڈ پر ایرم بے سدھ سو رہی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔ مگر اس نے کارپٹ پر بچھی سفید چادر اٹھا کر تہہ کی اور اپنے بیڈ پر رکھ دی۔ کمرے میں ہنوز نائٹ بلب آن تھا اور وہ کوشش کے باوجود جائے نماز ڈھونڈ نہیں پائی تھی۔

عون کے ساتھ واک پر جانے کے متعلق اس نے ذرا سا سوچا پھر موبائل اٹھا کر اسے مسیج کیا۔

"کیا تم ابھی بھی لان میں ہو؟"

"ہاں۔ تمہاری راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑا ہوں۔" عون کا جواب فوراً" آیا تھا۔

وہ اپنا موبائل تکیے کے نیچے کھسیڑ کر شانوں پہ دوپٹا ٹھیک کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا۔ پتا نہیں رات کو اتنے شور ہنگامے اور دیر سے سونے کی وجہ سے کوئی نماز کے لیے اٹھا بھی تھا یا نہیں۔

وہ خاموشی سے لان میں چلی آئی۔

سفید ٹراؤزر اور اسکائی بلیو شرٹ میں وہ بہت فریش اور نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ ثانیہ کو آتے دیکھ کر ہونٹوں پہ بڑی پیاری سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ وہ ذرا سی کنفیوز ہوئی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس لیے سوچا تمہاری آفر سے فائدہ اٹھا ہی لیا جائے۔" وہ کھل کے مسکرایا۔

"تو میں نے کب کہا کہ کچے دھاگے سے بندھے سرکار چلے آئے ہیں۔" اس کا انداز ذو معنی تھا۔ ثانیہ اسے ہلکا سا گھور کر واپس پلٹنے کو ہوئی۔

"اگر صبح صبح میری طنزیہ کلاس لینے کا ارادہ ہے تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔"

"ارے۔ رے۔" عون نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیا مشکل ہے یار! ذرا سا مذاق بھی برداشت نہیں کرتیں۔ او۔ چلو اب۔"

چوکیدار کو مطلع کر کے دونوں گیٹ سے باہر نکل آئے۔

"یہاں تو سردی ہو رہی ہے۔ ابھی اکتوبر اسٹارٹ ہوا ہے۔ کراچی میں تو ابھی کسی کو پتا بھی نہیں سردی کا۔" ثانیہ پر باہر نکلتے ہی ہلکی سی کپکپی طاری ہوئی تھی۔ تھوڑی دور دونوں خاموشی سے چلے۔ آسمان پر اندھیرے کو چیرتی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ میں یہاں نہیں آنا چاہتی۔ دیکھ لیا تم نے یہاں کا ماحول...؟" ثانیہ ہی نے ناراضی سے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"کم آن ثانی! ماحول آدمی خود بناتا ہے۔ چار دنوں کے لیے آئے ہیں ہم دونوں۔ ہنسو کھیلو مزا کرو۔ پھر تو یادیں ہی رہ جاتی ہیں۔" عون نے اسے سمجھایا۔

"ہاں۔ اچھی بھی اور بری بھی۔" وہ اسی موڈ میں تھی۔

"کھلے دل کی چھلنی میں چھان کے لے کے جاؤ گی تو اچھی یادیں ہی چھن کے جائیں گی مگر تنگ دلی کی چھلنی میں چھانو گی تو دونوں ہی ساتھ جائیں گی۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ واپسی پہ کیا ساتھ لے کے جانا چاہتی ہو۔"

"ارم جیسی لڑکی کے ساتھ اتنے دن رات گزار کے میں واپسی پہ ایک سڑا ہوا دل ہی لے کر جا سکتی ہوں۔" ثانیہ نے منہ بچکایا۔

"اچھی خاصی تو ہے وہ۔ تمہیں کیا کہتی ہے؟" عون نے اسے بہلانا چاہا۔

"ہاں۔ تمہیں تو وہ پہلے سے ہی اچھی خاصی لگتی ہے۔" ثانیہ نے طنز کیا۔ عون گڑبڑایا اور رک کر اسے گھورنے لگا۔

"لاحول ولا۔"

"اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ لو تو میری باتوں پہ ایمان لے آؤ گے عون عباس!" وہ جتانے والے انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ چند لمحوں کے لیے عون وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر اس کے پیچھے لپکا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے چل رہی تھی۔ عون سائیڈ سے نکل کے ایک دم اس کے سامنے آگیا۔

وہ اس سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

"یہ کون سا اسٹائل ہے واک کرنے کا۔" ثانیہ برا مان کر بولی۔ وہ رک گئی تھی۔

"بڑا یقین ہے تمہیں اپنے اندازے پر۔ تو ذرا میری آنکھوں میں جھانک کے دیکھو! اس کا عکس ہے کس کے خواب اور کس ساتھ کی تعبیریں ہیں؟"

عون نے اس کی خفگی کی پروا کیے بغیر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جذب سے کہا تو ثانیہ نگاہ نہیں چرا پائی۔ وہ جو قدرت نے اس کے نصف بہتر کے طور پر اس کی زندگی میں شامل کیا تھا' صبح کی اس تازگی کا حصہ بنا

بہترین لگ رہا تھا۔ جگمگی بھوری آنکھوں میں ثانیہ نے واضح طور پر اپنا عکس دیکھا تو دل اس سرپھرے پر ایمان لانے کو بے تاب ہونے لگا۔ عون نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ثانیہ کا دل یوں دھڑکا کہ قیامت کر دی۔

"مان جاؤ نا یار! یقین کرو۔ سگریٹ تک نہیں پیتا ہوں۔" بڑی معصومیت سے عون نے اپنی سب سے بڑی خوبی بتائی تو وہ جو ثانیہ پہ ایک ٹرانس کی سی کیفیت تھی ٹوٹ گئی۔ خجل سی ہو کر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"بدتمیز...!" وہ واپسی کے لیے مڑ گئی۔ عون ہنستا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"دائیں یا بائیں...؟" اگلے موڑ پہ وہ الجھی۔

"پتا نہیں۔ میں نے تو راستوں کا دھیان ہی نہیں کیا۔ میرا سارا دھیان تو تمہاری طرف تھا۔" عون نے اطمینان سے کہا۔ تو وہ جل کر بولی۔

"اچھا میاں رومیو! مبارک ہو۔ ہم یقیناً" راستہ بھٹک چکے ہیں۔ موبائل نکال کے نادان بھائی کو کال ملاؤ۔"

"اچھا۔ لاؤ دو موبائل۔" عون نے ہاتھ بڑھایا تو وہ چلا اٹھی۔

"کیا مطلب... تم موبائل بھی ساتھ نہیں لائے؟"

"واک پہ موبائل کا کیا کام۔ خوامخواہ کی ڈسٹربنس۔" وہ بے نیازی سے بولا تو وہ تھک کے ایک گھر کے باہر بنی کیاری کی اونچی دیوار پہ ٹک گئی۔

"اب کیا کریں گے۔ مجھے تو بھوک لگنا شروع ہو گئی ہے۔"

"یہ صدماتی بھوک ہے۔ جو گھر سے دوری کے احساس سے لگ رہی ہے۔ تم فکر مت کرو۔ ابھی کوئی ہمیں ڈھونڈتا ہوا ادھر آجائے گا۔"

وہ شرارت سے کہتا ثانیہ کی جان جلا گیا۔ وہ منہ پھلا کر بیٹھ رہی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی۔

امتیاز احمد کے ساتھ ایبہا کے بیوی کے رشتے کا سوچ کر وہ جلتے ہوئے توے پر جا بیٹھی تھیں اور یہاں تو ایک جیتا جاگتا رشتہ نکل آیا تھا۔

صالحہ مراد کی بیٹی اور ان کے ہیرے جیسے بیٹے کی بیوی۔ وہ کل سے سوچ سوچ کر تڑپ رہی تھیں۔

ان کا ارادہ تھا کہ وہ ایبہا کو ڈرا دھمکا کر جائیداد کا حصہ واپس بٹور کر اسے یہاں سے بھگا دیں گی۔ ان کے خیال میں اس کا کون سا کوئی والی وارث یہاں پوچھ گچھ کرنے کو بیٹھا تھا۔

اور اب...؟

وہ لاوارث' بے نام و نشان' بے وقعت...

ایک دم سے لال جوڑا پہنے سہاگن کے روپ میں ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور اس کے پہلو میں کوئی اور نہیں' ان کا لاڈلا معیز احمد تھا۔ ان کے گھرانے کی شان۔ ان کا غرور' ان کا مان' اور اب جو بھی فیصلہ کرنا تھا وہ معیز احمد ہی کو کرنا تھا۔

تو کیا وہ اپنی ماں کی من مرضی کا فیصلہ کرے گا؟

جو لڑکا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی وصیت پر جو بہو عملدر آمد کرنے کے لیے اسے اس گھر میں اس کا حق دلوانے کے لیے لے آیا تھا۔۔۔ وہ باپ کے کہنے کے مطابق ہی چلے گا۔ حفیظہ پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں' معیز باپ سے کس قدر پیار کرتا ہے۔ سو فی الحال تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے پر ہی مجبور تھیں۔ انہیں تو ابیہا کو کوسنے اور بددعائیں دینی بھی یاد نہیں رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

مسلسل بجنے والے الارم نے ارم کو بدمزا ہو کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے نیند سے بھری آنکھوں سے ثانیہ کے بستر کی طرف دیکھا۔ اسی کے موبائل کا الارم بج رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر تکیہ پرے کیا اور موبائل اٹھا کر الارم بند کر دیا۔

اس کا ارادہ موبائل رکھنے کا ہی تھا مگر پھر تجسس کے مارے اس نے ایک نظر واش روم کو دیکھا۔ اس کا دروازہ کھلا تھا یعنی ثانیہ یہاں نہیں تھی۔

ثانیہ کے بستر پر نیم دراز ہوتی' وہ اس کے موبائل کا ان باکس چیک کرنے لگی۔

عون کا صبح والا میسج سامنے آتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔

"اوہ تو موصوف واک کے لیے گئی ہیں۔" وہ مزید اطمینان سے اپنے کام میں لگ گئی مگر بے اطمینان ہی ہوئی۔

عون کے ہر میسج سے جھلکتا پیار' بے خودی اور بے اختیاری اس کے دل کو جلا کر راکھ کر رہی تھی۔

اس نے آؤٹ باکس میں ثانیہ کے میسج بھی چیک کیے جو اس نے عون کو بھیجے تھے۔

اب اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

عون کی بے قراری اور ثانیہ کی بے نیازی۔

عون کی محبت اور ثانیہ کا پہلو بچانا۔

شیطان سب سے زیادہ خوش تب ہی ہوتا ہے جب میاں بیوی کے رشتے میں دراڑ ڈالتا ہے۔ اسی لیے میاں بیوی کو ذہنی اور جذباتی طور پر ایک دوسرے کے اتنے نزدیک ہونا چاہیے کہ درمیان میں کسی تیسرے کی گنجائش نہ نکل سکے۔

خاص طور پر شیطان کی۔

مگر اس وقت شیطان نے وہ ہلکی سی دراڑ ڈھونڈ لی تھی۔

موبائل کو ویسے ہی تکیے کے نیچے رکھ کر ارم وہاں سے اٹھی تو بہت کچھ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ابیہا پر عزف کی کیفیت طاری تھی۔

پہلے حفیظہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں اور اب جبکہ اس نے بے اختیار ہی انہیں حقیقت جتائی تو۔۔۔ وہ اسے لگ رہا تھا کہ اس سے پہلے وہ معیز اور اس کے رشتے کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھیں۔

"یا اللہ رحم۔۔۔"

فجر کی نماز کے بعد تسبیحات کا ورد کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔

وہ بے وقوف تھی۔ اس نے خود کو کمزور تصور ہی نہیں تسلیم بھی کر لیا تھا۔ اور انسان ہارتا تب ہی ہے جب

بار مان لیا کرنا ہے۔
وہ معیز احمد کے نکاح میں تھی اور جب تک تھی تب تک تو اسے ثابت قدمی اور مضبوطی دکھانی چاہیے تھی۔ مگر وہ خود کو کارپٹ بنا رہی تھی اسی لیے سب ہی اس کے اوپر چڑھتے چلے آرہے تھے۔
اس نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچی تو عون اور ثانیہ موجود تھے اور شاید وہ ہی دونوں موضوع گفتگو بھی تھے۔
"اس نے جھوٹ بولا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔" ثانیہ خفا سی تائی جان سے بولی۔ عون ہنسا۔
"واپس بھی تو میں ہی لایا ہوں۔ بیویوں کو شوہروں پر اعتبار ہونا چاہیے۔ کیوں تائی جان.....؟"
وہ شرارت سے بولا تو ثانیہ سے نگاہ اٹھانا محال ہوا۔ بابا جان اور فاران بھائی بھی ٹیبل پر موجود تھے۔
تائی جان نے بے اختیار ارم کے بے تاثر چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ خاموشی سے گلاس میں جوس انڈیل رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کے رہ گئیں۔ پھر عون کو ہلکی سی سرزنش کی۔
"وہ اگر پسند نہیں کرتی تو کیوں زبردستی کرتے ہو۔ خوامخواہ موڈ خراب کیا اس کا۔" ثانیہ نے چڑانے والے انداز میں مسکرا کر عون کو دیکھا۔
"ہاہ۔ زبردستی..." وہ تو بھر کے رہ گیا۔
"کبھی باقاعدہ پروگرام بناؤ تو میں لے چلتا ہوں کہیں۔ کیوں ثانیہ.....؟"
باقاعدگی سے آفس جانے والے فاران کے منہ سے یہ پیشکش بہت غیر متوقع تھی۔ ابھی برسوں ہی تو وہ اس ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا چکا تھا۔ پھر یہ مہربانی؟
بظاہر ناشتے میں مصروف عون نے ساتھ بیٹھی ثانیہ کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ کے دبایا۔
انداز یہی تھا کہ فوراً" انکار کر دو۔ مگر بھاری بوٹ تلے اس کا نازک سا پاؤں چر مرا کر رہ گیا۔ تو وہ عون سے بدلہ لینے کے لیے بڑی فرماں برداری سے بولی۔
"جی ضرور فاران بھائی! انکل اور پھوپھو۔"
"انہیں کہاں تنگ کرتی پھوپھو۔ میں ہوں نا فارغ اور پھر ہم نوبیاہتا تے ہی تفریح کے لیے ہیں۔"
عون نے ہلکے پھلکے مگر تنبیہی انداز میں کہتے ہوئے ثانیہ کو دیکھا تو وہ طنزیہ بولی۔
"تمہارا کیا اعتبار۔ کل کلاں پھر راستہ بھول گئے تو؟"

سب کی مسکراہٹ پر عون اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ مگر فی الحال تو اس سر پھری کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اس لیے خون کے تو نہیں جوس کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

سفینہ ناشتے کی ٹیبل پر قدرے بشاش دکھائی دیں تو معیز نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
ایزد اور زارا کا موڈ بھی صحیح تھا۔
"تمہارا رزلٹ کب تک آرہا ہے؟"
معیز نے ایزد سے پوچھا۔ زارا حسب عادت معمول دونوں بھائیوں کو بریڈ پر جیم لگا کے دے رہی تھی۔
"اس ماہ کے آخر تک ان شاء اللہ۔" ایزد مسکرایا۔

"تو یہ بھی بتادو پھولوں کے ہاروں کا بندوبست کیا جائے یا۔۔۔" زارا نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"بے فکر رہو۔ پھولوں کے ہی ہار ہوں گے۔ بلکہ اپنی فرینڈز کو بھی ریڈ الرٹ دے دو۔ شاید انہی ہاروں کے درمیان پھولوں کا سہرا بھی ہو۔" وہ کون سا کم تھا، برجستہ بولا۔ زارا نے منہ بنایا۔

ان دونوں کی ہلکی پھلکی نوک جھونک کے درمیان ناشتا ختم ہوا۔ معیز اٹھنے کی تیاری میں تھا جب سفینہ نے اس سے پوچھا۔

"تم نے کیا سوچا ہے اپنے فیوچر کے بارے میں؟" وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔

ایزد اور زارا بھی خاموش ہو کر ماں کا چہرہ دیکھنے لگے۔ وہ جو کچھ پلان کرتی تھیں، کسی سے ڈسکس نہیں کرتی تھیں۔ بس ایک دم سے آدمی کے سامنے لا رکھتیں۔

"کیا مطلب ماما۔۔۔؟"

معیز نے تجاہل عارفانہ برتا۔ وہ فی الحال تو اس موضوع کو چھیڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ نری ٹینشن اور دردِ سر۔ مگر سفینہ اس طرح بھڑک اٹھیں گی یہ اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔

"مطلب یہ کہ وہ گندگی کی پوٹ کب تک تمہارے ساتھ چمٹی رہے گی۔ تم اسے طلاق دے کے فارغ کب کر رہے ہو؟" وہ چیخ کر بولیں۔

چھوٹے بھائی بہن کے سامنے ماں کے اس انداز پر معیز کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔

"میں اسے یونہی طلاق نہیں دے سکتا۔ ابو نے وصیت میں مجھے پابند کیا ہے۔"

"تو کیا اپنی بات منوانے کے لیے مجھے بھی مرنا پڑے گا اور تمہارے لیے ایک وصیت چھوڑنی پڑے گی؟" سفینہ غصے سے اونچی آواز میں بولیں۔

ایک عرصہ تک انہوں نے امتیاز احمد جیسے مرنجان مرنج شخص پر حکمرانی کی تھی۔ یہ ڈھنگ انداز ان کی شخصیت کا حصہ بن چکا تھا۔ گرچہ انہوں نے کبھی اپنے بچوں سے اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔

مگر حالات۔۔۔ یہ حالات ہی ہوتے ہیں جو بڑے بڑوں کے ٹھنڈے مزاج کو سوا نیزے پر پہنچا دیتے ہیں۔

"ماما پلیز کیوں اپنا موڈ خراب کر رہی ہیں اور گھر کا ماحول بھی۔" معیز نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی خاطر احساس دلایا۔

"گھر کا ماحول تو خراب ہو چکا معیز احمد! ایک جوئے میں ہاری ہوئی لڑکی میرے گھر کی بہو بن کے آچکی ہے۔ اس سے بڑھ کر ماحول کی خرابی اور کیا ہوگی۔" وہ تلخی سے بولیں تو معیز کے گویا کانوں تک سے دھواں نکلا۔

"وہ محض ایک کاغذی کارروائی کے ذریعے اس گھر میں آئی ہے ماما! جو وقت کی ضرورت تھی۔ اس سے آگے اس کا ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"آپ غلط سمجھتے ہیں بھائی!" ایزد نے سنجیدگی سے بحث میں حصہ لیا تو وہ کرنٹ کھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہر رشتہ آفاقی رشتہ ہے۔ ماں باپ بھائی بہن۔ ان رشتوں کو محض زبان سے کہہ دینا ہی ان کا ہونا ظاہر کر دیتا ہے مگر میاں بیوی کا رشتہ ہی فقط ایسا ہے جس کو اس دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کاغذ پر اتارا جاتا ہے۔ باقاعدہ سائن ہوتے ہیں، ایجاب و قبول اور گواہوں کے بغیر یہ رشتہ مکمل نہیں ہو پاتا۔ تو یہ تو پھر ایک کڑی حقیقت ہوا نا، محض کاغذی کارروائی کیسے؟" وہ خفا نظروں سے معیز کو دیکھ رہا تھا۔

اور لمحہ بھر کو معیز کو لگا کہ وہ کبھی کچھ نہیں کہہ پائے گا۔

"جانے والا تو چلا گیا۔ تم اپنا نفع نقصان دیکھو۔" سفینہ کے لب ولہجے میں اس کی خاموشی کو دیکھ کر ایک واضح ٹھہراؤ آیا تھا۔

"وہ خود یہاں سے چلی جائے گی ماما! میں بھی اس رشتے کو نبھانا نہیں چاہتا۔ یا پھر بہتر ہوگا کہ آپ ہی کوئی لڑکا دیکھ کر اس کا رشتہ طے کر دیں۔ میں ابو کی وصیت کو ہر حال میں نبھانا چاہتا ہوں۔ جب اس کے رشتے کی کوئی صورت بنے گی۔ میں اسی وقت اسے آزاد کر دوں گا۔"

وہ بدقت تمام اپنا لب ولہجہ نرم رکھتے ہوئے بولا اور پھر وہاں ایک پل مزید نہیں ٹھہرا اور اٹھ کر چلا گیا۔ سفینہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھے گئیں۔ ایزد دوستوں کی طرف نکل گیا۔

"مجھے تو یہ سوچ کر ہول اٹھتے ہیں کہ اب رباب کا کیا بنے گا۔ گھر بھر کی لاڈلی ہے وہ۔ کوئی اس کا دل دکھانے کا سوچتا تک نہیں۔ سفیر تو وہاں سے بھی مسلسل اس کی نازبرداری کی ہدایتیں دیتے رہتے ہیں مجھے۔" زارا نے تفکر سے کہتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"بے فکر رہو۔ کرتی ہوں اس ناگن کی اولاد کا کوئی بندوبست۔" وہ کڑوے لہجے میں بولی تھیں۔

زارا کی فکر تو ختم نہیں ہوئی مگر وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔

درحقیقت اس کا دل اوہام کا شکار ہونے لگا تھا۔ رباب کو معیز اور ایبہا کے رشتے کا پتا چلنے سے پہلے اس رشتے کا ختم ہونا اشد ضروری تھا۔

سفینہ نے ملازم کو آواز دی تو وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"جی بیگم صاحب۔"

"نذیراں! ذرا انیکسی والی لڑکی کو بلا کر لاؤ یہاں۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولیں تو الفاظ سلگ رہے تھے۔

نذیراں ہلکا سا سر جھکا کر تیزی سے باہر کو لپکی۔ سفینہ کرسی کھسکا کر اٹھیں اور شاہانہ انداز میں چلتے ہوئے لاؤنج میں آئیں۔

ذرا سی دیر میں وہ نذیراں کے ہمراہ وہاں موجود تھی۔

ڈری سہمی خوفزدہ ہرنی۔

سفینہ کا حوصلہ اور بڑھا۔ اسے تو وہ چٹکی میں مسل سکتی تھیں۔

انہوں نے خشمگیں نظروں سے اپنی طرف دیکھتی ایبہا کو لفٹ نہیں کرائی اور بڑے اطمینان سے نذیراں سے بولیں۔

"اسے اپنے ساتھ لگاؤ۔ ڈسٹنگ وغیرہ کا طریقہ بتاؤ اور سارے کاموں کی تفصیل بھی جو تم کرتی ہو۔ کل سے یہ تمہارے ساتھ کام کرے گی۔"

"جی بیگم صاحب۔" نذیراں کا منہ کھلے کا کھلا تھا۔ اس نے صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس اس چمکتی رنگت والی لڑکی کو بے یقینی سے دیکھا۔ جو خود بھی متحیر اور بے بس سی کھڑی تھی۔

"جو میں نے کہا وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آیا نذیراں؟" وہ غصے سے بولیں تو نذیراں گڑبڑائی۔

"ہلا بیگم صاحب! میں وسدی ہاں ایس نوں۔"

وہ ایبہا کو اپنے ساتھ لے گئی تو سفینہ نے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

"ٹیرس پہ آؤ۔ موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔"

ثانیہ کے موبائل پر عون کا میسج آیا۔ ثانیہ کو موبائل ساتھ لیے پھرنے کی عادت نہیں تھی۔ ابھی سب ڈھولکی پر اکٹھے ہوئے تو وہ موبائل کمرے ہی میں چھوڑ گئی تھی۔

ارم کمرے میں آئی تو تکیے کے پاس پڑا موبائل اٹھا کر حسب عادت میسجز چیک کرنے لگی۔ تب ہی عون کا میسج آیا تھا۔

لڑکے اس محفل میں شریک نہیں تھے۔ تب ہی عون یقیناً "ٹیرس پہ چلا گیا تھا۔ ارم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

وہ نی وی لاؤنج میں گئی' جہاں نازیہ کی دوستوں اور کزنز نے شور و غل مچا رکھا تھا۔ پھر ایک نظر سب پر ڈالتی اوپر جانے والی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

ثانیہ نے کچھ دیر پہلے عون کو اوپر جاتے دیکھا تھا۔ مگر چونکہ لڑکیوں کے کمرے اوپر ہی تھے۔ اس لیے اس نے خاص دھیان نہیں دیا تھا۔ ابھی بھی اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ نیلم کے کان میں بتاتی معذرت کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی۔ چینج کرنے کے بعد اس کا ارادہ سونے کا تھا۔ اس نے عادتاً "موبائل اٹھایا۔ ارادہ مسڈ کالز چیک کرنے کا تھا۔ ساتھ ہی میسجز پر بھی ایک نظر ڈالی۔

عون کا میسج دیکھ کر اس نے ہلکا سا منہ بنایا۔ پھر موبائل واپس بستر پر ڈال دیا۔

اس کا ٹیرس پہ جانے کا قطعاً "موڈ نہیں تھا۔

وہ کپڑے تبدیل کرنے کے ارادے سے پلٹی۔ مگر ذہن میں ایک ہلکی سی سنسناہٹ ہوئی۔۔۔ عون کا میسج ان ریڈ نہیں تھا۔ یعنی ثانیہ سے پہلے کوئی اس میسج کو پڑھ چکا تھا۔

اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ اسے یاد آیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ارم ٹیرس ہی کی طرف گئی تھی شاید۔۔۔۔

فنکشن تو نیچے تھا۔ پھر ارم کا اوپر کیا کام؟" وہ لاکھ چاہتے ہوئے بھی خود کو "مجھے کیا؟" کہہ کر لاپروا نہیں بن پائی تو جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

☼ ☼ ☼

اوپر موسم واقعی بہت اچھا ہو رہا تھا۔ عون کا دل چاہا اس پل ثانیہ بھی اس کے ساتھ ہوتی۔

اسے یقین تو نہیں تھا۔۔۔۔ مگر دل کو ایک خوش فہمی سی تھی کہ شاید وہ آ ہی جائے۔

وہ دیوار پہ بازو جمائے دور سڑک پر ٹریفک کی چمکتی روشنیاں دیکھ رہا تھا۔ جب پیچھے سے دو نرم و ملائم سے ہاتھ اس کی آنکھوں پر جم گئے۔

عون کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے ثانیہ کی آمد کا یہ اسٹائل بہت بھایا تھا۔

دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے وہ بڑی ترنگ میں پلٹا تو سامنے ثانیہ کی جگہ ارم کو پا کر لحظہ بھر کو بھک سے اڑا۔

"تم۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟" عون کے انداز میں بے یقینی و ناگواری تھی۔ اسے ارم کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھنے والی جسارت پسند نہ آئی تھی۔

"یونہی میرے دل نے کہا کہ تم اوپر تنہا ہو تو میں کھنچی چلی آئی۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی دیدہ دلیری اور جذب کی سی کیفیت میں بولی۔ تب ہی عون کو احساس

ہوا کہ اس نے غلط فہمی سے ارم کے جو ہاتھ پکڑے تھے وہ ابھی تک نہ صرف اس کے ہاتھوں میں تھے بلکہ اب عون کے ہاتھوں پر ارم کی گرفت بھی ہو چکی تھی۔
وہ اسے جھٹکنا سخت سست کہنا چاہتا تھا۔ اسی وقت اس کی نگاہ سیڑھیوں پر پڑی جہاں سے ثانیہ کا چہرہ نمودار ہوا تھا اور وہ بے یقینی سے ان دونوں کو ہاتھوں میں ہاتھ دیے کھڑا دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایبہا کا دکھ اور دکھ سے بڑھ کے بے یقینی حد سے سوا تھی۔ سفینہ بیگم اسے اس طرح ذلیل کریں گی۔ یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گھر کی ملازمہ نذیراں بھی حیران تھی۔ وہ پنجاب سے آئی تھی۔
"بی بی جی! تساں نوں کیہ مجبوری پے گئی اے کم کرن دی؟" وہ اسے روزمرہ کے کام صفائی ستھرائی اور ڈسٹنگ سمجھانے کے دوران کئی مرتبہ پوچھ چکی تھی۔
مگر ایبہا تو ایک صدمائی چپ کے زیر اثر تھی۔ اپنی اس قدر تذلیل پر اس کے آنسو بھی مارے دکھ کے جم سے گئے تھے۔
معیز احمد کے ساتھ اس کا رشتہ جاننے کے بعد سفینہ بیگم نے اس پر جتلا دیا تھا کہ وہ اس رشتے کو ٹھوکر پہ رکھتی ہیں اور ایبہا کی اہمیت ان کے نزدیک ملازمہ جیسے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔
"تساں تے ایڈے سوہنے کپڑے پائے ہوئے نے۔ کم کرن ویلے تے اپنے پرانے کپڑے پا کے آونا۔ ایناں دا تے ستیاناس ہو جائے دا۔"
نذیراں نے بہت مخلص ہو کر اسے "کام والے" کپڑے پہن کر آنے کی ٹپ دی تھی۔ وہ کہہ نہ سکی جب نصیب ہی خراب ہوں تو کپڑوں کے اچھے برے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ مسلسل تکلیف میں تھی۔
خدا آپ کو اشرف المخلوقات بنائے مگر اس کے بندے آپ کی ذات کی یوں نفی کریں کہ آپ کو بالکل زیرو بنا دیں۔ تو اس سے زیادہ دکھ اور تکلیف کی بات اور کیا ہو سکتا ہے؟
مگر انسان زیرو کب بنتا ہے؟
جب وہ بنا کوشش کیے بنا ہاتھ پاؤں مارے خود کو حالات کے تند و تیز دھارے پر چھوڑ دیتا ہے۔
جیسے تیر نا نہ بھی آتا ہو تو ایک بار تو وہ بھی ہاتھ پاؤں مار کر خود کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔
اس کے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ روپے تھے۔ اس کا ماہانہ جیب خرچ دس ہزار مقرر ہوا تھا اور وہ ماسی بننے کی تیاری میں تھی۔ تو اس میں قصور سفینہ بیگم کا تھا یا ایبہا معیز احمد کا۔۔۔؟ اس کے نام کے ساتھ معیز احمد کا نام لگا تھا۔ اور وہ اپنی اس حیثیت کو چیلنج کرنے کی ہمت مجتمع نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نام کا سہارا دے کر کیا اللہ نے اسے ہمت کرنے کا موقع نہیں دیا تھا؟ اللہ بھی ان کی مدد کیا کرتا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
مگر وہ بیٹھی رونے لگی۔
اس نے طے کر لیا تھا کہ اب یہی اس کا نصیب ہے۔
افسوس۔۔۔ صد افسوس۔

☼ ☼ ☼

لمحہ بھر کی شاکڈ کیفیت کے بعد وہ یک لخت حواس میں آیا تو ارم کے ہاتھ جھٹک کر واپس پلٹتی ثانیہ کی طرف

بڑھا۔

"ثانی۔۔۔ ثانی! میری بات سنو۔" وہ مگر رکی نہیں تھی۔

"وہ دل پہ پاؤں رکھ کے گزر جانے والوں میں سے ہے عون عباس! پس کردو کیوں اپنے انمول جذبوں کو مٹی میں رول رہے ہو۔"

ارم کی پرسکون سی آواز نے عون کو رکنے پر مجبور کردیا۔ وہ تملا کر اس کی جانب آیا۔

"شٹ اپ ارم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم چاہتی کیا ہو۔ ذو معنی جملے گھٹیا انداز۔۔۔ اگر یہ سب مجھے چارم کرنے کے لیے ہیں تو آئم سوری۔ آئم ناٹ انٹرسٹڈ۔" وہ بے حد تلخی سے اسے جھاڑتے ہوئے بولا۔

مگر وہ یونہی فدا ہونے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے عون کی زبان سے تلخ گفتگو نہیں بلکہ پھول جھڑ رہے ہوں۔

"میں تمہارے جذبوں کی اس طرح تذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتی عون! جیسے ثانیہ کرتی ہے۔ کوئی مجھ سے پوچھے عون عباس کیا ہے؟ میں تو اسے اٹھا کر دل میں رکھ لوں' آنکھوں میں بسالوں۔" ارم کی بے باکی کی شاید کوئی حد نہ تھی۔ مرد ہو کر بھی عون کو اس کی بے شرم سی بے حیائی سے خوف آیا۔

"یو میڈ...!"

حقارت سے کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔

ارم نے اطمینان سے ایک گہری سانس بھری اور دھیمی آواز میں گنگناتے ہوئے ٹہلنے لگی۔

تجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔۔۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم نے اگلے روز بہت ہوشیاری کے ساتھ معیز اور ارمز کے جانے کے بعد نذیراں کو بھیج کر ایمہا کو بلوایا۔ مگر زارا تو امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد اب گھر میں ہی تھی۔ اس لیے اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

"یہ کیا کررہی ہیں ماما... اس کا یہاں کیا کام؟" نذیراں کے جاتے ہی زارا نے حیرت و بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"بس چپ رہو اب تم لوگ۔" سفینہ بیگم اسے جھڑکنے والے انداز میں بولیں۔

"جو کچھ کرنا تھا تم لوگ کر چکے۔ اب میری باری ہے۔" زارا کچھ نہ سمجھتے ہوئے خاموش مگر مضطرب سی بیٹھ گئی۔

نذیراں کے پیچھے ایمہا آئی۔

"یہ ٹیبل سمیٹو لڑکی! اور پہلے جا کر برتن صاف کرو اور اس کے بعد جو نذیراں کہے۔" سفینہ بیگم نے تنفر سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ماما...!" زارا ہلکی آواز میں انہیں پکار کر رہ گئی مگر وہ اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھیں۔

ان کی نگاہ تو شکرے کی طرح اپنے شکار پر تھیں۔ ان کی آنکھ کا اشارہ پا کر نذیراں وہاں سے ہٹ گئی۔ لرزتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ایمہا نے برتن سمیٹنے شروع کیے۔

نادانستگی میں ہی سہی۔۔۔ مگر اس نے اپنی حیثیت تسلیم کرلی تھی۔

وہ برتن ٹرے میں رکھ کر کچن میں لے گئی۔

"ماما! یہ آپ کیا کررہی ہیں۔ وہ بھائی کی بیوی ہے۔" زارا نے اس کے جاتے ہی احتجاج کیا تو انہوں نے فی الفور اسے ٹوکا۔

"بیوی نہیں منکوحہ اور وہ بھی زبردستی کی۔"

"بھائی کو پتا چلا تو وہ۔۔۔"

زارا کو سمجھ میں نہیں آیا وہ اپنی ناگواری کیسے بیان کرے تو معیز کا نام لے دیا۔ اسی وقت ایمہا کچن میں سے کپڑا لے کے آئی اور یقیناً "نذیراں کی ہدایت کے مطابق ڈائننگ ٹیبل صاف کرنے لگی۔

اس کی زردی گھلی رنگت زارا سے مخفی نہیں تھی۔

"تم اپنے بھائی کی فکر میں دبلی مت ہو۔ اس کی کون سی لو میرج ہے جو اسے برا لگے گا۔ وہ تو خود اسے یہاں سے بھگانا چاہتا ہے اور اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے اس گندگی کو باہر پھینکنے کا۔"

سفینہ بیگم ناگواری سے بولیں تو کچن کی طرف جاتی ایمہا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

☼ ☼ ☼

وہ آج ثانیہ کو شکرپڑیاں لے جا رہا تھا۔

رات ٹیرس سے نیچے آکر اس نے ثانیہ کے کمرے میں جا کر وضاحت کرنا چاہی مگر اس کا دروازہ لاکڈ تھا۔ عون نے اپنے کمرے میں جا کر فون کیا تب بھی اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔

"میں نے تمہیں ٹیرس پہ بلایا تھا ثانی! تم اپنا ان باکس چیک کر سکتی ہو۔ میں نہیں جانتا وہ بلا کیسے اوپر پہنچ گئی۔"

عون نے میسیج کیا تھا۔

اور یہ سب تو ثانیہ بھی جان چکی تھی۔ تب ہی تو بے اختیار ارم کے پیچھے اوپر گئی تھی۔ مگر پھر بھی عون اور ارم کو یوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے کھڑے دیکھ کر اس کو شاک لگا تھا۔

"کل بات کریں گے۔ تم میرے ساتھ آؤٹنگ کے لیے جا رہی ہو۔ پلیز انکار مت کرنا۔"

عون نے درخواست کی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ انکار نہیں کر پائی۔

"اوکے۔!" ثانیہ نے جواب دیا تھا۔

اور اب جبکہ وہ تیار ہو کے آئی تو عون کا کہیں پتا نہ تھا۔

اس نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔

"تم نہیں گئیں بازار۔۔۔؟"

تائی جان اس کے اضطراب کو بھانپتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"نہیں بازار تو نہیں۔ عون نے باہر چلنے کو کہا تھا۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"ارے! وہ تو ارم کو لے کر مارکیٹ گیا ہے۔ اس کے بعد اسے اس کی سہیلی کے ہاں لے جائے گا۔ تم بھی ساتھ چلی جاتیں اگر وہ کہہ رہا تھا تو۔"

تائی جان نے اطمینان سے کہتے ہوئے اس کا سارا اطمینان ملیامیٹ کیا تھا۔

اس کا چہرہ دہک اٹھا۔

وہ عون کو کال ملانے لگی۔ مگر مسلسل بیل جانے پر بھی وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ نیلم چلی آئی۔

"میں عون بھائی کے کمرے کی صفائی کروا رہی تھی۔ ان کا موبائل چارجنگ پہ لگا ہوا ہے۔ آپ کی مسلسل کالز آ رہی تھیں۔" نیلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ثانیہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسی وقت تائی جان نے فاران کو آواز دی تھی۔

"کیا ہو گیا...... کہاں کی تیاری ہے؟"

"سب اِدھر اُدھر نکل گئے بھائی جان! ہمیں بھی کہیں گھمانے لے چلیں۔ کیوں ثانیہ آپی..." نیلم کو موقع غنیمت لگا۔

"ہاں ہاں... لے جاؤ بہنوں کو۔"

تائی جان نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ثانیہ کا دل برا ہو چکا تھا۔ اس کا قطعاً جانے کا موڈ نہیں تھا مگر تائی جان نے اتنا اصرار کیا کہ وہ شرم ساری ہو کر نیلم کی ہمراہی میں فاران کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے جانے پر تیار ہو گئی۔ نیلم خوشی خوشی تیار ہونے بھاگی۔

وہ لوگ گیٹ سے نکل رہے تھے جب تایا جان کی گاڑی آئی جس میں ارم اور عون تھے۔

ان دونوں نے ان لوگوں کو دیکھا مگر فاران نے گاڑی روکنے کی زحمت نہیں کی اور ہاتھ ہلاتے ہوئے نکل گیا۔ مگر ثانیہ عون کے تاثرات میں پہلے بے یقینی اور پھر غصہ اتر تا دیکھ چکی تھی۔

سو اس نے ریلیکس ہو کر سیٹ سے ٹیک لگائی۔

"کہاں چلنا ہے ثانی! تم بتاؤ......"

فاران نے غیر محسوس کن انداز میں مڑ اس پر سیٹ کرتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا تو وہ کچھ سوچ کر مسکرائی۔

"مشکر پڑیاں ہی چلتے ہیں۔ وہیں کا پروگرام تھا آج کا......"

فاران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور ثانیہ مطمئن تھی۔ اس کا دل جلا تھا تو اس نے بھی عون کی جان جلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ہم نہیں جانتے بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات ہم شیطان کو خود دعوت برباد دیے رہتے ہوتے ہیں۔ گاڑی تیزی سے اسلام آباد کی سڑکوں پر گامزن تھی۔

☼ ☼ ☼

ایزد دوستوں سے جلدی فارغ ہو کر گھر آگیا تھا۔ اپنی ہی دھن میں مگن وہ سفینہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھا تو اندر سے نکلتی وہ لڑکی بری طرح ایزد سے ٹکرا گئی۔ اس کے ہاتھ میں تھامی پلیٹ اور گلاس دونوں ہی زمین بوس ہو گئے۔

ایہا کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

نذیراں دوڑی چلی آئی۔

ایہا تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ ایزد کچھ بت بنے کے سے انداز میں کھڑا تھا۔

"یہ...... یہ کون تھی؟"

اس نے نذیراں سے پوچھا۔ جو کانچ اکٹھا کر رہی تھی۔ اس روز عبایا میں ملفوف ایہا کو محض ایک نظر دیکھنے کے بعد اب وہ پہچان نہیں پایا تھا۔

"یہ جی بیگم صاحبہ نے نئی کم والی رکھی ہے۔" نذیراں نے وانت نکوسے۔ تو ملازم کے اتنے حسین ہونے پر غور کرتا وہ ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ذہن میں ایہا کا گھبرایا ہوا سا انداز تر و تازہ تھا۔ اور اس کی خوب صورتی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' دارا اور ابرو۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الھڑسی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کردیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کرکے صالحہ کا راستہ صاف کردیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کرلیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کرلیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کرکے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے 'مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد 'ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب 'ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے 'ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب 'معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ اکیڈمی کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور اکیڈمی چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید تیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز 'ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے 'مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون 'معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی 'ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم 'ابیہا کو سیفی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے 'جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد 'ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے 'مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب۔ پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کر دیتی ہے 'مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا 'ثانیہ کو فون

کرتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے، مگر ثانیہ ایبہا کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ایبہا کو گھر لے تو آتا ہے، مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورونوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

—۱۴—
چودہویں قسط

وہ ثانیہ کو شکرپڑیاں لے جانے کے لیے وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی تیار ہو کے لاؤنج میں آیا تو سینٹر ٹیبل پہ رکھا نیوز پیپر نظر آ گیا۔ ثانیہ کے آنے کے انتظار میں وقت گزاری کے طور پر وہ نیوز پیپر دیکھنے لگا۔ تائی جان کچھ بولتی ہوئی وہاں آئیں۔ عون غیر ارادی طور پر متوجہ ہوا۔

پیچھے منہ بسورتی ارم تھی۔

"کہا تو تھا میں نے فاران کو۔ اب طبیعت نہیں ٹھیک اس کی تو۔۔۔"

"کتنی اچھی دوست ہے میری آپ کو پتا ہے نا۔ ٹائم ہی کتنا لگتا ہے۔ یہاں سے محض چھ سات منٹ کی ڈرائیو ہے۔" ارم نے احتجاج کیا تو تائی جان عون کے سامنے والے صوفے پر سر تھام کے بیٹھ گئیں۔

"ہاں۔ میری دفعہ بس سر پکڑ لیا کریں آپ۔ ہر دفعہ وہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ کتنی بار کہا ہے مجھے میری گاڑی لے دیں یہ محتاجی تو ختم ہو نا۔"

ارم بگڑ کر بولی تو تائی جان نے ملتجیانہ انداز میں عون سے کہا۔

"عون میرے بچے۔ بہت مہربانی ہوگی تمہاری۔ اس لڑکی کو ذرا اس کی دوست کے گھر چھوڑ دو، ورنہ یہ سارا دن میری جان کھاتی رہے گی۔"

"ابھی میں اور ثانیہ باہر نکل رہے ہیں تائی جان یہ ہمارے ساتھ ہی چلی جائے گی۔" عون نے کہا۔

"ثانیہ تو ابھی سوئی ہوئی ہے۔ میری دوست کے گھر کا راستہ تو پانچ منٹ کا ہے؟ پلیز۔" ارم سخت مجبور نظر آ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا مہربانی تمہاری۔" تائی جان نے پھر سے کہا۔ تو عون نے گہری سانس بھری۔

"مہربانی کی کیا بات ہے تائی جان۔ چلو اٹھو۔۔۔" عون نے کہا تو ارم کھل اٹھی۔

عون کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ میں فارغ ہو کے لوٹ آئے گا۔ مگر ارم کو راستے میں بیکری پہ رک کے کیک لینا تھا۔

"بہن کی شادی پہ انوائیٹ کرنے جا رہی ہوں۔" ارم نے توجیہہ پیش کی تو عون نے دل ہی دل میں جز بز ہوتے ہوئے طنز کیا۔

"اتنی اچھی دوست تھی تو دو دن پہلے انوی ٹیشن دے رہی ہو۔ بری ہوتی تو کیا کرتیں۔"

"آج ہی سیالکوٹ سے آئی ہے وہ۔۔۔" ارم نے تحمل سے اس کا طنز برداشت کیا تھا۔

راستے میں ٹریفک جام اور اس پر مستزاد یہ کہ ارم کی دوست کے گھر کے باہر اتنا بڑا تالا لگا ہوا تھا۔
"او نو..." عون بھی کوفت کا شکار ہوا۔ ارم نے اپنی دوست کو کال کی تو اس نے بتایا کہ وہ سیالکوٹ سے نکلنے میں لیٹ ہو گئی ہے۔
عون کو ٹینشن ہونے لگی۔ موبائل بھی چارجنگ پہ لگا چھوڑ آیا تھا ورنہ ثانی کو کال ہی کر لیتا۔
"یہی کال تم گھر سے نکلنے سے پہلے کر لیتیں تو اچھا ہوتا۔" عون کو واقعی غصہ آیا تھا۔ مگر ارم کو کوئی ٹینشن نہیں تھی۔
"چلو۔ اسی بہانے تمہارے ساتھ لانگ ڈرائیو بھی ہو گئی۔" وہ تایا جان کی گاڑی میں آئے تھے جو انہوں نے شادی کے دنوں میں گھر کے لیے مختص کر رکھی تھی۔
"تمہاری مہربانی ہو گی جو تم یہ بہانے نہ ہی تلاشا کرو۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے عون نے تلخی سے کہا۔
ابھی کل رات کی ارم کی بے باکی اسے بھولی نہ تھی اس پر مستزاد ثانی کا ناراض ہو جانا۔
"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ہم دونوں میں کبھی کوئی دشمنی نہیں رہی 'پھر وجہ پوچھ سکتی ہوں اتنی تلخی کی؟" ارم نے گلہ گزاراں انداز میں کہا۔
"یہ تم اپنے آپ سے اپنے انداز سے پوچھو۔" عون نے تلخی سے کہا۔
"کیا کسی کو پسند کرنا جرم ہے؟" ارم نے جیسی بڑی دلگرفتی سے پوچھا۔ عون جز بز ہوا۔ مگر اسے یوں لگا جیسے یہ ارم کو سمجھانے کا صحیح موقع ہے۔
"نہیں 'لیکن جب یہ پسندیدگی محض ایک طرف سے ہو تو انسان کو اپنی انا اور عزت نفس کو داؤ پہ نہیں لگانا چاہیے۔" عون نے صاف گوئی سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی تو ارم تپ گئی مگر بظاہر بڑی سادگی سے بولی۔
"ہاں۔ جیسے تم اور ثانیہ۔" عون نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
"میں اور ثانیہ کہاں سے آ گئے اس مثال میں؟"
"تم بھی تو یکطرفہ محبت کا شکار ہو عون۔ میں کیا 'سبھی جانتے ہیں۔ پہلے تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور اب وہ اس رشتے کو نبھانا نہیں چاہتی۔" ارم نے آرام سے کہا۔
عون کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں اسے لگا جیسے اس کا اور ثانیہ کا رشتہ لوگوں کے لیے ایک کھلی کتاب بن چکا ہو۔
"غلط فہمی ہے تمہاری۔" وہ پرزور انداز میں بولا۔
"ابھی تمہارا ممتنا بیچ میں نہ آتا تو ہم دونوں شکر پڑیاں جانے والے تھے۔ حالانکہ کل تم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی حالات خراب کرنے میں۔"
ارم لب کاٹتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ دونوں گھر کے قریب پہنچ چکے تھے کہ انہوں نے فاران کی بڑی گاڑی میں ثانیہ اور نیلم کو جاتے دیکھا۔
عون نے بے یقینی سے ثانیہ کو دیکھا۔ اس نے بھی عون اور ارم کو آتے دیکھ لیا تھا مگر کوئی رسپانس نہیں دیا۔ گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ ارم کے دل میں پھلجھڑیاں سی چھوٹیں۔
"یہ لو۔ ثانیہ کا تو کوئی اور ہی پروگرام تھا۔" وہ بے ساختہ بولی۔ گاڑی باہر ہی روک کر نیچے اترتا عون غرایا تھا۔
"شٹ اپ۔" اور اب وہ دھول اڑاتی گاڑی دیکھتا۔ وہ زوردار انداز میں دروازہ بند کرتا اندر چلا گیا۔ وہ سلگ رہا تھا تلملا رہا تھا۔
ثانیہ ایسی حرکت کرے گی۔ عون نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"بھئی میں نے تو بہت کہا کہ ابھی دس منٹ میں عون واپس آجائے گا مگر تمہیں تو پتا ہے نا کتنی ضدی اور منہ پھٹ ہے۔ کہنے لگی آج کا پروگرام تھا باہر جانے کا تو آج ہی جائے گی عون نہ سہی فاران سہی۔" تائی جان نے سارا ملبہ ثانیہ پر ڈال دیا۔ عون نے لب بھینچے۔

"سوری عون۔ میری وجہ سے....."

ارم کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اس کے الفاظ سے میل نہیں کھاتی تھی۔ عون سر جھٹکتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھ کر فاتحانہ مسکرانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

وہ نیلم اور فاران کے ساتھ شکرپڑیاں آ تو گئی مگر اس کے دل کو ایک مسلسل بے چینی لاحق تھی۔

یہ ٹھیک ہے کہ اسے عون کے یوں ارم کے ساتھ نکل جانے پر غصہ آگیا تھا مگر شاید اسے یوں بدلہ نہیں لینا چاہیے تھا۔

شکرپڑیاں اسلام آباد کا وہ مقام ہے جہاں سے سارا اسلام آباد شہر دکھائی دیتا ہے۔

دوپہر کا کھانا فاران نے بہت اچھے ریسٹورنٹ میں کھلایا تب تک ثانیہ خود کو سمجھا چکی تھی کہ اس نے نیلم اور فاران کی آفر قبول کر کے اچھا ہی کیا۔ عون کی شکل دیکھ کر وقتی طور پر اسے جو بے چینی سی لاحق ہوئی تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی۔

بجائے رات کی غلط فہمی دور کرنے کے صبح ہوتے ہی وہ پھر ارم کے ساتھ نور پہ نکل گیا تھا۔

شام گہری ہو رہی تھی جب ثانیہ نے فاران کو واپسی کا کہا۔ ورنہ نیلم تو (ارم کے بغیر) یوں آزادانہ ٹرپ سے بہت خوش تھی۔

"کیسا لگا اسلام آباد....؟" فاران نے جگمگاتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ جو بہت بے نیاز اور لاپروا سی تھی۔

"ہوں... اچھا ہے۔ کچھ سنجیدہ اور مغرور سا۔" یہ ثانیہ کا تجزیہ تھا۔

"ارے....." فاران کے ساتھ نیلم بھی ہنسی۔

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا۔ ہم تو نہ سنجیدہ ہیں اور نہ مغرور۔ ہاں.... جو خود پہ مغرور ہو اس کے لیے سنجیدہ ضرور ہو سکتے ہیں۔" فاران نے اس کی بات سے لطف لیتے ہوئے کہا مگر اسی وقت ثانیہ کا موبائل بجنے لگا تو وہ اپنے شولڈر بیگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

فاران بدمزا ہوا تھا۔

ثانیہ نے موبائل نکال کے دیکھا تو عون کی کال تھی۔ اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑک اٹھا۔

"ایکسکیوز می۔ عون کی کال ہے۔" وہ موبائل تھامے قدرے سائیڈ میں چلی آئی۔

"کہاں ہو تم ابھی تک....؟" وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"یونہی سیر و تفریح کے لیے نکلے تھے....." وہ لاپروائی سے بولی۔ عون نے اس کی بات کاٹی۔

"یونہی.... تم میرے بغیر انجان شہر میں یونہی کسی کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے نکل گئیں؟" عون کے انداز میں دبا دبا غصہ تھا۔

مگر اس کے الفاظ سن کر ثانیہ کے کانوں سے دھوئیں کی لپٹیں نکلیں۔

"یہاں ہر کسی کو آزادی ہے کسی کے بھی ساتھ جانے کی مسٹر عون عباس!"

"تم گھر آؤ فورا" ثانی۔ مجھے غصہ مت دلاؤ۔" وہ دانت پیس کر بولا تو ثانیہ نے غصے سے لائن ہی ڈراپ کر دی۔ دور کھڑے نیلم کے ساتھ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف فاران گاہے بگاہے فون پہ بات کرتی ثانیہ کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ خود کو نارمل کرتی ان کی طرف آئی۔

"خیریت۔۔۔؟"

"جی' خفا ہو رہا تھا۔ ڈھولکی شروع ہونے لگی ہے اور ہم تینوں موجود ہی نہیں۔" ثانیہ نے بات بنائی۔

"او ہو۔ آج تو میری فرینڈز نے بھی آنا تھا یاد ہی نہیں رہا۔" نیلم چلائی۔

"اچھا بھئی چلو۔" فاران بادل ناخواستہ بولا۔ تو وہ دونوں اس کی معیت میں گاڑی کی طرف چل دیں۔

☼ ☼ ☼

معیذ کچھ گنگناتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ آج کی شام رباب کی سنگت میں بہت حسین گزری تھی مگر کوریڈور کا دروازہ کھولتے ہی اندر سے دروازہ کھول کے آنے والا اس سے ٹکرا گیا۔

"سو۔۔۔ سوری۔۔۔" وہ گڑبڑایا۔ مگر پھر ابیہا پر نظر پڑتے ہی ٹھہر سا گیا۔ ابیہا کی رنگت فق پڑ گئی۔ وہ تیزی سے وہاں سے چلی جانا چاہتی تھی۔

"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" معیذ کے انداز میں بے یقینی تو تھی ہی مگر یہ سوال پوچھتے ہوئے ماتھے پہ ناگواری کی لکیریں بھی پھیل گئیں۔

"وہ۔۔۔ مجھے آنٹی نے کام سے بلایا تھا۔" ابیہا نے بمشکل کہا۔ اس کی عزت نفس سسکنے لگی تھی۔

معیذ حد درجہ حیران ہوا۔ اتنا کہ ناگواری کہیں دور چلی گئی۔

"ماما نے۔۔۔؟" بے یقینی سے پوچھا۔ ابیہا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"آپ انہی سے پوچھ لیجئے۔" وہ بدقت تمام کہتی ہوا کے جھونکے کی مانند اس کے پاس سے گزر گئی۔

وہ اس قدر حیران تھا کہ کئی لمحے اسی پوزیشن میں کھڑا رہ گیا۔ پھر تیز قدموں سے چلتا سفینہ بیگم کے کمرے کی طرف آیا تو وہاں ایزد اور زارا کو ماں کے پاس بیٹھے دیکھ کر چپ سا ہو گیا۔ سلام دعا کے بعد ماں کا چہرہ دیکھا مگر وہاں اطمینان تھا۔ وہ تینوں معمول کی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

مگر معیذ احمد کے دل میں اضطراب کی لہریں موجزن تھیں۔ وہ خاموش بیٹھا الفاظ ترتیب دیتا رہا کہ ماں سے کیسے پوچھے کہ انہوں نے ابیہا کو یہاں کیوں بلایا تھا۔

"ویسے بھائی! ماما کے انتخاب کی داد دینا پڑے گی۔۔۔ نئی ملازمہ دیکھی ہے آپ نے کیسے چھان پھٹک کے رکھی ہے۔" ایزد ماں کو چھیڑ رہا تھا۔

سفینہ بیگم نے نگاہ غلط انداز بڑے بیٹے پر ڈالی۔ زارا بھی چپ سی ہو گئی۔ اگر ایزد کو نہیں پتا تھا تو کیا' وہ تو جانتی تھی نا۔ مگر کیا معیذ۔۔۔؟ وہ کن اکھیوں سے معیذ کا سنجیدہ چہرہ دیکھنے لگی۔

"کام کرنے والیوں کے چہرے نہیں ان کا کام دیکھا جاتا ہے۔" سفینہ بیگم نے ایزد سے کہا تو انداز پرسکون تھا۔

"پھر بھی ماما۔ خوب صورتی تو پلس پوائنٹ ہوئی نا۔" ایزد ابھی بھی مذاق کے موڈ میں تھا۔

"جو تا سونے کا بھی ہو تو پاؤں ہی میں آتا ہے ایزد! سر پر نہیں رکھ لیا جاتا۔" وہ درسان سے بولیں۔ پھر معیذ کو مخاطب کیا۔

"تم کیوں اتنے خاموش ہو۔ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"
"جی۔" معیز نے زارا اور ایزد پر اچٹتی نظر ڈالی اور ماں سے کہا۔
"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"
"اگر میری شادی کی بات کرنی ہے تو آپ میرے سامنے بھی کر سکتے ہیں مجھے شرم نہیں آئے گی۔" ایزد شرارت سے بولا۔ معیز مسکرا دیا۔
"وہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تم کتنے بے شرم ہو۔ تمہیں خود سے اعلان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔" زارا اس کے شانے پہ دھپ لگاتی اٹھ گئی۔ تو وہ بھی آہ بھر کے اٹھا۔
"اعلان کر کر کے بھی ابھی تک کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔"
"فکر مت کرو۔ دونوں بھائیوں کی اکٹھی کروں گی اور وہ بھی ایسی دھوم دھام سے کہ دنیا دیکھے گی۔"
سفینہ بیگم نے اسے تسلی دلائی۔ ایزد ایک دم چپ ہوا۔ بات کا رخ مڑنے لگا تھا۔
"چلو بلی۔ ذرا چل کے گرما گرم کافی پلاؤ۔ پھر اس معاملے پہ بھی غور و فکر کرتے ہیں کہ دھوم دھام کا ریشو کیا ہونا چاہیے۔" وہ فوراً ہی زارا کو ساتھ لیتا کمرے سے نکل گیا تھا۔
"ہوں۔۔۔ کیا مسئلہ ہے؟" سفینہ سنجیدہ ہو گئیں۔ اس کا یوں چپ کر کے آکر بیٹھ جانا انہیں کھٹک رہا تھا۔
"وہ یہاں کیوں آئی تھی۔۔۔؟"

"کون۔۔۔؟" سفینہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔
"میں نے ابھی اسے گھر سے نکل کے ٹیکسی کی طرف جاتے دیکھا ہے ماما۔ وہ اس گھر میں کیوں آئی تھی؟" وہ سنگ اٹھا۔ پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے سفینہ بیگم مسکرائیں۔
"اچھا وہ۔۔۔" انہوں نے آہستہ آہستہ پانی کے دو گھونٹ بھرے اور گلاس واپس رکھ کر ڈھک دیا۔ پھر معیز کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"وہ میں نے نئی ملازمہ رکھی ہے۔" وہ بے حد اطمینان سے بولیں تو معیز ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔
"میں ایمہا کا پوچھ رہا ہوں۔"
"میں بھی اسی کا کہہ رہی ہوں۔ نذیراں کے ساتھ گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے رکھ لیا ہے میں نے اسے 'تاکہ جب تک وہ کسی طرف لگ نہیں جاتی اپنی حیثیت یاد رکھے۔" معیز کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔ چند لمحوں کے لیے تو جیسے وہ قوت گویائی ہی کھو بیٹھا تھا۔
جبکہ سفینہ بیگم اس کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ اس کے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار تھیں۔

☼ ☼ ☼

عون نے پہلے تو مارے غصے کے ثانیہ کو کال نہیں کی مگر جب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو اس کا غصہ تشویش میں بدلنے لگا۔ لاؤنج میں ڈھولکی رکھی گئی اور آہستہ آہستہ سب جمع ہونے لگے۔ وہ باہر لان میں آیا اور ثانیہ کو کال کر کے فوراً گھر آنے کا کہا۔ مگر ثانی کا انداز بہت غصہ دلانے والا تھا۔
وہ فون بند کر کے بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اسے ساری کی ساری غلطی اپنی نظر آرہی تھی۔
"مجھے ارم کے ساتھ جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ صاف لفظوں میں تائی جان کو انکار کر دیتا اور یہ فاران کا بچہ۔۔۔ اب اس کے سر کا درد کہاں گیا؟ بہن کو لے جاتے تکلیف ہو رہی تھی۔ اور یہ ثانی۔۔۔ ساری غلطی اس کی

ہے۔" آخر میں آ کے سارا ملبہ ثانیہ کی غلطی پہ گرا تھا۔

"تم یہاں تارے گننے کیوں نکل آئے؟" ارم کی آواز نے اسے ٹھٹکا دیا۔ برآمدے کی سیڑھی پہ بیٹھا اکتاہٹ سے موبائل کے وال پیپر چینج کرتا عون بری طرح چڑ گیا تھا۔

"تم میرا پیچھا چھوڑ نہیں سکتیں؟"

"تم یہاں مہمان ہو عون اور تمہارا خیال رکھنا ہمارا فرض۔" وہ مسکرائی۔ اچھی خاصی جاذب نظر لڑکی تھی۔ مگر اس کے انداز عون کو زہر لگتے تھے۔

"تم نے میرا خیال رکھنا خود پر فرض کر لیا ہے اور کسی نے تو اتنا خاص پروٹوکول دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" عون نے طنز کیا تو وہ سینے پہ بازو لپیٹے مسکراتے ہوئے اس کے عین مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری زندگی میں جو بھی آئے اسے تمہارا اتنا ہی خیال رکھنا چاہیے عون کیونکہ تم اسی قابل ہو۔"

"تم مجھے کس کے خلاف کرنا چاہتی ہو ارم۔۔۔؟ اور ہاں دادے میں اپنے بارے میں اتنی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں جتنی کہ تم میرے بارے میں غلط فہمی کا۔" وہ قطعی متاثر ہوئے بغیر ماتھے پہ تیوری ڈال کے بولا۔ تو ارم نے گہری سانس بھری۔

"میں تمہیں کیوں کسی کے خلاف کروں گی۔ حالات تمہارے سامنے ہیں۔ کسی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے سے پہلے اس کے دل میں اپنے لیے موجود جگہ کو ضرور دیکھ لینا چاہیے عون عباس۔ ورنہ بڑی خواری ہوتی ہے۔" وہ ذومعنی انداز میں بولی۔ عون بری طرح تپا اور اسے کچھ سخت الفاظ کہنا چاہتا تھا تبھی چوکیدار گیٹ کھولنے لگا۔

فاران کی گاڑی اندر آ رہی تھی۔

عون خاموشی سے ادھر دیکھنے لگا۔ ارم اندر کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھول کے نیچے اترتی ثانیہ نے پہلے ارم کو عون کے پاس کھڑے بھی دیکھا اور اندر جاتے ہوئے بھی۔

"بہت شکریہ فاران بھائی، بہت مزا آیا آج۔" ضرورت نہیں تھی مگر ثانیہ نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔

"واقعی۔۔۔ میں نے بھی بہت انجوائے کیا۔ مگر لیٹ ہو گئے ہیں امی سے ڈانٹ پڑے گی۔ میری فرینڈز بھی آ چکی ہیں۔" نیلم اندر بھاگی تھی۔ فاران مسکراتا ہوا عون کی طرف بڑھا مگر اس وقت تک وہ اٹھ کر اندر جا چکا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" فاران نے حیرت سے ثانیہ کو دیکھا۔ تو وہ لب بھینچ کر مسکرا دی۔

"اسے ہو جاتا ہے کبھی کبھار کچھ۔" وہ دونوں اکٹھے اندر آ گئے تھے۔

ثانیہ نے سب پر ایک نظر ڈال کر ہی دیکھ لیا تھا کہ ان میں عون کہیں نہیں ہے۔

لاؤنج میں خوب صورتی سے ڈھولک بجنے لگی تو ایک سماں بندھ گیا۔ تائی جان نے ثانیہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ عون کے یکے بعد دیگرے کئی میسج آئے مگر ثانیہ وہاں بیٹھی تالیاں پیٹتی رہی اور پھر آخری میسج۔

"ثانیہ آ رہی ہو یا پھر سب کے بیچ میں سے تمہیں اٹھا کے لے آؤں؟" ثانیہ نے دانتوں پہ دانت جمائے۔ اور اٹھ گئی۔

"ابھی آتی ہوں۔ بیگ رکھ کے سلیپر پہن آؤں۔ جوتا تنگ کر رہا ہے۔" اس نے جھک کے تائی جان کے کان میں کہا۔ تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

عون اوپر کوریڈور کے سرے پر اپنے کمرے کے باہر ہی محو انتظار تھا۔ ثانیہ اسے دیکھ کر پھر سے غصے میں آ گئی۔

"شرم تو نہیں آئی۔ یوں سب کے درمیان سے اٹھا کر لاتے۔" وہ بمشکل سب سے نظر بچا کے اوپر آئی تھی۔
عون نے اس کا ہاتھ تھاما اور تقریباً" کھینچتے ہوئے ٹیرس پہ لے آیا۔
"عون چھوڑو مجھے۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ چلائی۔
"اور جو حرکت تم نے کی ہے وہ بہت تمیز میں شمار کی جاتی ہے؟" ثانیہ کو کیا غصہ آتا۔ ہمیشہ ٹھنڈا رہنے والا عون عباس اس وقت بھڑ بھڑ جل رہا تھا' سلگ کر بولا۔
"مسئلہ کیا ہے تمہارا عون۔ میں یہاں انجوائے کرنے آئی ہوں یہ تم نے ہی باور کرایا تھا مجھے۔"
وہ غصے سے بولا۔
"یہ۔۔۔ یہ انجوائے منٹ ہے تمہاری ثانیہ۔ ایک نامحرم کے ساتھ پورا دن سیرو تفریح میں گزار دیا۔" وہ تاسف سے بولا۔ بات تو سچ تھی مگر ثانیہ کے تلووں لگی سر پہ جا بجھی۔
"ہاں' صرف مرد ہی نامحرم ہوتے ہیں۔ عورتیں تو نامحرم ہوتی ہی نہیں اور تم جو کل ٹیرس پہ ارم کے ساتھ کر رہے تھے وہ۔۔۔؟"
"شٹ اپ۔۔۔ ثانیہ۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔
"اوکے۔ میں شٹ اپ ہو جاتی ہوں۔ لیکن پھر تمہیں بھی مجھ سے اس انویسٹی گیشن کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" ثانیہ نے قطعیت سے کہا۔
عون نے بے اختیار آگے بڑھ کے سختی سے اس کا بازو تھاما اور دانت کچکچا کر ہلکے سے جھٹکے سے اسے ہلایا۔
"تم یہ مت بھولو کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ رخصتی ہی باقی ہے ثانیہ عون عباس۔ ورنہ تم بیوی ہوتی ہو میری۔ ذمہ داری ہو میری۔" ثانیہ کے چہرے سے آگ کی لپٹیں نکلیں۔
"اور تم اپنی دفعہ کیوں یہ بات بھول جاتے ہو۔ کیا لگتی ہے ارم تمہاری جو آدھی رات کو تمہارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے۔۔۔" ثانیہ کو بھی طرارہ آیا مگر اس سے پہلے ہی غصے میں آکر عون نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔
"بکواس مت کرو ثانی۔۔۔ ہر دکھائی دینے والی چیز میں اصلیت نہیں ہوتی۔ کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہوتی ہے۔"
"ہنہ وضاحت۔" وہ حقارت سے بولی۔
"وضاحت ہمیشہ جھوٹی باتوں کی ہوتی ہے عون عباس۔ سچ کو وضاحت اور صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" اسے عون کے یوں دھتکارنے والے انداز پر شدید ہتک محسوس ہوئی تو اس کے اندر سوئی منہ پھٹ دہقانن پورے طمطراق سے بیدار ہو گئی۔
"جب سامنے تم جیسے آنکھوں والے اندھے ہوں تو پھر سچ کو بھی گواہی اور وضاحت کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔" وہ چیخا تھا۔
"اچھا۔" وہ تمسخر بھرے طنزیہ لہجے میں بولی۔
"تو کیا وضاحت دو گے تم۔۔۔ وہ زبردستی تمہارے ساتھ چمٹ گئی تھی۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جیولیٹ بنی۔۔۔" وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گئی۔ عون کا دماغ گھومنے لگا۔
"دفع ہو جاؤ یہاں سے ثانی۔ ورنہ میں ہاتھ اٹھا بیٹھوں گا۔" دانت پیس کر کہا۔
"مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے صفائیاں پیش کرنے کی۔"
"تم جیسے لوگ۔۔۔ جھوٹی انا کے مارے۔ اپنے مقام سے ایک سیڑھی بھی نیچے نہیں اترنا چاہتے' چاہے نیچے کوئی

کتنا ہی پیار اور کھرا پن لیے کھڑا ہو۔" عون نے تاسف سے کہا اور پھر لب بھینچتا خود کو مزید کچھ کہنے سے روکتا واپس پلٹا۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز ثانیہ نے ٹیرس پہ سنی تھی۔
وہ کتنی ہی دیر اسی خالی الذہن کیفیت میں کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں ماما۔" معیذ نے بے بسی سے پوچھا۔
"کیا کر رہی ہوں۔۔۔؟" سفینہ نے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔
"ماما۔۔۔ وہ لڑکی اس گھر میں ایک وصیت کے تحت آئی ہے۔"
"وصیت کے تحت یا رشتے کے؟" سفینہ بیگم کا طنز کڑا تھا۔
"میں بار بار اپنی مجبوری کا رونا نہیں روؤں گا ماما۔ لیکن اتنا ضرور سمجھ لیں کہ اگر میں اس فیصلے سے انکار کرتا تو ابو کا اپنی ذات کو اس معاملے میں گھسیٹنا ناگزیر تھا۔" معیذ نے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقیقت کا آئینہ ان کے سامنے لا رکھا۔
"اگر وہ لڑکی تمہارے باپ کے رشتے سے بھی اس گھر میں آتی تو میں اسے یونہی جوتے کی نوک پہ رکھتی۔ سمجھے تم۔۔۔۔" وہ پھنکاریں۔
"آج یا کل اس نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ ماما پلیز آپ اس معاملے کو اتنا سر پہ سوار نہ کریں۔ مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" معیذ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"انٹرسٹ نہیں تھا تو کسی دارالامان میں پھینکتے۔ بھلے پھر اس کا خرچا لگا دیتے وہاں۔" وہ تیز لہجے میں بولیں تو

معیذ نے انہیں یاد دلایا۔
"وہ اس گھر میں بھی حصے دار ہے ماما۔" سفینہ بیگم نے دانت کچکچائے۔
"تمہارے تو باپ کو اب میں کیا کہوں۔۔۔ وہی میرے لیے عذاب کھڑا کر گیا ہے۔"
کبھی کبھار ہم کسی کی کی گئی نیکیوں کو پلڑے میں تولتے ہوئے ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ بعض لوگ ہمارے لیے نیکیاں چھوڑ جاتے ہیں مگر ہم ادھ پرستی میں مشغول اس نیکی کو بوجھ سمجھ لیتے ہیں۔
امتیاز احمد بھی سفینہ بیگم کے کرنے کو ایک نیکی چھوڑ گئے تھے۔ ایک مفلوک الحال بے سہارا لڑکی۔
تھوڑا سا دل بڑا کرتیں، ابیہا کو بیٹی مان کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھتیں تو وہ تاعمر ان کے قدموں میں بیٹھی رہتی، نیکی الگ اور دنیاوی سکون الگ۔ لیکن وہ اس کی دنیا اور اپنی آخرت خراب کرنے میں مصروف تھیں۔
"میں نے کہا نا ماما۔ آپ اس بات کی ٹینشن نہ لیں۔ میں جلد ہی اس کا کوئی حل سوچتا ہوں۔" معیذ نے کہا تو وہ جل کر بولیں۔
"ابھی اور کتنا وقت چاہیے سوچنے میں؟ طلاق دے دو گے تو کون سا تمہارا باپ قبر سے نکل آئے گا تمہیں پوچھنے۔"
"اللہ۔۔۔۔" معیذ ماں کی زبان کی زہر افشانی پر دم بخود رہ گیا۔
"یہاں رہنا ہے اس نے تو ایسے ہی رہے گی۔ میرے گھر میں میری مرضی سے۔ اور ہاں اس کا ماہانہ خرچا میرے ہاتھ میں دے دو۔ ہر مہینے کی پہلی کو عطا کروں گی نذر ان کے نیاتھ۔"
وہ اب بڑے آرام سے کہہ رہی تھیں۔ معیذ گہری سانس بھرتا اٹھ گیا۔ سفینہ کو تو کبھی امتیاز احمد نہ سمجھا پائے

تھے تو وہ کس کھیت کی مولی تھا۔

"سن رہے ہو نا۔ یاد سے دے دینا۔ حق نہیں ماروں گی اس کا۔ دے ہی دوں گی اسے۔ مگر بدلے میں اسے بھی پسینہ بہانا پڑے گا۔ فقیروں میں بانٹنے کے لیے نہیں ہے یہ پیسہ۔" وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

"اوکے۔۔۔ آرام کریں آپ۔" معیذ ان کی باتوں پر الجھتا کمرے سے نکل گیا۔ سفینہ بیگم نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایسہا نے زندگی میں لوگوں کا بہت برا روپ دیکھ رکھا تھا۔ ایسے میں سفینہ بیگم تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھیں۔ مگر واپس آکر جب معیذ کے ساتھ اپنے رشتے کے حوالے سے وہ سفینہ بیگم کا رویہ سوچتی تو اس کا دل کرلانے لگتا۔

اسے نذیراں کے ساتھ منتھی کر کے انہوں نے اسے اس کی اوقات جتادی تھی۔

یہی اہمیت وہ اسے ایک بہو کی حیثیت سے دیتیں تو وہ اپنی گھر کو جی جان سے سنوارتی۔ مگر ادھر تو حال یہ تھا کہ ذرا سی گرد صحیح سے صاف نہ ہونے پر نذیراں کے ساتھ ہی اسے بھی ڈانٹ پڑتی۔ وہ کھانا کھائے بنا ہی بستر پر گر گئی۔

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کی پہلے کی زندگی قابل رحم تھی یا اب کی۔۔۔؟

اس کے پاس بینک بیلنس تھا' دس ہزار ماہانہ خرچا تھا اس کے باوجود وہ ایک گھر میں ملازم کے طور پر کام کرنے پر مجبور تھی۔ اسے اپنی مجبوری پر ہنسی بھی آتی تھی اور رونا بھی۔ کمی تھی تو صرف ہمت کی۔ یہ کمی دور ہوتی تو وہ صحیح معنوں میں مالا مال تھی۔

وہ صالحہ کو یاد کر کر کے روتی۔ معیذ احمد کی نیکی یاد کر کے ہزاروں دعائیں ان کے نام کرتی تو معیذ کی بے اعتنائی پر آنکھیں بھر بھر آتیں۔

وہ امتیاز احمد کی شکر گزار تھی۔ ان کی مغفرت کے لیے کتنی ہی دیر دعائیں کرتی رہتی انہوں نے اپنا کتنا پیارا بیٹا اس کے لیے چنا تھا۔

پیارا۔۔۔؟

جی ہاں۔۔۔ یہ ایسہا مراد کے دل کی رام کہانی تھی۔ اب وہ جو بھی کرے جیسا بھی کرے۔۔۔ ایسہا احسان فراموش نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کیسے وقت میں معیذ احمد اس کی جان بچا کے لایا تھا۔ معیذ احمد کے پیارا لگنے کے لیے ایک یہی وجہ کافی تھی۔

"تم جو کرلو۔۔۔ جیسا بھی کرو معیذ احمد۔ مگر مجھے اس گھر کے ایک کونے میں جگہ دے دو اور بس۔ میں ساری عمر وہیں بیٹھی تمہیں تکتی۔ تمہارے لیے دعائیں کرتی زندگی گزار دوں گی۔" آنسو بہاتی وہ خیالوں میں معیذ احمد سے محو کلام تھی۔

☆ ☆ ☆

آج ثانیہ کی مہندی کی تقریب تھی۔

نیلم اور ارم نے بطور خاص اس فنکشن کے لیے ڈانس پریکٹس کر رکھی تھی۔ وہ سب لاؤنج میں ناشتے کے بعد بیٹھی پہناؤنوں کے کپڑے پیک کر رہی تھیں۔ جب عون سیڑھیاں اترتا چلا آیا۔

"عون۔۔۔" ارم نے آواز دی تو لب بھینچتے ہوئے ثانیہ مزید توجہ کے ساتھ کپڑے پیک کرنے لگی۔ وہ ادھر ہی

چلا آیا۔
"آج شام مہندی میں تم میرے ساتھ ڈانس کر رہے ہو۔ سمجھے۔" ارم کا انداز بے حد شوخ اور بے تکلفانہ تھا۔
کوئی اور وقت ہوتا تو عون اس کی خوب کلاس لیتا۔ مگر اس سے پہلے ہی تائی جان نے ارم کو گھر کا۔
"بھلا بتاؤ۔ بہنوں کی شادی پہ بھائی ناچتا اچھا لگتا ہے کیا۔"
"مگر کزن تو اچھا لگتا ہے نا؟" وہ اپنی بات پہ اڑی تھی۔
ثانیہ کی سماعتیں عون کے جواب کی منتظر تھیں۔ لاشعوری طور پر۔
"اں۔۔۔ ہاں۔ بھنگڑا تو کر ہی سکتا ہوں۔ مگر تمہاری طرح ٹرینڈ ڈانسر نہیں ہوں میں۔" وہ بڑے پرسکون موڈ میں تھا۔
ثانیہ کے دل کو جھٹکا سا لگا۔ اسے عون سے اس جواب کی امید بالکل بھی نہیں تھی۔ ارم کے تو مانو دل کی کلی ہی کھل گئی۔
"او کے۔۔۔ یاد رکھنا شام کو وعدہ کر رہے ہو۔" وہ چہکی۔
"اگر تمہارے بھائی ہوں گے تو میں بھی حاضر ہوں۔" وہ جانے کو پلٹا۔
"شانی تو لازمی ہو گا۔ تم فکر مت کرو۔ اور مکر نا مت۔" ان کی تاب پر وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ ثانیہ نے دبی ہوئی سانس خارج کی۔ اسے غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا۔ عون اپنی غلطی ماننے کے بجائے مزید ڈھٹائی دکھا رہا تھا۔
"آپ کو بھی ڈانس یا بھنگڑا وغیرہ آتا ہے؟" نیلم مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ثانیہ سے۔
"نہیں میں نے یہ بیہودگی کبھی نہیں کی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنا کام ختم کرتی اٹھ گئی۔ اور اس کی آواز اتنی بلند تو ضرور تھی کہ سبھی تک جا پہنچی۔
تائی جان نے ناگواری محسوس کی مگر سب کی موجودگی میں محض اسے مسکرا کر دیکھا مگر ارم نے تو اس کے تاثرات سے خوب لطف لیا اور شاید مزید بھی لینا چاہتی تھی۔
"کی نہیں تو اب کر کے دیکھ لو۔ عون کے ساتھ بھنگڑے کا مزہ ہی کچھ اور ہو گا۔" وہ اسے چڑا رہی تھی۔
"تم انجوائے کرنا نا۔ ہمارے ہاں تو نہ اس بات کی تہذیب اجازت دیتی ہے اور نہ مذہب۔" ثانیہ کس دل سے مسکرا کر بولی یہ وہی جانتی تھی۔ ارم نے سر جھٹکا اور مسکرا دی۔
"میں کمرے میں جا رہی ہوں نیلم! پلیز اگر مائنڈ نہ کرو تو مجھے ایک کپ چائے دے جانا۔" وہ اب کی بار ارم کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے نیلم سے بولی اور وہاں سے ہٹ گئی۔
بعض جگہوں سے ہٹ جانا ہی آپ کے لیے بہتر ہوا کرتا ہے۔ اس سے آپ میں برداشت بھی باقی رہتی ہے اور عزت نفس بھی۔
"ہم گرین ولا" کے لان میں رات بڑی شان اور جگمگاہٹ کے ساتھ اتری۔ فاران نے اپنی نگرانی میں وسیع لان میں ساری ڈیکوریشن کروائی اور لائٹنگ بھی۔
سر شام ہی حلوہ پوری والے اور باربی کیو والے آ کر بیک یارڈ میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی مصروفیت جاری تھی۔ اور اندر گھر میں ایک دلفریب سا ہنگامہ۔
نازیہ آپی تو مہندی کے فنکشن کے لیے بھی پارلر سے ہلکا پھلکا تیار ہو کے آئی تھیں۔ دوپہر کو نیلم نے زبردستی اپنی دوست سے ثانیہ کو دونوں ہاتھوں پہ خوب صورت سی مہندی لگوائی تھی۔ وہ اب بھی مہندی کی خوشبو سونگھ سونگھ کر ناک بھوں چڑھا رہی تھی۔ مگر رنگ بہرحال بہت خوب صورت آیا تھا۔ نیلم اور ارم بھی پارلر سے تیار ہو

رہی تھیں ایسے میں ثانیہ نے صاف انکار کردیا۔
"میں اتنی زیادہ لکی نہیں ہوں۔ گھر ہی دو ہاتھ ماریوں گی چہرے پر۔"
نیلم اس کی بات پر خوب ہنسی تینوں بہنیں پارلر چلی گئیں ایسے میں اب ثانیہ کو کمرے میں تیار ہونے کی خوب آزادی تھی۔
"وہ لوگ تو جانے کب آئیں۔ تم جلدی سے تیار ہو کے میرے ساتھ ریسپشن پہ آجاؤ۔" تائی جان نک سک سے تیار تھیں اور اب ثانیہ کو بھی الٹی میٹم دے گئی تھیں۔
ثانیہ کا موڈ خراب تھا مگر حالات اس کے بس میں نہیں تھے اپنے بل پہ ہوتی تو ابھی تک واپس کراچی جاچکی ہوتی مگر عون کے ساتھ آکر تو جیسے اپنے ہاتھ پیر ہی کٹوا بیٹھی تھی۔ اس نے بے دلی سے اپنے کپڑے نکالے۔ گلابی شاپر میں مہندی کا جوڑا' نیلے میں بارات اور پیلے میں ولیمے کا۔ یہ خالہ کی ہدایات تھیں۔
اور مہندی کا جوڑا نکالتے ہی ثانیہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ بوتیک کے کپڑے لے لیتی جن پہ ہلکی پھلکی کڑھائی یا ڈیزائننگ ہوتی۔ گھر میں ہوتی تو ای لون اور لینن کے کپڑے خود ہی دیتیں۔
مگر ای کے کہنے پر خالہ نے شادی کے فنکشن کے لیے اس کے تینوں جوڑے خود ہی ڈیزائنر سے بنوائے تھے۔
ثانیہ سے صرف ناپ ہی مانگا جو اس نے لاپروائی سے دے دیا۔
مگر اب جگر جگر کرتا لباس ثانیہ کی سانس روک رہا تھا۔ فالسی رنگ کی لانگ شرٹ پہ بنے کام میں دھنک کے ساتوں رنگوں کا استعمال تھا اور ساتھ میں پستہ کلر کا شرارہ۔ یا پتا نہیں کیا۔ وہ جھنجلائی۔ جی میں تو آرہی تھی فون کر کے خالہ جان کی خوب خبر لے۔
یہ تو اس کے کم اور نازیہ آپی کے جہیز اور بری کے کپڑے زیادہ لگ رہے تھے۔
اس نے جلدی سے دوسرے دو شاپرز بھی بیڈ پہ الٹے۔ بارات کا جوڑا بھی کامدانی تھا' ہاں ولیمہ کا جوڑا شاید اس پر ترس کھا کر ذرا ہلکا رکھا گیا تھا۔ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔ یعنی کہ حد تھی۔ اب وہ اپنی مرضی سے تیار بھی نہ ہوسکتی تھی۔ دروازہ بجا تھا۔
"ثانیہ! جلدی کرو۔ مہمان آنے شروع ہوگئے ہیں۔" تائی جان تھیں۔ ثانیہ کو بادل ناخواستہ وہی کپڑے پہننے پڑے۔
جھنجلاتی ہوئی وہ قد آدم آئینے کے سامنے آئی اور بال کھولنے لگی۔ پھر سامنے نگاہ پڑی تو لحظہ بھر کو بال کھولتے اس کے ہاتھ سست پڑے۔
خوب صورت کام والی لباس' مہندی سے بجے نازک ہاتھ اور شانوں پہ پھسلتے سیاہ ریشمی بال۔ وہ کوئی اور ہی ثانیہ تھی۔
لاحول ولا۔۔۔ وہ شاید نرگسیت کا شکار ہونے لگی تھی۔
مگر یہ تو طے ہی تھا کہ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایسے لش پش کپڑے پہننے لگی تھی۔ بیگ میں خالہ جان نے جیولری کا چھوٹا سا بکس بھی ساتھ رکھا تھا۔ جس میں اس کے تینوں جوڑوں کے ساتھ کی میچنگ جیولری تھی۔۔۔ اور باریک ہیل والی خوب صورت سینڈلز۔
تیار ہوتے ہوئے وہ خالہ جان تو کیا پورے جہان سے ہی ناراض تھی۔
اور سب سے زیادہ غصہ اور ناراضی اپنی ذات سے تھی۔ کیا تھا جو آنے سے پہلے ایک بار ہی فنکشن کے "سامان" والا بیگ چیک کرلیتی۔
اس کا جیولری پہننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ بے دلی سے شانوں سے نیچے آتے سیاہ بالوں کو برش کرنے لگی۔

نیلم نے دروازہ کھٹکھٹا کر اسے پکارا تو اس نے پھر سے اپنے حلیے پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے ہچکچا کر دروازہ کھولا۔
نیلم اور اس کی خالہ زاد تھیں۔

"واؤ..." نیلم کی آنکھیں پھیلیں۔ اس نے پرستائش نظروں سے اسے سرتاپا دیکھا۔

"کیا کمال کا ڈریس ہے آپی... بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" نیلم نے کھلے دل سے تعریف کی تو وہ اور کنفیوژ ہونے لگی۔

"یہ تو ایسے ہی۔ خالہ جان نے بنوا دیا۔ ورنہ میں تو نہیں پہنتی۔" خجالت سے اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ارے آج کل تو ان میرڈ بھی پہنتی ہیں اس سے ہیوی ڈریسز..." وہ بیڈ پہ بکھرے کپڑوں اور اب جیولری کا معائنہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لائیں ہمیں آپ کے بال بنا دوں۔" نیلم کی خالہ زاد کرن نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔

"ارے نہیں۔ ایسے ہی چٹیا بنا لوں گی یا کیچر لگاؤں گی۔" وہ گڑبڑائی۔

"اس لباس پہ تو آپ چٹیا نہیں بنا سکتیں۔" وہ اس کے ہاتھ سے برش لیتی مسکرائی۔ اسے اسٹول پہ بٹھایا اور بڑی مشاقی سے ہاتھ چلا کر فرنٹ پہ ہلکی سی بیک کومبنگ کے بعد اس نے باقی بال کھلے چھوڑ دیے۔ نیلم نے اس کے کانوں میں ایئررنگز ڈال دیے۔

"ماشاء اللہ آپی! آپ کو تو مزید کسی تیاری کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" نیلم واقعی بہت صاف اور کھلے دل کی لڑکی تھی۔ بے ساختہ تعریف کرتی تو جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔

"میں پہلے ہی نروس ہو رہی ہوں نیلم... یہ کپڑے بہت ہیوی ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"میرا گاؤن دیکھیں۔ اتنا ہی ہیوی کام ہے اس پر۔" وہ لاپروائی سے بولی اور میک اپ کٹ کرن کو تھمائی۔ اسی نے ثانیہ کے چہرے پر اپنے کمالات دکھانے شروع کیے۔ ثانیہ کے احتجاج پر وہ مسکرائی۔

"زیادہ کچھ نہیں کروں گی۔ بس آئی میک اپ اور لائٹ سی لپ اسٹک..." اس نے واقعی بڑی مہارت سے ثانیہ جیسی اول جلول کو کترینہ کیف بنا دیا تھا (بقول ارم)

کرن اس کے سامنے سے ہٹی تو ثانیہ نے اپنے آپ کو بے اختیار ہی آئینے میں دیکھا۔

"اب جلدی سے سینڈلز پہن کے آجائیں۔ باہر مہمان آچکے ہیں۔" نیلم نے کرن کو نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے جلدی سے ثانیہ سے کہا۔ پھر جاتے جاتے وہ پلٹ کر ثانیہ تک آئی۔

"اللہ جب دو بہت اچھے لوگوں کو آپس میں کسی رشتے میں باندھ دیتا ہے تو دونوں کو ہی اس رشتے کی خوب صورتی کا احساس کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کا مکمل خیال۔ عون بھائی سے اتنی دور مت جائیں کہ دوبارہ سے ان کے قریب آنے کے لیے آپ کو "کوشش" کرنی پڑے۔"

وہ دھیمے مگر سنجیدہ انداز میں بولی۔ ثانیہ ہونق سی اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"میاں بیوی کے رشتے کے درمیان شیطان مختلف شکلوں میں آتا ہے۔ آپ اس "درمیان" کو خالی نہ چھوڑیں پلیز۔" وہ چلی گئی تھی۔

اور ثانیہ اکیلی رہ گئی تھی یا پھر اس کے گرد چک پھیریاں کھاتے نیلم کے الفاظ۔

"تو کیا میری زندگی میں شیطان ارم کی شکل میں..." وہ لاحول پڑھتی اپنی سوچ کو ذہن سے جھٹکتی اٹھی اور سینڈلز میں پاؤں ڈالتے ہوئے بنا آئینہ دیکھے ہی باہر نکل آئی۔

لان میں رنگ و بو اور قہقہوں کا طوفان برپا تھا۔ لان کے سرے پہ کھڑی وہ زندگی میں پہلی بار ایسی نروس نیس کا شکار تھی۔

کچھ فاصلے پہ اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں کھڑی ارم نے حیرت اور حسد کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ثانیہ کا یہ رنگ دیکھا۔

کبھی نہ سجنے والے کبھی سجیں تو بہت بھلے لگتے ہیں۔ ارم نے دیکھا' نیلم نے لپک کر ثانیہ کا ہاتھ تھاما اور اسے پنڈال میں لے گئی اور سب سے فرداً فرداً تعارف کرانے لگی۔

"ایک تو یہ نیلم کی بچی۔۔۔" ارم نے دانت پیسے تھے۔ وہ دوستوں سے معذرت کرتی ثانیہ کی طرف آئی۔

"آہا۔۔۔ شکر ہے تم نے بھی کچھ حلیہ بدلا اپنا۔" وہی طنزیہ انداز۔۔۔ جلنے کی بو۔۔۔

ثانیہ نے بے ساختہ نیلم کی طرف دیکھا۔

"ہے نا ارم! میں بھی یہی کہہ رہی تھی آپی سے۔ آج تو عون بھائی کی خیر نہیں۔" وہ شرارت سے بولتی ارم کا منہ کڑوا کر گئی جبکہ ثانیہ جھینپ سی گئی۔

"فضول باتیں مت کرو۔" ارم نے نیلم کو جھڑکا۔

"کیوں بھئی۔ فضول کیوں۔ منکوحہ ہیں ان کی۔ ان کی تو ہر تیاری عون بھائی کے نام کی ہونی چاہیے۔" وہ شانے اچکا کر بولی۔

عون کے معاملے میں ارم کا "تمدیدہ پن" نیلم کو بالکل بھی نہیں بھاتا تھا۔ سو وہ بہن ہونے کے باوجود امی اور باقی گھر والوں کی طرح ارم کی بے وقوفی میں اس کا ساتھ نہیں دیتی تھی۔

"تیاری اس کے لیے ہونی چاہیے جو اسے دیکھے' سراہے۔ زبردستی کے رشتوں میں کمپرومائز کی کوشش تو ہو سکتی ہے' دلی رضامندی نہیں۔"

ارم کا طنز کڑا تھا۔ نیلم تو اپنی دوستوں میں چلی گئی مگر ثانیہ کے پاس بولنے کو کچھ نہیں تھا۔ ارم اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔

ثانیہ نے اس کے چہرے پر نظر ڈال کر اس کے عزائم کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ مسلسل انیکسی کا دروازہ کھٹکٹا رہا تھا۔ پہلے آہستہ' پھر ذرا تیز اور اب اس نے ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ دیا۔ مگر اندر سے کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔ گہری ہوتی شام اور انیکسی پہ چھائی عجیب سی خاموشی۔ ٹی وی کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔

معیذ غصے کی کیفیت میں یہاں آیا تھا' مگر یہ غصہ گزرتے وقت کے ساتھ بتدریج تشویش میں بدلتا جارہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا واپس گھر گیا اور انیکسی کی چابی لے کر آیا۔ دروازہ کھولتے ہوئے اس کا دل مختلف خدشات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ لاؤنج میں لائٹ جل رہی تھی۔ وہ محتاط انداز میں چلتا اس کے بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ وہاں کی لائٹ بھی آن تھی اور وہ چادر اوڑھے گھٹنے سینے سے لگائے سمٹی ہوئی۔

معیذ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "ایسی بھی کیا بے ہوشی۔۔۔" وہ اس کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔

"اے۔۔۔ اٹھو۔" بدتمیزی سے اسے بلایا۔ مگر اتنی اونچی آواز نے بھی اسے ہلایا جلایا نہیں تھا۔

"ابیہا۔۔۔" اس نے زور سے پکارا۔ پھر ذرا سا جھک کر کچھ اندازہ لگانا چاہا۔ اس کا تنفس تیز تھا اور چہرے کی رنگت تپ رہی تھی۔

"یا اللہ۔۔۔" وہ قدرے جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوا۔ پھر فقط دو انگلیاں اس کے ماتھے پر رکھیں تو اسے حسب تشویش بخار میں تپتا پایا۔ وہ بالکل بے سدھ تھی۔ معیذ نے لب بھینچے

انسانیت کے درجے سے ذرا سا بھی نیچے آتا تو اسے مرنے دیتا مگر اس نے نذیراں کو بلایا۔
"جا کے ذرا بی بی کو چیک کرو۔ طبیعت خراب ہے شاید۔" وہ ٹیکسی کے باہر ہی کھڑا تھا۔ نذیراں سرہلاتی اندر گئی اور تھوڑی ہی دیر میں واپس آئی تو تشویش میں مبتلا تھی۔
"ہاں جی۔ اوہ تے بجھو بے ہوش پئی اے۔"
"تم ایسا کرو... اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ میں گاڑی ٹیکسی تک لاتا ہوں۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔"
"اچھا جی..."
وہ گاڑی لے کے ٹیکسی تک آیا تب تک نذیراں کسی طرح اسے اٹھا کر اپنے سہارے دروازے تک لے ہی آئی تھی اور اب ہانپ رہی تھی۔ وہ نذیراں کو ساتھ ہی لے گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگا کے دوائیں دی تھیں۔
"ٹینشن فری رکھیں انہیں..." ڈاکٹر نے کہا پھر ذرا لحہ بھر کو رکا اور معیذ سے پوچھا۔
"مسز ہیں آپ کی...؟" معیذ نے بوکھلا کے نذیراں کو دیکھا۔ مگر اس کی ساری توجہ کاؤچ پہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں اس کے کندھے پر سر رکھے بیٹھی ابیہا پر تھی۔
اس نے فقط خاموشی سے اثبات میں سرہلایا۔
"ہوں۔ خیال رکھیں ان کا۔ دودھ اور فروٹس کا استعمال کرائیں۔"
ڈاکٹر نے دوائیوں کا پرچہ اس کی طرف بڑھایا تو وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ نذیراں کو اشارہ کرتا اس سے پہلے ہی کمرے سے نکل گیا۔
ڈاکٹر نے حیران ہو کر بے سدھ پڑی بیوی اور بے اعتنائی سے بھرپور شوہر کے انداز کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم تو کیل کانٹے سے لیس ہو کے مقابلے پہ اتر آئی ہو۔" ارم کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ ثانیہ بھک سے اڑی۔
"واٹ ڈو یو مین...؟" اسے شدید غصہ آیا تھا۔
"تمہیں نہیں لگتا کہ بچپن کی شادیاں ایک نفسیاتی بوجھ بن جاتی ہیں بڑے ہو کر؟" وہ بڑے دوستانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ سینے پہ ہاتھ لپیٹے کھڑی جیسے وہ اس کے مقابلے پہ تھی۔ ثانیہ کی پیشانی تپ اٹھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ بھڑک کر کچھ بولتی پیچھے سے عون آیا اور ساتھ ہی ثانیہ کے شانوں کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بے تکلفی سے بولا۔
"کمال ہے یار! سارے میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے پریشان ہو گیا۔ وہ تو نیلم نے بتایا کہ جو کترینا کیف سے لگ رہی آپ کی بیگم ہیں تو پتا چلا... چلو ذرا کچھ تصویریں بنوا لیں۔ یادگار۔" وہ نان اسٹاپ بولا تھا۔
ثانیہ کو اس کے انداز نے لحہ بھر کو تو بھونچکا کر دیا۔
پہلے ارم کی گفتگو، عون سے کل ہونے والی منہ ماری اور اب اس کا یہ بے تکلفانہ انداز۔ ثانیہ کا دماغ ایک دم سے الٹا تھا۔
یہ کیا ان دونوں نے مل کے اس کا ڈرامہ لگا رکھا تھا؟
انسان جب ضبط کی طنابیں چھوڑتا ہے تو ہمیشہ بھونچال ہی آیا کرتا ہے... مثبت یا پھر منفی۔
ثانیہ نے ایک جھٹکے سے عون کا بازو پیچھے ہٹایا۔ عون کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔

وہ پنڈال میں داخل ہونے لگا تھا جب اس نے ارم کو ثانیہ کے ساتھ فضول گفتگو کرتے سنا تھا ثانیہ سے تمام تر ناراضی پس پشت ڈال کر وہ محض ثانیہ کی عزت نفس بحال رکھنے کو پھر سے اس کے شانہ بشانہ آکھڑا ہوا تھا۔ مگر شاید ثانیہ کے متعلق اس کے اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔

"یہ کھڑی ہے نافارغ' تمہاری راہوں میں پھول بچھانے کو تیار۔ اس کے ساتھ بنوالو۔ مجھے شوق نہیں ہے۔" وہ چیخ کر بولی۔

ارم کے ہونٹوں پر محظوظ سی مسکراہٹ پھیلی۔ جیسے سامنے بہت من پسند سین چل رہا ہو۔

"کم آن یار! ابھی تک ناراض ہو۔" عون نے ابھی بھی بات کو سنبھالنا چاہا مگر ثانیہ حواس میں ہوتی تو اس کے انداز سمجھتی نا۔

"یہ ناراضی سے بہت اوپر کی بات ہے عون! اور پلیز۔ اس وقت میں کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ بے حد کھائی سے کہتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ چند لمحوں کے لیے تو عون سن کھڑا رہ گیا۔ وہ جس کی عزت بڑھانے آیا تھا۔ وہ ارم کے سامنے اس کو دو کوڑی کا ثابت کرکے چلی گئی تھی۔

"چچ چچ اور ابھی بھی تم اس کے متعلق غلط فہمی' بلکہ خوش فہمی کا شکار ہو۔" عون نے فی الفور اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"تم نہیں سمجھوگی۔ یہ بیویوں والے نخرے ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اسے کیسے منانا ہے۔" وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ ساکت کھڑی ارم نے پاؤں پٹخے۔

پتا نہیں اس ثانیہ کی بچی نے اسے کون سی گیدڑ سنگھی سنگھار کھی ہے۔

مووی لائٹ کی روشنی میں نازیہ آپی بڑی پیاری لگ رہی تھیں۔ ان کی دوستوں نے انہیں اسٹیج پہ رکھے پھولوں سے سجے جھولے میں لاکر بٹھایا تو سب ہی اسٹیج کے گرد جمع ہوگئے۔ تیل مہندی ہنسی مزاح۔

وہ بھی نازیہ کو تیل اور مہندی لگانے کے بعد مٹھائی کھلا کے اٹھی تھی۔

"آپی پلیز۔ آپ کے کمرے میں' میں گجروں کا پیکٹ بھول آئی ہوں' وہ تو لادیں۔" نازیہ کے پاس بیٹھتے ہوئے نیلم نے ملتجیانہ انداز میں کہا تو وہ سرہلاتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ نیلم کے ہونٹوں پر محظوظ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

معیز نے گاڑی گیٹ کے اندر کی تو سامنے ہی دروازے پر سفینہ بیگم کو کھڑا دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ پچھلی سیٹ پر نذیراں اور ابیہا تھیں اور ابیہا پہلے کی نسبت بہتر حالت میں تھی۔

سفینہ بیگم معیز کو اندر آتے دیکھ رہی تھیں' مگر وہ ہکابکا رہ گئیں جب معیز گاڑی کو پورچ میں روکے بنا آگے انیکسی تک لے گیا۔

وہ متحیر سی سیڑھیاں اتر کر پورچ میں آئیں اور تماشا دیکھنے لگیں۔ معیز تو گاڑی میں ہی بیٹھا رہا البتہ پچھلی نشست کا دروازہ کھلا اور نذیراں باہر نکلی اور اس نے سہارا دے کر ابیہا کو نیچے اتارا۔

سفینہ بیگم کے دل کو زور کا دھکا سا لگا۔ مگر پھر وہ فوراً" ہی وہاں رکے بنا سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ کھولتی اندر چلی گئیں۔ وہ اس وقت معیز کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"اوفوہ۔ کہاں رکھ دیے نیلم کی بچی نے گجرے۔" وہ کمرے میں آکر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے خودکلامی کررہی

تھی جب اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تو وہ بے اختیار پلٹی۔ وہ عون عباس تھا۔

ثانیہ نے ناگواری سے کہا۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے عون! دروازہ کیوں بند کیا ہے تم نے؟"

وہ آگے بڑھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"کیونکہ تم سب کے بیچ بات کرنے کے قابل نہیں ہو۔"

"ہاں تو میں نہیں ہوں نا تمہارے قابل۔ یہ بات تو تم اول ملاقات سے کہہ رہے ہو اور یہی بات میں تمہیں بتانا چاہ رہی ہوں کہ بڑوں کی خوامخواہ کی فرماں برداری میں اپنی زندگی برباد مت کرو اور نہ ہی میری۔" ثانیہ نے بھڑک کر کہا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں۔ کیوں چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا کر ہمارا تعلق خراب کر رہی ہو؟" عون نے اس کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ وہ پیچھے بند الماری کے پٹ سے لگ گئی۔

"میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتی عون۔ ہٹو آگے سے۔ میں کام سے آئی تھی یہاں۔" ثانیہ نے اسے تیمار کھایا۔

"وہ نیلم نے میں نے ہی کہا تھا تمہیں کسی بہانے سے بھیجنے کو۔ اتنی اچھی تو ہو نہیں کہ محض میرا نام سن کر بھاگی چلی آتیں۔" عون نے طنز کیا۔ مگر ثانیہ تو سرتاپا پیرجل اٹھی۔

"ہاں۔ تو جو اچھی ہے اس کا پتا تو دے کر آئی تھی نا تمہیں۔ تصویریں تو ہوا ہی لی ہوں گی اب جا کے بھنگڑا بھی ڈال لو اس کے ساتھ۔"

غصے کی آگ جب انسان کے اندر بھڑکتی ہے تو اس کی خوش مزاجی خوش گفتاری اور عقل کو بھڑ بھڑ جلا دیتی ہے۔ ثانیہ بھی اسی اسٹیج پر تھی۔

"تف ہے تمہاری سمجھ پر ثانیہ۔ میں تمہاری نادانیوں کو اگنور کرتا مسلسل تمہیں سمجھا رہا ہوں تمہارے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم۔۔۔ میری نرمی کو میری بزدلی مت سمجھو۔" وہ پھنکارا تھا۔

ثانیہ قدرے برافروختہ ہوئی۔

ایک تو دونوں کمرے میں اکیلے تھے دوسرے دروازہ بھی عون نے لاک کر دیا تھا۔ ایسے میں کوئی ادھر آنکلتا تو۔۔۔ کیا کیا افسانے نہ بنتے۔ اسے تو نیلم کا سوچ کر بھی شرم آرہی تھی۔ جانے اس نے کیا کیا سوچ ڈالا ہوگا ان دونوں کے متعلق۔

"اور تم بھی۔۔۔ میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" ثانیہ نے سخت لہجے میں کہنا چاہا تو عون نے دونوں ہاتھوں سے اس کے شانوں کو جکڑا۔

"بیوی ہو میری تم۔ رخصتی نہیں ہوئی تو کیا مگر حقوق و فرائض میں جکڑی ہوئی ہو۔ رات کی تمہاری فضول گفتگو کے باوجود میں فقط تمہیں سہارا دینے کے لیے تمہارے ساتھ کھڑا ہوا۔ اور تم نے اپنا رویہ دیکھا ہے۔" وہ اسے ہلکا سا جھنجوڑ کر غصے سے بولا تو ثانیہ نے بے خوفی سے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"میں نے تم سے نہ تو کبھی سہارا مانگا ہے اور نہ ہی مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ ناؤ لیو می۔" اس کے انداز میں بے رخی تھی۔

"تم جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" عون کو تاسف ہوا ثانیہ نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے ہٹائے۔

"ہاں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ تمہیں میری طرف سے اجازت ہے تم جب چاہے ارم سے شادی کر سکتے ہو۔ مجھے تم میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" وہ تلخی سے کہتی اس کی سائیڈ سے ہوتی دروازہ
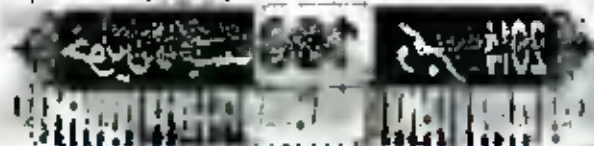
کھول کر چلی گئی۔ عون اس کے انداز اس کے لفظوں اور سوچ سے اس قدر دل شکستہ ہوا کہ مزید اس سے کچھ کہنا یا روکنا اسے بے فائدہ اور فضول ہی لگا تھا۔

اور رباتی کے فنکشن میں بلا ارادہ ہی ثانیہ کی نگاہوں نے بارہا عون کو کھوجا مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ نیلم اور ارم کے بھنگڑوں اور ڈانس کے دوران بھی نہیں۔

پتا نہیں کیوں۔۔۔ مگر ثانیہ کی آنکھ کا ایک کونا نم ہوتا رہا۔

☆ ☆ ☆

معیز منتظر ہی رہا کہ سفینہ اس سے کچھ پوچھیں۔۔۔ مگر جب رات وہ انہیں خدا حافظ کہنے گیا تو وہ دوا کھا کر لیٹ چکی تھیں۔ زارا ان کے پاس بیٹھی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر وہ زارا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا مگر جب سفینہ نے مندی آنکھیں کھول کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تو وہ خاموشی سے اٹھ گیا۔

ضروری نہیں کہ ہر طوفان سمندر کے اوپر ہی ہلچل مچاتا دکھائی دے۔ بظاہر پرسکون دکھائی دینے والے سمندر کے سینے میں بھی طوفان ہو سکتا ہے۔

سفینہ بیگم نے معیز سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر صبح نذیراں کے آتے ہی اس کی کلاس لگ گئی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے انیکسی والی۔۔۔؟" انہوں نے ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تاں جی۔ بیمار اے۔" نذیراں نے دانت نکوسے۔ سفینہ نے دانت پیسے۔

"وہ تمہاری کیا پھپھی کی بیٹی ہے جو تم اس کا اتنا خیال کرتی ہو۔"

نذیراں گڑبڑائی اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"وہ جی۔ اوہ چھوٹے صاب ڈاکٹر کول لے گئے سن اوس نوں۔ میں کی ذات۔ انکار نہیں ہویا میرے کولوں۔"

سفینہ بیگم تو سر تا پا بھڑک اٹھیں جلنے لگیں۔

سامنے لگی آگ کو تو کسی طریقے بجھا ہی لیا جاتا ہے مگر ان دیکھی آگ جلائے تو انسان بے بس ہو جاتا ہے اور اسے بجھانے کا کوئی طریقہ بجھائی نہیں دیتا۔

"جاؤ تم۔۔۔ اور ذرا اس لڑکی کو بلا کر لاؤ۔ اس کی طبیعت تو میں ٹھیک کرتی ہوں۔" سفینہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ اتنی جلدی اپنی جان خلاصی ہونے پر تیزی سے باہر کو لپکی۔

وہ شدید بخار سے اٹھی تھی۔ اب کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ ناشتے کے بعد ابھی دوائی کھا کر اس کا ارادہ لیٹنے کا ہی تھا جب نذیراں پیغام لیے چلی آئی۔ ایہا کا انگ انگ درد کرنے لگا۔ وہ پورے گھر کی صفائی ستھرائی جیسی مشقت کا سوچ کر ہی گھبرا گئی تھی۔

"تم نے میری طبیعت کا نہیں بتایا؟" ایہا نے نقاہت سے پوچھا۔

"کہیا اے جی۔ پر اوہ تساں نوں بلا ونڈے نیں۔" نذیراں نے کہا۔ تو اسے مارے بندھے اس کے ساتھ چلنا ہی پڑا۔

اور نذیراں ہمیشہ کی طرح ورطہ حیرت میں تھی کہ انیکسی کے شاندار ماحول میں رہنے والی لڑکی "کام والی" بھی ہو سکتی ہے؟

وہ اٹھی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی جب بیرونی گیٹ کھلا اور کوئی اندر آیا۔

نذیراں رک کے دیکھنے لگی تو غیر ارادی طور پر ایہا نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

ایہا کے تاثرات تیزی سے بدلے ہی تھے مگر سامنے موجود شخصیت کو بھی کرنٹ سا لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز، زارا اور ابیہا۔ صالحہ امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ، الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند بھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی، نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دل برداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ ”فوراً“ آ جاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد، ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر تارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہوکر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سرپٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہوجاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار مقرر کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہوکر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہوجاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کرتی ہے مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہوپاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون

کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر ایجنسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہوکر کچھ اشیائے خورد و نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد برنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

پندرہویں قسط

ابیہا تو مڑ کر دیکھنے پر پتھر ہی تھی۔ اندر داخل ہوتی رباب کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ ابیہا مراد اس گھر میں ہوسکتی ہے۔

دفعتاً" حواس میں لوٹتے ہوئے ابیہا جلدی سے نذیراں کے پیچھے لپک کر دروازہ دھکیلتی اندر چلی گئی۔

"آئی ڈونٹ بلیو دس..." رباب جو اپنی جگہ ٹھٹک گئی تھی۔ بڑبڑائی اور سن گلاسز بالوں پہ اٹکائی تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔

ادھر اندر داخل ہوتے ہی لاؤنج میں براجمان سفینہ بیگم نے ابیہا کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کیا ڈھکوسلے بازیاں کررہی ہو تم... ذرا سا کام کیا نہیں اور بستر پہ جالیٹیں..."

وہ اس پر گرجیں۔ ان کا پروگرام لمبا ہی تھا مگر زارا اتفاق سے خیراں اپنے کمرے سے باہر آئی۔

"ماما پلیز... رباب آئی ہے باہر۔ اس معاملے کو فی الحال رفع دفع کریں۔" زارا اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے دیکھ کر آئی تھی۔ اس نے بعجلت کہتے ہوئے کوریڈور کی طرف قدم بڑھائے۔

"کچن میں جاؤ اور اچھی سی چائے کا اہتمام کرکے لاؤ مہمان کے لیے۔ باقی کا معاملہ میں بعد میں نپٹاؤں گی تم دونوں کے ساتھ۔ چھوڑوں گی تو نہیں میں بھی۔"

سفینہ نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نذیراں کو بھی ساتھ گھورتے ہوئے کرختگی سے آرڈر دیا تو وہ دونوں جلدی سے منظر سے ہٹ گئیں۔

"لو جی تساں دے نال مینوں خوامخواہ پیسے جارہے ہیں بیگم صاب۔" نذیراں کا موڈ سخت آف تھا۔ کچن میں آتے ہی اس نے ابیہا پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا تو وہ برافروختہ ہونے لگی۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"میں تاں تساں دا ساتھ دین دی گنہگار ہاں بس۔" اسے اپنی نوکری جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ پنج کر ساس پین چولہے پر رکھا اور آگ جلانے لگی۔ بخار سے ابھی ابھی اٹھنے والی ابیہا کا سر چکرانے لگا تو لڑکھڑا کر کرسی کا سہارا لے لیا۔

نذیراں نے بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ دل کی اچھی تھی' اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر فوراً" آگے بڑھی اور اسے پکڑ کر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بٹھا دیا۔

"بیگم صاب نوں ہن کون سمجھائے۔ پتا نہیں کس گل دا غصہ اے اوس نوں۔" نذیراں بڑبڑاتے ہوئے چائے بنانے لگی۔

اس دوران رباب نے زارا کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔

"بے وقت تو نہیں آگئی میں۔۔۔ کوئی گیسٹ آئے ہوئے ہیں؟" رباب نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں' نہیں گیسٹ تو کوئی بھی نہیں آیا۔" زارا نے حیرانی سے کہتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ صوفے پر بڑے انداز سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ایمہا کو اندر آتے دیکھا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو وہ نظرانداز کردیتی۔

مگر اس نے ایمہا مراد کو دیکھا تھا۔ جو کبھی کالج میں اس کی حریف رہی تھی۔

"نہیں یار! ابھی میں نے ایمہا مراد کو اندر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ کالج میں میرے ساتھ پڑھتی تھی۔"

رباب نے صاف گوئی سے کہا تو سفینہ بیگم چونکیں مگر زارا تو دھک سے رہ گئی۔ اس نے بے اختیار ماں کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن نے تیزی سے کام کیا تھا' سفینہ بیگم کی زبان حرکت میں آتی تو جانے کیا کچھ کہہ ڈالتیں۔ ان سے پہلے زارا کو بات سنبھالنا تھی۔

"ارے وہ۔۔۔ وہ تو میں نے تمہیں بتایا تھا نا عون بھائی کی کزن ہے دور پار کی۔ تو۔۔۔ بے چاری کے والدین نہیں تھے۔ ضرورت مند تھی تو ہماری انیکسی میں ——— رہ رہی ہے۔" وہ بعجلت بولی اور ساتھ ہی مسکرانے کی بھی کوشش کی۔

"اوہ۔۔۔ آئی سی۔" رباب کے ہونٹوں پر محظوظ سی مسکراہٹ پھیلی۔ سفینہ بیگم نے اپنی تیوری کے بل مشکل سے کنٹرول میں کیے تھے۔

"مگر وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔۔۔ ابھی میں نے اسے آتے دیکھا تھا؟" رباب نے دل کے تجسس کو زبان دے دی۔

زارا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اس سے پہلے ہی سفینہ بیگم بول اٹھیں۔

"وہ میں تمہیں بتاتی ہوں بیٹا۔"

زارا نے ہول کر ماں کا سنجیدہ چہرہ دیکھا' رباب بھی ان ہی کی طرف متوجہ تھی۔

☼ ☼ ☼

غصہ' ٹینشن اور کچھ نہ کرسکنے کی بے بسی' ثانیہ کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ اچھی بھلی سمجھ دار لڑکی' جذباتیت کا شکار ہو چلی تھی۔

رات ارم دیر سے کمرے میں آئی۔ ثانیہ کمبل میں منہ سر لپیٹے پڑی رہی۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ارم کی شکل بھی دیکھے۔ عون سے اس کے تعلقات یہاں آنے سے پہلے بھی کچھ خاص قابل ذکر نہ تھے مگر یہاں آنے کے بعد تو اور خراب ہوئی تھی۔

"اچھا ہے۔ یہاں سے ثبوت لے کے لوٹوں گی تو سب کو یقین آئے گا کہ ثانیہ سچی تھی۔" وہ کڑھ کڑھ کر سوچتی رہی۔

اور اس ذہنی بوجھ نے اگلے دن اسے حرارت میں مبتلا کردیا۔ وہ کافی دیر تک نہیں اٹھی تو نیلم خود اسے جگانے چلی آئی۔ اس کی آواز پر ثانیہ جاگ تو گئی مگر یونہی کسلمندی سے پڑی رہی۔

"آجائیں نا... مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔ تازہ آپی کے ساتھ آخری ناشتہ۔" نیلم خود ہی کہہ کر ہنسی۔

"لگتا ہے مجھے بخار ہو گیا ہے۔" ثانیہ نے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اطلاع دی تو نیلم نے بے ساختہ اس کے ماتھے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا۔

"ہاں... واقعی۔ آپ اٹھ کے منہ ہاتھ دھو لیں۔ میں آپ کا ناشتہ یہیں لے آتی ہوں اور ساتھ میں کوئی ٹیبلٹ بھی۔" نیلم نے پیار سے کہا تھا۔

"ناشتہ نہیں صرف چائے۔" ثانیہ نے ٹوکا۔

"اونہوں... خالی پیٹ چائے پئیں گی؟ میڈیسن بھی لینی ہے تو چائے کے ساتھ دو رسک لے لیں۔" نیلم نے قطعیت سے کہا تو ثانیہ نے آنکھیں موند لیں۔ نیلم نے جانچتی نظروں سے ثانیہ کو دیکھا۔

"جب آپ آئی تھیں تو بڑی فریش اور زندہ دل تھیں۔ اب تو بڑی ڈل سی ہو گئی ہیں۔"

ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ نیلم کے چہرے پر مخلصی تھی 'ارم جیسی مطلب پرستی اور خود پسندی کا نشان تک نہ تھا۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھوں؟" نیلم نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں... پوچھو۔" ثانیہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

"آپ کی عون بھائی سے رات کے فنکشن میں لڑائی ہوئی ہے؟" نیلم نے جو پوچھا' وہ ثانیہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹی۔

"ارم نے تفصیل بتادی تھی مجھے۔"

نیلم کو پتا تھا کہ وہ کھل کے بات نہیں کرے گی' سو اس نے محتاط لفظوں میں کہا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ ارم نے رات سب کے درمیان بیٹھ کر کس طرح مذاق اڑاتے ہوئے ثانیہ کی عون سے بدتمیزی کا واقعہ سنایا تھا اور نائی جان نے ثانیہ کے لیے کتنے ہتک آمیز الفاظ استعمال کیے تھے جن سے ارم کو اور شہ ملی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو عون بھائی سے مسئلہ کیا ہے۔ آئی مین وہ اتنے کیئرنگ ہیں۔" نیلم سنجیدہ تھی۔

ثانیہ نے تولتی نظروں سے اسے دیکھا۔ جس انداز میں نیلم نے بات شروع کی تھی اس کے بعد ثانیہ اسے "بچی" کہہ کر بات ٹال نہیں سکتی تھی۔

"وہ اس رشتے پر راضی نہیں تھا نیلم...." ثانیہ نے تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ کہا۔

"مگر پھر وہ راضی ہو گئے تھے آپی۔" نیلم بے ساختہ بولی۔

"ہاں ہو گیا تھا راضی۔ میری عزت نفس کو روندنے کے بعد۔" ثانیہ نے استہزا سے کہا۔

"وہ آپ کے شوہر ہیں' منگیتر نہیں ہیں آپی! کہ جن کی ذرا سی بات کو دل پہ لے کر آپ رشتہ توڑنے کا سوچنے لگیں۔"

"اس نے مجھ سے شادی توڑ کر ارم سے شادی کرنے کا کہا تھا یہ بات تمہیں پتا نہیں ہے شاید۔" ثانیہ نے تلخی سے اسے باور کرایا۔

"وہ واقعہ تو سب ہی نے سنا ہوا ہے... یہ ٹھیک ہے کہ جلد بازی میں عون بھائی سے غلطی ہو گئی مگر پھر انہیں فوراً" ہی اپنی اس جلد بازی میں کی گئی غلطی کا احساس بھی ہو گیا۔ اور میرے خیال میں انہوں نے آپ سے سوری کہہ دیا ہو گا۔" نیلم نے ہلکے پھلکے انداز میں گویا بات ہی ختم کر دی۔ ثانیہ تو تڑپ ہی اٹھی۔

"ہر غلطی کا مداوا' سوری کہنے سے نہیں ہو جاتا۔"

"مگر میری سوچ کچھ اور کہتی ہے آپی۔ غلطی کر کے ڈھٹائی سے اس پہ جمے رہنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ مگر غلطی کا احساس ہوتے ہی جو جھک کر غلطی کا اعتراف کر لے تو میرے خیال میں اسے معاف کرنے میں تو ایک منٹ بھی نہیں لگانا چاہیے۔"

"اس نے میری انا' میری عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی ہے نیلم۔"

"اور وہ جو اتنے عرصے سے اپنی انا اور عزت نفس کے سر پہ پاؤں رکھے آپ کا دل صاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اس کا کیا؟ آپ کو ان کے انداز سے لگتا ہے کہ ان کا ارم سے افیئر رہا ہو گا؟"

نیلم نے سنجیدگی سے سوال کیا تو وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی۔

"مرد اسی عورت کے پیچھے بار بار اور لگاتار جاتا ہے جو اس کے دل میں اتر جاتی ہے آپی... اور ایک بار "دل میں" اترنے کے بعد مرد کے "دل سے" اتر جانا... اس سے بڑا تو دنیا میں اور کوئی نقصان ہی نہیں۔"

نیلم یقیناً" دل سے اس کے ساتھ مخلص تھی۔ ورنہ اس وقت جب کہ ثانی بصد شوق اپنی نیا آپ ڈبونے کی کوشش میں تھی' وہ بھی دوسروں کے ساتھ جا کھڑی ہوتی۔ مگر وہ واقعی ثانیہ کو تباہی سے بچانا چاہتی تھی۔ نیلم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عون بھائی آپ کے ہیں اور آپ ہی کے رہیں گے' اگر آپ اپنی آنکھوں پر سے بدگمانی کی پٹی اتار دیں گی تو۔"

نیلم اسی سنجیدگی سے کہتے ہوئے رکی۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میاں بیوی کے درمیان ذہنی فاصلہ ہو یا جذباتی... اس "درمیان" کو شیطان بڑے حیلوں اور وسوسوں سے پُر کرتا ہے۔"

ثانیہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ نیلم نے ہلکی سی سانس اندر کھینچی' پھر نرمی سے بولی۔

"آپ فریش ہو جائیں۔ میں آپ کے لیے ناشتہ اور میڈیسن لاتی ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد بھی کتنی ہی دیر ثانیہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ ذہن میں چلتے جھکڑ اس کی سوچ کو کسی ایک بھی نقطے پر مرتکز ہونے نہیں دے رہے تھے۔

مگر یہ تو طے تھا کہ نیلم نے راکھ کریدی تو اندر سے راکھ کا سینہ ابھی بھی سلگتا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

نذیراں چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی چلی آئی تو بات بیچ ہی میں رہ گئی۔

"ہیما کہاں ہے... اسے کہا تھا میں نے چائے لانے کو۔"

سفینہ بیگم نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"اوس دی تے طبیعت خراب اے بیگم صاب۔" نذیراں نے ادب سے عرض کیا۔

"تم دونوں کی طبیعت تو میں ٹھیک کروں گی بعد میں۔ بلاؤ اسے۔" سفینہ بیگم نے دانت کچکچا کر کہا۔

انہیں تو رات سے ایمھا پر غصہ تھا۔ نذیراں بھاگ کر گئی اور ایمھا کو بلا لائی۔

"کیا بات ہے۔ تمہارے بڑے نخرے ہو گئے ہیں۔ اول روز سے تمہاری ڈیوٹی سمجھادی تھی تمہیں۔ کام ویسے کے ویسے پڑے ہیں اور محترمہ سیریں کرتی پھر رہی ہیں گاڑیوں میں۔" سفینہ بیگم گرجیں۔

ایبہا سے نظر نہیں اٹھائی گئی۔ وہ بنا دیکھے بھی بتا سکتی تھی کہ رباب اس وقت مسکرا رہی ہوگی۔

"کیا مطلب آنٹی۔ کیا ڈیوٹی ہے اس کی؟" رباب کی حیرت زدہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ زارا نے تنبیہی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ اسے رباب کے سامنے ایبہا کی کوشالی پسند نہیں آرہی تھی۔

"کام کرتی ہے ہمارے گھر کا۔ نذیراں کے ساتھ مل کر۔" سفینہ بیگم نے اطمینان سے رباب کو اس کا "رینک" بتایا۔ تو وہ بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔ ایبہا کو دیکھا جس کی رنگت میں زردی سی گھل گئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں نے صوفے کی پشت کو دبوچ رکھا تھا۔

وہ شرمسار تھی... یا شرم سے مرجانے کو۔

"یو مین... نوکرانی ہے آپ کی؟"

رباب نے سراسر حیرانی کی ایکٹنگ کی۔ سفینہ بیگم سے کنفرم کیا تو انہوں نے تفاخرانہ اثبات میں سر ہلایا۔

"چ... چ اور اس "جاب" کے لیے تم کالج میں میرے مقابلے پر اتر آئی تھیں۔ یہ تھا ایک پوزیشن ہولڈر کا مستقبل۔" اس نے استہزائیہ نظروں سے ایبہا کو دیکھتے ہوئے "بھالے" چبھونے شروع کیے۔

وہ زمین میں گڑ رہی تھی... مگر گڑنا نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی آنسو پیتے ہوئے بڑی ہمت کے ساتھ پھیکے لہجے میں بولی۔

"بدنصیبی ڈگریاں دیکھ کر نہیں آیا کرتی رباب! اور نہ ہی ہر خوش نصیبی پوزیشن ہولڈرز کا مستقبل بنتی ہے۔ یہ تو نصیب بلکہ بڑے ہی نصیب کی بات ہوتی ہے۔"

"اچھا' اچھا۔ اب یہ فلسفہ لپیٹو اور رباب کے لیے چائے بناؤ۔" سفینہ بیگم اسے اچھی طرح ذلیل کرنا چاہتی تھیں۔

وہ چائے پیالیوں میں نکال رہی تھی جب معیز احمد اندر داخل ہوا اور اس نے اونچی آواز میں سلام کیا۔ ایبہا کا ہاتھ لرزا اور چائے پرچ میں گری۔

ایبہا نے چائے کی پیالی رباب کی طرف بڑھائی۔ معیز اس کی پشت کی طرف کھڑا تھا۔ ایبہا کو پہچان نہیں پایا۔ بڑے فریش انداز میں رباب سے بولا۔

"میں نے کہا تھا میں راستے سے پک کرلوں گا تمہیں دس منٹ ویٹ تو کرتیں۔"

"آئی نو۔ یو آر سو کیئرنگ معیز۔ لیکن میں بہت نزدیک آئی ہوئی تھی اور پھر گاڑی بھی تھی میرے پاس۔" بڑی خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"اوکے نیکسٹ ٹائم۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ ایبہا کو اس کی آواز سے اندازہ ہوا۔ اسے اپنے ہاتھ پاؤں لرزتے محسوس ہونے لگے۔

"ویسے مجھے آپ کی کام والی بہت پسند آئی ہے معیز۔" رباب کی اگلی بات نے جہاں ایبہا کا حلق خشک کیا وہیں معیز بھی چونکا۔

"اتنی پڑھی لکھی بلکہ پوزیشن ہولڈر کام والی کہاں ملتی ہے آج کل۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سفینہ بیگم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور وہ ترچھی نگاہوں سے معیز کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھیں۔ ایبہا نے خاموش بیٹھی زارا کو چائے تھمائی اور پلٹی تب معیز نے اسے دیکھا اور لمحہ بھر کو سن ہو گیا۔

"کیا پے کرتی ہیں مہینے کا آنٹی؟" رباب لطف لے رہی تھی۔ یہ وہ کمینگی بھرا لطف تھا جو پڑھائی کے مقابلے میں وہ کبھی حاصل نہیں کر سکی تھی۔

"ارے نہیں رباب! اکیلی اکیلی ایبہا ملازمین کو سپروائز کرتی ہیں۔ تمہیں بتایا تھا نا۔ عون بھائی کی کزن ہیں یہ۔" زارا سے مزید برداشت نہیں ہوا تو بول اٹھی۔

سفینہ بیگم نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ اور جتاتے ہوئے کہا۔

"کام والی تو کرہی ہوتی ہے زارا۔ ہیڈ ہو چاہے اسسٹنٹ۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی!" رباب نے لقمہ دیا تھا۔ معیز تو گویا کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ وہ تجزیہ کی پہلی منزل پہ تھا اسے یہ کمنٹ اچھے لگ رہے ہیں یا برے؟

جواب حیرت انگیز۔

اسے یہ سب تماشا اچھا نہیں لگ رہا تھا یعنی برا لگ رہا تھا؟ تو حاصل جمع کیا رہا؟

وہ خود شناسی کے دقیق سوالوں میں الجھا ہوا تھا' حواس میں لوٹا تو ایبہا کو تیزی سے لاؤنج کا دروازہ کھول کے جاتے دیکھا۔

"اے لڑکی..." سفینہ بیگم کی کرخت آواز... مگر وہ پلٹ کر نہ دی تھی۔

"اوہو۔ بڑا نخرا ہے اس کا۔ کالج میں بھی ایسی ہی تھی بظاہر معصوم اور خاموش مگر اندر سے پوری تھی۔" رباب نے نخوت سے کہا۔

معیز عجیب سی کیفیت کا شکار اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھ رہے ہو تم اس لڑکی کی اکڑ معیز۔ نکال باہر کروں گی میں اسے 'پھر مت کہنا مجھے مجھ سے یہ بدتمیزی ذرا بھی برداشت نہیں ہوتی۔" سفینہ بیگم نے سرد لہجے میں اسے سنایا۔

"میں فریش ہو کے آتا ہوں۔"

معیز اس فضا سے نکلنا چاہتا تھا۔ معذرت خواہانہ کہتا فی الفور اوپری سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل کی عجیب کیفیت پتا نہیں کیا تھی گھبراہٹ یا پھر غصہ... یا بیچ کی کوئی کیفیت... دل کو ویران اور اداس کردینے والی۔

اس نے واش بیسن کا نل کھول کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ تو جلتی آنکھوں کو قرار سا آگیا۔

تولیے سے منہ پونچھتے چند گہری سانسیں لے کر اس نے اندر کی کثافت کو کم کرنے کی کوشش کی اور پھر خود کو تھوڑا بہتر محسوس کیا۔

"کام ڈاؤن معیز احمد۔ اس لڑکی کے ساتھ تمہارا صرف مجبوری کا رشتہ ہے۔ اسے سر پہ سوار مت کرو۔" اس نے اندر کے بیدار ہوتے اچھے معیز کو سلانے کی خاطر تھپکنا شروع کیا۔

"یہ وہ لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں اپنی ماں کی نگاہوں میں گر گیا۔ بھائی بہن کے سامنے شرمندہ ہوا۔ میں اپنی زندگی کا فیصلہ آزادانہ نہیں کرسکتا' جب تک کہ اس کا دم چھلا میرے ساتھ ہے۔" اس نے تلخی سے سوچنا چاہا۔ مگر اسے حیرت ہوئی... یہ جان کر کہ اسے اس سارے قصے سے تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اور وہ خود کو تھپک کر بھی سکون محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"فارگیٹ اٹ۔ میں نے تو اسے آزادی دے رکھی ہے' وہ اپنی زندگی کا اچھا سا فیصلہ کرلے اور جائے یہاں سے میں تو آئندہ زندگی میں صرف رباب کو ہم سفر دیکھنا چاہتا ہوں... شاید۔"

وہ ذہن سے ایبہا مراد کو جھٹکنے کی خاطر مستقبل کا نقشہ کھینچنے بیٹھا تو وہ بھی نامکمل نکلا۔ دل میں رہنے والے تو کئی ہوتے ہیں مگر جس کے حوالے یہ دل کیا جاتا ہے وہ بہت خاص ہوا کرتا ہے۔

تو کیا رباب احسن اس مقام تک ابھی نہیں پہنچی تھی؟ معیز خود بھی الجھن کا شکار تھا۔

رباب جانے کے بعد خوش گپیاں لگانے کے بعد رخصت ہوئی تو معیز اسے گیٹ تک چھوڑ کے آیا۔

"رات تم کہاں گئے تھے اس حرافہ کو لے کر؟"

لاؤنج میں آتے ہی سفینہ بیگم نے اونچی آواز میں پوچھا تو وہ ٹھٹک گیا۔

"ماما..." زارا نے احتجاجاً "انہیں آہستہ سے پکارا۔

"ماما کا گلا گھونٹ دو تم لوگ تاکہ تم لوگوں تک میری آواز نہ پہنچ سکے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"ماما... اسے بخار تھا۔ ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ حالت بہت خراب تھی اس کی۔" وہ چور سا ہو گیا۔

"مر تو نہیں رہی تھی نا وہ۔ دیکھ لو دندناتی پھر رہی ہے میرے سینے پر۔"

"ماما پلیز اب جب تک وہ یہاں ہے 'لاوارثوں کی طرح تو نہیں پھینک سکتے نا۔" زارا کا دل ماں جیسا سخت نہیں تھا۔ بلکہ اسے تو خاموش طبع سی وہ لڑکی بے ضرر سی لگی تھی۔

"ہاں تو کہو اپنے بھائی سے 'باپ کی طرح یہ بھی اس کا پکا والی وارث بن جائے۔" وہ تڑخیں۔

"فار گاڈ سیک ماما۔ انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" معیز نے عاجز آ کر کہا۔

"مجھے مت پڑھاؤ۔" وہ حقارت سے بولیں۔

"طبیعت نہیں 'اس لڑکی کی نیت خراب ہے۔ جب تک اس کے منہ پہ طلاق کے تین لفظ نہیں مارو گے 'وہ کبھی یہاں سے ہلے گی بھی نہیں۔ ارے تمہارے باپ کو کیا کہوں میں۔ پچاس لاکھ ڈلوا گیا اس کے اکاؤنٹ میں۔ مالو ہیر کے منہ کو خون لگ گیا۔ لاکھوں کی آسامی ہو تم۔ اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑے گی وہ بھی۔" معیز کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

"بے فکر رہیں آپ اتنی "قابل" نہیں ہے وہ۔ کہ ایسی بڑی بڑی پلاننگز کر سکے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے بھی کرنے دو جو میں کر رہی ہوں۔ خبردار جو کوئی بیچ میں بولا ہو تو۔" انہوں نے غرا کر کہا تھا۔

معیز کا تو سر پھٹنے لگا۔

"آپ جو جی میں آئے کریں۔ میں کچھ نہیں کہوں گا آپ کو۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

"ماما۔ اگر اس سارے معاملے کی اصلیت کا رباب کو علم ہو گیا تو قیامت آ جائے گی۔"

"اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ یہ منحوس لڑکی اس گھر سے دفع ہو جائے۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک طرف تو یہ لڑکا رباب کے ساتھ پینگیں بڑھا رہا ہے اور دوسری طرف اس لڑکی کو بھی طلاق نہیں دے رہا۔ جانے اس کے دل میں کیا ہے۔" سفینہ بیگم نے سر تھام لیا۔

"میں ویسے ہی اس چکر میں پڑی۔ اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ بھائی نکاح کر چکے ہیں تو میں انہیں رباب کی طرف بڑھنے نہ دیتی۔"

زارا کو اپنی فکر تھی۔ رباب اس کی نک چڑھی بلکہ "سر چڑھی" نند تھی اور اس کی ضد اور ہٹیلے پن کے قصے وہ سفیر کی زبانی سنتی رہتی تھی۔

معیز کمرے میں آ کر بھی بے چین ہی رہا۔

زندگی کے اس موڑ نے تو اس کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔ ہر پل زندگی کا مزہ چکھنے والے کو زندگی مزہ چکھانے پہ تل گئی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ آئندہ زندگی کا لائحہ عمل طے کرتا رہا۔ مگر ہر منصوبے کے آخر میں اسے احساس ہوتا کہ امتیاز احمد کی وصیت اس کے پیروں کو ونی بیڑیوں کی مانند جکڑی ہوئی ہے۔ وہ ایک قدم اٹھانے لائق بھی نہیں رہا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

آج بہت دنوں کے بعد اس نے ثانیہ کو کال کی تھی۔

"کیسی ہو...؟" ثانیہ نے پوچھا تو وہ یاسیت سے بولی۔

"میں تو ٹھیک ہوں مگر آپ تو وہاں پہ جا کے مجھے بھول ہی گئی ہیں۔ شادی کیسی جا رہی ہے؟"

"ہوں... یہاں آ کے تو میں اپنے آپ کو بھی بھول گئی ہوں۔" وہ بڑبڑائی۔

"جی...؟" ایمہا نے حیرانی سے کہا تھا۔

"اور سناؤ... سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟"

جواباً "بھرا ہوا دل لیے ایمہا نے اسے سارا قصہ کہہ سنایا تو وہ دنگ رہ گئی۔

"او گاڈ۔ یار! ایسے سنگ دل لوگ بھی بستے ہیں اس دنیا میں۔ تمہاری ساس نہ سہی مگر معیز بھائی کو تو ضرور احساس کرنا چاہیے تھا۔"

"ان کے احساس اور احسان کی بدولت ہی تو سر چھپانے کا ٹھکانا ملا ہوا ہے مجھے۔" وہ ان حالات میں بھی معیز کی ممنون تھی۔ مگر ثانیہ چلا ہی تو اٹھی۔

"احسان...؟ کون سا احسان بے وقوف لڑکی...؟ اپنے حصے کی جگہ پہ بیٹھی ہو تم۔ اور... اب تمہیں میں کیا کہوں ایمہا۔ اتنا روپیہ ہے تمہارے اکاؤنٹ میں اور تم ان لوگوں کی چاکری کر رہی ہو۔"

"تو میں اور کیا کروں... آنٹی مجھے نکال دیں تو میں کہاں جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اللہ پہ توکل کرو۔ آنٹی پہ نہیں۔" ثانیہ نے اسے ٹوک دیا۔ "اللہ کی مدد سے اس کی مہربانی سے تم یہاں موجود ہو ورنہ اس گھر کے لوگ تو تمہیں گیٹ سے پاؤں بھی اندر رکھنے نہ دیتے۔ باوجود اس کے کہ تم معیز احمد کی منکوحہ ہو۔" ثانیہ نے اسے آئینہ دکھایا تھا۔

"اب میں کیا کروں ثانیہ۔ میری عزت نفس مر رہی ہے۔ لحہ بہ لحہ میں مٹی ہو رہی ہوں۔ آج رباب کے سامنے آنٹی نے جو کہا..." رندھے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آواز کھو گئی۔

"سب سے پہلے تو تم صبح سے ان کے گھر جانا بند کرو۔ کوئی کام نہیں کرو گی تم وہاں کا۔"

ثانیہ نے سختی سے کہا تو وہ رونا بھول کر پریشان ہونے لگی۔

"آنٹی ناراض ہو جائیں گی ثانیہ۔"

"وہ پہلے کون سا راضی ہیں۔ تھوڑی سی اور ناراض ہو جائیں گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ثانیہ نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولی۔

"تم ان سے صاف لفظوں میں کہہ دینا کہ تم کام نہیں کرنا چاہتیں اور نہ ہی تمہیں تنخواہ کی ضرورت ہے اور یہ بھی کہ اب تم کالج جا کر اپنا گریجویشن مکمل کرنے والی ہو۔"

"واقعی..." ایمہا کا دل کھل اٹھا۔ مگر ساتھ ہی اپنی پوزیشن کا خیال آ گیا۔

"میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں ثانیہ۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔"

"تم صرف کام سے انکار کرو۔ کل شام کی فلائٹ سے میں واپس آ رہی ہوں باقی سارا میرا درد سر ہے۔ میں خود

تمہارا ایڈمیشن کرواؤں گی۔" ثانیہ نے کہا۔ تو ایبہا کے دل کو اس کی واپسی کا سن کر ایک گونہ سکون ملا۔
"اگر معیز نے اعتراض کیا تو.....؟" وہ جھجک کر بولی۔
"اعتراض اس شخص کے مانے جاتے ہیں جو خود رائٹ پہ ہو۔ جن کے اپنے قول و فعل میں تضاد ہو وہ کیا کسی پہ اعتراض کریں گے۔"
ثانیہ نے کوئی خاص اثر نہیں لیا تھا۔ اسے سمجھاتی رہی اور آخر میں جو اس نے کہا وہ ساری بات چیت پہ بھاری تھا۔
"پڑھو لکھو اور اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو کر سب کو بتا دو ایبہا کہ ہر شخص اپنا نصیب لے کر پیدا ہوتا ہے۔ کسی کے والدین اچھے نہ ہوں تو ضروری نہیں کہ اولاد بھی بُری ہی ہو گی۔ اور معیز احمد کو بھی تو پتا چلے کہ اسے جس "سہارے" پر بہت گھمنڈ ہے تم اس کے بغیر بھی اس معاشرے میں سروائیو کر سکتی ہو۔"
"میں نہیں کر سکتی ثانیہ۔" وہ کمزور لہجے میں بولی۔ اس کا دل تو ثانیہ کی باتیں سن سن کر ہی گہری کھائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ جب عمل کا وقت آتا تو وہ کیا خاک کر پاتی۔
"تم کرو گی بیا۔ ورنہ یہ لوگ تمہاری عزت نفس کو تار تار کر دیں گے۔ اگر سر اٹھا کے نہیں جیو گی تو یہ لوگ ہمیشہ تمہارے ماں باپ کو گالی دیں گے۔ اپنے آپ کو اپنے ماں باپ کو گالی مت بننے دو ایبہا۔"
ثانیہ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا تو ایبہا کی رگوں میں دوڑتا خون یک لخت تپنے لگا۔
"میں نہیں بننے دوں گی ثانیہ۔"
"تم بہت مضبوط ہو ایبہا۔ تمہارے پاس صحت ہے' خوب صورتی ہے اور اب پیسہ بھی ہے۔ تم کیوں ڈرو کسی سے۔" ثانیہ نے اسے شاباش دی تھی۔

"اور اگر..... معیز نے مجھے چھوڑ دیا تو.....؟" وہ سہمی پڑ گئی۔
"اس شخص نے تمہیں اپنایا ہی کب ہے ایبہا۔ محض ایک کاغذی کارروائی کی تھی اور اب اس سے بھی جان چھڑانا چاہ رہا ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ اللہ نے تمہیں رہنے کا ٹھکانا اور پیسہ دے دیا ہے تمہاری زندگی کی راہیں متعین ہو گئی ہیں۔ اپنی حکمت عملی بناؤ۔ زندگی میں جو بننے کا خواب دیکھا تھا اسے مکمل کرو۔ زندگی معیز احمد ہی کا نام نہیں ہے ایبہا۔"
ثانیہ نے اس پہ اپنا اچھا خاصا دماغ خرچ کیا تھا اور ہر بات اس کی سمجھ میں بھی آئی تھی اور ہر بات دل پہ بھی لگی تھی۔ سوائے آخری بات کے۔
"وہ میری زندگی میں آیا تو میری زندگی کو ایک نیا رخ' ایک نیا موڑ ملا..... تم کیسے کہتی ہو کہ وہ زندگی نہیں ہے؟"
رات بستر پہ لیٹے ثانیہ کی باتوں کو سنجیدگی سے قابل عمل گردانتے ہوئے ایبہا نے اس آخری نصیحت کو ناقابل عمل قرار دے کر لسٹ سے نکال دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نذیراں..... وہ لڑکی ابھی تک نہیں آئی۔ میں نے کہا بھی تھا کہ نو بجے تک اسے یہاں ہونا چاہیے۔" سفینہ اگلی صبح زیادہ فارم میں تھیں۔
"پتا نہیں۔ ہو سکدا اے اوس دی طبیعت خراب ہووے۔" نذیراں نے ڈسٹنگ سے ہاتھ روک کر کہا۔
"جاؤ اور گھسیٹ کے لے کے آؤ اسے یہاں۔" سفینہ بیگم نے دانت پیسے۔

وہ جب جب معیز کی گاڑی میں ایبہا کے بیٹھنے کا سین یاد کرتیں انہیں غصے کا دورہ پڑنے لگتا تھا۔ ان کے بیٹے کے پیچھے ایک "بلا" لگ گئی تھی۔ اور وہ ہر صورت تعویز رد بلا چاہتی تھیں۔ ہر صورت۔

☼ ☼ ☼

"میں نہیں آؤں گی۔" اپنے بستر کی چادر تہہ کرتے ہوئے ایبہا نے کہا تو نذیراں جیسی سیدھی سادی عورت کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔
"ساں نوں بیگم صاب دا پتا اے ناں۔" وہ خوف سے بولی۔ وہ چادر تہہ کر کے رکھنے کے بعد تکیے ٹھیک کر کے سیدھی ہوئی اور نذیراں کو دیکھا۔
"تم ان سے کہہ دو کہ نہ مجھے اس نوکری کی ضرورت ہے اور نہ تنخواہ کی۔" نذیراں نے منہ کھولے چند ثانیے جیسے اس کی بات سمجھنے میں لگائے اور پھر اثبات میں سر ہلا کے پلٹ گئی۔
ایبہا اس کے پیچھے بیرونی دروازے تک آئی دسمبر کی ٹھنڈی ہوا نے اس کے رخساروں کو چھوا تو لحظہ بھر کو وہ کپکپا سی گئی اس نے تیز قدموں سے کوٹھی کی طرف جاتی نذیراں کو دیکھا اور لرزتے ہاتھوں کو سینے پہ باندھ لپیٹتے ہوئے بغلوں میں دبا لیا۔
مگر بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ ہاتھوں کی یہ لرزش سردی کی وجہ سے نہیں تھی۔ وہ دروازہ بند کر کے جلدی سے اندر آ گئی۔ اتنی ہمت دکھا تو دی تھی ثانیہ کے سمجھانے پر' لیکن اب آگے کیا ہو گا اور اس کا کیسے سامنا کرنا تھا یہ اللہ ہی جانتا تھا۔
وہ ناشتہ بنانے کا سوچ رہی تھی جب نذیراں آ گئی' لیکن اب اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔
ذرا سی ہمت کے بعد پھر سے خوف اور وحشت۔
ان ہی لوگوں کے حصے میں سے وہ مضبوط مالی حیثیت' اور ایک چھت کی مالکن بنی تھی اور اب انہی کو تیا دکھا رہی تھی؟ اس کے ذہن میں منفی سوچیں چکرانے لگیں۔ ابھی وہ اٹھ کر کوٹھی جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ بیرونی دروازہ کھلا۔
وہ خوف زدہ سی اچھل کر کھڑی ہوئی۔ غصے سے بے حال ہوتی سفینہ بیگم اور ان کے پیچھے افتاں و خیزاں نذیراں۔
ایبہا کا دل لرزنے لگا۔
"تم..... دو ٹکے کی لڑکی ماں بھگوڑی اور باپ شرابی۔ یہی اصلیت ہے نا تمہاری اور یہی اوقات..... تو پھر اتنی اکڑ کس بات کی دکھا رہی ہو؟"
سفینہ بیگم گرجیں تو ان کے انداز سے زیادہ ان کے انداز گفتگو نے ایبہا کا خون خشک کر دیا۔
"میں نے..... میں نے تمہیں بلایا اور تم نے انکار کر دیا۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" سفینہ بیگم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ایبہا کے چیتھڑے اڑا دینے کے موڈ میں ہیں۔
ایبہا کو لگا زبان کے بجائے منہ میں چمڑے کا ٹکڑا رکھ دیا گیا ہو' بمشکل لڑکھڑاتے ہوئے بولی۔
"میں پڑھنا چاہتی ہوں آگے۔"
"بکواس بند کرو۔ تمہارا باپ کون سی جائیداد چھوڑ کے مرا ہے تمہارے لیے۔ آوارہ ماں کی آوارہ بیٹی۔ ماں نے بھی ایسے ہی کسی الو کو پھنسایا تھا اور تم نے بھی وہی کام کیا۔"
سفینہ بیگم کے لب و لہجے میں حقارت تھی۔ نفرت تھی۔ ایسی نفرت جو اس کے وجود کو نیلا کیے دیتی تھی۔

"آنٹی پلیز..." برف ہوتا وجود ماں کے نام سے نکلنے والی حرارت نے پگھلا دیا۔ بے اختیار ہی وہ چیخی تھی۔

"میری ماں کو کچھ مت کہیں۔"

اور اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سفینہ بیگم کا غصہ نکالنے کا بہانہ بنے۔ انہوں نے آگے بڑھ کے ایک زور دار تھپڑ ایبہا کے منہ پہ مارا تو وہ لڑکھڑا کر پیچھے جا گری۔ اس کا سر سینٹر ٹیبل سے ٹکرایا تھا۔

درد کی ایک تیز لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔

نذیراں جو ابھی تک خوف سے دم سادھے اس پیاری سی لڑکی کی درگت بنتے دیکھ رہی تھی بے اختیار اسے سنبھالنے کو آگے بڑھی اور اسے اٹھا کر سیدھا کیا۔ تو اس کی پیشانی خون سے تر بتر دیکھ کر حق دق رہ گئی۔

"چھوڑ دو اسے نذیراں۔" سفینہ بیگم گرجیں۔ تو اس نے گھبرا کر کہا۔

"خون نکل رہا ہے ایس دا بیگم صاب۔"

"پتا نہیں حلال ہے یا حرام۔ اپنے ہاتھ ناپاک مت کرو۔ اور چلو اٹھو تم چل کے کام کرو اپنا۔"

وہ حقارت سے بولیں اور انداز میں اس قدر تحکم تھا کہ نذیراں کو سسکتی ایبہا کو چھوڑ کر اٹھنا ہی پڑا۔

ایبہا نے اپنا دوپٹا پیشانی پہ دبا کے رکھا' زور دار تھپڑ سے اس کا ہونٹ اندر سے پھٹ گیا تھا۔ اس نے لہو کا ذائقہ منہ میں گھلتا ہوا محسوس کیا تھا۔

نذیراں نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے چلی گئی۔

"اب تو تمہیں اپنی اوقات اچھی طرح پتا چل گئی ہوگی۔" سفینہ بیگم کی سفاکی پر اس کی تباہ کن حالت نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ تمسخر سے بولیں۔

اور پھر وہ ہوا جس کے بارے میں انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ زور سے چیخی۔

"ہاں۔ جانتی ہوں میں اپنی اوقات۔" اس نے دوپٹا پیشانی پر سے ہٹایا تو وہ خون میں بھیگا ہوا تھا۔ شیشے کی سینٹر ٹیبل کے کنارے نے اس کی پیشانی کو بری طرح زخمی کیا تھا۔ مگر اسے اب اس زخم کی پروا نہ تھی۔ یہ زخم تو جسمانی تھے' قابل برداشت۔

اصل زخم تو وہ تھے جو سفینہ بیگم کی زبان اس کی روح پر لگا رہی تھی۔

جسم کے زخم تو کچھ دیر سے ہی سہی مگر بھر ہی جاتے ہیں' لیکن روح کے زخموں کا مداوا کیا؟

وہ ان کے سامنے اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے ایبہا کے انداز میں اتر آنے والے باغی پن کو بہ سرعت محسوس کیا تھا۔

"اچھا..." وہ استہزائیہ مسکرائیں۔

"میں بھی تو سنوں۔ کیا ہے تمہاری اوقات۔ دو کوڑی کی لڑکی۔"

"میری اوقات پہلے جو بھی رہی ہو مسز اقبال احمد۔ مگر اب اس دو کوڑی کی لڑکی کی اوقات یہ ہے کہ یہ آپ کی بہو اور معیز احمد کی منکوحہ ہے۔"

وہ زور سے چیخی۔ سفینہ بیگم نے اس سے ان الفاظ کی کبھی توقع نہیں کی تھی۔ ان کا خون رگوں میں ابلنے لگا۔

"الو کی پٹھی... حرام..."

وہ مغلظات بکتی اس پر ٹوٹ پڑنے کو تھیں' جب نذیراں کی ناگہانی اطلاع پر بھاگ کر آتا معیز ماں اور ایبہا کے درمیان آگیا۔ ان کا ہاتھ معیز کے سینے پر پڑا تھا۔

"ماما...!" معیز نے بے یقینی بھرے تاسف سے ماں کو دیکھا۔

"چھوڑ دو مجھے معیز۔ آج میں اس رذیل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس کی ہمت میرے منہ کو آرہی ہے۔ میرے ٹکڑوں پہ پلنے والی میری برابری کے دعوے پہ اتر آئی ہے۔"

معیز نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔

"اس کی کیا مجال ماما جو یہ آپ کے مقابلے پہ آئے۔ آپ چلیں یہاں سے۔" وہ انہیں ٹھنڈا کرتے ہوئے بولا۔ تو وہ چلّیں۔

"تم نے سنا نہیں معیز! یہ کیا بکواس کر رہی تھی۔ تم پوچھتے کیوں نہیں اس سے۔"

معیز نے اس کی طرف دیکھا ارادہ یہی تھا کہ سفینہ کو خوش کرنے کی خاطر اسے ذرا سا ڈانٹ دے گا مگر اس کی خون سے تر بتر پیشانی اور نچلے لب سے چھلکتی سرخی دیکھ کر اس کا دل گہرائی میں ڈوب کر ابھرا۔

"پوچھو نا... پوچھتے کیوں نہیں اس سے۔" سفینہ بیگم تیز لہجے میں بولیں۔ وہ معیز کا ٹھٹکنا محسوس کر چکی تھیں۔

"ہاں پوچھیے... آپ بھی پوچھیے میرا حسب و نسب۔ کیا آپ بھی اپنی ماں کی طرح میرے خون کے حلال یا حرام ہونے کی تصدیق چاہتے ہیں؟"

وہ مر جاؤ یا مار ڈالو والی کیفیت میں تھی۔ اس صورت حال نے اس کے تمام ڈر اور خوف کو دور کہیں سلا دیا تھا۔

"میں کہتی ہوں معیز! ابھی طلاق اس کے منہ پہ مارو۔ اسی برتے پہ یہ اتنا اکڑ رہی ہے نا۔ نکلواسے اس گھر سے۔"

"یہ مجھے طلاق دے بھی دیں تو بھی مجھے اس گھر سے نکال نہیں سکتے۔" ایبہا نے اسی بے خوفی سے کہا۔

"دیکھا تم نے ہمدردی کا انجام۔ آج ہمیں دھمکا رہی ہے یہ۔ اس روز بکنے دیتے اس کو تو پتا چلتا اسے اپنی اوقات کا۔" سفینہ بیگم کا لہجہ زہر آلود تھا۔

معیز کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایبہا اونچی آواز میں بولی۔

"وہاں بکنے کے بعد بھی یہی ہوتا۔ جو یہاں "بکنے" کے بعد ہو رہا ہے۔"

"ایبہا...!" معیز دفعتاً غصے سے اونچی آواز میں بولا تو لمحہ بھر کو وہ چپ سی ہوگئی۔ مگر پھر بڑے حوصلے سے پوچھنے لگی۔

"تو کیا غلط کہا ہے میں نے؟ آپ کی مہربانی آپ بھی تو قیمت ادا کر کے ہی لائے تھے مجھے۔" اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ آنسو پینا کسے کہتے ہیں' یہ ایبہا مراد نے اس وقت سیکھا۔

"شٹ اپ۔" معیز ناگواری سے بولا پھر سفینہ بیگم سے کہنے لگا۔

"آپ چلیں ماما۔ گھر چل کے آرام کریں۔"

ایبہا نے اندر بیڈ روم میں جا کر دروازہ لاک کر لیا تھا۔ معیز نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور سفینہ بیگم کو لے کر باہر نکل گیا۔

"اس لڑکی کا کچھ کرو معیز! یہ مجھے اپنے گھر میں ایک پل بھی برداشت نہیں ہے۔"

وہ گھر کی طرف بڑھتے ہوئے تند لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ مگر معیز کا سارا دھیان ضبط سے گلابی پڑتی ان شکوہ کناں آنکھوں اور لہو سے تر بتر چہرے کی طرف تھا۔

سفینہ بیگم کو زارا کے پاس چھوڑ کر وہ کمرے سے نکلنے لگا تو انہوں نے بے قراری سے اسے پکارا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"آرہا ہوں ماما! جا کے اسے دیکھوں' بہت خون بہہ رہا تھا اس کا۔" وہ سنجیدہ تھا۔

سفینہ بیگم کا منہ مارے حیرت کے کھلا۔ پھر ان کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

"کون..... کس کا خون نکل رہا ہے؟" ذرا گھبرائی۔ معیز خاموش رہا مگر سفینہ بیگم جلبلا اٹھیں۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ مرنے دو اسے۔ خس کم جہاں پاک۔"

"وہ ہمارے گھر میں رہ رہی ہے' اسے کچھ ہوا تو جوابدہ ہم ہی ہوں گے۔" معیز نے انہیں احساس دلایا۔

"ہم کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔"

"اللہ کے سامنے تو ہیں ناں۔"

وہ باہر نکل گیا تھا۔ سفینہ بیگم سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا ماما....."

ذرا تشویش سے انہیں پوچھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ فرسٹ ایڈ باکس لے کر وہاں پہنچا تو دل و دماغ مسلسل ایک جنگ کی زد میں تھے۔ دل وہاں جانا نہیں چاہتا تھا مگر دماغ مصر تھا کہ اسے ایک بے گناہ لڑکی کو یوں بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہیے۔

معیز کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سفینہ بیگم ایبہا کے ساتھ اس قدر برا سلوک کریں گی۔ وہ روٹین کے مطابق آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب نذیراں گھبرائی ہوئی اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آئی۔

"او جی..... جلدی کرو۔ بیگم صاب نے اوس بی بی نوں زخمی کر دتا اے۔" وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ معیز پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"کون۔ کس نے کس کو زخمی کیا ہے؟"

"او بیگم صاب نے اوس کرائے دار بی بی نوں۔ اونہاں دا خون نکل رہیا اے۔" نذیراں اسے اپنا مافی الضمیر سمجھانے میں کامیاب رہی تھی وہ چونکا۔

"او شٹ..... یہ ماما بھی ناں....."

وہ بھاگ کر انیکسی میں پہنچا تھا۔ اور پھر ایبہا کا طمطراق بھرا انداز دیکھا اور سنا۔

"اس لڑکی کی یہ اوقات ہے کہ یہ آپ کی بہو اور معیز احمد کی منکوحہ ہے۔"

اس کے دل کی حالت کچھ عجیب سی ہوئی مگر صورت حال کچھ ایسی تھی کہ وہ مزید کچھ سوچ نہیں سکا۔ در حقیقت اس وقت ایبہا کی حالت دیکھ کر معیز کو افسوس ہوا تھا۔ اور اب وہ میڈیکل باکس لے کر وہاں پہنچا تو بیرونی دروازہ کھلا اور بیڈ روم کا دروازہ ہنوز بند تھا۔ باکس سینٹر ٹیبل پر رکھ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا تاب گھما کر دیکھا تو وہ لاک نہیں تھا۔ کلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ معیز دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تو وہ اپنا دوپٹہ پیشانی پہ دبائے رکھے بیڈ پہ سر ٹکائے نیچے کارپٹ پہ بیٹھی تھی۔ معیز تیزی سے آگے بڑھا اور پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ایبہا.....!" اس نے پکارا۔

قیامت بھی آجاتی تو وہ اتنی حیران نہ ہوتی کہ وہ تو برحق ہے۔ مگر معیز کا یوں واپس آنا اور نرمی سے پکارنا۔

اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔

"اٹھو..... مجھے تمہارا زخم دیکھنا ہے۔"

معیز نے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئی۔ وہ صوفے پر بیٹھی۔ معیز میڈیکل باکس میں سے پائیوڈین اور کاٹن نکال رہا تھا۔ اور وہ مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔

وہ اب ہاتھوں پر میڈیکل گلوز چڑھا رہا تھا پھر اس نے جھک کر احتیاط کے ساتھ اس کے زخم پر چپکے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔ ایبہا نے آنکھیں موند لیں۔

اس کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو نے ایبہا کی پور پور کو مہکا دیا۔ وہ کاٹن پہ دوا لگا کر اس کے زخم کو صاف کر رہا تھا۔ شکر خدا ٹانکوں کی نوبت نہ آئی تھی۔

اس کے ہاتھوں کا لمس ایبہا کو اپنے ماتھے پہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی سانسوں کی دھیمی سی آواز اور تپش۔ وہاں خاموشی تھی..... بولتی خاموشی۔

یہ لمس..... یہ لمس جو سکون آور تھا۔ اس کے غموں کی اخیر تھا۔

معیز نے اس کی پلکوں کی لرزش دیکھی اور خود سے اعتراف کیا وہ بہت معصوم اور خوب صورت لڑکی تھی۔

اور اس سوچ کے ذہن میں لہراتے ہی معیز کو ڈنک سا لگا۔ وہ فی الفور پیچھے ہٹا اور پلٹ کر گلوز اتارنے لگا۔ ایبہا نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ میڈیکل باکس میں چیزیں سیٹ کر رہا تھا۔

اسے لگا بات کرنے کا یہی صحیح موقع ہے۔ اب جبکہ یہ پینڈورا باکس کھل ہی چکا تھا تو وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

"میں پڑھنا چاہتی ہوں۔"

وہ بے ساختہ بولی تو معیز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ایبہا نے وضاحت کی۔

"میں اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ جھکے ہوئے لہجے میں بولی تو اس کے پٹی زدہ ماتھے کو دیکھ کر معیز شرمسار سا ہو گیا۔

"ہوں..... اچھی بات ہے۔" وہ مختصراً بولا۔ مگر جانے سے پہلے اسے یاد دہانی کرانا نہیں بھولا۔

"لیکن حالات تمہارے سامنے ہی ہیں۔ اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔ جتنی جلدی اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لو گی تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"

وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کی بات نے دل کو کتنا دکھی کیا ہے سو پیشانی کے زخم کو چھو کر سسک اٹھی۔

"یہ پین کلر رکھی ہیں میں نے۔ دودھ کے ساتھ ایک لے لینا' درد میں افاقہ ہو گا۔" معیز نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"اور دل کے درد کا کیا معیز احمد.....؟"

اس کے دل نے پیچھے سے دہائی دی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

"میں تو کہتی ہوں کہ ابھی مزید کچھ دن رکو تم یہاں۔"

تائی جان نے اپنے سارے لاڈ عون پر ہی لٹا دیے تھے۔ ثانیہ ابھی اپنا بیگ پیک کر کے اٹھی تھی۔ لاؤنج میں سے پہلے اسے تائی جان کی آواز آئی۔ تو اس نے سر جھٹکا پھر وہ کوریڈور ہی میں رک گئی۔ وہ عون کا جواب سننا چاہتی تھی۔ کل ولیمہ کھا کر وہ لوگ فارغ ہو چکے تھے اور اصولاً "آج رات انہیں یہاں سے نکل جانا تھا۔

"پھر سہی تائی جان۔ فی الحال تو اتنی ہی چھٹی پر آئے تھے۔" وہ بولا تو ثانیہ کی جان میں جان آئی۔

وہ اس گھٹن زدہ ماحول میں مزید ایک بھی دن ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے تو یہاں سے جاتے ہی گاؤں امی اور دادی کے پاس جانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

اسے لگ رہا تھا وہ اپنوں سے جانے کتنا دور چلی آئی ہے۔

"عون پلیز… ہفتے میں دن ہی کتنے ہوتے ہیں۔ ثانی کو بھیج دو واپس۔ تم تو کبھی کبھار آتے ہو۔ ابھی تو آتی جگہوں کی سیر کرنی تھی تمہارے ساتھ۔"

یہ ارم تھی۔ ثانیہ کا دل ہی نہ چاہا لاؤنج میں جانے کو۔

نیلم کی دو دن پہلے کی گفتگو نے اسے کٹہرے میں کھڑا کر دیا تھا۔ اس نے غیر جانب داری سے اپنے اور عون کے معاملے کا جائزہ لیا تو خود کو سراسر جذباتیت کی انتہا اور غلطی پر پایا۔

مگر اب یہ ارم پھر سے… اس نے لب کچلا۔

"ثانی کو بھیج دوں… ایکسکیوز می۔" عون کی آواز ابھری تو اس میں ناگواری بھری ہوئی تھی۔ ثانیہ چونکی۔

"ہاں بیٹا۔ وہ ویسے بھی یہاں کچھ خاص کھلی ملی نہیں کسی کے ساتھ۔ جہاز پر ہی تو جانا ہے اس نے۔ کون سا بس پکڑنی ہے اکیلے پھر خوب سیریں کرنا۔"

تائی جان نے شہد آگیں لہجے میں عون کو نئی راہ دکھائی' ثانیہ کا دل جیسے مٹھی میں جکڑا گیا۔

کسی بھی لڑکے کے لیے یہ بے حد پرکشش آفر ہوتی خاص طور پہ ایسے لڑکے کے لیے جس کی اپنی منکوحہ اسے گھاس بھی نہ ڈالتی تھی۔

وہ بے ترتیبی سے دھڑکتا دل لیے عون کے جواب کی منتظر تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ تائی جان۔ وہ بیوی ہے میری۔ میں اسے ایسے تنہا کیسے بھیج سکتا ہوں؟ اور جہاں تک بات ہے سیر و تفریح کی تو انشاءاللہ شادی کے بعد ہم دونوں جب یہاں آئیں گے تو ثانیہ میں یہ جھجک نہیں ہو گی۔ تب خوب سیریں کریں گے ارم کے ساتھ۔" وہ فریش لہجے میں بولتا ثانیہ کی دھڑکنوں کو قرار دے گیا۔

"عون پلیز۔ کیا مستقبل ہے تمہارا؟ کیوں اپنی زندگی برباد کرنے پہ تلے ہوئے ہو۔ ختم کرو بچپن کے اس کھیل کو۔ کیوں ماں باپ کی زبان نبھانے کی خاطر اپنی زندگی خراب کر رہے ہو۔"

ارم کا بس نہیں چلتا تھا وہ عون کا ساتھ پانے کے لیے اس کے آگے گڑگڑانا شروع کر دیتی۔

"ہاں بیٹا۔ بیویاں وہی اچھی لگتی ہیں جو شوہر کو عزت دیں۔ وہ تو تمہیں کچھ سمجھتی ہی نہیں۔" تائی جان مکمل طور پر بیٹی کی سپورٹ میں تھیں۔

"جب واقعی میں بیوی بنے گی تو ویسی ہی عزت بھی دے گی تائی جان! لڑکیوں میں تھوڑا بہت نخرا تو ہوتا ہی ہے۔ مجھے اچھا لگتا ہے اس کا ایٹی ٹیوڈ۔"

عون کا انداز پر سکون تھا۔ ثانیہ جو تائی جان کی بات سن کر سُن سی ہو گئی تھی عون کی بات سن کر تو اس پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔

یہ وہ شخص تھا مہندی کی رات بھرے پنڈال میں جس کی عزت کا اس نے خیال نہیں کیا۔ اور وہ ثانیہ کی غیر موجودگی میں بھی اسی کا دفاع کر رہا تھا۔

ارم نے مزید کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر عون اٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"اب تو میں اور ثانی ارم کی شادی پہ آئیں گے اور وہ جو بھنگڑا نازی سوفی کی شادی پہ ادھار رہ گیا ہے' وہ ہم دونوں مل کے ڈالیں گے ارم کی شادی پر۔"

"عون… ! تم اپنے آپ کو مجبور مت سمجھو۔ ابو بات کر لیں گے چچا جان سے۔ زبردستی کا یہ رشتہ خاموشی سے ختم ہو جائے گا۔" ارم بے قراری سے بولی۔

"ہاں اور تمہارا نام بھی نہیں آئے گا۔ اس بات کی فکر مت کرو تم۔" تائی جان نے اسے بڑھاوا دیا۔

ثانی نے بے ساختہ چلا کر دیوار کو تھاما۔ یہ بھی تو رشتوں ہی کے چہرے تھے۔

لوگ نہیں بدلتے۔ یہ حالات ہیں جو ان کے چہروں سے نقاب اتار کر ان کی اصلیت سامنے لے آتے ہیں۔

"ہاں… میں مجبور ہوں۔" عون سنجیدگی سے بولا پھر ارم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مگر اپنے دل کے ہاتھوں۔ میری کنپٹی پہ کوئی بندوق نہیں رکھی ہوئی ارم۔ ثانیہ سے میں اپنی زندگی میں تو کبھی یہ رشتہ توڑنا نہیں چاہتا۔ میں اس رشتے کو اپنے دل و دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ پسند کرتا ہوں اور نبھانا چاہتا ہوں۔ تم جانے کن غلط فہمیوں کا شکار ہو۔"

آخر میں اس کا لہجہ بے رخی لیے ہوئے تھا۔

"میں چلتا ہوں۔ ابھی میں نے اپنا سامان پیک کرنا ہے۔"

وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور تیزی سے اوپر چلا گیا۔ ارم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تائی جان بوکھلا کر اسے تسلیاں دینے لگیں۔

بوجھل سا دل لیے ثانیہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ شام کو وہ سب سے مل کر ایئرپورٹ کے لیے نکلے تو ارم انہیں خدا حافظ کہنے موجود نہیں تھی۔

ثانیہ جب نیلم سے ملی تو اسے خود سے بھینچ لیا۔ اسے خوب رونا آیا۔

عقل عمر کی میراث نہیں ہوا کرتی۔

وہ خود کو بہت عقل مند سمجھتی تھی مگر ایک سترہ سالہ لڑکی نے اسے بتایا کہ عقل عمر سے نہیں… حالات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے سے آتی ہے۔ اپنے معاملات کو غیر جانب داری سے پرکھنے سے آتی ہے۔

"تھینکس…"

"فار واٹ نیلم؟" وہ مسکرائی۔

"فار ایوری تھنگ…" ثانیہ بھیگی پلکوں سنگ مسکرا دی۔

"میں اپنی شادی پہ آپ دونوں کا انتظار کروں گی۔" وہ شرارت سے بولی تو ثانیہ ہنس دی۔

انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑنے شایان جا رہا تھا۔ فاران بھی ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ عون سب سے مل کر فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا۔ ثانیہ پچھلی نشست پر تھی۔ سارے راستے وہ شایان سے محو گفتگو رہا مگر بھول کر بھی ثانیہ کو مخاطب نہیں کیا۔

میں اسی قابل ہوں۔ وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

اسلام آباد سے کراچی تک کے سفر کے دوران بھی وہ سنجیدہ اور پر تکلف سا رہا۔

اور ثانیہ کو رہ رہ کر یاد آتا رہا کہ اس نے نازیہ آپی کی مایوں والی رات عون کی کس طرح انسلٹ کی تھی۔

ایئرپورٹ پر خالو جان گاڑی لے کر موجود تھے۔ گرم جوشی سے ملے۔

"گھر چلو نا۔ اپنی پھپھو سے نہیں ملو گے؟" عون نے پہلے اسے ڈراپ کرنے کا کہا تو خالو جان مسکرا دیے۔

"کل آؤں گا۔ ابھی گاڑی پاس نہیں ہے واپسی پہ پھر مسئلہ بنے گا۔"

عون نے وضاحت دی۔ اور وہ راستے ہی میں اتر گیا۔

"اوکے… اللہ حافظ…"

ڈگی میں سے اپنا بیگ نکال کر وہ خالو جان سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔

اور ثانیہ اس کی ایک نگاہ کی منتظر ہی رہی۔ اس کا دل دیے کی لو پہ رکھا قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا۔ مگر شاید چاہنے والی نگاہ ہی بدل گئی تھی۔

وہ گیٹ کی طرف پلٹ گیا۔ ثانیہ نے تھکی ہوئی آنکھیں موند کر سیٹ سے سر ٹکا دیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ناشتہ کر کے فارغ ہوتے ہی وعدے کے مطابق ثانیہ اس کے پاس موجود تھی۔ ایمہا تو مارے خوشی کے اس سے لپٹ کر رو رہی دی۔

"ایمہا۔ واٹ ہیپنڈ... ؟ یہ ماتھے پہ کیسا زخم ہے۔ گری ہو کیا؟"

ثانیہ تو دنگ ہی رہ گئی اسے خود سے الگ کر کے سامنے کیا۔ ماتھے کی چوٹ تو چلو بینڈیج میں چھپ گئی مگر سوجا ہوا ہونٹ اور بخار میں تپتا اس کا وجود؟

"ہوں' ہاں۔ کل یہاں پاؤں سلپ ہو گیا تو ٹیبل کے شیشے سے زخمی ہو گئی۔" ایمہا کی زبان لڑکھڑائی۔

"اتنی سخت چوٹ... بخار بھی ہو رہا ہے تمہیں۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں گئیں۔ اس سنگدل شخص نے تو پلٹ کے دیکھا بھی نہیں ہو گا تمہیں۔"

ثانیہ کے پُر تشویش لہجے میں غصہ در آیا۔

"نہیں' نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔ نذیراں نے جا کر انہیں بتایا ہو گا' وہ آئے تھے کل۔ یہ بینڈیج انہوں نے ہی کی ہے اور میڈیسن بھی دی تھی۔"

وہ بے اختیار بولی تو ثانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔ پچھلے دنوں طبیعت خراب تھی تو ڈاکٹر کے پاس بھی لے گئے تھے۔"

ایمہا نے اس کے معیز کے خلاف ہونے یا کچھ بولنے سے پہلے ہی "بند" باندھنا شروع کر دیے۔

"یقین تو نہیں آ رہا مجھے۔ مگر اب تم اتنا زور دے کر کہہ رہی ہو تو میں مان لیتی ہوں۔" ثانیہ کے ماننے کا انداز بھی نہ ماننے جیسا تھا۔ ایمہا نے اسی پر شکر ادا کیا کہ وہ بحث پر نہ اتری تھی۔

"اچھا چلو آرام سے بیٹھو... بلکہ تم صوفے پہ لیٹ جاؤ اور میں یہاں بیٹھ جاتی ہوں۔" ثانیہ نے زبردستی اسے صوفے پہ لٹا دیا۔

"مجھے چائے تو بنانے دیں۔" ایمہا نے بے چارگی سے کہا۔

"تم مجھے یہاں مہمان مت سمجھا کرو۔ بس یہ سوچا کرو' تمہاری بڑی آپا آئی ہے تمہارے گھر اور تمہیں اس کے رعب کے آگے ایک لفظ بھی نہیں بولنا۔" ثانیہ نے تحکم سے کہا تو ایمہا کو ہنسی آ گئی۔

"اتنی بھی بڑی نہیں ہیں مجھ سے۔ میں تو و یسے احترام کی وجہ سے آپ جناب کرتی ہوں۔"

"اب تم مجھ سے بہانے سے میری عمر جاننے کی کوشش مت کرو میں چائے بنا کے لاتی ہوں پھر مزید گفتگو کریں گے۔" وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

ثانیہ کی بات سن کر مسکراتے ہوئے ایمہا نے آنکھیں موند لیں۔ درحقیقت ثانیہ کے آنے سے اس کا ذہن بہت آسودہ ہو گیا تھا۔

یہ نہیں کہ اب وہ ایک سپرد من بن جانے والی تھی' ہاں مگر اسے خلوص دل سے مشورے دینے والا مل گیا تھا۔

"میں نے آنٹی سے کہہ دیا ہے کہ اب میں ان کے گھر کے کام نہیں کر سکتی اور یہ بھی کہ میں اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔"

چائے پینے کے دوران ایمہا نے بتایا تو ثانیہ کا چہرہ حیرت و خوشی کے امتزاج سے جگمگا اٹھا۔

"واقعی۔ وہ تو بہت ناراض ہوئی ہوں گی؟" ثانیہ نے تشویش سے پوچھا تو آنٹی کی "ناراضی" یاد کر کے ایمہا کی پیشانی میں شکنیں اُبھرنے لگیں۔

"نہیں۔ ایسا کچھ خاص نہیں۔ بس خود ہی بول بول کے تھک گئیں۔ پھر میں نے معیز سے بھی یہی سب کہہ دیا۔" وہ پلکیں جھپک کر آنسو روک رہی تھی۔

ثانیہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا تو باوجود ضبط کے اس کے آنسو پلکوں تک آن پہنچے۔

"میں بے وقوف نہیں بن رہی ہیا..." وہ سنجیدہ تھی۔

ایمہا بے بسی سے چور ہونے لگی۔

"وہ میرے ماں باپ کو گالی دیتی ہیں۔ مجھے حلال نہیں سمجھتیں... میری ماں... دنیا کے لیے وہ کچھ بھی ہوں۔ مگر میرے لیے تو بس ماں تھی۔ سچی اور کچی ماں۔" وہ رو دی۔

ثانیہ نے لب بھینچے۔ اس کی اپنی زندگی میں پچھلے دنوں جو اتار چڑھاؤ آئے تھے' خود اس کا کمبل میں منہ چھپائے یونہی دنیا سے چھپ کے لیٹے رہنے کا جی چاہ رہا تھا۔ مگر صرف اور صرف اس بے بس اور مجبور لڑکی کے خیال سے وہ صبح صبح اس کے پاس بھاگی چلی آئی تھی۔

"اب مجھے تمہاری چوٹ اور اس بینڈیج والی 'مہربانی' کی وجہ بھی سمجھ میں آ رہی ہے ہیا۔"

ثانیہ نے تلخی سے کہا تو ایمہا نے نفی میں سر ہلایا مگر گلے میں آنسوؤں کا پھندا اس قدر شدید تھا کہ اس سے صفائی میں کوئی لفظ نہیں بولا گیا۔

"خود کو مشکل میں مت ڈالو ایمہا۔ یک طرفہ محبت کرنے والے امتحانوں میں پڑے رہتے ہیں۔"

ثانیہ کرلائی۔ اسے عون یاد آیا... اور اپنا رویہ۔

ایمہا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"تم بس پوری توجہ سے اپنی پڑھائی مکمل کرو۔ معیز نے جو فیصلہ کرنا ہے اسے اپنی دلی رضامندی سے کرنے دو۔ اس کے پاؤں کی زنجیر بن کے فیصلہ کرواؤ گی تو کبھی بھی خوش نہیں رہ سکو گی۔ اور یہ تو طے ہے کہ فیصلہ وہ اپنی من مرضی ہی کا کرے گا' تمہاری نہیں تو پھر خود کو ہلکان کرنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟"

ثانیہ نے لمبے لیکچر کے بعد پوچھا تو اس نے آنسو پیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"تم اس لڑکی کو طلاق کب دے رہے ہو معیز...؟" وہ ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا' جب سفینہ بیگم نے پوچھا تو وہ جو کرسی کھسکا کر اٹھنے کی پوزیشن میں تھا۔ ہلکے سے مسکراتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گیا۔

"کبھی نہیں..."

سفینہ بیگم کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو معیز...؟"

"ہاں ماما... میں اس رشتے کو نبھانا چاہتا ہوں۔"

معیز نے اطمینان سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو سفینہ بیگم کو اس کا ایک ایک لفظ دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برستا محسوس ہوا۔ وہ بے یقینی کی اتنی شدید لپیٹ میں تھیں کہ ایک لفظ بھی نہیں بول پائیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں، معیز، زارا اور ایبہا۔ صالحہ، امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ، الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں، مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی، نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ، امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھاتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ایبہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے۔ جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ایبہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے۔ اور دوبارہ اپنے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ایبہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ایبہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد، ایبہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے 'مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور مغیر حسن کے نکاح میں امتیاز احمد 'ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں 'مگر معیز اسے بے عزت کر کے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب 'ابیہا کی کلاس فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کر کے 'ان سے پیسے بٹور کر پلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب 'معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے 'مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کر پاتی ہے 'نہ اینگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے 'مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور اینگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں 'زور زبردستی کر کے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سرپٹختی ہے 'مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے 'مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ 'گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید تلملا ہوتی ہیں۔ معیز 'ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے 'مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے 'مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون 'معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور با اعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے 'مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم 'ابیہا کو سیٹھی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیٹھی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے 'جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں 'مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً "سیٹھی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیٹھی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیٹھی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے 'مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں 'لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد 'ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے پیار کا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے 'مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب۔ پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم 'ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کر دیتی ہے 'مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملتے ہی ابیہا 'ثانیہ کو فون کر دیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم رعنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے 'مگر ثانیہ 'ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ایبہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ ان سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورو نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد بچا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہی سمجھ رہی ہیں کہ ایبہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا کا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ایبہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتی ہے۔ ارم کی بہن حلیمہ ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کر کے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کر رہا ہے۔ عزت کریں عون کی' اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی والی رات کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

رباب 'سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ایبہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ایبہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جا کر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ایبہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ایبہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ایبہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔

۱۶
سولہویں قسط

معیز کی بات اس قدر غیر متوقع تھی کہ سفینہ بیگم ششدر سی اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ انہیں جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ پھر جب ان کے ذہن نے اس بات کو سمجھا تو جھرجھری سی لے کر بیدار ہوئیں اور جلبلا کر بولیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

"مگر اس گھر میں ایسے ہی حالات چلتے رہے تو وہ دن دور نہیں ماما!"

معیز کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اس لڑکی کی زبان نہیں سنی معیز۔ اس کی ذہنی اڑان نہیں دیکھی...؟"

وہ تڑپ کر پوچھنے لگیں۔

"آپ وہاں کیوں گئیں؟ اسے اس اسٹیج تک کیوں لائیں کہ وہ اپنی پوزیشن کے بارے میں کوئی "دعوا"

کر سکے؟"

معیز نے رسمان سے پوچھا تو لمحہ بھر کو وہ چپ سی ہو گئیں۔ پھر تیز لہجے میں بولیں۔

"اس نے یہاں آکے گھر کے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"وہ اس گھر کی نوکرانی نہیں ہے ماما!" اس نے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"بہو بھی نہیں ہے معیز احمد۔"

سفینہ بیگم نے تیزی سے جتانے والے انداز میں کہا۔

"نوکر وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے آکر نوکری کی درخواست کرتا ہے۔ آپ کسی کو زبردستی اپنا ملازم نہیں بنا سکتیں۔" معیز بے حد تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے۔ میں یونہی مہینے کا دس ہزار اس کے ہاتھ میں تھما دوں گی؟"

وہ جلبلا ئیں تو معیز ان کی بات سمجھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر گویا ہوش میں آتے ہوئے ناگواری سے بولا۔

"فار گوڈ سیک ماما! وہ اس کا حق ہیں۔ اور اس کا حق دینے کے لیے آپ اسے استعمال نہیں کر سکتیں۔"

"حق' حق' حق۔" وہ یک لخت چیخیں اور ہاتھ مار کر سامنے رکھا کپ پرچ پرے گرا دیا۔

"ایک تم اور دوسرا تمہارا باپ۔ اس پر بھی دوسروں کا حق تھا اور تم پر بھی۔۔۔ میں تو کسی کی سگی ہوں ہی نہیں نا۔" ان کے انداز پر معیز دم بخود رہ گیا۔

"ساری عمر تمہارا باپ اس حرافہ کی یادوں میں ڈوبا میرا حق مارتا رہا اور اب اس کی جگہ اس کی بیٹی آ بیٹھی ہے تمہیں مجھ سے چھیننے کے لیے۔"

ایراز اپنے کمرے سے ننگے پاؤں بھاگتا آیا تھا۔ وہ یقیناً" ماں کی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ بکھرے بال اور آنکھوں میں نیند کی لالی اس بات کی چغلی کھا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔۔۔؟" وہ پریشان سا ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ سفینہ بیگم ہانپتی ہوئی گہری سانسیں لے رہی تھیں اور معیز۔۔۔ ماں کی بدگمانی پر خفا سا ہو کر کرسی دھکیلتا اٹھ کر چلا گیا۔

ایراز کرسی گھسیٹ کر ماں کے نزدیک بیٹھا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"کیا بات ہوئی ہے ماما؟"

"اپنے بھائی سے پوچھتے نا۔ وہ تو ایسے بھاگتا ہے اس موضوع سے جیسے۔۔۔" وہ پھٹ پڑنے والے انداز میں بولیں۔

"کس موضوع سے۔۔۔ مجھے بھی تو بتائیں۔" ایراز نے پیار سے ان کے ہاتھوں کو سہلایا۔

"اس لڑکی کے پیچھے اندھا ہو رہا ہے۔ باپ نے مرتے وقت پھانسی کا حکم دے دیا تھا اور اب یہ اس پھندے میں اپنی گردن فٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

وہ تلخی سے بولیں تو ایراز چونکا۔

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟"

"وہی۔ جسے باپ کے اشارے پہ بیاہ کے لے آیا ہے اور ماں کی منتوں کے بعد بھی طلاق نہیں دے رہا۔"

وہ سلگیں تو ایراز نے گہری سانس لی۔ پھر رسان سے بولا۔

"اس معاملے کو ان ہی پر چھوڑ دیں ماما! اگر واقعی وہ "بیاہ" کے لائے ہوتے تو ٹیکسی میں نہ لے جاتے۔ اس معاملے کی ٹرمز اینڈ کنڈیشنز کو وہی ٹھیک سمجھتے ہیں۔ اپنے طور سے حل کرنے دیں انہیں۔"

"دس ہزار مہینے کا مل رہا ہے اسے اور وہ بھی بنا ہڈیاں گھسائے ہمارے حق میں سے۔"

انہوں نے دانت پیسے۔ پھر حقارت سے پُر لہجے میں بولیں۔
"اچھا بھلا کام رکھ لیا تھا میں نے اسے۔ نذیراں کے ساتھ محنت کی کمائی لیتی تو اچھی بھی لگتی۔ یوں بدحراموں کی طرح ہمارے ٹکڑوں پہ پڑی ہے۔"
ایراز کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس خوب صورت سی ملازمہ کا چہرہ پردۂ ذہن پر روشن سا ہو گیا۔
اس نے جھرجھری سی لے کر بے یقینی سے ماں کی طرف دیکھا۔
"وہ... وہ ملازمہ... جس کو میں خوب صورت کہہ رہا تھا...؟"
"دیکھنے میں سانپ بھی بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ رنگوں سے سجے۔ مگر اپنے اندر زہر چھپائے ہوتے ہیں۔" وہ نخوت سے بولیں۔
مگر ایراز ابھی تک صدمے کی سی کیفیت میں تھا۔
"مجھے یقین نہیں آرہا ماما! جو بھی ہو... مگر فی الحال وہ بھائی کے نکاح میں ہے اور آپ نے اسے نذیراں کی طرح ملازمہ بنا لیا؟"
اس کے تاسف پر سفینہ کو اور غصہ آیا۔
"تو کیا کروں... تمہارے اس لاڈلے بھائی کے کمرے میں ملکہ بنا کے بٹھا دوں اسے؟"
مزید کچھ کہنا بے سود جان کر گہری سانس بھرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سفینہ بیگم نے گھور کے اسے دیکھا۔
"جو رشتہ جس عزت اور مقام کا اہل ہو اسے وہ ملنا چاہیے ماما! انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے ظرف سے نیچے نہیں بلکہ اوپر آکے لوگوں سے برتاؤ کرے۔"
وہ ایسی ہی نرمی سے بولا جو سفینہ بیگم کے نہیں، امتیاز احمد کے لب و لہجے کا خاصہ تھی۔
سفینہ بیگم نے حقارت سے سر جھٹکا۔
امتیاز احمد کی ستائیس برس کی محبت ان کی فطرت کو نہ بدل سکی تھی تو یہ کل کے بچے کیا اثر ڈال لیتے۔
بہرحال ایراز کو بہت تاسف ہوا تھا اور وہ اس معاملے پر معیز سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جاگ چکا تھا مگر اس کے باوجود بستر سے نہیں اٹھا تھا۔ ابا نے بھی سفر کی تھکن کا خیال کر کے اسے آواز نہیں دی اور خود ہی ریسٹورنٹ چلے گئے۔
بھابھی شاید کام والی سے ڈسٹنگ کروا رہی تھیں۔ امی ہی دل کے ہاتھوں مجبور تین مرتبہ اسے دیکھ کے جا چکی تھیں۔ ان کے لاڈلے نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا تھا۔ مگر تینوں بار ہی اسے سوتا پایا۔ ابھی چوتھی بار دروازہ کھلا تو کسل مندی سے کمبل بانہوں میں دبائے لیٹے عون نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اطمینان کی سانس بھرتی امی اندر چلی آئیں۔
"شکر ہے اللہ کا۔ تمہاری نیند بھی پوری ہوئی۔" عون اٹھ بیٹھا۔ امی اس کے بستر کے کنارے ٹک گئیں۔
"اب بتاؤ شادی کیسی رہی اور سب لوگ کیسے ملے؟" انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔ رات وہ لیٹ پہنچا تھا تو سب تفصیل جاننا ابھی باقی تھی۔
"ویسی ہی۔ جیسی سب شادیاں ہوتی ہیں اور باقی سب لوگ بھی ٹھیک ہی ملے۔"
وہ سستی سے بولا تو امی نے اسے گھور کے دیکھا۔
"یہ کیسا جواب ہوا...؟"

"آپ نے سوال ہی ایسا پوچھا تھا۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے 'کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟" امی نے "اندرون خانہ" معاملات، جاننا چاہے مگر وہ بھی عون عباس تھا۔ مجال تھی کہ کسی بات کا سیدھا جواب دے دیتا۔

"بہت کچھ کہا۔ آپ کس کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہیں؟" امی بے چاری ہار کر بولیں۔

"اچھا، ثانیہ کا ہی بتا دو۔ اس نے شادی انجوائے کی؟" عون سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ سوال تو آپ اسی سے کیجئے۔ وہ بہتر طور پر جواب دے سکتی ہے آپ کو۔"

"تو پھر تم سے کیا پوچھوں میں۔۔۔؟"

وہ چڑ کر بولیں تو عون ہنسنے لگا۔

"میرا مطلب تھا کہ تمہارے تایا جان کو اعتراض تو نہیں ہوا ہمارے شادی میں نہ شریک ہو سکنے پر؟"

"آپ کی بہو رانی تھی نا وہاں سب کے دانت کھٹے کرنے والی۔" عون نے طنز کیا تو، تاسف سے بولیں۔

"تم کبھی اسے ٹھیک سے نہیں سمجھ سکتے عون! اتنی ٹھنڈی میٹھی طبیعت کی ہے میری بہو۔" عون نے آہ بھر کے اوپر دیکھا۔

"کاش۔"

"وہاں بھی اس سے لڑتے ہی رہے ہو گے تم۔" امی کو شک گزرا تو وہ خفا ہونے لگا۔

"یہاں کون سا میں تلوار لے کر اس کے پیچھے پڑا تھا جو وہاں بھی لڑائی ہوتی رہی تھی۔"

امی کو ہنسی آ گئی۔ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اچھا چلو۔ نہا دھو کے فریش ہو جاؤ۔ تب دماغ صحیح سے کام کرے گا تمہارا، اور کچھ تفصیل بتا سکو گے۔"

وہ مسکرا دیا۔ امی کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گیا تھوڑی دیر کے بعد وہ ناشتے کے دوران (اپنی اور ثانی کی لڑائی کاٹ چھانٹ کر) امی اور بھابھی کو شادی کی تفصیل سنا رہا تھا۔

"اور۔۔ ثانی کے ساتھ سفر کیسا رہا؟" امی کے اٹھتے ہی بھابھی نے "ثانی" پہ زور دیتے ہوئے کہا تو عون نے مذاق اڑانے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"ہنہ۔ آپ کو تو جیسے میں بتاؤں گا نا۔"

"اوہو۔ لفٹ نہیں کرائی ہو گی اس رضیہ سلطانہ نے 'جب ہی۔۔ بڑے آئے تم۔" بھابھی نے جواباً اس کا مذاق اڑایا۔

ثانی کی ہٹ دھرمی سے سب ہی واقف تھے۔ یہ بات عون بھی جانتا تھا مگر "سمجھ" تو اسے اب آنا شروع ہوئی تھی۔

"اچھا۔ آپ یہی سوچ لیں اور خوش ہو جائیں۔"

عون نے اطمینان سے کہتے ان کے تجسس کو اور ہوا دی۔

"چلو۔ دیکھ لیں گے۔ ابا نے کہہ دیا ہے دو ماہ بعد ثانیہ کی رخصتی کروالیں گے۔ دیکھتے ہیں اب وہ محترمہ کیا سیاسی بیان دیتی ہیں۔ پھر پتا چلے گا یہ سفر کتنا "رومانٹک" رہا تھا۔"

وہ بھی اسی کی بھابھی تھیں، دھماکا کرتے ہوئے بولیں تو چند لمحوں تک وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا رہ گیا۔

بھابھی نے شرارت سے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ چونکا پھر انہیں ہنستے دیکھ کر خجل سا ہو گیا۔

"تم نے شاید یہی سنا ہے کہ ابا رخصتی کی بات کر رہے ہیں، لیکن یہ نہیں سنا کہ اب فیصلہ ثانی کے ہاتھ میں ہو گا۔" بھابھی نے جتایا تھا۔

وہ ٹیبل پہ پڑا جار اٹھا کر کھول کر زیتون نکال کر منہ میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے بولا۔
"بہت اچھی بات ہے۔ اپنی زندگی کا فیصلہ اسے خود ہی کرنا چاہیے۔" بھابھی نے اسے گھورا۔
"اور تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"
"یہی کہ اب فیصلہ ثانیہ کرے گی۔ میں اس سے مزید کوئی لیو مانگوں گا اور نہ وقت۔"
وہ سنجیدہ تھا۔ پھر فوراً" ہی اٹھ گیا۔
"میں ذرا ریسٹورنٹ کا چکر لگالوں۔ ابا تو ہفتے بھر میں گھن چکر بن گئے ہوں گے۔"
بھابھی نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ بہت پُرجوش سی اس کے پاس آئی تو اس کے پاس ایبھا کے لیے خوش خبری تھی۔
"تمہیلی میں سارے پیپرز دے سکتی ہو ایبھا!" ایبھا کا دل کھل اٹھا۔
"دیکھا صرف پہلا قدم اٹھانا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد تو سفر اور کامیابی ان شاءاللہ۔"
ثانیہ اس سے پوچھ پوچھ کے فارم پر کر رہی تھی۔ ایک پرائیویٹ کالج میں سفارش سے بات بن گئی تھی۔
ایبھا نے ایک قدم اٹھایا تھا تو ثانیہ اس کی راہ میں سے مقدور بھر کانٹے اٹھا لینا چاہتی تھی تاکہ وہ گھبرا کر واپسی کی راہ نہ پکڑ لے۔
"مگر۔ میری کوئی تیاری نہیں ہے ایگزیمز کی۔" ایبھا ہکلائی۔
"بس۔ اب نالائق اسٹوڈنٹس والے ریزن مت دینا۔" ثانیہ نے اسے جھاڑا اور اسے یاد دلایا۔
"تمہاری ساری تیاری تھی۔ فیس کی عدم ادائی کی وجہ سے تم ایگزیمز نہیں دے پائیں۔ ایک دفعہ سب دہراؤ گی تو یاد ہو جائے گا۔"
ایبھا خاموش رہی۔ بیتے وقت کی تکلیف پھر اس کے ذہن پر حاوی ہونے لگی تھی۔
"پوزیشن نہ سہی ایبھا! اچھے مارکس لے کر پاس ہو جاؤ گی۔ ڈگری مل جائے گی بی اے کی۔"
ثانیہ نے سنجیدگی سے کہا اس نے گہری سانس لے کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ثانیہ کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

عون ریسٹورنٹ پہنچا تو ابا اس کے حوالے سب کچھ کر کے گھر چلے گئے۔ عون سارا ڈیٹا رجسٹر سے لیپ ٹاپ پہ منتقل کرنے لگا۔ اس کی غیر موجودگی میں ابا کا سارا حساب کتاب رجسٹر پر ہی ہوتا تھا۔
تب ہی "ٹھک" کاؤنٹر بجانے پر عون نے چونک کر نظر اٹھائی۔ "ہائے بڈی۔"
معیز کو بشاشت سے مسکراتے دیکھ کر وہ اٹھا اور گرم جوشی سے اسے گلے لگا اور اسے ساتھ لیے قدرے سائیڈ پر ایک ٹیبل پہ آگیا۔ خوش گپیوں کے دوران ویٹر نے کافی بھی لا کر رکھ دی۔
"کراچی میں بھی سردی تیز ہو گئی ہے۔ اسلام آباد کی سناؤ؟" معیز نے بھاپ اڑاتی کافی کا مگ اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔
"پنجاب کی سردی کا تو پوچھو ہی مت۔ خوب صورت اور رومانٹک۔"
"ہوں۔۔۔ رومانٹک۔" معیز کھل کے ہنسا۔
بے اختیار ہی عون کے ذہن پر ثانیہ کی بے اعتنائی اور بدتمیز رویے لہرا گئے تو وہ پہلو بدل کے رہ گیا۔
"تم سناؤ۔ کیا تبدیلی آئی ہے حالات میں۔۔۔؟"

عون نے فی الفور موضوع بدلا تو معیز کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔ اس نے مختصراً سارا احوال سنایا تو عون کو تاسف نے گھیر لیا۔

"تم نے وہ شعر تو سنا ہوگا معیز! جس کا مصرعہ ہے۔

نہ چل سکو تو بچھڑ جاؤ دوستوں کی طرح

وہ قدرے توقف کے بعد بولا تو معیز اسے دیکھنے لگا۔

"مطلب۔؟"

"مطلب یہ کہ تم نے اس رشتے میں بچھڑنا طے کر ہی لیا ہے تو اس قدر بے رخی سے کیوں معیز۔؟"

عون نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا تو معیز تپ گیا۔

"تو کیا کروں۔ سر آنکھوں پہ بٹھالوں۔ جب طے ہی ہے کہ بچھڑ جانا ہے تو۔؟"

"وہی تو میرے یار!" عون سابقہ انداز میں بولا۔

"بچھڑنا دوستوں جیسا بھی تو ہو سکتا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ رو رو کے جینے سے ہنس کے مرنا بہتر ہوتا ہے؟"

معیز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"جو بات کسی کو غصے اور نفرت سے سمجھ میں نہیں آتی وہی بات دوستی اور نرم لہجے سے سمجھ میں آجاتی ہے معیز اور اعمال بھی صحیح رہتے ہیں۔"

عون نے نرم لہجے میں کہا تو معیز نے گہری سانس بھرتے ہوئے اپنا مگ اٹھالیا اور بے تاثر انداز میں بولا۔

"کافی ٹھنڈی ہو جائے تو مزا نہیں دیتی۔"

"زندگی بھی کافی ہی کی طرح ہے معیز! جذبات کی گرمی سے عاری ٹھنڈی ہو جائے تو مزا نہیں دیتی۔"

عون نے ذومعنی انداز میں کہا مگر وہ خاموشی سے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے شیشے کی دیوار کے پار دیکھتا رہا مگر جب ان دونوں نے تقریباً" اکٹھے ہی کافی ختم کرلی تو خالی مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے معیز نے عون کی طرف دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا۔

"میرے خیال میں تم صحیح کہہ رہے ہو۔ میں اس پہ سوچوں گا۔"

عون نے بے اختیار اوپر دیکھتے ہوئے شکرانہ انداز میں چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے تو وہ مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

اس نے کتنی ہی دفعہ کال کرنے کے لیے نمبر ملایا مگر ہر بار یس کرنے سے پہلے ہی چھوڑ دیتی۔

اس کی ہمت ہی نہ ہو رہی تھی کہ وہ کال کرکے عون سے بات کرتی۔ بد تمیزی کرنا کتنا آسان اور اس کی معافی مانگنا کتنا مشکل ہے نا۔؟

ایسے ہی جیسے گناہ کا راستہ آسان اور نیکی کا مشکل۔

خالہ جان اس کے کمرے میں آئیں تو وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ موبائل ہاتھ میں تھام رکھا تھا اور چہرے پہ پریشانی کا راج تھا۔ وہ آگے بڑھ کے بیڈ پہ ٹک گئیں مگر ثانیہ ان پہ توجہ دیے بغیر ٹہلتی رہی تو وہ اکتا کر بولیں۔

"تمہارا پیٹرول ختم ہوگا تو تم بیٹھو گی؟"

ثانیہ نے رک کر بے بسی سے انہیں دیکھا۔ پھر ان کے سامنے آبیٹھی۔

"کیا بات ہے۔ اتنی بری شکل بنا کے کیوں چکرا رہی ہو؟"

"شکل ہی ایسی ہے۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"خیر۔ شکل تو اچھی خاصی ہے۔ تمہیں شوق ہے مین میناکے پھڑنے کا۔"
وہ آرام سے طنز کررہی تھیں۔ ثانیہ نے انہیں ہلکا سا گھور کے دیکھا۔
"پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ آپ کو شادی کے لیے میرے لیے اتنے فضول ڈریسز لینے کی کیا ضرورت تھی؟"
"اچھا بس۔ ذرا سی اچھی لگ گئیں تو کوئی قیامت نہیں آگئی۔"
وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔
"عون سے بات ہوئی۔؟ جب سے آیا ہے ادھر کا راستہ ہی بھول گیا ہے۔"
خالہ جان نے بغور اسے دیکھا تو ثانیہ نے نظر چرائی۔
"تو یہ آپ اس سے پوچھیں نا۔ مجھے کیا پتا۔"
"ہوں۔" انہوں نے جانچتی نظروں سے ثانیہ کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا نروس ہوگئی۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟"
"بھائی صاحب رخصتی کی بات کررہے تھے۔ تمہاری۔" ثانیہ کے دل میں اتھل پتھل سی ہوئی۔ برافروختہ ہوکر خالہ جان کو دیکھا۔
"اب جیسا تم کہو۔"
"میں کیا کہوں۔ جو بڑوں کا فیصلہ ہو۔ اور پہلے کون سا مجھ سے پوچھ کے۔" وہ گڑبڑا کر بولی۔
"تمہیں پتا ہے بھائی صاحب! تمہاری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہونے دیں گے۔ تمہیں ہی اعتراض تھا اب اس رشتے پر۔"
خالہ جان نے اسے جتایا۔ ثانیہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئی۔ پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔
"مگر میں چاہتی ہوں کہ اب کی بار فیصلہ عون کرے۔" اس کی بات اتنی ناقابل یقین تھی کہ خالہ جان بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"میں اپنے اور آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔ اس بار تو کراچی میں بھی سردی پڑنا شروع ہوگئی ہے۔"
وہ فوراً" ہی بات بدل کر کمرے سے نکل گئی تو آہستہ آہستہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
خالہ جان کو تو اس نے ٹال دیا مگر رات ہوتے ہی پھر سے اس کے اندر عون کو کال کرنے کی خواہش نے زور مارنا شروع کردیا۔ اس نے سنجیدگی سے اس سارے معاملے کو سوچا تو احساس ہوا تھا کہ اب جبکہ سب ان کی آئندہ زندگی کے متعلق سنجیدگی سے فیصلہ کرنے والے تھے تو اسے اپنی بدگمانی اور بدزبانی دونوں ہی کے لیے عون سے "بات" کرلینی چاہیے۔
بات نہیں بلکہ معذرت دماغ نے ڈپٹا۔

وہ اپنے بستر پر آلتی پالتی مار کے بیٹھتے ہوئے عون کا نمبر ملانے لگی۔ اس بار۔۔۔ وہ بیل جانے اور دھڑکتے دل کے ساتھ دوسری طرف بجنے والی رنگ ٹون سننے لگی۔

☆ ☆ ☆

"میں ثانیہ کی رخصتی کی بات کرنا چاہ رہا ہوں۔" ابا نے کھانے کی میز پر کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر بات شروع کی تو کھانا کھاتے عون کے ہاتھ ٹھٹکے۔ بھابھی نے شوخی بھرے انداز میں دیور کو دیکھا۔ مگر وہ اب یوں بریانی ختم کررہا تھا جیسے یہ دنیا کی آخری بریانی کی پلیٹ ہو۔
"بات کیا کرنی ہے۔ چل کے تاریخ طے کرلیتے ہیں بس۔" امی بڑی خوش ہوئی تھیں۔ ابا نے جتانے والے

انداز میں عون کو دیکھا۔

"اس بار تو فیصلہ ثانی کا ہی ہوگا۔ تمہارے لاڈلے نے تو اسے انکار سنا ہی دیے تھے تمہیں۔"

"بعد میں اپنا فیصلہ بدل بھی تو لیا تھا اس نے۔ اب تو ثانی بھی راضی ہے۔" مگر ابا ہنکارا بھر کے خاموش ہو رہے۔ انہوں نے جو حکم صادر کرنا تھا وہ کر چکے تھے اور اب یقیناً "انہوں نے یہی کرنا تھا۔

مگر امی تو اپنے لاڈلے کا سنجیدہ بلکہ کچھ کچھ لاپروا انداز دیکھ کر زچ ہو رہی تھیں۔

"اور اگر وہ ابھی بھی اپنی فضول ضد پر اڑی رہی تو کیا ہم اس کی بات مان ہی لیں گے؟"

"تو تمہارے لاڈلے نے کیا بہت اعلا فیصلہ کیا تھا؟ اس کی اپنی زندگی ہے۔ وہ بھی فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔"

امی نے ابا کی بات سن کر پہلو بدلا۔ مگر ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی عون گلا ہی میں پانی انڈیلتے ہوئے بولا۔

"ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اب فیصلہ کرنے کی باری ثانیہ کی ہے۔ اگر وہ اب بھی انکار ہی کرتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" امی اور بھابھی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔؟" امی نے اسے گھورا تو وہ ہلکے سے مسکرایا مگر اندر کی بے چینی کا حال وہ خود ہی جانتا تھا۔

بھابھی نے موقع پا کر اسے گھیرا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔؟" انہوں نے اسے ڈپٹا۔ "امی بھی پریشان ہو گئی ہیں۔"

"اوفوہ۔ پریشانی والی کون سی بات ہے۔ یہ تو پہلے ہی سے طے تھا کہ اب کی بار فیصلہ وہ کرے گی۔"

اس نے خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا مگر وہ بچی نہیں تھیں۔ یونہی اسے گھورتے ہوئے طنز سے بولیں۔

"اور پہلے جب اس نے فیصلہ کیا تب تو بڑا "تاپے" تھے تم۔"

"سمجھا کریں نا۔ میں اپنی صلاحیتیں آزمانا چاہتا تھا۔" وہ رازداری سے بولا۔

اب بھلے وہ جتنا بھی خود کو خوش باش اور لاپروا ظاہر کرتا مگر ثانیہ کے لیے اسے بے قرار اور جذباتی دیکھ چکی بھابھی اسے مشکوک نظروں ہی سے دیکھ رہی تھیں۔

"تم تو ایسے بات کر رہے ہو جیسے تیر تیر کے ہار چکے اور اب خود کو سمندر کے حوالے کر دیا ہو۔"

وہ گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر قصداً" مسکرا کر لاپروائی سے بولا۔

"دراصل مجھے ایک بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔"

"کیا۔۔؟" بھابھی نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولا۔

"یہی کہ۔۔۔ جہاں مچھلیاں نہ ہوں وہاں جال ڈال کے بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

اور اب وہ اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ اور بھابھی کی الجھن بڑھ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور یہ الجھن تو عون عباس کو بھی الجھا رہی تھی۔

اس نے ثانیہ کی بے اعتنائی اور بد تمیزی کو بھگتا تھا۔ اس سے پہلے وہ جب بھی ثانیہ کی ناراضی کا خیال کرتا تو سوچتا کہ اس کی توجہ اور دوستانہ انداز ثانیہ کی سرد مہری کی برف کو پگھلا دے گا۔

مگر وہ برف ہوتی تو پگھلتی نا۔۔۔ وہ تو پتھر تھی۔ سرد پتھر۔ اسے جب جب ثانیہ کے الفاظ یاد آتے "اس کا لب و لہجہ اور ان کے تاثرات۔ تو اسے خود پر افسوس ہوتا۔ شاید وہ غلط جگہ پر اپنے جذبات لٹا تا رہا تھا۔

وہ سرد پتھر تھی۔ برف ہوتی تو جذبات کی گرمی اسے پگھلا کر رکھ دیتی۔

"پتھر گرم ہو کر پگھلتے نہیں۔۔۔ ہاں ٹوٹ ضرور جاتے ہیں۔ اور وہ ٹوٹی ہوئی ثانیہ نہیں چاہتا تھا۔

وہ کپڑے بدل کر بستر پہ آیا تو اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلاتے ہوئے موبائل اٹھا کر دیکھا تو انداز سرسری سا تھا۔

مگر اگلے ہی پل وہ پوری طرح متوجہ ہوا۔

ثانیہ کی کال تھی۔

اوہ۔۔۔ تو اسے بھی اطلاع مل چکی ہوگی رخصتی والی "خوش خبری" کی۔

عون کے دماغ نے تیزی سے سوچا تو کال اٹینڈ کرنے تک وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"ہیلو۔۔۔" وہ بولا تو ثانیہ نے قدرے توقف سے سلام کیا۔ عون کے جواب کے بعد وہ پھر خاموش ہو گئی' جیسے کچھ کہنے کو الفاظ جمع کر رہی ہو۔

"کیسے ہو۔۔۔ خالہ جان کہہ رہی تھیں تم نے چکر نہیں لگایا ادھر۔" عون بھی نہیں بولا تو اس نے شاید بات برائے بات شروع کی۔

"ہوں۔۔۔ ٹائم نہیں ملا۔ فون کیوں کیا ہے؟" وہ سیدھے سبھاؤ بولا تو لب و لہجہ اس قدر خشک تھا کہ ثانیہ جیسی کھری لڑکی بھی گڑبڑا سی گئی۔

"وہ۔۔۔ ایسے ہی۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا میں تمہیں فون نہیں کر سکتی۔۔۔؟"

سنبھلنے تک وہ کچھ برا مان چکی تھی۔

"میں سونے لگا تھا ثانیہ! کیا تمہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" عون کے ٹھہرے ہوئے انداز نے اسے بے یقینی میں مبتلا کیا۔ اور یہ عون سے رشتے کے دوران پہلی بار تھا کہ ثانیہ کو رونا آنے لگا۔ وہ لاکھ شہر میں رہی ہو مگر تھی تو گاؤں کی رہنے والی نا۔ تو اس کے اندر ایک صاف گو' صاف دل لڑکی بستی تھی۔ وہ دل میں بات رکھنے کی عادی نہ تھی۔ اس کی صاف گوئی منہ پھٹ ہونے کی حد تک تھی مگر پہلی بار اسے عون سے کہنے کو کوئی لفظ نہ ملا۔

"تمہیں شاید کچھ نہیں کہنا' لیکن مجھے کہنا ہے ثانی۔۔۔"

عون نے ان چند خاموش لفظوں کو کھوجا تو کئی غلط فہمیوں کو سچ سمجھ کر دل و ذہن میں بٹھاتے ہوئے اسی قطعیت بھرے انداز میں بولا۔

"ہماری شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ فیصلہ نہیں دیا۔ تم جو کرنا چاہتی ہو کر لو۔ ان فیکٹ! میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا چکا ہوں۔ میں نے ارم کا نام لے کر تم سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اب گیند تمہاری کورٹ میں ہے۔ تم جو جی چاہے فیصلہ کرو اور صاف لفظوں میں سب کو بتا دینا۔ مجھے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اس کے لفظوں میں کوئی لچک نہ تھی۔ ہر لفظ مضبوط اور قطعی تھا۔

ثانیہ کے پاس کچھ نہ بچا۔

نہ کہنے کو۔۔۔ اور نہ۔۔۔؟

وہ اپنی مرضی کرنے کو آزاد تھی۔

عون نے تھوڑی دیر اس کے جواب کا انتظار کیا مگر دوسری جانب جامد خاموشی تھی۔ اس نے کال کاٹ کر سیل فون بیڈ پہ اچھال دیا اور آئینے کے سامنے آکر بال برش کرنے لگا۔

مگر جھنجلاہٹ آہستہ آہستہ اس پر اس قدر حاوی ہو گئی تھی۔ بہت کچھ ان چاہا اور ناپسندیدہ ہو جانے کے خیال

نے اس کے ذہن کو پراگندہ کر دیا۔ وہ پلٹا اور آکر بستر پر اوندھے منہ گر سا گیا۔ یہ رات بہت بھاری تھی۔
اپنی جیت یا ہار کو کسی دوسرے کے حوالے کر کے فیصلے کا انتظار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔
وہ بھی اسی کیفیت میں تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آفس جانے کے لیے نکلا تو ایراز اسے باہر ہی مل گیا۔
"چند منٹ ہوں گے آپ کے پاس بھائی! مجھے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ معیز نے مسکرا کر لان کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں سرما کی نرم گرم سی دھوپ میں لان میں استادہ سنگ مرمر کے بنچ پہ آبیٹھے۔
ایراز نے چند لمحے خاموش رہ کے کچھ سوچا تو معیز نے مذاقاً" پوچھا۔
"کیا بات ہے۔ کہیں دل وِل تو نہیں لگا بیٹھے۔ شادی کا ارادہ ہے؟"
"ارے نہیں..." وہ جھینپ کر ہنس دیا۔
"تو...؟" معیز نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"میں آپ کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے پریشان ہوں۔" معیز کی مسکراہٹ سمٹی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا...؟"
"میں نے اس سارے معاملے کو غیر جانب داری سے دیکھا ہے بھائی۔ ابو نے کسی کی زندگی اور عزت کو بچانے کی خاطر آپ کو نیکی کا موقع دیا... لیکن وہ نیکی اب ضائع ہو رہی ہے۔" ایراز بے حد سنجیدہ تھا۔
"ٹھیک ہے' آپ اس رشتے کو نبھانا نہیں چاہتے لیکن کم از کم اسے ڈی گریڈ ہونے سے تو بچائیں۔ ماما نے انہیں گھر کی نوکرانی بنا کے رکھا ہوا ہے۔ اس بارے میں ابو کی وصیت آپ سے کچھ نہیں کہتی...؟"
وہ خفا سا تھا۔ معیز کو برا تو لگا مگر بات تو واقعی حقیقت تھی۔
"مجھے بھی نہیں پتا تھا ایراز! لیکن اب میں نے ماما سے بات کر لی ہے۔ وہ لڑکی اب اس گھر کا کوئی کام نہیں کرے گی۔ اِن فیکٹ وہ اپنا گریجویشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہے۔ اس کے فوراً" بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر لوں گا۔"
اپنی طرف سے مدلل جواب دے کر معیز اٹھ کھڑا ہوا تو ایراز نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ اب قدرے مطمئن نظر آتا تھا۔
"میں نہیں چاہتا کہ ہماری فیملی کسی کی بددعاؤں کے حصار میں رہے بھائی! اس لیے سوچا کہ آپ سے کلیئر کر لوں۔"
"ہوں..." معیز نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا پھر موضوع ہی بدل دیا۔

"اور تم کب سے جوائن کر رہے ہو۔ اپائنٹمنٹ لیٹر تو آچکا ہے نا تمہارا...؟"
"جی۔ اگلے ہفتے سے جاب اسٹارٹ ہو رہی ہے۔" وہ مسکرایا۔
"چھوڑو یار! اپنا بزنس دیکھو۔ اور کیا ہماری فیکٹری میں انجینئرز کی ضرورت نہیں۔ ان سے زیادہ پے کریں گے ہم تمہیں۔" معیز نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔
"بس تھوڑا سا جاب کا شوق پورا کر لینے دیں پھر ان شاء اللہ آپ کے پاس آجاؤں گا۔"
"ہاں۔ تھوڑا تجربہ لے لو۔" معیز نے برجستہ کہتے ہوئے ہاتھ ہلا کر پورچ کی طرف قدم بڑھائے تو ایراز بھی مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ سے ہو کے آیا تو رباب کو بے چینی سے اپنے آفس میں ٹہلتے پایا۔ اس پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ مسکرا دیا۔ دل کی کیفیت یک لخت ہی بدلی تھی۔

"ویلکم۔ ویلکم۔" وہ شرارت سے بولا مگر اس کے برعکس رباب رک کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

سیاہ ٹائٹس اور عنابی ہائی سرخ ٹاپ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ خیال کرو کچھ۔ بندہ جان سے بھی جا سکتا ہے۔"

اس کی نظروں سے جھلکتی ستائش اور اس کے انداز نے رباب کا موڈ بدل دیا۔ اس کے ہونٹوں پر تفاخر آمیز مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

یہ وہی معیز احمد تھا جس کے پیچھے وہ بھاگا کرتی تھی۔ اور جسے وہ اپنی محبت میں پاگل دیکھنا چاہتی تھی۔ تو کیا وہ ہو رہا تھا؟ رباب کے اندر ایک غرور سا ابھرا۔ وہ عین معیز کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

معیز نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ رباب نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پہ رکھے تھے۔

"بس باتوں ہی سے ٹرخاؤ گے؟" وہ بڑے ناز اور ادا سے بولی تو اس ادا میں وہ معتوبت تھی۔ معیز نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

رباب نے قریب ہو کر سر اس کے سینے پر رکھا تو معیز کی سانس پل بھر کو رک سی گئی۔

خوشبو میں ڈوبا مہکا اور بہکا سا وجود۔

عورت کی بدلتی نظر اور کیفیت مرد بہت جلدی پہچانتا ہے۔ معیز نے بھی رباب کی خود سپردگی کی کیفیت کو سرعت سے محسوس کیا۔ رباب نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو معیز نے سلگتی سانسوں کو خود سے چند انچ کے فاصلے پہ پایا۔

وہ ایک لمحہ ہی تھا جس میں معیز نے اپنا ذہن جھکا چوند ہوتا محسوس کیا اور اس سے دوسرے لمحے میں ایک زخم آلود پیشانی، معتوب ہونٹ اور آنسو بھری دو سیاہ آنکھیں پتا نہیں کیسے ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئیں۔ ایسے کہ پل بھر کو رباب کا چہرہ معیز کو دکھائی ہی نہیں دیا۔

اس نے بے اختیار ہی رباب کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر نرمی سے خود سے الگ کیا۔ رباب کے چہرے پر حیرت سی چمکی۔

"بیٹھو۔" وہ پتا نہیں کیسے مگر ایک سرد مہر سے خول میں سمٹ گیا تھا۔ رباب کو اس کے بے اعتنا سے انداز نے تپا دیا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی ہوں معیز احمد!" وہ تڑخ کر بولی تو اپنی سیٹ پر بیٹھتا ہوا معیز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں یہاں تمہارے ساتھ کسی بزنس ڈسکشن یا ڈیل کے لیے بھی نہیں آئی۔"

وہ سینے پہ بازو لپیٹتی ناراض لگ رہی تھی۔ معیز مگر اس وقت کچھ الجھی ہوئی کیفیت میں تھا۔

"بیٹھو، پلیز رباب!"

"نہیں، بلکہ تم بھی اٹھو۔ اتنے دن ہو گئے ہمیں لانگ ڈرائیو پر گئے۔" وہ آگے ہو کے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔

"آج موڈ نہیں ہے یار!"

"میرا تو ہے نا۔" رباب نے دعونس جمائی تو ناچار معیز کو اٹھنا ہی پڑا۔

"دل لگانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ محبوب کے نخرے بھی اٹھانے پڑتے ہیں جناب!"

راستے میں رباب نے اسے جتایا تو معیز کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ گو کہ وہ رباب کی زبردستی کے نتیجے میں باہر آیا تھا مگر اس لانگ ڈرائیو نے اس کا موڈ واقعی بہتر کردیا تھا۔

"دل لگی میں دونوں طرف ہی محبوب ہوتا ہے۔ لڑکی بھی اور لڑکا بھی۔ تو نخرے تو دونوں کو ایک دوسرے کے اٹھانے چاہئیں نا۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"ہنہ۔" رباب نے سر جھٹک کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کیا لڑکے نخرے کرتے اچھے لگتے ہیں؟"

"نہیں جی سیہ ادائیں تو آپ لڑکیوں کو ہی سوٹ کرتی ہیں۔" معیز نے ہنستے ہوئے ہار ان لی۔

وہ رباب کو اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ جہاں سے سمندر کا منظر بے حد پیارا تھا۔ نرم سی دھوپ موسم کو خوب صورت بنا رہی تھی۔

"پتا ہے معیز! تمہارا پہلا امپریشن مجھ پر کیا پڑا تھا؟" رباب نے کچھ سوچ کر لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا تو معیز بھی دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا...؟"

"یہی کہ تم ایک اکھڑ اور مغرور سے لڑکے ہو۔ لڑکیوں کو لفٹ نہ کروانے والے۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ معیز کو بھی بات کا مزا آیا۔

"بالکل ٹھیک سوچا تھا تم نے۔"

"پھر تمہیں کچھ عرصے تک ایک انجان لڑکی کی فون کالز بھی آتی رہیں۔" رباب نے ڈرامائی انداز میں کہا تو معیز چونک سا گیا۔

"انجان لڑکی کی کالز..."

"ہاں، وہی جو تم سے دوستی کی ریکوئسٹ کرتی تھی۔" رباب کی آنکھوں میں سے بھی ہنسی جھلک رہی تھی۔

معیز کو وہ بدتمیز انجان لڑکی یاد آگئی۔ ان دنوں جب وہ بے حد پریشان تھا۔ تب وہ کالز اسے مشتعل کردیا کرتی تھیں۔

"مگر تمہیں کیسے...؟" رباب کو حیرت سے دیکھتے ہوئے وہ پوچھنا چاہتا تھا مگر اسے بے تحاشا ہنستے دیکھ کر بیچ ہی میں رک گیا۔

"تم... وہ تم تھیں رباب۔" وہ بے اختیار بے یقینی سے بولا۔ رباب نے ہاں یا ناں میں جواب نہیں دیا مگر معیز سمجھ چکا تھا۔

"رباب! گاڈ!"

وہ ٹشو پیپر سے اپنی آنکھوں میں بے تحاشا ہنسی کے باعث اتر آنے والی نمی خشک کر رہی تھی۔

"جبھی کی ہنسی مجھے بہت جانی پہچانی لگتی تھی۔ تب میں تمہیں اتنا قریب سے جانتا نہیں تھا۔ پھر جب تم سے دوستی ہو گئی تو ان کالز کا سلسلہ بھی رک گیا۔ ورنہ میں پہچان لیتا۔"

معیز نے بے اختیار کہا مگر وہ ہنسا نہیں مسکرایا بھی نہیں۔

اسے رباب کی اس شرارت نے کوئی لطف نہیں دیا تھا۔

"جی نہیں۔ ابھی ابھی میں نے ہی بتایا ہے۔ ورنہ تم نے تو آج تک کبھی ذکر نہیں کیا۔ ویسے کیسا لگتا تھا کسی لڑکی کا یوں فدا ہونا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہرحال۔۔۔ مجھے تو وہ فون کالز بہت چیپ لگتی تھیں۔ اور میں نے ان کالز پر بہت برا بھلا بھی کہا۔ آئم سوری۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ تم ہو۔" معیز نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس میں چیپ والی کون سی بات تھی۔ ابھی بھی تو تم میرے ساتھ گھومتے پھرتے ہو۔ دوستی بھی ہے ہماری۔" رباب نے اختلاف کیا۔

"تم ایک ریسپکٹ ایبل گھرانے کی لڑکی ہو رباب! میں رانگ کالز پہ "رانگ لڑکیوں" سے دوستیاں کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

معیز کا انداز سرد ہوا۔ ساتھ ہی رباب نے اپنا انداز بدل لیا۔ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کھلی سے بولی۔

"تب ہی تو۔۔۔ اس اکھڑ اور مغرور سے معیز احمد پہ یہ دل ہار دیا رباب احسن نے۔"

معیز ہلکے سے مسکرا دیا تو وہ تفاخر سے بولی۔

"یو نو معیز۔۔۔ میں خود سے منسلک چیزوں کے متعلق بہت پوزیسو ہوں۔ میری چیز صرف میری ہو اور بس۔۔۔ مجھے پتا تھا تم کسی اور لڑکی میں انوالو نہیں ہو۔"

"میں چیز نہیں ہوں رباب!" معیز نے اسے ٹوک دیا۔ رباب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کھلکھلا کے ہنس دی۔

کتنی ہی گردنیں ان کی طرف مڑی تھیں۔

اور ان میں سے چار آنکھیں تو حیرت اور بے یقینی سے معیز اور رباب کو دیکھ رہی تھیں۔

"اور بالفرض میں کہیں اور انوالو ہو جاؤں تو۔۔۔؟" معیز نے گویا اس کا امتحان لینے کی ٹھانی۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ رباب احسن اتنی عام شے نہیں ہے کہ اس پر فدا ہونے کے بعد کوئی کہیں اور جانے کا سوچ بھی سکے۔" رباب کا انداز مغرورانہ تھا۔

"میں تمہارے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ انوالومنٹ تو بہت بڑی بات ہے معیز!"

اس کے لب و لہجے سے جھلکتی شدت پسندی نے معیز کو اپنے سیف۔۔۔ لاکر میں پڑا نکاح نامہ یاد دلا دیا۔

جس میں معیز احمد اور ابیہا مراد کے نام ساتھ ساتھ لکھے ہوئے تھے۔

اور وہ جو باتوں باتوں میں رباب کو اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ بتانا چاہتا تھا اس کی بات سن کر چپ سا ہو گیا۔ اسی وقت کوئی ان کی ٹیبل کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"ایکسکیوزمی۔ کیا ہم بھی آپ کو جوائن کر سکتے ہیں؟" بڑا جانا پہچانا سا لہجہ تھا۔

معیز نے چونک کر دیکھا اور پھر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جبکہ رباب بڑی ناگواری سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ کی بڑی مہربانی تھی جو اس نے نہ صرف ابیہا کے داخلہ بھیجنے کا سارا کام مکمل کیا بلکہ اس کو اسی کالج کی ایک خاتون ٹیچر کی اکیڈمی میں ٹیوشن بھی دلوا دی۔

اور اب اپنے آفس سے آدھی چھٹی لے کر اسے گھمانے پھرانے نکلی ہوئی تھی۔

ایمہا تو اس کی جتنی بھی شکر گزار ہوتی کم تھا۔
"اللہ کا شکر ادا کرو۔ یا لوہی بندوں کے لیے وسیلہ بنتا ہے۔"
"بندوں کا شکریہ ادا کرنا آجائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا خود بخود آجاتا ہے ثانیہ!" ایمہا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
وہ دونوں اس خوب صورت اوپن ایر ریسٹورنٹ میں ہلکے پھلکے لنچ کے ارادے سے آئی تھیں۔
"پتا ہے اس ریسٹورنٹ میں پہلی بار مجھے عون لے کر آیا تھا۔" ثانیہ نے مسکرا کر کہا تو ایمہا دلچسپی سے اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔
تب ثانیہ نے اسے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح وہ عون کو ستانے کی خاطر عجیب حلیے اور تیل چپڑے بالوں کے ساتھ یہاں چلی آئی اور پھر خوب پچھتائی تھی۔
ایمہا خوب ہنسی۔ ثانیہ کو بھی اب وہ سب یاد کرنا، دہرانا اچھا لگ رہا تھا۔ تب تو وہ عون کے ساتھ سے بھی چڑ رہی تھی۔
"ویسے عون بھائی بے چارے ہیں بہت اچھے۔" ایمہا نے تعریف کی بھی تو کن الفاظ میں۔
ثانیہ خوب ہنسی۔
"پہلے فیصلہ کرلو۔ بے چارے ہیں یا اچھے؟" ایمہا جھینپی۔ پھر تصحیح کرتے ہوئے بولی۔
"میرا مطلب ہے کہ دل کے بھی اچھے ہیں۔"
"اچھا۔ تمہیں کیسے پتا؟" ثانیہ مسکرائی۔
"دیکھیں نا۔ اس دن کتنے آرام سے آپ سے ڈانٹ کھاتے رہے۔ ایک لفظ بھی نہیں بولے بے چارے۔ یوں لگ رہا تھا ساری غلطی ان کے دوست کی نہیں بلکہ ان کی ہو۔"
ایمہا نے یاد دلایا تو وہ ہنسنے لگی اور پھر ہنستے ہوئے یک لخت ہی اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ بہت جلد ایمہا کو پتا چل گیا کہ یہ ہنسنے سے آنکھوں میں آنے والی نمی نہیں تھی، جسے ثانیہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔
"کیا ہوا ثانیہ! آپ رو رہی ہیں؟" وہ سراسیمہ سی ہو گئی۔
"کیوں رو رہی ہیں؟"
اور ثانیہ کیا بتاتی۔ کس خسارے میں گھر گئی تھی وہ۔ ایک محبت کرنے والا دل ہی نہیں بلکہ محبت کرنے والے شخص کو توڑ ڈالا تھا اس نے۔
کس کس طرح اور کن کن الفاظ میں وہ عون کی تذلیل کرتی رہی تھی۔ اس کے جذبوں کو تو ہمیشہ ہی اس نے جوتے کی نوک پہ رکھا تھا۔

وہ جو سب کو بتانا چاہتا تھا کہ ثانیہ کا اس کی زندگی میں کیا مقام ہے۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ ثانیہ نے اپنی زندگی میں اس کا مقام کیا رکھا ہوا ہے۔
"نہیں۔ میں کیوں رووں گی بھلا۔"
ثانیہ مکر گئی۔ ٹشو کے ڈبے میں سے دو تین ٹشو کھینچ کر چہرہ تھپتھپانے لگی۔
"ہاں۔ جس کے پاس عون عباس ہو اسے رونا بھی نہیں چاہیے۔"
ایمہا نے سادگی بھرے اطمینان سے کہتے اسے سن کر دیا۔
"تو میں یہ حقیقت اتنی دیر سے کیوں جان پائی میرے اللہ" ثانیہ کا دل کرلایا تھا۔

دل میں ایک بار کوئی گھس جائے تو یہ مکان خالی کروانا پھر بہت مشکل ہو جاتا ہے ثانیہ! آپ دونوں کے درمیان تو پھر بھی محبت ہے۔ ہمارے درمیان تو فقط ایک نکاح نامہ ہے اور اس پر ان کے دستخط کے ساتھ میرے دستخط۔ اور مجھے لگتا ہے میں نے اپنی زندگی اُن کے نام لگادی تھی وہ دستخط کر کے۔ اب چاہے برا کریں یا بھلا۔ ان کی مرضی۔"

یہ ابیہا مراد تھی۔ ایک نئی ابیہا مراد۔

زمانے کے تھپیڑوں اور ٹھوکروں نے اسے تراش کر اس کی ایک نئی صورت نکالی تھی۔

اپنا آپ عیاں کرنے والی ابیہا مراد۔ اعتراف کرنے سے نہ ڈرنے والی ابیہا۔

ثانیہ اپنا غم بھول کے اس کا کھلتا ہوا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہیں سمجھایا تھا ابیہا! یک طرفہ محبت اکثر دکھ ہی دیتی ہے۔"

ثانیہ نے اس کا پلو تھام کر اسے تتلیوں سنگ خواب نگر کے سفر پہ جانے سے روکنے کی سعی کی۔

ابیہا کے ہونٹوں پر خوب صورت سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"محبت۔ محبت دکھ کا استعارہ کب سے ہو گئی ثانیہ! یہی تو وہ واحد خالص چیز ہے جو آسمان سے جوں کی توں اتاری گئی ہے۔ کوئی کھوٹ نہیں ہے جس میں۔"

اسے چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ اس راہ پر چلنے والے کسی کے روکنے سے نہیں رکتے۔

"تو تم نے زندگی معیز احمد کی راہ میں رولنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

(اور میں نے عون کی راہ میں)

عون سے فون پہ ہونے والی گفتگو نے اس کی آس امید کے سارے جگنو اڑا دیے تھے۔ آگے کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے بہت واضح سا کھینچ گیا تھا۔

"وہ میرے نصیب میں لکھے گئے۔ ان کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہے۔ اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو گی مجھ بدنصیب کے لیے۔ اس سے زیادہ کی چاہ نہیں کروں گی میں۔"

وہ اتنے میں ہی خوش تھی۔ نمانی۔ محبت کی فقیرنی۔ پیار کے دو بولوں اور خوش نگاہی کے ایک سکے سے کاسئہ دل لبالب بھر لینے والی فقیرنی۔ اور حد یہ کہ اسی پر مطمئن ہو جانے والی۔

یہ قناعت کا کون سا درجہ تھا۔ حرص و ہوس سے پاک۔ کسی کی ایک نیکی کے بدلے اپنی پوری زندگی وار دینے والا انداز محبت۔

ثانیہ کو اپنا عون سے رویہ خود کو جوتے مارتا محسوس ہوا تھا۔

"اگر تم نے سوچ ہی لیا ہے کہ یہ عمر معیز احمد کے ساتھ ہی گزارنی ہے تو تھوڑی سی ہمت اور کر لو ابیہا۔ انہیں اپنا بنانے کی ہمت۔"

ثانیہ نے اس کی ہمت نہ توڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

اسی وقت ایک بے حد کھلکھلاتی ہوئی ہنسی ان کے کانوں سے ٹکرائی تو کئی ایک کی طرح ان دونوں نے بھی بلا ارادہ و بے اختیار ہی اپنے سے پرے ٹیبل پر موجود جوڑے کو دیکھا۔ اور پھر حیرت اور بے یقینی سے دیکھتی رہ گئیں، مگر ثانیہ کی حیرت لحہ بھر ہی کی تھی۔ اس نے گہری سانس بھر کے ابیہا کو دیکھا۔

"یہ لمحہ موجود ہے ابیہا! معیز احمد کا لمحہ موجود۔ رباب۔" ثانیہ کو لگا کہ یہ سب ابیہا سے کہنا سفا کی تھی مگر وہ اسے فریب میں رہنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ابیہا نے بڑے حوصلے سے ثانیہ کو دیکھا۔

"میں جانتی ہوں ثانیہ!" پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مگر حقیقت تو یہی ہے نا کہ "میں" معیز احمد کے نکاح میں ہوں۔"
ثانیہ کی ساری اداسی اور ٹینشن بھک سے اڑی۔ تو وہ کھل کے مسکرا دی۔ پھر ایمہا کا ہاتھ پکڑ کے زبردستی اسے اٹھایا۔
"او پھر ذرا۔ تھوڑی سی ہمت کر و اس رشتے کو آزمانے کی۔" ایمہا کچھ سمجھ نہیں تھی۔ اور یونہی نا سمجھی کی کیفیت میں وہ اس کے ساتھ گھسٹنے والے انداز میں چند قدم چلی اور بھک سے تب اڑی 'جب اس نے بڑے شائستہ انداز میں ثانیہ کو معیز سے مخاطب ہوتے پایا۔
وہ دونوں معیز اور رباب کو دیکھ تو چکی تھیں مگر ایمہا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ثانیہ ایسی حرکت کرے گی۔ اس نے معیز کو بوکھلا کر کھڑے ہوتے دیکھا۔ وہ ثانیہ کی اوٹ میں تھی۔ اب عزت پہ بن آئی تو اس نے آریا پار والے انداز میں خود کو لمحہ بھر میں سنبھال لیا۔ لاپروا سی بن کے کھڑی ہو گئی۔ وہ رباب کے سامنے خود کو مزید ڈی گریڈ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔
"کیسے ہیں آپ معیز بھائی! واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔"
ثانیہ کی خوش مزاجی انتہا پر تھی۔
"یہ رباب ہے۔ اور رباب! یہ ثانیہ ہیں۔ عون کی مستقبل کی مسز۔" ثانیہ نے مسکرا کر رباب سے ہائے ہیلو کی۔
"او ہائے۔ بیٹھو۔"
معیز کے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔ ثانیہ کے پیچھے کھڑی ایمہا کی موجودگی سے وہ بے خبر نہ تھا۔
رباب نے کاٹ دار نظروں سے ایمہا کو دیکھا۔ مگر کچھ کہا نہیں کہ بہر حال وہ (رباب کی نظر میں) عون کی کزن تھی۔ سو ثانیہ کے سامنے تو وہ ایمہا پر کوئی طنزیہ جملہ نہیں کر سکتی تھی۔ ثانیہ تو مزید پیش قدمی کے موڈ میں تھی مگر ایمہا کے ذہن نے تیزی سے کام کیا۔ اس نے عقب سے ثانیہ کا بازو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔
"نہیں۔ اب ہم واپس جا رہے ہیں ثانیہ!" وہ بعجلت بولی تو ثانیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اور اس پل ایمہا کی آنکھوں میں اتنی التجا اور خوف زدہ سا تاثر تھا کہ اسے ترس آ گیا۔
ہنس کر معیز سے بولی۔
"چلیں آج ایمہا نے آپ کی جان بچالی۔ پھر کبھی سہی۔ ویسے بھی لنچ تو ہم کر چکے ہیں۔" معیز بمشکل مسکرایا۔
"او کے۔ ایز یو وش۔"
"اللہ حافظ۔ اور ایمہا کا احسان یاد رکھئے گا۔" وہ جاتے جاتے بھی باز نہ آئی تھی اور ایمہا کی ٹانگیں لرزنا شروع ہو چکی تھیں۔

وہ پبلک پلیس پہ کسی تماشے کا موجب بننے کے حق میں نہیں تھی۔
"یہ کیا ڈرامہ تھا۔" ان کے جانے کے بعد رباب نے ناگواری سے پوچھا۔ معیز چونکا۔
"ہوں۔ کیا؟"
"تمہارے گھر کی ملازمہ ہے ایمہا مراد۔ اور یہ لڑکی اسے یوں لیے مہنگے ریسٹورنٹس میں پھر رہی ہے۔" رباب نے نخوت سے کہا۔
"وہ ہماری ملازمہ نہیں ہے 'رباب! کچھ دنوں کے لیے اس نے ملازموں کو سپروائز ضرور کیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا۔ اب تو شاید وہ اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنے والی ہے۔"

معیز نے نرمی سے کہا مگر اندر بچی ہلچل نے پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکا دیں۔
"مجھے تو چڑ ہے اس لڑکی سے۔"
رباب سے عادت کے برخلاف کوئی بات برداشت نہ ہوتی تھی۔ ایک بار جو ناپسندیدہ ہو گیا' وہ تاعمر اس کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ ہوتی تھی۔
"کیوں۔ اچھی خاصی تو ہے۔" معیز کے منہ سے بے اختیار ہی نکل گیا۔ خود وہ بھی اپنے لفظوں پر حیران ہوا تھا۔
مگر رباب نے جیسے اسے گھور کے دیکھا۔ اس سے معیز کو لگا کہ ایک لڑکی کے سامنے کسی دوسری لڑکی کی تعریف کرنا شاید اخلاقیات کے خلاف تھا۔
وہ ہنس دیا۔
ادھر سیڑھیاں اترتی ابیہا بھی ثانیہ سے الجھ رہی تھی۔
"میں تو ضرور ہی آج وہاں بے ہوش ہو کے گرتی۔"
"ہاں تو ہو جاتیں نا۔ تمہارا تو ہزبینڈ موجود تھا تمہیں سنبھالنے کے لیے۔"
ثانیہ نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ اداس سی ہو گئی۔
اور وہ رباب کے ساتھ موجود تھا۔ اور رباب اس کے ساتھ تھی پورے استحقاق کے ساتھ۔
وہ ٹیکسی میں بیٹھیں تو بھی ابیہا خاموش تھی۔ ثانیہ نے بھی کوئی بات نہ کی' ہاں مگر جب وہ اترنے لگی تب اس نے مضبوط لہجے میں ابیہا کو مشورہ دیا۔
"اگر تم اس تعلق کو نبھانا ہی چاہتی ہو ابیہا! تو یوں خاموش مت رہو۔ اسے اپنا احساس دلاؤ۔ لڑ کر ہارو گی تو شکست اتنا دکھ نہیں دے گی۔ یہ خیال تو نہیں ستائے گا کہ کوشش کرتی تو شاید اسے پا لیتی۔"
ٹیکسی اسے لیے آگے بڑھ گئی مگر ابیہا کے لیے ثانیہ کے الفاظ مشعل راہ بن گئے۔

☆ ☆ ☆

دوسروں کی الجھنیں سنبھالنے والی ثانیہ کی اپنی زندگی کا ریشمی دھاگا کچھ ایسے الجھا تھا کہ سلجھانے کو کوئی سرا ہی نہ ملتا تھا۔
عون نے بات کرتے ہوئے ذرا سی بھی تو لچک نہ دکھائی تھی کہ وہ اپنے کہے کی معذرت کر سکتی۔
مایوس ہو کر وہ گاؤں چلی گئی۔ اب تو اتنے شوق سے کی جانے والی جاب میں بھی دل نہ لگتا تھا۔ ایک دم سے جاب سے استعفیٰ نہ دے سکتی تھی' سو فی الحال انہیں مطلع کر دیا۔ جاب چھوڑنے سے دو ماہ پہلے کمپنی کو مطلع کرنے کی شرط اپائنٹمنٹ لیٹر میں درج تھی۔ گھر آ کے وہ دادی سے بھینچ بھینچ کے ملی۔ ماں سے ملی تو خوب روئی اور یہ جذباتیت پہلی بار تھی۔
وہ تو یہاں سے جان چھڑا کے بھاگا کرتی تھی۔
"کام' کام' کام۔ کیا قائداعظم صرف میرے لیے فرما گئے ہیں؟" اسے دادی کی ذرا ذرا سی بات پہ آواز دینے اور ایک منٹ بھی فارغ نہ بیٹھنے دینے والی عادتوں سے چڑ تھی۔ سو گھر آتی بھی تو آتے ہی اعلان کر دیتی۔
"میں یہاں چند دنوں کی مہمان ہوں بس۔ چھٹیاں گزارنے آئی ہوں۔ سو ہر کام سے چھٹی۔ جیسے خدانخواستہ دنیا میں چند دن کی مہمان ہو۔ اور اب۔۔۔ امی اور دادی کا برافروختہ ہونا بنتا تھا۔
"کیا ہو گیا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" امی نے اسے زبردستی خود سے الگ کیا۔

"میں جاب چھوڑ آئی ہوں۔"

"تو۔ یہ تو بڑا اچھا کیا تم نے۔ اب کیا ضرورت تھی اس موئی نوکری کی۔" دادی نے ٹھٹھا لگا کر داد دی۔ امی بھی مسکرا دیں۔

"لڑکیاں جتنی جلدی اپنے گھروں کی ہو جائیں ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔" ثانیہ کو اور رونا آیا۔

اور اگر میری بارات ہی نہ آئی تو؟۔

دادی تو بہرحال بہت خوش تھیں ثانیہ کی اس "پگلی" ہوئی کیفیت سے۔

دو دن کے بعد ہی عون کی امی ابا اور بھابھی بچے چلے آئے۔ پتا چلا شادی کی تاریخ طے کرنے کا ارادہ ہے۔ ابا نے بطور خاص بھابھی کو بلا کر اس کی مرضی پوچھی۔

اب بھابھی صاحبہ کیا کہتیں۔ سر جھکا کے کوئلے کا گڑ کھائے ہوئے کی تفسیر بنی رہیں۔ ابا تو کیا باقی سب بھی سمجھ گئے اچھی طرح کہ یہ سو فیصد ہاں کا اشارہ ہے ورنہ اس سے پہلے تو اس کی زبان فراٹے سے چلتی تھی۔

امی نے اس کی جاب کی مجبوری کا بتا دیا تھا۔ سو ابا نے دو ماہ بعد فوراً" شادی کی تاریخ رکھ دی تھی۔

مبارک باد میں مٹھائی خوش گپیاں قہقہے۔ مگر ثانیہ کا دل بجھا کا بجھا ہی رہا۔

"بھابھی عون نہیں آیا؟"

ثانیہ نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھ ہی لیا۔

"دراصل اسے پتا نہیں تھا کہ شادی کی تاریخ لینے لڑکے کو خود آنا پڑتا ہے۔"

بھابی نے اتنی سنجیدگی سے شرارت کی کہ وہ گڑبڑا گئی۔ اس کے چہرے پہ جیسے سرخ رنگ بکھر گیا۔

"نہیں۔ میرا مطلب تھا کہ۔" اسے کوئی بات نہیں سوجھی تھی۔ بھابھی زور سے ہنس دیں۔ صاف گو اور منہ پھٹ سی ثانیہ کا جھینپا ہوا سا انداز انہیں بھی مزہ دے گیا تھا۔

"ویسے میرے دیور کی مستقل مزاجی کی داد دینی پڑے گی۔ سچ کہتا تھا۔ کچے دھاگے سے بندھی آئے گی ثانیہ۔"

بھابھی نے پیار سے اس کا گال چھوا۔

"اسے پورا یقین تھا کہ تم اس کی غلطی کو اگنور کر دو گی۔ اور پھر ضروری نہیں ہر پیار پہلی نظر کا ہی ہو۔ دوسری اور تیسری نظر کا بھی تو ہو سکتا ہے۔"

وہ اسے چھیڑ رہی تھیں۔

اور ثانیہ کو احساس ہو رہا تھا کہ اپنی بے جا ضد میں اس نے کتنا محبت کرنے والا دل توڑ ڈالا تھا۔

اور اس میں تو کوئی شک رہا ہی نہیں تھا کہ اب اسے بھی اپنی غلطی کی تلافی کے طور پر اتنے ہی صبر سے کام لینا تھا جتنے صبر سے عون لیتا رہا تھا۔

وہ بظاہر بھابھی کی باتیں سنتی در حقیقت سوچوں کے سمندر میں ہچکولے کھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بیرونی دروازہ بھڑا ہوا تھا لیکن لاکڈ نہیں تھا۔ دستک کی آواز نے ناشتا بناتی ابیہا کو حیران کیا۔ اسے علم تھا کہ ثانیہ کالج جا چکی ہے۔

پھر اس کے دروازے پر دستک دینے والا کون تھا۔ وہ ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں تھامے دوسرے ہاتھ سے ایپرن کی گرہ کھولتی لاؤنج میں آئی۔ تب تک دروازہ کھول کر معیز اندر آ چکا تھا۔

ابیہا ہونق سی رہ گئی پھر عجلت میں ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر کچن میں چلی گئی۔

معیز نے حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی۔ مگر ذرا دیر بعد وہ ایپرن اتار کر سلیقے سے 'دوپٹا شانوں پر ڈال کے آئی تو وہ اس کی عجلت کی وجہ سمجھ گیا۔

وہ نروس سی انگلیاں مروڑتی خاموش کھڑی تھی۔ اب اسی کے گھر میں اس سے 'بیٹھنے کا کیا کہتی۔

"کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ اجازت مانگ رہا تھا۔ ایبہا تو حیرت کے سمندر میں غرق ہونے لگی۔

"تم تو کچھ بولو گی نہیں۔" وہ خود ہی آگے بڑھ کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

ایبہا مارے حیرت و بے یقینی کے مرنے والی ہو گئی۔ بمشکل صوفہ تھام کے خود کو سہارا دے کر گرنے سے روکا۔

اب وہ ایبہا کے بنائے ہوئے ناشتے کی ٹرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہوں۔ ناشتا ہونے لگا ہے۔"

اور بجائے اس کے کہ وہ معیز کا اس قدر دوستانہ انداز دیکھ کر خوش ہوتی 'اس کا دل ہی نہیں ٹانگیں بھی لرزنے لگیں۔ معیز کا یہ انداز اس قدر غیر متوقع تھا کہ ایبہا کو کسی خواب کا سا گمان ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا۔ آؤ بیٹھو۔"

اب وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایبہا کا حلق خشک ہونے لگا۔ وہ بڑے احتیاط سے صوفے کے کنارے تک سی گئی جیسے ذرا زور سے حرکت کرنے پر خواب ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو۔

معیز نے ایک بار پھر بھاپ اڑاتی چائے' ہری مرچ اور ہرے دھنیے سے سجے انڈوں کے آملیٹ اور سنہری پراٹھے کو دیکھا۔ اور پھر ایبہا نے اپنی زندگی کا ایک حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین منظر دیکھا۔

معیز نے صوفے پر آگے کھسک کر بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر پراٹھے کا نوالہ توڑا اور اب وہ آملیٹ کے ساتھ کھا رہا تھا۔

وہ ہونق سی اسے دیکھ رہی تھی۔

یا اللہ! یہ خواب ہے یا حقیقت۔

اس نے آدھا پراٹھا آدھے آملیٹ کے ساتھ کھایا تھا۔ ایسے جیسے وہ یہاں ناشتا کرنے کی غرض سے ہی آیا ہو۔

اب وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

اور ایبہا تو مانو وہاں تھی ہی نہیں۔ نظر گم' حواس گم والا معاملہ تھا۔ معیز نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ساختہ ہلکا سا ہنس کر بولا۔

"ایم سوری۔ لیکن بہت عرصے بعد اتنا اچھا ناشتا دیکھ کر خود پر کنٹرول نہیں کر سکا۔"

"آپ چائے بھی لے سکتے ہیں۔" اس کی آواز بمشکل نکلی۔

"یہ دوسرا اور تھا ناشتے کا۔ گھر سے ابھی کر کے آ رہا ہوں۔ لیکن زارا کو صرف انگلش بریک فاسٹ ہی بنانا آتا ہے۔ یو نو! ایگ۔ بریڈ جیم جوس وغیرہ۔ کبھی ماما ایسا ناشتا بناتی تھیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا اور ایبہا شہزادی حیرت سے مر مر کے زندہ ہو رہی تھی۔

پرنس چارمنگ اس کی دسترس میں تھا۔ ہاتھ بڑھاتی تو چھو لیتی۔

"ایڈی ویز۔ کالج کا کیا بنا۔؟" موضوع بدل گیا۔

"وہ ثانیہ نے کروا دیا ہے سب۔ ٹائم زیادہ نہیں ہے تو میں ٹیوشن لے لوں گی۔ نیکسٹ فرسٹ ڈے ہے۔"

ایبہا کے حواس نے آہستہ آہستہ کام شروع کیا تھا۔ احتیاط سے بولی۔

"جاؤ گی کیسے؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"رکشا کر لوں گی۔" وہ ہچکچائی۔ معیز سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے پاس صرف یہ ناشتا ختم کرنے کا ٹائم ہے۔ ریڈی ہو جانا۔ میں تمہیں پک اینڈ ڈراپ کروں گا۔" وہ کہہ کر مزید رکا نہیں تھا۔ اور ایبہا... وہ ششدر بیٹھی تھی۔

"یا اللہ! یہ کیا کرشمہ ہے؟"

پھر معیز کی تلقین یاد آئی تو وہ جلدی سے ناشتا کرنے لگی۔ پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

کیا اللہ اس پر مہربان ہونے لگا تھا؟

اس کی آنکھوں میں آنسو' ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اور وہ بہت شوق سے معیز احمد کا چھوڑا ہوا ناشتا کر رہی تھی... وہ نہیں جانتی تھی کہ معیز احمد نے کس "مقصد" کو پورا کرنے کے لیے یہ "راستہ" اختیار کیا تھا۔

اور معیز احمد نہیں جانتا تھا کہ "دوستانہ" انداز میں "چھوڑنے" کے لیے اس نے جو طریقہ اپنایا تھا' اس نے ایبہا مراد کو خوش فہمی کی کس بلندی پر لا کھڑا کیا ہے۔ حق سچ کیا ہے' جھوٹ و باطل کیا۔ ہے۔ یہ تو فقط اللہ ہی جانتا ہے۔

تیار ہونے کے دوران بھی ایبہا کے ہاتھ پاؤں لرزتے رہے... وہ بے ترتیبی سے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ لاک کر کے باہر نکلی تو اس نے دور ہی سے پورچ میں معیز احمد کو اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ لیا۔

وہ نروس سی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ زندگی کی طرف بڑھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ہلکی سی دھوپ میں دادی کے تخت پران کے پہلو میں منہ چھپائے گچھا مچھا سی بنی لیٹی تھی۔

"اری جانا۔ میں کہتی ہوں اندر جا کے کھلی ڈلی ہو کے لیٹ۔" دادی تسبیح کرتے ہوئے کتنی بار ہی اسے ٹوک چکی تھیں مگر وہ ڈھیٹ بنی پڑی رہی۔

"کیا دادی! ساری دھوپ تو آپ لے لیتی ہیں۔ میں تو کبھی کبھار ہی آتی ہوں۔ اور اب تو وہ بھی نہیں آیا کروں گی۔" (جذباتی حملہ) ثانیہ نے منمنا کر اور منہ پھیرا۔

دادی کا دل تو کیا آنکھ بھی بھر آئی۔ جھک کر اسے زبردستی ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"میں صدقے میں قربان۔ جم جم آ میری بچی۔ یہاں کی دھوپ چھاؤں سب تیری ہے۔"

ثانیہ نے مسکراہٹ دبائی۔

"ثانی! تمہارا فون بج رہا ہے کب سے۔"

امی نے اندر سے آواز لگائی تو پہلا خیال اسے ایبہا کا آیا۔ وہ تین روز سے یہاں پر ادھان تھی اور آج ایبہا کا کوچنگ کا پہلا دن تھا۔ اسے اپنی سستی پہ غصہ آیا اور تاسف بھی ہوا۔ وہ چھلانگ لگا کر کمرے کی طرف بھاگی۔ نمبر دیکھا بھی نہیں اور کال اٹینڈ کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" پھولی سانسوں کے درمیان کہا۔

اور دوسری طرف سے جانے کیا صور پھونکا گیا کہ ثانیہ کے چہرے کی رنگت ایک دم سفید پڑ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر اپنے بستر کے کنارے تک گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الھڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے' مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔
معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب' معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔
ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کر دیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ' گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز' ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔
عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔
میم' ابیہا کو سیفی کے حوالے کر دیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کر لیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پر اسرار راز کھولنا پڑتا ہے۔
وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے' مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب' پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کر دیتی ہے' مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون کر دیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے' مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سمیت زارا اور ایزدا نہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتی ہے۔ ارم کی بہن نیلم ایک اچھی لڑکی ہے، وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کرکے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کر رہا ہے۔ عزت کریں عون کی، اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

رباب، سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جا کر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں، جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔

سترہویں قسط

اسے دیکھتے ہی معیز گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ابیہا کے دل کی دھڑکنیں تو پہلے ہی اتھل پتھل تھیں، مگر جب اس کے قریب پہنچنے پر معیز نے آگے جھک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان لاک کیا تو وہ ٹھوکر کھاتے کھاتے بچی۔

سست روی سے دروازہ کھول کے وہ فرنٹ سیٹ پہ سمٹے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی۔ چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ معیز نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو وہ بے حد پرسکون سی کیفیت میں تھا، لیکن گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اس نے بے اختیار سائیڈ ویو مرر پر نگاہ ڈالی۔ لاؤنج کا داخلی دروازہ بند تھا۔ سفینہ بیگم صد شکر باہر نہیں آئی تھیں۔

"راستہ تو معلوم ہے نا اکیڈمی کا.....؟"

مین روڈ پہ آکے معیز نے اس سے پوچھا تو۔ دم سادھے بیٹھی ابیہا بری طرح چونک گئی مگر بڑبڑا کر بولی۔

"جی... ہاں جی۔ شاید۔"

معیز نے بے اختیارانہ نگاہ اس پر ڈالی۔ گاڑی کے دروازے کے بالکل ساتھ جڑ کے بیٹھی وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔

"ہاں یا شاید...؟"

"میرا مطلب ہے میں ثانیہ کے ساتھ ایک بار آئی تھی ٹیچر سے ملنے۔" وہ قدرے سنبھل کر بولی۔

"اچھا۔ تو پھر ایڈریس بتادو۔"

وہ نارمل سے انداز میں گفتگو کررہا تھا۔ ایبہا کا دماغ چکرایا۔

"ایڈریس... تو... نہیں پتا۔" وہ اٹکی' معیز نے بے اختیار گاڑی کی رفتار آہستہ کی تھی۔

"کیا مطلب؟ ایڈریس نہیں پتا ہے؟" وہ ازحد حیران ہوا۔

"مجھے تو ثانیہ لے کے جانے والی تھیں۔" اس نے جلدی سے وضاحت پیش کی۔ پھر یاد آنے پہ بولی۔

"روڈ مجھے یاد ہے۔ وہاں سے ہم نے گول گپے کھائے تھے۔" معیز بے ساختہ ہلکے سے ہنس دیا۔

ایبہا نروس سی بیگ کا اسٹریپ مسل رہی تھی۔

"اب اگر مجھے بھی ساتھ لے گئی ہوتیں گول گپے کھلانے' تو مجھے ضرور یاد رہتا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"آئم سوری..." اس کا لہجہ بھیگا ہوا سا تھا۔

کیا سوچ رہا ہو گا وہ۔ ساتھ آنے کا اتنا "شوق" تھا کہ بنا ایڈریس کے ساتھ چل پڑی۔ اس سوچ کے ساتھ اسے رونا آنے لگا۔

سگنل پہ گاڑی رکی تو وہ موبائل پہ کسی کو میسیج کرنے لگا اور جب تک سگنل گرین ہوا جوابی میسیج آچکا تھا۔

گاڑی دوبارہ سے چلی تب تک ایبہا شرمندہ ہو ہو کر بے حال ہو چکی تھی۔

"آپ مجھے واپس چھوڑ دیں۔ میں ثانیہ کے ساتھ ہی آجاؤں گی۔"

اس نے ہلکے سے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا تو معیز نے تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

"تمہارے خیال میں سوائے تمہاری "ثانیہ جی" کے کسی اور کو راستوں کا پتا ہی نہیں..." قدرے خفگی سے کہا۔ ایبہا نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔ معیز نے گاڑی روک دی تھی۔ وہ خوف زدہ سی ہوئی۔

کیا اسے غصہ آگیا تھا؟

اس کی شکل پہ پھیلا ہراس دیکھ کر معیز کو خود پر تاسف ہوا۔ زندگی میں اس سے بڑا کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کی وجہ سے کسی کی زندگی مشکل ترین جائے۔

اپنی زندگی تو ہر کوئی آسان بنالیتا ہے' دوسروں کی زندگیوں کو آسان بنانا کمال ہوتا ہے۔

"یہ دیکھو گول گپے والا... اور وہ تمہاری اکیڈمی۔" وہ بے حد نرمی سے گول گپے کی ریڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اب اسے اکیڈمی کا بورڈ دکھا رہا تھا۔

ایبہا کی جان میں جان آئی۔

"تھینک یو..." وہ کھل سی گئی۔ پھر گاڑی سے اترتے ہوئے حیران سی پل بھر کو پلٹی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا...؟"

"ثانیہ سے پوچھا ہے۔" وہ مسکرایا تو ایبہا کو پورے ماحول میں سنہرا پن سا گھلتا محسوس ہوا۔

معیز اس کے ساتھ گیٹ تک آیا۔ وہ اس سے واپسی کا وقت پوچھ رہا تھا۔
ابیہا نے وقت بتاتے ہوئے ایک ہلکی سی نگاہ اس مہربان سے چہرے پر ڈالی۔
نرم سے تاثرات اور بھرپور توجہ۔
ابیہا نے پہلی بار ان بھوری آنکھوں کو دھوپ میں کانچ کی طرح چمکتے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسی پل اسے بھوری آنکھوں سے عشق ہوا تھا۔
"ہیلو..." وہ اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجا رہا تھا۔ ابیہا گڑبڑا کر حواس میں لوٹی اور اس قدر شرمندہ ہوئی کہ بہ سرعت پلٹ کر گیٹ پار کر گئی۔
اور معیز اس کی نگاہ کے بے خود سے ارتکاز کو محسوس کرکے اپنی جگہ جم سا گیا۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ نے بنا نمبر دیکھے کال اٹینڈ کی تو خیال یہی تھا کہ دوسری طرف ابیہا ہی ہوگی۔ آج اس کی اکیڈمی کا پہلا دن تھا۔
"ہیلو..." بے ترتیب سانس پر قابو پاتے وہ بولی۔
"میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنی مرضی کا فیصلہ کرنا۔ پھر شادی کی تاریخ کیسے طے ہونے دی تم نے؟"
عون کے انداز میں اس قدر سرد مہری اور کڑواہٹ تھی کہ ثانیہ بے دم سی بستر پر گر گئی۔
"میرے کندھے پہ بندوق رکھ کے چلانا چاہتی ہو تم... تو یہ تمہارا خیال ہی رہ جائے گا ثانیہ بی بی۔"
وہ بے رخی سے بولا تو ثانیہ جلبلا اٹھی۔ اس قدر لاتعلقی اور بے اعتنائی۔
"ثانیہ بی بی...!" وہ جو ہمیشہ اس کے نام کے آگے اپنا نام لگایا کرتا تھا۔ وہ عون عباس کیا ہوا؟
"یہ بڑوں کا فیصلہ ہے ان سے بات کرو۔" ثانیہ کی انا انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تو اس نے بھی بے رخی ہی کو اپنایا۔
"وہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں۔ تمہارا فیصلہ کہاں گیا؟"
"ایک بات یاد رکھو ثانیہ۔ میری زندگی میں کوئی "ٹارگٹ" لے کر مت آنا۔ بدلے کی خواہش ہے تو صاف لفظوں میں شادی سے انکار کرکے بدلہ اتار لو۔"
اس قدر تلخی... اس قدر غیریت۔
ثانیہ کو لگا ہی نہیں کہ وہ عون عباس سے بات کر رہی ہے۔ جو اس کے کڑوے لہجے کے گھونٹ بھی امرت سمجھ کر پیا کرتا تھا۔ نرمی' بذلہ سنجی اور شرارت جس کے مزاج کا حصہ تھی۔
ثانیہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کے خیالات ہی نہیں بلکہ جذبات میں بھی تبدیلی آچکی ہے' مگر عون کے انداز کی تندی نے اس کی زبان گنگ کر دی۔ محبت کا اظہار تو وہاں کیا جاتا ہے جہاں بے تکلفی ہو' مان ہو۔ اور جہاں ڈیرا ہی غیریت اور بے اعتنائی کا ہو' وہاں اظہار محبت کیسے؟
ثانیہ نے سوچ رکھا تھا کہ اب وہ کبھی بھی عون سے بدتمیزی نہیں کرے گی۔ اور جب عون اس کے انداز کا دھیما پن اور نرمی دیکھے گا تو خود بخود اس کی ذہنی و جذباتی تبدیلی کا احساس کرلے گا۔
مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ نازیہ آپی کی شادی کے دوران شاید وہ حد ہی کر گئی تھی۔ تب ہی تو عون جیسے میٹھے لب و لہجے والے بندے نے بھی شعلے اگلنا شروع کر دیے تھے۔

اس کی آنکھوں میں ضبط کی سرخی اتر آئی۔ ورنہ تو زور زور سے رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ گہری سانس لے کر اندر کی کثافت کو کم کرنے کے ساتھ ثانیہ نے اپنی ہمت کو بھی مجتمع کیا اور ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔

"میں انکار نہیں کروں گی عون عباس۔! کیوں کہ میں اپنے گھر والوں کا دل نہیں دکھا سکتی۔ یہ کام پہلے بھی تم نے کیا تھا اور اب بھی اگر تم ایسا چاہتے ہو تو تم ہی کو کرنا پڑے گا۔" اور بس۔

اس نے لائن کاٹ دی تھی۔ ساتھ اس کے کب سے رکے آنسو بہہ نکلے اور وہ تکیے میں منہ گھسیڑے روئے چلی گئی اور دوسری طرف عون تلملا کر ہیلو' ہیلو کرتا رہ گیا۔ ثانیہ کے لفظوں نے جلتی پہ تیل کا سا کام کیا تھا۔ وہ خود سب کی نظروں میں اچھی بن گئی تھی۔ اب اگر عون انکار کرتا تو اباجی جوتے مار کے گھر سے نکال باہر کرتے' مگر اس زندگی کا کیا.....؟

عون کے اندر بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔ پھولوں' تتلیوں' ہواؤں' بادلوں اور گھٹاؤں سے محبت کرنے والا بندہ اپنی زندگی کو بھی رومانوی انداز میں گزارنے کی سوچ رکھتا تھا۔ ایسے میں ثانیہ اس کی زندگی میں "خودکش حملہ آور" کی طرح داخل ہو رہی تھی یا شاید "ٹارگٹ کلر" بن کے اور عون عباس جانتے بوجھتے زندگی ختم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

ماتھے پہ بل لیے وہ کتنی ہی دیر سوچتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ سیفی کے ساتھ کسی عام ہوٹل میں ہوٹلنگ نہیں کرتی تھی۔ معیز کے ساتھ تو وہ شہر کے کسی بھی اچھے ریسٹورنٹ میں چلی جاتی تھی' مگر سیفی کے ساتھ وہ ہمیشہ وہاں ہوٹلنگ کرتی جہاں ہائی جینٹری کے لوگ ہوتے اور جہاں "معیز احمد" کے پائے جانے کا امکان کم سے کم ہوتا' ابھی تک وہ اپنی زندگی کی ترجیحات متعین نہیں کرپائی تھی۔ دل تو معیز احمد کے مغرورانہ انداز پر بہت بری طرح آیا تھا' مگر سیفی کے ٹھاٹ باٹھ نے بھی اس کے دل کو للچا رکھا تھا اور کچھ کالج کے زمانے کی ایسی پکی عادت ہو چکی تھی کہ اپنے حسن کا "صدقہ" وصول کرنا کچھ ایسا برا بھی نہ لگتا تھا۔

ابھی بھی وہ سیفی کے ساتھ لنچ کر کے شاپنگ مال آئی تھی اس نے جس چیز پہ نظر ڈالی سیفی کے اشارے پر اس کے لیے پیک کر دی گئی۔

"اب بس..... میں تھک گئی ہوں۔"

رباب نے اٹھلا کر بڑے ناز سے کہا تو وہ بے منٹ کے بعد کارڈ اپنے والٹ میں رکھتا شگفتگی سے بولا۔

"لڑکیاں تو شاپنگ سے نہیں تھکتیں سویٹ ہارٹ....."

"جو کبھی کبھار کرتی ہیں وہ نہیں تھکتی ہوں گی۔" وہ ناک چڑھا کر یوں بولی جیسے ارب پتی کی بیٹی ہو۔ سیفی اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے شاپنگ مال سے نکلا تھا۔ اس کی مہنگی ترین گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رباب نے گردن یوں راج ہنس کی طرح اٹھا رکھی تھی' جیسے باقی سب اس سے حقیر ہوں۔

"آج تمہیں اپنی آپا سے بھی ملوانا ہے میں نے۔" سیفی نے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے معنی خیزی سے کہا تو رباب نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"اونہوں۔ اتنے رف حلیے میں....."

سیفی نے ایک گہری نگاہ اس کے جدید تراش میں لپٹے وجود پر ڈالی۔ برہنہ سپید بانہوں کی خوب صورتی ہی

نگاہوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی تو پھر۔

"قیامت لگ رہی ہو جان من۔ کہو تو ابھی حسن کو خراج تحسین پیش کر دوں۔"

وہ جذبات سے چور لہجے میں کہتا اس کی طرف جھکا تو رباب اس قدر اچانک پیش قدمی پر پیچھے نہیں ہٹ پائی۔ وہ اس کے رخسار کو چھو چکا تھا۔

اس کا چہرہ تمتما اٹھا' رباب نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے پیچھے دھکیلا تھا۔

"سیفی پلیز۔ جگہ کا تو خیال کرو۔"

وہ خفگی سے کہتے ہوئے پیچھے ہو کر بیٹھی۔ تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس کی قربت نے دل و ذہن پر رومان پرور سا احساس طاری کر دیا تھا۔

"ہر جگہ ہی "سنہر پلیز" کا اشتہار بنی رہتی ہو سویٹی۔"

"آج میں بہت تھک گئی ہوں۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتی بڑے نخرے دکھا رہی تھی۔

"تم چلو تو۔ تمہاری تھکاوٹ دور کرنے کا سامان بھی کر دیں گے۔"

سیفی نے ذو معنی انداز میں کہا تو رباب نے اسے ہلکا سا گھور کے دیکھا۔

"چلو نا سویٹ ہارٹ۔ میں نے آپا سے پرامس کیا تھا آج انہیں تم سے ملوانے کا۔"

سیفی اپنے ارادے میں اٹل دکھائی دے رہا تھا اور پچھلی سیٹ پہ دھرے وزنی شاپنگ بیگز میں اتنی کشش تو تھی کہ رباب کی عقل مختل کر دیتے۔ سو وہ بھی گہری سانس بھرتے شانے اچکا کر رہ گئی۔

سیفی کے ہونٹوں پر پر اطمینان مسکراہٹ پھیل گئی۔

شکار جال میں پھنسنے کو تھا۔ سیفی نے بہت تحمل سے اس دن کا انتظار کیا تھا اور اب "پھل" کھانے کے دن آ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

معیز نے اسے اکیڈمی چھوڑا تو واپسی کا وقت بھی پوچھ لیا تھا' مگر آفس پہنچنے اور یکے بعد دیگرے دو میٹنگز اٹینڈ کرنے کے بعد اس کے ذہن سے بالکل ہی محو ہو گیا کہ اس نے ایہا کو پک کرنے جانا ہے۔

"سر پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ کا وزٹ کر لیں۔ مال بالکل ریڈی ہے جانے کے لیے۔" اس کے پی اے نے یاد دلایا تھا۔

"آہا..... یہ رہ گیا تھا۔" وہ کراہ کے رہ گیا۔ ابھی ہونے والی میٹنگ میں وہ بزنس ڈیلی گیشن کے ساتھ اچھا خاصا سر کھپا کے آیا تھا۔

مگر ہر حال یہ کام انتہائی ضروری تھا۔ سو وہ فوراً" ہی پروڈکشن منیجر کے ساتھ چل دیا۔

ادھر فارغ ہونے کے بعد ایہا نے وقت دیکھا تو ابھی معیز کو دیے وقت میں بیس منٹ باقی تھے۔ وہ اطمینان سے اکیڈمی ٹیچر کے دیے نوٹس پر نظر ڈالنے لگی۔ اس کے بعد اسٹوڈنٹس نے یکے بعد دیگرے جانا شروع کر دیا تو وہ جیسے حواس میں آئی۔ وقت دیکھا تو دس منٹ اوپر ہو رہے تھے۔ وہ جلدی سے نوٹس سمیٹ کر فائل میں لگاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے خیال میں معیز باہر آ چکا تھا۔ بیگ شانے پہ ڈال کر فائل اٹھائی اور بعجلت باہر نکلی۔ گیٹ سے باہر آ کے اس نے ادھر ادھر نظر ڈال کے معیز کی گاڑی تلاشنے کی مقدور بھر کوشش کی' مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ دوپٹے کو قدرے نقاب کے انداز میں چہرے پر سیٹ کر کے گیٹ کی سائیڈ پر کھڑی ہو گئی۔

مگر اگلے دس منٹ گزرنے کے بعد اس کے دل میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ موبائل بھی چارجنگ پہ لگا چھوڑ

آئی تھی۔
اس سے اگلا وقت خوف زدہ کرنے والا تھا۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں دکھنے لگیں۔
(تو کیا وہ اسے پک کرنا بھول گیا تھا... یا پھر اس کا یہی پلان تھا... ایبہا کو دنیا میں گم کر دینے کا؟)
اس نے دھندلائی نظروں سے سڑک پہ دوڑتے پھرتے ٹریفک کو دیکھا اور گھر کا ایڈریس یاد کرنے کی کوشش کی۔
اس دنیا میں انسان کو اتنا بھی سادہ نہیں ہونا چاہیے' ایک بار خیال آیا کہ دوبارہ کوچنگ سینٹر کے اندر چلی جائے' مگر پھر خیال آیا کہ ٹیچر نے اگر گھر کا پتا پوچھ لیا یا فون نمبر تو کیا بتائے گی۔ دل مسوس کے وہیں کھڑی معیز کے آنے کی دعائیں کرنے لگی۔
مگر آنسوؤں کا نمکین پھندا اس کے حلق میں پھنس گیا تھا۔ اسی وقت کوئی شخص اس کے پاس آکے کھڑا ہوا۔

☼ ☼ ☼

عون کو ثانیہ پر جتنا بھی غصہ آتا کم تھا۔ وہ سوچ کر تلملاتا اور تلملا تلملا کر سوچتا۔
وہ لڑکی جو بانگ دہل اسے کسی اور لڑکی کے ساتھ... انوالومنٹ کے طعنے دیتی رہی ہو اور بھری محفل میں بے عزت کر کے رکھ دیتی ہو... اس کی یہ "بے ایمانی" ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
دل سے تو وہ بالکل بھی عون کی زندگی میں آنے کو تیار نہیں تھی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر فیصلے کے وقت ثانیہ کا کوئی قدم نہ اٹھانا۔ محض بڑوں کی رضا کو نبھانا عون کو جلتے توے پر بٹھا رہا تھا۔
وہ ایک محبت کرنے والی شریک سفر کو زندگی میں لانا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے ثانیہ سے وقت مانگا تھا' لیکن اس گزرتے وقت میں جتنی عون کی محبت میں شدت آئی اتنی ہی ثانیہ کی بدگمانی بھی بڑھی۔
اور اب تو عون بھی یہی چاہتا تھا کہ ثانیہ اپنی نفرت کو لے کر اس کی زندگی میں نہ آئے۔ وہ ایک ناکام زندگی جینے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ اپنی سی کوشش کر چکا تھا' ثانیہ کو اپنے حق میں کرنے کی۔
اور ثانیہ... وہ اپنا فیصلہ یقیناً" نازیہ کی مہندی والے دن سنا چکی تھی۔
اسے جب جب ثانیہ کا وہ انداز یاد آتا' اس کے اندر طیش سا بھرنے لگتا۔
فرماں برداری کا "ایوارڈ" لینے کی خاطر کیے گئے ثانیہ کے فیصلے کو عون نے قطعیت سے رد کر دیا تھا۔ اسی لیے دل کی آواز کو دباتے ہوئے اس نے صاف لفظوں میں ثانیہ کو اچھی خاصی سنا دی تھیں۔
مگر آگے سے ثانیہ کے ہٹ دھرم اور خود کو "نیک بی بی" بتائے رکھنے والے انداز نے اسے خاصا تپا کے رکھ دیا تھا۔ جانے کس کے برے دن آنے والے تھے؟

☼ ☼ ☼

"سر! لنچ ٹائم ہو چکا ہے۔"
وہ واپس ہوئے تو اس کے پی اے نے تیسری بار مودبانہ اسے یاد دلایا اور اس کا وہی پہلے والا جواب۔
"بھوک نہیں ہے ابھی یار...."

اور اپنے آفس میں کرسی پر گرتے ہوئے یونہی اس کے ذہن میں آیا کہ اسے بھوک کیوں نہیں ہے آج....
صبح کیا کھایا تھا؟
وہی روٹین کا ناشتا... وہ سیٹ سے سر ٹکائے ریلیکس موڈ میں تھا۔
دفعتاً" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"ڈبل ناشتا..." وہ فی الفور سیدھا ہوا۔
وہ صبح گھر سے ناشتا کرنے کے بعد پراٹھے اور آملیٹ کا بھی ناشتا کر کے آیا تھا۔ ایبہا کے ہاتھ کا ناشتا...
"یااللہ...!" وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ کلائی اُلٹ کر وقت دیکھا۔ وہ ایبہا کے بتائے ہوئے وقت سے پون گھنٹہ لیٹ تھا۔
وہ موبائل اٹھاتا بعجلت دروازے تک گیا پھر تیزی سے پلٹا اور ٹیبل پر سے گاڑی کی چابیاں جھپٹ کر اٹھائیں '
تیزی سے لفٹ کی جانب بڑھتا وہ اپنے موبائل پر مسڈ کالز چیک کر رہا تھا۔
ایبہا کی کوئی کال نہ تھی۔ اس نے ایبہا کا نمبر ملا کر موبائل کان سے لگایا اور لفٹ میں داخل ہو کر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا دیا۔ لب بھینچے وہ پریشانی کی زد میں تھا۔

☆ ☆ ☆

کوئی شخص اس کے پاس آ کے کھڑا ہوا تو ایبہا کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ ہاتھ سے تھاما دوپٹے کا نقاب ذرا سا سرکا تو اس نے جھپٹ کر پھر سے دوپٹے کو ٹھیک کیا' مگر حسن کی اتنی سی جھلک ہی مقابل کو مسحور کرنے کے لیے کافی تھی۔
"کیا بات ہے... کافی دیر سے آپ یہاں کھڑی ہیں محترمہ۔ رکشہ' ٹیکسی چاہیے آپ کو... میں لادوں؟"
وہ کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتا بظاہر بڑی شائستگی سے پوچھ رہا تھا' مگر اس وجود چھیدتی لال آنکھوں میں سے جھلکتے ہوسناک تاثر نے ایبہا پر کپکپی سی طاری کر دی۔
"نن... نہیں بس..." وہ خشک ہوئے حلق کے ساتھ بولی تو منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔
سامنے والے خرانٹ شخص کی گہری نظر نے فوراً" ہی اندازہ کر لیا کہ وہ کتنے پانیوں میں ہے۔
"میرے... شوہر آ رہے ہیں۔"
ایبہا نے ذرا ہمت پکڑتے ہوئے بے رخی سے کہا اور دو قدم اس سے دور ہوتے ہوئے سڑک کے دائیں طرف سے آتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔
"ارے میری بلبل... جس کے لیے تم یہاں کھڑی ہو۔ وہ اب نہیں آنے کا... چلو میرے ساتھ۔"
وہ پچکارنے والے انداز میں بولا اور پھر جیسے اس کی ہمت بندھانے کو ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ خوف زدہ سی پیچھے ہٹی' اس کی فائل ہاتھوں سے پھسل کے گری تو نوٹس ادھر ادھر بکھر گئے۔
"ارے تم تو ڈر رہی ہو..." اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔ ایبہا کے یوں کمزوری دکھانے پر وہ مزید شیر ہو گیا تھا۔
خوف اور بے بسی کا شکار ایبہا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آس پاس زندگی رواں دواں تھی' مگر کسی کو بھی اس خاموش حادثے کی خبر نہ تھی۔ اور ایبہا کے اندر اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ وہ چیخ و پکار کر کے کسی کو متوجہ ہی کر لیتی۔
وہ آگے بڑھا تو ایبہا تیزی سے پیچھے ہٹتی دیوار کے ساتھ جا لگی' اسی وقت کسی نے اس شخص کو شرٹ کے کالر سے پکڑ کر پوری قوت سے پیچھے گھسیٹ لیا تھا۔

وہ بوکھلا کر پلٹا تو ساتھ ہی ناک پر پڑنے والے مکے نے درحقیقت اسے دن میں تارے دکھا دیے۔
"ٹھہر تیری تو... سالے..."
معیز کا دماغ گھوم گیا تھا۔ سڑک پار کر کے آنے تک وہ سارا معاملہ سمجھ چکا تھا۔ ڈری سہمی ایبہا اور اسے

تنگ کرتا گندے حلیے والا شخص۔
معیز کا ارادہ تو اس کی اچھی طرح ٹھکائی کرنے کا تھا' مگر وہ ایک مکا کھا کر ہی یوں بگٹٹ بھاگا کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ بمشکل ضبط سے کام لیتا پلٹا تو خوف کی حدوں کو چھوتی ابیہا روتے ہوئے اس کے ساتھ آ لگی۔
لحہ بھر کو وہ ساکت سا رہ گیا۔ پھر نرمی سے اس کے سر کو تھپکا۔
"اٹس اوکے ابیہا۔ خود کو سنبھالو۔ دفع ہو گیا ہے وہ۔" مگر اس کے خوف زدہ وجود کی لرزش نے معیز پر واضح کر دیا کہ وہ کس حد تک دہشت زدہ تھی۔
سیفی اور میڈم کے شکنجے میں مقید رہنے والی ابیہا کے ذہن میں پرانا خوف جاگ اٹھا تھا۔
"بی بریو ابیہا... چلو۔ گاڑی میں بیٹھو۔ روڈ پہ کھڑے ہیں ہم۔"
اس کے سر کو نرمی سے سہلاتے ہوئے معیز نے اسے احساس دلایا تو وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گئی۔
معیز نے اس کے نوٹس سمیٹ کر فائل میں لگائے۔ اسے معاشرے کی بے حسی پر بھی افسوس ہوا۔ ارد گرد کے لوگوں کو غیر معمولی واقعات بھی شک میں مبتلا نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے تو ہماری قوم حوادث کا شکار ہوتی رہتی ہے۔
وہ اسے لیے سڑک پار کرنے لگا تو ابیہا نے اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ رکھا تھا۔ اس کی کیفیت محسوس کر کے معیز کو ندامت ہو رہی تھی۔
اپنی یادداشت کو وہ بارہا کوس چکا تھا۔ سو گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ابیہا سے معذرت کر لی۔
"آئم سوری۔ میری وجہ سے تمہیں پرابلم ہوئی۔"
وہ سر جھکائے سوں سوں کرتی رہی۔
"مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ تمہیں کوچنگ سے پک کرنا ہے' مگر میٹنگز میں ایسا الجھا کہ..." اس نے لب بھینچے۔ پھر سر جھکائے بیٹھی ابیہا کو دیکھا۔
"میں تمہارے نمبر پہ کال کرتا رہا ہوں۔ تم نے میری کال بھی اٹینڈ نہیں کی۔"
ابیہا کا دل دھک سے رہ گیا۔ آہستہ سے سر اٹھا کے دیکھا تو وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔
"وہ... موبائل نہیں تھا میرے پاس۔ چارجنگ پہ لگایا ہوا تھا تو گھر پہ رہ گیا۔"
مجرمانہ انداز میں کہا تو وہ گہری سانس بھرتا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔
"موبائل فون کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ آپ اسے کہیں بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ کوئی پرابلم ہو تو کسی سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔"
وہ تحمل سے موبائل کے فوائد پر روشنی ڈال رہا تھا۔ ابیہا کو شرمندگی ہونے لگی۔ واقعی اگر اس کے پاس موبائل ہوتا تو وہ چھٹی ہوتے ہی معیز کو کال کر سکتی تھی۔
"آئم سوری۔ غلطی میری ہی ہے۔" وہ رندھے لہجے میں بولی۔
"ارے..." معیز اس کی بات پر بے ساختہ حیران ہوا اور پھر ہلکے سے ہنس دیا۔
ابیہا نے بے اختیار اسے دیکھا اور پھر پلکوں کی باڑ گرالی۔ وہ ساتھ ہوتا تو ایک معصوم سا فخر گھیرنے لگتا کہ وہ "اس کا" تھا' مگر یہ خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔

"میں آئندہ کبھی موبائل گھر نہیں چھوڑوں گی اور چھٹی کے بعد بھی کوچنگ سینٹر کے اندر ہی رہوں گی۔"
ابیہا نے سارا الزام ہی اپنے سر لے لیا تھا' معیز کی لڑکیوں کی ایک نئی قسم سے واقفیت ہو رہی تھی۔ سو اس کا

حیران ہونا بنتا تھا۔
"اس طرح کے فضول لوگوں سے ڈرنے کے بجائے ان سے سختی سے پیش آنا چاہیے تاکہ ان کی ہمت نہ بڑھے۔" وہ اسے سمجھانے لگا۔
"میں نے اس سے کہا تھا۔ میرے شوہر مجھے لینے آرہے ہیں۔۔۔" وہ بے اختیار ہی بول اٹھی' مگر پھر ساتھ ہی گھبرا کر معیز کو دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں اس نے سنا نہیں یا سن کے ان سنی کر گیا تھا۔ ایبہا کو تسلی ہوئی۔
"یہ رعب ڈالنے کی کون سی قسم ہے؟" معیز نے اس قدر اچانک پوچھا کہ ایبہا گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی۔
وہ سنجیدہ تھا۔
"سوری۔۔۔ آپ کو برا لگا ہے تو' مگر میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔" وہ آہستہ سے بولی۔
معیز نے گاڑی روکی۔ گھر آگیا تھا۔ وہ کچھ کہے بنا گاڑی کا ہارن بجانے لگا۔
"ماما اگر کچھ کہیں تو خاموشی سے سن لینا۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔ تم بس اپنی اسٹڈیز پہ دھیان دو۔" اندر آنے تک وہ اسے سمجھا چکا تھا۔
مگر خیریت ہی رہی۔ سفینہ بیگم پورچ یا لان میں دکھائی نہ دی تھیں۔ ایبہا اپنی چیزیں سنبھالتی نیچے اتری۔
اسی وقت لاؤنج کا داخلی دروازہ کھلا اور کوئی باہر نکلا۔ معیز پلٹا اور گہری سانس بھر کے رہ گیا۔
"ہیلو بڈی۔۔۔" وہ بہت خوش دلی سے کہتا معیز کی طرف بڑھا اور گرم جوشی سے اس سے لپٹ گیا۔
وہ عمر تھا۔ معیز کا ماموں زاد۔
"تم کب آئے۔۔۔ اور یوں اچانک؟" معیز حیران تھا۔ ایبہا تیزی سے انیکسی کی طرف بڑھ گئی۔
"میری چھوڑو۔ یہ کون تھی؟" عمر کی نگاہ میں ستائش تھی۔ معیز نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
"کم آن عمر۔۔۔ تم کبھی اپنی فطرت نہیں بدل سکتے۔"
"خوب صورتی ہوتی ہی تعریف کے قابل ہے میرے دوست۔" وہ زبردستی اس کے شانے پہ بازو پھیلائے عالمانہ و فلسفیانہ انداز میں کہتا اندر کی طرف بڑھا تھا۔
معیز اس سے ماموں اور فیملی کے متعلق پوچھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ کا واپس آنے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا' مگر کسی بھی طرح مجبوراً "جاب کے یہ دو ماہ گزارنے ہی تھے۔ سو اس نے بھی آکر آفس جوائن کرلیا' مگر اس بار اس کے اندر کی خوش مزاج ثانیہ کہیں کھو سی گئی تھی۔ ایک اکتاہٹ آمیز بے زار سی کیفیت مستقل اسے گھیرے ہوئے تھی۔ آج اتوار کی چھٹی تھی تو وہ ایبہا کی طرف آگئی۔
"دو دنوں کا کہہ کے اتنے دن لگا کے آرہی ہیں۔" ایبہا نے شکوہ کیا' مگر ثانیہ تو حیرت سے لنچ کا مینو دیکھ رہی تھی۔
ایبہا نے بریانی کے ساتھ مٹن قورمہ اور چکن ویجی ٹیبل مکس کباب بنائے تھے۔ ساتھ میں پودینے دہی کی چٹنی اور خوش رنگ سلاد۔
بڑے دنوں کے بعد اس کی بھوک چمک اٹھی۔

"تم تو بڑی سگھڑ لڑکی ہو بھئی۔ شوہر کے معدے سے ہو کے دل میں جاؤ گی۔"

کھانے کے دوران اس کے ہاتھ کے ذائقے کی معترف ہوتے ہوئے ثانیہ نے اسے چھیڑا تو ایہا کے چہرے پر ہلکی سی لالی بکھر گئی۔

"انہوں نے بھی شوق سے کھایا تھا۔" وہ چمچ سے چاولوں کو پلیٹ میں ادھر ادھر کرتے ہوئے شرمیلے انداز میں بولی تو بے یقینی سے ثانیہ چیخ ہی تو اٹھی۔

"کیا... کس نے... ؟ معیز کی بات کر رہی ہو؟" ایہا اس کے یوں چلانے پر ڈر سی گئی۔ جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"کب' کیسے۔ پوری اسٹوری بتاؤ۔"

وہ بے چین ہو گئی جواباً" ایہا نے جھجکتے شرماتے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

ثانیہ دم بخود تھی۔

"میں نے تو سوچا کوچنگ کے لیے تمہیں وین یا رکشہ لگوا دیا ہو گا۔"

ایہا مسکرا دی۔

"آہاہ..." ثانیہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بھی کہوں اتنی بدلی اور انوکھی سی کیوں لگ رہی ہے میری پیا شہزادی۔"

اس کے ذومعنی انداز پر ایہا جھینپی۔

"ایسا ویسا کچھ نہیں۔ بس ان کا انداز تھوڑا بدل گیا ہے۔"

"تھوڑا...؟" ثانیہ نے لمبا کھینچتے ہوئے پوچھا تو وہ کھنکدار سی ہنسی ہنس دی۔

"شکر اللہ۔ انہیں اپنے غلط رویے کا احساس ہو گیا۔ میں تمہارے لیے واقعی بہت خوش ہوں ایہا۔"

ثانیہ نے محبت بھرے خلوص سے کہا۔ ایہا کے ہر ہر انداز سے جھلکتی خوشی اور طمانیت کا راز اب اس پر منکشف ہو گیا تھا۔

"آپ بتائیں۔ رخصت ہو کے کب جا رہی ہیں عون بھائی کے گھر...؟"

ایہا نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور برتن اکٹھے کرنے لگی۔

ثانیہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑنے لگی۔

"ہوں... جلد ہی۔ دو ماہ بعد کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے۔"

"ارے واہ..." ایہا برتن وہیں پہ چھوڑ اس کے پاس آ بیٹھی۔

"کتنا مزا آئے گا ثانیہ۔ !میں نے زندگی بھر کبھی کوئی شادی اٹینڈ نہیں کی۔"

وہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ خوشی بھرے لہجے میں بولی تو ثانیہ کو احساس ہوا کہ "دوسروں" کی شادی میں ہر کوئی خوش ہوتا ہے۔ ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھپکا۔

"یو آر ویری لکی ثانیہ۔ اتنے اچھے انسان کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہیں۔"

وہ جذب سے بولی۔ ثانیہ بمشکل مسکراہٹ برقرار رکھے ہوئے تھی۔

"جب میرا نکاح ہوا تب میں بہت ڈیپریسڈ تھی۔ کوئی احساس ہی نہیں ابھرا دل میں ماسوائے خوف کے۔ آئندہ زندگی کا خوف۔ معیز کے متوقع رویے کا خوف۔"

ایہا نے اداسی سے کہتے آخر میں جھرجھری سی لی۔

"مگر اب میں اس وقت کو یاد کرنا نہیں چاہتی۔ اللہ پاک نے اگر مجھ پر آزمائش ڈالی تھی تو اب مجھے خوشی بھی عطا

کردی ہے اور نعمتوں کی ناشکری نہیں کیا کرتے۔"
وہ کھل کے مسکرا رہی تھی۔
اور ثانیہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد اس کے دل میں بھی تو عون کے متوقع رویے کا خوف ہی۔۔۔ اس نے سوچا اور اداس سی ہو گئی۔
اسے بھی تو ایک اچھے انسان کی صورت اللہ تعالیٰ نے نعمت بخشی تھی۔ اور بدلے کی جنگ میں وہ کیسے اس کے میٹھے جذبوں کو روندتی اور کڑواہٹ کا شکار کرتی رہی تھی۔
"میں آپ کی شادی کی بہت اچھی شاپنگ کروں گی اور عون بھائی کی سالی بھی میں ہی بنوں گی۔ ہے نا ثانیہ۔۔۔"
ابیہا پر جوش تھی اور وہ اسے خالی نظروں سے دیکھتی اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سیفی کی "آپا" سے ہونے والی ملاقات نے رباب کو بہت متاثر کیا تھا۔ ان کا ماڈرن انداز ان کا لباس قیمتی جیولری اور ان کا رکھ رکھاؤ اور واپسی پر انہوں نے زبردستی رباب کو ڈائمنڈ کے ٹاپس اور بریسلٹ گفٹ کیے تھے۔
"اس کی کیا ضرورت ہے آپا۔" رباب نے ایک نظر خوب صورت تحفے پر ڈالی تو اس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی۔ مگر یوں پہلی ہی ملاقات میں اتنا قیمتی تحفہ لینا۔۔۔ دل تو چاہ رہا تھا فوراً "قبول کرلے" مگر اسے معیوب لگ رہا تھا۔ "یہ ہمارے گھر کی روایت ہے رباب۔ ہونے والی بہو گھر سے خالی ہاتھ جائے، ہمیں اچھا نہیں لگے گا۔"
وہ بڑے خوب صورت اور شیریں انداز سے بولیں تو رباب نے بے اختیار مسکرا کر ساری باتیں سنتے سیفی کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھ دبادی۔ وہ بوکھلا کر آپا کی طرف متوجہ ہو گئی۔
واپسی پر وہ سیفی سے الجھی۔
"یہ کیوں کہا تم نے آپا سے۔۔۔ بہو والا چکر۔۔۔ شادی وادی کا خیال تو ابھی میرے ذہن میں بھی نہیں ہے۔"
"کم آن جانی۔۔۔ جب موڈ بنے گا تب کرلینا۔ شادی کا کیا ہے۔"
وہ اسے بہلاتے ہوئے بولا۔
اور بعد میں اسکائپ پر اپنی فرینڈز کو سیفی کی آپا کا دیا ہوا تحفہ دکھاتے ہوئے وہ سیفی کے جذبات کا مذاق اڑاتی رہی اور اپنی ہوشیاری پر ان کی داد وصول کر کے رباب کا حوصلہ اور بڑھا۔
کاش کہ ایک بار بھی اس کے ذہن میں یہ بات آجاتی کہ مفت میں اتنے مہنگے تحفے دینے والے وقت آنے پر ان کی بہت بھاری قیمت وصول کیا کرتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

" پھپھو بتا رہی تھیں تم نے انہیں بہت تنگ کیا ہوا ہے۔"
کھانے کے بعد چائے کے دوران بڑی بے تکلفی سے عمر نے سفینہ بیگم کے سامنے ہی موضوع چھیڑ لیا تو وہ شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔ اسے اچھی طرح سمجھ آگئی تھی کہ عمر کو کیوں کر "امپورٹ" کیا گیا تھا۔
"بچے اپنی ماؤں ہی کو تنگ کیا کرتے ہیں آئی تھنک۔" معیز نے اپنا کپ اپنے آگے گھسیٹا۔
"تنگ کرنے اور زندگی اجیرن کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے عمر! اس سے کہو۔" سفینہ بیگم چیخ کر بولیں۔
"بہت خوب۔۔۔ تو اب یہ ہمارے درمیان "آربیٹر" کا رول پلے کرے گا۔"
"کم آن معیز۔۔۔ پھپھو نے بتائی ہے مجھے ساری بات، ختم کر اس قصے کو یار۔۔۔"
عمر لاابالی تھا۔ سو اس کے مشورے بھی ایسے ہی تھے چٹکی بجا کے یہ کرنے اور چٹکی بجا کے وہ کر دینے والے۔

"وہ میرا مسئلہ ہے۔ تم بیچ میں مت پڑو۔ اس کام کے لیے تو نہیں آئے ہو گے تم؟" معیز نے طنز کیا۔
"او نو۔ میں تو لمبی چھٹیاں گزارنے آیا ہوں پاکستان۔" وہ اطمینان سے بولا۔ مگر اس کی چمکتی آنکھیں اس کی بات کی نفی کر رہی تھیں۔
معیز کو کوفت کا احساس ہوا۔ عمر کا لاابالی پن اور شرارتیں کسی زمانے میں معیز کو بہت اچھی لگا کرتی تھیں' لیکن اب اگر وہ ماما کے کہنے پر ایسے والے معاملے میں بھی ٹانگ اڑانے کا ارادہ رکھتا تھا تو یہ اچھی بات نہ تھی۔
معیز کپ خالی کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
"تو ٹھیک ہے' پھر کوشش کرنا کہ اچھی سی "چھٹیاں" ہی گزارو۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا تو سفینہ تلملائیں۔
"دیکھا تم نے۔ اب تو میرا وہم نہیں کہو گے نا تم۔" اور عمر کیا کہتا وہ تو معیز کو اس لڑکی کے ساتھ گاڑی سے اترتے دیکھ چکا تھا۔
"ابھی تو میں یہیں ہوں پھپھو! اچھی طرح دیکھ لوں گا اس کو۔"
اطمینان سے کہا تو وہ اس کے کہے پر اطمینان لے آئیں۔ اپنے بھتیجے کی صلاحیتوں پر انہیں بہت اعتماد تھا۔ باقی کی ساری رپورٹ اسے ایراز اور زارا سے مل گئی تھی۔
"مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی کہ جب اللہ نے معیز کے لیے ایک راہ متعین کر دی ہے تو وہ اس سے بھاگ کیوں رہا ہے؟" یہ عمر کا تجزیہ تھا۔
"ان کی کمٹ منٹ ہے کسی اور سے۔" زارا نے رباب کا نام لیے بغیر دبے لفظوں کہا تو عمر کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی۔
"آئی سی۔"
"لیکن آپ یہ بات انہیں جتایے گا مت عمر بھائی۔" زارا نے اس کی مسکراہٹ کا رنگ جانچتے ہوئے اسے ساتھ ہی متنبہ کر دیا تھا۔ عمر نے ہاتھ ہلا کر گویا کان سے مکھی اڑائی۔
"ماما تو ایسے ہی پریشان ہو رہی ہیں' جبکہ بھائی کہہ چکے ہیں کہ وہ اس معاملے کو جلد ہی ختم کر دیں گے۔"
ایراز کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا۔ اسے معیز کی شادی برقرار رہنے سے کوئی ایشو نہ تھا۔
"ہاں۔ میں نے بھی ماما کو سمجھایا ہے۔ جس قسم کے حالات میں بھائی نے یہ قدم اٹھایا' سب ہی جانتے ہیں اور پھر اگر انہوں نے اس شادی کو نبھانا ہوتا تو اسے سیدھا اس گھر میں لاتے' مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔" زارا نے کہا۔
"ویسے اگر تم دونوں اس لڑکی کی بات کر رہے ہو جسے میں نے پورچ میں دیکھا تھا تو پھر معیز کی بدذوقی پر مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسے چھوڑنا چاہتا ہے۔" عمر نے گہری سانس بھری۔
"ہاں۔ خوب صورت تو بہت ہے وہ۔" زارا نے بھی اعتراف کیا تھا۔
"چلو۔ دیکھتے ہیں پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر موضوع بدلتے ہوئے ایراز سے کہا۔
"اور تم چلو میرے ساتھ ذرا۔ عصر کی نماز کے بعد قبرستان جانا ہے میں نے۔ سب عزیز و اقارب کی قبروں پر فاتحہ خوانی کرنی ہے۔"
وہ جب بھی پاکستان آتا' یہ اس کا معمول تھا۔ سو ایراز سر ہلا کر وضو کرنے اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"آج ریسٹورنٹ مت آنا تم۔"

ابا نے ناشتے کی ٹیبل پر اخبار پڑھنے کے دوران یوں کہا جیسے اخبار ہی کی کوئی سرخی با آواز بلند پڑھ کے سنائی ہو۔

"یہ کس نے کہا صدر پاکستان نے یا وزیر اعظم نے؟" عون یوں چونکا' جیسے ان کی بات سمجھ میں ہی نہ آئی ہو۔ بھابھی کی ہنسی اور امی کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔ ابا نے اخبار نیچے کر کے اسے گھورا تو وہ مؤدب ہوا۔

"یوں ہی۔۔۔ معلومات میں اضافے کے لیے پوچھ رہا تھا۔" اور دل جمعی کے ساتھ فرنچ ٹوسٹ کے ساتھ نبرد آزما ہو گیا۔

"اپنی ماں سے پوچھ لینا آج کا پروگرام۔۔۔ ریسٹورنٹ سے چھٹی ہے تمہاری۔ مزید کوئی سوال مت کرنا۔" انہوں نے گھما پھرا کر اپنے مخصوص انداز میں رعب سے کہا۔ تو عون نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر معصومیت سے بولا۔

"جی ابا جی۔۔۔ آپ نے کہہ دیا اور میں فوراً" سمجھ گیا۔ لیکن جاننا صرف یہ تھا کہ یہ صرف آج کی چھٹی ہے یا "پکی" والی۔"

"اف۔۔۔" بھابی نے چہرہ موڑ کر بمشکل ہنسی چھپائی۔

"یہ دیکھ رہی ہو اس نالائق کو۔ مجال ہے جو سیدھی بات سمجھ جائے۔"

ابا نے ہمیشہ کی طرح امی کو درمیان میں ڈالنا فرض خیال کیا۔ وہ ابا کی پہیلیوں پر پہلے ہی جز بز ہو رہی تھیں' بول اٹھیں۔

"سمجھ تو گیا ہے۔ آپ ہی مشکل باتیں کرتے رہتے ہیں۔ بے چارے سے۔ سیدھے سے کہہ دیتے کہ آج ریسٹورنٹ سے چھٹی کر کے ثانیہ کو ساتھ لے جانا شاپنگ کے لیے۔"

"لو جی۔" عون صاحب کے تو کانوں کے کہیں آس پاس ہی دھماکا ہوا تھا۔

بھابھی نے شوخی سے اسے دیکھا۔ مگر ادھر کہیں "گلاب" کھلے ہوتے تو چہرہ چمکتا نا۔ سنبھلتے ہوئے بولا۔

"وہ کون سا بچی ہے۔ جو خود سے اپنی شاپنگ نہیں کر سکتی۔"

"اب یہ بھی آپ سمجھائیں گی اسے یا پھر میں ہی زحمت کروں؟" ابا نے طنزاً" امی کو مخاطب کیا تو انہوں نے عون کو گھور کے دیکھا۔

"بیٹا۔۔۔ یہ تم دونوں کی شادی کی شاپنگ ہے۔ میرا دل تھا کہ کپڑا اور زیور ثانیہ کی پسند کا ہی آئے۔"

"تو آپ لے جا کے دلوا دیں نا۔ میں کون سا شاپنگ ایکسپرٹ ہوں۔"

عون نے صاف جواب دیا تھا۔ بھابی کھنکھاریں۔

"میں ساتھ جانے والی تھی عون' لیکن دونوں ہی بچوں کی طبیعت ذرا ٹھیک نہیں ہے۔ تم ثانی کو لے جا سکتے ہو۔"

بھابھی نے جس انداز میں لفظوں پر زور دے کر کہا عون بخوبی سمجھا۔

مگر وہ کیا کرتا۔ مجبوری بن آئی تھی۔ وہ دل ہی نہیں رہا تھا۔ جو اس کے ساتھ کو "خوش خبری" سمجھ کر کھل اٹھتا۔ پہلے یہ موقع ملا ہوتا تو وہ سر کے بل چل کے ثانی کے ساتھ جاتا۔ مگر اب تو فی الحال دل کے تار بالکل خاموش تھے۔ کسی بھی ردھم کو چھیڑنے میں ناکام۔

"میں یہ سر کھپائی نہیں کر سکتا بھابی! آپ کسی اور دن کا پروگرام رکھ لیں۔ بچے بھی تب تک ٹھیک ہو جائیں گے۔"

عون کے صفا چٹ جواب پر ابا' امی اور بھابھی نے جس طرح بے یقینی سے گھور کے اسے دیکھا وہ گڑبڑا سا گیا۔

"میرا مطلب ہے کہ لیڈیز کی شاپنگ میں میرا کیا کام؟" معصوم شکل بنا کر جواز پیش کیا۔
ابا لمحہ بھر اسے گھور کر گویا اس کے "پوشیدہ عزائم" کا اندازہ کرتے رہے' پھر اخبار تہ کر کے رکھتے ہوئے اطمینان سے بولے۔
"شاپنگ وہ کرے گی اپنی پسند کی۔ تم صرف ڈرائیور کے طور پہ اس کے ساتھ جاؤ گے۔"
"لو جی۔۔۔" ابا تو عزت کا بھرتا بنانے کے ماہر تھے۔ بھابھی قہقہہ لگا کے ہنسیں۔
"آپ بڑا اچھا پیسٹ استعمال کرنے لگی ہیں۔ دانت چمکانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتیں۔"
ابا کے اٹھتے ہی ضبط کر کے بیٹھا عون بھابھی سے الجھنے لگا تو وہ اور ہنسیں۔
"عزت راس نہیں آئی تمہیں۔ اچھا بھلا موقع مل رہا ہے شادی سے پہلے ملاقات کا اور تم ہو کے دے بہانے پہ بہانہ۔"
"کوئی ناراضی تو نہیں کر رکھی ثانی سے۔" امی کو یوں ہی خیال سا گزرا۔
"کوئی نہیں۔۔۔ ناراضی ہوتی تو آپ کی بہو رانی کے تیور ہی ظاہر کر دیتے۔ اس نے تو ادب سے سر جھکا کے رخصتی کی ہامی بھری ہے۔"
بھابھی نے مسکرا کر ثانیہ کی تعریف کی تو عون کا دل سلگا۔ کیسے وہ سب کی نظروں میں معتبر بن بیٹھی تھی۔ اب اگر عون اعتراض کرتا تو ساری بات عون پر ہی آنے والی تھی۔ ثانیہ نے تو فرماں برداری سے سر جھکا دیا تھا۔ وہ دانت پیس کے رہ گیا۔
"اچھا۔۔۔ لے جاؤں گا شہزادی صاحبہ کو شاپنگ پہ۔۔۔ بلکہ ابا کہیں تو شہزادی صاحبہ کے وزٹ کے لیے شاپنگ مال بھی خالی کروالوں گا۔ سیکیورٹی کے پیش نظر۔"
"ہاں۔۔۔ تمہاری اتنی اوقات۔۔۔ جتنا کہا ہے اتنا ہی کرو۔۔۔ اور ڈرائیونگ دھیان سے کرنا۔"
ابا ریسٹورنٹ کے لیے نکل رہے تھے۔ طنزاً" ہنکارہ بھرتے ہوئے بولے تو وہ تلملا اٹھا۔
مگر اب کی بار ابا کے جانے کا پکا یقین کر لینے کے بعد اگلا جملہ بولا۔
"ایک ابا اور دوسری ابا کی بھانجی۔۔۔ فوٹو کاپی ہیں ایک دوسرے کی۔"
"وضاحت کرو۔۔۔ وضاحت۔"
بھابھی نے شور مچایا۔ امی کو تو سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔ وہ بھابھی کو منہ چڑاتا اٹھ گیا۔
ابھی جا کے ثانی سے دو دو ہاتھ کرنے تھے' اسے خیال آیا اچھا خاصا موقع مل رہا تھا۔ ثانیہ سے بات کرنے' بلکہ اس کا دماغ درست کرنے کا۔
معیز اور ابیہا کی ٹائمنگ میں فرق کی وجہ سے معیز نے ڈرائیور کو کہہ دیا کہ وہ ابیہا کو اکیڈمی پک اینڈ ڈراپ کر دیا کرے۔ سفینہ بیگم تک یہ بات پہنچی' اب انہوں نے جانے کیسے برداشت کر لیا یا شاید وہ سب اپنے بھتیجے پر چھوڑ بیٹھی تھیں' جو انہیں "سب ٹھیک ہو جائے گا" کا اشارہ دے رہا تھا۔ معیز نے آفس جا کے ابیہا کو کال کی۔
"ڈرائیور سے کہہ دیا ہے میں نے۔ ایڈریس بھی سمجھا دیا ہے۔ باقی تم دیکھ لینا۔"
"جی۔۔۔ شکریہ۔۔۔" وہ متشکر تھی۔
اور اب وہ تیار ہو کر بھاگم بھاگ پورچ میں پہنچی۔ رات کے لیے سالن بناتے کافی دیر ہو گئی تھی۔
وہ چلتے چلتے موبائل بیگ میں رکھتی گاڑی تک پہنچی تو فائل گرتے گرتے بچی۔ ڈرائیور نے اسے دیکھ کر ہی گاڑی اسٹارٹ کی تھی شاید۔
وہ پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی' اور نوٹس کو سمیٹ کر ٹھیک سے پن اپ کر کے فائل میں سیٹ کیا۔

ڈرائیور گاڑی مین روڈ پر لے آیا اور اب وقتاً "فوقتاً" اسے بیک مرر میں سے دیکھ بھی رہا تھا۔
وہ فائل سیٹ پر رکھتی سیدھی ہو کر بیٹھی تو نظر بالکل غیرارادی طور پر بیک مرر میں جھانکتی ڈرائیور کی نظروں سے جا ٹکرائی۔

ابیھا نے سٹپٹا کر نظریں کھڑکی سے باہر مرکوز کر دیں۔ اب تو ابیھا کو بھی اکیڈمی کا راستہ یاد ہو گیا تھا۔ سو اس روڈ پر آتے ہی اس نے ڈرائیور کو باقی کا پتا سمجھایا اور اشارے سے بورڈ بھی دکھا دیا اکیڈمی کا۔
وہ نیچے اتری تو ڈرائیور بھی دروازہ کھول کے نیچے اترا۔
"واپسی کب ہو گی میڈم؟" یہ لب و لہجہ...... ڈیسنٹ اور شائستہ۔
ابیھا نے بے تحاشا چونک کر دیکھا تو خوش شکل اور خوش لباس سا بندہ۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔
"آپ ڈرائیور ہے...؟" (میرے کہنے سے باز ہی رہی) ڈرائیور نے ادب سے سر جھکایا۔
"جی میڈم! کتنے بجے پک کرنے آؤں آپ کو؟"
واپسی کا وقت بتا کر وہ اپنی حواس باختگی کو کوستی جلدی سے پلٹ کر گیٹ میں داخل ہو گئی۔
ڈرائیور کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ادھر ادھر نگاہ ڈالتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"اللہ کا واسطہ ہے ثانی۔ اچھی سی شاپنگ کرنا۔ شادی کے بعد میلاد ہی نہیں شادیاں بھی اٹینڈ کرنی ہوتی ہیں۔ کوئی شوخ سے رنگ لینا۔"
خالہ کی ہدایات کا سلسلہ ثانیہ کو ہدایات کم اور طنز زیادہ لگ رہا تھا۔
"میرے خیال میں شاپنگ پہ آپ ہی چلی جائیں۔" ثانیہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو وہ تحمل سے بولی۔ مگر ادھر بھی اسی کی خالہ تھیں اطمینان سے بولیں۔
"نازیہ کی شادی سے آگے جس طرح تم کپڑوں کے معاملے پہ اچھلی کودی تھیں اسی کے پیش نظر کہہ رہی ہوں کہ گرمیوں کے لیے لان اور سردیوں کے لیے لینن کاٹن نہ اٹھا لانا۔"
گاڑی کے ہارن پر وہ خالہ کو خفگی سے دیکھتی 'جلدی جلدی بالوں کو پونی میں قید کرنے لگی۔ خوب صورت بال اب کمر تک آنے لگے تھے۔ اس کے باوجود ثانیہ نے انہیں قینچی نہیں لگائی تھی۔ (عون کو پسند تھے لمبے بال) ورنہ اس سے پہلے تو وہ شانوں سے نیچے تک بڑھاتی اور بس۔ باقی کٹوا دیتی کہ سنبھالے نہیں جاتے۔
اب تو بال ہوں یا بات۔ سب سنبھالنا آ گیا تھا۔ گاڑی کا ہارن اب مسلسل بجنا شروع ہو گیا تھا۔
"نہ بھابھی میں صبر ہے نہ ان کے دیور میں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے بھاگی۔
وہ گیٹ سے باہر گاڑی لیے کھڑا تھا۔ ثانیہ کو غصہ آیا اسے دیکھ کر بھی ہارن پر سے ہاتھ نہیں اٹھایا تو وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے طنز سے بولی۔
"ہارن نیا لگوایا ہے یا تم پہلی بار بجا رہے ہو...؟"
"بے فکر رہو۔ تمہارے لیے نہیں۔ کسی اور کے لیے بجا رہا تھا۔"
وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اطمینان سے سامنے ٹیرس پر جنگلے سے لٹکتی خوب صورت دوشیزہ کو دیکھتے ہوئے بولا تو ثانیہ کا دل جل کر رہ گیا۔
یہ تو طے تھا کہ آج کا دن بڑا "یادگار" گزرنے والا تھا دونوں ہی کا۔
"بھابھی نہیں آئیں۔ مجھے تو ان کے ساتھ جانا تھا شاپنگ کے لیے۔" ثانیہ نے ماتھے پہ تیوری رکھتے ہوئے

یوں کہا جیسے عون کے ساتھ جانا پتا نہیں کتنا ناگوار ہو۔وہ بھی تپا۔ مگر اطمینان سے بولا۔
"وہی آرہی تھیں ابا نے زبردستی یہ "بلا" میرے سر منڈھ دی۔"
ثانیہ کا سر گھوما۔ مگر قدرے توقف سے وہ بولا۔
"شاپنگ کو کہہ رہا ہوں۔"
اب جس کو بھی کہہ رہا ہو' ثانیہ کے دل کو تو لگ ہی چکی تھی۔
"شادی کا شوق تو تھا نہیں تمہیں پھر یہ شاپنگ کا شوق کیوں؟"
عون تو پتا نہیں کیا سوچ کر آیا تھا۔ مگر ثانیہ نے بھی گویا قسم ہی کھالی تھی کہ کم از کم وہ رخصتی سے انکار نہ کرے گی۔ عون کو کرنا ہو تو کرے۔
"یونہی۔ سوچا شادی نہ سہی' کم از کم شاپنگ تو اپنی پسند کی ہونی چاہیے۔"
"اوہو۔ تو یہ بھی ارمان تھا۔ پسند کی شادی کا۔" عون نے بات اچکی۔ تو وہ برجستہ بولی۔
"ہاں۔ جیسے تمہیں تھا۔" ان ڈائریکٹ ارم والا طعنہ۔ عون اندر ہی اندر تلملایا۔
"دیکھو ثانی۔ تم نا صرف میری بلکہ اپنی بھی زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ انکار کر دیتیں تو ہم دونوں ہی خوش رہتے۔"
ضبط کرتے ہوئے سرد مہری سے کہا تو وہ خاموشی سے پورا باہر دیکھتی رہی جیسے "ثانی" کوئی اور ہو۔(تو وہ اس کے "بغیر" خوش رہنا چاہتا تھا)
ثانیہ نے لب بھینچے۔
خاموشی بسا اوقات بدگمانیوں کو بڑھا دیتی ہے۔ بات کرنے سے دل کی بھڑاس بھی نکلتی ہے اور دل میں پلتی بدگمانیاں بھی۔ سو جہاں ضرورت ہو وہاں بات ضرور کرنی چاہیے۔ تاکہ بھڑاس بھی نکلے اور بدگمانی بھی۔
دونوں ایک ساتھ مگر دونوں کی سوچ الگ الگ محو سفر تھی۔ ثانیہ نے بہت برے دل کے ساتھ شاپنگ کی اور عون بھی ساتھ یونہی چلتا رہا جیسے شاپنگ بیگز پکڑنے آیا ہو اور بس۔
آئندہ زندگی کا نقشہ ان دونوں کے سامنے واضح ہو کر آگیا تھا ثانیہ کے خود سر انداز نے عون کی بدگمانی کو مزید بڑھایا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈرائیور گاڑی کو اکیڈمی سے آگے لیتا چلا گیا تو ابیہا جو انہماک سے گزرتے نظاروں کو کھڑکی سے دیکھ رہی تھی چیخ اٹھی۔
"روکو۔ روکو گاڑی کو۔"
ڈرائیور نے فوراً" بریک پر پاؤں رکھ دیا۔
"کیا ہوا میڈم۔؟" وہ مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"اکیڈمی پیچھے رہ گئی ہے۔ گاڑی کہاں لیے جا رہے۔؟"
ابیہا نے اسے احساس دلایا تو وہ چونک کر اردگرد یوں دیکھنے لگا جیسے اسے پتا ہی نہ ہو۔ چار دنوں سے وہ اسے پک اینڈ ڈراپ کر رہا تھا۔ اور آج ایسی سنگین غلطی۔
"سوری میڈم۔ آج دراصل پریشانی کا شکار تھا۔ ذہن الجھا ہوا تھا اس لیے۔ سوری اگین۔"
وہ شرمسار سا معافی مانگنے لگا۔ ابیہا کا دل موم ہونے لگا۔

"کوئی بات نہیں۔ گاڑی پیچھے موڑلو۔"

وہ چپ چاپ گاڑی موڑنے لگا۔ پھر رہ نہیں سکا تو شکوہ کناں انداز میں بولا۔

"میڈم! آپ نے ایک بار بھی میری پریشانی کے بارے میں نہیں پوچھا۔"

ایبہا کے لیے اس کی بات بلکہ شکوہ انتہائی غیر متوقع تھا۔ پھر بھی وہ خفت کا شکار ہوئی۔

"مجھے کسی کے پرسنلز کے متعلق پوچھنا اچھا نہیں لگتا۔"

"غریب آدمی کا تو کچھ بھی پرسنل نہیں ہوتا میڈم۔" وہ آہ بھر کے بولا تو ایبہا نے اس کی پشت کو گھورا۔ مہنگی کٹنگ بہترین برانڈ کے کپڑوں اور جوتوں میں ملبوس۔ وہ گاڑی کے علاوہ کہیں اور ایبہا کو نظر آتا تو وہ اسے ڈرائیور تو قطعی نہ سمجھتی۔

وہ بیک ویو مرر میں سے ایبہا کو اپنا جائزہ لیتے دیکھ چکا تھا۔ بول اٹھا۔

"میرے حلیے پر مت جائیں میڈم۔ معیز صاحب کا ڈرائیور ہوں۔ ان کے اسٹینڈرڈ کے مطابق رہنا پڑتا ہے مجھے۔" اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

"مسئلہ کیا ہے۔ آئی مین کیا پریشانی ہے تمہیں؟" ایبہا کو تو ہر غریب آدمی قابل ہمدردی ہی لگتا تھا۔ وہ جس بھوک اور افلاس کو دیکھ آئی تھی وہاں سے ہر ایک کو اٹھالینا چاہتی تھی۔

آگے سے ڈرائیور نے گھریلو حالات کی تنگی، بہن کی شادی اور الابلا مسائل کا ڈھیر اس کے سامنے یوں لگا دیا جیسے وہی اس کی مالکن ہو۔

اور مالکن صاحبہ نے بھی اترتے ہوئے کمال فراخ دلی سے پانچ ہزار کا نوٹ ڈرائیور کو مرحمت فرمادیا۔

ڈرائیور کا منہ حیرت کے مارے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"دیکھیں محترمہ! میں۔"

"کچھ مت کہو۔ فی الحال میرے پاس یہی تھے رکھ لو۔ جب تمہاری بہن کی شادی ہوگی تو مجھے بتانا۔ میں کچھ کروں گی اس کے لیے۔"

وہ ہمدردی سے کہتی اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ ڈرائیور نے نوٹ الٹ پلٹ کر جائزہ لیا لگ تو اصلی ہی رہا تھا۔ وہ متاثر سا گاڑی میں جا بیٹھا اور۔

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس "مہربان پری" کے متعلق سوچتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆ ☆ ☆

رباب کا رزلٹ آؤٹ ہوگیا تھا۔ اور رزلٹ دیکھ کر رباب کا دماغ ہی آؤٹ ہوگیا۔ پوزیشن ہولڈر رہنے والی اسٹوڈنٹ اسٹیٹس میں اڑتے اڑتے بچی تھی۔ باقی سبجیکٹس میں اچھے مارکس تھے مگر اس بار اس کی کوئی پوزیشن نہیں بنی تھی۔

کلاسز بنک کرنا، کالج آورز میں اپنے "ٹارگٹ" پورے کرنا۔ ساری خرافات رزلٹ والے دن رنگ لائی تھیں۔

گھر والوں کی سخت سست سننا پڑیں اور اس نے بھی سب کو منہ توڑ جواب دیے۔

"بہت بڑھتی جارہی ہو تم رباب۔ ذرا رنگ ڈھنگ بدلو اپنے۔ باپ بھائیوں نے سر پہ چڑھا رکھا ہے تمہیں۔"

ماں نے اس کے لاڈلے پن کو ایک طرف رکھتے ہوئے اچھی طرح جھاڑا تھا۔

"فار گاڈ سیک ماما۔ مجھے اپنے طور سے اپنی زندگی جینے دیں۔ میری زندگی میں اپنے فل اسٹاپ اور کوماز لگانے کی کوششیں مت کریں۔" وہ بدتہذیبی سے بولی۔

اسے حیرت ہوئی۔ اسے مختلف چیلنجز دینے والی اور ہر ٹارگٹ کے لیے بیک اپ کرنے والی اس کے گروپ کی تینوں لڑکیوں کے بہت اچھے مارکس آئے تھے۔

اب جو بھی ہوا ہو۔ گھر والوں کو جتنے بھی منہ توڑ جواب دیے ہوں مگر اس کا دل بجھ گیا تھا۔

سفیر احسن کا فون آیا۔ اس نے ڈانٹا تو نہیں مگر حیرت زدہ وہ بھی بہت تھا۔ اس نے رباب کو پڑھائی کی طرف دھیان دینے اور آگے ایڈمیشن لینے پر لمبا سا لیکچر دیا تھا۔ سو آج رباب کا موڈ بہت خراب تھا۔ اسے اس وقت کسی اچھے دوست کی بہت سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے معیز کو کال کی۔

پہلے دوبار تو اس نے کال اٹینڈ ہی نہیں کی۔ تیسری بار اٹینڈ کی بھی تو مختصر سا جواب دیا۔

"سوری۔ اس وقت ارجنٹ اینڈ امپورٹنٹ میٹنگ ہے' بعد میں بات کروں گا۔"

وہ لائن ڈراپ کر چکا تھا اور رباب کا چہرہ مارے ہتک کے تپنے لگا۔

معیز نے اس کا ایک لفظ بھی سننے کی زحمت نہ کی تھی' اسے اپنا آپ کسی فقیرنی سے مشابہ لگا۔ جو بھیک کے لیے کسی کے پیچھے بار بار لپکتی ہے اور وہ اسے بار بار دھتکارتا ہے۔

اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔

میں اس قدر گر گئی ہوں۔ میں۔ جس کے ایک اشارے پر لڑکے دم ہلاتے چلے آتے ہیں۔ اور یہ معیز احمد۔ آئی ہیٹ ہم۔

اسے معیز احمد سے اچانک نفرت محسوس ہوئی۔

وہ چاہنے والا ہی کیا جسے میں پکاروں اور وہ سر کے بل حاضر نہ ہو۔ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ اس نے سیفی کو کال کی۔

"ڈارلنگ۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔" وہ کھل اٹھا۔ رباب کو ڈھارس ملی۔

"کیا کر رہے ہو۔؟"

"ایک بزنس ڈیلی گیشن کے ساتھ میٹنگ ہے' بس اس کے بعد فری ہوں۔" وہ چہکا۔

"کینسل کر دو سیفی۔ میرے لیے۔ میں فوری طور پر تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تو دل کہیں اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

"آر یو اوکے سویٹ ہارٹ۔؟" وہ پریشان ہوا۔

"تمہاری میٹنگ۔؟" رباب نے پوچھنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"بھاڑ میں گئی میٹنگ اور فارن ڈیلی گیشن۔ تم بتاؤ کہاں ہو؟ میں آ رہا ہوں ابھی۔"

اس کے انداز میں اس قدر بے تابی تھی کہ رباب جیسے زندہ ہو اٹھی۔ امید و ناامیدی کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا دل' نئے خون سے بھر کر توانا ہوا تھا۔

"اور تمہیں تو میں کبھی معاف نہیں کروں گی معیز احمد۔" تیار ہوتے ہوئے اس نے کئی بار سوچا تھا۔

وہ کینہ پرور تھی۔ اپنے سود و زیاں کا حساب رکھتی تھی اور بس۔ اس وقت اسے ذہنی و جذباتی سہارے کی ضرورت تھی' معیز سے نہ مل سکا تو وہ چٹکی بجاتے دل سے اتر گیا۔ اس نے بے پناہ جذباتیت اور انا پرستی سے کام لیتے ہوئے آج سے معیز احمد کو اپنی "ہٹ لسٹ" میں رکھ لیا تھا۔

"کون تھی ؟"

میم نے فون بند ہوتے ہی استفہامیہ انداز میں سیفی کو دیکھا تو وہ معنی خیزی سے مسکرا دیا۔

"بلبل نوخیز تھی۔ رباب احسن۔"

میم کے ہونٹوں پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہوں۔ تو یہ فارن ڈیلی گیشن سے میٹنگ کے بھرم اسے کرائے جا رہے تھے۔"

"چڑیا خود جال میں پھنسنے کو تیار ہے میم۔ اوہ سوری آپا۔"

وہ ذو معنی انداز میں کہتے ہوئے آخر میں جلدی سے تصحیح کرتے ہوئے بولا تو میم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے بولیں۔

"اس بار بی کیئرفل سیفی۔ چڑیا اڑنے نہ پائے۔ وہ لڑکی ایبہا یاد ہے نا' کیسا دھوکا دے گئی تھی۔"

"وہ ناکامی تو میرے دل پہ لکھی ہوئی ہے میم۔ ڈونٹ وری اس بار بہترین "پیس" ہے۔ سب ازالہ ہو جائے گا۔"

سیفی نے انہیں تسلی دلائی۔ تو انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

میٹنگ سے فارغ ہو کر اپنے آفس کی طرف آتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار رباب کا نمبر ملایا مگر دوسری طرف سے کال اٹینڈ نہیں کی گئی تو وہ جھنجلا سا گیا۔

"شٹ یار۔ ایک تو غصہ اس لڑکی کی ناک پہ دھرا رہتا ہے۔ ذرا جو سمجھ داری اور ٹھنڈے پن سے کام لیتی ہو۔"

وہ جلتا کڑھتا اپنی چیزیں سمیٹتا۔ آفس سے نکل آیا۔ راستے میں رباب کی ناراضی دور کرنے کے خیال سے وہ سرخ گلابوں کا بکے لینے کے لیے رکا۔

سگنل پہ گاڑی رکی تو اس نے ایک بار پھر رباب کو کال ملائی' مگر اب کی بار بھی اس نے کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔ سگنل گرین ہوا۔ سب گاڑیاں چل پڑیں۔ دفعتاً" اپنے دائیں طرف سے آگے نکلنے والی گاڑی میں بیٹھی لڑکی پر نگاہ پڑی تو وہ حیران سا ہوا۔ مگر ششدر تو تب رہ گیا جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھا۔ وہ مارے صدمے یا شاید شدید حیرت کے گاڑی چلانا بھول کر دور جاتی گاڑی کو دیکھتا اس معمے میں الجھا تھا۔ پیچھے سے گاڑیوں نے متواتر ہارن بجانے شروع کیے تو وہ ہوش میں لوٹتا جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ایبہا ابھی فریش ہو کے واش روم سے نکلی ہی تھی جب اس نے ڈور بیل کی آواز سنی۔

اس کے خیال میں ثانیہ تھی' مگر دروازہ کھلتے ہی معیز کو سامنے پا کر وہ حیران ہو گئی۔

"اب سامنے سے ہٹو گی بھی یا یہیں جم کے کھڑی رہو گی؟" وہ اسے "ایستادہ" دیکھ کر چڑتے ہوئے بولا تو ایبہا خفیف سی ہوتی سائیڈ پر ہو گئی۔

وہ سوٹڈ بوٹڈ تھا۔ یعنی آفس سے سیدھا ادھر ہی آ رہا تھا۔

ایبہا کے دل کو انجانی سی مسرت گھیرنے لگی۔ آج کتنے دنوں کے بعد وہ دکھائی دیا تھا۔ وہ آ کر لاؤنج کے وسط میں کھڑا ہو گیا اور ایبہا کو دیکھنے لگا۔ وہ جو اس کے پیچھے ہی آ رہی تھی اپنی جگہ تھم گئی۔ (اور دل بھی)

"آج کہاں گئی تھیں تم۔؟"

وہ پوچھ رہا تھا۔ ایبھا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اکیڈمی گئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔"

"کس کے ساتھ گئی تھیں۔ بلکہ کس کے ساتھ آئی ہو؟"

معیز کے انداز میں محسوس کن سختی تھی۔ ایبھا کا دل لرزا۔

"ڈرائیور کے ساتھ۔" اٹک کر کہا۔

وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا۔ اب وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"واپسی پر کس کے ساتھ آئی ہو۔؟"

اس نے پھر سے پوچھا تو ایبھا پریشان سی ہو کر بولی۔

"آپ کے ڈرائیور کے ساتھ ہی آئی ہوں۔ آپ پوچھ لیں اس سے۔"

"تم میرے نکاح میں ہو۔ جانتی ہو نا تم۔؟"

معیز نے بے اختیار سخت لہجے میں کہتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر جھٹکا سا دیا تو وہ برافروختہ ہو گئی۔ وحشت زدہ آنکھوں سے اسے دیکھا جو اسے گھورتے ہوئے جیسے سچائی کی تہہ میں اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور جب تک ہو۔ کوئی بے ایمانی کی تو جان سے مار ڈالوں گا۔"

ایبھا کی تو ابھی سے جان نکلنے لگی۔ جانے کیا ہو گیا تھا جو اسے کوئی بھی "لڑکا" ڈھونڈنے کی آزادی دینے والے معیز کو اس قدر بھڑکا گیا تھا۔

"ہوا کیا ہے معیز! میں تو سیدھی گھر آئی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ لب بھینچے اسے گھورنے لگا حتیٰ کہ وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کے رو دی۔ وہ گہری سانس بھرتا پیچھے ہٹا۔

اس نے کسی کو کال کی۔

"ٹیکسی میں آؤ ذرا۔"

ایبھا نے سنا وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے دوپٹے سے چہرہ رگڑا۔ اور معیز کو دیکھا۔

"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔ کیا بات ہوئی ہے؟" رندھے لہجے میں بولی۔

وہ تنے ہوئے تاثرات لیے یونہی اسے دیکھتا رہا جیسے پولیس اپنے مجرم کو دیکھتی ہے۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"آجاؤ!" کوئی اندر آیا تو ایبھا بے اختیار معیز کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وہ کوئی آدمی تھا۔

"میڈم کو پک اینڈ ڈراپ کر رہے ہو تم۔؟" معیز نے سخت لہجے میں پوچھا تو ایبھا نے کرنٹ کھا کر معیز کا چہرہ دیکھا۔

"سر جی! میں تو ایک ہفتے کی چھٹی پر تھا۔ میرے ہاں بیٹا ہوا ہے کب سے چھٹی مانگ رہا تھا بیگم صاحبہ نے دے ہی دی۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"ہوں۔ جاؤ تم۔" معیز کی پیشانی پر شکن تھی۔ وہ آدمی چلا گیا۔ ایبھا کا دل اتھاہ گہرائی میں ڈوبنے لگا۔

"یہ ڈرائیور تھا۔"

معیز نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اگر یہ ڈرائیور تھا تو ایک ہفتے سے وہ کس کے ساتھ سفر کرتی رہی تھی؟؟

"اب تم بتاؤ۔ تم کس کے ساتھ آتی جاتی رہی ہو؟" معیز نے سختی سے پوچھا تو اس کا سر چکرانے لگا۔ وہ

صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ چند ثانیوں تک وہ اسے گھورتا رہا۔

"مجھے نہیں پتا۔ اس دن میں پورچ میں گئی تو کوئی اور ڈرائیور گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہی مجھے پک اینڈ ڈراپ کرتا تھا۔"

ایبہا کی رنگت سفید پڑ گئی۔ وہ در حقیقت بہت خوف زدہ ہو چکی تھی۔ اس کی بات سن کر۔

معیز کو فوراً" ہی سارا معاملہ سمجھ میں آگیا۔

"اس کی تو۔" وہ لب بھینچتا تیز قدموں سے نکل گیا تھا۔ ایبہا متحیر اور پریشان سی دروازے تک آئی۔ وہ تو سارے معاملے کو قطعاً" سمجھ نہیں پائی تھی۔

وہ سیدھا ٹی وی کے سامنے نیم دراز پائن ایپل سے شغل کرتے عمر کے سر پر جا پہنچا۔

چند لمحے اسے گھور کے دیکھا تو اس نے ناچار ٹی وی اسکرین پر سے نظر ہٹائی۔

"پائن ایپل چاہیے۔؟" اس نے پائن ایپل کا ٹکڑا کانٹے میں پھنسا کر اسے دکھایا۔

"یہ کیا کھیل شروع کر رکھا ہے تم نے عمر۔؟" معیز نے دانت پیسے۔

"کیا۔ کون سا کھیل؟" عمر نے چونکنے بلکہ حیران ہونے کی بھونڈی اداکاری کی۔ تو معیز کو اور غصہ آیا۔

"تم ایبہا سے دور رہو عمر۔! وہ میری بیوی ہے۔" بھنچے بھنچے لہجے میں کہا۔ عمر کی فلرٹی طبیعت سے اس سے زیادہ اور کون واقف تھا۔

عمر نے پرسکون انداز میں اسے دیکھا اور اطمینان سے بولا۔

"ہاں۔ وہ بیوی جسے تم کسی بھی وقت چھوڑنے والے ہو۔" عمر کے انداز میں پتا نہیں کیا تھا جس نے معیز کو بھک سے اڑا دیا۔

وہ کم از کم ایک گھونسا تو اس کے منہ پر دے ہی مارتا اگر خود پر ضبط نہ کرتا۔

"میں نے کہا نا عمر۔ اس سے دور ہو۔ جب تک وہ میرے نکاح میں ہے۔" انگلی اٹھا کر سرسراتے لہجے میں کہا تو عمر نے معصومیت سے پوچھا۔

"پھپھو تو کہہ رہی تھیں، جونہی وہ کسی اور کو پسند کرلے گی شادی کے لیے۔ تم اسے چھوڑ دو گے۔"

"مگر وہ" کوئی اور "تم ہرگز نہیں ہو عمر۔ سمجھے تم۔" وہ دھاڑ کر کہتا ٹھوکروں سے چیزیں اڑاتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس کے پاس وقت نہیں تھا غور کرنے کے لیے آخر اسے اتنا غصہ کس بات پر آرہا ہے؟

عمر کے ہونٹوں پر محظوظ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ٹی وی کا والیم بڑھا کر وہ پھر سے اپنے پائن ایپل کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ چھٹی کے وقت اکیڈمی سے نکلی اور ڈرائیور کو ادھر ادھر تلاشا۔ وقت دیکھا تو ابھی دس پندرہ منٹ باقی تھے۔

اسے کوفت ہوئی۔ آج معیز نے خود خاص طور پر اسے ڈرائیور کے ساتھ بھیجا تھا۔

اور ایبہا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ کسی نقصان سے بچ گئی تھی۔

"ہیلو ایبہا مراد۔" مردانہ لہجہ اس کے پاس گونجا تو کرنٹ کھا کر مڑ کے دیکھتے اس کی جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الہڑسی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آ جاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں احناء سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے ان سے پیسے بٹور کر بلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہوکر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہوجاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید تپ پا ہوتی ہیں۔ معیز ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ ماردیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہوکر اس سے رابطہ کرتی ہے مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہوجاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتادیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہوپاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے مگر ثانیہ ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے، مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے، مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتی ہے۔ ارم کی بہن نیلم ایک اچھی لڑکی ہے، وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کر کے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کر رہا ہے۔ عزت کریں عون کی، اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

رباب، سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جا کر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں، جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آ کر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آ کر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔

اٹھارہویں قسط

وہ اپنی مخصوص "سب کچھ جان لینے والی" مسکراہٹ کے ساتھ ابیہا سے اسی بدحواسی کی توقع رکھے ہوئے تھا۔

"کیسی ہو....؟"

سن گلاسز بالوں پہ اٹکاتے عمر نے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

ابیہا کی خوف سے پھیلی آنکھیں تو شاید اسے نظر ہی نہیں آ رہی تھیں۔

"آپ.... آپ کیوں آئے ہیں؟ میں ڈرائیور کے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

اپنی فائل کو دونوں بازوؤں میں مضبوطی سے جکڑ کر سینے سے بھینچتی وہ ہراساں تھی۔

عمر محظوظ سا مسکرایا۔ پھر گویا بڑے صدمے سے پوچھا۔

"ویری بیڈ۔ کیا میں شکل سے تمہیں کڈنیپر (اغوا کار) لگتا ہوں؟"

ایبھا نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش یوں کی کہ عمر پر سے دھیان ہٹا کر اپنی گاڑی والے روٹ کی طرف دیکھا۔

"معیز نے آپ کو میرے متعلق بتا ہی دیا ہو گا۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ایبھا نے بے چارگی سے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ کیا بتاتی کہ معیز نے کیا کیا بتایا تھا۔

"میں اس کا سب سے اچھا کزن ہوں اور بہترین دوست۔" وہ خود ہی تفاخر سے بتانے لگا اور ایبھا دل ہی دل میں اپنی معلومات دہرانے لگی جو معیز نے مہیا کی تھیں۔ (چیپکو اور باتوں کی مشین)

"ہر ایک سے فرینڈلی ملتا ہوں) (فلرٹی ہے ایک نمبر کا)

"جی۔۔۔ بڑی اچھی بات ہے۔"

ایبھا نے اس کا عمر نامہ کاٹ کر بہ عجلت کہا۔ معیز نے اسے سختی سے ڈرائیور کے ساتھ آنے جانے کی ہدایت کی تھی۔ مگر یہ شیطان کا چیلا۔ پھر سے آن موجود ہوا تھا۔

خیر اب اتنی تسلی تو تھی کہ وہ فیملی ہی کا بندہ ہے اور اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

"میں ایکچوئلی آپ سے سوری کرنے آیا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا تو ایبھا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ عمر کو احساس ہوا کہ اس کی سیاہ آنکھیں کتنی خوب صورت ہیں اور گھنی پلکوں کی سیاہی کاجل کو مات کرتی تھی۔ وہ بات بھولنے لگا۔

"آئی مین۔ جو میں نے کیا۔ زبردستی تمہارا ڈرائیور بن گیا۔" وہ جو حیران سی تھی۔ اس کے چہرے پر پل بھر میں خفگی چھا گئی۔

"آپ کی وجہ سے مجھے ڈانٹ پڑی تھی معیز سے۔"

"رئیلی سوری۔ ایکچوئلی ڈرائیور کو چھٹی پہ جانا تھا' مگر تمہاری ڈیوٹی کی وجہ سے وہ جا نہیں پا رہا تھا۔ تو میں چونکہ ایک نہایت رحم دل انسان واقع ہوا ہوں تو میں نے سوچا کہ اس ڈرائیور سے بھی بھلائی کروں اور ایک رحم دل پری سے بھی۔"

وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

عمر نے اس کے چہرے کو چمکتے دیکھا۔

وہ بلاشبہ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ بنا میک اپ کے خوب صورت لڑکی۔۔۔ ویری اسٹرینج۔ عمر کا ہلکی سی سیٹی بجانے کو دل چاہا۔

"اور معیز ایسا ہی ہے اکڑو اور سڑیل۔ تمہیں ہی نہیں مجھے بھی ڈانٹا ہے اس نے۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے ہم کون سا اس کی ڈانٹ سے بدلنے والے ہیں۔۔۔ اور ہاں یہ۔۔۔"

وہ واقعی نان اسٹاپ بولتا تھا۔ پھر یکایک کچھ یاد آیا تو پینٹ کی جیب میں سے والٹ نکال کر ایبھا کا پانچ ہزار کا نوٹ لہرا کر مسکرایا۔

ایبھا جھینپ سی گئی۔ پھر شرمندہ سی بولی۔

"آپ نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔۔۔؟"

"یونہی۔۔۔ تمہاری رحم دلی کا لیول چیک کرنے کے لیے۔"

وہ لاپروائی سے بولا پھر نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔۔۔ زبردستی۔
ایبہا کو تو واپس لیتے شرم آ رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار ہنس دی۔
چمکتے موتیوں کی لڑی سے شفاف دانتوں کی قطار اور اس پر خون چھلکاتے رخسار۔
وہ عمر کے قریب کھڑی تھی اور عمر نے اس کا ہاتھ لحہ بھر کو تھام کر چھوڑا تھا۔
لحہ بہ لحہ نزدیک آتی گاڑی میں بیٹھے معیز کو یہی منظر دکھائی دیا تھا۔
اسٹیئرنگ وہیل پر اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی۔
اس نے ان کے بہت قریب لا کر گاڑی کو بریک لگائی تو عمر اچھل کر سڑک کے کنارے پر ہو گیا' جبکہ بنا شیشہ دیکھے بھی ایبہا کو اپنی فق ہوتی رنگت اچھی طرح محسوس ہوئی تھی۔
معیز کھا جانے والی نظروں سے ایبہا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھ کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔
عمر کے ہونٹوں پر بڑی محظوظ سی مسکراہٹ تھی وہ کھڑکی میں جھکا۔ پھر اس نے معیز سے مسکراہٹ چھپالی۔
"میں بھی بیٹھ جاؤں۔ مجھے بھی ڈراپ کر دینا۔"
بڑی منت بھری التجا تھی۔ معیز نے سلگتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اور ہلکے سے دانت پیس کر بولا۔
"تمہیں تو میں کہیں بہت دور جا کے "ڈراپ" کروں گا۔"
اور ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹا۔ لحہ بھر کھڑے ہو کر تیزی سے جاتی معیز کی گاڑی کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی کے چلتے ہی معیز بھی "اسٹارٹ" ہو گیا تھا۔
"میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ آئندہ سے تم ڈرائیور کے ساتھ آیا جایا کرو گی پھر وہ کیا کر رہا تھا یہاں؟"
ایبہا کا دل لرزنے لگا۔
"وہ۔۔۔ مجھے لینے نہیں آئے تھے۔ معافی مانگنے آئے تھے۔" ہمت کر کے معاملہ کھولا۔
معیز کو "صدماتی" حیرت ہوئی۔
"معافی۔۔۔ اور عمر۔۔۔؟"
"سوری کہہ رہے تھے۔ ڈرائیور بننے کی جو شرارت کی تھی اس کے لیے۔"
"شرارت۔۔۔ کمینگی کہو۔"
معیز نے دانت پیسے۔ جھٹکوں سے گیئر بدلتا وہ یقیناً" اپنا غصہ انہی پر اتار رہا تھا۔ عمر کی گردن تو فی الوقت میسر نہ تھی جو مروڑ ڈالتا۔

اتنے صاف لفظوں میں دی جانے والی وارننگ کے باوجود وہ پھر سے ایبہا کی راہ میں آ کھڑا ہوا تھا۔
"نن' نہیں' بدتمیزی تو کبھی نہیں کی تھی انہوں نے۔" ایبہا کو خفت کا احساس ہوا۔
"بے ہودہ ہے اول نمبر کا۔۔۔ ابھی بھی اتنے پاس کھڑا تھا تمہارے۔۔۔"
بے اختیار ہی وہ غصے سے بولا مگر پھر کہتے کہتے احساس ہوا کہ وہ کس "کھاتے" میں اتنا تپ رہا ہے تو یک لخت چپ ہو گیا۔
"وہ مجھے پانچ ہزار دے رہے تھے۔" ایبہا کے اگلے جملے نے معیز کا دماغ سنسنا دیا۔

"کس بات کے___؟"

وہ مجوب سی ہوئی۔ معیز کی تیز نگاہ بیک ویو مرر میں اسے وقتاً"فوقتاً" دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی پڑتا چہرہ دیکھ کر کسی عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے معیز نے بے اختیار ہی سڑک کے ایک طرف گاڑی روک دی۔ ایبہا نے چہرہ اٹھا کے حیرت سے دیکھا۔ ابھی گھر سے کافی دور تھے وہ لوگ۔

"کس بات کے پیسے دے رہا تھا وہ___ اور تمہارے پاس کیا کمی ہے پیسوں کی؟"

وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایبہا نروس نیس کا شکار ہونے لگی۔ تیزی سے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا اور جلدی سے بولی۔

"وہ میرے ہی پیسے تھے۔ ان کی بہن کی شادی کے لیے دیے تھے۔ مدد کے خیال سے۔"

معیز کا دماغ پل بھر میں گھوما۔

"اس کمینے کی تو کوئی بہن ہی نہیں' ایک یہ خبیث ہے اور دوسرا بھائی امریکہ میں ہوتا ہے۔"

وہ غصے سے اونچی آواز میں بولا تو ایبہا ڈر کر دروازے کے ساتھ دبک سی گئی۔

"اور تم___ تمہارے اندر ذرا سی بھی عقل نہیں۔ وہ پتا نہیں کیا فضولیات گھڑ کے تم سے پیسے ٹھگتا رہا ہے اور تم___ فیل ہو تم اس دنیا میں۔"

غصے کی زیادتی میں وہ پتا نہیں کیا کیا کہہ گیا۔ ایبہا کا تو مانو دل ہی بند ہونے لگا۔ ہاں البتہ رونا ضرور جاری ہو گیا۔ آنسو بہے تو پھر بہتے ہی چلے گئے۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ وہ امیر آدمی ہیں۔ مجھ سے تو یہی کہا کہ بہن کی شادی کی پریشانی ہے۔ میرے پاس پانچ ہزار ہی تھے میں نے دے دیے۔ باقی تو میں شادی میں دیتی۔ ابھی تو نہیں دیے تھے۔"

اللہ___ معصومیت اور بچوں کے سے انداز میں روتے ہوئے اپنی بچکانہ سی صفائیاں پیش کرنا۔ معیز کا غصہ پل بھر میں تحلیل ہو گیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا' آنکھوں پر سن گلاسز لگا لیے اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تو اب لہجہ نرم تھا۔

"اللہ کی بندی بتایا تو ہے کہ اس کی کوئی بہن نہیں ہے جھوٹا ہے وہ اول درجے کا۔"

ایبہا نے جلدی سے آنسو پونچھے اور مصمم ارادے سے بولی۔

"ہاں نا۔ اب نہیں دوں گی۔ مجھے پتا جو چل گیا ہے۔"

اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ معیز سے ہنسی دبانا مشکل ہو گیا۔

اس کی مسکراہٹ ایبہا نے بیک ویو مرر میں دیکھی تو اس کی نظر پرنس چارمنگ پر فدا سی ہو گئی۔

ابھی وہ غصے سے شعلے اگل رہا تھا۔ اور اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

وہ کتنے خوب صورت روپ چھپا کے رکھتا تھا اپنے اندر___ کھڑکی سے باہر جھانکتی وہ حیرت سے سوچ رہی تھی۔

اور معیز سنجیدگی سے عمر کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔ گاڑی کا ٹائر برسٹ ہو جانے کی وجہ سے ڈرائیور نہیں پہنچ سکا تو اس نے بروقت معیز کو کال کر کے بتا دیا تاکہ وہ خود ایبہا کو وقت پر پک کر لے' مگر آتے ہی دکھائی دینے والے منظر نے معیز کو غصہ دلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس سے آفس کا کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ ابھی ابھی وہ باس کی ڈانٹ کھا کے آئی تو دل چاہا کہ اپنی

ٹیبل پہ سر ٹکا کے خوب سارا روئے۔۔۔ اتنا کہ اندر کا سارا غبار نکل جائے۔ مگر فی الحال تو غصہ نکالنا ضروری تھا۔
اس نے ہاف لیو۔۔۔ کے چند الفاظ پیپر پہ گھسیٹے اور باس کی پی اے کے حوالے کر کے آفس سے نکل آئی۔
"نکالتے ہیں تو نکال دیں۔ میں بھی کون سا نوکری کرنا چاہ رہی ہوں۔"
وہ چنداں فکر مند نہ تھی۔ یوں بھی جاب ختم ہونے میں تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا تھا۔ خود ہی نکال دیتے تو اچھا ہوتا۔
کوئی کنوینس لیے بغیر وہ یونہی پیدل ایک طرف کو چل دی۔ فی الحال تو اپنے ساتھ ہی کچھ دیر رہنے کو جی چاہ رہا تھا۔
بھاگتی دوڑتی ہنستی مسکراتی دنیا اس کے آس پاس رواں دواں تھی' کتنی خوش ہے یہ ساری دنیا۔۔۔ اور ایک میں۔۔۔ وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔
کیا زندگی کی ساری خوشی کسی ایک شخص کے پاس ہونے میں مقید ہے؟ ہر لحاظ سے آسودگی کے باوجود ایک عون عباس کی ناراضی نے دنیا کیوں "ختم" کر دی ہے؟
کیا میرے لیے اب خوشی کا مطلب "عون عباس" بن چکا ہے؟ اور اس کا نہ ملنا۔۔۔ "موت" سا کیوں لگتا ہے یہ سوالات تھے۔۔۔؟ نہیں سوالات نہیں حقیقت تھی جو اس پر منکشف ہو رہی تھی۔
دھندلاتی آنکھوں کو ہاتھ سے رگڑتے ہوئے وہ سامنے سے آنے والی ٹیکسی روکنے لگی۔

تو کیا یہ طے ہے کہ اب عمر بھر نہیں ملنا
تو پھر یہ عمر بھی کیوں؟ تم سے گر نہیں ملنا

☆ ☆ ☆

موبائل کی رنگ ٹون بجی تو معیز کا نمبر اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر رباب کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ہیلو۔۔۔" بنا کسی خوشی کے وہ نارمل سے انداز میں کال اٹینڈ کرتے ہوئے بولی۔
"کیسی ہو۔۔۔؟"
"ٹھیک۔" وہ مختصراً" بولی۔
"میں اس روز تمہیں کال بیک کرتا رہا مگر تم نے اٹینڈ ہی نہیں کی۔"
معیز کو اس کے انداز سے اس کی ناراضی کا احساس ہو رہا تھا۔ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔
وہ کان اور شانے کے درمیان موبائل پھنسائے نیل پالش کی شیشی کھولتی کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔
"ہاں۔ مجھے پتا چلا تھا۔ مگر اس وقت میں بزی تھی۔" وہ بے نیازی سے بولی مگر جسے جتایا گیا' وہ اچھی طرح سمجھا۔
"آئم سوری رباب۔ میں اس وقت میٹنگ میں تھا۔ بہت نقصان ہو جاتا یو نو۔" معیز نے پھر سے کہا۔
"ہونہہ کیا نقصان ہو جاتا معیز احمد۔۔۔۔؟ ایک طرف وہ میٹنگ تھی اور دوسری طرف رباب احسن۔۔۔ تم نے ایک چیز کو چننا اور دوسری کو کھونا تھا۔ اب یہ تم بہتر سمجھتے ہو کہ تم نے کیا چنا اور کیا کھویا۔" وہ بہت تند اور تیکھے لہجے میں بولتی معیز کو ہرٹ کر گئی۔
"میں نے تمہیں بہت پہلے چن لیا تھا رباب۔ بچوں کی طرح موازنے مت کرو۔"
معیز نے سنجیدگی سے کہا۔
"مجھے عادت ہے معیز۔۔۔" وہ اس کی بات کاٹ کر درشتی سے بولی۔

"جب جب تم مجھ پر کسی اور کو فوقیت دو گے میں یہ موازنے کروں گی۔"
وہ اب اپنے لمبے ناخنوں پہ میرون کیوٹکس کے خوب صورت شیڈ کا کوٹ کرنے لگی تھی۔
"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے موازنے کی رباب۔"
معیز نے اسے ٹوکا۔ پھر محبت سے بولا۔
"تمہاری اپنی ایک اہمیت اور حیثیت ہے۔"
"ہاں۔۔۔" وہ ہلکا سا ہنسی اور ہاتھ سامنے پھیلا کر ناخنوں پر طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔
"ہاں۔ مگر پچاس ساٹھ لاکھ سے تھوڑی کم۔"
"کیا مطلب۔۔۔؟"
وہ سمجھا نہیں تھا۔
"شاید اتنے ہی فائدے کے لیے تم نے مجھے اگنور کر کے اس میٹنگ کو چنا تھا معیز احمد۔"
وہ کہہ کر اب دوسرے ہاتھ کو سامنے پھیلائے کیوٹکس کی تہہ جمانے لگی۔
معیز کو اس کی بات سن کر دھچکا لگا۔
"کیا فضول باتیں کر رہی ہو رباب۔ خود کو ان مادی چیزوں سے مت کمپیر کرو۔"
"تم نے بھی تو یہی کیا تھا معیز! اور میرا پلڑا اوپر اٹھ گیا۔" وہ بے حد تلخی سے بولی تو معیز کو بھی اب کی بار غصہ آ گیا۔
"یہ بزنس فقط میرا نہیں میری ماں' بھائی اور بہن کا بھی ہے رباب۔ اور میں جان بوجھ کر اسے خسارے کا شکار نہیں کر سکتا۔"
اس نے کیوٹکس کی شیشی اچھی طرح بند کر کے کاؤچ پہ رکھی اور موبائل دوسرے کان کے ساتھ لگا کر شانے سے دبایا اور اطمینان سے بولی۔
"چلو آج کچھ باتیں طے کر لیتے ہیں معیز کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا اور کیا نہیں کرنا ہو گا۔" ہاتھ سامنے پھیلا کر جائزہ لیا۔
"زندگی انسان کے طے شدہ اصولوں سے گزرتی تو تقدیر نامی چیز کا وجود نہ ہوتا رباب۔"
معیز نے سنجیدہ انداز میں کہا۔
"نو فلسفہ معیز۔" وہ بے زار کن لہجے میں بولی۔
"میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری زندگی کی ترجیحات میں میں کون سے نمبر پہ ہوں؟"
"تم میرے لیے بہت خاص ہو رباب۔۔۔"
معیز نے کہنا چاہا مگر وہ استہزائیہ لہجے میں اس کی بات کاٹ گئی۔
"وہ تو آنٹی اور زارا بھی ہیں تمہارے لیے۔"
"اچھا یار۔۔۔ سوری۔ کہو تو پنالٹی دے دیتا ہوں اپنی گستاخی کی' سامنے آ کے کان پکڑ لوں؟ جو سزا تم کہو۔"
معیز نے ہار مان لی۔ وہ اسے اور ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رباب کا بھی فوراً "موڈ بدلا۔ اترا کر نخوت سے بولی۔
"تو یوں کہو نا۔ اب آئے ہو نا سیدھی لائن پہ۔" وہ ہنس دیا۔
"تم لڑکیاں بھی نا۔ مجال ہے جو خود کو قصوروار سمجھ لیں۔"

پھر وہ چپ سا ہو گیا۔ اسے اپنی اس بات سے "ایبہا" یاد آئی۔ وہ لڑکیوں کی کون سی قسم سے تھی' جو ہر قصور اپنے کھاتے میں درج کرنے کی عادی تھی؟

"ہوں... کیا کہا تم نے؟"

وہ چونکا تو رباب چلا اٹھی۔

"دیکھا۔ پھر وہی بات۔ میں بولے چلی جا رہی ہوں اور تمہارا دھیان اپنے بزنس اور اس کی بورنگ میٹنگز میں لگا ہوا ہے۔"

"بے وقوف! میں تو تمہیں منانے کا کوئی شان دار سا طریقہ سوچ رہا تھا۔ کوئی سرپرائز۔"

معیز نے الٹا اسے ڈانٹا۔

"اچھا۔ کیا سرپرائز ہے...؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"سرپرائز بتایا نہیں کرتے' دیے جاتے ہیں۔" معیز نے خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے اسے ٹالا تھا۔

"ہونہہ..." رباب نے سر جھٹکا۔

اسے سیفی اور اس کی "آپا" کے دیے گفٹس اور ان کی قیمت یاد آئی تھی۔ سیفی کی کمپنی رباب کو پسند نہیں تھی مگر ساری کشش تو اس کے پیسے میں تھی۔ جو وہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتا تھا اس پر اور معیز کی کمپنی پسند تھی۔ مگر اس کی کنجوسی۔

"اچھا... وہ ایبہا مراد ابھی بھی تمہاری انیکسی میں رہ رہی ہے؟"

رباب نے اس قدر اچانک پوچھا کہ معیز گڑبڑا سا گیا۔

"کون...؟ ایبہا... اچھا وہ..."

"زہر لگتی ہے مجھے وہ لڑکی۔ کالج میں بھی مجھے پسند نہیں تھی اور تم نے اسے گھر میں ہی گھسا لیا ہے۔ کب جائے گی وہ اپنے گھر؟ تمہارا دوست اتنا غریب تو نہیں لگتا کہ اسے اپنے گھر نہ رکھ سکتا ہو۔"

وہ تیز لہجے میں بولی۔ تو معیز نے لحہ بھر کچھ سوچا اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یوں کرتے ہیں کہیں اچھی سی جگہ پہ ملتے ہیں۔ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ ایبہا مراد اصل میں ہے کون؟"

"واٹ...؟" رباب کا سر گھوما۔

"یعنی ہم محض اس ڈفر سی لڑکی کو ڈسکس کرنے کی خاطر ملیں گے؟"

"یا اللہ..." معیز کراہا۔

"یہ لڑکیوں کی قوم آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ ہے تو کیوں ہے؟ وہ نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ یار ملنے کا کہہ رہا ہوں تو مل لو نا بس۔ پھر سب کچھ ڈسکس ہو جائے گا۔"

اور صد شکر وہ معیز کے بے چارے سے انداز پر ہنس دی تھی۔

"او کے۔ کل لنچ ٹائم میں پک کرتا ہوں تمہیں... اور ہاں..."

فون رکھتے رکھتے اسے یاد آیا۔

"تمہارا رزلٹ آ چکا ہے یار۔ کیا پوزیشن بنی؟"

معیز کے پوچھنے پر وہ بڑے غرور سے بولی۔

"بننا کیا ہے۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ فرسٹ پوزیشن ہے میری۔" بڑے اطمینان سے جھوٹ بول دیا۔

"بہت مبارک ہو۔ مجھے رول نمبر دیا ہوتا تو میں نیٹ سے خود سرچ کرتا اور تمہارے بتانے سے پہلے وش کرتا۔" معیز کو تاسف تھا۔

رباب نے سر جھٹکا۔

"اٹس اوکے۔ میرے لیے اب فرسٹ آنا عام سی بات ہو گئی ہے۔ اینی ویز۔ کل ملتے ہیں پھر۔"

اس نے پول کھلنے کے ڈر سے بات مختصر کرتے ہوئے فون بند کر دیا تو گہری سانس بھرتے معیز کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

وہ ان نکات پر غور کر رہا تھا جو اسے بہا کے متعلق کل رباب کو بتانے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کلثوم کا فون آیا تھا آج......"

امی دوپہر کو چائے لے کر کمرے میں آئیں تو ابا نے کتاب بند کر کے رکھتے ہوئے چائے کا کپ تھاما اور بتایا۔ وہ ان کے بیڈ پر پیروں کی طرف ٹک گئیں۔

"اچھا... کیا کہہ رہی تھی....؟"

امی نے ان کے تاثرات سے کچھ اندازہ لگانا چاہا۔ وہ کسی سوچ میں گم لگتے تھے۔

"وہ بھلی لوک کیا کہے گی پر اس کی ساس کی خواہش ہے کہ شادی کی رسمیں وہ اپنے گھر میں کریں گی۔"

ابا نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

امی نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

"تو اس میں فکر کیسی۔ مہندی مایوں تو وہیں ہوں گی ثانیہ کی۔ بارات کے لیے کوئی میرج ہال بک کروالیں بس۔"

ابا نے ہمیشہ کی طرح بڑے بڑے گھونٹ بھر کے گرما گرم چائے اندر انڈیلی اور خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ہاں، تمہارے کہے پر عمل ہوتا تو کوئی فکر نہ تھی۔ مگر ان کا کہنا کچھ اور ہے نیک بخت۔"

"کتنی دفعہ کہا ہے۔ یہ پہیلیاں اپنے بیٹے کے سامنے ہی بوجھا کریں۔ مجھے تو سیدھی سیدھی بات بتایا کریں اور بس۔" امی قدرے چڑ کر بولیں۔

"ان کا کہنا ہے کہ چونکہ نکاح پہلے ہی ہو چکا ہے تو پھر مزید تکلفات میں پڑے بغیر ہم مایوں سے ایک روز پہلے گاؤں پہنچ جائیں۔ دو روز بعد دلہن رخصت کروا کے لے آئیں۔"

وہ اطمینان سے بولے تو وہ اچھلیں۔ جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"ہائیں ہائیں... ہوش میں تو ہیں آپ۔ یہ کیسی شادی اور کیسی رخصتی ہے بھئی؟"

"بھئی۔ دونوں کی مہندی مایوں ہو گی اور اگلے روز ہم دلہن لے کے آجائیں گے واپس اور دھوم دھام سے ولیمہ کرلیں گے۔"

ابا نے یوں کہا جیسے وہ تمام صورت حال پر اچھی طرح سوچ بچار کر چکے ہوں اور انہیں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ ہو۔

مگر امی کو تو یہ بات ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ بھلا ایسا بھی کبھی ہوا ہے؟

"اور ہمارا بارات لے کے جانے کا ارمان تو رہ گیا نا۔" امی روہانسی ہونے لگیں اور ابا خفا۔

"کم عقل عورت۔۔۔ ارمان کیوں رہے گا؟ ہم حویلی میں جائیں گے وہیں رہیں گے اور وہاں سے بارات جائے گی کلثوم کے گھر۔"

"اچھا۔۔۔" ان کی فکر ختم ہوئی۔ مگر وہ ابھی بھی متذبذب تھیں۔

"عجیب سا ہی لگے گا۔ رشتہ دار کیا سوچیں گے۔"

"جو سوچنا چاہتا ہے وہ نہ جائے ساتھ۔ یہیں بیٹھ کے سوچتا رہے۔"

ابا میں یہ بڑی خرابی تھی۔ لمبی بحث انہیں رفتہ رفتہ غصیل بنا دیتی تھی۔

"اُوفوہ۔۔۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ اب ہر ایک تو ساتھ جا کے وہاں رات نہیں رہ سکتا نا۔" امی دھیمی پڑیں۔

"بس قریبی رشتہ دار ہوں گے اور گھر کے لوگ اور بس۔" ابا نے ہاتھ اٹھا دیا۔

گویا بات ختم، پیسہ ہضم۔

اب ایسا ہی ہونا تھا۔

امی گہری سانس بھرتی خالی کپ اٹھائے اس عجیب و غریب شادی پر غور کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اور یہی بات جب بھابی کو پتا چلی تو وہ بڑی ایکسائیٹڈ ہوئیں۔ مگر عون۔۔۔

وہ پہلے تو صدمے کا شکار ہوا۔ پھر زبردستی مسکرایا۔

"مذاق کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟"

امی نے معذرت خواہانہ انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

"یہ سب طے شدہ ہے۔"

"کمال ہے۔ اب ہم وہاں جا کے لڑکی والوں کی چوکھٹ پکڑ کے چار دن پہلے ہی بیٹھ جائیں۔"

وہ جلتے توے پر جا بیٹھا تھا گویا۔

وہ تو بارات والے دن بھی جانے کو راضی نہ تھا کجا دو دن پہلے ہی۔۔۔ اف۔ اف۔

"اس کا بس نہ چلتا تھا زمین پہ پاؤں پٹختا۔۔۔ بلکہ سر بھی۔

"ثانیہ کی دادی کی خواہش ہے۔ بزرگوں کا دل رکھنا بہت بڑی نیکی ہے بیٹا۔ وہ اپنے گھر سے ثانیہ کو رخصت کرنا چاہتی ہیں۔"

امی نے نرمی سے کہا۔ اس ٹیڑھی کھیر کو (عون کو) آسانی سے تو کھایا نہیں جا سکتا تھا نا۔

"تو ہم بارات لے جائیں گے نا ان کے گھر۔۔۔ یہ مہندی والے روز وہاں جا کے رہنے کی کیا تک بنتی ہے؟" وہ بالکل بھی قائل نہ ہوا تھا۔

"مہندی کے فنکشن میں آدھی رات تو ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں کا راستہ غیر آباد سا ہے۔ تمہیں پتا ہے رات گئے ادھر کا سفر خطرناک ہے۔۔۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ نہ ایسی کون سی غلط فرمائش کر دی انہوں نے جو تم یوں وضاحتیں مانگ رہے ہو؟"

لو جی۔۔۔ امی صفائیاں پیش کرتے کرتے تپ اٹھیں تو عون کو ٹھنڈا ہونا پڑا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کیا ضروری ہے کہ ہر عجیب بات میری ہی شادی میں ہو؟"

وہ بے چارگی سے بولا تو کھانے کی میز لگاتی بھابی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

وہ سر تھام کے بیٹھا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"دادی.... کیا ضرورت ہے اس طرح کے شوشے چھوڑنے کی ایسی شادی کبھی پہلے ہوئی ہے ہمارے خاندان میں۔"

ثانیہ کے تو تن کے دل کو پنکھے لگ گئے۔ خفگی سے دادی کے ساتھ الجھنے لگی۔ بلکہ خوب ہی الجھی۔

ادھر دولہا شادی کی راہ میں روڑے اٹکا رہا تھا تو ادھر دلہن کی دادی بھی کم نہ تھیں۔ بے چاری بے خبری ہی میں "روڑا" بن رہی تھیں۔

"اے لو۔ تمہاری شادی ہی کسی معجزے سے کم ہے کیا۔ ؟ ایسی تیز طرار زبان۔ قینچی کی دھار بھی شرمندہ ہو جس کے آگے۔" دادی چمکیں۔

غصے میں وہ سارے لاڈ نخرے بھول جاتی تھیں۔

امی نے اسے خوب آنکھیں دکھائیں۔ مگر ثانیہ جھنجلاہٹ میں تھی۔ اسے عون کے متوقع ردعمل سے خوف آ رہا تھا۔ (اب اسی فرمائش "کو بنیاد بنا کر ہی انکار نہ کر دے)

"دادی۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میری رخصتی کبھی نہ ہو۔ میں ساری عمر یہیں بیٹھی رہوں؟"

لو جی۔ جذباتیت کی انتہا تھی۔ دادی نے تو کلیجہ تھام لیا۔ امی نے بھی زور سے استغفار پڑھی۔

"کمبخت کیسے منہ بھر کے بات کرتی ہے۔" دادی آنکھوں میں ایک آدھ آنسو بھی بھر لائیں اور شکوے سے بھرپور انداز میں بولیں۔

"اب بندہ پوچھے۔ تیری شادی میں میرے کوئی ارمان نہیں ہیں کیا۔"

"اچھی فلم ہے۔ شادی تیری ارمان میرے "ہنہ۔" ثانیہ تلملائی۔ تو دادی نے امی کو بیچ میں گھسیٹا۔

"دیکھ لے کلثوم۔ جانتی ہے نا کیسے جگر کے ٹکڑے کی طرح پالا ہے میں نے اسے اور آج دادی بے چاری نے ساری عمر پیچھے ایک فرمائش کر دی تو اسے وہ بھی بری لگ گئی۔ اور ایک وہ بچہ ہے.... اس نے مجال ہے ایک لفظ بھی انکار کا بولا ہو۔ تمہاری بھائی کا فون آیا تو میٹھے لہجے میں بولیں کہ جیسی آپ کی مرضی 'سر آنکھوں پہ۔"

دادی تو جذباتیت میں صبیحہ خانم کو بھی مات دیتی تھیں اب بھی چند ہی آنکھوں سے سیل رواں کرنے کا پورا ارادہ تھا۔ مگر ثانیہ کا سارا غصہ اور جھنجلاہٹ تو دادی کے لفظوں نے ہی بھک سے اڑا دی۔

"کیا....؟" وہ چھلانگ لگا کر اسپائیڈر مین کی طرح دادی کے پلنگ پر کودی تو وہ ہراساں سی ہائے 'ہائے کرنے لگیں۔

"عون مان گیا.... اسے کوئی اعتراض نہیں ہوا یہاں آ کے رہنے پر....؟"

دادی کو شانوں سے تھام کر وہ فرط مسرت سے پوچھ رہی تھی۔ دادی تو اس کے جھٹکوں ہی سے بید مجنوں کی طرح کانپ گئیں۔

"نہیں۔ ادھر سے تو مثبت ہی جواب ملا ہے۔ بھابی کا فون آگیا تھا۔" جواب امی نے دیا۔

ثانیہ کے ہونٹوں پر بہت دنوں کے بعد پیاری سی مسکراہٹ چمکی۔

اس نے دادی کو چھوڑا اور دونوں ہاتھ جھاڑے۔

"لو جی.... تو پھر ہمیں کاہے کا اعتراض۔"

دادی نے حواس میں آتے ہوئے اس کے شانے پر دوہتڑ مارے۔ اور جھک کر جوتی اٹھانے کی سعی کی۔

"مگر مجھے ہے۔ کمبخت۔ کیسے جوڑ جوڑ ہلا ڈالا مجھ بڑھیا کا۔ ٹھہر تو ذرا...."

دادی نے نچے کھچے دانت کچکچائے تو وہ ایک ہی چھلانگ میں دروازے کے پاس تھی۔

"دادی زندہ باد۔ اب دادی کے سارے ارمان جو کہ ان کی اپنی شادی میں پورے نہیں ہوئے تھے وہ ان کی پوتی کی

شادی میں پورے ہوں گے۔"

وہ ہنستی ہوئی کہہ کر بھاگ لی۔ دادی پوپلا منہ کھولے حیران سی اس کے جملوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب سمجھیں تو بہو کی ہنسی پر جھینپ گئیں۔

"آلے میرے ہاتھ۔ رخصتی سے پہلے جوتیاں کھائے گی مجھ سے۔" دادی مصمم ارادہ باندھتی لیٹ گئیں۔

☼ ☼ ☼

عون آج گھر آیا ہوا تھا۔

معیز اسے لیے لان میں ہی بیٹھ گیا۔ موسم کی ٹھنڈک اب رخصت ہو رہی تھی۔ کھلے میں بیٹھنا اچھا لگنے لگا تھا۔ عون نے جلے کٹے انداز میں اسے اپنی بپتا سنائی تو وہ ہنسنے لگا۔

"اسٹرینج۔ دوسرے صوبے میں شادی ہوتی تو بات اتنی عجیب نہ لگتی۔ تمہیں شاید نزدیک ہونے کی وجہ سے لگ رہا ہے۔"

"ہاں یار! یہاں سے اڑھائی تین گھنٹے کا سفر ہے بس۔" وہ تپ کر بولا۔

"چلو۔۔۔ تمہیں کیا اعتراض۔ انجوائے کرو۔ تمہیں تو بس ثانیہ کی رخصتی چاہیے تھی۔" معیز نے مسکرا کر کہا۔

اب اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ "اندرون خانہ" کیا حالات چل رہے ہیں۔

"ابا بھی نا۔۔۔ ابا ہی ہیں بس۔" عون کا غصہ ابل ابل کر باہر نکلنے کی کوشش میں تھا مگر معیز کے سامنے کھلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سو عجیب باتیں کر رہا تھا۔

معیز نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"وہ تو ابا ہی ہوں گے۔ اماں ہونے سے تو رہے۔"

"اوفوہ یار۔" وہ جھنجلایا۔

"میری ہر بات پہ تو سلطان راہی والا گنڈاسہ اٹھا کے ظالم سماج بن کے آکھڑے ہوتے ہیں۔ ادھر سے آنے والی ہر فرمائش سر آنکھوں پہ ہے۔"

معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"یو مین۔۔۔ تمہارے ابا ثانیہ کی دادی کے چکر میں۔۔۔" مگر معیز کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سمجھ کر عون نے اٹھ کر پاس پڑا گملا اٹھا لیا۔

معیز بدک کر اٹھا۔ دونوں ہاتھ سیز فائر کے انداز میں سر سے بلند کیے۔

"سوری۔ سوری۔۔۔"

"سوری کے بچے۔ میں ادھر ٹینشن میں ہوں، تجھے نئے رشتے جوڑنے کی پڑی ہے۔"

وہ بکتا جھکتا گملا رکھ کے واپس کرسی پہ آبیٹھا۔

"تمہیں تو انجوائے کرنا چاہیے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ تم شادی کرنا چاہتے تھے وہ ہو رہی ہے۔"

معیز نے شرافت کے جامے میں آتے ہوئے پوچھ گچھ شروع کی۔

"مجھے شادی کے طریقہ کار پہ اعتراض ہے۔"

"تو صاف انکار کر دیتے۔" معیز نے آسان حل پیش کیا۔

"میرے ابا دس نمبر کا جوتا پہنتے ہیں۔" عون نے اسے طنزیہ یاد دلایا۔
"بھئی یا تو بندہ جوتوں سے ڈر لے یا عشق کر لے۔ ہم تو سید ھی سی حکایت جانتے ہیں۔"
معیز نے اطمینان سے کہتے بات ہی ختم کر دی۔ اور چائے کی ٹرالی لاتی نذیراں کو دیکھنے لگا۔ عون دل مسوس کر رہ گیا۔

اب کیا بتاتا... اس عشق کی ثانیہ نے کیا کیا درگت نہ بنائی تھی۔ اب تو "اُدھر" شاید انا کا مسئلہ تھا اور اِدھر بدلہ اور انتقام کی آگ۔
عون نے جھرجھری لی۔
(یااللہ... بناک کے شعلے کا ری میک بن رہا ہے کیا) نذیراں ان کے آگے چائے اور ریفرشمنٹ کا سامان رکھ گئی تھی۔

معیز نے کپ اٹھاتے ہوئے عون کی شکل دیکھی۔ تو پھر بغور ہی دیکھی۔ اور سنجیدگی سے پوچھا۔
"کیا بات ہے۔ تمہیں اس موقع پر جتنا خوش ہونا چاہیے اتنا ہو نہیں۔ بڑی سوگ کی سی کیفیت طاری کی ہوئی ہے۔"

"شکریہ۔ بڑی جلدی اندازہ لگا لیا سرکار نے۔" وہ طنزاً "بولا۔ تو معیز حیران ہوا۔
"کیا ہوا ہے؟ تم تو یہ شادی کرنے کے لیے زمین و آسمان ایک کیے دے رہے تھے۔"
"اور یہی کام وہ شادی رکنے کے لیے کر رہی تھی۔" عون نے تنک کر اسے یاد دلایا۔
"مگر اب تو یہ کام تم کرتے دکھائی دے رہے ہو۔" معیز نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ جواباً "جذباتی ہو کر عون نے نازیہ کی شادی کا ہر ہر قصہ بنا کسی لاگ لپٹ کے اسے کہہ سنایا۔ معیز نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔ ہاتھ ہلا کر بس مکھی سی اڑائی اور اس کی پلیٹ میں کباب رکھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔
"لڑکیاں خوش ہوتی ہیں ناز نخرے دکھا کے بس۔ یہ کباب کھاؤ ذرا۔"
"ادھر میرا دل جل کے کباب ہو رہا ہے معیز۔ بس بہت سہہ لیں میں نے ثانی کی بد تمیزیاں۔"
عون نے دانت پیسے۔
"او لالے۔ ابھی تو اگلے چالیس پچاس برس اور سہنی ہیں۔ پھر کیا فائدہ کڑھنے کا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کباب کھاؤ۔"

معیز نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بظاہر ہمدردی سے ہی کہا۔ مگر عون خوب ہی تپا۔
"اچھا... تیرا وقت بھی آئے گا۔ پھر پوچھوں گا تجھ سے۔" چڑ کر کہا تو وہ بے ساختہ بولا۔
"اور میں کون سا تجھے بتا بھی دوں گا۔"
پھر دونوں ہی بے اختیار ہنس دیے۔
"ٹیک اٹ ایزی یار۔ وہ صرف اپنی ریجیکشن کا بدلہ لے رہی تھی۔ اسے خودکش حملہ آور سمجھنا بند کر دے۔" وابسی پہ معیز نے اسے سمجھایا۔ عون نے آدھی بات ہی میں کچھ کہنے کو منہ کھولا تو معیز نے اس کا شانہ دباتے ہوئے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے مزید کہا۔
"اور بالفرض وہ خودکش حملہ آور بن کے آ بھی رہی ہے تو ایسی شہادت دیکھ کے تو بندہ بصد شوق شہید ہو جاتا ہے یار۔"

اس کے انداز میں حد درجہ شرارت تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی عون ہنس دیا۔

☆ ☆ ☆

"تم کہاں جارہی ہو.....؟"

ماما نے اسے نک سک سے تیار ہو کر کمرے سے نکلتے دیکھا تو دبے لفظوں سختی سے پوچھا۔

رباب نے تازہ تازہ سیٹ کیے بالوں کو نخوت سے جھٹکا۔

"پلیز ماما! فرینڈز کے ساتھ جارہی ہوں۔ علیشہ نے پارٹی دی ہے۔"

"ہاں..... "ان کے دل سے آہ نکلی تو تاسف چہرے پر سے بھی جھلکا۔

"اس نے تو سیکنڈ ڈویژن لے لی۔ وہ تو پارٹی کرے گی ہی۔"

"آپ بھی نا۔ بس منٹوں میں موڈ خراب کردیتی ہیں۔ میں کون سا فیل ہوگئی ہوں۔" رباب کو غصہ آیا تھا۔

وہ پرس سنبھالتی باہر نکلنے کو تھی۔

انہوں نے سراپا جوان بیٹی کو دیکھا۔ انہیں پتا تھا کہ اس کے گروپ میں سبھی اونچے گھرانوں کی ماڈرن لڑکیاں ہیں اسی لیے رباب کے انداز اور لباس میں بھی ماڈرن ازم آرہا تھا۔ اب بھی چُنا ہوا دوپٹہ بس تکلفاً اس نے بازو پہ ڈال رکھا تھا اور ایک طرف سے شانے پہ ٹکا تھا۔

"ڈرائیور کے ساتھ جانا اور کم از کم دوپٹہ تو بڑا لے لیتیں ساتھ۔"

وہ رونہ سکی تھیں۔ جواباً "جس طرح وہ غصے سے ہیل بجاتی باہر نکلی اور جاتے ہوئے دھاڑ سے دروازہ بند کیا..... وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

معیز نے اسے بس اسٹاپ سے پک کیا۔ جو کہ ابھی رباب ہی نے اسے فون کرکے لوکیشن بتائی تھی۔

اسے اتنے ماڈرن حلیے میں آزادانہ سب کے ساتھ بس اسٹاپ پہ دیکھ کر معیز کا تو خون ہی کھول اٹھا۔ رباب کے مسکراتے لہراتے ہوئے فرنٹ سیٹ سنبھالنے تک وہاں کھڑے لوگوں کی اس سے چپکی نظروں کا احساس کرکے معیز کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

"اف..... توبہ ہے۔ کتنی گرمی ہوگئی ہے ایک دم سے۔" وہ بڑی نزاکت سے بولی۔ معیز خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔

رباب نے گھور کے اسے دیکھا اور پھر اس کے بازو پہ ہلکی سی چپت لگائی۔

"تم کیا زبان گھر رکھ کے آئے ہو.....؟"

"ہاں..... جیسے تم شرم۔" معیز نے ترنت کہا تو لہجہ سلگتا ہوا تھا۔ رباب نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"مجھے کہتیں رباب! میں تمہیں گھر سے پک کرتا۔ یوں کتنا آکورڈ لگ رہا تھا تمہارا طرح طرح کے لوگوں میں بس..... اسٹاپ پہ کھڑے ہونا۔"

"میں نے گھر میں بتایا ہی کب ہے۔ علیشہ کے ہاں پارٹی کا بہانہ کرکے آئی ہوں۔"

وہ اطمینان سے اب ڈیش بورڈ میں پڑی سی ڈیز چیک کررہی تھی۔ معیز کو جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب..... ؟ تم نے آنٹی کو بتایا نہیں کہ تم میرے ساتھ باہر جارہی ہو؟"

اس نے بے یقینی بھری نگاہ اطمینان سے بیٹھی رباب پہ ڈالی۔

"ہنہ۔ ویسے تو ضرور ہی مجھے آنے دیتیں وہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے سی ڈی لگانے لگی۔

معیز نے بے اختیار زور سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارے۔ "شٹ....."

"تمہیں کیا مسئلہ ہے بھئی۔ آتو گئی ہوں نا میں۔" رباب نے خفگی سے کہا۔

"مجھے شرم آرہی ہے یہ سن کر کہ تم غلط بیانی کرکے آئی ہو گھر میں۔ وہ سب سمجھیں گے کہ تم اپنی فرینڈ کے گھر پہ ہو اور اگر تمہیں یوں میرے ساتھ کوئی دیکھ لے تو نا صرف میری ریپوٹیشن پہ حرف آئے گا بلکہ ذارا کا رشتہ بھی

خراب ہو گا۔"

معیز کو واقعی غصہ تھا۔ وہ اونچی آواز میں بولا۔ تو رباب کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے سی ڈی ڈیش بورڈ پر پھینکی تھی۔

"کیا بکواس ہے یہ۔ تم نے خود مجھے بلایا تھا۔"

"ہاں۔ لیکن میں خود تمہیں گھر آکے آنٹی کی اجازت سے ساتھ لے کر جاتا۔" معیز نے قطعیت سے کہا۔

"کس رشتے سے؟" وہ چمکی۔

"جب میں بات کرتا تو وہ رشتہ بھی سمجھ جاتیں رباب۔ اگر کوئی اعتراض کرتیں تو میں وضاحت کر دیتا۔ ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔"

معیز نے ٹھنڈے انداز میں جواب دیا تو وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر دیکھنے لگی۔

"ایسے ڈریس میں تم وہاں اتنے لوگوں کے درمیان کھڑی تھیں اور شرم مجھے آرہی تھی۔"

معیز نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد تاسف سے کہا تو رباب کا دماغ گھوم گیا۔

"ایسا ڈریس۔۔۔؟ ایسے ڈریس سے کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟"

اس نے اپنے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

"کم آن رباب۔ میں تمہاری ڈریسنگ پر نہیں بلکہ اس ڈریسنگ میں اجنبی لوگوں کے درمیان کھڑے ہونے پر اعتراض کر رہا ہوں۔"

معیز نے محتاط لفظوں کا سہارا لیا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

رباب نے ناگواری سے کہا۔

"ساری دنیا ہمارے لیے اجنبی ہی ہوتی ہے معیز۔ اس کا مطلب ہے کہ تم کبھی مجھے دنیا میں نکلنے ہی نہیں دو گے؟"

"میرے ساتھ نکلو گی تو ضرور لے کے چلوں گا۔ مگر اس طرح تنہا غیر مردوں کے بیچ نہیں۔۔۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"ربش۔۔۔"

رباب نے سر جھٹکا۔ وہ جو آئینے سے خوب صورتی کی سند لے کے آئی تھی۔ معیز کی باتوں سے جی بھر کے دل مکدر ہوا۔

"میرے خیال میں تم مجھے احتیاط کے ساتھ گھر ہی ڈراپ کر دو۔ کہیں تمہارا ایمان خراب نہ ہو جائے۔" ناراضی سے کہا۔

معیز نے گہری سانس بھری۔

"مجھے اچھا نہیں لگا یوں لوگوں کا تمہیں گھورنا رباب۔ عورت کا تو مطلب ہی پردہ ہے۔"

"واٹ۔۔۔" وہ بدکی۔

"تم مجھے پردہ کراؤ گے؟"

"ہمارے ہاں کون پردہ کرتا ہے مگر لباس اور رہن سہن میں ایک شرم و حیا کا احساس۔ دوپٹہ سر پہ نہ سہی مگر بدن کو تو ڈھانپے رکھے۔"

معیز نے اب کی بار نرم لفظوں میں اسے سمجھایا۔

"دیکھو معیز۔۔۔ ایک بار پھر سوچ لو۔ میں ایسی ہی ہوں۔ تم نے کون سا پہلی بار دیکھا ہے مجھے۔"

وہ تڑخ کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ مگر تم خود کو بدل تو سکتی ہو۔ میری خاطر؟" معیز نے مسکرا کر پوچھا۔

لوہے کو ہمیشہ نرم کر کے ہی اس پر چوٹ لگائی جاتی ہے۔ وہ چنچنی۔ تلخی سے کہا۔

"اور اگر یہی سوال میں تم سے پوچھوں تو۔۔۔؟"

"مرد نہیں' عورت خود کو بدلا کرتی ہے رباب۔ بلکہ جو جہاں غلط ہوا سے ہی خود کو بدلنا پڑتا ہے۔" معیز نے رسان سے کہا۔ رباب سلگ اٹھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں غلط ہوں۔۔۔" تیز لہجے میں اس نے کہا تھا۔

"کم آن رباب۔ کیا بچوں کا سا بی ہیو کر رہی ہو۔ ایک چیز مجھے ناپسند ہے سو کہہ دیا۔ مجھے عورت کا ڈھکا چھپا انداز پسند ہے۔"

معیز نے اسی نرمی سے کہا جو اس کے لب و لہجے کا خاصا تھی' رباب کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

"ایبہا مراد جیسی۔۔۔"

وہ بے ساختہ بولی تو اس قدر غیر متوقع بات پر معیز کے ہاتھوں میں اسٹیئرنگ ڈول سا گیا۔

"ربش۔۔۔" وہ تپا "اس کا یہاں کیا ذکر؟" رباب سینے پہ بازو لپیٹتی اطمینان سے بولی۔

"وہ ایسی ہی ہے۔ پردے کی بوبو۔ آج کل تو خوب ہی دکھائی دیتی ہو گی تمہیں گھر میں۔"

"اف۔۔۔" معیز کا دل چاہا اسٹیئرنگ پہ سر دے مارے۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو تم۔ میں تم سے تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ اپنے دل کی بات۔ اپنی پسند کی بات۔"

"اور میں۔۔۔ میری پسند و ناپسند کچھ نہیں؟" رباب نے ناگواری سے کہا۔

"او کے۔۔۔ لیو دس ٹاپک پلیز رباب۔" وہ تلخی بھرے اونچے لہجے میں بولا۔

"اس بحث کا رزلٹ لڑائی اور ناراضی کی صورت ہی نکلے گا۔ ختم کرو اسے۔"

"بات تم نے شروع کی تھی۔ میں تو تمہاری سوچ پہ حیران ہوں بلکہ افسوس ہو رہا ہے مجھے۔" رباب نے تاسف سے کہا۔ تو معیز کو غصہ آیا۔

"ہاں۔ عورت کو شرم و حیا کا سبق دینا تاسف ہی کی بات ہے نا۔"

"ہنہ۔۔۔" رباب نے سر جھٹکا۔

اس سے اچھا تھا وہ سیفی کے ساتھ اس کے بیچ والے اپارٹمنٹ ہی کو دیکھنے کی دعوت قبول کر لیتی۔

اسے اپنی "سادہ دلی" پہ تاؤ آیا۔ معیز ایسا ساحر تھا کہ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے بلاوے پر کھنچی چلی آتی تھی۔ اب دل کو کس اندھے کنوئیں میں پا بہ زنجیر کرتی؟ وہ پچھتائی۔

اور پچھتا تو معیز بھی رہا تھا۔ رباب کو باہر ملنے کا کہہ کر۔ اگر واقعی رباب کی فیملی میں سے کوئی شخص اسے معیز کے ساتھ دیکھ لیتا تو ناگواری ہی جنم لیتی۔ ایک عجیب بے کیف لنچ کے فوراً" ہی معیز نے اسے گھر ڈراپ کر دیا۔

ایبہا مراد" دوبارہ ان کے درمیان موضوع گفتگو نہیں بنی تھی۔ معیز خاموش تھا اور رباب کا موڈ سخت خراب تھا۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ کی جاب ختم ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا اور اس کے ایک ہفتے بعد کی شادی کی تاریخ طے تھی۔

ایمہا کے امتحان شروع ہو چکے تھے۔ ثانیہ جب اسے بذات خود دعوت نامہ دینے پہنچی تو وہ آخری پیپر کی تیاری میں مگن تھی۔ ثانیہ کو دیکھ کر خوش ہوا تھی۔

"کیا بات ہے نالائق اسٹوڈنٹ۔ گھر آکے بھی نوٹس سے چمٹی ہوئی ہو....؟"

ثانیہ نے اسے چھیڑا۔ صوفوں پر اس کے نوٹس بکھرے ہوئے تھے' بھینچتے ہوئے وہ اکٹھے کرنے لگی۔

"بس یونہی۔ تیاری تو مکمل تھی۔ سوچا ایک بار دہرالوں۔" اس نے نوٹس فائل میں سمیٹ دیے تھے۔

"آپ سنائیں جارہی ہیں واپس؟" ایمہا خوشی سے چمکتا چہرہ لیے اس کے پاس آ بیٹھی۔

"ہوں۔۔۔ یہ آخری ہفتہ ہے یہاں۔" ثانیہ نے سرہلا کر کہا۔

"اوف۔۔۔" ایمہا نے جوش سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"آپ کی شادی ہوگی ثانیہ۔ کتنا مزہ آئے گا نا۔"

"ہاں۔۔۔ دوسروں کو تو مزہ ہی آئے گا۔" وہ گہری سانس لے کر بڑبڑائی۔

"مجھے بھی انوائٹ کریں گی نا۔۔۔؟"

ایمہا نے اسے یاد کرایا تو ثانیہ مسکراتے ہوئے بیگ میں سے شادی کا کارڈ نکالنے لگی۔

"دادی نے تو دو ہفتے پہلے ہی کارڈ چھپوا کے رکھ لیے ہیں۔ جو جو یاد آتا رہے گا آخری دن تک اسے کارڈ بھجواتی رہیں گی۔ تمہارا میں لے آئی تھی ساتھ۔"

ایمہا نے مبہوت ہو کر خوب صورت سا کارڈ ہاتھوں میں تھاما۔

"میں نے پہلی بار شادی کا کوئی کارڈ دیکھا ہے۔ اپنے ہاتھوں میں تھام کر۔"

وہ عجیب سی تشنگی اور معصومیت سے بولی تو اس کے ساتھ ساتھ ثانیہ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

کتنی چھوٹی چھوٹی مگر بڑی محرومیاں سہی تھیں اس انیس بیس سالہ لڑکی نے "اور اب تم ایک شاندار شادی کا آنکھوں دیکھا حال بھی بیان کرنا مستقبل میں اپنے بچوں کے سامنے۔"

ثانیہ نے اسے ہنسانے کے لیے شرارت سے کہا تو وہ لال پڑ گئی۔

"دادی کی فرمائش ہے کہ دولہا والے مہندی والے روز گاؤں آجائیں۔ حویلی میں ٹھہریں۔ وہاں سے میری مہندی لے کے آئیں۔ مایوں کی رسم ہو اور اگلے روز مجھے رخصت کروا کے پھر بارات واپس آئے۔"

ثانیہ نے ایک ہی سانس میں عجیب و غریب شادی کا نقشہ بیان کیا۔ مگر ایمہا بیچاری کو کیا خبر۔۔۔ اسے تو یہ پتا تھا کہ شادی ہو رہی ہے اور عون نے ثانیہ کو رخصت کروا کے لانا ہے اور بس۔۔۔ وہ تو اسی خوشی میں پاگل ہوئی جا رہی تھی کہ وہ اس شاندار شادی میں شرکت کرنے والی تھی۔

"کتنا مزہ آئے گا نا۔۔۔" ایمہا کی تان مزے ہی پہ آکے ٹوٹ رہی تھی۔ ثانیہ نے گہری سانس بھری۔

"بہت۔۔۔" پھر مسکرا کے اسے دیکھا۔ "لاسٹ پیپر کب ہے تمہارا۔۔۔؟"

"کل۔۔۔" وہ فوراً بولی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں پرسوں آجاؤں گی۔ تمہیں شادی کی شاپنگ کروا دوں گی۔" ثانیہ نے پروگرام سیٹ کیا تو وہ بے طرح خوش ہو گئی۔ پھر فوراً ہی پریشان ہونے لگی۔

"لیکن۔۔۔ میں وہاں آؤں گی کیسے۔ آپ کے گاؤں میں؟"

"ڈونٹ وری۔ میں معیز بھائی کو خاص تلقین کر کے جاؤں گی۔ وہ ساتھ لائیں گے تمہیں۔"

ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھپکا تو وہ کھل اٹھی۔

"تو تھینک۔۔۔" ایمہا نے اوپر دیکھا پھر ہنستے ہوئے ثانیہ کو۔ جوش بھری خوشی سے اس کے گال گلابی ہو رہے تھے۔

"شادی آپ کی ہے اور نیند مجھے نہیں آئے گی اس دن کے انتظار میں۔"
ثانیہ کو ہنسی آگئی۔
"تو تجھے کون سا آرہی ہے۔" (خوف کے مارے)
"آپ کی تو شادی ہے اس لیے نا۔ مجھے تو اس خوشی میں نیند نہیں آئے گی کہ میں زندگی میں پہلی بار کوئی شادی اٹینڈ کروں گی۔"
ایمہا کا بس نہ چلتا تھا جھوم جھوم جائے۔ ثانیہ اسے دیکھ دیکھ کے ہنستی رہی اور ایمہا اسے کرید کرید کے شادی کی رسمیں پوچھ رہی تھی۔ پھر جیسے وہ آنکھیں پھیلا کے معصوم سی حیرت کے ساتھ تھوڑا سا منہ وا کرتی تو ثانیہ کو اس پہ پیار آئے جاتا۔
وہ خوش تھی۔ بے پناہ خوش۔

☆ ☆ ☆

وہ رباب کی وجہ سے خاصے بُرے موڈ میں گھر آیا تو شام گہری ہو رہی تھی۔
اور آتے ہی عمر سے ٹکراؤ۔
وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے معیز نے اونچی آواز میں سلام کیا۔
"کیا فائدہ بھئی... اتنی دور سے آنے کا۔ جب کوئی لفٹ ہی نہ کرائے۔"
عمر نے سلام کا جواب دیتے ہی رقت آمیز لہجے میں اپنی مظلومیت اور معیز کی "بے اعتنائی" کی دہائی دی۔
سفینہ بیگم نے تاسف سے معیز کو دیکھا۔ جبکہ ایراز کو عمر کی بات پر ہنسی آئی۔ وہ بولا۔
"ویسے اتنی کو کھینچ کر آپ امریکہ تک لے گئے ہیں کویت تو اتنی دور نہیں پڑتا۔"
معیز اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ خاموشی سے آ کے صوفے میں دھنس گیا۔
"جب امریکہ جتنی دوریاں دلوں میں آجائیں تو پھر کویت بھی دور لگنے لگتا ہے میرے بھائی۔" اس نے کسی دکھی ہیرو کی شاندار نقالی کی تھی۔ زارا ہنسنے لگی۔ معیز کے ہونٹوں پر بھی ناچاہتے ہوئے مسکراہٹ پھیل گئی۔
"مسخرے ہو ابھی بھی تم پورے۔"
وہ کھڑے ہو کے کورنش بجالایا۔
"شکریہ... ذرہ نوازی ہے حضور کی ورنہ بندہ کس قابل ہے۔"
"ہاں... بندہ تو واقعی کسی قابل نہیں۔" معیز نے پُرسوچ انداز میں ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا پھر عمر کے تاثرات بگڑتے دیکھ کر ہنس دیا۔
"دیکھ لیں مامی۔ آپ کا بیٹا آپ کو سابقہ حالت میں لوٹا دیا میں نے۔ یہی طے ہوا تھا نا۔"
عمر فی الفور سفینہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا تو وہ سلگتے لہجے میں بولیں۔ تو نگاہ معیز پر تھی۔
"میں تو تب مانوں جب وہ گھٹیا عورت کی اولاد اس گھر کی انیکسی میں سے بھی دفع ہو جائے گی۔"
معیز کا دماغ تو گھوما ہی تھا۔ سفینہ بیگم کے انداز گفتگو نے عمر کو بھی بوکھلا دیا۔
ماحول کی رنگینی ایک دم ہی سنگینی میں بدل گئی تھی۔ عمر نے بڑے دنوں بعد معیز کو اپنے پہلے والے رنگ میں لوٹتے دیکھا تھا۔ مامی کے لب و لہجے کا زہر ماحول کو بدل گیا تھا۔
عمر نے سنجیدہ تاثرات اور بھنچے لبوں کے ساتھ معیز کو وہاں سے اٹھ کے جاتے دیکھا۔ تو اسے تاسف ہوا۔
"دیکھا... دیکھا تم نے۔ ایک لفظ بھی جو اس حرافہ کے خلاف سن لے تو۔"

سفینہ بیگم غصے سے تلملا کر بولیں۔

''ماما۔۔۔ آپ اپنے بیٹے کو اس معاملے میں ذہنی طور پر ٹارچر کر رہی ہیں۔ جس میں اس کا کوئی قصور ہی نہیں۔''

ایراز نے سنجیدگی بھری خفگی سے ماں کو دیکھا۔ زارا چپ تھی مگر بے زار۔

کتنی ہی بار وہ ماں کو اس معاملے کو ٹھنڈے دل و دماغ سے حل کرنے کا مشورہ دے چکے تھے۔ مگر سفینہ بیگم تھیں کہ اپنے مشہور زمانہ جاہ و جلال کو چھوڑنے میں ہی نہ آتی تھیں۔

''جس کا قصور تھا وہ تو دنیا سے چلا گیا۔ پھر یہ کیوں اس کی غلطی کو گلے میں لٹکا کے پھر رہا ہے۔ نہیں ہوتا برداشت مجھ سے۔''

سفینہ بیگم جلبلا کر بولیں۔ تو خاموش بیٹھا عمر بول اٹھا۔

''اچھا پھپھو! یہ بتائیں' آپ کو کیسی بہو چاہیے۔ آئی مین معیز کی بیوی۔''

''پڑھی لکھی ہو' شریف اور باکردار' خاندانی لڑکی چاہیے مجھے۔ جو میرے بیٹے کے ساتھ جچتی ہو۔'' سفینہ بیگم نے تنفر سے گویا ابیہا کو رد کیا۔

''آپ کو پتا ہے آپ کی۔ ''موجودہ بہو گریجویشن کا ایگزام دے رہی ہے' اور رہی خاندان کی بات تو پھوپھا کے خاندان سے ہے وہ۔ ایک ہی خون ہے اس کا اور ان لوگوں کا۔''

عمر اس قدر آرام سے مماثلت پیش کر رہا تھا کہ سفینہ بیگم ششدر سی اسے دیکھنے گئیں۔

گویا وکیل ان کا تھا اور ساتھ مخالف کا دے رہا تھا۔

''سادگی' معصومیت اور خوب صورتی ایکسٹرا کوالٹی ہے اس کی اور رہی بات معیز کے ساتھ جچنے کی تو معاف کیجیے گا وہ زیادہ نمبر لے جائے گی معیز سے۔''

عمر نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے بات مکمل کی اس کے انداز سے کہیں بھی نہیں لگا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔

زارا تو دھک سی ماں کا رنگ بدلتا چہرہ دیکھ رہی تھی جبکہ ایراز کو اچھا لگا تھا عمر کا اس بے قصور لڑکی کی حمایت میں بولنا۔

سفینہ حواس میں لوٹتی تلملا اٹھیں۔

''یہ کیا بکواس ہے عمر۔۔۔؟ میں نے کیا یہاں تمہیں اس کی صلاحیتوں اور خوبیوں پہ روشنی ڈالنے کے لیے بلایا تھا۔''

''وہ سورج جیسی لڑکی ہے پھپھو۔ جسے دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ سادہ' دنیا سے بے خبر۔ لوگ تو ترستے ہیں ایسی لڑکی کو بہو بنانے کے لیے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''تمہیں بڑا پتا چل گیا ہے پندرہ دنوں میں۔'' انہوں نے جل کر طنز کیا۔

''ظاہر ہے۔ اسی کام کے لیے۔ انویٹیشن بھجوایا گیا تھا مجھے۔'' عمر نے آرام سے جواب دیا۔

''بھائی کو فورس مت کریں ماما۔ انہیں ان کی مرضی کا فیصلہ کرنے دیں۔ ویسے بھی وہ شاید رباب میں انٹرسٹڈ ہیں۔ تو پھر انہیں موقع دیں وقت دیں صحیح فیصلہ کرنے کا۔''

ایراز نے ہمیشہ کی طرح غیر جانب داری کا مظاہرہ کیا تو سفینہ بیگم سر تھام کے بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ابیہا بے حد پرجوش تھی۔ ثانیہ کی شادی میں آنے والے متوقع ''مزے'' کے خیال ہی نے اسے خوش کر رکھا تھا۔ اس کے امتحان ختم ہو چکے تھے اور آج وہ ثانیہ کے ساتھ اپنی زندگی کی پہلی باقاعدہ شاپنگ کے لیے آئی تھی۔

مہندی کا سوٹ معہ جوتے اور جیولری کے ثانیہ نے اسے اپنی طرف سے گفٹ کیا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔
"اٹس اوکے ثانیہ۔ پیسے ہیں میرے پاس۔"
واقعی اس کا والٹ نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ ابھی تک معیز اسے جو ماہانہ دس ہزار دیتا رہا تھا اس میں سے کچھ خرچنے کی نوبت ہی کہاں آئی تھی' سو وہ اطمینان سے شاپنگ کر سکتی تھی۔
اپنی زندگی کی پہلی شاپنگ۔۔۔ والٹ میں سے نوٹ نکال کے پے منٹ کرتے اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ ایک عجیب سی سنسناہٹ اس کے وجود میں دوڑ اٹھی۔
دل یک لخت ہی بوجھل سا ہو گیا اور رنگت زرد۔
ثانیہ گھبرا کر شاپنگ ادھوری چھوڑ اسے قریبی کولڈ اسپاٹ پہ لے آئی۔ اسے روڈ سائیڈ کرسی پہ بٹھایا۔ اور زبردستی ٹھنڈا جوس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔
اور پھر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔
"ابیہا۔۔۔ آر یو اوکے؟ کیا ہوا جانو۔۔۔"
ثانیہ نے جھک کر اس کا ہاتھ تھاما تو وہ اس کے ساتھ لگ کے رو دی۔ اس کا خود پہ قابو ہی نہیں تھا۔
"بیا۔۔۔ بتاؤ تو کیا ہوا۔۔۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟" ثانیہ پریشان تو تھی ہی اب گھبرا بھی گئی۔
"بس کرو نا یار۔ روڈ سائیڈ پہ ہیں ہم۔ لوگ گھور گھور کے دیکھ رہے ہیں۔" ثانیہ نے دوسرا حربہ آزمایا اور اس کا اثر بھی فوری طور پر ہوا۔ یا شاید دل کا غبار نکالنے کے بعد اس کے "دورے" کی کیفیت کم ہو گئی تھی۔
ثانیہ سے الگ ہو کے وہ چادر سے چہرہ پونچھنے لگی۔
"جوس پیو پھر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔"
ثانیہ اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی تو اس نے خاموشی سے اسٹرا لبوں میں دبا لیا۔
"اب بتاؤ۔۔۔ کیا ہوا تھا۔۔۔ سوٹ کا کلر پسند نہیں آیا یا قیمت سن کے رو پڑی تھیں؟"
جوس ختم کرنے تک وہ خاصی سنبھل چکی تھی تب ثانیہ نے مذاقاً" پوچھا۔ تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ مگر آواز نہیں نکلی۔ گلے میں جیسے کوئی سخت چیز اٹکنے لگی۔ آنکھوں کی زمین پھر نم ہونے لگی۔
"ایسے ہی۔۔۔ یہ روپے خرچ کرتے مجھے۔۔۔ امی یاد آنے لگیں۔ وہ بے چاری تو روپیہ روپیہ کماتے جوڑتے مر گئیں۔ حلال روزی کمانے کا جنون۔۔۔ مجھے بچانے کا خوف۔۔۔ اور آج میں دونوں ہاتھوں سے یہ روپیہ اڑا رہی ہوں۔"
ثانیہ کے دل میں تاسف اور ہمدردی بھر گئی۔
"ہر انسان اپنی قسمت پاتا ہے بیا! اور یہ تمہاری امی کی دعائیں ہیں جو تمہیں لگ گئی ہیں۔ تم رو مت۔ بس ان کی بخشش کے لیے دعا کر دیا کرو۔ قرآن پڑھا کر دان کے لیے۔ اپنے دل کے اطمینان کے لیے۔"
ابیہا نے آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرانے کی کوشش کی۔
"میرے خیال میں دہی بھلے' سموسے کھا لینے چاہئیں باقی کی شاپنگ اس کے بعد۔ تمہارا ولیمہ کے لیے جوڑا لینا باقی ہے اور کچھ موسم کی شاپنگ کرواؤں گی۔ گرمی آگئی ہے اور لون کے جتنے بھی کپڑے ہوں کم ہی ہوتے ہیں۔"
ثانیہ نے جلدی جلدی کا تاثر پھیلاتے ہوئے بات بدلی۔ ابیہا متشکر ہوئی۔ واقعی' اسے کہاں خیال آنا تھا بدلتے موسم کی شاپنگ کرنے کا۔ یہ تو ثانیہ ہی تھی جو بڑی آپا بن کے خیال رکھتی تھی سب باتوں کا۔
ان دونوں نے سموسے کھائے' دہی بھلوں کی ایک پلیٹ لے کے شیئر کی اور اوپر سے کولڈ ڈرنکس۔۔۔ اس کے بعد کی ساری شاپنگ ثانیہ نے بہت اطمینان سے کروائی۔ ابیہا کو تو ہر چیز نئی اور اچھی لگتی تھی۔ ثانیہ نے خود ہی

فالتو چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے اسے کپڑوں اور ضرورت کی دوسری اشیاء کی شاپنگ کرکے دی' دونوں لدی پھندی ٹیکسی میں گھسیں تو بھی فلاں چیز اور فلاں چیز کی باتیں۔۔۔ ثانیہ اتنی اچھی شاپنگ کا کریڈٹ خود کو دے رہی تھی اور ابیہا خود کو بہت امیر تصور کر رہی تھی۔ جو اب دنیا کی ہر چیز خرید سکتی ہو۔

ابیہا کے ساتھ سامان لے کر اترتے ثانیہ نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کیا اور دونوں سامان لے کر انیکسی میں چلی آئیں۔

"غلطی کر دی۔ ٹیکسی والے کو ویٹ کرنے کا کہتی' اسی ٹیکسی پہ گھر چلی جاتی۔" ثانیہ کو پانی پیتے ہوئے دھیان آیا تو تاسف سے بولی۔

"عون بھائی سے کہیں۔ اُڑتے ہوئے آئیں گے وہ تو۔" ابیہا شرارت سے کہتی اس کے پاس آبیٹھی۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو ہے۔" ثانیہ کا دل اداس ہونے لگا۔ پہلے والا عون ہوتا تو یونہی آتا۔۔۔ پھر بھی وہ بشاشت سے بولی۔

"دادی کہتی ہیں اب عون سے مکمل پردہ کرنا ہے' ورنہ شادی والے دن منہ پہ پھٹکار برسے گی۔"

ابیہا ہنسنے لگی۔

"یہ کون سی سائنس ہے؟"

"جو بھی ہے۔ مگر مجھے شادی کے دن پھٹکار زدہ چہرہ لے کے پھرنے کا کوئی شوق نہیں۔" ثانیہ نے شانے اچکائے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج یہیں رک جائیں۔" ابیہا نے آفر کی مگر ثانیہ نہیں مانی۔

"جا کے ساری پیکنگ کرنی ہے۔ خالہ کے پورے گھر میں میری چیزوں کا پھیلاوا ہے۔ آدھی تو میرے جانے کے بعد برآمد ہوں گی۔" باہر آکے ثانیہ کو ایک بار پھر افسوس ہوا۔ رکشہ یا ٹیکسی ملتا بھی تو قدرے مین روڈ پہ آکے۔

اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ اس نے ثانیہ کو شاپنگ کرواتے ہوئے اپنی بھی تھوڑی سی چیزیں خریدی تھیں۔ اب اس کے شانے پہ شولڈر بیگ تھا اور ہاتھ میں دو شاپنگ بیگز۔ وہ تیز قدموں سے چلتی مین روڈ کی طرف بڑھی جو سامنے ہی تھی۔ مگر ایسے میں وہ اپنے پیچھے آتی گاڑی سے انجان ہی رہی۔ وہ اب بھی دھیان نہ کرتی۔۔۔

مگر اس شخص نے گاڑی عین اس کے پیچھے روکی تو ہیڈ لائٹس نے ثانیہ کو گڑبڑا کر سائیڈ پہ ہونے پہ مجبور کر دیا۔ وہ شخص پھرتی سے گاڑی سے اترا اور ثانیہ کی طرف بڑھا جو بنا اس کی طرف متوجہ ہوئے آگے بڑھنے کے ارادے میں تھی۔

اس شخص نے درشتی سے ثانیہ کا بازو تھام کر گاڑی کی طرف کھینچا تو بے اختیار ثانیہ کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر اسے زبردستی گاڑی میں دھکیل دیا گیا تھا۔۔۔ اگلے ہی لمحے اس شخص نے ثانیہ کی چیخ و پکار سے بے پروا گاڑی دوڑا دی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

اقبیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' اقبیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الھڑسی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول اقبیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ اقبیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے اقبیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر اقبیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ اقبیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' اقبیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے' مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے اقبیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو اقبیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر اقبیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ اقبیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے' مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔
معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں' مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسہ بٹور کر بلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب' معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔
ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے' مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سرپٹختی ہے' مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے' مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز' ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے' مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔
عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے' مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔
میم' ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں' مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے' تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے۔ مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا راز کھولنا پڑتا ہے۔
وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے' مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب' پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے' مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہوپاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے' مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے کمرانیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہوکر کچھ اشیائے خوردونوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کرجاتی ہے۔ ارم کی بہن سلیم ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کرکے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کررہا ہے۔ عزت کریں عون کی' اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔

رباب' سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جاکر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں' جس سے وہ گرجاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کردیتا ہے۔

۱۹
انیسویں قسط

جس طرح ثانیہ کو گھسیٹ اور کھینچ کر گاڑی میں ڈالا گیا تھا' اس کا سر بری طرح گاڑی کے دروازے سے ٹکرایا۔ مگر اس وقت اسے اس تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ "میں اغوا ہوگئی ہوں۔"

پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ شخص آکر بیٹھا ہی تھا کہ ثانیہ نے اس پر بلی کی طرح غرا کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

مگر عون پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھنڈی ہوگئی۔ پہلا اطمینان تو یہ ہوا کہ اغوا سے بچ گئی' عون نے گاڑی چلادی تو ثانیہ کا غصہ بھی عود کر آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی' بلکہ بدتہذیبی۔" سر کی چوٹ جیسے ابھی ابھی لگی ہو۔ ایسی ٹیس اٹھی تھی دماغ میں۔ پیشانی کا درد الگ

"تم جیسوں کے ساتھ جو بھی کیا جائے وہ کم ہے۔" عون کا لہجہ۔ اف۔ پتھر برساتا۔ ثانیہ بلبلا اٹھی۔ روح تک چوٹ گئی تھی۔ زبان سے برسنے والے پتھر روح کو ہی زخمی کیا کرتے ہیں ناں۔

"مجھ جیسوں سے کیا مراد ہے تمہاری۔ اور یہ گاڑی۔ روکو۔ روکو اسے۔"

تلملا کر بے حد غصے سے کہتے ہوئے ثانیہ نے اسٹیئرنگ تھامے عون کے ہاتھوں پہ ہاتھ مارے تو گاڑی سڑک پہ لہرا سی گئی۔ وہ ابھی مین روڈ پہ داخل ہوئے تھے۔

"پاگل ہوگئی ہو۔ ایکسیڈنٹ کرواؤ گی؟" عون نے بائیں ہاتھ سے اسے پیچھے دھکیلا۔

"ہاں۔ ایک ہی بار کا مرنا قبول ہے مجھے۔" ثانیہ نے چلا کر کہا تو عون نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ ویسی ہی دکھائی دی۔ ہٹ دھرم اور ضدی۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ ڈیٹ پہ نہیں لے جا رہا ہوں۔ کچھ باتیں واضح کرنی ہیں تم پر اور کچھ حقیقت۔" کٹیلے انداز میں کہا۔

بھالا سیدھا ثانیہ کے دل میں کھبا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ "مخالف" کی خاموشی کا مطلب "سب ٹھیک" ہے تو وہ سوچ غلط نکلی۔ اور انا پرست تو وہ بھی بہت سخت تھی۔ اخروٹ کا سا خول فوراً ہی خود پر چڑھا لیا۔

لو بھلا۔ لڑکیاں موم کی گڑیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر گرم ہو کر پگھلا ڈالا انہیں۔

"خوش فہمی میں تو تم گھرے ہو عون عباس۔ میرا رویہ تو اول روز سے ہی یہی ہے۔ گھٹنے تو تم نے ٹیکے تھے۔ میں نے نہیں۔"

کیا برف تھی لہجے میں۔ عون تو تڑپ ہی اٹھا گویا۔ کتنے آرام سے وہ باور کرا گئی تھی کہ وہ نہ کل عون عباس کو کچھ سمجھتی تھی اور نہ آج سمجھتی ہے۔ زہر آلود تیر۔

"شٹ اپ۔ میں اگر تم سے نرمی سے پیش آتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھٹنے ٹیک چکا ہوں تمہارے آگے 'صرف تمہارے لڑکی ہونے کا احساس ہے مجھے۔"

عون کے ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ وہیل پر سخت تھی دانت کچکچا کر بولا۔

ثانیہ نے اپنا مضروب سر ہاتھ سے سہلایا۔

"ویری گڈ۔ واپسی پہ مجھے ماموں جان سے ضرور ملوانا۔ یہ سر کی چوٹ تو میں ضرور ہی دکھاؤں گی۔ جو تم نے اغوا کرنے کے دوران لگائی ہے مجھے۔"

"ہنہ۔ اغوا کرنے کے لیے تم ہی رہ گئی ہو نا اس دنیا میں۔" عون نے تنفر سے ہنکارا بھرا۔

"تمہارا عمل تمہارے لفظوں سے میل نہیں کھا رہا مسٹر عون۔" تلخی ثانیہ کے لہجے میں بھی برابر کی تھی۔

"کب سے پیچھا کر رہے ہو میرا۔ یونہی تو دولہ بن کے نہیں ٹپک پڑے ایمہا کے گھر کے باہر۔"

اس قدر تمسخر۔ اف۔ اف۔ عون کا دل چاہا سامنے درخت میں گاڑی دے مارے۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے شادی کے نام پر؟" اچھی طرح دانتوں کو پیس اور کچکچا لینے کے بعد عون نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میرے خیال میں آخری فون کال پہ ہم یہ بات ڈسکس کر چکے ہیں۔" ثانیہ نے برجستہ جتایا۔

"ثانیہ یہ مذاق نہیں زندگی ہے۔" عون سنجیدہ تھا۔

"اس زندگی کو مذاق تم بنا رہے ہو میں نہیں۔" وہ سامنے اندھیرے میں گھورتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"ہم ایک اچھا فیصلہ کر کے اپنی زندگیوں کو بہتر بنا سکتے تھے۔"

عون نے جتنی آسانی سے کہہ دیا' ان لفظوں کو سننا' ثانیہ کے لیے اتنا آسان ثابت نہ ہوا۔ دل جیسے کسی نے چیر سا دیا ہو۔

"میری زندگی کی فکر تم میرے لیے چھوڑ دو۔ اور اپنی زندگی کا جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو وہ کر لو۔"

بڑے حوصلے سے ثانیہ نے اپنے دل کے ٹکڑے کرکے عون کا حصہ الگ کرنا شروع کیا تھا۔ آنسو تھے کہ امڈے پڑتے مگر وہ اپنی زندگی کی تمام تر برداشت آزمانے پر مجبور تھی۔ آنسو روکنے کی کوشش میں حلق دکھنے لگا۔

"یہی تو کر نہیں سکتا۔" عون نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسٹیئرنگ پہ مارے۔ اور سلگتے ہوئے بولا۔

"یہ ہم دونوں کی مرضی سے ہونے والا فیصلہ ہے۔ تم اپنی بات پر اڑ جاؤ اور باقی کا درد سر میرے لیے چھوڑ دو۔"

عون نے بات ختم کرتے ہوئے گاڑی روک دی۔ پھپو کا گھر آگیا تھا۔

عون نے اس کی طرف دیکھ کر چبھتے لہجے میں کہا۔

"ویسا ہی انکار۔ جیسے تم نے پہلے کیا تھا۔" ثانیہ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی۔

عون نے نیچے اتر کر پچھلی نشست پہ بکھرے ثانیہ کے شاپنگ بیگز نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

ثانیہ نے بیگز تھامتے ہوئے عون کی طرف دیکھا۔

"میں نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ کر چکی عون۔ اب تمہاری باری ہے۔"

ثانیہ نے حوصلے سے اسے "آزاد" کیا تھا۔ مگر عون کی توجہ اس کے الفاظ پہ نہیں' اس کی پیشانی پہ تھی۔ جہاں شاید گاڑی کی رگڑ سے ہلکا سا خون رس رہا تھا۔ عون کا دل کٹنے لگا۔

اس نے بے اختیار اور بلا ارادہ ہی ثانیہ کا ہاتھ تھاما تو وہ جو گیٹ کی طرف مڑ رہی تھی' کرنٹ کھا کر پلٹی۔ "ایک سیکنڈ ٹھہرو۔"

وہ اپنے والٹ میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ ثانیہ بڑے ضبط سے کھڑی رہی۔ عون نے سنی پلاسٹ نکال کر اس کی پیشانی کے زخم پہ لگایا تو وہ ساکت سی رہ گئی۔

عون کو در حقیقت یہ چوٹ اپنے دل پہ لگتی محسوس ہوئی تھی۔

وہ ثانیہ کو ایک کانٹا چبھنے جتنی تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ مگر جب ثانیہ کو غصے سے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا تو اس وقت شاید وہ انسان نہیں رہا تھا۔

"آئم سوری۔" نرم اور بستہ ہارا ہوا سا لہجہ۔

ثانیہ کا دل پگھل کر موم ہوا اور آنکھوں کے راستے بہہ نکلا۔ اس کے بالکل نزدیک کھڑا یہ شخص اب اس کے لیے کیا تھا وہ اگر ابھی جان جاتا تو اپنے ہونے پر فخر کرتا۔ "اور جو چوٹ دل پہ لگا رہے ہو اس کا کیا۔؟" رندھے ہوئے لہجے میں کہتی وہ یک لخت پلٹی اور ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ دیا۔ فوراً" ہی اسے احساس ہو گیا کہ عورت کے لیے اپنی شکست کا اظہار کرنا کس قدر مشکل کام تھا۔

آپس میں محبت اور مان ہو تو عورت کے لیے شکست کا اظہار "رومینس" کہلاتا ہے' لیکن اگر یہی کام وہاں کرنا پڑے جہاں معاملہ یکطرفہ ہو تو عورت کو ایسا اظہار "ذلت" کے مترادف لگتا ہے۔

ثانیہ بھی اسی مقام پر کھڑی تھی' جہاں آج یہ اظہار ذلت لگ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھلنے پہ مڑ کے دیکھے بنا اندر چلی گئی۔ اور عون عباس اس کے پہیلی نما لفظوں کے دریا میں چک پھیریاں کھا رہا تھا۔

یہ عورت بھی کیسی پہیلی ہے۔ جس کا جواب مرد کے پاس تو ہر گز نہیں ہے۔

عون کو بھی رندھے ہوئے اس لب و لہجے کا جواب نہیں مل سکا تھا۔

جیتی ہوئی عورت کا اتنا ہارا ہوا انداز؟ ماؤف ذہن لیے وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

اندر آتے ہی اس نے لاؤنج میں صوفے پر شاپنگ بیگز پھینکے اور خود بھی وہیں گر کے ہاتھوں میں منہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

خالہ جان جو اس کے انتظار میں وہیں میگزین لے کے بیٹھ گئی تھیں عینک کے اوپر سے جھانکتی حیران و پریشان ہو گئیں۔

"ہائیں۔ تمہیں کیا ہو گیا آتے ہی۔؟" وہ میگزین سائیڈ پہ رکھتی اٹھ کے اس کے پاس آبیٹھیں۔ تو ثانیہ کے آنسو تو کیا سانس بھی تھم سی گئی۔ شدید جذباتیت میں اس نے خالہ کی موجودگی کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔

پسیجتا چہرہ' سرخ ہوتی آنکھیں اور سوں سوں کرتی ناک' خالہ کا دل کسی نے مٹھی میں کر لیا۔

انہوں نے بے اختیار اسے تھام کے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ثانیہ! میری بچی۔ کیا ہوا ہے؟"

ان کے ذہن میں کئی وہم چھکا چھک ریل گاڑی کی طرح گزر رہے تھے۔

وہ یونہی خاموش ان کے ساتھ لگی ان کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتی خود کو سنبھالتی رہی۔ اور خالہ بے چاری ہولتی رہیں۔

"تم تو اپنی دوست کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھیں نا۔" وہ آہستہ سے ان سے الگ ہو کر دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کھنکھاری اور پھر صاف مگر دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"جی۔ کرلی شاپنگ۔"

"تو پھر روئیں کیوں؟" انہیں اچنبھا ہوا۔ وہ اٹھتے ہوئے اپنے شاپنگ بیگز ان کے سامنے الٹ کر بات برائے بات بولی۔

"وہ ایسے ہی دکان دار اتنی مہنگی مہنگی چیزیں بتا رہے تھے' بیبا کے ساتھ میں نے اپنی بھی کچھ چیزیں لے لیں۔"

"تو تم اس وجہ سے روئیں کہ دکان دار نے چیزیں مہنگی بتائیں؟" خالہ کی آواز مارے حیرت کے کچھ زیادہ ہی بلند ہو گئی۔ ثانیہ سٹپٹائی۔

"نہیں۔ روئی تو ایسے ہی تھی بس۔"

"ثانی۔!" خالہ نے تادیبی انداز میں اسے پکارا۔ اور اس پکار کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ ان کے پاس بیٹھی اور لاڈ سے ان کے گلے میں بازو ڈال دیے۔

"ایسے ہی خیال آیا کہ کل آپ کو چھوڑ کے چلی جاؤں گی واپس۔"

"بے وقوف۔ شادی پہ میں بھی انوائیٹڈ ہوں۔" خالہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ثانیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اب تو بہانہ بنانے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کب مل رہی ہو سویٹ ہارٹ؟" سیفی بے قرار تھا۔ رباب نے کوفت سے بھنویں اچکائیں۔ شکر ہے کہ ویڈیو کال نہیں تھی۔ ورنہ سیفی کو اپنی "اوقات" ضرور پتا چل جاتی۔

"تم کب آ رہے۔ تمہارا تو ڈیڑھ ہفتے کا (قیام) Stay تھا ابوظہبی کا۔"
"بس۔" وہ آہ بھر کے بولا۔
"تمہاری یاد اب کہیں ہفتہ بھر سے زیادہ ٹکنے ہی کہاں دیتی ہے ہنی۔ تمہارے لیے شاپنگ کی ہے۔ بہت اعلا۔" رباب کے ہونٹوں پہ خوب صورت سی مسکراہٹ کھل گئی۔
"نہ کیا کرو سیفی۔ کیوں روپیہ ضائع کرتے ہو میرے پاس چیزوں کی کمی ہے کیا۔" وہ بن کر بولی۔
"ضائع۔؟" سیفی گویا برا مان گیا۔
"حسن کا صدقہ نکالتا ہوں میں تو۔ محبت ہے یہ میری۔"
"اوفوہ۔ ایک تو تم ناراض بہت جلدی ہو جاتے ہو۔ او کے آئی ول ایکسیپٹ۔ (میں قبول کرلوں گی) لیکن آئندہ کے لیے احتیاط کرنا۔"
رباب نے گویا اس پر احسان دھرا۔ دوسری جانب سیفی زیر لب اسے بے آواز گالی دے کر رہ گیا۔
"تم نے وعدہ کیا تھا میرا فلیٹ دیکھنے آؤ گی؟" وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔ رباب بڑے ناز سے ہنسی۔
"کون سا میرا ہے جو میں اسے دیکھنے جاؤں۔"
"خزانہ بھرا پڑا ہے سوئس بینک میں اپنا جانم۔ منہ دکھائی میں بلینک چیک دوں گا تمہیں۔ اور روپیہ تو اتنا ہے اپنے پاس کہ ہنی مون پہ تمہیں واقعی چاند پہ لے جاسکتا ہوں میں۔" ادھر اگر خواہشات کی ماری۔ نفس کی غلام تھی تو دوسری طرف سیفی بھی شیطان کا آلہ کار تھا۔
وہ لڑکیوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھا۔
اپنے "بزنس" کے دوران اس کا ہر طرح کی لڑکیوں سے واسطہ پڑا تھا۔ کچھ ایبہا مراد جیسی تھیں جوان کی قید میں رہ کر بھی عزت کا سودا نہ کرتی تھیں اور کچھ رباب احسن جیسی جو دولت کی چکا چوند سے متاثر ہو کر گھٹنے ٹیک دیتی تھیں۔
اور بہت سی "حنا" جیسی تھیں۔ حالات اور غربت کی ماری۔ جن کے لیے عزت سب کچھ ہوتی ہے مگر ایک بار عزت جانے کے بعد وہ احتجاج کرنا چھوڑ کر اس دلدل میں دھنستی چلی جاتی ہیں۔ شاید قدرت سے بدلہ لینے کے لیے؟ یونہی تو ان کو خسارے میں نہیں کہا گیا نا۔
اس کی لاف زنی۔ کوئی عقل مند لڑکی ہوتی تو پھونک پھونک کے قدم رکھتی۔ مگر رباب کی عقل تو سونے کا پانی چڑھے زیورات اور مہنگے گفٹس نے سلب کر رکھی تھی۔
اس کا دل بہت ترنگ میں دھڑکا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔
"اوہ سیفی۔ یو آر ڈارلنگ۔"
وہ ستارے توڑ لانے کی بات نہیں کر رہا تھا۔ چاند پہ لے جانے کا کہہ رہا تھا اور رباب کو یقین تھا کہ وہ واقعی اسے لے جاسکتا ہے۔ معیز کے ناروا رویے کا دکھ ہلکا پڑنے لگا۔

"تو پھر ڈن کرو یار۔ کب آرہی ہو فلیٹ دیکھنے؟" سیفی بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔ رباب کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ کھل گئی۔ وہ سیفی جیسے "چیک" کو "کیش" کرنے کا طریقہ جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ نے بذات خود فون کر کے معیز سے ہزار ہا وعدے لیے تھے ایبہا کو شادی میں ساتھ لانے کے۔ اور معیز

کی کیا مجال ثانی جیسی "زبردست" خاتون کے ساتھ آنا کانی کر سکتا۔ مگر شاید اتنے عرصے میں تبدیلی آہی گئی تھی۔ **معیز** کو **ایبہا** کے لیے اب نفرت نہیں محض کوفت کا احساس ہوتا تھا۔ جو کہ ابھی بھی ہوا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ثانیہ نے **ایبہا** کے ساتھ اچھا خاصا بہناپا گانٹھ رکھا ہے۔

عون سے شکایت کی تو اس کا جلا کٹا انداز۔

"تمہیں تو بس زبردستی **ایبہا** کو ساتھ لانے کو کہہ رہی ہے' میرے ساتھ تو زبردستی شادی کر رہی ہے وہ۔ اور میں بے چارہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

معیز ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا کہ دنیا میں بڑے بڑے دکھی بھرے پڑے ہیں۔

کھانے کے بعد سفینہ سونے کے لیے چلی گئیں۔ زارا اور ایراز بچوں کی طرح ٹی وی کے ریموٹ کے لیے لاؤنج میں جھگڑ رہے تھے۔ عمر اور **معیز** لان میں ٹہلنے نکل آئے۔ کچھ عمر کی طبیعت صاف کرنے کا بھی ارادہ تھا' ورنہ **معیز** نے پچھلی دوستی کو تو اس بار ذرا بھی ملحوظ خاطر نہ رکھا تھا۔

"موسم کافی گرم ہو گیا ہے اب تو۔" عمر بولا۔

"خیر۔ شامیں ٹھنڈی ہیں ابھی۔" **معیز** نے اختلاف کیا۔ جواباً" وہ ایک لمبی سی "ہوں" کر کے چپ ہو گیا۔

"تم **ایبہا** سے کیا بکواس کرتے رہے ہو۔ غریب بہن اور شادی کے مسائل وغیرہ۔"

معیز نے حساب صاف کر لینا مناسب سمجھا۔

"وہ۔" عمر ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"وہ تو بس ایک جوک تھا۔ مگر یار۔ الس وری اسٹرینج (یہ بہت حیرت انگیز ہے) آج کل کے دور میں اتنی سیدھی سادی لڑکیاں نہیں ہوتیں۔ تمہاری محترمہ اپنی طرز کا آخری پیس رہ گئی ہیں بس۔"

وہ متاثر ہونے والے انداز میں بولا' تو **معیز** نے بے رخی سے اسے جھڑک دیا۔

"اب اپنی فضول حرکتوں کی پٹاری بند ہی رکھنا۔ وہ دوسری لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔"

"نیکی کی پری ہے وہ۔ ایک منٹ نہیں لگا اسے پانچ ہزار نکال کے مجھے تھمانے میں۔"

عمر مسکرایا۔ **معیز** نے چاند کی روشنی میں اس کی مسکراہٹ کو کھوج کر جیسے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کی خفیف سے شانے اچکا کر بولا۔

"میں ہمیشہ اپنا **نیکسٹ** موبائل پہلے والے سے بہتر لیتا ہوں۔ ہم میں سے ہر کوئی ایسے ہی کرتا ہے۔ ہمارا اگلا قدم پہلے سے مضبوط ہوتا ہے۔"

وہ عجیب سی باتیں کر رہا تھا' **معیز** نے نہ سمجھنے والے انداز میں عمر کو دیکھا۔

وہ سنجیدہ تھا۔ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ جسے تم **ایبہا** پر فوقیت دے رہے ہو' وہ **ایبہا** سے بڑھ کے خوبیوں سے مالا مال ہو گی۔ اتنی ہی انوسینٹ (معصوم) اور باکردار۔" **معیز** کا ذہن سنسنا اٹھا۔

وہ کس پس منظر میں یہ باتیں اسے سنا رہا تھا؟ یقیناً" سفینہ بیگم اسے رباب میں **معیز** کی دلچسپی کے متعلق بتا چکی ہوں گی۔

"میں اپنی زندگی کی ترجیحات اچھی طرح جانتا ہوں اور اس کے لیے مجھے کسی سے ڈکٹیشن لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" **معیز** کا لہجہ سرد تھا۔

"تم عون کی شادی میں شریک ہونے جا رہے ہو؟" لمحہ بھر اسے دیکھتے رہنے کے بعد یکایک ہی ہلکا سا مسکرا کر عمر

نے ٹاپک ہی تبدیل کر دیا۔
وہ ایسا ہی تھا ہمیشہ سے لہجوں کی زبان سمجھنے والا۔ کوئی بات دل پہ لیتا ہی نہیں تھا۔ معیز نے بھی گہری سانس بھر کے خود کو قدرے معتدل کیا۔ اور اثبات میں سر ہلایا۔
"ہوں۔"
پھر کچھ سوچ کر معیز نے اسے گھور کے دیکھا۔
"ایک بات تو بتاؤ۔ ماما نے تمہیں یہ رشتہ ختم کرنے کے لیے بلوایا ہے یا پکا کروانے کے لیے؟"
"مجھے وہ لڑکی بہت مظلوم لگی ہے معیز! زمانے اور حالات کی ستائی ہوئی۔"
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عمر سنجیدگی سے بولا۔
اس کا قطعا" ارادہ نہیں تھا معیز کو یہ بتانے کا کہ وہ ایمہا کے حالات زندگی کی اصل رپورٹ عون عباس سے حاصل کر چکا ہے۔
معیز اسے یونہی تیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ تو عمر صفائی پیش کرنے والے انداز میں دوبارہ بولا۔
"جب پھپھو نے مجھے بتایا کہ اس طرح تم کسی لڑکی کے چنگل میں پھنس گئے' مجھے لگا شاید کوئی غلط قسم کی لڑکی ہوگی۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک خاندانی لڑکی ہے۔ انکل کا اس سے ہٹ کے ایک جذباتی لگاؤ تھا۔ تب ہی انہوں نے اپنا سب سے عزیز بیٹا اس کے حوالے کر دیا۔"
معیز کو یاد آیا۔ امتیاز احمد کو معیز کے ساتھ ایمہا کے نکاح والے فیصلے پر بہت اطمینان تھا۔
"کبھی اس سے ملو گے تو میرے فیصلے کو بہترین پاؤ گے۔" وہ کہا کرتے تھے۔
"وہ ایک پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکی ہے۔ کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں' جس کی بنا پر تم اسے چھوڑنا چاہتے ہو؟" عمر محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔
معیز نے خالی الذہن کیفیت میں اسے دیکھا۔
وہ خوب صورت نہیں۔؟ بہت خوبصورت تھی۔ معیز نے پل بھر کو سوچنا چاہا۔
واقعی۔ سفینہ بیگم کے دباؤ کے علاوہ اور کیا وجہ تھی 'ایمہا سے جان چھڑانے کی؟ اس نے دل کو ٹٹولا۔
کیا میں اس سے اس لیے نفرت کرتا ہوں کہ وہ صالحہ کی بیٹی ہے؟ وہ صالحہ جو میری ماں کی زندگی کی خوشیوں کی قاتل ہے؟ وہ دنگ رہ گیا۔
اس نے اپنے دل کو ایمہا کی نفرت سے خالی پایا تھا' اسے خود سے الجھتا چھوڑ کر عمر خاموشی سے اندر چلا گیا۔

✡ ✡ ✡

"سفیر کی واپسی کی خوش خبری سنی ہے میں نے۔" ناشتے کی میز پر سفینہ نے گویا دھماکا ہی کر دیا۔ بہت سرخوشی کا سا عالم تھا ان کے لہجے میں۔
معیز کو بھی خوشی ہوئی جبکہ عمر اور ایراز نے خوامخواہ کھانس کھانس کے زارا کو نروس کر دیا۔
"یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے۔" معیز مسکرایا۔

"وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔" سفینہ مسکرائیں۔
"ہاہ۔" عمر نے حسرت سے آہ بھری۔ زارا کو مارے شرم کے وہاں سے بھاگنا ہی پڑا۔
"ناشتا کر لو۔ ہم اس کے کمرے میں بھی جائیں گے تنگ کرنے۔" عمر نے ایراز کو جیسے تسلی دی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے ماما۔ آپ سوچ لیں کیا ڈیٹ دینی ہے۔" معیز نے انہیں فری ہینڈ دیا۔
"ہوں۔" سفینہ بیگم کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔
"بہت عرصے بعد گھر میں خوشی کا موقع آرہا ہے۔"
"تو لگے ہاتھوں کچھ اور خوشیاں بھی منا ڈالیں۔" ایراز نے دبے لفظوں اپنی طرف اشارہ کیا۔ سفینہ بیگم اس کی بات اچھے سے سمجھیں مگر اطمینان سے بولیں۔
"ہاں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ زارا کے ساتھ معیز کو بھی نمٹا دوں۔ سفیر کو اچھا لگے گا اگر ہم رباب کے لیے پروپوزل دیں گے۔"
ایراز نے بے اختیار معیز کا چہرہ دیکھا جہاں تاثرات فوراً" تبدیل ہوئے تھے۔
(اف۔ دو کشتیوں کا سوار)۔
ایراز دل ہی دل میں کڑھا۔
"فی الحال تو آپ زارا کو دیکھیں ماما۔ اتنے اہم موقع پر میں کسی بھی قسم کا کوئی ایشو نہیں چاہتا۔"
معیز نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے چائے کا خالی کپ ساسر میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"کوئی ایشو نہیں ہوگا معیز۔! ایشو تو تب بنے گا جب سفیر کو پتا چلے گا کہ اس لڑکی کا تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے۔" سفینہ بیگم کا لب و لہجہ بہت ٹھنڈا تھا مگر معیز کا تو تن بدن ہی سلگ گیا۔
"میرے خیال میں آپ فی الحال زارا کی شادی پر ہی فوکس رکھیں۔ میں جب فارغ ہوں گا تو آپ کو بتا دوں گا۔ تب آپ اپنے دل کے سارے ارمان نکال لیجئے گا۔"
وہ اللہ حافظ کہتا آفس کے لیے نکل گیا۔ اور پیچھے تڑپتے ترستے دو حسرت زدہ دل رہ گئے۔

ایراز احمد اور عمر۔
"اف۔ کیا ادا ہے بھائی کی۔ اور جو پہلے سے فارغ بیٹھے ہیں انہیں کوئی پوچھ نہیں رہا۔"
ایراز نے ماں کا موڈ بدلنے کی خاطر منہ بسور کر کہا۔
"فارغ۔ بلکہ ویلے نکمے۔"
یہ لقمہ عمر کا تھا۔ پھر ساتھ ہی تڑکے کے طور پر اضافہ بھی کیا گیا۔
"تنی ترسا ترسا کے اگر میری شادی کی گئی تو میں اکٹھی دو ہی کروں گا۔" یہ عمر کا مصمم ارادہ تھا۔ سفینہ کو ہنسی آگئی۔
"بدتمیز۔ بتاتی ہوں میں بھائی صاحب کو۔" انہوں نے دھمکایا۔
"بھائی صاحب کیوں بھابھی صاحبہ کو ڈائریکٹ کال ملائیں 'جو میرے سوبر اور سیریس ہونے تک میری شادی کو ٹال چکی ہیں۔"
عمر نے تڑپ کر کہا۔ ایراز نے مسکراہٹ دبائی اور بظاہر بڑی ہمدردی سے بولا۔
"اف۔ یعنی پھر تو کبھی آپ کی شادی نہیں ہوسکتی۔ چچ چچ۔"
عمر نے خالی گلاس اٹھا کر اسے دھمکایا تو ایراز اور سفینہ بیگم ہنسنے لگے۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس کے لیے نکلا تو الجھن کا شکار تھا۔ ان دنوں کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی دل پہ۔
وہ رباب کے لیے سنجیدہ تھا۔ مگر اس کے رنگ ڈھنگ دیکھتا تو وہ بیوی والے سانچے میں پوری نہ آتی تھی۔

گزشتہ لڑائی کے بعد تو دونوں میں سے کسی نے بھی ابھی تک صلح کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

وہ گاڑی باہر نکال رہا تھا جب اس نے ایبہا کو گیٹ سے باہر نکلتے دیکھا۔ ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھامے دوسرے سے اپنا پرس چیک کرتی۔ مصروف سا انداز۔

معیز نے گاڑی اس کے قریب لا کر زور سے ہارن بجایا تو وہ بدک کر ایک طرف ہوئی۔ پھر معیز کو دیکھا تو اس کے چہرے پر اطمینان سا پھیل گیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔ وہ بھی اکیلی؟" ایبہا ہچکچا کر کھڑکی کے پاس آئی۔

"مجھے اپنا جوتا تبدیل کرانا تھا۔ ثانیہ تو واپس جا چکی ہیں اس لیے اکیلے ہی جانا پڑا۔"

اس نے تفصیل بتائی تو معیز نے اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جھک کر فرنٹ ڈور ان لاک کرنے لگا۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آبیٹھی۔

"کہاں سے لیا تھا جوتا؟"

معیز نے پوچھا تو ایبہا نے مشہور برانڈ کا نام بتایا اور ساتھ ہی شاپنگ بیگ بھی دکھایا جس پہ اس برانڈ کا نام جگمگا رہا تھا۔

"تو چیک کر کے لیتیں۔ زہر لگتا ہے مجھے لڑکیوں کا یوں اکیلے بازاروں میں گھومنا۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"میں گھومنے نہیں جا رہی تھی۔" وہ بے اختیار ہی اسے ٹوک گئی۔ معیز نے اس کی طرف دیکھا تو وہ حواس باختہ سی ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کہ میں تو ضروری کام سے جا رہی تھی۔"

"اکیلی۔" معیز نے پھر جتانے والے انداز میں کہا۔ تو وہ آہستہ سے بولی۔ "جو اکیلا ہو وہ اکیلے ہی جاتا ہے۔"

"اف۔" معیز سلگا۔ "ڈیم اٹ۔ یہاں تو سب ہی پہیلیاں بجھوانے والے۔ طنز کے تیر چلانے والے ہیں۔"

"دنیا میں رہنے کے لیے دنیا میں رہنے کے آداب بھی آنے چاہئیں انسان کو۔"

وہ پتا نہیں کیوں غصے میں تھا۔ ایبہا نے ذرا سا چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ بے حد الجھا ہوا۔ اور دوسرے کو الجھا دینے والے موڈ میں تھا وہ۔

"اسی لیے تو اکیلی جا رہی تھی۔"

بات گو ذرا سی تھی مگر معیز کو ٹھنڈا کر گئی۔

وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ شاپ پہ جا کے ایبہا نے جوتے کا نمبر تبدیل کرایا۔

بڑے سے شاپنگ مال میں ساری دکانیں ہی برانڈڈ اشیا کی تھیں۔

"سنو۔۔۔" وہ باہر کی جانب چل رہی تھی۔ جب معیز نے اسے آواز دی' مگر شاید وہ اپنے دھیان میں تھی۔ چونکی تو تب جب اس کا ہاتھ ایک ملائم سی گرفت میں آگیا۔ اس نے کرنٹ کھا کر دیکھا۔ وہ قدرے جھنجلایا ہوا تھا۔

"آواز دے رہا ہوں تمہیں اور تم منہ اٹھائے چلی جا رہی ہو۔" ایبہا نے غیر محسوس کن انداز میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر خواہ مخواہ ہی ماتھے پہ دوپٹا ٹھیک کیا۔

"جی۔۔۔"

"ثانیہ کی شادی ہے۔ شاپنگ کر لو۔ تمہیں ساتھ نہ لے کے گیا تو شاید میرے لیے بھی نو اینٹری کا بورڈ لگ جائے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

ثانیہ کے حوالے پر ایبہا کا دل اسی مان سے بھرا جیسے لڑکیوں کا اپنے میکے کے کسی رشتے کے مان سے بھرتا ہے۔

ثانیہ اسے معیز پر ترجیح دیتی تھی۔ یہ سوچ ہی اس کا خون بڑھا گئی۔

معیز نے اس کے چہرے پر پھیلتی دلفریب سی تمتماہٹ دیکھی۔

"شاپنگ تو مجھے ساری کروادی تھی ثانیہ نے۔" معیز کو اپنے کندھوں سے کوئی بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"دیٹس گڈ۔۔۔" وہ ریلیکس سا اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اگلی شاپ سے نکلتے ہوئے کوئی معیز سے ٹکرایا۔

"اوہ۔۔۔ سوری۔" وہ گڑبڑایا۔ پھر خوش گوار سی حیرت کا شکار ہوا۔

"رباب۔۔۔" مگر رباب کی تیکھی اور تلخ نگاہ ابیہا پر گڑی تھی۔ جو کچھ خائف سی ہونے لگی تھی۔

"شاپنگ کرنے آئی ہو۔۔۔؟"

معیز نے قصداً" اس کے حلیے کو نظرانداز کیا۔ بنا دوپٹے کے بغیر آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس وہ دعوت نظارہ دیتی محسوس ہو رہی تھی۔

"سوری۔ پھر بات ہوگی۔ میں اس وقت کسی کے ساتھ شاپنگ میں بزی ہوں۔"

وہ بڑی نخوت سے کہتی ٹک ٹک کرتی اگلی شاپ میں گھس گئی۔ معیز کئی لمحوں تک یونہی کھڑا رہ گیا۔ اور ابیہا کا دل تو اونچی نیچی لہروں میں گویا ہچکولے کھا رہا تھا۔

وہ جانتی تھی رباب اور معیز کے تعلق کو۔۔۔ اسے محسوس ہو گیا تھا۔

"چلو۔۔۔" اس نے بت بنی کھڑی ابیہا کو اشارہ کیا تو وہ ہڑبڑا کر بے دار ہوئی۔ بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے معیز نے سرسری سی نگاہ ابیہا پر ڈالی۔

پوری آستینوں اور نفیس سا دوپٹا بہت سلیقے سے اوڑھے وہ اپنی زینت کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ ایک مکمل عورت' اس کے ذہن میں عمر کے کل رات کے کہے جملے چکرانے لگے۔ کھلے عام رباب کے اس حلیے نے معیز کا دل پھر سے مکدر کیا تھا اور وہ اس معاملے پر رباب سے بحث کرنے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔

ابیہا کو گھر کے سامنے اتارا۔

"بہت شکریہ۔" وہ متشکرانہ کہہ کر گاڑی سے اتری اور آگے بڑھ کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ معیز نے سائیڈ مرر میں دیکھا۔ اس کا خود کو سمیٹ کر چلنے کا انداز اور دوپٹے سے ڈھکا وجود' وہ خود سمجھ نہیں پایا کہ ذہن میں کیا چل رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

"آ رہی ہو نا پھر مجھے ایرپورٹ پہ ریسیو کرنے۔۔۔" سفیر کی زندگی سے بھرپور آواز گونجی تو کان سے موبائل لگائے زارا بے اختیار ہنس دی۔

"بہت اچھا لگے گا نا دلہن خود دولہا کو ریسیو کرنے آئی ہے۔" سفیر کو بہت اچھا لگا۔

"آہا۔ میری دلہن۔۔۔!" اس نے گویا مہر ثبت کرنا چاہی۔ زارا ایک لخت ہی جھینپ سی گئی۔ سفیر کو اس کی پر حجاب سی خاموشی نے مزا دیا۔

"بلکہ میں تو چاہتا ہوں مجھے ریسیو کرنے فقط تم ہی آؤ۔ کیوں کہ گھر میں سب کے سامنے تو تم ملو گی نہیں۔" اسے چھیڑا۔

"تو پبلک میں کیا ہم ڈوئٹ (دوگانا) گا کر ملیں گے۔" وہ بے ساختہ بولی۔

پھر دونوں ہنسنے لگے۔ مسلسل ٹیلیفونک رابطے کی وجہ سے دونوں کی کیمسٹری خوب ملنے لگی تھی۔ سفیر میں اچھے شوہروں والی تمام خوبیاں موجود تھیں جن میں سب سے پہلی خوبی ان کا آپس میں دوستی کا رشتہ تھا۔

"تم سامنے آؤ تو سہی۔ ملنے کا طریقہ خود بخود آجائے گا۔" سفیر نے لطیف سی شرارت کی تو وہ حجاب آلود انداز میں مدھم سا ہنس دی۔ پلکوں پہ جیسے کسی نے منوں بوجھ لاد دیا ہو اور سامنے۔۔۔ سامنے سفیر احسن بیٹھا اسے تک رہا ہو۔

اس کی وارفتگی اس کی بے تابی دل میں اتر رہی تھی اور اس کی میٹھی باتیں زارا کی سماعتوں میں رس گھول رہی تھیں۔ وہ لبوں پہ نرم سی مسکراہٹ لیے اس کی باتیں سنتی کبھی بے ساختہ بول اٹھتی اور کبھی کھنکھناتی ہنسی بکھیر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم سیفی سے پیچھا چھڑا کیوں نہیں لیتیں رباب۔ مجھے تو کچھ خاص اچھا آدمی نہیں لگا وہ۔" اس کی دوست علیشبہ نے ناگواری سے کہا۔ بہت دنوں کے بعد آج رباب کو کسی دوست کے ساتھ چائے پینے کا موقع ملا تھا اور بیٹھتے ہی یہ فرمائش۔

رباب ٹھٹکی۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو ہے۔"

"اچھا۔؟" علیشبہ نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو نہیں لگا۔"

"کیوں۔ اچھوں کے سروں پہ سینگ ہوتے ہیں؟ یا ماتھے پہ تین آنکھیں۔" رباب نے پیشانی پہ ایک بل ڈال لیا تھا۔

"کم آن رباب سنسیرلی (خلوص سے) تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ اچھا بھلا ہے معیز احمد۔ کیوں تباہی کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔"

علیشبہ خاصی منہ پھٹ تھی۔ صاف منہ پہ بات کہنے والی۔

"اس سے پہلے بھی تاسک کرتی رہی ہو مگر وہ جسٹ فار انجوائے منٹ (محض تفریح) تھے۔ کالج لائف ختم ہو گئی تو یہ سب چکر بھی ختم ہو جانے چاہئیں ڈیر۔"

"شٹ اپ۔ بور کر رہی ہو تم مجھے۔" رباب کو اس کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

"تم ہی سب نے مجھے سیفی کے پیچھے لگایا تھا۔ اب جب میں اس کی دوستی سے مطمئن ہوں تو تمہارا کیا مسئلہ ہے۔"

"میرا مسئلہ یہ ہے کہ تم میری اچھی دوست ہو۔ اور میں فیوچر میں تمہیں معیز احمد جیسے اچھے شخص کے ساتھ دیکھنا پسند کروں گی۔"

وہ صاف گوئی سے بولی۔ رباب نے تیز نظروں سے چند لمحوں تک اسے گھورا اور پھر تلخی سے بولی۔

"اور معیز احمد۔ وہ "اچھا" شخص آج کل بغل میں ایسا مراد کو لے کے گھوم رہا ہے۔" علیشبہ نے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"وہ کہاں سے آگئی؟"

"کہیں سے بھی آئی ہو واٹ ایور، لیکن اس پردے کی بو بو کی وجہ سے اب وہ میری ڈریسنگ اور لبرٹی (آزادی) کے طعنے دینے لگا ہے مجھے۔"

علیشبہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔ جو خود کنوئیں میں گرنا چاہے' اُسے کون روکے؟

"تم دیکھنا۔ معیز نے میرا دل توڑا ہے نا.... اب میں کس کس کا دل توڑتی ہوں۔"

رباب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور لبوں پر پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔

علیشبہ کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اپنے شاپنگ بیگز اکٹھے کرنے لگی۔ جبکہ سیفی کے متعلق علیشبہ کے شک کے اظہار کو رباب نے علیشبہ کی جیلسی قرار دیا۔

وہ بے وقوف تھا جو رباب پہ لاکھوں وارتا جارہا تھا؟ رباب دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پہ مسرور تھی۔ اور ایسے لوگوں کے پاس کھڑی قسمت اکثر ہاتھ مل رہی ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"ماما! آپ بھی چلیں نا۔ عون نے بہت اصرار سے بلایا ہے۔" معیز اپنی پیکنگ زارا سے کرواچکا تھا۔ آج سہ پہر وہ عون کی سسرال جانے والے تھے۔ رات کو مایوں مہندی کا فنکشن رکھا گیا تھا۔

سفینہ مسکرادیں۔

"ولیمے میں شریک ہوجاؤں گی بیٹا! وہ لوگ یوں بھی وہاں رات رکنے والے ہیں۔ اتنا لشکر کہاں سنبھالیں گے لڑکی والے۔"

بات ان کی صحیح تھی۔ عون کے ابا نے بہت قریبی رشتہ داروں کو انوائٹ کیا تھا۔ دوستوں میں محض معیز تھا اور ایبہا کے ساتھ جانے کی تو معیز نے سفینہ بیگم کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ ورنہ تو قیامت ہی آجاتی گھر میں۔

ایبہا اپنا بیگ لے کر گھر سے باہر نکلی' وہیں سے معیز نے اسے پک کرلیا۔

اس سے پہلے بھی وہ معیز کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی ڈری سہمی۔۔۔ دروازے سے لگی۔

مگر آج اس کا عجیب سا چمکتا ہوا انداز تھا۔ سرخوشی لیے۔ سیاہ آنکھوں کی چمک تمتماتے چہرے کے ساتھ بڑا ماورائی سا تاثر دے رہی تھی۔ فیروزی کلر کے پرنٹڈ لباس میں وہ بالکل سادہ تھی' مگر یوں دمک رہی تھی جیسے راستہ دکھانے والا ستارہ۔

معیز کو اس سے اچھی تشبیہ نہ سوجھی تھی۔

"اف..." ہاتھوں کو مسلتی وہ خود ہی بے اختیار بول اٹھی۔ "کتنا مزہ آئے گا نا۔ میں نے کبھی کوئی شادی اٹینڈ نہیں کی۔"

معیز نے گہری سانس بھری۔ اس کے وجود پہ چھائی سرشاری کا معمہ حل ہوگیا تھا۔

"ہوں۔۔" معیز نے سر ہلایا۔

"آپ تو بہت سی شادیوں میں گئے ہوں گے نا۔" وہ باقاعدہ اس کی طرف رخ موڑ کے بیٹھ گئی تھی۔

"ظاہر ہے۔ دنیا میں آئے ہیں تو دنیاداری میں شریک بھی ہونا پڑتا ہے۔"

معیز کا اسے بہت نرمی دکھانے یا لفٹ دینے کا کوئی موڈ نہیں تھا' بلکہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی احتراز ہی برت رہا تھا کیوں؟ وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"پتا ہے' وہاں ہمارے محلے میں کبھی کسی نے امی کو اور مجھے بلایا ہی نہیں کسی شادی میں۔" وہ اداس سی ہوگئی۔

"ابا کی وجہ سے.... صرف زرینہ خالہ سے امی کی دوستی تھی اور بس۔" معیز عجیب سے احساس میں گھرنے لگا۔

دفعتاً" وہ پھر سے ذرا پرجوش ہوئی۔

"اور آپ کو پتا ہے' میں نے شادی کا کارڈ بھی دیکھا ہے۔ ثانیہ خود مجھے دینے آئی تھیں۔ مہندی کا الگ ہے' بارات اور ولیمے کا الگ۔ اتنی چمک اور ملائمت ہے اس میں۔ میں نے تو اسے سنبھال کے رکھ لیا ہے۔"
"فریم کراؤ گی کیا۔۔۔؟" معیز نے اس عجیب سے احساس سے چھٹکارا پانے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"ایک ہی تو کارڈ ہے میرے پاس اور آپ نے دیکھا نہیں' مہندی کے کارڈ پہ ثانیہ کی فرینڈز میں سب سے پہلا نام میرا ہے۔"
اس کے انداز میں تفاخر تھا۔ معیز کو افسوس ہوا۔ اس نے واقعی نہیں دیکھا تھا۔
"مجھے دراصل عون کی طرف سے کارڈ آیا ہے تو اس میں ایسا کچھ نہیں تھا۔" معیز نے بتایا۔
"اچھا۔۔۔ ان کا کارڈ علیحدہ تھا۔ مطلب کہ ایک شادی کے دو کارڈز۔۔۔؟"
ایبہا بے چاری کی سادگی کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ معیز کے ہونٹوں پہ بے اختیارانہ مسکراہٹ آئی۔
"لڑکی والے اپنے مہمانوں کے لیے کارڈز چھپواتے ہیں اور لڑکے والے اپنے مہمانوں کے لیے۔"
"اچھا۔۔۔"
معیز نے اس خواب ناک سے "اچھا" پر بے اختیار ہی اسے دیکھا تو ادھر حیرت کا ایک انوکھا ہی انداز تھا۔ حیرانی سے پھیلی سیاہ پلکوں کی باڑ سے سجی آنکھیں اور نیم وا لب۔ جیسے خلا میں ان دیکھا منظر دیکھ رہی ہو۔
معیز کے یوں اچانک دیکھنے پر وہ سٹپٹا کر سیدھی ہو بیٹھی مگر یوں سٹپٹانے اور جھینپ کر سیدھے ہونے کے دوران جو رنگ اس کے چہرے پر پھیلے انہوں نے معیز کو متحیر کر دیا۔
وہ لڑکی اس کے نکاح میں تھی اور چلو آپسی تعلقات جیسے بھی ہوں مگر اس کا اپنے شوہر سے یوں جھجکنا شرمانا۔۔۔ معیز کے لیے بہت انوکھا تھا۔
لڑکیاں تو اجنبیوں سے بھی یوں نہیں شرماتیں۔۔۔
معیز کو بے ساختہ رباب کے انداز یاد آئے۔

☼ ☼ ☼

حسب توقع عون منہ پھلائے ہوئے تھا۔ ایبہا اور معیز سیدھے ان ہی کی طرف پہنچے۔ وہاں سے پھر قافلہ سید نگر کی طرف نکلتا۔ عون کی امی اور بھابھی بڑے تپاک سے ملیں۔
"یہ بھابھی ہیں۔"
ایبہا کا عون نے سیدھا سادہ تعارف دیا تو معیز بس دانت پیس کر رہ گیا۔
"ویسے یار معیز! قسم سے کیا کمال کی جوڑی بنی ہے تم دونوں کی۔" عون نے دل سے کہا تھا' مگر پھر معیز کی تیوری کے بل دیکھ کے دھیما پڑا۔
"یونہی۔ اپنا خیال ظاہر کر رہا ہوں۔"
"تم اپنے خیالات اپنی 'نصف بہتر' کے لیے سنبھال کر رکھو۔" معیز نے اسے یاد دلایا تو وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔
اچھا لباس اور اچھا "ساتھ" انسان کو کس قدر پر اعتماد بنا دیتا ہے۔۔۔ یہ ایبہا نے اس دن جانا۔
وہ بہترین لباس میں ملبوس تھی اور وہاں اس کا تعارف معیز کی بیوی کے طور پر ہوا تھا۔ اسی وجہ سے عون کی امی اور بھابھی نے اس سے کسی معزز مہمان کی طرح رویہ رکھا تھا۔ ایبہا کے اعتماد کا گراف قدرتی طور پر بڑھا۔
اسے اپنی بیس سالہ زندگی میں ایسی قدر دانی بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

"بڑے خوش ہو۔" معیز نے عون کے قہقہوں پر چوٹ کی۔

"طوفان سے پہلے کی علامات ہیں ساری اور یوں بھی زندگی میں ایک بار شادی ہوتی ہے۔ ایک ہی مووی میں کام کا موقع ملنا ہے' وہ تو اچھی بنے۔"

اس نے تفصیل سے جواب دیا تو معیز کو ہنسی آگئی۔ عون کی فیملی اپنی گاڑی میں تھی۔ ایہا اور معیز کی گاڑی ان کے پیچھے اور پھر مہمانوں کی ہائی ایس نکلی۔

"تم تیار نہیں ہوئیں۔۔۔؟" معیز کو راستے میں دھیان آیا۔

"مجھے تو تیار ہونا ہی نہیں آتا۔ ثانیہ نے کہا تھا' وہاں آجاؤں تو وہ خود کریں گی۔"

وہ سادگی سے کہتی معیز کو چپ کروا گئی۔ باقی کا سفر ایہا نے بڑے اشتیاق سے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اور معیز نے جانے کس چپ کے حصار میں گزارا۔

ان کا قافلہ سیدھا حویلی پہنچا تو وہاں ان کا پرتپاک استقبال ہوا۔ ایہا کو بہت اچھا لگا۔ ساری خواتین' مہمان خواتین سے گلے مل رہی تھیں۔ بنا واقفیت کے کئی ایک نے ایہا کو بھی گلے سے لگا کر استقبال کیا تو خوامخواہ ہی اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

بھابھی نے ایہا کو تیار کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ تو ایہا نے فوراً" ثانیہ کو کال ملا کر ساری تفصیل بتائی۔

وہ ایہا کے جوش اور خوشی پر ہنستی رہی۔

☆ ☆ ☆

"ماشاء اللہ۔۔۔" وہ کپڑے تبدیل کر کے تیار ہونے بھابھی کے پاس آئی تو اسے دیکھتے ہی جس طرح بھابھی نے توصیفی انداز میں کہا ایہا تو کانوں تک لال پڑ گئی۔

"وہ۔۔۔ میں تیار ہونے آئی تھی۔" وہ نروس سی ہو کر انہیں یاد دلانے لگی۔

"تیار تو ہمیں ہونا پڑتا ہے ڈیر' تمہیں تو اوپر ہی سے اتنا سنوار نکھار کے بھیجا گیا ہے۔" بھابھی اسے چھیڑ رہی تھیں۔ وہ گھبراہٹ میں آدھی بات سمجھی اور آدھی نہیں۔

"تو پھر۔۔۔ میں تیار نہ ہوں؟"

بھابھی نے اپنا مشہور زمانہ قہقہہ لگایا۔۔۔ بچوں کو دادی کے پاس بھجوا کر وہ اطمینان سے ایہا کو تیار کرنے لگیں۔

ہلکا سا میک اپ۔۔۔ اور وہ یوں نکھری کہ بقول بھابھی آج کا فنکشن تو تمہیں "ٹُٹ" لوگی معیز تو بے ہوش ہو ہی جائے گا۔ وہ شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرتی اپنے کمرے کی طرف بھاگی جہاں اس کا سامان رکھا تھا۔ بیگ میں سے میچنگ جوتی نکال کے موڑھے پہ بیٹھی وہ جھک کر اسٹرپ بند کر رہی تھی۔ سیاہ بال شانے سے پھسل کر آگے کو بکھر گئے۔

واش روم کا دروازہ خفیف سی کلک کی آواز سے کھلا۔ اپنے کام میں مصروف ایہا نے یونہی سرسری سی نگاہ اٹھا کے دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔

معیز سفید شلوار اور بنیان میں ملبوس بالوں کو تولیے سے رگڑتا واش روم سے باہر نکلا تھا۔ ایہا قدرے سائیڈ پہ تھی' اس لیے ابھی معیز کی نگاہ اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ اپنی دھن میں مگن تیزی سے بال خشک کر رہا تھا۔

تھوک نگل کر حلق تر کرتے ایہا نے جلدی سے اپنی توجہ پیروں کی طرف کر لی اور دوسری سینڈل پہننے لگی۔

وہ چوڑیوں کی خفیف سی جلترنگ تھی جس نے آئینے کے سامنے کھڑے معیز احمد کو پورے کا پورا مڑنے

پر مجبور کردیا۔

سینڈل کا اسٹریپ بند کرتے ایمہا کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ معیز حیران و پریشان۔ یہ کون محترمہ کمرے میں گھس آئیں۔ جلدی سے لپک کر بیڈ پہ پڑی قمیص اٹھا کر بدن پر چڑھائی۔

"ایکسکیوزمی۔" معیز ان "محترمہ" کو متوجہ کرکے بتانا چاہتا تھا کہ یہ کمرہ معیز کو الاٹ کیا گیا ہے۔

تب ہی وہ سینڈل کا پیچھا چھوڑ کر مجبوراً "سیدھی ہوئی تو معیز کی آنکھیں لمحہ بھر کو تو چندھیا ہی گئیں۔

ایک خوب صورتی چہرے کی ہوتی ہے۔ محض چہرے کی اور اصل خوب صورتی جو چہرے کی خوب صورتی کو نکھارتی ہے وہ کردار کی خوب صورتی ہے۔ انسان کی معصومیت اس کی سادگی... سب اس کے چہرے سے جھلکتا ہے۔

ایمہا اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ پھرتی سے واپس آئینے کی طرف پلٹ گیا۔ اب ایسا بھی کیا مبہوت ہوکر بت بن جانا۔

"اوہ... تم ہو۔ میں سمجھا پتا نہیں کون کمرے میں گھس آئیں محترمہ۔"

وہ فوراً" ہی خود کو سنبھال گیا تھا۔ ایمہا نے بھی اس کی توجہ دوسری طرف محسوس کرکے سکھ کا سانس لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے تبدیل شدہ کپڑے تہہ کرکے رکھنے لگی۔

معیز کے کپڑے واش روم سے نکال کے سنبھالے اور اب وہ وہیں بیڈ کے کنارے ٹکی معیز کے تیار ہونے کا انتظار کررہی تھی۔

اس کا دل عجیب سی خوشی کی لپیٹ میں تھا۔ دل چاہ رہا تھا اڑ کے ثانیہ کے پاس پہنچ جائے۔ وہی تو تھی جس کی وجہ سے آج وہ بھی عام انسانوں کی طرح "دنیاداری" کو "برتنے" کے قابل ہوئی تھی۔

وہ یونہی بال برش کرتے معیز کو دیکھے گئی۔ سفید شلوار کے ساتھ "جنید جمشید" کرتا۔ گرین اور براؤن لائننگ سے مزین تھا۔ وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ خود پر بے دریغ پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ ایمہا کی مشام جان معطر ہوگئی۔ اس نے گہری سانس اندر کھینچ کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

اسے یاد آیا... یہ خوشبو معیز احمد کے ملبوس میں سے پھوٹتی تھی... جب وہ... اسے یاد تھا۔ کب کب وہ اس کے اتنے قریب آیا تھا کہ وہ اس خوشبو کو محسوس کرسکتی۔

معیز نے آئینے میں دیکھتے ہوئے ایمہا کی نگاہ کے ارتکاز کو شدت سے محسوس کیا تھا۔

بالوں میں ہاتھ پھیر کر آخری جائزہ لیتا وہ اس کی طرف پلٹا تو اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

معیز کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جلدی سے اٹھ جاؤ۔ عون مجھے کوس رہا ہوگا۔" اس کی نروس نیس کو ختم کرنے کی خاطر معیز اس کی طرف کم ہی توجہ کررہا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا تو ایمہا کا معصوم سا دل اداس ہوگیا۔ بھابھی اس کی اتنی تعریفیں کررہی تھیں اور معیز نے ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی... بے ہوش ہونا تو دور کی بات تھی۔

وہ بجھے بجھے انداز میں معیز کی تقلید میں باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

باہر رنگ و نور کی الگ ہی دنیا سجی تھی۔

ایمہا تو حیران و پریشان ہی رہ گئی۔ مہندی کی سجی ہوئی تھالیوں میں جلتی موم بتیاں' ڈھول کی تھاپ اور رنگ و بو

کی دنیا۔ بھابھی نے اس کے ہاتھ میں بھی مہندی سے سجی تھالی تھمادی۔
ثانیہ کا گھر تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ سب مہندی کے گانے گاتی اور لڑکے ڈھول کی تھاپ پہ بھنگڑے ڈالتے لڑکی والوں کے گھر پہنچے۔
ایمہا تو معیز جیسے سنجیدہ (سڑیل) مزاج بندے کو ڈھول کی تھاپ پر عون کے ساتھ بھنگڑا ڈالتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ہنستا مسکراتا وہ بنا دستک دیے سیدھا اس کے دل میں گھستا چلا جارہا تھا۔ لڑکیوں اور خواتین نے پھولوں کی پتیاں برسا کران کا استقبال کیا تھا۔ بھابھی نے اندر جاتے ہی ایمہا کو ثانیہ کے کمرے میں بھجوادیا۔ پیلے اور سبز مہندی کے سوٹ میں ملبوس۔ پھولوں کے زیور اور چوڑیوں سے سجی سنوری وہ ثانیہ تھی۔
ایک الگ ہی دل فریب سے روپ میں بسی۔ ایمہا سے لپٹ کے ملی۔
"بہت پیاری لگ رہی ہیں۔"
(اور اداس بھی) ایمہا آدھی بات دل میں دبا گئی۔
"اور تم تو قیامت ڈھارہی ہو۔ معیز بھائی پر بھی ڈھائی ہوگی۔" ثانیہ مسکرائی تو وہ جھینپ گئی۔
"قسم سے انہوں نے تو دیکھا بھی نہیں مجھے۔"
ثانیہ نے اسے امی اور دادی سے ملوایا۔ دادی کو تو وہ نیک روح اور کوئی فرشتہ ٹائپ شے لگی۔ وہ ثانیہ سے اس کی دوستی پر حیرانگی کا اظہار کر کر کے ثانیہ کا دل جلاتی رہیں۔
"عون کا موڈ کیسا ہے؟" ثانیہ نے سرسری پوچھا تو وہ ہنسنے لگی۔
"وہ تو بھنگڑا ڈال رہے تھے باہر۔" ثانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔
دادی کی خواہش کے عین مطابق پیلے دوپٹے کی چھاؤں میں ثانیہ کو لا کر سجے سجائے جھولے پر بٹھایا گیا' اس کے بعد لڑکے عون کو لائے۔
ثانیہ کا بڑا جی چاہا گھونگھٹ اٹھا کر ایک بار تو عون کے تاثرات دیکھ ہی لے مگر دل مسوس کے رہ گئی۔ ہاں وہ ساتھ آکر بیٹھا تو پہلی بار ثانیہ کا دل عجیب سے انداز اور ایک الگ سی لے میں دھڑکنے لگا۔
سب باری باری تیل مہندی لگاتے اور انہیں مٹھائی کھلا کھلا کے بے حال کررہے تھے۔
ایمہا نے بھی سب کی دیکھا دیکھی بڑے شوق سے یہ رسم ادا کی تھی۔ رات گئے تک سب فارغ ہوئے۔ سب واپسی کے لیے نکلے تو ایمہا بھابھی اور امی کے ساتھ ہی حویلی آگئی کہ سارا سامان تو یہیں پڑا تھا۔
شدید تھکاوٹ پر ایک بہترین دن اور بہترین لمحات گزارنے کی خوشی حاوی تھی۔
معیز تو عون کے ساتھ تھا۔ ایمہا اپنے کمرے میں آگئی۔ میک اپ صاف کرکے منہ ہاتھ دھو کر اس نے کپڑے تبدیل کیے۔
کمرے کے وسط میں کھڑی وہ تولیے سے منہ خشک کررہی تھی۔ اس کا بے ساختہ گھومنے کو جی چاہا بلکہ جھومنے کو۔
"زندگی ایسی بھی ہوسکتی ہے۔ ٹینشن فری؟" مسکراتے ہوئے وہ لائٹ آف کرکے بستر پہ آگئی۔
(یہاں اکیلے۔ وہیں ثانیہ کے پاس ہی رک جاتی۔) آخری خیال اسے یہی آیا تھا۔ پھر وہ نیند کی وادی میں کھوگئی۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ جب عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی اس کے بالکل پاس آکے گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا بے اختیار ایمہا کی چیخ نکل گئی۔
آنے والا بھی بدک کر اٹھا تھا۔
اس نے فوراً ہی لائٹ آن کی۔ وہ معیز تھا۔

ایبھا سراسیمہ سی منہ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔معیز نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" ہونق سے انداز میں معیز نے پوچھا۔ ادھر ایبھا کا تو حلق میں اٹکا دل ہی قابو میں نہیں آرہا تھا۔
"سو رہی تھی۔۔۔" سادہ سا جواب۔۔۔معیز کا دماغ گھوما۔
"تم میرے کمرے میں کیوں ہو۔۔۔؟"
"مجھے تو آنٹی نے اسی کمرے میں رہنے کا کہا تھا۔ میرا سامان بھی انہوں نے ہی رکھوایا تھا۔" ایبھا نے عون کی امی کا حوالہ دیا۔
معیز کو یاد آیا۔ عون خبیث نے اس کا کیا تعارف پیش کیا تھا۔ اب ظاہر ہے میاں بیوی کو وہ ایک ہی کمرہ دیں گے نا۔ ابھی آتے ہوئے بھی عون نے بہت معنی خیزی سے "سویٹ ڈریمز" کہا تھا۔ اب سمجھ آئی تھی۔
نیند سے گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ سراسیمہ تھی۔ معیز خاموشی سے بیڈ کے کنارے ٹک کر جوتے اتارنے لگا۔ تھکاوٹ اور نیند سے برا حال تھا' اوپر سے عون کی یہ شرارت' مگر اس کا واپس عون کے کمرے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جہاں نجانے کون کون آڑا ترچھا لیٹا خراٹے لے رہا تھا۔ وہ واش روم میں جا کر کپڑے تبدیل کر کے آیا تب بھی وہ یونہی چادر بھینچ کر سینے سے لگائے پریشان سی بیٹھی تھی۔
"سو جاؤ۔ اب تم کیا مراقبہ کرو گی ساری رات۔۔۔"
معیز نے نارمل سے انداز میں کہا۔ وہ خوامخواہ اس مسئلے کو کوئی "بڑا معاملہ" نہیں بنانا چاہتا تھا۔ سو اسے بھی پرسکون کرنے کی کوشش کی۔
"آپ۔۔۔ سو جائیں یہاں۔۔۔ میں کہیں اور۔۔۔" وہ جلدی سے نیچے اترنے لگی۔ معیز نے نا چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔
"یہ اصل زندگی ہے' کوئی ڈرامے کا سین نہیں۔ کہ میں بیڈ پہ لیٹوں اور تم زمین پہ جا لیٹو۔" ایبھا نے خائف ہو کر اسے دیکھا۔
"اپنی جگہ پہ لیٹو اور سو جاؤ۔" وہ سنجیدہ تھا۔
"کوئی بات نہیں۔۔۔ آپ کو پرابلم ہو گی۔ میں مینیج کر لوں گی۔" وہ اٹکی۔
معیز نے اسے گھور کے دیکھا۔
"واٹ ڈو یو مین۔۔۔ مجھے پرابلم ہو گی؟" وہ سٹپٹائی۔
"مطلب۔۔۔ آپ کھلے ہو کے سو جائیں۔ میری وجہ سے تنگ ہوں گے۔"
اللہ۔۔۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔
معیز نے اسے اپنے حواس پہ طاری ہوتا محسوس کیا۔ خوب صورتی اور معصومیت مل جائے تو وہ ایبھا مراد بنتی تھی۔
معیز کو جیسے آج ابھی پتا چلا کہ سیاہ بالوں کے ہالے میں اس کا چہرہ کیسے چاند سا دمکتا ہے اور نیند کا کچا پن لیے گلابی آنکھیں۔۔۔ ایسا گلابی رنگ تو اس نے سارے رنگوں میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔
اس کی نظر کے ارتکاز نے ایبھا کی ہتھیلیاں بھیگ دیں اس نے کسمسا کر اپنا ہاتھ معیز کی گرفت سے چھڑانے کی سعی کی تو وہ چونکا اور ایبھا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"چلو اب سو جاؤ آرام سے۔۔۔"
وہ اپنے اندر کے شور کو دبانے کی خاطر ڈانٹنے لگا۔ ایبھا خاموشی سے اپنی جگہ پہ جا کے بیٹھ گئی۔ لائٹ میں تو وہ

اس کے سامنے بے تکلفی سے نہیں لیٹ سکتی تھی۔
معیز لائٹ آف کرکے نائٹ بلب آن کرتا اپنی جگہ پہ آکے دراز ہو گیا۔ تب ایبہا بھی آہستہ آہستہ لیٹ ہی گئی۔ شدید تھکاوٹ کے باوجود اس صورت حال کی وجہ سے معیز کو کافی دیر سے نیند آئی۔
کسی کے جھنجوڑنے سے وہ بمشکل آنکھیں کھول پایا۔ وہ اس پہ جھکی پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی۔ معیز کو اس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔
مگر اس کا دھلا نکھرا روپ اس قدر دل فریب اور اس کے اتنے قریب تھا کہ نیند ہی کی کیفیت میں بلاارادہ و بے اختیار ہی معیز نے اس کا بازو تھام کر اپنی طرف کھینچ لیا۔
معیز کا انداز ایسا تھا جیسے وہ پتا نہیں کتنے محبت کرنے والے میاں بیوی رہے ہوں۔
اور ایبہا... اس کی تو مانو سانسیں ہی تھم گئی تھیں۔ زور سے دروازہ دھڑدھڑایا گیا اور ساتھ ہی معیز کے موبائل کی رنگ ٹون نے بجنا شروع کیا... تو وہ جیسے چونک کر حواس میں لوٹا۔ تو ایبہا کو اپنے پاس... بہت پاس پایا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹا...
اسے جیسے اپنی بے اختیاری پر یقین نہ آیا تھا۔ ایبہا جلدی سے اٹھ کر دوسری طرف چہرہ کیے کھڑی ہو گئی۔ اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ معیز نے اٹھا کے دیکھا' عون کی کال تھی۔ خود کو نارمل کرتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی تھی۔
"جناب عالی۔ اگر زندگی کی حسین صبح طلوع ہو گئی ہو تو باہر آجائیں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" عون نے شرارت بھرے مودبانہ انداز میں کہا تو وہ دانت پیسنے لگا۔
"یہ بہت بے ہودگی کی ہے تم نے عون۔"
"ارے چل۔ ایک تو رومینس کا موقع فراہم کیا' اوپر سے ہم ہی کو طعنے۔" وہ چکنا گھڑا تھا۔ معیز نے موبائل آف کرکے بستر پہ اچھال دیا۔
وہ کچھ سوچ کر چلتے ہوئے ایبہا کی طرف آیا۔
"آئم سوری۔ میں نیند میں تھا۔"
"ہوں..." ایبہا نے مارے حیا کے سر نہیں اٹھایا۔
معیز کو ٹوٹ کر کسی غلط فہمی کا احساس ہوا۔ اور وہ ایبہا کو کسی خوش فہمی میں نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔
"ہمارے درمیان اول روز سے جو معاملہ طے ہے ویسے ہی رہے گا۔ تم میرے راستے میں کہیں نہیں ہو ایبہا۔ آئم سوری اگین۔"
وہ شخص ایک لمس کے تعلق کو کوئی نام نہیں دینا چاہتا تھا سو سرد مہری سے اسے جتا کر... واش روم میں گھس گیا اور ایبہا خالی ہاتھ اور خالی دل کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

حویلی سے عون عباس کی بارات اور مختصر سے باراتی پوری دھوم دھام سے نکلے اور دلہن کے گھر جا پہنچے۔ ایبہا کی چھب آج بھی نرالی تھی' مگر ایک حزن تھا جو اس کی خاموش نگاہوں سے چھلکا جاتا تھا۔
پچھلے دو دنوں سے خوامخواہ مسکرانے والے ہونٹ بالکل خاموش تھے اور ساکت۔ معیز کا کئی بار اس سے سامنا ہوا' مگر اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر معیز کو نہ دیکھا تھا۔ عون کی ضد پر نکاح کی سنت ادا کی گئی۔
(بچپن کے نکاح کا کیا بھروسا جی)

پتا نہیں کون کون سی رسمیں ہوئیں۔ ہنسی مذاق قہقہے۔ سب خوش تھے۔ ایسے میں اسمہا کی خاموشی کو کون دیکھتا۔

ثانیہ پر دلہناپے کا روپ ٹوٹ کر آیا تھا۔ تو عون بھی اس کی ٹکر کا تھا۔
دادی جان کی اجازت پا کر دلہن کی رخصتی چاہی گئی اور یہ قافلہ واپس ہوا۔ معیز نے آتے ہوئے سامان گاڑی میں رکھ لیا تھا تاکہ دوبارہ حویلی نہ جانا پڑے اور اب بارات کی واپسی تھی۔ معیز کا ارادہ عون کی طرف جانے کا تھا۔
"مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اسمہا کی آواز میں بھیگا پن تھا مگر معیز چپ رہا۔ وہ اسے آس کا کوئی جگنو تھمانا نہیں چاہتا تھا۔
وہ آنسو پیتی خاموشی سے کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

دلہن بنی بیٹھی ثانیہ نے جتنی قرآنی آیات یاد تھیں' پڑھ کے خود پہ دم کر لیں بلکہ اپنے گرد حصار بنا لیا۔
عون تو یہی سمجھتا ہے کہ میں اس شادی پہ راضی نہیں ہوں' ایسے میں یوں سج سنور کر اس کا انتظار کرنا۔ کتنا آکورڈ لگتا ہے۔
اسے یکایک دھیان آیا تو وہ جلدی سے اپنا لہنگا سمیٹتی اٹھی اور بستر سے اتر گئی۔
"اوفوہ۔ سینڈل کدھر گئی۔۔۔"
اس نے جھک کر دیکھنا چاہا۔ تو لہنگے میں الجھی' لڑکھڑائی اور اس سے پہلے کہ زمین بوس ہوتی دو ہاتھوں نے بے اختیار ہی نرمی سے اسے تھام لیا۔
ثانیہ نے کرنٹ کھا کر مقابل کی طرف دیکھا تھا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الھڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آ جاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آ جاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں حنا سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے' مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر نا خوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب' معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔

ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گرجاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہو کر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز' ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور با اعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم' ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلا وجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ ماردیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپر جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہو کر اس سے رابطہ کرتی ہے۔ مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہو جاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے' مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب۔ پھر ثانیہ کے' آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے' مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے' مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزدا نہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے، مگر اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کر کے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورونوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے، مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کر جاتی ہے۔ ارم کی بہن سلیم ایک اچھی لڑکی ہے، وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کر کے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کر رہا ہے۔ عزت کریں عون کی، اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

رباب، سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جا کر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں، جس سے وہ گر جاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آ کر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آ کر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔

۲۰
بیسویں قسط

ثانیہ پوری جان سے تھرا کر رہ گئی۔

سینڈل کی تلاش میں سرگرداں لہنگے میں الجھ کر وہ منہ کے بل گرنے کو تھی جب دو ہاتھوں نے شانوں سے تھام کر سہارا دیا، نگاہ اٹھاتے ہی اس نے سامنے عون عباس کو پایا تو دل نے بے ترتیبی سے دھڑک دھڑک کر قیامت کر دی۔

"کون سا خزانہ ڈھونڈا جا رہا ہے بیڈ کے نیچے.....؟"

سجے سنورے چہرے پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ بڑے سکون سے پوچھ رہا تھا۔

ثانیہ کسمسا کر تھوڑا پیچھے ہٹی اور بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک عون کی آمد ہو سکتی ہے۔ سو فطرتاً" وہ جتنی بھی پراعتماد سہی مگر دلہنا پے کے روپ اور عون عباس کے کمرے میں

اپنی موجودگی نے اسے حد درجہ نروس کر دیا تھا۔
عون اس کے بالکل ساتھ بیٹھ گیا تو ثانیہ کا رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہا۔ وہ یونہی نروس سی نظریں جھکائے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھماتی رہی۔
(اب یہ مجھ پہ برسے گا... ریجیکشن؟)
ثانیہ نے بہت کچھ سوچا تھا۔ یہ کروں گی وہ کروں گی... ایسا کہے گا تو یہ جواب دوں گی (منہ توڑ)
مگر وہ یوں ساتھ آ کے بیٹھا تو گویا ثانیہ کی ساری ہمت جواب دے گئی۔
عون نے چہرہ گھما کے اس کی طرف دیکھا۔
یونہی پلکیں جھکائے انگلی کی انگوٹھی گھماتی۔ عون کے لبوں پہ خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے انگشت شہادت سے اس کے کان کے جھمکے کو ہلکے سے چھوا اور دھیمی آواز میں بولا۔ ''ہوں.. تو کیا کہہ رہی تھیں تم کیا کرنے والی تھیں شادی کے بعد... ہوں؟''
اف اس قدر ٹھنڈا طنز؟ کم از کم ثانیہ کو تو ایسا ہی معلوم ہوا۔ مگر فی الوقت تو اس کی قربت زبان گنگ کیے ہوئے تھی۔ اوپر سے اس کا پُراستحقاق انداز... یعنی جو چاہے کر سکنے والا انداز۔
عون نے دلچسپی سے دیکھا۔ روایتی سرخ رنگ کے عروسی لباس کی ہم رنگ لپ اسٹک نے اس کے اوپری ہونٹ کے خم کی خوب صورتی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔
''کیا بات ہے... زبان نہیں لائیں جہیز میں...؟''
کیا وہ ''چھیڑ'' رہا تھا یا یہ اس کی عزت نفس پر حملہ تھا؟ ثانیہ کے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ اگر یونہی اس کی قربت سے سمٹی، چھوئی موئی بنی رہتی تو وہ اسے اس کی ''ہار'' ہی سمجھتا۔
طویل جنگ کے بعد بات ''محبت'' پر ختم ہوتی تو وہ مسکرا کر اس کی بانہوں میں سمٹ جاتی لیکن جنگ ابھی تک جنگ ہی تھی اور طویل جنگ کے آخر میں ہارنا... ثانیہ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔
اس نے بڑے حوصلے سے اتنی دیر میں پہلی بار پلکیں اٹھا کر عون عباس کی طرف دیکھا۔
ان آنکھوں میں جیسے قندیلیں روشن تھیں۔ ان آنکھوں کا دیکھنا ایسا ہی تھا کہ جیسے کسی نابینا کو بینائی عطا کرنے کا شرف بخشا جائے۔
اور ابھی وہ ان آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبتے اپنے دل ہی کو سنبھال رہا تھا کہ اس نے خوب صورت خم والے لبوں کی جنبش دیکھی۔
''بے فکر رہو۔ زبان ہی نہیں، عقل بھی ساتھ لائی ہوں عون عباس! اپنے متعلق بہت اچھے فیصلے کروں گی ان شاء اللہ۔'' عون کا دماغ چکرایا۔

معیز کتنی ہی دیر اس کا دماغ کھا کر گیا تھا۔
''لڑکیاں شادی سے پہلے یونہی نخرے دکھاتی رہتی ہیں۔ مگر شادی کے بعد موم کی گڑیا بن جاتی ہیں۔ شوہر کی آنکھ کے اشارے پہ چلنے والی۔ وہ تمہاری زندگی میں شامل ہو گئی ہے اس کی سوچ کچھ بھی تھی مگر اب وہ تمہارے گھر میں تمہارے نام سے آچکی ہے تو اس کی قدر کرنا۔ زندگی کی خوب صورتیوں کو ''خوب صورتی'' ہی سے انجوائے کرنا چاہیے۔ ورنہ بہت سی خالی جگہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ جنہیں آپ دوبارہ زندگی میں کبھی نہیں کر سکتے۔''
یہ معیز کی پُرمغز تقریر کے چیدہ چیدہ نکات تھے۔ جنہوں نے عون کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں معاون کردار ادا کیا۔

اور وہ بڑے اچھے موڈ اور خیرسگالی کے جذبات لیے کمرے میں آیا تھا تو قدرتی بات.... ثانیہ کو اپنے کمرے میں اپنی عروس کے طور پر (باضابطہ) پا کر دل بے حد ترنگ میں دھڑکا۔ اس کا روپ قاتلانہ تھا تو خاموش انداز دلبرانہ۔

مگر اب جب یہ خوب صورت ہونٹ کھلے تو "برسٹ" ہی نکلا تھا۔ دل و جگر زخمی ہو کر رہ گئے۔ عون نے ایک ابرو اچکا کر تیکھے انداز میں اس کا چہرہ گویا جانچا۔ (کیا عزائم ہیں بھئی؟)

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عون نے بے اختیار چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ تو پتا نہیں کب سے اس تیل چپڑے بالوں والی ثانیہ پر مر مٹا تھا۔ (بے چارہ) یہ تو کسی راجدھانی کی ملکہ کا سا روپ تھا۔ (عون کی قسمت) مگر ایسی ملکہ جو اپنی رعایا پر سخت خفا تھی۔

وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے اٹھ کر ثانیہ کے مقابل آگیا۔ اس نے سر پہ پہنا کلاہ تو اتار دیا تھا مگر شیروانی وہی تھی (جو خالہ نے ضد کر کے بطور خاص ثانیہ سے پسند کروائی تھی) ثانیہ نے بے اختیار نگاہ چرائی جو اس پہ نثار ہوئے جاتی تھی۔ رونا آیا۔

پہلے دل خالی تھا تو جینا مشکل ہوا جاتا تھا۔ اور اب جبکہ وہاں عون عباس براجمان ہو چکا تھا تو اور "وخت" پڑ گئے تھے۔

"اوہو۔ میرے کمرے میں موجود.... ہاتھوں پہ میرے نام کی مہندی لگائے" (بہانے سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے) عون لطف لینے والے انداز میں کہتا اس کے مہندی سے سجے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے لحہ بھر کو رکا پھر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "اور اتنا غرور.... اتنی اکڑ.... ؟ اف۔"

کیا چاہتا تھا وہ۔ کیا میں اس کے قدموں میں گر کے اپنے کہے لفظوں کی معافی مانگوں؟ یا کسی مظلوم سی عورت کا روپ دھار کے "سرتاج" پہ نثار ہو جاؤں؟ ثانی کو فوراً "دو جمع دو" کر کے اصل جواب معلوم کرنا تھا اور اس نے کر لیا۔

اس سے پہلے کہ کوئی ہمیں جھٹکے.... بہتر ہے اسی کو جھٹک دو۔

ثانیہ نے اپنے تمام تر جذبات اور احساسات کو بہ سرعت اس سوچ سے سرد ہوتے پایا۔ تو پھر آگے کیا مشکل تھی؟ اس نے آرام سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچے اور پلٹ گئی۔ لہنگے کو چٹکیوں میں تھام کر ذرا سا اوپر کیا اور بیڈ کے کنارے کے نیچے پڑی سینڈلز کو پاؤں کی مدد سے باہر گھسیٹا۔

"یہ جوتے پہننے کا کون سا وقت ہے؟"

عون نے اس کی مصروفیات ملاحظہ کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"میں کپڑے تبدیل کرنے جا رہی تھی۔ تین گھنٹے کا ڈرامہ بھی ختم ہوا اور مووی بھی بن گئی.... اب بس۔"

وہ اطمینان سے چلتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آگئی اور انگوٹھیاں اتار کے رکھنے لگی۔ اف آنسو امڈ کے آرہے تھے۔ جنہیں وہ پتا نہیں کتنی ہمت سے اندر دھکیلتی۔

وہ بہت انا پرست تھی.... محبت میں ذلیل ہونا گوارا نہ تھا۔ وہ ہنستا اور کہتا بس یہ تھی تمہاری نفرت؟ ہار گئیں نا عون عباس کی محبت میں تو وہ مر ہی جاتی۔ اور ادھر عون کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ تو خودکش حملے کی تیاری مکمل تھی۔ (یعنی میرا شک ٹھیک تھا۔ دہشت گردی کا جامع منصوبہ) عون نے اسے گھور کے دیکھا۔

وہ اب دوپٹے کی پنیں نکالنے میں مصروف تھی۔ جیسے بالکل اکیلی ہو (عون موجود نہ ہوتا تو شاید گنگنا بھی لیتی) عون کا دل جل بھن کر خاک ہو گیا۔

آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے... کیا کر رہی ہو... بات تو کرنے دو مجھے..." اس بے چارے کی بھی تو پہلی شادی تھی۔ اپنی طرف سے تو غصے سے ہی کہا۔ مگر کوئی خاطر میں لائے بھی تو نا؟
"میری بات تم نے سن لی نا...؟ اب اس سے آگے کہو۔" ثانیہ نے تحمل سے کہا تو وہ بھک سے اُڑا۔
"تم... یعنی کہ تم میری زندگی میں آنے کے بعد اپنے فیصلے خود کرو گی؟"
عون کے پیروں تلے تو جیسے کسی نے جلتے کوئلے بچھا دیے تھے۔ وہ پاؤں پٹختا اور بار بار پٹختا تو بھی جلن کم نہ ہوتی۔
"ہاں تو کیا...؟ تمہاری نصف بہتر بن کے آئی ہوں۔ یعنی نصف تم ہو اور نصف میں... جتنا حق تمہارا ہے اتنا ہی میرا۔ اگر تم فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہو تو میں کیوں نہیں؟" حد درجہ اطمینان اور سکون کی کیفیت۔
دلہنوں کے سر شاید گولڈن نائٹ میں چکراتے ہوں مگر یہاں تو بے چارے دولہا کا سر تو کیا چکراتا' چڑیاں طوطے سب اُڑ گئے ہاتھوں سے۔
کیا دو کا پہاڑہ سنایا تھا راج کماری ثانیہ نے۔ سب کچھ برابر کا تقسیم کر کے رکھ دیا۔ دوپٹا اتار کر اسٹول پہ رکھ کے وہ سارا زیور اتارنے کے بعد کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔
اور ادھر عون صاحب لائحہ عمل طے کرنے ہی میں مصروف کھڑے تھے۔
کیا کرنا چاہیے... غصے سے چیخنا چلانا چاہیے... اونہوں۔ ابا کون سا بہرے ہیں۔ مہمانوں سے بھرا گھر ہے۔ زبردستی؟ احساس ہوا کہ وہ دولہا ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے تو دل کو تقویت ملی۔ مگر ساتھ ہی ثانیہ کا سنایا دو کا پہاڑا یاد آ گیا۔ وہ بتا چکی تھی کہ وہ بھی اتنی ہی با اختیار ہے جتنا کہ عون عباس... تو کیا وہ چیخ و پکار نہ مچا دے گی؟ یا اللہ... عون کا جی چاہا' دیوار میں مکا دے مارے... ایسی بدمزہ شادی وہ مر کے بھی نہیں کرنا چاہتا تھا جیسی جیتے جی ہو گئی۔ ثانی ویسی ہی تھی۔ انا پسند' غرور اور تنتنے والی۔ شادی جیسے لطیف بندھن نے بھی جسے نہ بدلا تھا۔
وہ ٹھنڈا سا ہو کر اوندھے منہ بستر پر گر گیا۔ ثانی کا انتظار بے کار تھا۔ وہ اپنا فیصلہ اپنے سرد انداز سے سنا چکی تھی اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میک اپ صاف کرنے اور بیسن پہ جھک کے منہ پہ مسلسل پانی کے چھینٹے مارتی اور آنسو بہاتی ثانیہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ "گربہ کشتن روز اول" (بلی کو پہلے ہی دن مار دو) کے محاورے پر عمل کرنے میں وہ بہت جلدی کر گئی تھی۔ اس نے عون کے رویے کو جانچنے کی زحمت کیے بغیر بہت عجلت میں اپنی انا کو بچانے کی کوشش کر ڈالی۔
اور اپنا کتنا بڑا نقصان کیا... یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ اکثر ہم اسی نقصان پر آنسو بہا رہے ہوتے ہیں جس کے ذمہ دار در حقیقت ہم خود ہی ہوتے ہیں۔ مگر بے وقوفی میں سمجھ نہیں پاتے۔

☼ ☼ ☼

آج کی رات ایبہا پر بہت بھاری تھی۔

وہ سلگتا سا لمس... اور معیز احمد کے ملبوس سے اٹھتی مخصوص خوشبو... یوں لگتا تھا جیسے وہ ایبہا کے وجود میں ضم ہو گئی ہو۔ ایسے کہ من و تو کا فرق مٹ گیا ہو۔ اسے رونا آئے جاتا۔
کیا تھا وہ لمس... وہ قربت۔ محض چند لمحے... مگر ان چند لمحوں نے ایبہا پہ در حقیقت واضح کر دیا کہ معیز احمد اس کی زندگی میں کیا حیثیت رکھتا تھا۔
(اف... معیز احمد۔ تمہیں قریب سے دیکھ کے یہ حال ہے تو تمہیں پا کے مر ہی نہ جاؤں)

کاش..... میری زندگی بھی ثانیہ جیسی ہوتی۔ اس کی حسرت کا کوئی شمار نہ تھا۔ عون بھائی کتنی محبت سے بیاہ کے لے گئے ہیں انہیں۔ کاش معیز اور میری زندگی بھی ان ہی کی طرح گل رنگ ہوتی۔
لاعلمی میں ہم ایسے کتنے ہی کاش اپنی زندگی میں لگا لیتے ہیں۔ جن کا پورا ہو جانا درحقیقت زندگی کی بربادی ہوتا ہے۔ خدا سے ہمیشہ بہتری کی دعا مانگو "کسی جیسی" زندگی یا خوشی کے بجائے "بہتری"
وہ کروٹ پہ کروٹ بدلتی مگر نیند تھی کہ آ کے ہی نہیں دے رہی تھی۔
اور ادھر لان میں کھلنے والی ایک کھڑکی میں کھڑا سایہ..... خود احتسابی کی کیفیت میں کھڑا اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ یہ معیز احمد تھا۔ وہ رباب احسن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ دل و دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ۔ مگر ایمہا مراد .....وہ راہ کا پتھر؟ وہ کیسے ہمراہی ہونے کو تھا؟
وہ خود کو کتنی ہی بار لعنت ملامت کر چکا تھا۔
ایسی بھی کیا نیند اور اتنی بھی کیا بے اختیاری..... اس کے ہاتھوں میں جیسے ریشمی تھان کی سی ملائمت گھلنے لگی۔ تو اس نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پہ دے مارے۔ تکلیف کا ایک گہرا احساس۔ اس کا دھیان ایمہا مراد سے ہٹا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ تو کیا اب "چاہنے سے" وہ خیال سے محو ہوا کرے گی؟ ایک نئے سوال نے اسے ڈنک مارا۔
ماما ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے جلد ہی رباب سے شادی کر لینی چاہیے۔
اس نے اپنی بھٹکتی سوچوں کو ایک مضبوط سہارا دیا..... پھر اس نے آسمان پہ روشن چاند دیکھا اور کھل کے مسکرایا۔ رباب سیاہ آسمان کے وسط میں تنہا روشن چاند..... سیاہ بادلوں کے ہالے میں جگمگاتا ایمہا مراد کا چہرہ معیز احمد کے دھیان میں روشن ہونے لگا۔ تو جھنجلا کر کھڑکی کی سلائیڈ کھینچ کر شیشہ برابر کرتا وہ اپنے بستر کی طرف پلٹ گیا۔
جب سے ایمہا مراد اس کی زندگی میں آئی تھی اس کی نیند ڈسٹرب تھی..... آج تو شاید دل بھی۔
وہ تکیے میں منہ گھسیڑے سونے کی کوشش میں تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اچھی طرح دل ہلکا کرنے کے بعد خود کو بہت کمپوز کرتی باہر آئی تو ٹھٹک سی گئی۔
کپڑے تبدیل کرنے کی زحمت کیے بغیر عون عباس اسی شیروانی میں اوندھا پڑا تھا۔ ثانیہ کو شک گزرا۔ وہ ذرا سا آگے بڑھی تو شک یقین میں بدل گیا۔ اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ یعنی وہ گہری نیند میں تھا۔
ثانیہ کو رونا آنے لگا۔ عون کی ناراضی اور غصہ اپنی جگہ..... مگر کیا اب مجھے روز ان ہی "خراٹوں" کی آواز سن سن کے سونا پڑے گا.....؟
ثانیہ کے پاس رونے کا ایک اور جواز موجود تھا۔ بددلی سے لائٹ آف کر کے نائٹ بلب آن کرتی وہ اپنی جگہ پر آ کر دراز ہو گئی۔ آج کی رات آنکھوں میں کاٹنے والی وہ تیسرا فرد تھی..... اس نے رشک سے خراٹے لیتے دنیا و مافیہا سے بے خبر سوئے عون عباس کو دیکھا اور گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ کی کزنز ناشتہ لے کے آ چکی تھیں۔
ثانیہ کی نیند تو ویسے ہی روٹھی ہوئی تھی' وہ فریش ہو کر ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ آٹھ بجے ہی سر پہ سلیقے سے دوپٹا اوڑھے لاؤنج میں جا پہنچی کہ ابا اس کے سلام پر نہال ہی تو ہو گئے۔ عزیز تو وہ پہلے بھی تھی۔ اب تو لاڈلی بہو بھی بن

گئی تھی۔
باقاعدہ امی کو آواز دے کر بلایا۔ وہ کچن میں ان کے لیے بیڈ ٹی بنا رہی تھیں۔ افتاں وخیزاں آئیں تو ان کے پاس صوفے پر نکھری نکھری مگر قدرے جھینپی سی بیٹھی ثانی کو دیکھ کر حیران سی ہوگئیں۔
ثانیہ نے کھڑے ہوتے ہوئے انہیں شرمیلا سا سلام کیا تو وہ جیسے ہوش میں آئیں۔ آگے بڑھ کے اسے لپٹا کے پیار کیا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ولیمے کی دلہن صبح آٹھ بجے اتنی "ریڈی" حالت میں لاؤنج میں پائی جاسکتی ہے۔ مگر اب شوہر کے سامنے کیا پوچھتیں۔ (بیٹا خیر تو ہے اتنی جلدی اٹھ گئیں؟ شی خود کو ڈپٹا)
"مامی! آپ ناشتہ بنا رہی ہیں؟ میں بنا دوں؟"
ثانیہ نے خلوص کی مار مارتے ہوئے امی کو تو نڈھال ہی کردیا۔
"ارے نہیں۔ ان کی بیڈ ٹی بنا رہی ہوں۔ جو یہ ہمیشہ بیڈ کے بجائے لاؤنج میں آکر پیتے ہیں۔" وہ گڑبڑائیں۔
چھوٹی کے لیے دودھ گرم کرنے کے لیے آتی... بھابی کی آنکھوں کی نیند سامنے کا سین دیکھ کر اڑن چھو ہوگئی پھر انہوں نے گہری سانس بھری۔
"کچھ نہ کچھ گڑبڑ تو لازمی لگتی ہے۔" وہ کچن میں گھستے ہوئے سوچ رہی تھیں۔
وہ ابا کے پاس بیٹھ کے آج کے اخبار کی خبروں پر رائے دینے لگی۔ امی تو بس سسر اور بہو کی سیر حاصل گفتگو سنتیں یا پھر ان کا منہ دیکھے جاتیں۔
خدا خدا کر کے ثانیہ کے گھر سے فون آیا۔ ادھر سے ناشتہ آرہا تھا۔
امی کے تو دل کی مراد بر آئی۔
"جاؤ ثانیہ۔ بیٹا عون کو بھی بلا لاؤ۔ ابھی سب آجائیں گے۔" خود تو جانہ سکتی تھیں' بہانے سے بہو کو اٹھانا چاہا۔
"وہ تو ابھی سو رہے ہیں مامی۔" پلکیں جھکا کر بڑے ادب سے بتایا۔
ابا کی مونچھیں پھڑکیں۔ طنز سے ہنکارا ابھرا۔
"وہ تو دوسروں کی شادی سے ہو کے آئے تو دس بجے سے پہلے نہیں اٹھتا' یہ تو پھر اس نے اپنی شادی کا معرکہ مارا ہے۔" "یا اللہ... اب یہ نئی نویلی بہو کے سامنے بیٹے کو جھاڑیں گے۔ امی کو نئی فکر لگی۔
بمشکل مسکرائیں۔ پھر ثانیہ کو اشارہ کیا۔
"تم جاؤ۔ جا کے دیکھو۔ اٹھ گیا ہوگا۔" ثانیہ فوراً"حکم کی تعمیل میں اٹھ گئی۔
"اگر سویا پڑا رہا تو ناشتہ نہیں ملے گا۔ یہ بھی بتا دینا موصوف کو... زیادہ دولہا نہ سمجھے خود کو۔" ابا کی للکار ثانیہ نے پیچھے سے بخوبی سنی تھی اور امی کی گھرکتی ہوئی دھیمی آواز۔
"اوفوہ... آپ بھی نا۔ شادی کی پہلی صبح ہے... کچھ تو خیال کریں۔ بہو کے سامنے تو عزت رکھ لیں بیٹے کی۔"
"میری بھانجی بھی تو ہے۔ جی خوش کردیا صبح صبح بزرگوں کی دعائیں لے کر۔" ابا کو تو فخر کا نیا موقع مل گیا تھا۔
سیڑھیاں چڑھتی ثانیہ کے ہونٹوں سے ہنسی کا فوارہ پھوٹنے کو تھا۔ جلتے بلتے دل کو بہت قرار آگیا۔

احتیاط سے دروازہ کھول کے دیکھا۔ وہ پرسکون ماحول میں بے پرا سو رہا تھا۔
چہ... چہ... ثانیہ نے اسے دیکھتے ہوئے تاسف سے سرہلایا۔ کتنا برا ہوگا جب دولہا کو ناشتہ نہیں ملے گا۔
ثانیہ کا اسے جگانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر یہ بھی خیال تھا کہ اگر مامی اسے جگانے آگئیں تو اسے یوں شیروانی میں ملبوس سوئے دیکھ کر... اسے جھرجھری سی آئی۔ ایک نظر بے سدھ پڑے عون کو دیکھ کر وہ دروازے کی

طرف بڑھی' اندر سے لاک دبایا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ اب کوئی بھی آتا' دروازہ تب ہی ان لاک ہوتا جب عون اندر سے دروازے کی ناب گھماتا۔

وہ ہاتھ جھاڑتی سیڑھیوں کے طرف بڑھی۔

''جی ماموں جان۔ آپ کا پیغام دے آئی ہوں۔''

ادب سے ان کے گوش گزار کیا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ امی بے چاری کام والیوں سے الجھ رہی تھیں ورنہ شاید ایک بار تو اپنے لاڈلے کی خبر لے ہی آتیں۔

ثانیہ کی شہر میں موجود کزنز خالہ کے گھر سے اس کا ناشتہ لائی تھیں۔ امی اور بھابھی ناشتے کا سامان اور برتن لگانے میں مصروف۔ ایسے میں فقط ابا ہی تھے جو کڑی نظروں سے بار بار گھڑی کی سوئیوں کو ساڑھے نو بجاتے اور پونے دس کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

''وہ ناخلف ابھی تک نہیں اٹھا۔۔۔ سارا شہر جاگ گیا۔'' وہ اندر ہی اندر تلملا رہے تھے۔

سالیاں کتنی بار دولہا بھائی کی بابت پوچھ چکی تھیں۔ امی نے ایک بار تو بھابی کو دوڑایا۔ ناشتہ بالکل ریڈی تھا۔ ایک بار ابا سب کے ساتھ ناشتے کے لیے پہنچ جاتے تو کسی کی مجال نہ تھی جو ناشتے کے بیچ اٹھ کے جاتا اور عون کو بلا کے لاتا۔

''دروازہ لاک ہے۔ میں نے تو کافی بجایا۔ آوازیں بھی دی ہیں۔''

بھابی نے آکر بتایا۔ امی کو اطمینان ہوا۔

''اچھا۔ تیار ہو کے آنے لگا ہوگا۔ تم سب کو ناشتے کی ٹیبل پہ بلاؤ۔''

مگر کہاں۔۔۔ سب ناشتے کی ٹیبل پر پہنچ گئے' ناشتہ شروع ہوا۔ باتیں ہنسی مذاق۔

امی کے دل کو تو گویا پنکھے ہی لگ گئے۔

ادھر بھابی کی آواز اور دھڑدھڑاتے دروازے نے عون کو بوکھلا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اردگرد کے پھولوں سے سجے ماحول کو دیکھ کر خیال آیا کہ کل کے فنکشن میں وہ کس ''عہدے'' پر فائز ہو چکا ہے۔

مگر بھابی کی بلند للکار اور کھٹا کھٹ بجتے دروازے نے اسے مزید کچھ سوچنے نہیں دیا۔

''یہ ثانی کی بچی کہاں ہے۔۔۔ دروازہ ہی کھول دیتی۔'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بستر خالی' کمرہ خالی۔ (واش روم میں ہوگی)

وہ کوفت زدہ سا اٹھ کے تبدیل کرنے کے لیے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔ بھابی تھک ہار کے شاید واپس جا چکی تھیں۔ کافی دیر وہ ثانیہ کے واش روم سے نکلنے کا انتظار کرتا رہا' دس بجنے کو تھے۔

پھر کچھ شک سا گزرا۔ پانی تک گرنے کی آواز نہیں آرہی تھی۔ عون نے اٹھ کر دروازے کو ہاتھ لگایا تو خالی واش روم منہ چڑا رہا تھا۔ وہ تلملا سا گیا۔

رات سے سب کچھ عجیب ہی ہو رہا تھا۔ دروازہ لاکڈ ہے تو ثانی اندر سے کیسے غائب ہو گئی۔۔۔؟

وہ نہاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ مگر ثانی صاحبہ نے رات اور بھی۔ بہت دھماکے کیے تھے تو ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اطمینان سے تیار ہو کر ناشتے کے لیے پہنچا تو ثانیہ کی۔۔۔ کزنز باہر گیٹ پہ کھڑی تھیں اور سب انہیں سی آف کرنے گئے ہوئے تھے۔ البتہ کام والی کے ساتھ مل کے برتن اٹھاتی بھابی نے اسے خاصی معنی خیزی سے دیکھا اور کھنکھاریں۔ وہ ایسے ہی جھینپ سا گیا۔ (بے چارہ عون عباس!)

''آج ناشتے کا کوئی پروگرام نہیں۔۔۔ سب ابھی تک پڑے سو رہے ہیں؟''

جلدی سے بھابی کا دھیان پلٹنے کو کہا تو وہ جواب دینے کے بجائے ہنسنے لگیں۔ جواب کوریڈور سے آتے ابا کی طرف سے موصول ہوا۔

"بالکل ٹھیک فرمایا بیٹا جی! ایک تم ہی تو سحر خیز ہو اس گھر میں۔ باقی سب تو گیارہ بجے تک پڑے سو رہے ہیں۔" ابا کا طنز کرارا تھا۔ مگران کا کرارا طنز اپنی جگہ 'عون کی تمام تر حسیات تو ان کے پیچھے امی کے ساتھ آتی ثانیہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"اب بندہ اپنی شادی پہ بھی گیارہ بجے نہیں اٹھ سکتا کیا؟" عون نے احتجاج کیا۔

"کیوں نہیں... بلکہ جب بندے کے بارہ بجیں 'تب اسے اٹھنا چاہیے۔" ابا نے تحمل سے کہا تو عون نے ثانیہ کو بے ساختہ منہ پہ ہاتھ رکھتے محسوس کیا۔ یقیناً" اس نے اپنی ہنسی روکی تھی۔

"اچھا اب بس... نئی دلہن کے سامنے... ناشتہ تو کر لینے دیں اسے۔"

امی نے دبے اور آدھے ادھورے لفظوں میں ابا کو تمام صورت حال سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر ابا پہلے ہی الحمدللہ کافی سمجھ دار تھے۔ عون کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بات تم اس نالائق کو سمجھاؤ۔ اچھے کام کرے گا تو ہی تعریف نئی دلہن کے سامنے بھی کروں گا۔"

عون... ولیمہ کا دولہا... بے چارہ۔ حق دق کھڑا تھا۔ یہ کیسا ولیمہ تھا جس میں ناشتے کے بجائے گوشمالی کی جا رہی تھی۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" وہ ابا کے سامنے جتنے بھی پاؤں پٹخ لیتا۔ بے سود ہوتے۔ سو اس نے یہ عمل پھر کبھی کے لیے ٹال دیا۔ اور پُرزور احتجاج بھرے انداز میں پوچھا۔

"میں نے کہا تھا جو سویا رہا' اسے ناشتہ نہیں ملے گا۔" ابا نے مونچھوں کو بل دیا۔

"میں نے تو جگایا تھا..." ثانیہ کی مدھم آواز پر وہ پورے کا پورا ہی اس کی طرف گھوم گیا۔ وہ سلیقے سے سر پہ دوپٹا اوڑھے... بڑی نک سک سے تیار تھی۔

عون نے آنکھیں سکیڑ کر لحظہ بھر کو اس کا "پلان" دریافت کرنے کی کوشش کی۔ (چھا بھے کٹنی)

"ہاں بلکہ میں بھی اتنی دیر دروازہ بجاتی رہی' آوازیں بھی دیں مگر تم تو پورا اصطبل ہی بیچ کر سو رہے تھے۔" بھابھی نے ثانیہ کے بیان میں اپنا بیان شامل کر کے "وزن دار" بنا دیا۔ اب ان بے چاری کو کیا معلوم "اندرون خانہ" حالات۔

"تمہاری سسرال سے ناشتہ آیا تھا۔ ثانیہ کی کزنز آئی تھیں۔ سب تمہارا پوچھتی رہیں۔"

بھابھی اسے بتا رہی تھیں۔ ابا طنز سے ہنکارا بھرتے چلے گئے۔ وہ دھڑام سے صوفے پہ گرا۔

"میں ناشتہ لگاتی ہوں تمہارے لیے۔" امی تو راج دلارے کا "اتا سا" منہ دیکھ کے پسیج ہی گئیں۔

"مجھے نہیں کرنا ناشتہ... صبح صبح اتنی ملامت۔ بھر گیا ہے پیٹ میرا۔"

اف... ناراض ناراض عون عباس۔

ثانیہ کے پیٹ میں ہنسی کا گولا گھومنے لگا۔

امی اسے پچکارتے ہوئے ناشتہ لینے کچن میں چلی گئیں تو بھابی ثانیہ کے ساتھ آ بیٹھیں۔ ساتھ والے صوفے پر ہی تو عون بیٹھا تھا۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بیگم تمہاری صبح آٹھ بجے کی باہر گھوم رہی ہے' تم گیارہ بجے تک کس کے ساتھ خوابوں میں ٹہلتے رہے ہو؟" بھابی نے شرارت سے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے عون سے استفسار کیا تو ثانیہ کا چہرہ گل

رنگ ہونے لگا۔۔۔ ایویں بلاوجہ۔ (اب دولہن تو تھی نا) عون جھلایا۔

''اب بیگم بے خوابی کی مریضہ ہو تو لازمی ہے کہ شوہر بھی فجر پڑھ کے پورے گھر میں روح کی مانند دندناتا پھرے۔''

لو جی۔ دولہا تو کوئی ''بوٹی'' پھانک آیا تھا (خواب میں ہی) بھابھی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ ثانیہ کا دھیما انداز اور نرم سی مسکراہٹ وہ صبح سے دیکھ رہی تھیں۔ تو یہ عون عباس کو کیا ہوا؟

انہوں نے مشکوک نظروں سے عون کو دیکھا۔

''میرے خیال میں ناشتہ نہ ملنے کا دکھ سر چڑھ کے بول رہا ہے۔ میں تمہارے لیے ناشتہ لگاتی ہوں امی نے گرم کرلیا ہے۔'' وہ اٹھ گئیں۔

''رہنے دیں۔ اپنے سسر صاحب کا ''فرمان عالی شان'' نہیں سنا آپ نے۔'' پیچھے سے عون نے طنز کیا تھا۔ مگر وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلاتی چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی وہ پھنکارتے ہوئے بے حد اطمینان سے بیٹھی ثانیہ پر الٹ پڑا۔

''بڑا اچھا امیج بنا رہی ہو اپنے ماموں جان پر اپنا۔ ابھی میں بتا دیتا کہ کمرہ تم لاک کر کے آئی تھیں تو پھر پتا چلتا تمہیں۔''

''اچھا۔۔۔؟ مگر دروازہ تو اندر سے لاک تھا۔'' بڑی معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر حیرت کا اظہار کیا گیا۔

کمبخت مارا عون عباس کا محبت میں ہارا دل۔۔۔ اس انداز پر فدا ہو گیا۔

''دیکھو۔۔۔ مجھ سے یہ کھیل کھیلنے کی کوشش مت کرو۔ بہت بری طرح پٹوگی۔'' دھیمی مگر سخت آواز میں دھمکی دی۔

''اوکے لیٹس پلے۔'' (چلو کھیلتے ہیں)۔ وہ محظوظ سا مسکرائی۔ ''ایک دن ایسا آئے گا جب تم خود ماموں جان سے کہو گے کہ ان کا فیصلہ غلط تھا۔''

''خبردار جو میرے کندھے پہ بندوق رکھنے کی کوشش کی تو۔۔۔'' عون نے دانت پیسے۔

''وہ تو رکھی جا چکی مسٹر عون عباس۔'' ثانیہ کا انداز سراسر چڑانے والا تھا۔ ممکن تھا کہ غصے میں آکر عون ایک آدھ (ہلکا سا ہی) جھانپڑ اسے لگا ہی دیتا مگر امی اور بھابی ناشتہ لگنے کی اطلاع لے آئیں۔ تو یہ جھانپڑ بھی ''آئندہ'' کے لیے محفوظ ہوا۔

''چلو نا تم بھی ثانیہ۔'' امی نے پیار سے اس سے بھی کہا تو ڈائننگ کی طرف بڑھتا عون ٹھٹکا پھر طنز سے بولا۔

''یہ تو آٹھ بجے کی اٹھی ہوئی ہے' شاید اسی لیے ابا نے انعام کے طور پہ دوبار کا ناشتہ ''الاٹ'' کیا ہوگا بھانجی کو۔''

امی نے عون کے ''مذاق'' پہ اسے گھر کا۔ ''بکواس مت کرو۔''

پھر پیار سے اٹھاتے ہوئے ثانی کو اپنے ساتھ لگایا۔

''اس بے چاری نے بھی تمہارے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا۔ ایسے ہی اپنے ماموں کو دکھانے کے لیے سب کے ساتھ بیٹھ گئی تھی ٹیبل پر۔''

''لو جی۔۔۔ بے چاری ثانیہ کا ایک اور ہمدرد۔۔۔''

عون کڑھتے ہوئے ثانیہ کے اس ڈرامے پر غور کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت بجھے دل کے ساتھ عون اور ثانیہ کے ولیمہ کے فنکشن کے لیے تیار ہوئی۔ میک اپ کرنا تو آتا نہیں تھا۔ گھور سیاہ آنکھوں میں کاجل لگا کے ہلکی سی لپ اسٹک لگالی۔

لپ اسٹک لگاتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھتے اس کا ہاتھ رک سا گیا۔ اس کی ذہنی رو بھٹکی۔

اسے اپنی کلائی پہ معیز کے مضبوط ہاتھ کی گرفت یاد آئی۔ اس کے ملبوس سے اٹھتے کلون کی مہک ہمیشہ کے لیے ایبہا کی سانسوں میں بس گئی تھی۔ اس نے بایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے رخسار پہ پھیرا۔۔۔ وہ ابھی بھی اپنے چہرے پہ اس کی سانسوں کی تپش محسوس کر سکتی تھی۔ جب جب ایبہا نے اس واقعے کے بارے میں سوچا تو اس نے قربت کے ان لحات میں معیز کی بے اختیارانہ وارفتگی کو ''نیند'' کا شاخسانہ کبھی نہیں سمجھا تھا۔

اور وہ کہتا ہے کہ میں نیند میں تھا!

تم نیند میں تھے معیز احمد۔۔۔ میں تو خواب نہیں دیکھ رہی تھی نا۔ میرے لیے تو تمہارا وہ قرب ایک کڑی حقیقت ہے۔

پھر تمہارے نہ ماننے کی وجہ۔۔۔؟

ضبط سے اس کی آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

اتنی بڑی دنیا ہے۔ رباب کے لیے تو ہزاروں ہوں گے۔ میرے لیے تو بس معیز احمد۔۔۔ تو پھر تمہارے لیے صرف میں کیوں نہیں؟

یا اللہ۔۔۔ تو نے اس شخص کو میرے لیے اتارا۔۔۔ تو اس کے دل میں میرے لیے پیار بھی اتارتا۔ میں کیوں نہیں... رباب احسن ہی کیوں؟

اس کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ خفیف سے اشتعال کے تحت اس نے لپ اسٹک رکھ کر ٹشو پیپر کھینچا اور ہونٹوں کی لپ اسٹک صاف کر ڈالی۔

ثانیہ نے کہا تھا۔۔۔ شرعی رشتہ ہے تو پھر قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ ہارنے سے پہلے جیتنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے تو کیا میں جیت سکتی ہوں معیز کو؟

معیز کی مسڈ کال پر وہ بہت بے دلی سے چادر اوڑھتی باہر نکلی۔ گیٹ سے باہر آ کے وہ گاڑی میں بیٹھی تو آج کچھ نہیں تھا نہ وہ پہلی پہلی بار جیسا خوف نہ بعد میں معیز سے محسوس ہونے والی جھجک اور شرم۔ آج وہ اپنے دھیان کے دھاگوں میں ایسی الجھی تھی کہ بے حس سی آکر بیٹھ گئی۔

کسی کا لفظوں میں جھٹکنا تو برداشت ہو جاتا ہے شاید مگر یوں قربت میں جھٹکنا؟ اس طرح رد کرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور ایبہا بھی کل رات سے اور پھر آج صبح سے اسی تکلیف کی زد میں تھی۔

''ماما کا آج پورا ارادہ تھا ولیمہ اٹینڈ کرنے کا مگر طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے نہیں آسکیں۔ ورنہ تم تو گھر ہی رہ جاتیں۔''

اس نے یونہی شاید گاڑی میں چھائی خاموشی توڑنے کے لیے بات برائے بات کی۔

''جی۔ میں رکشے یا ٹیکسی میں آجاتی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ تو معیز چپ ہو گیا۔ ایبہا نے مزید کہا۔ ''ثانیہ میری ماں کے بعد وہ پہلی فرد ہیں جو مجھ سے جڑا اپنا رشتہ صحیح معنوں میں نبھا رہی ہیں۔ میں انہیں ریٹرن ویسا ہی دینا چاہتی ہوں۔''

معیز کو اس کی بات سراسر طنز لگی، سو برا مان کر خشک لہجے میں بولا۔

''شکر ہے، تمہیں کم از کم ثانیہ کا احسان تو یاد ہے۔''

ایبہا خاموشی سے ونڈ اسکرین کے پار گھورتی کچھ سوچتی اور جوڑ توڑ کرتی رہی۔

میرج ہال کی انڈر گراؤنڈ پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے انہیں فرسٹ فلور پہ جانے کے لیے آٹھ دس سیڑھیاں طے کرنا تھیں۔ سات' آٹھ' نو.... وہ آخری سیڑھی پر تھے۔ لحظہ بہ لحظہ ہم قدم۔ ایبہا نے رک کر معیز کو دیکھا۔

وہ ٹھٹکا۔ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا ہوا....؟"

معیز کو اس کی کیفیت عجیب سی لگی۔ چہرے کی رنگت مزید سفید ہو رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں سے حزن چھلکا پڑتا تھا۔

"آپ نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا.... اک بار نہیں بار بار سنایا آپ نے...." وہ خشک ہوتے حلق کے ساتھ بولی۔ تو الفاظ ٹوٹے پھوٹے تھے۔ معیز شعوری کوشش سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

ایبہا نے سوکھے لبوں کو زبان پھیر کے تر کیا پھر بڑی ہمت سے بولی۔

"یہاں مجھے لانے والے بھی آپ تھے اور یہاں سے نکالیں گے بھی آپ۔ میں آپ کی منزل نہ سہی۔ مگر راستے کا پتھر بن کے پڑی رہوں گی۔"

"واٹ....؟" معیز کے سر پہ دھماکا سا ہوا" ایکسکیوزمی...." دانت پیس کر کہتا وہ اسے کہنی کے قریب سے بازو پکڑے.... قدرے کونے میں لے آیا۔

"کیا بکواس ہے یہ.... وقت اور موقع دیکھا ہے تم نے؟" معیز کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔

"تو عورت کا کیا قصور ہے معیز.... مرد جہاں چاہے' وقت اور موقع دیکھے بغیر اسے کوئی بھی بات سنا دے' کوئی بھی دفعہ لگا دے اور عورت وقت اور موقع کی نزاکت ہی دیکھتی رہے۔ بس۔"

وہ بے بسی سے کہتی بھبک کر رو دی۔ جانے رات سے کتنا غبار اندر بھر چکا تھا۔ وہ تمام تر احتیاط اور بزدلی بالائے طاق رکھ کے آج ایک مرد سے اپنا حق مانگنے کھڑی تھی۔

"جو بات طے ہے وہی ہو گی ایبہا! میری زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

معیز نے سنگ دلی کی حد کر دی تھی۔ آنسوؤں سنگ کاجل بہاتی آنکھوں کا گلابی پن اور بڑھ گیا۔

"اور جس کی زندگی ہی آپ ہو گئے ہوں معیز....؟"

بلا ارادہ و بے اختیار وہ اتنی بے بسی اور بے چارگی سے اظہار محبت کر گئی کہ اگر واقعتاً "بیوی کے "عہدے" پر فائز ہوتی تو بھی شاید اتنے کم عرصے میں ایسا بے تکلفانہ اعتراف نہ کرتی۔

معیز کو اس کے انداز نے ساکت کر دیا۔ مگر ایبہا تو شاید آر یا پار والے انداز میں تھی۔ یوں جیسے دماغی رو پلٹ چکی ہو۔ چہرے کو رگڑ کر چادر سے صاف کرتے ہوئے وہ بہت باغیانہ انداز میں بولی۔

"آپ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے ہیں۔ گزاریں میری طرف سے آپ کو کوئی دکھ نہیں ملے گا۔ آپ رباب کو پرپوز کرنا چاہتے ہیں اٹس اوکے۔ لیکن میں بھی اپنی زندگی کے فیصلے اپنی مرضی سے کرنا چاہتی ہوں معیز!"

وہ جو متحیر سا اس کا یہ باغی روپ دیکھ رہا تھا۔ غصے بھری دھیمی آواز میں بولا۔

"تو کرو۔ میری طرف سے تم آزاد ہو۔ جو چاہے فیصلہ کرو۔"

"ہاں۔ کر لیا ہے میں نے فیصلہ...."

ایبہا نے ہلکے سے جھٹکے سے اپنا بازو معیز کے ہاتھ کی گرفت سے چھڑایا۔ اپنی چادر اتاری اور تہہ کر کے

شولڈر بیگ میں ٹھونس لی۔ ٹخنوں تک آتی فیروزی اور پنک فراک کا ہم رنگ دوپٹہ اس نے شانوں پہ پن اپ کر رکھا تھا۔

میڈم نے جو اس کے بال ترشوائے تھے وہ اب دوبارہ کمر کو چھو رہے تھے' ایبہا نے محض کلپ کر کے انہیں یونہی چھوڑ دیا تھا۔ معیز کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ایبہا کے انداز و الفاظ سے چھلکتی بغاوت نظرانداز کیے جانے والی نہ تھی۔

ایک ایسی لڑکی جو بالکل "زمین" سے اٹھ کے آئی ہو اور جس میں اعتماد اور جرات رتی بھر نہ ہو۔ اس کا یوں بے خوفی سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرنا..... اچنبھے کی بات تھی۔

ہاتھ کی پشت سے نم آنکھیں پونچھ کر ایبہا نے معیز کی طرف دیکھا۔

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ مگر بہت تھکی ہوئی اور پژمردہ دکھتی تھی۔ پھر وہ بہت بے خوفی سے بولی۔

"آپ نے مجھے آزاد کرنا ہے تو کر دیں۔ مگر میں خود سے کبھی اپنا نام آپ کے نام سے الگ نہیں کروں گی۔ اور نہ ہی یہ گھر چھوڑ کے جاؤں گی۔"

معیز بھک سے اڑا۔

وہ اپنی بات مکمل کر کے پلٹی اور متوازن قدموں سے چلتی ہال کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو گئی۔ جبکہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق معیز احمد وہیں منجمد ہوا کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆
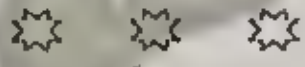
وہ ثانیہ سے ملی تو دل چاہا دھاڑیں مار مار کے روئے مگر ضبط کر کے رہ گئی۔ ثانیہ نے اسے اسٹیج پر ہی اپنے پاس بٹھا لیا۔

"اتنی لیٹ..... سارے مہمان آچکے ہیں۔" ثانیہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ محض مسکرا دی۔

"کیا بات ہے..... طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تمہاری۔"

اف..... یہ محبت کرنے والے..... ایبہا کو ٹوٹ کر احساس ہوا کہ ثانیہ اس کی بہت فکر کرتی تھی۔

"ہاں..... تھوڑا سا بخار ہو گیا تھا رات کو۔ اسی کی وجہ سے ویک نیس ہو رہی ہے۔" اسے تسلی دینے کے لیے بے ضرر سا جھوٹ بول دیا۔ ورنہ تو ایمرجنسی نافذ کر کے پورا اسٹیج اتھل پتھل کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ ثانیہ عون عباس۔ اور یہ کمزوری..... ایبہا نے ثانیہ کے کسی رشتے دار خاتون کی طرف متوجہ ہونے کے بعد گہری سانس بھری۔ یہ تو معیز احمد کے سامنے بے جا بہادری دکھانے کے بعد کی کمزوری تھی۔ (وہی..... بخار کے بعد کی کمزوری)

وہ سوچتی تو اس کا ذہن چکرا تا۔ ابھی چند لمحے پہلے وہ کیا کر آئی تھی۔ اسے خود یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ معیز سے وہ سب کہہ چکی ہے جو دل و دماغ پہ ساری رات بیتتا رہا تھا۔ معیز کو ہال میں عون کے ساتھ محو گفتگو دیکھ کر ایبہا نے نگاہ پھیرلی۔

وہ ابھی تک طے نہیں کر پائی تھی کہ اس کا اٹھایا جانے والا قدم راست تھا یا نہیں..... اور یہ کہ اب معیز احمد کیا حکمت عملی اپنائے گا؟ پورے فنکشن میں وہ گم صم سی رہی۔ کھانا بھی برائے نام کھایا۔ ثانیہ ہی اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ ڈالتی رہی اور وہ بس چڑیا کی طرح ٹونگتی رہی۔

فنکشن ختم ہوا لوگ واپس جانے کو تھے۔ ثانیہ نے صاف اعلان کر دیا کہ وہ امی اور دادی کے ساتھ جائے گی۔ عون کی تیوری چڑھی۔ مکلاوے کی رسم تھی۔ اصولاً" عون کو بھی ساتھ جانا پڑتا۔ جو کہ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

"کل ہی تو لوٹے ہیں وہاں سے آج پھر چلا جاؤں۔ امی! آپ کی بہو رخصت ہو کے آئی ہے یا میں جا رہا ہوں۔"
اس نے امی کے سامنے دانت پیسنے اور پاؤں پٹخنے کی ساری حسرت پوری کرلی۔ جواباً" انہوں نے ہلکی سی گھوری کے ساتھ "اونہوں" کیا اور بس۔
"خوشی سے جاؤ۔ منہ لٹکا کے آنا کانی کرو گے تو اپنے ابا کو جانتے ہو' سارا "پروٹوکول" بھول کے گردن سے پکڑ کر دولہا کی گاڑی میں بٹھا دیں گے۔"
معیز نے اس کی حالت کالطف لیتے ہوئے نقشہ کھینچا تو وہ اسے گھورنے لگا۔
معیز نے اچٹتی نگاہ چادر اوڑھے واپسی کو تیار کھڑی ابیہا کو دیکھا۔ ثانیہ بڑے پیار سے اس سے ملی۔
"او کے ابیہا... واپس آؤں گی تو پھر تمہاری طرف بھی چکر لگاؤں گی۔" اس نے ابیہا کا ہاتھ دبایا پھر معیز کو دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔
"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے معیز بھائی! خیال رکھیے گا اس کا۔"
معیز کے اعصاب اس "یاددہانی" پر کشیدہ سے ہونے لگے۔ ہر کسی کے لیے وہ بے چاری تھی۔ اور معیز ظالم ... بلکہ شاید ظالم ویو۔ جو ایک رحم دل پری کو قید کیے بیٹھا تھا۔
وہ اندر ہی اندر سلگتا ان سے رخصت لیتا... گاڑی میں آبیٹھا۔ ابیہا کا دل سہم سہم کر دھڑک رہا تھا۔ ابھی اگر گرجتا برستا معیز اس پر الٹ پڑتا تو وہ بے ہوش ضرور ہو جاتی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت ہو رہی تھی دل کی۔ مگر اللہ کا شکر کہ وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ پورچ میں گاڑی کر کے معیز نے گاڑی کی اندرونی لائٹس آن نہیں کی تھیں۔ ابیہا گاڑی سے اتری تو اپنی طرف کا دروازہ بند کرتا معیز اس سے پہلے اندر چلا گیا۔
ابیہا کے انیکسی کی طرف بڑھتے قدم مدھم پڑ گئے۔ اسے اچھی طرح سے اس ان دیکھی دیوار کا احساس ہو رہا تھا جو اس کے اور معیز کے بیچ آج پھر سے اگ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کا فنکشن اوپر سے سید پور تک کا پھر سے سفر عون کا تو اپنے بال نوچنے کو جی چاہ رہا تھا۔ ابا کی ایک کڑی نگاہ نے اسے کان دبا کے گاڑی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔
تھکاوٹ سے اس کا برا حال تھا۔
اگر تو ثانیہ کے ساتھ تعلقات صحیح جا رہے ہوتے تو وہ بھی ساری رسموں کو دل کھول کرانجوائے کرتا مگر ابھی تو فی الحال کنپٹی پہ پستول رکھ کے اس سے ہر کام کرایا جا رہا تھا۔ یہ مکلاوے کی رسم تو نری فضول اور بے ہودہ لگ رہی تھی۔ اسے اپنا آپ...
دولہا کم اور کسی ننھی سی بچی کا گڈا زیادہ لگ رہا تھا جسے جی چاہے الٹ پلٹ لو۔ جہاں جی چاہے سلا دو۔ اٹھا دو۔ صد شکر کہ گھر پہنچ کر رات کو مزید آدھی رات نہیں بنایا گیا۔ کولڈ ڈرنکس سے تواضع کے بعد انہیں کمرے میں بھیج کر باقی سب بھی سونے کے لیے اٹھ گئے۔ گاؤں میں تو ویسے بھی رات جلدی ہو جاتی ہے۔
عون نے اپنے اعصاب کو مسلسل کسی شکنجے میں کسا محسوس کیا تھا۔ وہ دونوں ثانیہ ہی کے کمرے میں تھے۔ مگر اب وہاں پلنگ کے بجائے خوب صورت سا ڈبل بیڈ بچھا کر نئی سیٹنگ کر دی گئی تھی۔ یقیناً" دولہا کے اعزاز میں۔
عون نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے جوتے اتار کے ادھر ادھر پھینکے 'ٹائی کو کھینچ کر بستر پر پھینکا۔
"ارے... ارے۔"
ثانیہ جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنا "ہار سنگھار" اتارنے کے طریقہ کار پر غور کر رہی تھی جیسے تڑپ کر پلٹی۔

"یہ میرا کمرہ ہے جناب۔ اور میں اس کی اتنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔"
بس جی.... عون کو تو تلووں میں لگی سر پہ جا بجھی۔ اچھل کے بیڈ سے کھڑا ہوا۔
"اچھا۔ اب یہ جتاؤ گی تم مجھے.... اور وہاں جو میرے کمرے میں میرے بیڈ پہ قبضہ کیا ہوا تھا تم نے 'وہ کیا تھا؟"
"اچھا.... تم نے دیکھا تھا مجھے وہاں سوتے؟" ثانیہ نے استہزائیہ انداز میں پوچھا اور پھر سر جھٹک کر کانوں کے جھمکے اتارنے لگی۔

"میں واش روم سے نکلی تو پورے کمرے میں تمہارے خرّاٹے گونج رہے تھے۔"
طنز پہ طنز.... عون کا بس نہ چلتا تھا پاؤں پٹخے یا سر۔ اور یہ بھی کہ اپنا یا ثانیہ کا۔ وہ بڑے اطمینان سے ساتھ دوپٹے کی پنیں اتار رہی تھی' اس کے بعد سارا زیور اور پھر اسی سکون کے ساتھ ہاتھوں پہ کریم مل کے چہرے پر لگائی اور ٹشو سے چہرہ صاف کرنے لگی۔
عون عباس جل کڑھ کے رہ گیا۔ اس شادی نے ابھی تک تو کچھ نہ دیا تھا سوائے خسارے کے۔
"زہر لگتی ہیں مجھے شادی کی یہ رسمیں۔ اور خاص طور پہ یہ **مکلاوا**.... بلکہ دکھلاوا کہو تو زیادہ بہتر ہو گا۔ مجھے تو دنیا دکھاوا ہی کرنا پڑا نا۔"
وہ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو وہ ابھی تک اسی کیفیت میں تھا۔ ثانیہ نے نرمی سے کہا۔
"تمہارے کپڑے امی نے واش روم میں لٹکا دیے ہیں۔ چینج کر لو۔"
سوال گندم' جواب چنا۔
عون نے دانت کچکچائے' مگر وہ بے نیازی سے آئینے کے سامنے جا کے اپنے بال برش کرنے لگی (اپنا کمرہ ہے جی)

وہ مارے بندھے واش روم میں چلا گیا.... اور جب باہر نکلا تو نائٹ بلب کی سبز مدھم روشنی میں خواب ناک سا ماحول بنائے وہ اپنی جگہ پر لیٹ چکی تھی۔ عون جل بھن کے رہ گیا۔
بڑی مہربانی کہ اپنے بیڈ پہ جگہ دے دی محترمہ نے وہ اپنی طرف دراز ہوا تو کسی کپڑے کو ہاتھ لگا.... اس نے بغور دیکھا تو سلگ سا گیا۔
دونوں کے درمیان تہہ شدہ چادر لمبی لٹائی گئی تھی یعنی.... بارڈر لائن.... کنٹرول لائن جو بھی سمجھ لیں۔ مگر اس وقت عون کو تو وہ چادر کی تہہ دیوار چین لگی تھی۔
ہنہ.... ہنہ بلکہ ایک بار پھر سے ہنہ۔
عون کی انا پہ تازیانہ پڑا تو اس نے بھی تنفّر سے سر جھٹکا۔
وہ اس کی قربت نہیں چاہتی تھی۔ چادر کی یہ دیوار عون کے لیے ایک پیغام تھی کہ اس کی قربت ثانیہ کے لیے پسندیدہ نہیں ہے' سو عون نے اس سے زیادہ ہٹیلا پن دکھایا اور کروٹ لے کر ثانیہ کی طرف پشت کر لی۔
پلکوں کی جھری سے دیکھتی ثانیہ نے سینے میں دبی سانس خارج کرتے ہوئے آنکھیں کھول کر عون کی پشت کو دیکھا۔
وہ مردہ تھا۔ ایک معمولی سی چادر کی دیوار اس کے لیے کیا معنی رکھتی تھی۔ یہ چادر ثانیہ کی "انا" تھی' اس کی عزت نفس تھی۔
وہ خود سے عون کی طرف ہاتھ بڑھانا نہیں چاہتی تھی.... بس وہ ہاتھ بڑھا کے تھام لے اور یہ اس کی بانہوں میں سمٹ جائے۔ اور یہ اسے ساری عمر ناک چڑھا چڑھا کے طعنہ دے سکے' میں کب راضی تھی.... تم ہی نے ہاتھ بڑھایا.... نخرا تو عورت ہی پہ جچتا ہے نا۔ ہائے ری عورت.... ثانیہ کی پلکیں نم ہونے لگیں۔ اور شاید باوجود ضبط

کے سسکاری بھی نکل گئی۔

عون سویا ہی کہاں تھا۔ اس کے اعصاب چوکنے ہوئے۔ پھر ہلکی سی سسکی کی آواز...؟

اس نے آہستہ سے چہرہ موڑ کے دیکھا' وہ ہاتھوں سے چہرہ رگڑ رہی تھی۔

"تم رو رہی ہو......؟" عون نے بے یقینی بھری حیرت سے سوال کیا تو وہ دم سادھے یونہی پڑی رہ گئی۔

عون نے اٹھ کر لائٹ آن کی تو ثانیہ نے کروٹ بدل لی۔

"کیا تماشا ہے... کیا ہوا ہے تمہیں...."

وہ پروا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر خود کو مجبور پاتا تھا اس کی پروا کرنے پر۔ ابھی بھی قدرے اکھڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں.... لائٹ آف کر دو پلیز۔" رندھی آواز' روہانسا لہجہ۔ عون کی حیرانی بڑھی۔ وہ چلتا ہوا ثانیہ کی طرف آیا۔

"بے وقوف نہیں ہوں میں۔ ابھی تو تم اپنے کمرے اور بستر کا حق دعوا کر رہی تھیں اور اب ٹسوے بہا رہی ہو۔ اتنے ڈرامائی ماحول میں میں کیا خاک سوؤں گا۔" وہ ناراضی سے بولا۔

وہ پاؤں سمیٹتی اٹھ بیٹھی۔

"ہاں نا... تو میرا کمرہ ہے' میں جو جی چاہے کروں۔" نظریں ملائے بغیر کہا۔ تو عون نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور غصے سے بولا۔

"تمہاری اسی اکڑ نے تمہیں اور مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" عجیب ہی اثر ہوا۔ ایک دم سے وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کے رونے لگی تو عون ہونق سا اسے دیکھنے لگا۔ پھر خجل سا ہو کر سر پہ ہاتھ پھیرا ایسا کیا کہہ دیا بھئی۔

"خود تو کل شادی کی پہلی رات ہی تیر تلوار چلا رہی تھیں۔ میں نے کچھ کہا کیا؟ شوہر کی تو ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی عورتوں سے۔"

عون کو گلا ہوا۔ ثانیہ نے ہاتھوں سے چہرہ پونچھا۔ شاید رو رو کے تھک گئی تھی۔

"لائٹ آف کر دو پلیز۔"

"میں آدھی رات کو تمہاری شکل دیکھنے کے لیے نہیں جاگا تھا' کیوں رو رہی تھیں تم...؟" عون نے اسے گھورا۔

"دل چاہ رہا تھا میرا... بس یا اور کچھ؟" وہ چڑ کر بولی اور غصے سے اسے دیکھا۔

چہرے کے اطراف بکھری لٹیں اور رونے سے گلابی ہوتی آنکھیں۔ عون کا دل بے اختیار ہی دھڑکا۔

ثانیہ کے معاملے میں اس کا دل اتنا ہی کمینہ تھا۔ ہمیشہ اسی کی سائیڈ لیا کرتا تھا۔ اب نرے دماغ کا ایک عاشق کیا کرے؟ وہ ثانیہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ سمٹے ہوئے پیروں کے بالکل پاس۔

عون نے ہاتھ بڑھا کر دل کی خواہش پر لبیک کہتے ہوئے اس کے بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔ تو ثانیہ کا غصہ اڑن چھو ہو گیا۔ پلکیں بوجھل ہو کر رخساروں پر سجدہ ریز ہونے کو تھیں۔

اللہ اللہ... اب میں عون عباس سے شرماؤں گی؟ اس کی انا گوارا نہ کر رہی تھی۔ عون نے کہا تھا... شادی سے انکار کر دو... تو کیا عون کے دل سے ثانیہ کی محبت ختم ہو گئی تھی؟ اب دوبارہ سے عون کے لبوں سے اعتراف محبت سنے بغیر وہ اس کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"کیوں رو رہی تھیں... سچی بتاؤ...؟" نرمی سے پوچھا۔ تو وہ بے بسی سے بولی۔

"یونہی... خیال آیا! اب تم میرے کمرے میں بھی ساری رات خراٹے لیتے رہو گے۔"

"ہیں....!" عون نے کرنٹ کھا کر ہاتھ پیچھے کھینچا۔ پھر بدک کر اٹھا۔
"تم...." کچھ کہنا چاہا مگر غصے کی شدت سے کچھ کہا نہیں گیا۔ دھم دھم کر کے جا کے لائٹ آف کی اور دھڑام سے اپنی جگہ پہ گر گیا۔ ثانیہ نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔
یہ دو پیار کرنے والے بے وقوفوں کی کہانی تھی۔

☼ ☼ ☼

بھاڑ میں گئی دوستی اور مصلحت۔
معیز نے کمرے میں آ کر ٹائی نوچتے ہوئے ایک طرف پھینکی اور بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔
ایبہا کے انداز کی بے خوفی اسے رہ رہ کر سلگا رہی تھی۔ یعنی اب وہ مجھے بلیک میل کرے گی۔ ثانیہ نے یقیناً" اسے بتا دیا ہو گا کہ.... ابو نے مجھے 'ایبہا' کو طلاق دینے سے منع کیا تھا اور اپنے آخری خط میں بھی اس بات کا پابند بنایا کہ ایبہا اپنی مرضی کا فیصلہ کر کے کسی بھی اچھے انسان سے شادی کر لے۔
وہ شاور لے کے کپڑے تبدیل کر کے آیا تو سر ابھی بھی بوجھل تھا۔
ماما تو طوفان کھڑا کر دیں گی.... اگر "بالفرض" میں ایسا سوچ بھی لوں۔ پہلے ہی جب سے ایبہا آئی ہے 'ان کا بی پی ہائی رہنے لگا ہے۔ اس کی ماں کی وجہ سے میری ماما نے ساری ازدواجی زندگی کانٹوں پہ گزاری ہے اور باقی کی وجہ میں بن جاؤں.... ایبہا کے ذریعے۔
وہ اوندھے منہ بستر پر گر سا گیا۔ درحقیقت 'ایبہا کے اس اظہار نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼
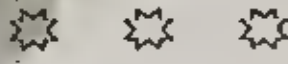
سفیر احسن کی پاکستان واپسی نے دونوں خاندانوں میں خوشیوں کی لہر دوڑا دی تھی۔ زارا تو کھلا ہوا پھول بنی ہوئی تھی۔ حسین 'مہکدار' وہیں رباب، بہت محتاط ہو گئی۔ چوکنی بلی۔
فوراً" ہی اس کے رکھ رکھاؤ اور بے وقت آنے جانے کے آداب بدلے دونوں چھوٹے بھائیوں کو تو وہ چٹکیوں میں اڑاتی تھی۔ مگر سفیر اس سے بہت پیار کرتا تھا مگر اپنی کوئی بات منوانے پہ آتا تو سختی بھی برت لیتا تھا۔ امی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ابو کو تو وہ رباب کی حرکتوں کی بھنک بھی نہ پڑنے دیتی تھیں' ان کا ارادہ تھا کہ سفیر سے سارا معاملہ ڈسکس کریں گی' لیکن رباب ایسی پرانے چولے میں لوٹی کہ امی نے اطمینان کی سانس لی۔
کئی دنوں سے سفینہ بیگم اپنی طبیعت میں بوجھل پن سا محسوس کر رہی تھیں۔ مگر اب سفیر کے آنے کی خوشی میں وہ چیک اپ کے سلسلے کو ذرا ٹالے ہوئے تھیں۔ کل سفیر اور اس کی فیملی کو ڈنر پہ انوائیٹ کیا گیا تھا۔ زارا بے چاری کی کوئی بس تو تھی نہیں کہ اس سچویشن پہ اس سے کوئی ڈسکشن کرتی مگر ایراز اور عمر اس کو چھیڑنے میں پیش پیش تھے۔
"اوفوہ.... شاہی ڈنر.... عزت ماب سفیر احسن.... صاحب کے اعزاز میں۔ تم تو بہت مس کرو گی زارا۔"
بات کرتے کرتے آخر میں عمر کا انداز پُر تاسف ہو گیا تھا۔ فرنچ فرائز ٹونگتی زارا نے اس "انکشاف" پر گھور کر عمر کو دیکھا۔
"اوہ۔ میں کون سا کل مریخ کی سیر کو جا رہی ہوں۔"
"غور کریں ذرا۔ اس ڈنر کے لیے تو یہ مریخ کی سیر بھی ملتوی کر سکتی ہے۔" ایراز نے لقمہ دیا۔
وہ تینوں ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے۔ ٹی وی کے ساتھ فرنچ فرائز اور ہوم میڈ نگٹس سے بھی لطف اٹھایا جا رہا تھا۔

"نہ بھئی' تمہارا تو سخت قسم کا پردہ ہوگا سفیر سے۔" عمر نے قطعیت سے ہاتھ اٹھا کر کہا' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ زارا جل کر رہ گئی۔

"ہاں تو میں عبایا پہن کے بیٹھ جاؤں گی۔ بلکہ کہیں گے تو درمیان میں پردہ لٹکا لیں گے۔"

"بہت عقل مند ہے ہماری گڑیا۔" عمر کو دونوں تجاویز بہت پسند آئی تھیں' ایراز کی طرف دیکھتے ہوئے سراہنے والے انداز میں بولا۔ "اس نے تو پہلے سے ہی سوچ رکھا ہے۔ ویری رائٹ۔"

"بالکل بھی نہیں..." زارا کا چہرہ لال پڑنے لگا تو وہ فرنچ فرائز کی پلیٹ ٹیبل پہ پٹختی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خبردار جو آپ نے درمیان میں "اماں" بننے کی کوشش کی ہو تو۔" عمر کو گھورا۔

"تم شاید "ظالم سماج" کہنا چاہتی ہو مگر احترام کے مارے کہہ نہیں پائیں۔"

ایراز نے اس کا حوصلہ بڑھایا بھی تو کس انداز میں۔ زارا کا دل چاہا ان مسکراتی آنکھوں والے دونوں بندوں کے سروں پر گرم گرم نگٹس اور فرنچ فرائز الٹ دے۔

"ماما کو بتاتی ہوں جا کر۔ پھر دیکھنا' وہ بتائیں گی اچھے سے آپ لوگوں کو۔" خود کو ان کے مقابلے میں بے بس پا کر... وہ پاؤں پٹختی سفینہ کے کمرے کی طرف بڑھی تو پیچھے سے ان دونوں کی ہنسی نے اور تپایا۔

"یہ ہے فرنچ فرائز حاصل کرنے کا صحیح طریقہ..." زارا کی پلیٹ تھام کر عمر نے داد طلب نظروں سے ایراز کو دیکھا۔ اسی وقت سفینہ بیگم کے کمرے سے زارا کی چیخوں کی آواز نے انہیں بوکھلا کر اٹھنے اور ان کے کمرے کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

زارا مسلسل چلا کر ان دونوں کو پکار رہی تھی۔ دروازہ کھول کر اندر کا منظر دیکھتے ہی وہ دونوں ہل کے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

مکلاوے سے اگلے روز ہی عون نے ریسٹورنٹ جانے کی تیاری پکڑ لی۔

"دعوتیں تو رات کو ہوتی ہیں امی۔ ان کے لیے چھٹی کر کے سارا دن گھر بھی پڑے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

امی کے اعتراض پر عون نے آرام سے جواب دیا۔ پھر انہیں یاد دلایا۔

"اور ہاں۔ میں ثانی سے کہہ آیا ہوں۔ میرا ناشتہ وہی بنائے گی۔ آپ آرام کریں اب۔"

امی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ "دو دن کی دلہن سے کام کرواؤ گے تم؟"

"شکر ہے' آپ نے دو دن کی بچی نہیں کہہ دیا امی۔" عون نے مذاق میں بات اڑائی۔ اندر کمرے میں ثانی نے ناشتے کا آرڈر سن کے جس طرح مکھی اڑائی تھی' اس سے عون کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس طرح ابا کی نظروں میں ثانیہ کے نمبر کم اور اپنے زیادہ بنا سکتا ہے۔

"اپنے ابا کو جانتے ہو نا..." انہوں نے دھمکایا۔

"جی۔ بچپن سے جانتا ہوں۔ آپ ہی نے تعارف کرایا تھا۔" عون کے جواب الٹے ہی ہوتے تھے۔ انہیں ہنسی آئی۔

"ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی پھیکی نہیں پڑی عون۔"

"تو ایسے ہی پھیکی پڑے گی نا۔ کام کرنے سے۔"

ابا بھی ناشتے کی میز پر تشریف لے آئے۔ "کیا بات ہے بھئی... ناشتہ نہیں کرنا آج۔" انہوں نے خالی برتنوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

امی فوراً" اٹھیں۔

"چائے تو میں کب کی بنا آئی۔ یہی مجھے باتوں میں لگائے ہوئے ہے۔"

سارا ملبہ عون پر ڈالا اور واقعی حقیقت یہی تھی۔ وہ چاہتا تھا' آج امی ناشتہ نہ بنائیں اور ثانیہ تو یہ کام کسی طور نہ کرتی۔۔۔ ابا یقیناً" اس پہ خفا ہوتے۔ کم از کم اس روز کمرہ لاک کرنے والی۔۔۔ حرکت کا بدلہ تو پورا ہو جاتا۔

"ظاہر ہے۔ باتوں کے علاوہ آتا کیا ہے تمہارے لاڈلے کو۔" ابا نے ہنکارا بھرتے ہوئے اخبار سیدھا کیا عون تڑپ اٹھا۔ ابا کا انداز ایسا تھا جیسے بس کسی پاکستانی سیاست دان پر تبصرہ کیا ہو اور بس۔

"اچھا اور وہ آپ کی لاڈلی۔ آج دیکھیے گا کیا ملتا ہے ناشتے میں۔ معذرت اور افسوس کے علاوہ۔"

مارے غصے کے عون کے منہ سے سیدھی بات نہ نکلی تھی۔

اسی وقت چوڑیاں کھنکیں اور ایک جانی پہچانی سی خوشبو عون کے گرد چکرائی۔ مہندی والے ہاتھوں نے گرماگرم پراٹھے کی ایک پلیٹ ابا کے سامنے رکھی اور دوسری عون کے۔ عون کی باقی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ بھابھی پھرتی سے چائے لگا رہی تھیں۔ ثانیہ نے ٹرالی میں رکھی پلیٹیں ٹیبل پہ رکھیں۔ چکن کا بھنا ہوا قیمہ اور سنہری آملیٹ۔ خوشبوؤں کا طوفان عون کے نتھنوں میں گھسا تھا۔ ابا نے کچھ اچنبھے سے ثانی کو اور پھر تفاخر اور طنز سے عون کو دیکھا۔

"بھئی' میں نے تو بہت منع کیا۔ مگر ثانیہ کی ضد تھی کہ آج کا ناشتہ یہی بنائے گی۔ میں تو بطور مددگار ہی کھڑی رہی کچن میں۔"

بھابی کے لہجے میں کھنک سی تھی۔ بھئی ان کا پورا پورا ساتھ دینے والی جو آگئی تھی۔ آج کا ناشتہ دونوں نے مل کے بنایا تھا۔ مگر انہوں نے فراخ دلی سے سارا کریڈٹ نئی دولہن کو دے دیا۔

امی کے دل میں بھی سکون اتر آیا۔ ثانیہ کے ماتھے پہ کوئی بل نہ تھا۔ وہ سامنے ابا کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی تھی۔

تب ہی عون کو خیال آیا' حیرت سے کھلا منہ لیے وہ کافی ہونق لگ رہا ہو گا تو وہ چونک کر حال میں لوٹا۔

یہ عون کا پسندیدہ ترین ناشتہ تھا۔ یقیناً" بھابی نے ہی اس کے گوش گزار کیا ہو گا۔ مگر بہرحال۔ اس کے نمبر کم کرنے کا عون کا منصوبہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ وہ سر جھٹک کر ناشتہ کرنے لگا۔ وہ بڑے لاڈ پیار کے ساتھ ابا کو ناشتہ کروا رہی تھی۔

"اوفوہ۔۔۔ دیکھیں ماموں جان! اسپیشلی آپ کے لیے۔۔۔ اونہوں۔ آپ نے قیمہ نہ چکھا تو میری محنت ادھوری رہ جائے گی۔۔۔ مجھے امی نے بتایا تھا' ہری مرچوں والا آملیٹ آپ کو کتنا پسند ہے۔ مگر رنگت سنہری ہونی چاہیے۔" پیار' دلار' کھلکھلاہٹ۔ عون کا دل ان جملوں پر جل جل گیا۔

نئی نویلی دلہن کے یہ جملے تو "ادھر" ہونے چاہیے تھے اور وہ "اِدھر اُدھر" لٹا رہی تھی۔ عون کو تو اس وقت ابا بھی "ایرے غیرے" لگ رہے تھے اور خود وہ "نتھو خیرا" جس کی طرف کسی کا دھیان ہی نہ تھا۔ ابا تو ابا۔۔۔ آج تو امی بھی نئی بہو کی "کارکردگی" پر فدا ہو گئیں۔

وہ آدھا پونا ناشتہ مرے دل کے ساتھ کر کے چائے ختم کرتا اٹھ کر تیار ہونے کے لیے کمرے کی طرف جانے لگا۔

"اچھا۔۔۔ عون! میں نے آپ کے کپڑے نکال کے بیڈ پہ رکھ دیے تھے اور شوز بھی جو آپ نے کہے تھے وہی پالش کیے ہیں۔ ٹائی مجھے ملی نہیں' وہ میں آ کے نکال دیتی ہوں۔"

"آپ۔۔۔؟ عون اور آپ؟"

اس اندازِ تخاطب پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔

اس کی فرماں برداری سب ہی کے دل کو بھائی۔

لو جی۔ ہو گئے سو میں سے ایک سو بچاس نمبر۔ عون تقریباً "سیڑھیاں روندتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔

دروازے کے بند ہونے کی زوردار آواز سن کر ابا کی پلیٹ میں آملیٹ کا ٹکڑا رکھتی ثانیہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسی وقت ریلنگ تک آکر عون نے اسے اونچی آواز میں پکارا تھا۔

"ثانیہ۔ ثانیہ۔"

"میں دیکھوں... شاید رومال اور جرابیں بھول گئی تھی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی اٹھ گئی۔

"دیکھ لو۔ تمہارے نالائق بیٹے کی زندگی تو جنت بن گئی۔"

ابا کی تفاخر بھری آواز پر ثانیہ نے بمشکل ہنسی روکی اور وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی... کمرے میں آئی تو وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کولہوں پہ ہاتھ جمائے کمرے کے وسط میں کھڑا اسے گھورنے لگا۔

"کیا ہے۔ ایسے شور کیوں مچا رہے ہو؟" ثانیہ نے ناگواری سے پوچھا تو وہ طنزاً "گویا ہوا۔

"اچھا جی۔ تو یہاں یہ کون سا لباس فاخرہ رکھا ہے آپ نے غیر مرئی یا شاید مجھ عقل کے اندھے کو ہی دکھائی نہیں دے رہا۔"

ثانیہ کی ہنسی چھوٹی۔ عون کا انداز ہی ایسا تھا۔ وہ اطمینان سے اندر آئی اور بولی۔

"دیکھو عون! اب اگر تم بار بار میرے ماموں جان کے سامنے میری پوزیشن ڈاؤن کرنے کی کوشش کرو گے تو میرا فرض بنتا ہے نا کہ میں اس پوزیشن میں بہتری لاؤں۔"

عون عباس تو ایک پاؤں پہ ناچ اٹھا۔ اس قدر تلملایا۔ بھئی اس کی بیوی کوئی عام عورت تھوڑی تھی۔ بڑا اعلا دماغ پایا تھا محترمہ نے۔ بڑی آسانی سے عون کی چال اسی پر الٹ دی۔

"تو اب تم ابا سے جھوٹ بولا کرو گی...؟" عون کو غصہ آیا۔ ثانیہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"اور جو تم کر رہے ہو' اسے کیا کہتے ہیں؟" جتا کر پوچھا۔

"تو پھر اتنے ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ... جناب اپنے ماموں صاحب کے سامنے بھی تو تڑاخ سے بات کرو تو پتا چلے تمہاری بہادری کا۔"

وہ اب اس سے مایوس ہو کر الماری میں سے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ وہ مزے سے بیڈ پہ بیٹھی ٹانگیں لٹکائے پاؤں جھلاتی رہی۔

عون نے کڑھتے ہوئے شرٹ پہنی۔

وہ حد درجہ خفا دکھائی دیتا تھا۔ ثانیہ کا پاؤں جھلانا اب بند تھا۔ اسے اپنی بدتمیزی پر افسوس ہونے لگا۔

وہ اپنی پینٹ لیے واش روم میں چلا گیا۔ ثانیہ کو پہلے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر ترس آیا تھا۔ پھر پیار آنے لگا اور اسی پیار کے مارے اس نے عون کے نکلنے سے پہلے ہی اس کی ٹائی اور جرابیں ڈھونڈ کے نکالیں۔ ریک میں سے شوز نکالے اور ہلکا سا کپڑا پھیر کر بیڈ کے پاس رکھ رہی تھی جب وہ واش روم سے نکل آیا۔ آئینے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ ٹھٹکا۔ نظر اپنی ٹائی اور جرابوں پر پڑی تھی۔

"بڑی مہربانی..." طنزیہ لہجہ۔

"کوئی بات نہیں..." وہ شانے اچکا کر ایسے بولی جیسے بہت بڑا احسان کیا ہو اور اب جتانا بھی نہ چاہتی ہو۔

عون بڑبڑاتے ہوئے شیشے کی طرف مڑ گیا۔ ثانیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم کا بی پی شوٹ کر گیا اور نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ ایراز نے اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے فوراً" معیز کو کال کی اور پھر ایمبولینس کال کی۔

معیز کے پہنچنے تک ایمبولینس ہسپتال کے لیے نکل رہی تھی۔ زارا کا رو رو کر برا حال تھا۔

"مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔۔۔"

اس کی ایک ہی ضد تھی۔ ایراز اور عمر ایمبولینس میں چلے گئے۔ معیز نے تسلی کے لیے زارا کو ساتھ لگاتے ہوئے ایبہا کا نمبر ملایا اور مختصر لفظوں میں اسے صورت حال بتا کر زارا کے پاس آنے کا کہا۔

"تم اس پہ اعتماد کر سکتی ہو۔ بری لڑکی نہیں ہے وہ۔ میں جا کے تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

معیز اسے دلاسا دیتا فوراً" ہی نکل گیا تھا۔ زارا ہاتھوں میں منہ چھپائے زور زور سے روتی وہیں صوفے پر گر گئی۔ در حقیقت معیز کا حوصلہ ہی نہ پڑا تھا زارا کو ساتھ لے جانے کا۔ اس کی حالت دگرگوں تھی۔ ہسپتال میں وہ ماما کو سنبھالتا یا زارا کو۔ اسی لیے عجلت میں بھی معیز کو یہی بہتر فیصلہ لگا تھا۔

ایبہا لاؤنج میں جھجکتے ہوئے داخل ہوئی۔ نذیراں لمبی چھٹی پر تھی۔ اس کے بدلے میں جو کام والی آتی وہ کام ختم کر کے واپس چلی جاتی تھی۔ ورنہ اس وقت زارا تنہا نہ ہوتی۔

زارا کو بے تحاشا روتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"زارا۔۔۔ کیا ہوا آنٹی کو۔۔۔؟"

ایبہا متوحش سی اس کے پاس آ کے ٹک گئی۔ زارا نے آنسوؤں سے بے حال چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ایبہا نے دلاسے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر گویا تسلی دی۔ زارا بے اختیار ہی اس کے شانے سے لگ کے رونے لگی۔

"میری ماما۔۔۔ ایبہا۔۔۔ وہ بہت بیمار ہیں۔ ان کے لیے دعا کرنا۔"

ضبط کرتے ہوئے بھی ایبہا کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس نے بے ساختہ ہی زارا کو بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔ ماں کے جانے کا دکھ۔۔۔ اس جدائی کا دکھ ایبہا سے بڑھ کے اور کون جانتا تھا۔

وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی سفینہ بیگم کی ہر خطا معاف کرنے لگی۔

اسی وقت ایبہا کا موبائل بجنے لگا۔

معیز کی کال تھی۔ زارا کا دل خوف کے مارے بند ہونے لگا۔ ایبہا نے جھپٹ کر کال اٹینڈ کی۔

"زارا کو مت بتانا ایبہا۔۔۔ ماما۔"

معیز کی تھکی تھکی آواز دکھ سے بوجھل تھی۔ ایبہا کی سماعتیں جیسے ہر آواز سے بے نیاز ہو گئیں۔ دکھ کی لہر نے اسے کاٹ ڈالا تھا اور زارا۔۔۔ پر امید برستی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر اس سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں پہ عتاب سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے 'مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔
معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد 'ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں 'مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب 'ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے 'ان سے پیسے بٹور کر پلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب 'معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔
ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے 'مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے 'نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہوکر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے 'مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں 'زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے 'مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے 'مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہوجاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید سیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز 'ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے 'مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے 'مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔
عون 'معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے 'جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی 'ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے 'مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے۔ دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔
میم 'ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے 'جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں 'مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے 'تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ مار دیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہوکر اس سے رابطہ کرتی ہے 'مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہوجاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں 'لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد 'ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پراناراز کھولنا پڑتا ہے۔
وہ بتادیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے 'مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب 'پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے 'مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہوپاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا 'ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم 'حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے 'مگر ثانیہ 'ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں، مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ایبہا کو گھر لے تو آتا ہے، مگر اس کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ایبہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ایبہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے، مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ایبہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کرجاتی ہے۔ ارم کی بہن نیلم ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کرکے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کررہا ہے۔ عزت کریں عون کی' اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔

رباب' سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ایبہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ایبہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جاکر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں' جس سے وہ گرجاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ایبہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ایبہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ایبہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کردیتا ہے۔

اکیسویں قسط

بیٹھے بیٹھے دعائیں کرتے جانے کتنی دیر ہوگئی تھی۔ دعا کرتی زارا کے آنسو تھمنے میں نہیں آتے تھے۔

ایبہا کی اس سے جھجک فطری تھی۔ جو رشتہ اور جو حالات ان کے درمیان تھے' وہ اسے آگے بڑھنے سے روکتے تھے' مگر پھر ایک مماثلت ان کے مابین پل بنی۔۔۔ ماں۔ ایبہا اپنی ماں کا دکھ جھیل چکی تھی' جبکہ زارا اس تکلیف سے گزر رہی تھی۔ وہ زارا کا ہاتھ تھام کر بار بار سے سہلاتی اسے دوسراہٹ کا احساس دلا رہی تھی۔ ایسے میں معیز کی کال آنا اور اس کی بات سن کر ایبہا کا رنگ اڑنا۔۔۔ زارا کے دل کو جیسے کسی نے شکنجے میں کس لیا ہو۔ اسے اگلے ہی لمحے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔

"ماما۔۔۔ کیا ہوا؟ ماما کو۔۔۔ کس کا فون ہے؟" وہ متوحش سی سرسراتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ معیز لائن کاٹ چکا تھا مگر ایبہا کے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری کا بوجھ رکھ کر۔

"زارا کو مت بتانا" اس کے کانوں میں معیز کی تھکی صدے سے بوجھل آواز ابھی تازہ تھی۔
ایمھا نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور زارا کی طرف اعتماد سے دیکھنے کی کوشش کی۔
"وہ... آئی سی یو میں ہیں' چیک اپ ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" زارا نے بے اعتباری سے اسے دیکھا۔ جس کی رنگت ابھی بھی اپنا اصل رنگ کھوئے ہوئے تھی۔
"آمین..." زارا نے شدت جذبات سے بھرپور انداز میں کہا۔ وہ ایمھا کی بات پہ دل سے یقین کرنا چاہتی تھی۔ چاہے یہ سچ تھا یا جھوٹ۔ مگر وہ اسی پہ اعتبار کر کے جینا چاہتی تھی کہ سفینہ زندہ ہیں۔ ڈاکٹرز کی ٹیم ان کا تفصیلی چیک اپ کر رہی ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ خاموشی ان دونوں کے درمیان بکل مار کے بیٹھ گئی۔ زارا مسلسل زیرلب ورد کرتی دونوں بھائیوں میں سے کسی کو بھی فون نہ کر رہی تھی۔
جانے کس فریب کے حصار میں گھری رہنا چاہتی تھی؟

☆ ☆ ☆

عون بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا تو عمر اور ایراز سمیت معیز کا حال بھی دگرگوں تھا۔ سفینہ بیگم ابھی تک آئی سی یو میں تھیں۔ اور ڈاکٹرز کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے۔ معیز نے ایمھا کو فون کر کے سفینہ بیگم کی خرابی طبع۔ اور دعا کرنے کا کہہ دیا اور ساتھ ہی تاکید بھی کی کہ زارا کو "سب ٹھیک ہے" کی رپورٹ ہی دے۔
"یہ سب ہوا کیسے..." عون دکھ کی کیفیت میں تھا۔
"بس ایک دم سے بی پی شوٹ کر گیا... وہ تو زارا نے دیکھ لیا ورنہ تو اسپتال بھی ٹائم پہ نہ پہنچ پاتے۔"
معیز خود کو بہت ضبط سے سنبھال رہا تھا۔ ورنہ ایراز تو باقاعدہ عمر کے گلے لگ کے رو چکا تھا۔
اگلے چار گھنٹے اسی ٹینشن اور شدید پریشانی میں گزرے ڈاکٹرز اور اسٹاف پوچھنے پر بھی فی الحال مریض کی حالت نہیں بتا رہے تھے۔
اور پھر سینئر ڈاکٹر فاروق جلال نے بالآخر معیز کو اپنے کمرے میں بلایا تو وہ افتاں و خیزاں ان کے کمرے میں پہنچے تو ان کے فق چہروں کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر فاروق نے تمہید باندھی۔
"دیکھیں ہر کام میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ زندگی دینے والا وہ ہے' تو موت پر بھی اسی کو قدرت حاصل ہے۔ ہم لوگ تو بس اپنی سی کوشش کر سکتے ہیں۔ کسی کی سانسوں کو بحال کرنے کی۔ اصل ڈاکٹر جو زندگی اور موت کا فیصلہ کرتا ہے وہ اوپر بیٹھا ہے۔"
انہوں نے انگشت شہادت سے آسمان کی جانب اشارہ کیا تو معیز نے متوحش انداز میں پوچھا۔
"ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے... ماما ٹھیک تو ہیں نا!" ڈاکٹر فاروق نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی کرسی سے پشت لگائی۔
"وہ اللہ ہے ہر شے پر قادر۔ چاہے تو زندگی دے اور چاہے تو موت... مگر ایک تیسری کنڈیشن بھی ہے۔" وہ کہتے ہوئے لحہ بھر کو تھمے۔ چار فق چہروں کو دیکھا پھر بولے۔
"چاہے تو زندگی اور موت کے درمیان معلق کر دے۔"
"یو مین... کوما...؟"
عمر نے بے یقینی سے ایک دم پوچھا تو معیز اور ایراز وحشت زدہ سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے۔ پھر ڈاکٹر کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر دکھ سے اپنی جگہ گر گئے۔

"یہ کیفیت دو دن کی بھی ہو سکتی ہے' دو سال کی بھی یا پھر سالوں تک کی بھی۔۔۔"
ڈاکٹر فاروقی انہیں تفصیلی بریفنگ دے رہے تھے' جو ان کی سائیں سائیں کرتی سماعتوں سے ٹکرا تو رہی تھی' مگر دکھ اور غم کی شدت فی الحال اور کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوئے ہوئے تھی۔

☆ ☆ ☆

دکھ اور تکلیف کی ایک شدید لہر تھی جو اس گھرانے سے پوری طاقت کے ساتھ ٹکرا گئی۔
اور ان کا رد عمل بھی وہی تھا جو کسی بھی تکلیف کے آنے پہ ہوتا ہے۔ پوری طاقت سے خوف زدہ سا ہو کر چیخنا چلانا اور آہستہ آہستہ اس تکلیف کی حقیقت کو قبول کرتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر خود کو مجبور پانا۔ مگر اس تکلیف کا احساس کبھی ساتھ نہ چھوڑتا تھا۔ بالکل ایڑی کے کانٹے کی طرح ہر قدم پہ تکلیف۔
آج ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ اور سفینہ بیگم ہاسپٹل میں کومے کی کیفیت میں تھیں۔ زارا کی آہ و بکا اور رونا کرلانا بھی ان کی بند پلکوں میں جنبش نہ لا پایا تھا اور نہ ہی جوان بیٹوں کے ہاتھوں کا بے بسی بھرا لمس اور دبی سسکیاں۔ مگر وہ مرد تھے جیسے تیسے خود کو سنبھال کر بظاہر پھر مضبوطی سے کھڑے ہو گئے مگر زارا۔۔۔ ماں کی لاڈلی ان کے بغیر ایک پل نہ رہنے والی۔ سارا دن ماں کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہتی۔
سفیر احسن اور ان کی پوری فیملی فوری طور پر ہاسپٹل پہنچی۔ زارا کی حالت دگرگوں تھی۔ معیز اور عمر کے لاکھ... سمجھانے پر بھی وہ گھر جانے کو تیار نہیں تھی۔ اسے دیکھ کر سفیر کا دل دکھ سے بھر گیا۔
ایسی ملاقات کا خواب تو ان دونوں میں سے بھی کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ سفیر نے زارا کے سر پہ ہاتھ رکھا تو اس میں ہمدردی' محبت اور دو سراہٹ کا احساس تھا۔ زارا' سفیر کی امی کے گلے لگ کے بلک اٹھی۔
سب ہی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
یا خدا۔۔۔ یہ کیسی زندگی تھی' موت نہ ہوتے ہوئے بھی موت جیسی۔
سفیر کی امی کے سمجھانے پر وہ بمشکل گھر آنے پر راضی ہوئی۔ واپسی پہ رباب اس کے ساتھ گھر آئی۔
عمر اور ایراز نے معیز کو بھی تھوڑی دیر آرام کے لیے ان کے ساتھ ہی بھجوا دیا۔ ایک ہفتے سے وہ مسلسل سفینہ بیگم کے سرہانے بیٹھا تھا۔
"نارمل ہو جاؤ معیز! اللہ سے احتجاج باندھ کے مت بیٹھو۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے یوں ڈاکٹرز کے پیچھے بھاگنے اور راتوں کو مسلسل جاگتے رہنے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ بلکہ تم اپنی بھی صحت خراب کر رہے ہو۔ مریض کی دیکھ بھال ایک مریض نہیں' بلکہ ایک صحت مند انسان ہی کر سکتا ہے۔"
اس کے احتجاج پر عمر نے اس کے شانوں پہ دونوں ہاتھ جماتے ہوئے تادیبی انداز میں سمجھایا تو وہ چپ سا ہو گیا۔

عمر اور ایراز باری باری آرام کر لیا کرتے تھے' لیکن معیز نے تو گویا قسم ہی کھالی تھی کہ جب تک سفینہ بیگم آنکھ نہ کھولیں گی' وہ ان کے سرہانے سے نہیں اٹھے گا۔
اندرونی دروازہ ابیہا نے کھولا تو رباب کے اندر سے ناگواری کی ایک لہر اٹھی۔ اور بے یقینی کا احساس۔
معیز نے زارا کے شانے پر بازو پھیلائے اسے سہارا دے رکھا تھا۔ اسے اندر لے آیا۔ لاؤنج میں صوفے پہ اسے بٹھایا تو وہ نڈھال سی تھی۔
"تم کیا کھڑی تماشا دیکھ رہی ہو۔ جا کے ٹھنڈے پانی کی بوتل لاؤ۔۔۔ نان سینس۔"

رباب نے مضطربانہ ہاتھوں کی انگلیاں مسلتی ایبہا کو اس قدر اچانک اور بگڑے ہوئے انداز میں مخاطب کیا تھا کہ وہ ٹن سی رہ گئی۔ معیز نے چونک کر ایبہا کو دیکھا۔ وہ بہ سرعت کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ معیز کو رباب کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

"اٹس اوکے رباب۔" معیز نے ہلکے سے اسے ٹوکا۔

"کیا اوکے ہے؟ دیکھ نہیں رہی۔ اتنی گرمی میں باہر سے آئے ہیں۔ سر پہ چڑھ کے تماشا دیکھ رہی ہے بس۔ آنے والوں کو پانی ہی پوچھ لیتے ہیں۔ زارا کو دیکھو' کیسے نڈھال ہو رہی ہے۔" رباب نے تیز لہجے میں کہا۔ جو ایبہا نے بخوبی سنا۔

اس نے بوتل سے گلاس میں پانی انڈیلا اور صوفے پہ ٹکتے ہوئے زارا کو تھمایا۔ جو وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"کھانا تیار ہے۔ آپ لوگ فریش ہو جائیں تو میں لگا دیتی ہوں۔"

ایبہا نے صاف آواز میں زارا سے کہا۔ تو وہ گلاس ایبہا کے ہاتھ میں تھامی پلیٹ میں رکھتے ہوئے اپنی کنپٹیاں دبانے لگی۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں۔ میں بس تھوڑی دیر کے لیے گھر آئی ہوں۔ پھر ہاسپٹل چلی جاؤں گی ماما کے پاس۔"

"تھوڑا سا ریسٹ کر لو۔ کھانا کھاؤ گی تو طاقت آئے گی نا' تبھی ماما کی دیکھ بھال کر سکو گی۔"

ایبہا نے اسی پیار سے کہا جس کا برتاؤ وہ زارا کے ساتھ پچھلے ایک ہفتے سے کر رہی تھی۔ عمر یا ایاز میں سے جو بھی رات کو گھر آتا وہ زارا کو زبردستی ساتھ لے آتا۔ تب ایبہا ہی تھی جو اس کے آنسو پونچھتی' تسلیاں اور دلاسے دیتی اور اس کے ساتھ سوتی۔

"تم جاؤ۔ جا کے کھانا وانا گرم کرو۔ میں دیکھتی ہوں زارا کو۔" رباب کا وہی تحکمانہ انداز تھا۔ گویا ایبہا نوکرانی ہو۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

معیز نے رباب کی سرد مہری کو اچھی طرح محسوس کیا اور اس سرد مہری کا محرک بھی اسے اچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔

"جب سے ماما کی طبیعت خراب ہوئی ہے ایبہا ہی گھر کے معاملات دیکھ رہی ہے۔" معیز نے دبے لفظوں جیسے رباب کو "باز" رہنے کی تنبیہہ کی۔

"سو واٹ۔ نوکروں کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔" رباب نے تنفر سے شانے جھٹکے۔

کچن سے سالن کا ڈونگا لے جاتی ایبہا کے قدم من من کے ہوئے۔

"وہ نوکر نہیں ہے اس گھر کی رباب۔"

معیز نے اس بار قدرے سخت لہجے میں تصحیح کی تھی۔ رباب نے اسے ہلکا سا گھورا اور جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔

"فرد بھی نہیں ہے معیز احمد۔"

"ایبہا اس گھر کا فرد ہی ہے رباب۔" زارا نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا اور معیز پر ایک غلط نگاہ ڈالی جو ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"میں نے شاید اس کا پورا تعارف نہیں کرایا تم سے۔ ایبہا ابو کی کزن کی بیٹی ہے۔ اصل میں ہمارے تعلقات اس کی فیملی سے اچھے نہیں تھے اس لیے۔ ایم سوری' مگر اب اس نے اپنے اچھے اخلاق سے میرا اس مشکل وقت میں اتنا ساتھ دیا ہے کہ میں اعتراف کیے بنا رہ نہیں سکتی۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ وہ۔۔۔ نوکروں کو سپروائز کرتی ہے۔۔۔" رباب نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا مگر زارا کے سکون میں کمی نہیں آئی تھی۔

"اسی کے لیے سوری کہہ رہی ہوں۔ دراصل ہم لوگ ایبہا کو اس کی اصل جگہ دینے کو تیار نہیں تھے۔۔۔ مگر اب خیال آیا کہ جن کے رشتہ داری کے تنازعات تھے وہ تو مر گئے۔۔۔ پھر ہم کون سی دشمنی نبھا رہے ہیں۔۔۔"

زارا کے لب و لہجے سے دکھ جھلک رہا تھا اور معیز گنگ کھڑا تھا۔ منٹوں میں زارا نے لفظوں کے شیشوں سے سالوں کی دشمنی کی فصیلیں گرا دی تھیں۔

وہ فریش ہو کے کھانے کی میز پہ آیا بھی تو فریش نہ تھا۔ طبیعت مضمحل سی تھی۔ ایک عجیب سا بوجھل پن۔

رباب تو بس زارا کی طبیعت اور موقع کی نزاکت دیکھ کے چپ رہ گئی تھی' ورنہ تو زارا کو خوب سناتی۔ اس "کہانی" نے اسے تو قطعاً "مطمئن نہ کیا تھا۔ مزید تب تلملائی جب زارا نے کھانا لگا کے جاتی ایبہا کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم بھی بیٹھ کے کھانا کھا لو۔ صبح سے کچن میں لگی ہو گی۔" وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"آپ لوگ شروع کریں۔ میں ہسپتال کے لیے ٹفن بنا رہی ہوں۔ ابھی ڈرائیور کے ہاتھ کھانا بھیجنا ہے۔" نرمی سے کہا اور ہاتھ چھڑا کے کچن میں چلی گئی۔

زارا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ تو وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھ گئی۔

یونہی۔۔۔ خیال سا آیا۔ کس کی آہ۔۔۔ کس کا صبر ان کے لیے آزمائش بن گیا تھا؟

ساتھ بیٹھے معیز نے تشویش سے اس کے شانے کو چھوا۔ تو وہ چونکی۔

"شروع کرو۔۔۔" معیز نے کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

رباب کا تو دل گھبرا گیا اتنی دکھی صورت حال دیکھ کر اسے زارا اور معیز کے ساتھ گھر آنے کے فیصلے پر افسوس ہونے لگا۔

(اس سے تو اچھا تھا کوئی موویز دیکھ لیتی گھر پہ)

وہ کڑھتے ہوئے اپنی پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔ ڈرائیور کے ہاتھ اسپتال' عمر اور ارواز کے لیے کھانا بھجوانے کے بعد ایبہا نے کچن ہی میں بیٹھ کے تھوڑا سا کھانا کھا لیا۔ اس کا رباب جیسی کم ظرف کے سامنے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کھانے کے بعد معیز نے زارا کو تھوڑی دیر آرام کرنے کا مشورہ دیا تو رباب کا دل گھبرانے لگا۔

وہ اس "دکھی چہرہ" زارا کے ساتھ جا کے آرام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ فوراً "ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم آرام کرو۔ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو گی۔ میں پھر آؤں گی۔"

بڑے پیار سے زارا کو لپٹاتے ہوئے وہ چھوٹے بھائی کو کال ملا رہی تھی۔ جو بائیک پہ آ کے اسے ساتھ لے جاتا۔

"تم رکو نا زارا کے پاس۔ شام کو میں ہاسپٹل جاتے ہوئے تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔"

اس کے ساتھ باہر تک آتے معیز نے آفر بھی کی۔

"نہیں معیز۔ زارا کو آرام کی ضرورت ہے' میری وجہ سے وہ ڈسٹرب ہو گی۔"

اس نے طریقے سے انکار کر دیا۔ رباب کو رخصت کر کے وہ چائے کی طلب لیے کچن میں آیا تو ایبہا کو دل جمعی اور پھرتی کے ساتھ برتنوں کی دھلائی میں مگن پایا۔ وہ چونکہ چائے بنانے کا سوچ کر ہی کچن میں آیا تھا' سو ایبہا کو متوجہ کیے بغیر ساس پین چولہے پر رکھا۔ کھٹکے کی آواز پر ایبہا نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ فریج میں سے دودھ کا پیکٹ نکال رہا تھا۔

ایبہا نے جلدی سے ہاتھ دھوئے اور اس کی طرف پلٹی۔

"چائے چاہیے۔۔۔؟میں بنا دیتی ہوں۔"

اس کے اندر کی پیدائشی عورت نے گوارا نہ کیا تھا کہ ایک مرد کو اپنی موجودگی میں چائے بنانے دیتی۔

معیز نے خاموشی سے دودھ کا پیک کاؤنٹر پہ رکھا اور کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا۔

چولہا جلا کر قہوہ بناتے اور پھر دودھ ڈال کے دم پہ رکھتے معیز نے بے دھیانی میں اسے دیکھا۔ ایک ہفتہ پہلے معیز نے اسے کال کر کے بلایا تھا اور پچھلے ایک ہفتے ہی سے وہ سارے گھر کا نظام ایسے سنبھالے ہوئے تھی جیسے برسوں سے سنبھال رہی ہو۔

وہ تینوں اسپتال میں کھانا' ناشتہ کھاتے یا نہیں' مگر وہ ڈرائیور کے ہاتھ تینوں کے لیے باقاعدگی سے کھانا بھجواتی تھی۔

اس نے ریک میں سے مگ لیا اور اس میں چائے چھان کے ڈالنے لگی۔

اس نے مگ معیز کے سامنے رکھا۔

"تھینکس۔۔۔"

"اب آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟"

ایبہا نے بار بار لبوں تک آتا سوال پوچھ ہی لیا۔ تو ایک تکلیف کا احساس معیز کے اندر پھر سے جاگنے لگا۔

"ویسی ہی۔۔۔ جیسی اول روز سے ہے۔" وہ پھیکے لہجے میں بولا۔ ایبہا اس کے سامنے والی کرسی پہ ٹک گئی۔

"وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے پورے خلوص سے کہا۔ تو ایک دم سے معیز کی زبان تلخی سے پھسلی۔

"ہاں۔ اگر تم انہیں بددعائیں دینا ختم کر دو گی تو۔" ایبہا کے سر پہ جیسے کسی نے ہتھوڑا دے مارا ہو۔ معیز وہ آخری شخص تھا جس سے وہ اس الزام کی توقع رکھتی تھی' مگر وہ "پہلا" بن گیا۔

بعض اوقات ہم توقعات کے کارپٹ پہ بہت بری طرح پھسلتے ہیں۔

ایبہا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ اس نے بے یقینی سے معیز کو دیکھا وہ بات کرتے ہوئے اسی کی طرف متوجہ تھا۔ ایبہا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"مطلب۔۔۔ آپ میرے بارے میں۔۔۔ اتنا برا سوچتے ہیں؟" اس سے بولنا مشکل ہوا۔

"دیکھو۔۔۔ ڈراما مت کرنا یہاں۔ اس دنیا میں تمہارے سوا ہمارا کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے' سو صاف اور سیدھی بات ہے۔ جو میں نے کہہ دی۔"

وہ بڑی رکھائی سے اس کے آنسوؤں کو ڈراما کہہ گیا تھا۔ ایبہا کے آنسو تو کیا حواس بھی ٹھٹھر گئے۔

اتنے دنوں سے وہ کتنی ایمان داری سے ان لوگوں کے ساتھ چل رہی تھی۔ سفینہ بیگم کا نام اس کی نمازوں کی دعاؤں کا باقاعدہ حصہ بن گیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے سفینہ بیگم سے بہت محبت تھی' بلکہ اس لیے کہ۔۔۔ معیز کو ان سے شدید محبت تھی۔

وہ مزید کوئی بات کیے بنا وہی بدگمانی لیے مگ اٹھائے چلا گیا تو وہ یونہی ساکت بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

رباب کی باتوں پہ ایبہا کا دل دکھتا تھا۔۔۔ تو معیز کی باتوں کا وہ کیا کرتی؟ وہ تو دکھتے دل کو چیر ہی گیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔۔۔ اس کا تو دکھ بھی ڈراما بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں زارا باقاعدگی سے پانچوں نمازیں پڑھ رہی تھی۔ معیز اور ایراز تو خیر شروع ہی سے پابند نماز تھے۔
معیز فجر پڑھنے گیا تو لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی ایہا کی آنکھ کھل گئی۔ فجر پڑھنے کے بعد مسنون دعائیں پڑھ کے پوری نیک نیتی سے سفینہ بیگم کے لیے دعائے صحت کرنے کے بعد وہ زارا کے کمرے کی طرف آئی۔
اس نے ہلکا سا کھٹکھٹانے کے بعد دروازہ کھول کے دیکھا تو زارا جاگ رہی تھی۔
"میں آجاؤں۔۔۔؟" ایہا نے اجازت طلب کی تو وہ جو تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی اٹھ بیٹھی۔ دوپٹہ ابھی تک نماز کے اسٹائل میں لپیٹا ہوا تھا۔ اثبات میں سر ہلایا۔
"آجاؤ۔۔۔" ایہا جھجکتی ہوئی اندر آگئی۔
"بیٹھو۔۔۔" زارا نے اپنے بیڈ پہ اشارہ کیا تو وہ کنارے پہ ٹک گئی۔ ایہا نے چند لمحے جیسے لفظوں کا جوڑ توڑ کیا ہو۔ پھر سر اٹھا کر زارا کو دیکھا۔
"اللہ جانتا ہے زارا۔ میں نے کبھی بھی آنٹی کے لیے کچھ برا نہیں سوچا اور نہ ہی انہیں بددعا دی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ زارا نے ہاتھ بڑھا کر بے اختیار ہی اس کا ہاتھ تھپکا۔
"وہ آپ لوگوں کی ماں ہیں اور میں جانتی ہوں کہ ماں جیسی دولت کا کھونا کیسا ہے۔۔۔ آپ پوری دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔"
ایہا کے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے اور ساتھ ہی زارا کے بھی۔
"دے لیتیں بددعا ایہا۔۔۔ تمہارا صبر ہی پڑ گیا ہے شاید۔" زارا روتے ہوئے دکھ سے بوجھل لہجے میں بولی۔ تو کچھ بولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر ایہا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"ہم میں سے کسی نے بھی تمہیں انصاف نہیں دلایا اور تم پھر بھی صبر کرتی رہیں۔۔۔"
زارا پہ گزرے دنوں میں بہت کچھ وارد ہوا تھا۔ ٹھوکر لگے تو آنکھیں کھل ہی جایا کرتی ہیں۔ پھر آگے پیچھے بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔
"ہم سب حالات کا شکار ہیں زارا۔ آنٹی کا کیا قصور۔۔۔ میں ان چاہا فیصلہ ہوں جو ان پر تھوپا گیا تھا۔ اور مسلط کر دیے جانے والے فیصلوں پر کوئی بھی خوش نہیں ہوا کرتا۔" ایہا نے پل بھر میں سب کو بری کر دیا تھا۔
"میری طرف سے دل میں میل مت لاؤ زارا۔ میں تو اس گھر کے ہر فرد کے لیے دل سے دعا کرتی ہوں۔ تو اس ماں کے لیے کیوں نہ کروں گی جس کے بیٹے نے ایک لڑکی کو بازار میں بکنے سے بچایا تھا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں زارا۔"
وہ بری طرح رو رہی تھی۔
اور زارا نے جیسے اتنے عرصے میں پہلی بار اس کے دکھ کی شدت کو محسوس کیا اور اسے خود سے لپٹا لیا۔
یہ اس کے یقین کا اظہار تھا۔ ایہا کے دل میں ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بے کیف سے دن، بوجھل راتیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ بے سکونی کی کیفیت میں تھا۔
عون اسپتال سے گھر آیا تو امی بھابی نے سفینہ بیگم کی بابت پوچھا۔ وہ انہیں تفصیل بتا کے کمرے میں آیا تو طبیعت مضمحل سی تھی۔ معیز سے ظاہری نہیں دلی دوستی تھی۔ اس کا دکھ عون کو بھی دکھی کرتا تھا۔
ثانیہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ عون کو اندر آتا دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔
وہ اسے نظر انداز کرتا اپنے رات کے کپڑے لیے واش روم میں چلا گیا باہر نکلا تو وہ ابھی بھی یونہی منتظر سی بیٹھی

تھی۔ عون نے حسب عادت تکیہ اٹھا کر اپنی جگہ کو جھاڑا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آنٹی کی۔۔۔؟"

وہ اسے سونے پہ "تلا" دیکھ کر نرمی سے بولی۔

"ہوں۔ ویسی ہی ہے۔"

سرہلا کر مختصراً" جواب دیا اور بتی بجھا کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ ثانیہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہونے لگی۔

جن دنوں وہ متوجہ رہتا تھا' تب بھی وہ گھبرائی ہوئی رہتی تھی اور اب اس کا "غیر متوجہ" انداز بھی دل پر آرے چلا رہا تھا۔ وہ اب کڑھنے لگی۔

اس کی تو شاید نزدیک کی نظر بھی کمزور ہے۔ اتنی خوب صورت بیوی بھی دکھائی نہیں دیتی۔۔۔ چلو قبول صورت ہی سہی۔

"عون۔۔۔ تمہیں نہیں لگتا کہ ہم کچھ عجیب سے ہو گئے ہیں۔" وہ بلا ارادہ بے اختیار ہی کہہ گئی۔ پھر دانتوں تلے زبان دبا کر اسے سزا بھی دی۔ دم سادھ کے پڑ گئی۔ جانے وہ کیا سمجھے' عون کی آواز لمحہ بھر کے وقفے سے اندھیرے میں ابھری۔

"تم شاید غیر فطری کہنا چاہ رہی ہو۔"

ثانیہ پر تو گھڑوں پانی پھرا۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی سانس بند ہوتی محسوس کی۔ وہ کروٹ بدل کے ثانیہ کے بالکل پاس آگیا تھا۔

"میں تو فطرت سے پیار کرنے والوں میں سے ہوں۔" دھیما جذب سے بھرپور لہجہ۔ ثانی کے بالکل کان میں گنگنایا تھا۔ اور وہ حواس باختہ سی اسے اجنبیت کی تمام دیواریں توڑتے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ آئینے کے سامنے کھڑی کان میں بندہ پہن رہی تھی' جب وہ مکمل تیار شدہ حالت میں بڑا مصروف سا اس طرف آیا اور پرفیوم اٹھانے کے لیے جھکا۔

نگاہ آئینے میں۔۔۔ ثانیہ کی نظر سے ٹکرائی تو ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس مسکراہٹ نے ثانیہ کے چہرے پر جیسے شعلوں کی لپٹیں دوڑا دیں۔ وہ محجوب سی ہاتھوں سے پھسلتا بندا سنبھالنے لگی۔

"اوفوہ۔۔۔ میری پرنسز کس الجھن میں پڑ گئی ہے۔" وہ پرفیوم واپس رکھتا سیدھا ہوا اور مسکرا کر کہتے ہوئے بندا اس کے ہاتھ سے لے کر خود پہنانے لگا۔ پھر ہلکا سا کھنکھارا۔

"تمہیں پتا ہے میاں بیوی کے رشتے میں جب محبت ہو تو وہاں انا نہیں ہوا کرتی۔۔۔ صرف مان ہوتا ہے۔" بے حد نرمی سے کہا اور وہ جو بندا پہناتے اس کے ہاتھوں کے لمس ہی سے مسمرائز تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

دفعتاً" وہ گھٹنے کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر ذرا سا سر جھکایا اور گویا اعتراف کرنے لگا۔

"مجھے تم سے محبت ہے ثانیہ عون عباس۔ تم دس ہزار بار مجھ سے روٹھو گی تو ہر بار میں ہی تمہیں مناؤں گا' کیونکہ میری محبت میں انا نام کا کوئی دشمن نہیں ہے۔" ثانیہ لمحہ بھر میں ہلکی پھلکی ہو گئی۔

سارے خود ساختہ خوف اور فضول سوچیں۔۔۔ وہ کہے گا۔۔۔ طعنے دے گا۔ سب اڑنچھو ہو گئے۔ میاں بیوی میں محبت ہو تو "انا" نہیں ہوا کرتی۔ محبت کرنے والے خود ہی دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال کرتے ہیں ثانیہ کو یہ

سبق بڑے اچھے سے سمجھ میں آیا تھا۔
وہ پلٹی اور ڈریسنگ ٹیبل پر سے عون کا پرفیوم اٹھایا۔ پہلے ہلکا سا فضا میں اسپرے کیا اور لمبی سی سانس اندر کھینچ کر خوشبو کو محسوس کیا۔
عون دراز قد اس کے سامنے کھڑا ہوا' ثانیہ نے دل کی پوری رضا کے ساتھ اس کے پاس آتے ہوئے اس کے ملبوس پر اسپرے کیا پھر بڑے اطمینان کے ساتھ بولی۔
"یہ خوش فہمی تم بھول جاؤ کہ میں دس ہزار بار تم سے روٹھوں گی۔۔۔ ہاں مگر۔۔۔" اس نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر گویا وارننگ دی۔
"تمہارے خراٹوں کی وجہ سے ہر بار لڑائی ہوا کرے گی۔"
"تو تم میرے منہ پہ تکیہ رکھ دینا۔"
عون نے معصوم سا منہ بنایا۔ ثانی نے منہ لٹکا لیا۔
"یہی تو نہیں کر سکتی۔۔۔ پانے کے بعد کھونا بہت مشکل ہے۔" اف۔۔۔ اعتراف محبت۔
عون کا دل بہت ترنگ میں دھڑکا۔ کھینچ کر اسے اپنی گرفت میں لیا۔
"بہت گندی جان ہو۔۔۔ اتنے دن تنگ کیا مجھے۔" ثانیہ ہنسی۔
"آئی لو یو۔۔۔" کان میں گنگناتا عون کا دھیما سا لہجہ اور ثانیہ کا مدھم سا اعتراف۔
"می ٹو۔۔۔"
"دو بے وقوفوں کی کہانی کی بنیاد "محبت" تھی۔ سو محبت بھرے انداز میں محبت کے اعتراف پہ ہی ختم ہوئی۔ ہر اختلاف' ہر لڑائی۔

☆ ☆ ☆

ڈراما۔۔۔؟ ڈرائیونگ کرتے معیز کا ذہن وہیں اٹکا ہوا تھا۔
سفینہ بیگم کا ابیہا سے رویہ سب کے سامنے تھا اور ایسے میں ابیہا کا اس قدر مثبت رویہ۔۔۔
معیز نے سر جھٹکتے ہوئے موبائل سے رباب کو کال ملائی۔
"ریڈی ہو تو راستے میں سے تمہیں پک کر لوں۔۔۔؟"
"اوہو۔۔۔ کہاں کا پروگرام ہے؟"
رباب نے کھنکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"شکر ہے اس سڑے بھسے فیز سے نکلے سب۔"
معیز نے احتیاط سے موڑ کاٹا۔ اس کا دھیان رباب کے انداز کی طرف نہیں تھا۔
"اسپتال جا رہا ہوں۔ سوچا تمہیں بھی لے چلوں۔" وہ بولا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
"رباب۔۔۔ کہاں ہو یار۔۔۔؟" معیز کو شک ہوا۔ شاید لائن ڈراپ ہو گئی تھی۔
"زارا بھی ساتھ ہے؟" رباب نے پوچھا تو معیز نے اس کی بھی تفصیل بتا ڈالی۔ رباب کا تو سر کے بال نوچنے کو جی چاہا۔
دونوں بہن بھائی ہی مجذوب بنے بیٹھے تھے۔ بھئی۔ کیا دنیا بیمار نہیں پڑتی۔۔۔
"آئم سوری معیز۔۔۔ میں کچھ بہتر محسوس نہیں کر رہی ایکچوئلی مجھے اسپتال کے ماحول سے وحشت ہوتی

ہے۔ یونو دوائیوں کی بو وغیرہ۔"

وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو معیز کی پیشانی پر ہلکی سی شکن پڑی۔

"اوکے۔۔۔ اللہ حافظ۔"

اس نے مختصرا" کہہ کر لائن ڈراپ کرتے ہوئے موبائل ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا۔

ذہن ایک بار پھر ایمہا مراد کی طرف پلٹنے لگا۔

وہ کس نیت سے یہ سب کر رہی تھی؟ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ اسپتال میں داخل ہوا تب اس کے موبائل پر ایراز کی کال آنے لگی تھی۔

اس نے صرف "ایراز کالنگ" جگمگاتے ہوئے دیکھا تو دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ یونہی موبائل مضبوطی سے تھامے اندر کی جانب دوڑا۔ وہ یہ کال نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ وہ پھولی سانسوں کے ساتھ سفینہ بیگم کے کمرے تک پہنچا۔ اس نے اندر سے دو ڈاکٹرز اور نرسوں کو نکلتے دیکھا اور ساتھ ایراز۔۔۔ معیز کی ٹانگوں کی جان گویا نکلنے لگی۔

تب ہی ایراز کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ بھاگنے کے سے انداز میں معیز کی طرف آیا۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ پاس آ کے جوشیلے انداز میں بولا۔

"ماما کو ہوش آ گیا ہے بھائی۔۔۔ ابھی ڈاکٹرز چیک کر کے گئے ہیں۔ وہ بول نہیں رہیں، مگر وہ بالکل ٹھیک ہیں۔"

اور معیز۔۔۔ پھر سے جی اٹھا۔

وہ تیزی سے کمرے میں بھاگا تھا۔

سفینہ بیگم چت لیٹی تھیں۔ مگر اتنے دنوں سے بند آنکھیں اب مسلسل کھلی تھیں اور چھت کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماما۔ ماما۔۔۔" فرط جذبات سے وہ انہیں پکارتا ان کے قریب چلا آیا۔ تو انہوں نے چہرہ گھما کر دیکھا۔

ایراز اس کے پیچھے تھا۔ سفینہ بیگم کا کمزور سا لہجہ ابھرا۔

"تم لوگ کون ہو۔۔۔؟"

ان کے انداز میں اس قدر اجنبیت تھی کہ دونوں بھائی اپنی جگہ گڑے رہ گئے۔ انجکشنز لے کے آتا عمر بھی ساکت سا تھا۔

☆ ☆ ☆

دعائیں رنگ لائی تھیں سفینہ بیگم کومے سے باہر آ گئیں، مگر شدید نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ان کی دماغی کیفیت متاثر ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے فی الحال وہ کسی کو پہچان نہیں پا رہی تھی، مگر ان کے لیے تو یہی خوشی بہت تھی کہ ماں زندہ، جیتی جاگتی حالت میں سامنے تھی۔

وہ زارا کو لینے آیا۔ تو خوشی کی خبر سن کر وہ رونے لگی۔

"رو مت زارا۔ پہلے اللہ کا شکر ادا کرو۔" ایمہا نے نرمی سے ٹوکا تو معیز نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"مبارک ہو۔" وہ کچھ جتانے والے انداز میں بولی تو معیز عجیب سی کیفیت کا شکار ہوا۔

"میں بس شکرانے کے دو نفل پڑھ لوں۔ پھر ہاسپٹل چلتی ہوں۔" زارا ہنستی روتی کیفیت میں تھی، مگر پہلے وہ اس اللہ کا سجدہ شکر ادا کرنا چاہتی تھی، جس نے ہاتھ اٹھاتے ہی اسے نواز دیا تھا۔

زارا کے جانے کے بعد معیز نے دیکھا ایمہا لاؤنج میں صوفے پر جا بیٹھی تھی اور اپنی مسنون دعاؤں والی

کتاب بند کر کے دعا مانگ رہی تھی۔
وہ کچھ سوچ کر اس کی طرف آیا۔ اس نے ایبہا کی دعا مکمل ہونے اور آمین کہہ کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا انتظار کیا وہ اٹھنے لگی تو' معیز کو کھڑے پا کر چونک گئی۔
"آئم سوری!" وہ راستے میں کھڑا تھا۔ ایبہا وہاں سے جانے لگی تھی جب وہ صاف آواز میں بولا۔
وہ ٹھٹک گئی۔ بے حد حیرت سے معیز کو دیکھا۔
"میں نے ٹینشن میں آکر وہ فضول بکواس کردی تھی۔ اس کے لیے سوری۔"
"میں ہر شخص کو معاف کرنے میں جلدی کرتی ہوں۔ آپ کو بھی اسی وقت کر دیا تھا۔ اس سے دل صاف رہتا ہے۔"
وہ پرسکون انداز میں کہتی معیز کو بے سکون کر گئی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ وہاں سے جا چکی تھی۔
زارا اچھی طرح دوپٹہ لپیٹتی کھلے چہرے کے ساتھ آئی تو وہ چونکا۔
"ایبہا سے پوچھ لو۔ وہ جائے گی؟"
وہ کہنا کچھ چاہتا تھا اور منہ سے کچھ اور ہی نکل گیا۔ زارا کو بھلا کیا اعتراض تھا۔ فوراً" اسے لے آئی۔ ان دونوں کے ساتھ باہر نکلتے معیز کو احساس ہوا کہ زارا نے بالکل ایبہا کے طریقے سے دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔
"تو کیا زارا... ایبہا کو فالو کرنے لگی ہے؟"
معیز کے ذہن میں پھانس سی اٹکنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم کے سنبھلنے تک زارا کی شادی آگے کر دی گئی تھی۔ وہ تیزی سے روبصحت تھیں اور ہاسپٹل سے گھر شفٹ کر دی گئی تھیں۔ ہاں مگر ذہنی کیفیت کسی وقت بالکل غائب دماغ سی ہو جاتی تو وہ عجیب بہکی سی باتیں کرتیں۔ کسی کو بھی نہ پہچانتیں یا پھر اگر اپنی کسی بات پہ اڑ جاتیں' خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ تو وہ بحث سننا پسند نہ کرتی تھیں۔ زور زور سے چیختی چلاتیں اور ڈاکٹر نے انہیں سختی سے ٹینشن فری رکھنے اور پیار اور عقل مندی سے کنٹرول کرنے کی ہدایت کی تھی۔ زارا کے ذمہ ان کی مستقل دیکھ بھال آگئی تو وہیں سارے گھر کا نظام ایبہا کا محتاج ہو گیا نذیراں واپس آچکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کے ایبہا گھر کے ہر کونے کو سنوارتی۔
"مجھے اس لڑکی کی شکل سے ہی چڑ ہے' ورنہ میں اسے مستقل نوکرانی بنانا پسند کرتی۔"
رباب نے ایک بار با آواز بلند ایبہا کو سناتے ہوئے مذاقاً" معیز سے کہا تو وہ سناٹے میں آگیا۔
"شٹ اپ رباب۔" وہ ناگواری سے بولا تو رباب نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔
"تمہارا بہت دل دکھتا ہے اس کے خلاف سن کر۔"
"وہ تمہارے خلاف یہ سب کہتی تو میں یونہی اعتراض کرتا۔" معیز نے کہا تو وہ تلملا اٹھی۔
"یعنی تمہارے نزدیک مجھ میں اور اس تھرڈ کلاس میں کوئی فرق ہی نہیں ہے؟"
"وہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ تم اپنے اور اس کے درمیان موجود فرق باقی رہنے دو۔ جو رباب ہے وہ ایبہا کبھی نہیں ہو سکتی۔" معیز نے ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا۔
اور یہ سب اپنے کانوں سے سنتی ایبہا مراد کے ہونٹوں پہ چپ کا تالا تھا۔ اسے لگتا تھا وہ معیز کے سامنے اپنے حق کی آواز اٹھا کر شاید خود کو بے مول کر بیٹھی ہے' اب وہ دوبارہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اسے خدا کے فیصلے کا انتظار تھا۔

٭ ٭ ٭

سفینہ بیگم کے سامنے جانا ایبہا کے لیے کڑا امتحان ثابت ہوا۔ مگر یہاں زارا کی فراست کام آئی۔
"آپ چاہتی تھیں نا یہ اس گھر کے کام کرے تو جب سے آپ بیمار ہوئی ہیں نذیراں کے ساتھ مل کر یہ سارا گھر سنبھال رہی ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔"
اور سفینہ بیگم اچھی طرح سمجھ گئیں۔ البتہ شدید بیماری نے بھی ایبہا سے ان کی نفرت اور بدگمانی کو ختم نہیں کیا تھا۔ وہ ایبہا کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتیں جیسا کسی نوکرانی کے ساتھ۔ اور دوپہر کے کھانے پہ تو حد ہی ہو گئی۔ شدید گرمی سے پریشان زارا شاور لے کر فریش ہونے گئی تب سفینہ بیگم کے کھانے کا ٹائم ہو گیا تو ایبہا بڑی نفاست سے سلاد اور رائتے کی باؤلز سمیت کھانا ٹرے میں سجائے ان کے کمرے میں آ گئی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر منہ بنایا۔
"تم پھر آ گئیں۔ نذیراں کہاں مر گئی ہے؟"
ایبہا نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔ ایک برتن میں ان کے ہاتھ دھلوائے۔
"بہت ڈھیٹ ہو۔ بالکل اپنی ماں کی طرح۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔
"نذیراں سارا کام ختم کر کے گئی ہے۔ یہ ذمہ داری تو میری ہے نا۔" وہ نرمی سے بولی اور ہاتھ خشک کرنے کے لیے نیپکن انہیں تھمایا۔
"تم کون ہوتی ہو میرے گھر کی ذمہ داری اٹھانے والی۔ ہنہ۔" انہوں نے نیپکن بیڈ پر پھینکا۔
"میری بیماری کا بہانہ بنا کر قبضہ کرنا چاہتی ہو تم۔" وہ تلملائیں۔ ایبہا نے نفی میں سر ہلایا۔
"آپ ٹھیک ہو جائیں تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔"
"اور اس گھر کا حصہ بھی چھوڑ دو گی؟"
وہ تنفر سے بولیں تو انداز جارحانہ تھا۔ ذہنی دورے کے تحت وہ ایسے ہی ایک بات پہ اڑ جاتی تھیں۔ ایبہا سے تو خیر ویسے بھی انہیں پرخاش تھی۔
"جی۔ چھوڑ دوں گی۔"
معیز کے قدم کمرے کے دروازے ہی میں ٹھٹک گئے۔ وہ کھانے کی ٹرے سفینہ بیگم کے سامنے رکھ رہی تھی۔
"اور میرے معیز کو بھی....."
انہوں نے اسی حقارت بھرے انداز میں گویا کانٹوں بھرا کوڑا اسے رسید کیا تھا۔ وہ بلبلائی روح تک تڑپی مگر منہ سے ایک لفظ نہیں بولا تھا۔
"کھانا کھا لیں آپ۔"
"نہیں۔ پہلے تم کہو کہ تم میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو گی۔" وہ بضد ہوئیں اور اب یقیناً" کتنی ہی دیر وہ اسی بات پہ اڑی رہنے والی تھیں۔
"میرا ان سے کیا تعلق۔ جب میں چلی جاؤں گی تو سب کچھ خود بخود ختم ہو جائے گا۔"
وہ بڑی برداشت سے کام لیتے ہوئے بولی تو نا چاہتے ہوئے بھی آواز بھرا گئی۔
"ہوں۔ چلی جانا۔ اچھا۔ ورنہ میں نوکروں سے کہہ کر تمہیں خود باہر پھنکوا دوں گی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے تسلی سے بولیں اور کھانا کھانے لگیں۔

"نذراں کھانا اچھا پکانے لگی ہے۔۔۔ میرے پاس کھڑے کھڑے سیکھ گئی ہوگی۔"

وہ یونہی بولتی رہتی تھیں۔ اور ابیہا ان کے کھانا کھانے کے دوران ایک طرف کرسی پہ بیٹھی سنتی رہتی۔ اب بھی ان کی بات پر تائیدی انداز میں سرہلایا۔ بنا تصحیح کیے کہ یہ کھانا ابیہا نے بنایا تھا' بلکہ اب تو کھانا پکتا ہی ابیہا کی مہربانی سے تھا۔ زارا تو ان کاموں میں نکمی تھی۔

معیز گہری سانس بھرتا اندر آیا۔ ابیہا کی قوت برداشت واقعی کمال کی تھی' صحیح معنوں میں وہ ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کررہی تھی۔

"آؤ معیز۔۔۔ کھانا کھاؤ۔"

وہ معیز کو دیکھ کر خوش ہوئیں۔ وہ لنچ کرنے آفس سے گھر آیا تھا۔

"جی ماما آپ کھائیں۔ میں ابھی فریش ہوں گا۔ آپ کو دیکھنے آگیا۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ بھی مسکرائیں۔ تو واقعی بالکل ٹھیک ہی لگیں۔

"اب میں نے سوچ لیا ہے کہ زارا کی شادی میں ہی تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔ بھولے آؤں گی میں' تو میری فکر کم ہوگی۔ بستر پہ پڑی ہوں سارا گھر اوندھا سیدھا ہو گیا ہوگا۔"

وہ مگن انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ معیز کی نگاہ بے اختیار ہی ابیہا کے سفید پڑتے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابیہا کے سامنے کوئی ایسی بات کرے۔

خود چاہے وہ کوئی بھی فیصلہ کرنا چاہتا تھا' مگر یہ وہ جان گیا تھا کہ وہ ایک بے ضرر اچھی لڑکی ہے۔

سفینہ بیگم کی بات کا جواب اچانک دروازہ کھول کے ایراز کے ساتھ اندر داخل ہوتے عمر نے دیا۔

"غلط فہمی ہے آپ کی پھپھو جان سارا گھر اپنے قدموں پہ کھڑا ہے اور وہ بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ۔"

"اچھا۔۔۔ تمہیں بڑی خبر ہے۔" وہ ہنسیں' ابیہا کو اپنا آپ وہاں مس فٹ لگا تو وہ اٹھنے کو پر تولنے لگی۔

"پھر بھی اگر آپ اپنے کسی بیٹے کی شادی کرانے پہ تلی ہی ہوئی ہیں تو میری کرادیں۔"

ایراز نے مسکین سا منہ بنایا۔

"بلکہ مجھے گود لے کے بھی یہ فریضہ ادا کر سکتی ہیں۔" عمر کے جملے کمال کے ہوتے تھے' ابیہا کو ہنسی آنے لگی۔ مگر عمر کے اگلے فقرے نے اسے ٹھہرا دیا۔

"رہ گیا آپ کا گھر تو وہ آپ کی بڑی بہو نے چمکا کے رکھا ہوا ہے۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی سے چھائی۔ ابیہا حواس باختہ سی کرسی سے اٹھی۔

"کیا بکواس ہے یہ عمر۔۔۔؟" وہ غصیلے لہجے میں بولیں۔ ساتھ ہی ابیہا کو گھور کے دیکھا۔

"یہ کوڑے کے ڈھیر سے اٹھ کے آئی لڑکی۔۔۔ اسے تم میری بہو کہہ رہے ہو۔۔۔"

نفرت' حقارت' تنفر۔۔۔ خوف خدا ختم تھا یہاں جو عورت اپنے ٹھنڈے مزاج کے مثالی شوہر کے ساتھ ساری زندگی طبل جنگ بجائے رہی تھی وہ کسی اور کو کیوں کر بخشتی' ابیہا کا چہرہ اہانت کے مارے سرخ ہو گیا۔

"ہیرا کوڑے کے ڈھیر پہ پڑا ہو' تب بھی ہیرا ہی ہوتا ہے پھپھو! اس کی قیمت اور قدر میں فرق نہیں آتا۔"

عمر سنجیدہ تھا' مگر اسے احساس نہیں تھا وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ اگلے ہی پل سفینہ بیگم نے جیسے غصے سے بے قابو ہو کر ہاتھ مار کے کھانے کی ٹرے پرے گرائی اور ایک پلیٹ اٹھا کے ابیہا کو دے ماری جو پوری قوت سے اس کے بازو سے ٹکرائی اور نیچے گر گئی۔ واہی تباہی بکتی سفینہ بیگم نے گلاس اٹھایا تو ایراز ان کے اور ابیہا کے درمیان آ

گیا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ ماما۔ ریلیکس۔"

اس نے نرمی سے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ سے گلاس لیا۔ اور ان کے ہاتھ تھام لیے۔ ایبہا فی الفور کمرے سے باہر نکل گئی۔ عمر اور ایراز سفینہ بیگم کو ٹھنڈا کر رہے تھے۔ معیز اٹھ کر تیزی سے ایبہا کے پیچھے نکلا۔

ان دنوں اس کے پاس جائے پناہ صرف ایک ہی تھی کچن۔ وہ دروازے پر ہی ٹھٹک گیا۔

کچن میں کرسی پر بیٹھی میز پہ بازو کے گھیرے میں سر ٹکائے وہ یقیناً "رو رہی تھی۔

تاسف اور دکھ کا احساس۔ اور سب سے بڑھ کر شرمندگی۔ معیز کے قدم من بھر کے ہو گئے۔

آج تک وہ یہی سوچتا اور کڑھتا آیا تھا کہ زندگی نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مگر آج پتا چلا کہ اس سے بھی زیادہ برا تو ایبہا کے ساتھ ہوا تھا۔ اور یہ ہونا ابھی جاری و ساری تھا۔

آگے آکے اس نے کرسی گھسیٹی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ فوراً "الرٹ ہوئی۔ جلدی سے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں پونچھ کے چہرہ اوپر اٹھایا تو سامنے معیز کو پا کر اہانت کے احساس سے پھر آنکھیں نم ہو گئیں۔

معیز کو 'سوری' جیسا لفظ بھی بے معنی لگنے لگا۔

بعض رویوں کا مداوا "رویہ" ہی ہوا کرتا ہے الفاظ نہیں۔ معیز بھی اسی پوزیشن پر تھا، مگر مشکل تو یہ تھی کہ رویے کے اظہار کے لیے رشتے کا تعین ضروری تھا۔

"ماما کی طرف سے میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ درحقیقت شرمندہ تھا۔

لعنتیں' ملامتیں کھاتی یہ لڑکی مشکل وقت میں اس گھر کی صحیح معنوں میں مددگار اور مخلص ثابت ہوئی تھی۔

"ان کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں پتا نہیں ہے۔"

معیز کو کہتے شرم آئی۔

(بھلا جب ذہنی کیفیت ٹھیک تھی تب کون سا وہ اسے پھولوں میں تول رہی تھیں)

"مجھے تو پتا ہے نا۔ میں ان کی وجہ سے نہیں رو رہی۔" ایبہا نے انہیں بری الذمہ قرار دیا۔

"تو پھر کیوں رو رہی ہو۔؟"

رو کے گلابی ہوتی آنکھوں کے گرد سیاہ پلکوں کی گھنی باڑ تھی۔ معیز نے اپنے سوال کے جواب میں آنکھوں کے گلابی تہہ والے کٹوروں کو پھر سے بھرتے دیکھا تو وہ مسمرائز سا ہو گیا۔ کیا کسی کا رونا۔؟ رونا بھی جادو اثر ہو سکتا ہے؟ پھر وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ایسے ہی۔ اپنی بدقسمتی پر یقین آگیا آج۔ میں جتنی بھی صاف دلی سے کوشش کر لوں عزت اور محبت میرے نصیب میں نہیں ہیں۔ میں کبھی بھی کسی کو اپنا نہیں بنا سکتی۔ میرے باپ نے مجھے بیچ دیا' میری ماں مر گئی اور اس گھر نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ بس ایک مہربانی کیجیے گا۔ مجھے کسی قابل اعتبار دارالامان میں چھوڑ دیجیے گا۔"

وہ دکھ اور درد کی انتہا پر تھی۔ ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کے رخسار پر لڑھک آیا۔ شدت ضبط سے سرخ پڑتی آنکھوں نے معیز کو بیٹھے بٹھائے مار ہی تو ڈالا۔ وہ لمحوں میں خالی سینہ بیٹھا رہ گیا۔

کاگا سب تن کھائیو
چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو
انہیں

وہ ایبھا مراد تھی۔ عزت اور محبت کے لیے روتی کرلاتی۔ اپنی بدقسمتی پہ آنسو بہاتی۔ جانتی نہیں تھی آج اس کی قسمت اوج پر ہے اور اس کے بخت کا ستارہ معیز احمد کی پیشانی پر چمکنے والا ہے۔

وہ دوپٹے سے بے دردی سے چہرہ رگڑ رہی تھی۔

سرخ پڑتا چہرہ گھور سیاہ آنکھیں۔

معیز کو جیسے آج پتا چلا کہ وہ کس قدر خوب صورت تھی' اور یہ بھی کہ پاس بیٹھی لڑکی اس کی کیا لگتی تھی۔ وہ معیز کے ساکت وجامد انداز پر گھبرا کر پریشانی سے بولی۔

"قسم سے میں آنٹی سے خفا نہیں ہوں اور کبھی بددعا نہیں کرتی۔ میں نے تو آج تک کبھی اپنے آپ کے لیے بھی برا لفظ نہیں کہا۔"

معیز نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ تو وہ گنگ سی ہو گئی۔

"میں جانتا ہوں۔ تم کسی کا برا چاہ ہی نہیں سکتیں۔" ایک تند و تیز جھکڑ سا چلا۔ ایبھا نے حد درجہ بے یقینی سے معیز کا چہرہ دیکھا۔

نرم سے تاثرات' اور اس سے بھی بڑھ کے نرمی اس کے لب و لہجے سے چھلک رہی تھی۔

ایبھا نے جیسے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔

معیز کا انداز اپنی گرفت میں جکڑنے والا تھا۔ اس وقت وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ لیتی تو کہیں اور دیکھ ہی نہ پاتی' مگر اس نے مفر کی راہ اختیار کی' کرسی گھسیٹ کر فوراً "اٹھ گئی۔

مگر معیز موقع جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ بالکل تازہ تازہ دل پہ بیتنے والی واردات نے پل بھر میں ایک نیا معیز احمد تعمیر کر ڈالا تھا۔

تو یہ "آسمانی چیز" اس پر نازل ہو ہی گئی تھی۔ جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے؟ کیا یہ واقعی تھی؟ اس نے ایبھا کا ہاتھ دوبارہ سے تھاما' اسے جانے سے روکا اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ایبھا۔۔۔"

بدلی نگاہ' بدلا لب و لہجہ۔۔۔ وہ وحشت زدہ سی ہرنی کی مانند معیز کو دیکھنے لگی۔

اور ان غزالی آنکھوں پر وہ فریفتہ ہی تو ہو گیا۔ دل تو چلا ہی گیا اب بس ایک جان ہی باقی رہ گئی تھی وارنے کو۔ (مگر جو فیصلہ میں نے کیا ہے اس کا کیا؟)

ایبھا نے خود کو یاد دلایا۔

اسی وقت زارا اسے پکارتے ہوئے ادھر ہی چلی آئی تو معیز اس کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹ گیا۔

تمتماتے چہرے کے ساتھ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی زارا کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا۔۔۔ لگی تو نہیں تمہیں؟" زارا کی پریشانی محبت بھری تھی۔ معیز نے شدت سے محسوس کیا اور زارا کو خوش قسمت بھی گردانا جو اس محبت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

وہ ایبھا کی آستین اوپر چڑھائے لال نشان دیکھ رہی تھی۔

"کریم مل دیتی ہوں۔ نیل پڑ جائے گا یہاں۔"

جب طعنے تشنے تھے تب بھی زندگی مشکل تھی۔ اب ایک دم سے یوں توجہ ملی تو ایبھا کا پھوٹ پھوٹ کے رونے کو جی چاہا۔

اور دل چاہا اپنی پشت پہ کھڑے اس خوب صورت شخص کی بدلتی آنکھوں میں غور سے اپنا عکس دیکھے۔۔۔ اور پھر

بار بار دیکھے..... آج تو معجزہ ہو گیا تھا۔
معیز کا دیکھنا... عام دیکھنے جیسا نہیں تھا مگر وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے اپنے دل کو کچلنا تھا۔ جو فیصلہ اس نے کیا تھا اس پر عمل کرنے کے لیے اس کا اس گھر اور اس کے لوگوں سے دور ہو جانا ہی بہتر تھا۔
بس کچھ ہی گھنٹے تھے ایہا کے ان سب کے ساتھ اس کا ایک بار پلٹ کر معیز احمد کو دیکھنے کو جی چاہا، مگر وہ دل پہ پاؤں رکھے زارا کے ساتھ نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ مرد تھا۔ اور اسے کوئی شرمندگی نہ تھی کہ ایہا مراد آج اسے اچھی لگی۔ بلکہ اس وقت کے بعد تو وہ بار بار اسے دیکھنا اور سننا چاہ رہا تھا۔
اس کے پاس اپنی اس وارفتہ اور بے اختیارانہ کیفیت کا تجزیہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ بس ایہا کے سامنے جاتا اور سب حقیقت سامنے آجاتی۔ کیا یہ وارفتگی تب بھی باقی رہتی۔ یا محض ان چند لمحوں کا جادو تھا؟
وہ ایہا سے ملنے کو بے قرار تھا۔ مگر وہ تو جیسے اس سے چھپ ہی گئی تھی۔
تو یہ کیسے پتا چلے کہ ایہا مراد اس کے لیے کیا بن گئی تھی۔ بنا اس کے سامنے پھر سے جائے؟
وہ پورے گھر میں اسے ڈھونڈ چکا تھا۔ آخر میں لان میں، مگر وہ ندارد' اسے لگا شاید وہ زارا کے کمرے میں ہو۔ تب ہی سر اٹھا کے آسمان پہ چھائی سرمئی بدلیوں کو دیکھتے اس کی نگاہ میں ٹیرس پر لہراتا سرخ و سفید دوپٹا آگیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔
کیا قرار آیا تھا دل کو۔ جو مقصود تھا وہ پالیا ہو جیسے۔ وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتا ٹیرس پہ آیا تو اسے اوپری سیڑھیوں پہ سر جھکائے بیٹھا پایا۔
سکون کی ایک گہری سانس اس کے حلق سے آزاد ہوئی تھی۔ جوتوں میں مقید پاؤں اس کی نگاہوں کے سامنے آکے ٹھہرے تو ایہا نے ہڑبڑا کر چہرہ اٹھایا۔
سامنے ہی وہ دشمن جان کھڑا تھا۔ جو کبھی زیست کا حاصل "تھا"
یا شاید "لگا کرتا تھا"
"کس سے چھپ رہی ہو....؟" معیز دفعتاً "برامان گیا۔ ہلکے سے چبھن آمیز انداز میں کہا۔
"میں کسی سے کیوں چھپوں گی۔ میں نے کسی کا کیا چرایا ہے۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہہ کر تھوڑی دوبارہ گھٹنوں پر رکھ لی۔
کیا پتا کچھ چرا ہی لیا ہو۔" وہ بے ساختہ بولا، پھر اپنے لفظوں پر مسکرا دیا۔ اسے یہ سب کہنا اچھا لگ رہا تھا۔ کوئی جبر کوئی زبردستی نہ تھی۔"
"تھوڑا ہی وقت ہے سب لوٹانے میں۔" وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔
"ہوں۔ کیا کہا؟"
وہ واقعی اسے سننا چاہتا تھا، مگر وہ گہری سانس بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سرخ و سفید پرنٹ کے لباس میں ان ہی دو رنگوں کا دوپٹہ شانوں پہ ڈالے وہ معیز احمد کو ایک نیا جہاں' ایک نئی دنیا لگ رہی تھی جو اس نے آج ہی دریافت کی ہو۔
"میں تو بس یونہی۔ اچھا موسم دیکھ کے آگئی تھی۔" اس نے نیچے جانے کا ارادہ باندھتے ہوئے سادگی سے کہا۔ معیز کے بدلتے انداز پر اس کا دل دھڑکے جا رہا تھا۔

"اور میں تمہیں۔" کتنا سادہ مگر بے ساختہ مدعا تھا۔

ایہا کو زوروں کا رونا آیا۔

وہ کیا کرتی۔ اب اس کی سوچ اس کی منزل بدل چکی تھی۔ اسے ان نگاہوں اور اس لہجے کے جال میں نہیں آنا تھا۔

ایہا نا سمجھی کا تاثر دیتے ہوئے اس کے پاس سے گزری تو معیز کی پر سکون سی آواز نے اس کے جسم وجاں میں ہلچل سی مچادی۔

"کیا مجھے اپنے اب تک کے رویے کی معافی مل سکتی ہے؟"

جال کاٹ کاٹ کے مفر کے راستے ڈھونڈنے والا پرندہ خود بخود دل کی ڈال پر آکے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی جان لرزنے لگی۔ وہ چاہ کے بھی اس سے دوری اختیار کرنے والا ایک قدم بھی نہیں اٹھا پائی تھی۔ شدت سے رو دی۔ دنیا کی بھیڑ میں کھوئے ہوئے کو اچانک کوئی اپنا مل جائے۔ کچھ ایسی ہی حالت ایہا کی بھی ہوئی تھی۔

معیز نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے نرمی سے اسے تھام کر گلے سے لگا لیا تھا۔ جیسے اسے سہارا دیا ہو۔ اور بس۔ ایہا کو اپنے اللہ کے جبر و قہر۔ اس کی رحمانیت حاوی ہونے کے دعوے پہ پختہ یقین ہو گیا۔ آج اس کا صبر اس کا شکر اس کی تمام دعائیں اور بے کسی رنگ لے آئی تھی۔

پھر جانے کیا ہوا۔ وہ اس کے حصار کو ایک جھٹکے سے توڑ کر اس سے نظر ملائے بغیر سرپٹ سیڑھیوں کی طرف بھاگ لی۔

"ایہا۔ ایہا۔!" وہ سیڑھیوں کے کنارے تک اسے بے تابی سے پکارتا آیا تھا۔

مگر اس کے پیچھے تو جیسے جن بھوت لگ گئے تھے۔ معیز کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

وہ اپنی شکست تسلیم کر رہا تھا۔ اور وہ تو پہلے ہی اس کی زندگی سے نہ جانے کا مصمم ارادہ ظاہر کر چکی تھی پھر یہ کیا ہوا کہ "شاید مجھے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف ٹھیک سے کرنا نہیں آیا۔

(مجھے تو ہاتھ جوڑ کے معافی ملے گی۔ یا شاید اٹھک بیٹھک کرنی پڑے)

سیڑھیاں اترتے ہوئے سوچتا وہ ایک ہلکے سے سرور آمیز حصار میں گھرا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پچھلے کئی دنوں سے اس گھر کی نگرانی کر رہا تھا۔ جہاں سے اس نے ایہا مراد کو نکلتے اور پھر وہیں واپس آتے دیکھا تھا۔ وہ معیز احمد اور ایک دوسری لڑکی کے ساتھ گاڑی میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک جاگی۔ یہ لڑکی۔ جادو کا چراغ تھی اس کے لیے۔ تحویل میں آجاتی دوبارہ تو وہ بہت کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ تب ہی وہ اس گھر کے باہر تاک میں بیٹھ گیا۔ صرف کھانا کھانے جاتا اور پھر وہیں سڑک پر آکر جم جاتا۔ وہ ایہا مراد کے گھر سے اکیلے نکلنے کی امید میں تھا۔

اور قسمت اس کا ساتھ دینے کی مکمل تیاری کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

روتے ہوئے اس نے اپنے کپڑوں کا بیگ پیک کیا۔ جو وہ انیکسی سے یہیں لے آئی تھی۔

بس۔ اس گھر اور گھر والوں کے ساتھ اس کا اتنا ہی ساتھ تھا۔ معیز احمد کا لمس یاد آتا۔ اس کا ہارا ہوا مگر پیارا انداز تو جان ٹوٹنے لگتی۔

سب جائیں بھاڑ میں، مگر پھر خیال آتا اس عہد کا جو اس نے خود سے کیا تھا۔

وہ دنگ تھی قسمت کے اس موڑ پر۔ جب اس نے اپنا دل بدلا تو معیز احمد کا دل بھی بدل دیا گیا۔
اگر وہ تھوڑی سی خود غرضی دکھاتی تو اس کی زندگی پر بہار ہو سکتی تھی مگر۔
اس نے موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ سب یقیناً "سو رہے تھے۔
چھوٹا گیٹ تو کھلا ہی ہوتا ہے۔ صرف ہینڈ لاک ہے جو گھمانے پہ کھل جائے گا۔ اور مین روڈ پہ نکلتے ہی کنوینس بھی مل جاتی ہے۔
وہ سب حساب کتاب لگا چکی تھی۔
رونا' رونا۔ شدت کا رونا۔ مگر وہ جانتی تھی اس کا اس گھر سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔
وہ زارا کے کمرے میں تھی۔ اور زارا' سفینہ بیگم کے پاس تھی۔ وہ اپنا بیگ اٹھائے خاموشی سے باہر نکلی تو دل و دماغ عجیب سن حالت میں تھے۔ وہ اب مزید کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔
یہاں سے سیدھی ثانیہ کے پاس جاؤں گی اور پھر اس سے کہوں گی مجھے کسی بہتر مشورے سے نوازے۔
اس نے اندھیری سڑک پر چلتے ہوئے اپنے دل کو قابو کرنا چاہا جو خوف کے مارے بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ تب ہی اس کے پیچھے چلتے سائے نے ایک دم سامنے آکر اس کا راستہ روکا تو بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔
"ایبھا۔!" سفاک' سرد مہر سا لہجہ اور سب کچھ پالینے والی فاتحانہ مسکراہٹ۔
یہ چہرہ۔ یہ مکروہ چہرہ اور اس کے گندے عزائم ایبھا کیسے بھول سکتی تھی۔ اس کی ٹانگوں کی جان نکلنے لگی۔ کندھے پہ لٹکا چار جوڑوں والا بیگ منوں برابر لگنے لگا۔
"کب سے ڈھونڈ رہا تھا تمہیں۔ میری سونے کی چڑیا۔"
اسے مارے خوف اور دہشت کے غش آگیا۔ زبان اکڑ کے جیسے تالو کے ساتھ چپک گئی تھی۔ بنا آواز نکالے وہ تیورا کے گری تو اس شخص نے اسے سنبھالتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور حواس کھوتی ایبھا کو بوری کی طرح کندھے پر لاد کر سڑک کنارے قریبی درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا۔ جہان کتنے ہی دنوں سے وہ اپنی گاڑی اسی نیت پر کھڑی کرتا تھا۔ آج اس سنسان سڑک پر وہ بیش قیمتی موقع اس کے ہاتھ لگ ہی گیا تھا۔ چند لمحوں میں اندھیری سڑک پر محض گاڑی کی پچھلی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"یہ کیا بے وقوفی ہے۔؟"
موبائل پہ کوئی میسیج پڑھتے ہوئے ثانیہ نے خود کلامی کی۔ عون رات گئے ریسٹورنٹ سے لوٹا تھا۔ ابھی فریش ہو کے آیا تھا۔ تولیے سے بال رگڑتے اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔
"کیوں۔ سب ہی لوگ تولیے ہی سے بال خشک کرتے ہیں۔"
ثانیہ کو ہنسی آئی۔
"تمہیں نہیں کہہ رہی۔"
پھر الجھن آمیز لہجے میں بولی۔
"تم کہہ رہے تھے ایبھا ان دنوں معیز بھائی کے گھر ہے۔ ابھی مجھے اس کا میسیج آیا ہے کہ وہ ہمارے گھر آرہی ہے۔" عون چونکا۔

"معیز کے ساتھ۔یا اکیلے؟"
"مذاق کر رہی ہوگی۔ اتنی رات کو۔ کوئی بات نہ ہو گئی ہو۔"

ثانیہ نے کئی قیافے لگائے۔اسی اثناء میں ثانیہ اس کا نمبر ملا چکی تھی۔
ایک بار' دوبار' سہ بار۔ مگر کال اٹینڈ نہیں کی گئی۔
"تم ذرا معیز بھائی سے پوچھو۔ ایہا کال اٹینڈ نہیں کر رہی۔"
عون نے سرہلاتے ہوئے اپنا موبائل اٹھا کر معیز کو کال کی تو کسی کے گمان میں بھی وہ قیامت نہ تھی جو گزر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

عون کی کال بند ہوتے ہی معیز تیزی سے زارا کے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے اندھیرا اور خالی پایا۔ اس کے بعد سارے گھر کی لائٹس آن کر کے دیکھ لیا۔ ماما کے کمرے میں جھانک آیا جہاں ماما اور زارا بے خبر سو رہی تھیں۔
وہ خدشات سے بوجھل دل لیے باہر کی طرف بھاگا۔ لاؤنج کا انٹرنس ڈور (داخلی دروازہ) کھلا تھا۔
گیٹ پہ آکے اس کے بدترین خدشات کی تصحیح ہو گئی۔ بڑا گیٹ بدستور تالے سے بند تھا۔ مگر چھوٹے گیٹ کی کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ البتہ آٹومیٹک لاک کسی کے باہر جاکے دروازہ بند کرنے پر اندر سے خود بخود لگ جاتا تھا۔
معیز نے دروازہ کھول کے سڑک پہ ادھر ادھر نگاہ ڈالی دور دور تک کوئی نہیں تھا۔
وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچے لٹی پٹی کیفیت میں کھڑا تھا۔

(اختتام کی طرف گامزن باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

امتیاز احمد اور سفینہ کے تین بچے ہیں۔ معیز' زارا اور ایزد۔ صالحہ' امتیاز احمد کی بچپن کی منگیتر تھی مگر ان سے شادی نہ ہو سکی تھی۔ صالحہ دراصل ایک شوخ' الہڑ سی لڑکی تھی۔ وہ زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے خاندان کا روایتی ماحول امتیاز احمد سے اس کی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتا۔ امتیاز احمد بھی شرافت اور اقدار کی پاس داری کرتے ہیں' مگر صالحہ ان کی مصلحت پسندی' نرم طبیعت اور احتیاط کو ان کی بزدلی سمجھتی تھی۔ نتیجتاً" صالحہ نے امتیاز احمد سے محبت کے باوجود بدگمان ہو کر اپنی سہیلی شازیہ کے دور کے کزن مراد صدیقی کی طرف مائل ہو کر امتیاز احمد سے شادی سے انکار کر دیا۔ امتیاز احمد نے اس کے انکار پر دلبرداشتہ ہو کر سفینہ سے نکاح کر کے صالحہ کا راستہ صاف کر دیا تھا مگر سفینہ کو لگتا تھا جیسے ابھی بھی صالحہ' امتیاز احمد کے دل میں بستی ہے۔

شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مراد صدیقی اپنی اصلیت دکھا دیتا ہے۔ وہ جواری ہوتا ہے اور صالحہ کو غلط کاموں پر مجبور کرتا ہے۔ صالحہ اپنی بیٹی ابیہا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہے مگر ایک روز جوئے کے اڈے پر ہنگامے کی وجہ سے مراد کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ صالحہ شکر ادا کرتے ہوئے ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے۔ اس کی سہیلی زیادہ تنخواہ پر دوسری فیکٹری میں چلی جاتی ہے جو اتفاق سے امتیاز احمد کی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلی صالحہ کو امتیاز احمد کا وزیٹنگ کارڈ لا کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتی ہے۔ ابیہا میٹرک میں ہوتی ہے۔ جب مراد رہا ہو کر آجاتا ہے اور پرانے دھندے شروع کر دیتا ہے۔ دس لاکھ کے بدلے جب وہ ابیہا کا سودا کرنے لگتا ہے تو صالحہ مجبور ہو کر امتیاز احمد کو فون کرتی ہے۔ وہ "فوراً" آجاتے ہیں اور ابیہا سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا معیز احمد باپ کے اس راز میں شریک ہوتا ہے۔ صالحہ مر جاتی ہے۔ امتیاز احمد' ابیہا کو کالج میں داخلہ دلا کر ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ وہاں اچانک سے اس کی

دوستی ہے جو اس کی روم میٹ بھی ہوتی ہے' مگر وہ ایک خراب لڑکی ہوتی ہے۔

معیز احمد اپنے باپ سے ابیہا کے رشتے پر ناخوش ہوتا ہے۔ زارا اور سفیر احسن کے نکاح میں امتیاز احمد' ابیہا کو بھی مدعو کرتے ہیں' مگر معیز اسے بے عزت کرکے گیٹ سے ہی واپس بھیج دیتا ہے۔ زارا کی نند رباب' ابیہا کی کالج فیلو ہے۔ وہ تفریح کی خاطر لڑکوں سے دوستیاں کرکے' ان سے پیسے بٹور کر ہلا گلا کرنے والا مزاج رکھتی ہے' اور اپنی سہیلیوں کے مقابلے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے زیادہ تر ٹارگیٹ جیت لیا کرتی ہے۔ رباب' معیز احمد میں بھی دلچسپی لینے لگتی ہے۔ ابیہا کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے' مگر وہ اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ معیز احمد کی گاڑی سے ٹکرائی تھی کیونکہ معیز اپنے دوست عون کو آگے کردیتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے دوران ابیہا کا پرس کہیں گر جاتا ہے۔ وہ نہ تو ہاسٹل کے واجبات ادا کرپاتی ہے۔ نہ ایگزامز کی فیس۔ بہت مجبور ہوکر وہ امتیاز احمد کو فون کرتی ہے' مگر وہ دل کا دورہ پڑنے پر اسپتال میں داخل ہوتے ہیں۔ ابیہا کو بحالت مجبوری ہاسٹل اور ایگزامز چھوڑ کر حنا کے گھر جانا پڑتا ہے۔ وہاں حنا کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ماما جو کہ اصل میں "میم" ہوتی ہیں' زور زبردستی کرکے ابیہا کو بھی غلط راستے پر چلانے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا بہت سر پٹختی ہے' مگر میم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امتیاز احمد دوران بیماری معیز سے اصرار کرتے ہیں کہ ابیہا کو گھر لے آئے' مگر سفینہ بھڑک اٹھتی ہیں۔ امتیاز احمد کا انتقال ہوجاتا ہے۔ مرنے سے قبل وہ ابیہا کے نام پچاس لاکھ' گھر میں حصہ اور ماہانہ دس ہزار کرجاتے ہیں۔ اس بات پر سفینہ مزید تیخ پا ہوتی ہیں۔ معیز' ابیہا کے ہاسٹل جاتا ہے۔ کالج میں معلوم کرتا ہے' مگر ابیہا کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ وہ چونکہ رباب کے کالج میں پڑھتی تھی۔ اس لیے معیز باتوں باتوں میں رباب سے پوچھتا ہے' مگر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔

عون' معیز احمد کا دوست ہے۔ ثانیہ اس کی منکوحہ ہے۔ مگر پہلی مرتبہ بہت عام سے گھریلو حلیے میں دیکھ کر وہ ناپسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے۔ جبکہ ثانیہ ایک پڑھی لکھی' ذہین اور بااعتماد لڑکی ہوتی ہے۔ وہ عون کے اس طرح انکار کرنے پر شدید ناراض ہوتی ہے۔ پھر عون پر ثانیہ کی قابلیت کھلتی ہے تو وہ اس سے محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے' مگر اب ثانیہ اس سے شادی سے انکار کردیتی ہے. دونوں کے درمیان خوب تکرار چل رہی ہے۔

میم' ابیہا کو سیفی کے حوالے کردیتی ہیں جو ایک عیاش آدمی ہوتا ہے۔ ابیہا اس کے دفتر میں جاب کرنے پر مجبور کردی جاتی ہے۔ سیفی اسے ایک پارٹی میں زبردستی لے کر جاتا ہے' جہاں معیز اور عون بھی آئے ہوتے ہیں' مگر وہ ابیہا کے یکسر مختلف انداز حلیے پر اسے پہچان نہیں پاتے تاہم اس کی گھبراہٹ کو محسوس ضرور کرلیتے ہیں۔ ابیہا پارٹی میں

ایک ادھیڑ عمر آدمی کو بلاوجہ بے تکلف ہونے پر تھپڑ ماردیتی ہے۔ جواباً" سیفی بھی اسی وقت ابیہا کو ایک زوردار تھپڑ جڑ دیتا ہے۔ عون اور معیز کو اس لڑکی کی تذلیل پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ گھر آکر سیفی میم کی اجازت کے بعد ابیہا کو خوب تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ جہاں عون اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کا معیز کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ عون کی زبانی یہ بات جان کر معیز سخت حیران اور بے چین ہوتا ہے۔ وہ پہلی فرصت میں سیفی سے میٹنگ کرتا ہے۔ مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ ثانیہ کی مدد سے وہ ابیہا کو آفس میں موبائل بھجواتا ہے۔ ابیہا بمشکل موقع ملتے ہی باتھ روم میں بند ہوکر اس سے رابطہ کرتی ہے' مگر اسی وقت دروازے پر کسی کی دستک ہوتی ہے۔ حنا کے آجانے سے اسے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑتی ہے۔ پھر بہت مشکل سے ابیہا کا رابطہ ثانیہ اور معیز احمد سے ہوجاتا ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ میم اس کا سودا کرنے والی ہیں لہٰذا اسے جلد از جلد یہاں سے نکال لیا جائے۔ معیز احمد' ثانیہ اور عون کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکالنے کی پلاننگ کرتا ہے اور یہیں اسے اپنا پرانا راز کھولنا پڑتا ہے۔

وہ بتا دیتا ہے کہ ابیہا اس کے نکاح میں ہے' مگر وہ نہ پہلے اس نکاح پر راضی تھا نہ اب پھر ثانیہ کے آئیڈیا پر عمل کرتے ہوئے وہ اور عون میڈم رعنا کے گھر جاتے ہیں۔ میڈم ابیہا کا سودا معیز احمد سے طے کردیتی ہے' مگر معیز کی ابیہا سے ملاقات نہیں ہوپاتی کیونکہ وہ ڈرائیور کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی ہوتی ہے۔ وہاں موقع ملنے پر ابیہا' ثانیہ کو فون کردیتی ہے۔ ثانیہ بیوٹی پارلر پہنچ جاتی ہے۔ دوسری طرف تاخیر ہونے پر میڈم' حنا کو بیوٹی پارلر بھیج دیتی ہے' مگر ثانیہ' ابیہا کو وہاں سے

نکالنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ثانیہ کے گھر سے معیز اسے اپنے گھر انیکسی میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر سفینہ بیگم بری طرح بھڑک اٹھتی ہیں مگر معیز سمیت زارا اور ایزد انہیں سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیز احمد اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابیہا کو گھر لے تو آتا ہے مگر اس کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے۔ وہ تنہائی سے گھبرا کر ثانیہ کو فون کرتی ہے۔ وہ اس سے ملنے چلی آتی ہے اور حیران رہ جاتی ہے۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عون کو فون کرکے شرمندہ کرتی ہے۔ عون نادم ہو کر کچھ اشیائے خورد نوش لے آتا ہے۔ معیز احمد بزنس کے بعد اپنا زیادہ تر وقت رباب کے ساتھ گزارنے لگتا ہے۔

سفینہ بیگم اب تک یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ابیہا مرحوم امتیاز احمد کے نکاح میں تھی مگر جب انہیں پتا چلتا ہے کہ وہ معیز کی منکوحہ ہے تو ان کے غصے اور نفرت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ اسے اٹھتے بیٹھتے بری طرح ٹارچر کرتی ہیں اور اسے بے عزت کرنے کے لیے اسے نذیراں کے ساتھ گھر کے کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ابیہا ناچار گھر کے کام کرنے لگتی ہے۔ معیز کو برا لگتا ہے مگر وہ اس کی حمایت میں کچھ نہیں بولتا۔ یہ بات ابیہا کو مزید تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ وہ اس پر تشدد بھی کرتی ہیں۔

پرانے شکوے شکایتیں دور کرنے کی خاطر عون کے ابا عون اور ثانیہ کو اسلام آباد نازیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ جہاں ارم ان دونوں کے درمیان آنے کی کوششیں کرتی ہے اور ثانیہ اپنی بے وقوفی کے باعث عون سے شکوے اور ناراضیاں رکھ کر ارم کو موقع دیتی ہے۔ عون صورت حال کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر ثانیہ اس کے ساتھ بھی زیادتی کرجاتی ہے۔ ارم کی بہن نیلم ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ثانیہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر عون نے پہلے شادی سے انکار کرکے اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائی تھی تو اب اپنی عزت نفس اور انا کو چھوڑ کر آپ کو منانے کے لیے جتن بھی کررہا ہے۔ عزت کریں عون کی' اور دوسروں کو اپنے درمیان آنے کا موقع نہ دیں۔ ثانیہ کچھ کچھ مان لیتی ہے۔ تاہم مہندی میں کی گئی ثانیہ کی بدتمیزی پر عون دل میں اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔

رباب' سفینہ بیگم کے گھر آتی ہے تو ابیہا کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ پھر سفینہ بیگم کی زبانی ساری تفصیل سن کر اس کی تضحیک کرتی ہے۔ ابیہا بہت برداشت کرتی ہے مگر دوسرے دن کام کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ سفینہ بیگم کو شدید غصہ آتا ہے۔ وہ انیکسی جاکر اس سے لڑتی ہیں۔ اسے تھپڑ مارتی ہیں' جس سے وہ گرجاتی ہے۔ اس کا سر پھٹ جاتا ہے اور جب وہ اسے حرام خون کی گالی دیتی ہیں تو ابیہا پھٹ پڑتی ہے۔ معیز آکر سفینہ کو لے جاتا ہے اور واپس آکر اس کی بینڈیج کرتا ہے۔ ابیہا کہتی ہے کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ معیز کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ سفینہ بیگم ایک بار پھر معیز سے ابیہا کو طلاق دینے کا پوچھتی ہیں تو وہ صاف انکار کردیتا ہے۔

بائیسویں قسط

معیز نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہ **ابیہا** کے لیے ایسے شدید جذبات محسوس کرے گا۔ قدرت شاید اسے اسی نہج پہ بے بس کرنا چاہتی تھی۔

اور یہ سب ایک دم سے نہیں تھا۔ چور محبت نجانے کب سے اس کے دل میں نقب زنی کررہی تھی اور اب جو پکڑی گئی تو منہ چھپانے کے بجائے فاتحانہ تن کے کھڑی ہوگئی۔

"لو کرلو جو کرسکتے ہو۔۔۔ مگر جب یہ بیرن محبت ہوجائے تو بندہ کچھ اور کرنے لائق رہ جاتا ہے کیا؟"

وہ کچھ دیر اس خالی پن کے ساتھ رہا۔ خالی ذہن اور خالی سینہ۔ اس کے بعد تو اس کے اندر اس قدر وحشت بھری کہ الامان الحفیظ۔

سب سے پہلے تو چوکیدار کے کوارٹر میں جاکر اس کو جھاڑا' اتنی بدزبانی کی جتنی زندگی میں کبھی نہ کی ہوگی۔ وہ بول نہیں دھاڑ رہا تھا۔

"صاب... چھوٹا بیمار تھا... اسی کو دیکھنے تھوڑی دیر کے لیے ہٹا تھا۔"

وہ بیچ بیچ میں اپنی صفائی پیش کرتا، مگر "صاب" تو نجانے کیا کھو آیا تھا جو اس کا نقصان کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

وہ بے چینی سے گریبان کے بٹن کھولتا تیز قدموں سے گھر کی طرف بڑھا تو شدت جذبات سے چہرہ رنگ بدل چکا تھا اور سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔

چٹ... چٹ، چٹ...

ہاتھ مار کے اس نے لاؤنج کی تمام لائٹس آن کردیں۔ ایراز اور عمر کو باہر کے ہنگامے کی کچھ کچھ سن گن مل ہی گئی تھی۔ اب جو لائٹس نے پورے گھر کو روشن کردیا تو وہ دونوں فی الفور باہر نکلے تھے۔

"کیا ہوا معیز...؟"

عمر اسے اس قدر وحشت زدہ سی کیفیت میں دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ معیز نے عجیب سی بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ماما تو ٹھیک ہیں نا...؟" ایراز پریشان ہوا۔

"ایہا نہیں ہے عمر... وہ کہیں چلی گئی ہے۔" اس کے سرسراتے ہوئے لہجے نے جہاں عمر کو سن کیا، وہیں ایراز کے اندر بھی تھکن سی اتر گئی۔

"رات تک تو یہیں تھیں۔ کھانے کے دوران بھی۔"

"ابھی عون اور ثانیہ سے بات ہوئی تھی۔ ثانیہ کو میسج کیا تھا اس نے مگر ابھی تک وہاں نہیں پہنچی... وہ وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی ایراز... وہ اتنی بہادر کہاں ہے۔"

وہ بالوں کو مٹھیوں سے جکڑتا ان دونوں کو حیرت کے سمندر میں دھکیلنے لگا۔

بھلا معیز احمد کو اس "بے کار" سی لڑکی کی اتنی فکر کیوں؟

"چوکیدار سے پوچھا...؟" عمر نے آگے بڑھ کے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"اسے کچھ نہیں پتا... وہ کوارٹر میں تھا۔ اب بتاؤ اسے کہاں ڈھونڈوں؟"

اور بس... معیز احمد محبت کے سامنے گھٹنے ٹیکے ڈھے گیا تھا۔ عمر پر یک لخت ہی حقیقت آشکار ہوگئی۔

✵ ✵ ✵

تیز آنکھوں میں چبھتی روشنی اسے حواس میں لانے کا باعث بنی تو اس نے نیند بھری چندھیائی آنکھوں کو کھولنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اسے لگا ایک ہی طور لیٹے رہنے سے اس کا وجود درد کی سی کیفیت میں ہے۔ اس نے ہاتھ سے آنکھیں مسلیں۔

(زارا کے کمرے میں اتنی تیز دھوپ کہاں؟)

اس کا ذہن فی الحال سوئی جاگی کیفیت میں تھا، مگر آنکھیں ملتے ہی چھوٹا سا کمرہ اور دھوپ سے بھرا مختصر سا صحن اسے حقیقت کی خوف ناک دنیا میں کھینچ گیا۔ وہ ایک دم سے اٹھی۔ خوف کی شدید لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا گئی تھی۔ اسے سب یاد آگیا۔ وہ کیسے پھر سے ایک ظالم کے شکنجے میں آن پھنسی تھی۔

وہ بان کی کھردری چادر سے محروم چارپائی پر تھی۔ بس اس کے پیروں تلے ادوائین کی سختی کے خیال سے چادر دہری کرکے بچھائی گئی تھی۔

وہ تیزی سے چارپائی سے اتری اور اپنی چپلوں میں پاؤں پھنسا کے وہ خوف اور وحشت کے مارے وہاں سے بھاگنے کے ارادے میں تھی تب ہی دھوپ کا راستہ کسی نے روک لیا۔ ایہا نے بے اختیار چہرہ اٹھا کے دیکھا تو

اس کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

مردانہ تن و توش اور سخت نقوش لیے جانے وہ تیسری جنس سے تعلق رکھتی تھی یا مردنما عورت۔ چہرے پہ معنی خیز سی مسکراہٹ لیے وہ ابیہا کی پھرتی سے ہی محظوظ ہو رہی تھی۔

"تت... تم... کون ہو... مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"ہونہہ... میرا تجھ سے کیا لینا دینا۔ اور تو اچھی طرح سے جانتی ہے کون تجھے یہاں لایا ہے۔"

وہ اپنی مسکراہٹ کے برعکس بڑے تنفر بھرے انداز میں بولی تو ابیہا اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیگ کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو اسے دیوار کے ساتھ... لکڑی کی بوسیدہ میز پہ پایا مگر ایسے کہ لگتا تھا اچھی طرح تلاشی لی گئی ہے۔ زپ کھلی ہوئی تھی اور گولہ بنے کپڑے آدھے اندر اور آدھے باہر تھے۔

وہ بے ترتیبی اور خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ کانپتے ہاتھوں سے کپڑوں کو بیگ میں ٹھونسنے لگی۔

کاجل کی موٹی دھاروں سے سجی چندھی آنکھوں کے ساتھ وہ تمسخرانہ انداز میں ابیہا کی مصروفیت دیکھ رہی تھی۔ وہ بیگ لے کے پلٹی تو اس مردنما عورت کو یونہی دروازے میں ایستادہ پایا۔

ابیہا کا دم حلق میں اٹکنے لگا۔ اس نے ہلکا سا کھنکھار کے گویا خود میں ہمت مجتمع کی۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے۔ میرے گھر والے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جو گھر والیاں ہوں، وہ آدھی رات کو گھر سے بھاگا نہیں کرتیں میری لاڈو۔"

وہ تحقیر بھرا انداز۔ ابیہا کو سخت بری لگی اس کی بات۔ خود کو مضبوط بنا کر کہا۔

"وہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ اور میں وہاں سے بھاگ نہیں رہی تھی۔"

وہ شانے جھٹک کر طنز سے مسکرا دی۔

"راستہ دو۔ مجھے جانا ہے۔" ابیہا نے اپنے خوف کو اندر دباتے ہوئے تحمل سے کہا۔

"اری چل... بیٹھ جا آرام سے۔ سبزی لینے آئی ہے کیا؟ بھائی ایک کلو آلو دینا... اور میں ڈال دوں گی۔"

جواباً" وہ اس قدر حقارت سے بولی کہ ابیہا کے حواس ٹھٹھرنے لگے۔

"دیکھو... تمہارا مجھ سے کیا واسطہ... مجھے یہاں بند رکھنے سے تمہیں کیا فائدہ..."

ابیہا کھکھیانے پر اتر آئی۔ اسے شدت سے اپنی فاش غلطی کا احساس ہوا جو اس نے معیز کا گھر چھوڑ کے کی تھی۔

"جو تجھے یہاں لایا ہے، اس کا تجھ سے تعلق بھی ہے اور فائدہ بھی۔"

وہ محظوظ انداز میں مسکراتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھی تو ابیہا خوف زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ چلاتے پیلے لان کے سوٹ میں، ہونٹوں کو سرخی سے لال کیے چندھی آنکھوں میں سرمے کی موٹی موٹی لائنیں کھینچے وہ ابیہا کو خواجہ سرا ہی لگ رہی تھی' وجہ اس کا مضبوط سراپا اور مردانہ نقوش کے ساتھ رعب داب والی آواز تھی۔

"دیکھو... اگر تمہیں پیسے چاہئیں تو... وہ میں تمہیں دے دوں گی۔ جتنے مانگو گی... مگر ابھی مجھے جانے دو۔ میرا شوہر مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا۔" ابیہا کو ٹوٹ کر معیز احمد یاد آیا۔ کیا سنگین غلطی کی تھی اس پناہ گاہ کو چھوڑ کے۔

"اچھا..." وہ متاثر ہونے والے انداز میں بولی۔ "بڑا پیسہ ہے تیرے پاس؟" دلچسپی سے پوچھا تو آنسو پونچھتی ابیہا کی ڈھارس بندھی۔

"ہاں... بس۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔ جتنا کہو گی اتنا پیسہ دوں گی۔" اس نے بعجلت کہا۔

"دو لاکھ...؟" اس کا انداز اکسانے والا تھا۔

"تین دے دوں گی۔ اللہ کے واسطے مجھے یہاں سے نکال دو۔" ایبہا نے لرزتے ہاتھ اس کے آگے جوڑے۔
جس گڑھے میں آن گری تھی' وہاں سے نکلنے کی یہ رقم اسے بہت تھوڑی لگی تھی۔
وہ عورت ہونٹ ٹیڑھے کر کے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ پھر ذرا سا چہرہ صحن کی طرف موڑ کر اس نے اونچی آواز میں ہانک لگائی۔
"سنتے ہو مراد صدیقی... بھئی' تمہاری بیٹی تو بہت لکھ پتی ہے۔ دو مانگو تو تین لاکھ دے رہی ہے۔"
اس کی آواز میں کامیابی کی کھنک تھی۔ وہ مردانہ نقوش والی عورت اچھی طرح اندازہ لگا چکی تھی کہ شکار "کسی بھی" قیمت پہ چھٹکارا پانے کی خواہش رکھتا ہے۔
مراد صدیقی کا چہرہ وہ آخری چہرہ تھا جسے ایبہا اس دنیا میں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایبہا کی رہی سہی ہمت ٹوٹ گئی۔ کٹی شاخ کی مانند اس کا بازو پہلو میں لٹکا تو کندھے سے بیگ پھسل کر زمین پہ جا گرا۔ لڑکیوں کو والدین کی صورت میں زندگی دکھائی دیتی ہے' مگر ایبہا کو اپنے باپ کی صورت دروازے میں موت کھڑی دکھائی دی تھی۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے ہٹی تو چارپائی سے ٹکرا کر وہیں گر گئی۔

☼ ☼ ☼

اب جبکہ اس پہ آشکار ہو ہی گیا تھا کہ ایبہا اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی تھی تو جیسے وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔
ایراز اور عمر تو اس کی بدلی ہوئی قلبی و ذہنی ماہیئت پہ دنگ تھے اور زارا تو معیز کی جذباتیت دیکھ کر گویا کھڑے کھڑے مر ہی گئی تھی۔ پیلی پھٹک رنگت اور دکھ یا شاید کسی خوف سے سپید پڑتے ہونٹ... وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گر سی گئی۔
"کیا کروں... کہاں ڈھونڈوں۔ میری بیوی ہے وہ۔ خدا جانے کن حالات میں ہو گی۔ آدھی رات کو نکلی تھی اور اب صبح ہو گئی ہے۔ ثانیہ کی طرف بھی نہیں گئی وہ۔" اس کا ذہن ماؤف تھا۔
"پولیس میں رپورٹ درج کراتے ہیں۔ باقی اپنے سورسز استعمال کریں گے۔ دارالامان وغیرہ چیک کریں گے۔ چلو اٹھو جلدی سے۔" عمر ہی نے اس کی ہمت بندھائی۔ ورنہ وہ تو خود کو بند گلی میں مقید پا رہا تھا۔
ایراز کو بھائی پہ ترس تو آیا مگر غصہ زیادہ... اپنی سادہ سی زندگی کو وہ خود اپنے لیے مشکل بنا چکا تھا۔
وہ تینوں پولیس اسٹیشن چلے گئے۔ زارا ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ دفعتاً" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اسے اچھی طرح ادراک ہوا تھا اپنی فاش غلطی کا۔ کیا کر دیا میں نے؟

☼ ☼ ☼

ہاتھ میں پکڑی ماچس کی تیلی کے ساتھ دانتوں میں خلال کرتا وہ فاتحانہ مسکراہٹ لیے مراد صدیقی ہی تھا۔
ایبہا مراد کا باپ... یا پھر نام نہاد باپ۔
ایبہا کا دل کرلایا۔ ماں کی یاد اس زور سے آئی کہ لگا' دل غم کی شدت سے پھٹ جائے گا۔ وہ اونچی آواز میں بے اختیار رو دی۔
"لو بھئی لڑکیاں تو میکے آنے پہ خوش ہوتی ہیں۔ اس کا تو رونا ہی نہیں تھم رہا۔" وہ عورت منہ بگاڑ کے تبصرہ کر رہی تھی۔ اب جانے وہ ایبہا کی نگرانی کے لیے "ہائر" کی گئی تھی یا پھر مراد... سے اس کا کوئی قریبی تعلق تھا۔
مراد صدیقی کھنکارا۔ بدوضع سا موڑھا کھینچا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیوں لائے ہیں مجھے یہاں..." وہ روتی کرلاتی بے بسی سے بولی تو مراد نے گویا چہرے پر تاسف آمیز تاثرات چھاپ لیے۔

"کیا اب ایک باپ کو بھی یہ صفائی پیش کرنا پڑے گی؟" اف... اس قدر بناوٹی لہجہ۔ زمانے بھر کے "مسکین" کا پیار ایک اسی میکے میں سمٹ آیا ہو جیسے۔ ایبہا کے اندر گویا بجلی سی کوندی۔

"باپ ایسے اپنی بیٹیوں کو اغوا نہیں کیا کرتے۔" وہ چیخی تھی۔

"اغوا...؟" وہ حیران ہوا۔ "میں نے کب اغوا کیا ہے تمہیں... بلکہ میں تو تمہیں سنسان سڑک سے اٹھا کے لایا تھا۔ وہاں گری رہتیں تو اچھی تھیں۔" ناراضی کا اظہار کیا۔

"ہاں... پڑا رہنے دیتے وہیں مجھے..." ایبہا پر اس کی اداکاری کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

"میری بیٹی آدھی رات کو کپڑوں کا بیگ لے کے گھر سے بنا بتائے بھاگ نکلے اور میں چپ چاپ دیکھتا رہوں، تھو ہے مجھ پر۔" اس نے ایک طرف تھوک کر بڑی مردانگی سے کہا۔ تو بہت کچھ ایبہا کے لبوں تک آیا۔ ڈبڈبائی نظروں سے اس "نام کے" باپ کو دیکھا اور پھر اس کے آگے کپکپاتے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے جانے دیں یہاں سے۔ سب مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔"

"ڈھونڈنے دو۔" مراد صدیقی نے گویا ہاتھ سے مکھی اڑائی۔ "ذرا انہیں بھی تو پتا چلے، مراد صدیقی کی بیٹی کو تنگ کرنے کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔"

بڑا غیرت مند تھا بے چارہ مراد صدیقی اپنی بیوی کو دھندہ کرنے پر مجبور کرنے والا اور بیٹی کو جوئے میں چند لاکھ کے بدلے داؤ پہ لگا دینے والا غیرت مند۔

"مجھے کسی نے بھی تنگ نہیں کیا تھا۔ میں بہت خوش تھی اپنے شوہر کے گھر میں۔" وہ روتے ہوئے اسے یقین دلا رہی تھی۔

"اچھا..." مراد نے اسے تمسخرانہ دیکھا۔ "تو آدھی رات کو فروٹ خریدنے جا رہی تھیں یا سبزی؟"

"پلیز... مجھے جانے دو۔ کیوں لائے ہو مجھے یہاں۔"

"ایسے تھوڑی جانے دیں گے چندا! تیرے گھر والے کو بھی تو ذرا پتا چلے مراد صدیقی کی بیٹی اتنی سستی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ جو جی چاہے سلوک کیا جائے۔"

وہ عورت اس کے پائنتی بیٹھتے ہوئے بولی۔ تو اس کے الفاظ پر ایبہا بھڑک گئی۔

"ہاں تب ہی بہت بھاری قیمت وصول کی تھی اس بیٹی کی انہوں نے۔" مراد نے اسے گھور کے دیکھا۔ جی تو چاہا الٹے ہاتھ کی گھما کے لگائے مگر پھر سرد مہری سے دانت پیس کر بولا۔

"پہلے تو وہ سالا مفت میں لے گیا تھا۔ قیمت تو اب لگاؤں گا۔ میں خود اپنی مرضی کی۔"

ایک باپ کے اپنی بیٹی کے لیے یہ الفاظ۔ ایبہا کے حواس ٹھٹھر گئے۔ جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس کے اندر سما جائے۔ قیامت کی نشانی تھی۔ رشتوں کا تقدس ختم ہو رہا تھا۔

"اور ہاں... یہ سلطانہ..." وہ اٹھتے اٹھتے کچھ یاد آنے پہ اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا تعارف کرانے لگا۔

"ذرا ادب اور دید لحاظ کے ساتھ رہنا۔ ماں ہے تیری۔" ایبہا کے دل میں کراہیت کا احساس بیدار ہوا۔ اپنی خوب صورت اور نازک سی ماں یاد آئی۔

محض ایک غلطی جس کی بدصورتی بن گئی تھی۔
مراد کے اٹھتے ہی ابیہا بھی جلدی سے چارپائی سے نیچے اتری۔ وہ کسی صورت ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔
وہ چیخے گی' چلائے گی۔ چھوٹے سے گھر سے آواز لازمی باہر جائے گی تو لوگ یقیناً" متوجہ ہوں گے۔
"آپ کو پیسہ چاہیے نا۔ وہ دے گا آپ کو۔ جتنا آپ کہیں گے' آپ مجھے ساتھ لے جائیں۔"
ابیہا نے تیقن سے کہا۔ اسے معیز کی آخری بدلتی نگاہ یاد تھی۔ وہ کہیں کا بادشاہ ہوتا تو اب کی بار ابیہا کے لیے اپنی سلطنت لٹا دیتا۔
"زیادہ ہوشیاری مت دکھا لڑکی۔ چپ چاپ ادھر پڑی رہ' جب تک تیرے گھر والے سے معاملہ طے نہیں ہو جاتا۔" سلطانہ نے اس کا بازو اپنی ظالمانہ گرفت میں اس طرح جکڑا کہ وہ بلبلا اٹھی۔
"دھیان رکھنا اس کا۔ باہر نکلنے نہ پائے۔" مراد کہتا ہوا باہر نکل گیا۔
"رکیں' ٹھہریں۔ آپ ایسے زبردستی مجھے یہاں نہیں رکھ سکتے... وہ لوگ پولیس بلوالیں گے۔"
وہ زور سے چیخی اور مزید چلاتی مگر سلطانہ کے زوردار الٹے جھانپڑ نے اسے الٹ کر چارپائی پر گرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی پیشانی چارپائی کے پائے سے ٹکرائی تو درد کی ایک شدید لہر نے اسے تڑپا دیا۔ اس نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ گھلتا محسوس کیا۔ سلطانہ کے تھپڑ نے اس کا ہونٹ پھاڑ دیا تھا۔ وہ بے بسی سی چارپائی پہ مڑی تڑی گٹھڑی بنی بلک بلک کے رونے لگی۔
سلطانہ نے جلدی سے باہر نکل کر دروازے کی کنڈی چڑھا دی مگر خوف زدہ ہونے کے بعد ابیہا میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اٹھ کے دروازہ بجانے کی کوشش کرتی۔
اندھیرے کمرے کو دروازے کی درزوں اور روشن دان سے آتی روشنی قدرے نیم تاریک بنا رہی تھی۔ پیشانی سے نکلتے خون کی چپچپاہٹ وہ اپنے ہاتھ پہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی' مگر فی الحال خوف اور بے بسی کا احساس اسے بے حس و حرکت رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خس کم جہاں پاک..." ابیہا کے لاپتا ہونے کی خبر سن کر سفینہ بیگم نے انتہائی اطمینان سے ہاتھ جھاڑے تو سب ہی کو تاسف ہوا۔
"بس کر دیں ماما۔ یہ لاحاصل نفرت' لاحاصل عداوت۔" معیز کو گہرا دکھ ہوا تھا۔
"وہ تو سمجھو اب ہو ہی گئی۔ اس لڑکی کے۔ "ہونے" ہی کی تو ساری لڑائی تھی۔" انہوں نے بڑی بے نیازی سے کہا تو وہ اٹھ کے ہی چلا گیا۔
"پھوپھو پلیز۔" عمر نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اور لجاجت سے بولا۔
"معیز بہت پریشان ہے۔ اور آپ اسے بجائے تسلی دینے کے..." ذرا سے لب بھینچ کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔
"لڑکی ذات ہے۔ آدھی رات کو گھر سے نکلی تھی۔ عون کی طرف نہیں پہنچ پائی۔ کچھ انتہائی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے دعا کریں اور معیز کو حوصلہ دیں۔"
"ارے ہٹو..." وہ تنفر سے بولیں اور اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا۔ "اپنی ماں کی تربیت لی ہے اس لڑکی نے۔ اس نے بھی یونہی کسی اور کو پھانس لیا تھا... معیز کو تو شکر ادا کرنا چاہیے اللہ کا کہ اس زبردستی کے بندھن سے جان چھوٹی۔"

ان کا انداز سابقہ ہی تھا۔ وہ سفینہ بیگم تھیں۔ اتنی آسانی سے بدلنے والی نہیں تھیں۔
"ہم ایسے لاتعلقی اختیار نہیں کر سکتے ماما۔! وہ اس گھر کی عزت ہیں۔" ایراز نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اسے گھورنے لگیں پھر قطعیت سے بولیں۔
"جو ہوا سو ہوا مگر آئندہ جو کچھ ہوگا' وہ میری مرضی سے ہوگا۔"
ایراز گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

اس کا موبائل بھی بیگ میں سے نکال لیا گیا تھا۔ ورنہ وہ کسی سے رابطہ کر لیتی۔ سلطانہ نے منہ بناتے ہوئے اس کے ماتھے پہ پٹی کر دی۔ سونے کی چڑیا تھی وہ... ورنہ سلطانہ کہاں کسی کی چاکری کرتی تھی۔
اگلے تین روز ایبہا نے اسی اندھیرے کمرے میں سوتے جاگتے' خوف سے ٹھٹھرتے گزارے۔ پتلے شوربے والے بدذائقہ کھانے اور کم چینی والی پانی پتلی چائے سے مراد صدیقی کے حالات کا اچھی طرح اندازہ ہوتا تھا۔ جب ہی وہ اس بار لمبا ہاتھ مارنے کے موڈ میں تھا۔ اللہ جانے شدید غربت نے نشے کی لت چھڑا دی تھی یا سلطانہ کے "عشق" نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔
"رحم کرو... اللہ کا واسطہ ہے تمہیں۔ مجھے جانے دو یہاں سے۔ جتنے پیسے کہو گی میں خود دلا دوں گی تمہیں۔ بلکہ میرے اپنے اکاؤنٹ میں پیسے ہیں۔ میں وہ بھی دے سکتی ہوں تم لوگوں کو۔"
تیسری رات جب سلطانہ نے دروازہ کھول کے اندر پیر رکھا تو وہ بلک اٹھی۔ سلطانہ کی آنکھیں چمکیں۔
"اچھا..."
"لیکن میری چیک بک گھر میں پڑی ہے۔ مجھے جانے دو' میں وعدہ کرتی ہوں کہ جو طے ہوگا' وہی کروں گی۔"
وہ جلدی سے بولی۔ تو سلطانہ سر جھٹک کر کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتی باہر نکل گئی اور دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔
"معیز..." ایبہا کی آنکھیں پھر سے ابل پڑیں۔ کتنی چاہت اور بے اختیاری سے اس نے بانہوں میں بھرا تھا۔ بھلا اب وہ ایبہا پر کوئی آنچ بھی آنے دیتا؟
تو پھر... تو پھر میں کیوں نکل آئی اپنی جنت سے باہر؟ اس کے دماغ میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔
اسے یاد آیا۔ کسی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے... مگر کس نے؟
اسے یاد کرنے میں دقت پیش آئی۔

☆ ☆ ☆

سفیر احسن' سفینہ بیگم کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ زرد پڑتی زارا کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دنوں میں وہ مرجھا گئی تھی۔
"تمہیں کیا ہو گیا ہے... اب تو آنٹی ماشاء اللہ سے ٹھیک ہیں۔"
سفیر نے اپنی بے چینی کو لہجے کی شگفتگی میں چھپاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تو وہ یونہی خاموش نگاہیں جھکائے انگلیاں مسلتی رہی۔
آنکھ کیسے ملاتی... کہ آنکھ سو کھتی ہی کب تھی۔ تو کیا وہ اس نمی کی تحریر کا مطلب نہ پوچھتا؟
"آنٹی...! مجھے زارا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔" وہ تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے سفینہ سے بولا۔

"کتنی بار اس سے کہا ہے کہ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ بستر سے اتر کر پورے گھر کا چکر لگا لیتی ہوں۔ ایسے ہی دل تھوڑا کیے رہتی ہے یہ۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے لانگ ڈرائیو کے لیے لے جاؤں؟"

سفیر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھئی۔ تمہاری چیز ہے اب۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے۔" سفینہ بیگم مسکرائیں۔ داماد انہیں بہت پسند تھا۔ تیسرا بیٹا لگتا تھا۔

"زارا۔ جاؤ بیٹا! کپڑے تبدیل کرلو۔ سفیر کے ساتھ چکر لگا آؤ باہر کھلی ہوا میں۔"

انہوں نے پیار سے گم صم بیٹھی زارا کو متوجہ کیا۔ تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا ہی پڑا۔

سفیر نے اس کے گم صم انداز اور بے رغبتی کو اچھی طرح محسوس کیا تھا مگر سبب سے وہ ناواقف تھا۔ گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھے سفیر کا موڈ قدرتی طور پر بہت خوش گوار تھا۔

ایک لمبے عرصے کے بعد وہ اس کے ہمراہ محو سفر تھی۔ تھوڑے دنوں بعد جو اس کی عروس بن کے دل و جاں معطر کرنے والی تھی۔ وہ اپنی سوچ پر بے ساختہ مسکرا دیا اور یونہی مسکراتے ہوئے زارا کی طرف دیکھا۔ وہ چہرہ موڑے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مگن تھی۔

"کیا بات ہے زارا.....! ناراض ہو مجھ سے یار! تو کھل کے کہو۔" وہ بڑے پیار سے بولا۔ زارا نے اس کی طرف دیکھا اور بجھے انداز میں مسکرا دی۔

"نہیں۔ آپ سے کیوں ناراض ہوں گی۔"

"تو پھر اس اداسی کی وجہ..... اس بے توجہی کا سبب؟ یہ میری زارا تو نہیں ہے۔" وہ قطعیت سے بولا۔ تو چند لمحے زارا نے خود پر ضبط کرنے میں لگائے مگر بے بس ہو گئی تو چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رو دی۔ وہ بوکھلا سا گیا۔

"ارے....." بے ساختہ گاڑی کی رفتار کم کردی۔ "کیا ہوا زارا.... فار گاڈ سیک۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔" وہ پریشان ہونے لگا۔ زارا کو بھی جلد ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہو گیا۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے تو سفیر نے ٹشو پیپر کے ڈبے میں سے دو چار ٹشو پیپرز کھینچ کر اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

"تھینک یو....." اس کی آواز مدھم تھی۔ چہرہ صاف کرنے لگی۔ سفیر اب خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا وقتاً فوقتاً اسے دیکھ رہا تھا مگر اب اور کچھ نہیں پوچھا۔ وہ چاہتا تھا زارا خود کھل کے اپنی پریشانی شیئر کرے۔

"بس یونہی دل پریشان سا تھا....." رندھی ہوئی بوجھل آواز میں زارا نے گویا صفائی پیش کی۔

"حالانکہ اب تو نہیں ہونا چاہیے۔ آنٹی بالکل ٹھیک ہیں۔" وہ برجستہ بولا۔ گویا اس دلیل کو مسترد کر دیا گیا تھا۔ وہ بے چینی سے بیگ کا اسٹریپ مسلتی گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ گویا بتانے یا نہ بتانے کی کشمکش میں ہو۔ پھر چہرہ موڑ کے سفیر کو دیکھا تو اس نے ایک سائیڈ پہ گاڑی روک دی۔

گاڑی سے باہر تیز دھوپ اور آگ برساتی زندگی تھی۔ تو نیو ماڈل گاڑی کے اندر اے سی کی کولنگ گویا تمام غموں کو اندر آنے سے روکے ہوئے تھی۔ اس کے متوجہ ہونے پر سفیر مسکرایا۔

"بولو۔ کیا بات پریشان کر رہی ہے تمہیں؟"

تب زارا نے ہمت کر کے ایبہا اور معیز کی زندگی کے واقعات سے آہستہ آہستہ پردہ اٹھانا شروع کیا۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے۔ یہ تم لوگوں کا خالصتاً "نجی معاملہ" ہے۔ مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں اور نہ ہی میں کسی قسم کا اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

سفیر نے ان دونوں کے نکاح اور پھر اسے سب سے چھپا کے رکھنے والی بات سن کر صاف گوئی سے کہا۔
"لیکن... مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے..." زارا کی زبان لڑکھڑائی۔ سفیر نے چونک کے اسے دیکھا۔ تو وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"ماما اسے کسی بھی حالت میں قبول نہیں کر رہی تھیں اور ڈاکٹرز نے ماما کو اسٹریس فری رہنے کا کہا ہے... تو میں نے اس سے ریکویسٹ کی... کہ وہ یہاں سے چلی جائے کیونکہ ابو کے بعد اب میں اپنی ماما کو نہیں کھو سکتی... اور وہ واقعی چلی گئی۔"
اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ تو سفیر کی آنکھوں میں تاسف اتر آیا۔
"بے وقوف ہو تم۔ معیز کو خود سے اپنی زندگی کا یہ معاملہ حل کرنے دیتیں، وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ انسان بہت اثر پذیر مخلوق ہے۔ منٹوں میں بدلتی ہے اس کی ذہنی اور قلبی ماہیئت۔ بس کسی کیفیت کا وارد ہونا شرط ہے۔"
"ہاں... اور اب بھائی اتنے پریشان ہیں کہ... لگ رہا ہے وہ ابیہا کو قبول کر چکے تھے لیکن میری بے وقوفی کی وجہ سے اسے کھو بیٹھے۔"
وہ مسلسل رو رہی تھی اور سفیر کا ضبط آزما رہی تھی۔
"کم آن زارا! میں تمہیں رلانے کے لیے تو باہر نہیں لایا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔ تو زارا نے جلدی سے چہرہ صاف کر لیا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"ہوں... گڈ گرل۔" وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔
"دیکھو... تمہارا جذباتی پن اپنی جگہ، تم نے اپنی ماما کی محبت میں اس سے اگر کچھ غلط کہہ بھی دیا تو وہ فیصلہ کرنے میں بااختیار تھی۔ سوچ سمجھ کے ہی قدم اٹھایا ہوگا اس نے۔ وہ چاہتی تو نہ جاتی۔" سفیر نے اسے شرمندگی کے حصار سے نکالنے کی سعی کی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ شرمندگی سے اوپر کی بات ہے۔
زارا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ آنسو روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ بھرائے لہجے میں بولی۔
"اسے ہم سے محبت ہو گئی تھی سفیر... جو کام نفرت نہ کروا سکی، وہ محبت نے کروا دیا۔"
اس کی بات سن کر سفیر چپ سا ہو گیا جبکہ زارا کا ضمیر اسے مسلسل ملامت کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ سوچ سوچ کے ہار رہا، مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ابیہا نے ایسا قدم کیوں اٹھایا۔ عون کی شادی والے روز اس نے قطعی انداز میں اس تعلق کو نبھانے اور یہاں سے کبھی نہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا... پھر میں بھی تو ہار مان گیا تھا ان روتی کرلاتی آنکھوں کے آگے پھر...؟
اور یہ "پھر" ہی حل نہ ہو پا رہا تھا۔
سفینہ بیگم کے رویے سے ڈر کے تو وہ گئی نہیں تھی۔ معیز جانتا تھا وہ سفینہ... کا اس سے بھی سخت اور کرخت رویہ جھیل چکی تھی۔ پولیس میں رپورٹ درج کرانے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔ ابھی تک ہر طرف جامد خاموشی تھی۔

اور ایسے میں معیز احمد کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ سیفی کے قبضے میں تھی تب بھی اسے تسلی تھی کہ کسی نہ کسی طور اسے وہاں سے چھڑوا ہی لے گا مگر اب تو اس نے کوئی نشان

ہی نہ چھوڑا تھا کہ اسے تلاشنے کی سعی کی جاتی۔
گزرے تین دنوں میں میڈم کے انتہائی اندر کے آدمی کو بھاری رقم دے کر وہ معلوم کر چکے تھے کہ وہاں کوئی بھی نئی لڑکی نہیں لائی گئی۔
تو پھر ایہا کہاں گئی؟
وہ اپنے بال نوچتا یا دیواروں سے ٹکریں مارتا۔ سب بے سود تھا... تو بے حس بن گیا۔
سمندر... گہرا۔ اوپر سے پرسکوت مگر اندر کیسا طوفان انگڑائیاں لے رہا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔ اسے یاد تھا تو بس ایک نرم و ملائم خوف زدہ... بے یقین سا لمس۔ جواب بھی سینے میں ایک ہلکی سی گرمائش کا احساس جگا دیتا تھا۔
اور کیسے وہ بے یقین آنکھیں اٹھی تھیں اس کی طرف جیسے تاقیامت معیز کی طرف سے اس التفات کی امید نہ تھی اسے۔ وہ ان آنکھوں کی حسرت اور بے یقینی یاد کرتا تو دل بے بسی بھری بے چینی کا شکار ہو جاتا۔ ایک ایسی بے چینی... جس کا چین حاصل کرنے کے لیے وہ بے بس تھا۔
ایک بھاگم دوڑ تھی جس کا وہ شکار ہو چکا تھا۔ سارا دن شہر کے ہاسٹلز اور دارالامان چیک کرتا اور شام کو اسپتالوں کے ایمر جنسی وارڈز۔ عمر، عون اور ایراز اس کی دیوانگی پر دم بخود تھے اور معیز کے اپنے اختیار میں تھا ہی کب کہ کسی سے چھپاتا۔ دل کی لگی اسے کیا سے کیا بنا گئی تھی۔
وہ شام ڈھلے آیا تو اس کا تھکا ہارا، نڈھال انداز اور ملگجا حلیہ... اس کے انتظار میں بیٹھی سفینہ بیگم کو طیش دلا گیا۔
"السلام علیکم..." وہ صوفے پر گر سا گیا اور اس کے چہرے پر اس قدر مایوس کن تاثرات تھے کہ چائے لاتی زارا کا دل گویا کسی نے مٹھی میں کر لیا۔ جب سے ایہا لاپتا ہوئی تھی، معیز کے چہرے کی مسکراہٹ گم گئی تھی۔
"کہاں سے آرہے ہو تم...؟"
سفینہ بیگم تیزی سے روبصحت تھیں۔ شاید جو ذہنی دباؤ تھا، وہ ایہا کے جاتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب بھی انہوں نے تیوری چڑھا کر پوچھا تو عمر نے چونک کر انہیں دیکھا پھر معیز کو جو سر صوفے کی بیک سے ٹکائے تھکے ہوئے انداز میں پیشانی کو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ یونہی مدھم لہجے میں بولا۔
"ایہا کو تلاش کرنے گیا تھا ماما۔"
"بس کرو معیز! خدا کے لیے اب یہ پاگل پن چھوڑ دو۔" وہ جیسے زچ آکر بولیں تو وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔
عمر نے بے اختیار سفینہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ زارا فوراً "چائے پیش کرنے لگی۔
"یہ لیں ماما۔ اور ذرا یہ کوکیز ٹرائی کریں۔ میں نے بالکل نئی ریسیپی (ترکیب) سیکھی ہے چینل سے۔" وہ بدقت تمام ان کی توجہ اپنی طرف دلاتے ہوئے خوش دلی سے بولی مگر وہ بڑی قطعیت سے معیز کی طرف متوجہ تھیں۔
"میری بیوی گم ہوئی ہے ماما! کوئی بلی کا بچہ نہیں۔" وہ تلخی سے بولا۔
"اٹس اوکے معیز۔ وہ مل جائے گی ان شاء اللہ۔" عمر نے اس کا دھیان اپنی طرف کرنا چاہا۔ "اور میری چھٹی بھی ختم ہو گئی ہے۔ اسی ویک کے اینڈ پہ واپس جانا ہے مجھے۔"
"ہاں... " وہ عجیب سی ہنسی ہنسا۔ "تمہارا مشن مکمل ہوا۔ چاہے کسی بھی صورت سہی۔" عمر ساکت ہوا۔ وہ معیز کے تلخ جملے کو اچھی طرح سے سمجھا تھا۔
"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ایہا کو جان لینے کے بعد میں نے ہمیشہ اس کی فیور ہی کی ہے۔ تم پہ تو وہ بہت بعد میں 'آشکار' ہوئی ہے۔"

عمر نے سنبھلتے ہوئے تیکھے لہجے میں اسے یاد کرایا۔

"دیکھو۔ بند کرو یہ سارا ڈرامہ۔ اب بھی تم لوگ اس کی گیم نہیں سمجھے....."

سفینہ بیگم نے اونچی آواز میں کہا تو وہ سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ یہی سب چاہتی تھی۔ دولت جائیداد' پیسہ۔ ہاتھ لگتے ہی کیسے اڑنچھو ہوئی' دیکھا۔ شوہر بھی یاد نہیں آیا اسے۔" وہ تنفر بھرے انداز میں ایبہا کی ذات کے پرخچے اڑاتے ہوئے بولیں تو معیز کو شدید صدمہ پہنچا۔

"اس کی ہر چیز یہیں ہے ماما! چیک بک تک نہیں لے گئی وہ تو' جائیداد کیا خاک لے جاتی ساتھ....."

زارا کو رونا آ گیا تھا۔

"تم چپ رہو۔ ایک بھائی کیا کم دیوانہ ہو رہا ہے' جو تم بھی اس کی حمایت میں نکل پڑیں۔"

"ماما! آپ کو کیا پتا' آپ کی بیماری کے دنوں میں اس نے کتنا خیال رکھا میرا۔ کتنا ساتھ دیا۔ کتنی دعائیں کیں آپ کے لیے۔"

"ہنہ..... یہ سب اس گھر میں گھسنے اور اس پہ قبضہ کرنے کے طریقے تھے اس کے۔ اور تم بے وقوف آ بھی گئیں اس کے ہتھکنڈوں میں۔" انہوں نے زارا کو گھورا۔

"ماما! اس نے اس گھر پر قبضہ کرنا ہوتا تو میرے ایک دفعہ منت کرنے پہ وہ یہاں سے چلی نہ جاتی۔" وہ بے اختیار بولی اور پھر رو دی۔

مگر وہاں تو گویا کوئی دھماکا ہی ہو گیا تھا۔ معیز نے بے یقینی' حد درجہ بے یقینی سے اپنی نرم دل بہن کو دیکھا۔ وہ ایبہا سے کتنی محبت سے پیش آنے لگی تھی ان دنوں میں۔

"لیکن مجھے ماما سے زیادہ پیار تھا۔ میں ماما کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے ماما ذہنی دباؤ کا شکار ہوتی تھیں تو میں نے اس سے کہا..... بھائی بھی تو اسے بسانے کو تیار نہیں تھے۔ میں نے سوچا یہی موقع ہے وہ اپنی زندگی جی سکے گی اور بھائی اپنی....."

زارا روتے ہوئے اعتراف جرم کر رہی تھی۔ عمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اور جس کی زندگی ہی میں بن گیا تھا زارا..... !اس کے لیے تم نے کیوں نہیں سوچا.....؟"

معیز کا لہجہ دکھ سے چور تھا۔ روتا کرلاتا۔ زارا کے رونے میں اور شدت آ گئی۔ وہ اب ٹھیک سے سمجھی کہ اس کا جرم کتنا بڑا تھا۔

"اللہ جو کرتا ہے' اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ اس میں بھی سب کی بہتری ہی ہو گی۔ بس اب صبر شکر کرو اور نارمل ہو جاؤ سب۔"

سفینہ بیگم نے اپنے غصے کو اندر دباتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں بات کو دوسری طرف گھمایا۔ معیز اٹھ کھڑا ہوا اور سرد لہجے میں بولا۔

"بالکل۔ آپ سب نارمل ہو جائیں' لیکن میں اپنی بیوی کو ڈھونڈ کر ہی چین سے بیٹھوں گا۔"

"سوری بھائی....." زارا بے چاری تو اس راز کو اندر رکھ رکھ کے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔ آج بے اختیار ہی اگل دیا تھا۔

معیز نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ رت جگوں اور ضبط کی لالی سے سجی آنکھیں زارا کا دل ہی تو چیر گئیں۔ وہ روتے ہوئے اٹھ کر بھائی سے لپٹ گئی۔

معیز نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"وہ تو پہلے ہی آزمائشوں میں گھری تھی زارا! تم نے اسی کو کیوں چنا.....؟ مجھے چلیں تو کوئی بات بھی تھی۔ وہ تو بتا بھی نہیں پائی ہوگی تمہیں اپنے دل کی بات۔ میں ہوتا تو بتاتا کہ وہ میرے لیے کیا ہوگئی ہے....."

وہ بڑے ضبط سے بولا پھر زارا کو پیچھے ہٹاتا لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تو وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

"آپ بھی دل سے کدورت ختم کردیں پھوپھو! وہ آپ کے لیے دعا کرتی رہی ہے۔ اس کی سلامتی کے لیے بھی دعا کریں۔ یقین کریں یہ دعا اور اس کی قبولیت آپ کے بیٹے کی سلامتی ہوگی۔"

عمر نے سفینہ بیگم کو سمجھایا تو انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ تاکہ اس کی ماں کی روح خوش ہوجائے کہ جو کام وہ نہ کرپائی وہ اس کی بیٹی نے کرلیا۔"

"اف....." عمر سر تھام کے بیٹھ گیا۔ "ہم لوگ زندوں تو کیا مرے ہوؤں کو بھی خوش نہیں کرسکتے۔"

"ماما پلیز۔ آپ بھائی کو تسلی اور ہمدردی نہیں دے سکتیں تو دکھ دینے والی بات بھی نہ کریں۔"

زارا بے بسی سے بولی۔ تو وہ گرجیں۔

"ایک تو میں تم لوگوں کی بے جا جذباتیت سے، بہت تنگ ہوں۔ بند کردو اس ڈرامے کو اب۔ دفع ہوگئی ہے وہ۔ سارا گھر دھلوایا ہے میں نے نذراں سے۔ ایک ایک شے کی جھاڑ پونچھ کروا کے ساری بیڈ شیٹس اور کورز تبدیل کرائے ہیں۔ اس کی نحوست دور کرنے کے لیے۔"

ان کا تنفر حد سے سوا تھا۔

بندے اگر تو جان لے کہ خدا کے نزدیک تکبر کس قدر بڑا گناہ ہے تو تو زندگی میں کبھی تکبر نہ کرے۔

لیکن ہم جاننے کی کوشش ہی کب کرتے ہیں؟

عمر گہری سانس بھرتا اٹھا۔

"کسی اپنے کی خوشی پورے گھر کی خوشی بن جایا کرتی ہے۔ پھوپھو! سوچئے گا اس بات پر۔"

وہ بھی چلا گیا تھا۔ سفینہ بیگم نے سر جھٹکا۔ پھر زارا کو ہلکا سا گھور کے دیکھا۔

"اور تم سے کس نے کہا تھا معیز کے سامنے اپنی بے وقوفی کا ڈھنڈورا پیٹو۔ ایسے تو میں یہی کہتی کہ وہ بھاگ گئی ہوگی کسی کے ساتھ۔ تم نے تو منٹوں میں اپنے سر جرم لے کر اس بدذات کو بری کردیا۔"

زارا نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ جی تو چاہا کان بھی بند کرلے مگر ماں کا ادب و لحاظ آڑے آگیا۔

سفینہ بیگم بڑبڑاتے ہوئے چائے اور کوکیز کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

☼ ☼ ☼

"جو یونہی گم ہوجائیں، وہ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں کسی ذریعے یا رابطے سے مل ہی جایا کرتے ہیں مگر وہ تو خود دنیا کی بھیڑ میں کھوجانے کہیں چھپ جانے کے ارادے سے نکلی تھی۔

تو تمہیں اب میں کہاں ڈھونڈوں ایبہا.....؟

وہ کھڑکی سے پار اندھیرے لان میں گھور تارات کی وحشت کو خود پر طاری ہوتا محسوس کررہا تھا۔

"میں اس قدر بے چین و مضطرب ہوں..... تو تم تو مجھ سے بھی پہلے اس "واردات" کا شکار تھیں جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے۔ تو تم نے کیسے کھودیا اپنی محبت کو؟ میں تو کبھی خود میں اتنی ہمت نہ جمع کرپاتا۔

کیا قیامت کردی تم نے زارا..... زندگی جینے سے پہلے ہی چھین لی مجھ سے۔

وہ بڑے جذب بھرے دکھ اور شدت سے اسے سوچ رہا تھا۔ وہ جو وہاں سے میلوں دور اندھیرے کمرے میں کھردری چارپائی پہ نڈھال اور بے بس پڑی تھی۔ جہاں معیز کے خیال کی رو بھی پہنچ نہ سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اب بس بھی کرو مراد.... !تنگ آگئی ہوں میں تمہاری اس لاڈلی کی خدمت گزاری سے۔"
سلطانہ نے عادتاً "منہ بگاڑتے ہوئے کھانے کے دوران مراد سے شکوہ کیا تو اس نے گھور کے سلطانہ کو دیکھا۔
"دیکھ رہا ہوں جو اس کی خدمت کر رہی ہے تو۔ سوکھ کے تنکا ہوئی جا رہی ہے۔" وہ طنز سے بولا۔
"تو میں کہاں سے مرغ بریانی لا کے دوں اسے۔ اور خود بھی کچھ نہیں کھاتی ہے وہ۔" سلطانہ بگڑی۔ تو مراد صدیقی ٹھنڈا پڑا۔
"دیکھ سلطانہ! اس کا پورا دھیان رکھ۔ اسے ایسے حالوں میں واپس کریں گے تو اس کا شوہر زندہ نہیں چھوڑے گا ہمیں۔"
"اسی لیے تو کہتی ہوں سوچ کیا رہا ہے۔ پیسہ لے اور اسے حوالے کر اس کے۔" وہ اسی انداز میں بولی۔ تو مراد صدیقی اس کے تیکھے لب ولہجے پر فدا ہو گیا۔
"ارے میری شہزادی! موقع دیکھ رہا ہوں بس۔ ذرا ڈھول بیٹھنے کا انتظار تھا۔ اس کے گھر والے نے اسے ڈھونڈنے کے لیے جو زور لگانا ہے لگا لے پھر میں رابطہ کروں گا اس سے۔"
"تو رابطہ کر کے تو دیکھ۔ اب تک تو اس کی دنیا زیروزبر ہو چکی ہو گی۔" سلطانہ نے اسے اکسایا۔
"چلو۔ صبح دیکھتا ہوں۔ اس کے موبائل میں نمبر ہے اس کے گھر والے کا۔" وہ مان گیا۔
"اس کا موبائل آن کرنے کی بے وقوفی بھی مت کرنا۔ سم آن ہوتے ہی پولیس تیری گردن آن دبوچے گی۔" سلطانہ نے کرختگی سے کہا۔
"اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں۔ کسی پی سی او سے فون کروں گا۔" مراد نے دانت نکوسے۔
"ہر دفعہ کسی الگ فون بوتھ سے۔ فلموں میں دیکھا ہے نا۔" وہ بھی بھرپور انداز میں مسکرائی۔
اندر دم سادھے لیٹی ایمہا نے ان کے پلان کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔
میرا موبائل.... ایک بار میرے ہاتھ لگ جائے تو.... نیند کی وادی میں ڈوبتا اس کا ذہن مسلسل ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔
سلطانہ نے اتنے دنوں سے اسی اندھیری کوٹھڑی کو اس کا مقدر بنا رکھا تھا۔ محض باتھ روم کے استعمال کے لیے اسے بازو سے دبوچ کے ساتھ لے جاتی۔ اس کے علاوہ اسے باہر نکل کے ایک بھی سانس لینے کی اجازت نہ تھی۔
اس کی آنکھ کھٹاک کی آواز سے کھلی۔ روشنی کا تیز جھماکا اس کے چہرے پہ پڑا۔ تو اس نے بے اختیار آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ کئی ثانیے گزرے مگر اندر کوئی نہیں آیا۔
ہوا کے زور سے کھلنے والا دروازہ اب ہلکے ہلکے ہل رہا تھا۔ دھوپ کی لکیر بڑھتی اور کم ہوتی رہی۔
کچھ خیال آنے پہ وہ بہ سرعت اٹھی۔ ساری کمزوری اور نقاہت کہیں دور جا سوئی تھی۔ اس نے دروازے کو آہستہ سے کھولا اور باہر جھانکا۔ چھوٹا سا صحن خالی تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی۔ اس کے کان چوکنے خرگوش کی طرح کھڑے تھے۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ بھی چوپٹ کھلا تھا اور وہاں کوئی نہ تھا۔
(تو کیا سلطانہ اور مراد کو ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑ گیا تھا؟)
اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ اونچی دیواروں والا صحن۔ چھت پہ جانے کو کوئی سیڑھی نہ تھی ورنہ وہ چھت پر چڑھ کے ہی شور مچا دیتی۔ باہر کا دروازہ دھڑ دھڑانے کا بھی کچھ فائدہ نہ تھا۔ یقیناً "باہر تالا لگا ہو گا۔ آبادی سے ہٹ کے یہ مکان تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں آئی اور تیزی سے ادھر ادھر ہاتھ مار کے چیزیں الٹ پلٹ

کرنے لگی۔

جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی۔ ایبہا کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ یہ اس کا موبائل فون تھا۔ جو کہ آف تھا اس نے پاور کا بٹن لمحہ بھر کو پریس کیا تو اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ موبائل کی بیٹری چارج تھی۔ موبائل آن ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے معیز کا نمبر ملایا۔ اسی وقت باہر کے دروازے پر کھٹکا ہوا۔ تالا کھل رہا تھا۔ اس کے بعد کنڈی کھلنے کی آواز۔ ایبہا کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"معیز.... معیز.... فون اٹھالو پلیز...."

وہ کرب سے بڑبڑائی۔ سلطانہ اور مراد صدیقی آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ اسی وقت دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی۔ ایبہا کے اندر جیسے نئی توانائی بھر گئی۔

"معیز...."

"ایبہا.... کہاں ہو تم....؟ پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہوں میں تمہیں ہر جگہ...."

ان دونوں کی ایبہا پر نگاہ پڑ چکی تھی۔ غصے اور کرختگی نے ان کے چہرے بگاڑ دیے۔ ایبہا پر وحشت سی طاری ہو گئی۔ وہ دونوں ایک جست میں اس تک پہنچے تھے۔

"معیز میں.... مجھے اس نے اغوا کیا ہے...."

وہ تعین نہ کر پائی کہ مراد صدیقی کا "تعارف" نام سے کرائے.... یا رشتے سے؟

"کون.... کون ہے وہ....؟" معیز نے تیز لہجے میں پوچھا اور ابھی وہ بولنے ہی لگی تھی کہ مراد صدیقی نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا اور آف کر دیا۔ سلطانہ نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

"معیز.... معیز.... میری بات کرا دو اس سے.... معیز!" وہ چیخی اور پھر چیختی ہی چلی گئی۔

"تیرا ستیاناس حرام خور۔"

سلطانہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ ایبہا شاید خواب میں چیخ رہی تھی۔ اسے گالیوں سے نوازتے ہوئے تلملا کر سلطانہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر رکھ دیا تو گھٹن کے مارے ہاتھ پاؤں مارتی وہ حواس کی دنیا میں لوٹی۔ تکیہ اٹھا کے پرے پھینکا۔

"کیا بات ہے کمبخت۔ کیوں چیخے جا رہی ہے۔" سلطانہ غرائی۔

مدھم روشنی میں اس کے مردانہ نقوش بہت بھدے لگ رہے تھے۔ ایبہا کو اس سے خوف محسوس ہوا۔ پسینے میں شرابور جسم اور دھونکنی کی طرح چلتا سانس، وہ یقیناً "خواب" ہی دیکھ رہی تھی۔

مگر معیز کی پکار ابھی تک اس کی سماعتوں میں تازہ تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات لگتی تھی۔ وہ سیڑھیوں کے کنارے تک اس کا نام پکارتے ہوئے اس کے پیچھے آیا تھا۔ رشتہ جڑنے کے اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے دل سے اتنی بے تابی کے ساتھ ایبہا کو پکارا تھا۔ تو اب روز رات کو اسے بدل بدل کے خواب آتے جس میں معیز اسے اتنی ہی بے قراری سے پکارتا تھا۔

سلطانہ پھر سے اونگھ گئی تو ایبہا نے دبی سسکاری بھری۔

تو آج پھر یہ ایک خواب ہی تھا....

☼ ☼ ☼

رباب تو معیز کی حالت دیکھ کر دنگ ہی رہ گئی۔

"اس لڑکی کو تو عادت ہے ان ڈراموں کی معیز! اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" وہ حسب عادت

زہرا گلنے سے باز نہیں رہی تھی۔ معیز نے بہت ناگواری سے اسے دیکھا۔ تو زارا جلدی سے کچن سے آئی۔

"آؤ رباب! میں تمہیں ڈریسز دکھاؤں۔ کیا کمال کلیکشن آئی تھی "پہناوا" پر۔ تمہارے لیے بھی دو سوٹ لیے ہیں میں نے۔"

وہ جیسے زبردستی اٹھ کے زارا کے کمرے میں آئی۔ ورنہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"یہ معیز کس خوشی میں اسے ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ دفع ہو گئی ہے تو ہونے دو۔"

رباب کی سوئی ابھی تک وہیں پر اٹکی تھی۔ پیکٹ میں سے سوٹ نکالتے ہوئے زارا کا ہاتھ رک گیا۔ اسے دھیان آیا۔ رباب کا انداز گفتگو بالکل سفینہ...... جیسا تھا۔

"ایک انسان لاپتا ہوا ہے رباب..... اسے ڈھونڈنا ہمارا فرض ہے۔" زارا نے تحمل سے کہا۔ رباب نے تیوری چڑھائی۔

"ایک بالغ انسان اپنی مرضی سے کہیں چلا جائے تو اس کے پیچھے اس کی تلاش میں نکل جانا عقل مندی نہیں کہلاتا۔"

"انسان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے رباب! اور ویسے بھی وہ یہاں سے عون بھائی کے گھر جانے کے لیے نکلی تھی مگر وہاں نہیں پہنچی اور آج پانچواں روز ہے۔" زارا کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی رندھ سی گئی۔

"سو واٹ یار..... " وہ زور دیتے ہوئے بولی۔ "نہیں رہنا چاہتی ہو گی وہ یہاں۔ اور ہو سکتا ہے کسی کے ساتھ اس کا کوئی چکر وغیرہ ہو۔ پہلے بھی وہ کالج سے غائب ہو گئی تھی۔ ہاسٹل بھی چھوڑ دیا تھا بنا بتائے۔" رباب نے آرام سے کہا تو زارا کے سر میں درد شروع ہو گیا۔

"تب بھی اس کے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا تھا۔ بھائی اچھی طرح واقف ہیں اس کی ہسٹری سے۔"

"معیز کو اس کی ہسٹری میں بڑی دلچسپی ہے۔" رباب نے طنز کیا۔ تو لہجہ تلخ تھا۔ زارا گڑبڑائی۔

"ہاں..... ہے دلچسپی پھر.....؟" معیز دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سپاٹ لہجے میں بولا تو زارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

رباب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ عجیب بے اعتنائی کے موڈ میں تھا۔ اس سے بہت دور ایک اجنبی سا معیز احمد۔

"بہت خوب..... " سنبھلتے ہوئے رباب نے سینے پہ بازو لپیٹے اور طنزیہ نظروں سے معیز کو دیکھا۔ "اس دلچسپی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں میں؟" تلخی سے پوچھا۔

زارا کا دل گویا منہ کو آنے کو تھا۔ وہ ایک ٹک معیز کی آنکھوں میں اترتی سرخی اور سرد تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔

"ہے وجہ..... لیکن میرا نہیں خیال کہ میں تمہیں بتانے کا پابند ہوں۔" وہ اسی سرد مہری سے بولا۔

"تم میری انسلٹ کر رہے ہو معیز۔" رباب نے غصیلے لہجے میں کہا تو زارا نے بات سنبھالنے کی غرض سے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ایسا کچھ نہیں ہے رباب! بھائی ڈسٹرب ہیں ابیہا کی گمشدگی کی وجہ سے....."

"وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔ کافی "ڈسٹرب" ہیں اس کی وجہ سے۔" وہ طنز و تمسخر سے بھرپور لہجے میں بولی تو معیز نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ ہوں ڈسٹرب۔ تو پھر.....؟" رباب تلملائی۔

"تو پھر یہ کہ تم اتنے عرصے سے میرے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے ہو.....؟"

"وہی۔ جو تم چاہتی تھیں۔ دوستی کا ہاتھ تم نے بڑھایا تھا میں نے نہیں۔" وہ آرام سے بولا اور اسے جتا بھی دیا۔

"اونہہ... مجھے بہت پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا جب تم مجھے اس سے کمپیئر کرتے تھے۔" وہ پھنکاری۔

"ہاں... اور مجھے بھی لیکن افسوس۔ مجھے سمجھنے اور جاننے میں دیر ہو گئی۔" معیز کا لہجہ رباب کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا، مگر زارا کا تو دھاڑیں مار کے رونے کو جی چاہا۔ اس کے جان سے پیارے بھائی کی زندگی تباہ ہو گئی تھی۔

"مگر تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جیسے اس نے "سات پردوں" میں رہ کے تمہیں پھانس لیا تھا ویسے ہی کسی اور کو پھنسا کے نکل گئی ہوگی۔"

رباب کی تو زبان کے آگے خندق بلکہ کھائی تھی۔ معیز کا وجود جیسے شراروں سے بھر گیا۔

"اسے نہ تو کسی اور کو پھانسنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے۔"

"اس کلاس کی لڑکیاں..."

رباب نے کہنا چاہا تو معیز دانت پیستا دو قدم آگے بڑھ آیا اور اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"تم جو زبان استعمال کر رہی ہو وہ بھی کسی اچھی کلاس کو پورٹریٹ نہیں کر رہی رباب۔" رباب تلملا اٹھی۔

"تم میرا اور اس کا مقابلہ کر رہے ہو؟"

"پہلے تو میں یوں ہی کہا کرتا تھا رباب..." وہ بے ساختہ کہتے ہوئے رکا۔ پھر دکھ سے بولا۔ "مگر اس کا اور تمہارا واقعی کوئی مقابلہ نہیں۔"

"تم میری انسلٹ کر رہے ہو معیز۔" رباب نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔

"اور تم میری بیوی کی..." وہ جتانے والے انداز میں اس قدر اچانک بولا کہ جہاں زارا کا سر چکرایا وہیں رباب کے سر پہ گویا پوری چھت ہی آن گری۔

"ک... کون؟" رباب نے تحیر اور بے یقینی سے معیز کو دیکھا۔

"دراصل رباب... میں نے بتایا تھا نا ہمارے فیملی ریلیشنز ہیں ایمہا کی امی سے... تو ابو نے جذباتی ہو کر اپنے انتقال سے پہلے بھائی اور ایمہا کا نکاح کروایا تھا۔ حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے۔ بھائی کی تو مرضی ہی نہیں تھی۔"

زارا سے بات سنبھالی نہ جاتی تھی۔ رشتہ ہی ایسا تھا اس سے۔ مگر معیز بالکل پرسکون تھا۔ جیسے کوئی بہت صحیح فیصلہ کر لیا ہو۔

اور رباب... یک لخت وہ ڈھیری بن گئی جس پہ ایمہا نے فتح کا پرچم ٹھونک دیا تھا۔ رگ رگ میں گویا تیزاب دوڑ اٹھا۔

"اور تم... تم مجھ سے فلرٹ کرتے رہے۔" وہ پھنکاری تھی۔ یوں جیسے ابھی معیز پر جھپٹ پڑے گی۔

"دوستی کا ہاتھ تم نے بڑھایا تھا رباب! میں تو کافی عرصہ تک اگنور کرتا رہا تھا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تو وہ چیخی۔

"تم مجھے اپنے نکاح کا بتا دیتے تو میں پیچھے ہٹ جاتی۔"

"تم پھر بھی نہ ہٹتیں کیونکہ تب تک میں اس نکاح کو مانتا ہی نہیں تھا، تو تم کیسے مان لیتیں۔" اس کی آنکھوں میں تاسف تھا اور لہجے میں اپنے لیے پشیمانی۔

"تم نے میرے ساتھ بلف (دھوکا) کیا ہے۔ گیم کھیلا ہے میرے ساتھ۔ جس میں تمہاری بہن بلکہ تمہاری پوری فیملی انوالوڈ (شامل) ہے۔" رباب نے تیز نظروں سے زارا کو گھورتے ہوئے غصے سے کہا۔

وہ تو خود معیز کو جھٹکا دینے والی تھی۔ اسے ٹھکرا کر اس پر سیفی کو ترجیح دیتی تو وہ کیسے تڑپتا۔ کیسے اس کی منتیں کرتا۔ مگر ادھر تو کھیل ہی اور چل رہا تھا۔ رباب کی باری آئی نہیں تھی اور اس کے سارے کے سارے مہرے پٹ بھی گئے۔

"زارا کو اس معاملے میں مت گھسیٹو۔ اس نے تمہیں مجھ سے دوستی کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ یہ تمہارا ذاتی فیصلہ تھا۔ تمہیں یاد ہے نا۔ وہ رانگ کالز' جو تم مجھے کیا کرتی تھیں؟"

معیز نے سرد لہجے میں کہا تو زارا کے سامنے اس پر گھڑوں پانی پڑا۔

"مگر تم لوگوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" وہ تلملائی' پھنکارتی ہوئی زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی وہاں سے نکلی تھی۔ زارا سر تھام کے بیٹھ گئی۔

"رباب.... رباب...." معیز لاؤنج میں آیا تو سفینہ اسے آوازیں دیتی لاؤنج کے دروازے تک گئیں۔ مگر وہ ان کے احترام میں بھی نہیں رکی۔ سفینہ غصے سے واپس آئیں۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم لوگوں نے.... کیا کہا تھا رباب سے تم نے؟" انہوں نے معیز سے پوچھا۔

"ایبہا کے متعلق بتایا ہے اور بس...." وہ اطمینان سے بولا تو سفینہ بیگم کے پیروں تلے جیسے انگارے بچھ گئے۔

"بس...." وہ تلملائیں۔ "یہ بس ہے نان سینس؟ جانتے نہیں ہو' زارا سے اس کا کیا رشتہ ہے اور فیوچر میں وہ اس گھر کی بہو بننے والی ہے۔"

"اسے بھی یہ ہی غلط فہمی تھی ماما! مگر آج میں نے اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی ہے۔"

اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ سفینہ بیگم کو طرارہ آیا۔

"بکواس مت کرو معیز! میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' جو تمہارا باپ کر گیا تھا وہی کافی ہے ہماری بدنامی کو۔ اب اس گناہ کی پوٹ کو اپنے سر پہ مت لادو۔ دفع ہو گئی ہے تو ہاتھ جھاڑ لو تم بھی۔"

معیز کی رنگت مارے ضبط و برداشت کے سرخ ہوگئی۔ "ماما پلیز۔۔۔" وہ انہیں اونچی آواز میں ٹوک گیا اور بس۔ اس سے زیادہ نہ مذہب اجازت دے رہا تھا اور نہ ہی ڈاکٹر۔

"میری ایک بات کان کھول کے سن لو معیز! میں اس گھر میں اس لڑکی کے قدم برداشت نہیں کر سکتی۔ جس کی غیر موجودگی میں تباہی مچ رہی ہے' اس کی موجودگی تو میرا گھر توڑ کے رکھ دے گی۔" سفینہ بیگم نے قطعی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ معیز کا جی چاہا انہیں بتائے۔ ماں وہ تو اپنا بنانے والوں میں سے ہے۔ توڑنے نہیں جوڑنے والوں میں سے ہے۔ اس گھر کی خوشی کی خاطر جو اپنی جان کی پروا کیے بغیر یہاں سے نکل گئی تھی۔ آپ کا گھر' پیسہ اور بیٹا بھی چھوڑ کر۔

معیز کے لب لرزے۔ اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ وہ وہیں سے چپ چاپ پلٹ گیا جبکہ سفینہ بیگم مارے غصے کے کتنی ہی دیر بڑبڑاتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ کے بس میں ہوتا تو وہ زمین کھود کے ایبہا کو کہیں سے برآمد کر لیتی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ کہ کوئی بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ سنسان سڑک سے جانے کون اسے کہاں لے گیا تھا۔ اس معصوم اور بے ریا لڑکی سے ثانیہ کا بہت پیار کا تعلق رہا تھا۔ وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی۔ بہت آزردہ سی سوچوں کا شکار تھی جب عون جان بوجھ کر دھڑام سے اس کے پاس گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔

ثانیہ نے چونک کر بازو ہٹایا۔

"تم سو رہی تھیں؟" عون نے جیسے بے یقینی سے پوچھا تو اس کے انداز پر ثانیہ چڑ کر بولی۔

"نہیں۔۔۔ موٹر سائیکل چلا رہی تھی۔"

"ہاں بھئی۔۔۔ تم سے کچھ بعید نہیں۔ تم تو موت کے کنویں میں بھی موٹر سائیکل چلا سکتی ہو۔" عون نے متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلایا تو ثانیہ نے تکیہ اٹھا کے اسے دے مارا۔ وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"تنگ مت کرو عون۔ میرا دل ایبہا کے لیے بہت پریشان ہے۔" وہ پھر سے اداس ہونے لگی۔

"حقیقت ہے' مرے ہوئے پہ صبر آ ہی جاتا ہے' مگر زندہ انسان کھو جائے تو کسی پل چین نہیں ملتا۔" کہیں سے ایک خبر' ایک خیر کی آواز۔ دل ترستا ہی رہتا ہے۔

"دعا کرو اس کی خیریت کے لیے اور بس۔۔۔" وہ بھی سنجیدہ ہو گیا' پھر بتانے لگا۔

"معیز بھی بہت پریشان ہے۔ بہت خراب حالت ہے اس کی' میں تو حیران ہوں دیکھ کر۔"

"ہونہہ۔۔۔ اب کیا فائدہ؟ جب موجود تھی تب تو اسے دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔" ثانیہ کو غصہ آیا تو تلخی سے بولتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"اچھا۔۔۔ یعنی کافر کو ساری عمر کافر رہنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ تو اللہ کو مانتا ہی نہیں تھا پہلے۔" عون نے بھی طنز کی مار ماری۔

ثانیہ نے سر جھٹکا اور بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی۔

"بے وقوف۔ پہلے کو چھوڑو اور اب کی بات کرو۔ وہ مان گیا تھا اس کی حیثیت کو۔ معافی بھی مانگ لی تھی اس نے ایبہا سے' پھر بھی وہ چلی گئی۔" عون نے نرمی سے بتایا۔ تو ثانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"معیز نے خود بتایا ہے مجھے۔" عون نے اس کی نظروں کی زبان سمجھتے ہوئے وضاحت کی پھر ساتھ ہی وجہ بھی بتادی کہ ایمہا کس طرح اور کن حالات میں گھر سے نکلی تھی تو ثانیہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔
"یا اللہ۔ یہ پوری فیملی تو امتحان لینے پہ اتری ہوئی ہے' اس کی بے بسی اور بے کسی کا۔"
"اللہ بہتری کرے گا ان شاء اللہ۔" عون نے اس کا سر اپنے شانے سے لگالیا۔
ایک عورت کا گم ہو جانا' پورے گھرانے کی عزت جانے کے مترادف ہے۔
اور اس وقت وہ سب اسی کیفیت کا شکار تھے۔

☆ ☆ ☆

عمر آج واپس جارہا تھا۔
"وہ صحیح معنوں میں ایک بہترین لڑکی ہے معیز! چاہے جیسے بھی حالات ہوں' اسے تنہا مت چھوڑنا۔ پھپھو کو منالینا۔ اولاد کو بہت سے طریقے آتے ہیں والدین سے بات منوانے کے۔ تم بھی کچھ ایسا ہی فارمولا آزمانا۔ میں جا کے تم سے رابطہ رکھوں گا اور ایمہا کے لیے بہت دعا کروں گا۔" جاتے ہوئے اس نے معیز سے کہا تھا۔ ایراز اسے ایئرپورٹ چھوڑنے جارہا تھا۔
آج ساتواں روز تھا۔ اب تو معیز کو یہ سب طفل تسلیاں لگنے لگی تھیں۔
"وہ مل جائے گی' وہ آجائے گی' کب؟ ابھی کیوں نہیں' ابھی میں پلکیں جھپکوں اور وہ نم آنکھیں لیے میرے سامنے ہو۔ مجھ سے لڑے جھگڑے.... میں آپ کی زندگی سے کبھی نہیں جاؤں گی اور جس کی زندگی ہی آپ ہو گئے ہوں' اس کا کیا؟"
وہ تھکے ہارے انداز میں سیڑھیاں طے کر رہا تھا اور کانوں میں گویا ایمہا کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کا دل درد کے مارے پھٹ جانے کو تھا۔
زندگی کا ہاتھوں سے نکلنا کیسا ہوتا ہے' یہ اس پل معیز پر آشکار ہو رہا تھا۔
وہ آخری سیڑھی پر پہنچا تو اس کے کانوں میں ایک جانی پہچانی آواز گونجی۔
اس کا پژمردہ ہوتا ذہن چونکنا ہوا۔
یہ اس کے موبائل کی کالنگ ٹیون تھی۔ جو اس نے ایمہا کی کال کے لیے پچھلے دنوں سلیکٹ کی تھی کہ شاید وہ اسے کبھی کال کرے۔ وہ بے اختیار اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ بیڈ پہ پڑے موبائل کی اسکرین روشن تھی اور وہ مخصوص کالر ٹیون بج رہی تھی۔
معیز نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا تو "ایمہا کالنگ" کے الفاظ دیکھ کر اس کا دل بے ترتیب ہوا۔
"ہیلو.... ایمہا؟" اس قدر بے تابی' بے قراری سے اس نے تصدیق چاہی کہ میلوں دور موبائل کان سے لگائے ایمہا کا وجود سنسنا اٹھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔
"معیز.... معیز...." وہ اسے پکارتے ہوئے بے اختیار روئے چلی گئی۔
"ہیلو.... ہیلو۔" معیز نے یک لخت لائن منقطع ہوتی محسوس کی تو وہ بے اختیار پکارتا چلا گیا۔ مگر دوسری طرف جامد خاموشی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

وہ کئی دنوں سے تاک میں تھی۔ اس کا موبائل واحد امید تھا جو اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ معیز کو مدد کے لیے پکار سکتی اور جب سلطانہ نے معیز کا نمبر مراد صدیقی کو دینے کے لیے موبائل نکالا تو واش روم سے واپس آتی' ایبہا نے کن انکھیوں سے اسے موبائل واپس دروازے سے لٹکتے تھیلے میں گھسیڑتے دیکھ لیا اور آج جب اسے موقع مل ہی گیا کہ وہ جلدی سے معیز کا نمبر ملا کر اسے مدد کے لیے پکار لیتی تو حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

جانے کہاں سے آکے سلطانہ نے چیل کی طرح جھپٹا مار کے اس سے موبائل چھین لیا' بلکہ اس کے ساتھ ہی ایبہا کی بھی شامت آگئی۔ منہ سے گندی مغلظات بکتے ہوئے اس نے ایبہا کو مردانہ وار مارنا شروع کیا تھا اور وہ ٹھٹھرتے حواس لیے بے بسی سے پٹتی اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

وہ ادھر اُدھر دیکھتا' بہت محتاط انداز میں فون بوتھ کی طرف بڑھا تو دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیب سے معیز کے موبائل نمبر والی پرچی نکال کر اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ نمبر ملانا شروع کیا اور اسے حیرت نہیں ہوئی' جب اگلی ہی بیل پہ کال اٹینڈ کرلی گئی۔

"ہیلو۔" مراد صدیقی کھنکھارا۔

تیئسویں قسط

"کون... معیز احمد...؟"

"جی... آپ کون بول رہے ہیں؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"تعارف کو چھوڑو اور میرے سوال کا جواب دو... اپنی بیوی کے بدلے میں تم کتنی رقم دے سکتے ہو؟" ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ دبے ہوئے مگر سختی سے پُر لہجے میں بولا تو معیز کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

"ایبہا... تمہارے پاس ہے؟" وہ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔ پھر تیز لہجے میں بولا۔

"کون ہو تم... کیوں مان لوں میں کہ ایبہا تمہارے پاس ہے؟"

"ماننا تو تمہیں پڑے گا منے... اور ہاں... زیادہ ٹائم نہیں دوں گا میں... اتنے غریب تو نہیں ہو کہ تمہیں رقم کا "بندوبست" کرنے کی ضرورت پڑے۔" وہ غرایا تھا۔

"دیکھو... تم جو کوئی بھی ہو... پہلے ایبہا سے میری بات کرواؤ۔ بس ایک بار مجھے اس کی آواز سنوا دو۔" معیز نے چلا کر کہا۔ اسے خوف لاحق ہوا کہیں وہ کال کاٹ نہ دے۔

"وہ بھی کرواؤں گا' مگر تم کل شام تک پچاس لاکھ میری بتائی ہوئی جگہ پر پہنچاؤ گے۔"

مراد صدیقی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی' شکار کی تڑپ "زندگی" سے اس کی محبت کا پتا دے رہی تھی۔

"اوکے... ڈن... لیکن اُسے ایک خراش بھی نہیں آنی چاہیے۔ میں تمہیں جہاں کہو گے' وہاں رقم پہنچا دوں گا۔" معیز نے تیزی سے کہا۔

"اور پولیس کو اس معاملے میں ملوث کرنے کا مطلب تو تم اچھی طرح سمجھتے ہو گے؟" اس کے لہجے میں مخفی دھمکی کو معیز نے اچھی طرح سمجھا تھا۔

"تم بے فکر رہو... لیکن تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔" معیز کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے اغوا کار اپنا غصہ ایبہا پر نکالتے۔

"ہاں... ہاں... تم بے فکر رہو۔"

"کس جگہ رقم پہنچانی ہے؟" معیز نے پوچھا۔ ایبہا کے ملنے کی امید بندھی تو وہ ایک لمحے کو بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا کہ رقم دینی چاہیے یا نہیں۔

"وہ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔"

"مگر اس سے پہلے تم ایک بار ایبہا سے میری بات کرواؤ گے۔" معیز نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں... مگر پچاس لاکھ سے ایک پائی بھی کم نہ ہو اور پولیس کو بھنک بھی پڑی تو... ساری عمر بیوی کی شکل کو ترسو گے۔"

وہ سفاکی سے بولا اور اگلی بات سنے بغیر ریسیور کریڈل پر ڈال کر تیزی سے فون بوتھ سے نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھتا جلدی سے گلی میں گھس گیا۔

✲ ✲ ✲

"بڑی بے غیرت ہے۔ ذرا ترس نہیں آتا تجھے اپنے باپ پر... اس کی غریبی پر...." اسے مارتے مارتے تھک کر سلطانہ چیخی تھی۔

وہ لمبے سانس لیتی بے دم سی پڑی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ معیز کی پکار ابھی اس کی سماعت میں تازہ تھی۔ تو کیا وہ پیاری آواز اب وہ کبھی سن نہ پائے گی۔

"نہ تیری ماں نے اسے سکھ دیا اور نہ ہی تو دے گی۔ ٹیکسی چلا کے گزارہ کر رہا ہے بے چارہ۔" ان دونوں کی بے چارگی کی کوئی حد نہ تھی۔

"اب فاقوں پہ آئے گا تو تجھے ہی بیچے گا نا۔"

سلطانہ نے سارا الزام اس کے سر تھوپا۔ تب ایبھا نے نفرت سے اس بدرنگی عورت کو دیکھا اور زہرخند لہجے میں بولی۔

"تو تجھے کیوں نہیں بیچتا۔" اسے جواب میں گالیوں اور مار کی امید تھی، مگر سلطانہ نے دفعتاً" اونچا سا قہقہہ لگایا۔ پھر محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

"یہاں چمڑی کا دام چلتا ہے، سمجھی۔" ایبھا کو بے اختیار حنا یاد آئی تو اس نے جھرجھری سی لی۔

"چپ چاپ اس گھر میں پڑی رہ۔ ورنہ میں اپنی کرنی پہ آئی تو مراد صدیقی بھی تجھے نہیں بچا پائے گا۔ ایسی جگہ سے تیرے دام کھرے کروں گی۔"

سلطانہ نے اسے دھمکایا تو لب و لہجے میں کچھ کر گزرنے کی سنگینی تھی۔

"شکر کر، تیرے گھر والے سے ہی تیرا سودا کر رہا ہے وہ۔"

واقعی۔ اس پر سجدہ شکر واجب تھا۔ ورنہ وہ اسے اِدھر اُدھر کر دیتے تو وہ کیا کر لیتی۔

مراد صدیقی گھر لوٹا تو اس کی چال ڈھال میں سرمستی سی تھی، مگر نیل پڑے چہرے کے ساتھ گم صم بیٹھی ساکت و جامد ایبھا کو دیکھ کر اس کی ساری مستی ہرن ہو گئی۔

لمحہ بھر ششدر رہنے کے بعد وہ دانت پیستا باورچی خانے کی طرف بڑھا جہاں سلطانہ کے گنگناتے ہوئے برتن دھونے کی آواز آ رہی تھی۔

"الو کی پٹھی۔ بدذات، کمینی عورت۔ تجھے منع کیا تھا میں نے۔ (تھپڑ) ہاتھ نہ لگا یو اب کے اسے۔ پھر مارا تو نے اسے (تھپڑ۔)"

ایبھا بے تاثر سی ان کا جھگڑا سنتی رہی۔

دو تھپڑ کھانے کے بعد سلطانہ نے دبنے کے بجائے جواباً" مردانہ وار مغلظات بکنی شروع کیں تو ایبھا نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

مراد نے اسے اسٹیل کا گلاس کھینچ مارا۔ سلطانہ اب اونچی آواز میں روتے ہوئے بول بھی رہی تھی۔

"تیری ہی راہ میں روڑے اٹکا رہی تھی۔ اپنے خصم کو فون ملا رہی تھی تیری ہوتی سوتی۔ وہ پولیس لے کے آتا تو پتا چلتا تجھے۔ سلطانہ کا دم ہے جو آزاد پھر رہا ہے تو۔"

مراد دھیما پڑ گیا۔

"دیکھ سلطانہ۔ میری بیٹی ہے اس لیے تھوڑی طرف داری کرتا ہوں۔ یہ تو بلینک چیک ہے۔ اپنی مرضی کی رقم بھر کے کیش کروانا ہے میں نے۔ اس کی دیکھ بھال تو کرنی ہی پڑے گی نا۔" وہ سلطانہ کو پچکار رہا تھا۔

ایبھا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اب تو اس نے سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ یہ شخص اس کا باپ ہے کہ شاید اس طرح تکلیف کا کم احساس ہو، مگر دل دکھے تو تکلیف بہت ہوا کرتی ہے۔ چاہے ذہن کتنی ہی تاویلیں دے لے۔

☼ ☼ ☼

''میرے خیال میں ہمیں پولیس کی مدد لے لینی چاہیے معیز!'' عون نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔
''بالکل نہیں۔۔۔ ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہوتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ فوراً ہی کڈنیپرز کو اطلاع مل جائے گی۔ وہ لوگ ایہا کو نقصان پہنچائیں گے۔'' معیز نے فی الفور یہ تجویز رد کردی۔
''ہاں بالکل۔۔۔ پولیس کو بیچ میں ڈالنے سے معاملہ بگڑ جائے گا۔'' ثانیہ نے بھی اس کی تائید کی تھی۔
''ہم ایف آئی آر کٹوا چکے ہیں۔ پولیس تو آل ریڈی اس معاملے میں ملوث ہے۔ اصولاً تو پولیس کو انفارم کرنا ہی چاہیے۔'' ابراز نے بھائی کو دیکھا۔ وہ بہت پریشان دکھائی دیتا تھا۔ نفی میں سر ہلا کر بولا۔
''میں ایہا کے لیے ایک فیصد بھی نقصان کا رسک نہیں لے سکتا۔ ذرا سی بھی گڑبڑ ہوئی تو وہ لوگ کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انہوں نے سختی سے منع کیا ہے۔''
''اور ہو سکتا ہے' وہ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔'' ثانیہ نے کہا۔
''نظر ہی تو رکھے ہوئے تھے اور نہ جانے کب سے۔۔۔'' معیز کی آنکھوں میں خفیف سی سرخی اتر آئی۔
''جب ہی تو۔۔۔ وہ آدھی رات کو باہر نکلی اور ان لوگوں کو موقع مل گیا۔''
''رقم کا انتظام ہو گیا ہے نا؟'' عون نے پوچھا۔
''رقم کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ ٹینشن ہے کہ وہ لوگ ایہا کو خیریت سے لوٹا دیں۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔
''یا اللہ۔۔۔'' سفینہ بیگم کے تو کلیجے پہ ہاتھ پڑا۔ وہ تیزی سے چلتی ان کی طرف آئیں اور تند لہجے میں بولیں۔
''حق حلال کی کمائی میں سے پچاس روپے بھی کوئی دھوکے سے وصولے' تو دکھ ہوتا ہے اور تمہیں پچاس لاکھ معمولی دکھائی دے رہے ہیں۔'' ابراز کو ثانیہ اور عون کے سامنے ماں کے رویے پر شرمندگی محسوس ہوئی۔
''ایک زندگی کا سوال ہے ماما! ان کی جگہ میں ہوتا تب اس سے دگنی رقم بھی ہوتی دیتے۔''
ابراز نے نرمی سے ماں کو ''سمجھانا'' چاہا۔ مگر سوئے کو تو کوئی جگائے۔۔۔ اب جو جاگ رہا ہو اسے کون جگائے؟
''خدا نہ کرے۔۔۔'' وہ تیزی سے بولیں۔ گھور کے ابراز کو دیکھا۔
''اس کا اکاؤنٹ بھرا ہوا ہے تمہارے باپ نے۔۔۔ وہیں سے پیسہ چکا کے جان کیوں نہیں بچا لیتی اپنی اور پھر معیز بیٹا۔۔۔'' وہ لب و لہجہ بدل کے نرمی سے معیز سے مخاطب ہوئیں۔
''کیا گارنٹی ہے کہ وہ پچاس لاکھ لینے کے بعد اسے زندہ واپس کریں گے؟''

''ماما پلیز۔۔۔'' مارے دکھ کے معیز کی آواز حلق میں پھنسی۔
''آنٹی! آپ تو ماں ہیں۔ دعا کریں گی تو اللہ ضرور سنے گا۔''
ثانیہ کو سفینہ کی ایک ہی ''جھلک'' سے اندازہ ہو گیا کہ ایہا کے شب و روز کس جہنم میں گزرتے رہے ہوں گے۔
''ہوں۔۔۔'' انہوں نے ثانیہ کی بات پہ کوئی حوصلہ افزا جملہ کہنے کے بجائے مبہم سے انداز میں ہنکارا بھرا' پھر معیز کو مشورہ دینے لگیں۔
''تم سیدھے پولیس کو انفارم کرو۔ آگے پولیس جانے اور اغوا کار جانیں۔ تم اس معاملے میں مت پڑو۔ مجھے تمہاری جان عزیز ہے میرے بچے۔'' ان کے لب و لہجے سے اپنی اولاد کے لیے پیار ٹپکتا تھا۔
''اور مجھے ایہا کی۔۔۔'' معیز جیسے خود پر سے ضبط کھونے والا تھا۔ جتانے والے انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔
سفینہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ پھر پینترا بدلتے ہوئے بولیں۔

"اتنے دنوں گھر سے باہر رہنے والی لڑکیوں کو یہ معاشرہ قبول نہیں کرتا معیز احمد۔"

"میں کرلوں گا ماما... میں کروں گا۔" وہ بے اختیار ہی خود پر سے قابو کھو کر اونچی آواز میں بولا۔ عون اور ثانیہ سفینہ بیگم کی شقی القلبی دیکھ کر ششدر تھے۔

"ماما پلیز... انف (بہت ہوگیا۔)" ایزاز اٹھ کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کے لب و لہجے اور آنکھوں سے ناراضی جھلکتی تھی۔

سفینہ بیگم غصے سے بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے گئیں۔

"مجھے کیا ہے... پچاس لاکھ باپ نے اس کے اکاؤنٹ میں بھر دیا' پچاس تم لوگ لگادو۔ چاہے یہ بھی اسی کے اکاؤنٹ میں چلا جائے۔" وہ صاف لفظوں میں ایمہا کے اغوا کو 'ڈرامہ' کہہ گئی تھیں۔

ثانیہ نے گہری سانس بھری۔ بعض لوگ زندگی میں "آؤٹ آف کورس" سوالوں کی طرح آتے ہیں۔ آپ نے زندگی میں جتنا بھی تجربہ حاصل کیا ہو' وہ سارا ان کے سامنے فیل ہو جاتا ہے۔ ساری کی ساری تیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

"کل شام کو رقم پہنچانی ہے۔ جگہ وہ کل بتائے گا۔ بس تم لوگ دعا کرو کہ وہ لوگ..."

معیز بہت دیر کے بعد بولا تو شدت جذبات سے اس کی آواز گلے میں اٹک گئی۔

مگر وہ تینوں جانتے تھے کہ کیا دعا کرنی ہے۔

☼ ☼ ☼

سلطانہ "پچاس لاکھ" پہ بہت خوش نہیں تھی۔

"اتنی بڑی آسامی ہے تیرا جمائی' پچاس لاکھ کیا مانگنے بیٹھا تھا اس سے..."

وہ پچاس لاکھ پہ پہلے خوش ہوئی تھی' مگر جب سنا کہ معیز فورا" مان گیا تو اس کی خوشی کو پچھتاوا بننے میں دیر نہیں لگی۔

مراد نے اسے گھورا۔ پیار سے گالی دی۔

"اری... کبھی لاکھ بھی اکٹھا دیکھا ہے تو نے۔ ایسے منہ بنا رہی ہے جیسے پچاس لاکھ تو تیرا باپ واسکٹ میں ڈال کے پھرا کرتا تھا۔"

"کمینے... یہ سوچ کہ جو ایک ہی ہلے میں پچاس لاکھ دینے پہ راضی ہو گیا ہے' کیا وہ ایک کروڑ نہ دیتا؟" سلطانہ کی آنکھیں چمکیں۔

"بس بس..." مراد نے ہاتھ اٹھایا۔

"ناشکری مت بن... میرا تو دل اچھل اچھل کے حلق میں آرہا تھا۔ پیسے والا بندہ ہے۔ عزت سے بات کر رہا ہے تو میں بھی حد میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ابھی وہ پولیس سے ریڈ ڈلوانی شروع کردے تو تھانے میں ہم دونوں کو الٹا لٹکا کے چھترول ہو ہماری۔"

سلطانہ نے منہ بنایا۔

"تو رہیو سدا ڈرپوک... ایک ہی بار لمبا ہاتھ مارتا تو ہم دونوں کہیں باہر ملک نکل لیتے۔"

"اری بدبخت... تھوڑا مانگا تب ہی خوشی سے دے رہا ہے۔ اس کی پہنچ سے باہر مانگتا تو مجبورا" وہ پولیس کو انوالو کرتا۔ سمجھتی نہیں ہے۔ کم عقل عورت۔" وہ زچ آگیا تھا۔

"اور فکر نہ کر۔۔۔ پچاس لاکھ میں ہم دونوں تین چار ہنی مون منا سکتے ہیں۔ دبئی اور ملائیشیا کا چکر تو لگوا ہی دوں گا اپنی رانی کو میں۔"

مراد نے شوخی سے کہا تو سلطانہ کے ہونٹوں کی لالی بھی ذو معنی انداز میں پھیلنے لگی۔

ساتھ والے کمرے میں بان کی چارپائی پہ نیم بے ہوش پڑا وجود بے بسی اور بے کسی کی مثال تھا۔

☆ ☆ ☆

معیز نے کھانا بھی برائے نام ہی کھایا۔ ایراز کے کہنے پر زارا نے سفینہ بیگم کو **ایبھا** کے متعلق کوئی بھی الٹی سیدھی بات بالخصوص **معیز** کے سامنے کرنے سے منع کر دیا تھا۔

وہ محض سفینہ بیگم کا دل رکھنے کو ساتھ بیٹھ گیا تھا' ورنہ اتنے دنوں سے تو گویا وہ بس جینے کے لیے ہی کھا رہا تھا۔

اسے کرسی گھسیٹ کر اٹھنے کو پر تولتا دیکھ کر سفینہ بیگم نے سرسری انداز میں بات شروع کی۔

"سفیر آ گیا ہے پاکستان۔۔۔ اب ہمیں شادی کی تاریخ دے دینی چاہیے' تمہارا کیا خیال ہے معیز۔۔۔؟"

زارا کا جی چاہا پلیٹ اٹھا کے اپنے سر پہ مار لے۔ بے اختیار **معیز** کا چہرہ دیکھا۔ جہاں پہلے حیرت اور پھر اذیت پھیل گئی تھی۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں ماما۔" وہ خود کو سنبھال کر بے تاثر لہجے میں بولا۔

"لو۔۔۔ ویسے ساری دنیا کی فکریں سر پہ لیے پھرتے ہو اور تمہاری بہن کے لیے "مناسب" میں سوچوں۔" انہوں نے تیکھے انداز میں کہا۔

"تھوڑے دن انتظار کر لیں ماما! ابھی ویسے ہی ایک ایشو چل رہا ہے۔ اسے سولو (حل) ہو جانے دیں پہلے۔" ایراز نے تنبیہی نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"جہنم میں جائے وہ ایشو۔ میری بیٹی کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔"

وہ بگڑ کر بولیں۔ **معیز** کے چہرے پر تکلیف کے آثار پیدا ہوئے' مگر وہ بنا کچھ بولے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے ماما۔" زارا زچ آ گئی۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"ماں باپ نالائق نکلیں تو اولادیں یوں ہی رلتی ہیں۔" انہوں نے سر جھٹکا۔ ان کا اپنا ہی فلسفہ تھا۔

"بہر حال۔۔۔ میں اگلے ماہ کی کوئی تاریخ دے دوں گی مسز احسن کو۔ وہ تو شکر ہے تم نے سفیر سے بات کلیئر کر لی' ورنہ رباب تو خوب ہی طوفان مچاتی۔" انہوں نے زارا کو دیکھا۔

"ماما پلیز۔۔۔" وہ رونے والی ہو گئی۔

"میری وجہ سے بھائی کی زندگی پرابلم میں آئی ہے۔ جب تک ایبھا مل نہیں جاتی' میری شادی کا سوچیے بھی مت۔ میں بھائی سے نظر نہیں ملا پاؤں گی۔"

"شٹ اپ زارا! تم لوگوں نے تو زندگی کو مذاق اور بچوں کا کھیل بنا لیا ہے۔ اس گھر میں وہی ہو گا جو میں چاہوں گی۔ خبردار جو کسی نے مجھے فضول مشورے دینے کی کوشش کی ہو تو۔۔۔" وہ بھڑک اٹھی تھیں۔

"اپنے لفظوں پہ غور کریں ماما! اور پھر اپنے عمل پر۔۔۔ کیا آپ بھی کسی کی زندگی کو مذاق اور کھیل نہیں سمجھ رہیں؟" ایراز نے تلخی سے کہا تھا۔

"میں نے اسے آدھی رات کو بھاگنے کو نہیں کہا تھا۔" وہ بگڑ کر بولیں۔

"مگر میں نے تو کہا تھا نا۔۔۔ وہ بھی آپ کی خاطر۔۔۔" زارا رونے لگی۔ انہیں مزید غصہ آیا۔

"ایک سے ایک ڈرامہ بھرا پڑا ہے میرے گھر میں۔ بھائی اس بھگوڑی کا طرف دار اور بہن اس سے بڑھ

سکے۔" ان کے لفظی چناؤ پر تلملا کر چمچہ پلیٹ میں پٹخ کر ابراز اٹھ کے ہی چلا گیا۔
"جاؤ جاؤ۔۔۔ کرو گے وہی جو میں نے طے کر لیا ہے۔"
وہ پیچھے سے اونچی آواز میں بولیں۔ تو زارا کا جی چاہا' میز پہ ماتھا ٹکا کے رونا شروع کر دے۔ بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر صبح نہ ہوئی؟

کوئی مجسم تڑپ اور بے قراری کو دیکھنا چاہتا تو اس رات معیز احمد کو دیکھتا اور ان دونوں کیفیات کو پالیتا۔ فجر کی نماز کے بعد اس کا سجدہ طویل اور دعا میں جذب تھا۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی۔۔۔
وہ موبائل کو فل چارج کیے اپنے پاس رکھے ہوئے تھا۔ کبھی بھی اغوا کار اس کی ایمہا سے بات کروا سکتے تھے۔ رقم وہ پہلے ہی نکلوا چکا تھا۔ اب تو بات اغوا کاروں کی پیشہ وارانہ ایمان داری پر ٹھہری تھی کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"ماں باپ ہمیشہ اولاد کے لیے قربانیاں دیتے اور ان کی زندگی بناتے چلے آئے ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر اولاد کے نصیب میں یہ اعزاز آجائے۔ اب اگر تیری وجہ سے میری زندگی میں تھوڑی بہت خوش حالی آرہی ہے تو روڑے مت اٹکانا۔"
مراد صدیقی بڑی نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ بھاری پپوٹے اٹھا کر بمشکل ایمہا نے اسے دیکھا اس کے لفظوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔
"دو منٹ بات کراؤں گا تیرے گھر والے سے تیری۔ بس اسے اپنی خیریت کی تسلی دے دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ شرافت سے روپیہ میرے حوالے کر دے۔ اور خبردار۔ اگر پولیس کو بھنک بھی پڑنے دی ہو تو۔"
ایمہا نے بے یقینی سے مراد صدیقی کو دیکھا۔
"اسے یہ مت بتانا کہ تو کس کے پاس ہے۔ بس اپنی خیریت کا یقین دلا دینا اور کہنا کہ رقم لے کر اکیلے آئے۔ ورنہ ساری عمر تجھے ڈھونڈتا ہی رہے گا۔"
اس نے دھمکایا۔ خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے ایمہا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
مراد نے سلطانہ کو اشارہ کیا تو وہ موبائل نکال کے لے آئی۔ اسے آن کر کے مراد کے حوالے کیا۔ اس نے معیز کا نمبر ملا کر موبائل ایمہا کی طرف بڑھایا۔ تو اس نے کپکپاتا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ مراد صدیقی اتنی مہربانی پر اتر آیا تھا کہ خود سے اس کی معیز سے بات کروا رہا تھا۔
"دھیان سے۔ ایک بھی لفظ کم یا زیادہ کیا تو پہلی گولی تیرے شوہر کو ماروں گا۔" موبائل کا اسپیکر آن کرتے ہوئے مراد نے دھیمے سفاک لہجے میں کہا تو وہ پوری جان سے تھرا گئی۔

☆ ☆ ☆

ایمہا کے نمبر سے کال تھی۔ معیز نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا اور فوراً" کال اٹینڈ کی۔
ابراز اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

"ہیلو۔ ایمہا۔؟" معیز نے آس ذرا سی میں گھرتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

"جی معیز۔ ایمہا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے اس کا کپکپاتا ہوا بہت محتاط سا جواب آیا۔ تو معیز کو لگا اس کے وجود میں ٹھنڈک کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہو۔

"کیسی ہو تم ایمہا۔ کہاں ہو۔ کون لوگ ہیں یہ۔؟" وہ ہلکا سا کھنکھاری۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں معیز۔ یہ لوگ جو ڈیمانڈ کر رہے ہیں اگر آپ وہ پوری کر سکتے ہیں تو ہی کیجیے گا۔" وہ بولتے بولتے ایک دم کراہی۔ یوں جیسے اسے کسی نے ہاتھ مارا ہو۔ گونجتی آواز نے فوراً" معیز کو الرٹ کر دیا۔ یقیناً" ان لوگوں نے اسپیکر آن کر رکھا تھا۔

"او کے۔ الس او کے۔ میں نے رقم کا بندوبست کر لیا ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔

"تم صرف مجھے وقت اور جگہ بتا دو۔"

مراد نے ایمہا سے موبائل لے کر اسے وقت اور جگہ بتائی۔

☼ ☼ ☼

عون جلدی اٹھا۔ آج وہ ریسٹورنٹ کے بجائے سیدھا معیز کی طرف جانے والا تھا۔

"معیز بھائی کی امی تو اللہ کی پناہ۔ کس قدر پتھر دل ہیں۔" ثانیہ نے جھرجھری سی لی۔ اس نے سفینہ کے متعلق سن تو رکھا تھا مگر بالمشافہ پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو ان کی شقی القلبی جھنجھوڑ کے رکھ گئی۔

عون گہری سانس بھر کے شرٹ پہننے لگا۔

"ویسے عون۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ ہٹا کر اس کی شرٹ کے بٹن خود بند کرتے ہوئے تاسف سے بولی۔

"ہم جب اعوذ باللہ پڑھتے ہیں تو اس کا مطلب ہے "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔" یعنی ہر بری شے سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے تو ایسے لوگ کس کٹیگری میں آئیں گے جن سے بچنے کے لیے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔؟"

"بس خدا معاف ہی کرے۔ اللہ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ دل کی نرمی کی۔"

وہ مسکرایا۔ پھر بغور اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"ویسے شادی کے بعد تم کافی حسین ہو گئی ہو۔" ثانیہ نے آخری بٹن بند کر کے مسکراتے ہوئے اس کے شانوں پہ دونوں ہاتھ رکھے۔

"یعنی یہ کریڈٹ بھی تمہیں ہی گیا۔"

عون نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر چھیڑتے ہوئے بولا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ "مجھ سے" شادی کرنے کے بعد تم حسین ہو گئی ہو۔"

"مگر میں تمہارے "دل" کی خوب سمجھتی ہوں۔" ثانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو عون نے دونوں ہاتھ اس کی کمر پر جما لیے۔ ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اچھا۔ تو اب کیا چل رہا ہے میرے دل میں۔ ذرا بتاؤ تو مس قیافہ شناس۔"

ثانیہ نے لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر فوراً" ہی اس کے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے شرارت آمیز سنجیدگی سے بولی۔ "اونہوں۔ عون عباس۔ بری بات۔"

"ارے۔ سنو۔ ادھر تو آؤ۔" وہ اس کی طرف لپکا۔

"خبردار۔ سیدھے جائیں معیز بھائی انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے مسکرائی تھی۔ عون دل مسوس کر رہ گیا۔ موبائل اٹھایا اور گہری سانس بھرتے ہوئے معیز کو کال کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"تم لوگ سمجھ نہیں رہے۔ میں زیرو پرسنٹ بھی رسک نہیں لینا چاہتا۔ اس نے مجھے اکیلے آنے کو کہا ہے تو میں اکیلے ہی جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا۔" وہ لوگ ایبہا کو نقصان پہنچائیں۔"
عون اور ایراز کو معیز نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا۔
"اٹس او کے۔ میں سمجھتا ہوں۔ مگر ہم لوگ آس پاس رہ کے آپ پہ نظر تو رکھ سکتے ہیں۔ ان لوگوں پہ اندھا اعتبار بھی تو نہیں کیا جا سکتا نا۔" ایراز جذباتی ہو کر بولا۔
"میں کہتی ہوں۔ ضرورت ہی کیا ہے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی معیز۔"
سفینہ بیگم زارا کے ہمراہ آئی تھیں۔ زارا نے بے اختیار ان کا بازو تھاما۔
یہ اشارہ تھا۔ اب بس۔ چپ۔ مگر سفینہ بیگم نے اس کے ہاتھ کے تنبیہی دباؤ کو نظر انداز کرتے ہوئے معیز کو تیز نظروں سے دیکھا۔
"اللہ بہتر کرے گا آنٹی! آپ بس دعا کریں۔ ان لوگوں کو صرف روپے سے غرض ہے۔" عون نے نپے تلے انداز میں بات کی۔
"وہی تو۔ انہیں کسی کی جان کی کیا پرواہ یہ کیوں اس بے کار سی لڑکی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ اسے نقصان پہنچا دیں تو؟"
ان کی آواز بھیگنے لگی۔ یہ ایک ماں کی محبت تھی۔ مگر صرف اپنے بچوں کے لیے تھی' اس لیے قطعی متاثر کن نہیں تھی۔
ماں تو ہر بچے کے لیے "ماں" بن جاتی ہے۔
معیز لب بھینچے خاموش بیٹھا تھا۔ جامد اور سرد۔
"کچھ نہیں ہو گا ماما۔ آپ فکر نہ کریں۔"
ایراز کو افسوس تھا۔ اس معاملے کی تو بھنک بھی سفینہ بیگم کو نہیں پڑنا چاہیے تھی۔ خوامخواہ ہی وہ ذہن پہ سوار کر لیتیں تو ذہنی دباؤ کا شکار ہو سکتی تھیں۔
"میں فکر کیسے نہ کروں۔ میری تو ساری عمر کی کمائی ہی تم تینوں ہو۔" وہ تیز لہجے میں بولیں۔
"رقم کا کیا ہے آنٹی۔ وہ تو میں بھی انہیں پہنچا سکتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔"
عون نے معیز کو خفیف سا اشارہ کرتے ہوئے بات گھمائی تو انہوں نے ناقدانہ نظروں سے عون کو دیکھا۔
"ہوں۔ یہ بہتر ہے۔ تمہارے ساتھ تو ان لوگوں کی کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچائیں گے وہ۔" وہ اپنے آپ سے آگے کسی اور کے متعلق سوچنے کی عادی نہیں تھیں۔
"آپ کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا ہے ماما۔" زارا انہیں بہانے سے اٹھا کے لے گئی تھی۔
"میری نافرمانی مت کرنا معیز! پچاس لاکھ تمہارا صدقہ سمجھ کے دے رہی ہوں۔ حالانکہ میں جانتی ہوں یہ بھی اس لڑکی کی کوئی چال ہی ہو گی۔" وہ جاتے جاتے بھی باز نہیں آئی تھیں۔
"بڑھاپے میں والدین ایسی ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ انہیں ان کا "بچکانہ پن" سمجھ کر نظر انداز کرنے میں ہی بھلائی ہوتی ہے۔ میرے ابا بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ جنہیں ماننا ممکن ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔"

عون نے ماحول کی خاموشی کو شگفتگی سے توڑا تھا۔ پھر وہ تینوں رقم پہنچانے اور ایبہا کی انٹری کے بارے میں لائحہ عمل کو ڈسکس کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

ایبہا کو جگانے کی کوشش میں ناکام ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مراد کے ہاتھ جو چیز لگی اس نے مراد کا دل عجیب سے وہم کا شکار کردیا۔ وہ بہ عجلت باہر نکلا۔

''سلطانہ۔ سلطانہ۔''

اونچی آواز میں پکارا تو دیوار کے ساتھ لٹکے آئینے میں جھانک کر کس کے چٹیا کرتی سلطانہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا۔ نکل آئی سوا کروڑ کی لاٹری۔؟''

''لاٹری کی بچی۔'' وہ دانت پیستا اس کی پشت پہ آکھڑا ہوا۔ ''ایبہا اٹھ کیوں نہیں رہی۔ مدہوش ہو کے سو رہی ہے۔ ابھی لے جانا تھا اسے ساتھ۔'' کڑے لہجے میں استفسار کیا تو وہ کڑبڑائی۔

''مجھے کیا پتا۔''

''پر مجھے پتا ہے۔ کمینی۔ حرام کی۔''

اس نے دانت کچکچاتے ہوئے سلطانہ کی چٹیا پکڑلی۔ جواباً اس نے اتنا رولا ڈالا کہ الامان الحفیظ۔

مراد نے اس کے سامنے مٹھی کھولی۔ جس میں ایک انجکشن کی خالی شیشی اور سرنج موجود تھی۔

''الو کی پٹھی۔ انجکشن دیتی رہی ہے اسے۔'' اس کا دماغ گھوما ہوا تھا۔

سلطانہ نے بمشکل اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑائے۔ پھر بھی وہ دو چار بھاری ہاتھ اسے مار ہی چکا تھا۔

''تو اور کیا کرتی۔ تمہاری بے غیرت اولاد ساری رات بین کر کے میرے سر میں درد کردیتی تھی۔ خود ڈیوٹی دیتے تو پتا چلتا۔''

وہ اچھل کر اس کی پہنچ سے دور ہوتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اسے نشے کے ٹیکے لگانے شروع کردیتی۔''

وہ اتنی زور سے چیخا کہ گلے میں خراش پڑ گئی۔ وہ کھانسنے لگا۔

''نیند کے انجکشن لگاتی رہی ہوں ہیروئن کے تو نہیں تھے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

''آج اسے اس کے شوہر کے حوالے کرنا تھا۔ اور وہ۔''

''تو اچھا ہے نا۔ ٹیکسی میں ڈال کے لے جا۔ شور بھی نہیں کرے گی۔ اور نہ ہی کوئی مسئلہ کھڑا ہوگا۔''

سلطانہ نے زور سے کہا۔ تو بات مراد کے دل کو لگی۔ اس کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کے سلطانہ کو طراره آیا۔ اس نے جھک کر ٹب میں پڑا مگا اٹھایا اور مراد کو دے مارا۔

''ادھر آ میری شہزادی۔ ایسے ہی۔ تجھے تو پتا ہے یوں ہی غصہ آجاتا ہے مجھے۔ ورنہ تو تو جان ہے میری۔'' مراد کا غصہ لمحوں میں بھاگا تھا۔

سلطانہ غصے سے سر جھٹک کر آئینے کی طرف مڑ گئی۔

''مر گئی تیری شہزادی۔ جب دل چاہا ہاتھ پکڑ لیا اور جب جی چاہا ہاتھ منہ پہ دے مارا۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''چل چھوڑ۔ دعا نہیں کرے گی۔ تیرے لیے کمائی کرنے جا رہا ہوں۔''

مراد نے پیچھے سے اسے بانہوں کے گھیرے میں لیا۔ مگر وہ مصنوعی غصے سے منہ بنا بنا کر اسے جھٹکتی رہی اور مراد

چاپلوسانہ سرگوشیوں میں اسے مناتا رہا۔

☼ ☼ ☼

وہ دیے ہوئے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے ہی وہاں پہنچ گیا۔ اپنی گاڑی سائیڈ پہ کھڑی کرکے وہ فون کرنے والے کے بتائے گئے طریقے کے مطابق فٹ پاتھ پہ پان کی دکان کی داہنی سائیڈ پر جا کھڑا ہوا۔

مراد صدیقی اپنا حلیہ بدلے وہاں سے کافی دور ٹیکسی روک کر لاک کرنے کے بعد معیز کو دور سے چیک کر رہا تھا۔ کہ کہیں وہ پولیس کو تو ساتھ نہیں لایا ہوا۔ پھر قدرے سائیڈ پہ ہو کر مراد نے معیز کو کال ملائی۔

"اپنی گاڑی کا لاک کھول دو۔ میرا آدمی آ کے رقم لے جائے گا۔" وہ رعب دار انداز میں بولا۔

"ایہا کہاں ہے؟ اس سے بات کراؤ میری۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ دیر کرو گے تو نقصان کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" مراد نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سختی سے کہا۔

"اوکے۔" معیز بے بس ہونے لگا۔ اس نے جیب سے ریموٹ نکال کر دور ہی سے گاڑی ان لاک کر دی تھی۔

ذرا فاصلے پر ایراز اور عون بھی یوں ہی راہ گیروں کے سے انداز میں موجود تھے اور معیز کی گاڑی پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔

"اب تم پان والی دکان پہ جاؤ۔ اور اس سے دو میٹھے پان بنواؤ۔ اور خبردار جو پلٹ کے دیکھا ہو تو۔"

اسے پچکار کے کہتے ہوئے مراد نے لائن کاٹ دی تھی۔ معیز بے بس سا پان والی دکان کی طرف مڑ گیا۔ ایراز اور عون نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو تیزی سے معیز کی کار کی طرف بڑھتے دیکھا۔

"میرے خیال میں یہ اغوا کاروں میں سے کوئی ہے۔" عون نے تیزی سے کہا۔ ان دونوں کی نظریں مراد صدیقی پر جمی ہوئی تھیں۔

"اکیلا لگ رہا ہے بظاہر۔" وہ معیز کی گاڑی میں سے بریف کیس نکال کر اندر ہی کھول کر چیک کرنے کے بعد اب تیزی سے پلٹ گیا تھا۔ معیز جب تک پان بنوا کر پلٹا تب تک گاڑی کے اردگرد کسی ذی نفس کا نشان تک نہ تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے اپنی گاڑی تک آیا۔ شاید وہ ایہا کو چھوڑ گیا ہو۔ مگر گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔ بریف کیس بھی نہیں۔

وہ پاؤں باہر زمین پہ ٹکائے اپنی سیٹ پر ڈھے سا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں تیزی سے ایک طرف بڑھتے مراد صدیقی کے پیچھے تھے کافی پیچھے۔ مگر مستقل۔

"اس نے ایہا کو نہیں چھوڑا ہے۔" عون نے کہا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔ یہ آدمی کہیں جا کے تو رکے گا۔" ایراز نے اشارہ کیا۔

مراد صدیقی ایک سنسان سڑک پہ نکل آیا اور اب وہ بنا ادھر ادھر دیکھے اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا ناچنے گانے کو دل چاہ رہا تھا۔ اس بے وقوف معیز احمد نے اتنی آسانی سے پچاس لاکھ حوالے کر دیے تھے۔

(اگر تم روپے لے کر ایہا کو واپس نہ کرو تو ہماری اگلی قسط بھی نکل سکتی ہے اس کے شوہر کی جیب سے) اسے سلطانہ کی بات یاد تھی۔ جسے اب تک تو مراد نے رد کر دیا مگر اب جبکہ بھاری رقم ہاتھ لگی تو اسے سلطانہ کی کمینگی

میں دم نظر آنے لگا۔

وہ چابی لگا کر دروازہ کھول کر ٹیکسی میں بیٹھا اور بریف کیس کھول کے دیکھنے لگا۔

عون اور ایراز تیزی سے وہاں پہنچے۔ پچھلی سیٹ پہ ساکت آنکھیں موندے ڈھلکی گردن کے ساتھ بیٹھی ایبہا پہلی نظر میں ہی انہیں دکھائی دے گئی تھی۔

عون نے لمحوں میں فیصلہ کیا۔ اگلے ہی پل اس نے دروازہ کھول کر گریبان سے پکڑ کر مراد صدیقی کو باہر گھسیٹ لیا تھا۔

"گ۔ گولی ماردوں گا۔ چھوڑ دو مجھے۔"

وہ بوکھلا گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا' ایراز اور عون تمام تر غصہ اس پر نکالنے کے لیے اس پر پل پڑے۔ اور مراد صدیقی کوئی پیشہ ور اغوا کار تو تھا نہیں۔ لمحوں میں گھٹنوں کے بل ڈھے گیا تو ایراز نے اسے قابو کرلیا۔ عون تیزی سے معیز کو کال ملانے لگا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کی پیشنٹ اب ٹھیک ہیں۔ ہوش میں ہیں۔" نرس نے آکر مژدہ ہی تو سنایا تھا۔ معیز کی رگ و پے میں بڑے طویل عرصے کے بعد سکون کی لہریں دوڑنے لگیں۔

عون اور ایراز نے بھی سکھ کی سانس لی تھی۔ عون کے اشارے پر وہ کمرے کی طرف بڑھا۔

ایبہا کی بے سدھ سی کیفیت دیکھ کر وہ اسے سیدھا اسپتال لے آیا جبکہ ایراز اور عون نے مراد صدیقی کو سیدھا تھانے پہنچایا تھا۔

معیز تو ٹیکسی میں اغوا کار کے روپ میں مراد صدیقی کو دیکھ کر ششدر ہی رہ گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مراد صدیقی دوبارہ ایسی گراوٹ دکھا سکتا ہے۔ مگر بہرحال اس کی پہلی ترجیح ایبہا کو اسپتال پہنچانا تھا۔

"انہیں نیند کے انجکشنز دیے جاتے رہے ہیں اور چوٹوں کے نشان بھی ہیں چہرے اور باڈی پر۔"

لیڈی ڈاکٹر نے پہلے تفصیلی چیک اپ کے بعد معیز کو بتایا تو وہ دکھ کے حصار میں گھرنے لگا۔

معیز دروازہ کھول کے کمرے میں داخل ہوا۔ تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ دوسرے بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر ایبہا نے بے اختیار بازو ہٹا کر آنے والے کو دیکھا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو اور رف سے حلیے میں وہ معیز احمد ہی تھا۔ ایبہا کا دل پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا۔ اک محشر تھا جو رگ جان میں برپا ہو گیا تھا۔

کھونے کے بعد پالینا کیسا ہوتا ہے۔ وہ دونوں ہی اس کیفیت کے زیر اثر تھے۔ معیز نے آگے بڑھ کے اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس لمس میں اپنائیت اور ہمدردی سمیت محبت کے سارے رنگ تھے۔ اور ایبہا کی تو گویا روح تک اس مسیحائی کی تاثیر اتری۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں موندیں تو آنکھوں کے کونوں سے آنسو بہنے لگے۔

شرمندگی' ندامت' پچھتاوے۔ اور دکھ کا گہرا احساس۔ ایک تکلیف کی گہری کاٹ تھی جو وہ اپنے دل کے اندر تک محسوس کررہا تھا۔

کیا کیا حالات نہیں سہے تھے اس کم عمر اور سادہ دل سی لڑکی نے۔

اس کے باپ نے اگر اسے بیچ کر دام کھرے کرنے چاہے تو معیز نے کون سا اسے سکھ کے ہنڈولوں میں جھلایا تھا۔

"میں جانتا ہوں ایبہا! اگر میں کھلے دل اور ذہن سے کام لیتا تو میرے نکاح میں آنے کے بعد تمہاری تمام مشکلات ختم ہو جاتیں۔ ایم سوری تمہاری ہر تکلیف کی وجہ میں بنا۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا مگر ایبہا کے پاس آنسوؤں کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا۔

معیز نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اس کی بند آنکھوں کے کونوں سے بہتے آنسوؤں کو پونچھا اس کا چہرہ معیز کے ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔

"لیکن یقین کرو ایبہا! اب تمہاری ہر آزمائش ختم ہو گئی ہے۔" وہ بے حد نرمی سے بولا تو ایبہا نے بھیگتی پلکیں وا کیں۔ معیز نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر دکھ سے بولا۔

"بہت بڑی غلطی کی تم نے ایبہا۔ کوئی ایسے بھی گھر سے نکلتا ہے۔ زارا نے بے وقوفی میں ایک بات کر دی تو تم نے بے وقوفی کی انتہا ہی کر دی۔ ایک لمحے کو بھی میرے متعلق نہیں سوچا۔" وہ تاسف سے بولتے بولتے رکا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جذب سے بولا۔

"میں جو ہار مان گیا تھا تمہارے آگے۔"

"میں آپ کا گھر توڑنا نہیں چاہتی تھی۔" وہ پھر سے رو دی

"میرا گھر تم سے ہے بے وقوف لڑکی! میں تو دیر سے یہ بات سمجھا مگر تم تو پہلے سے ہی جانتی تھیں۔" وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔ پھر قدرے توقف کے بعد تاسف سے کہنے لگا۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے اغوا میں تمہارے فادر کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ یہ تو ایراز اور عون نے ہمت کر لی ورنہ میں تو تمہارے معاملے میں ایک فیصد بھی رسک لینے کو تیار نہ تھا۔"

ایبہا کے آنسو ٹھٹھر گئے۔ شرمندگی کی تند و تیز لہر اسے سر تا پا بھگو گئی۔

وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ مراد صدیقی نے فون پر ہی معیز سے سارا معاملہ طے کیا ہے اور سامنے آئے بغیر ہی رقم وصول کر کے اسے معیز کے حوالے کر دیا ہے۔ مگر یہاں تو اور ہی کہانی نکلی تھی۔

معیز نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ سے اس کی سوچ کو فی الفور پڑھ لیا۔

"وہ اب پولیس کسٹڈی میں ہے اس کی نشان دہی پر اس کی ساتھی عورت بھی گرفتار ہو گئی ہے۔" معیز اس کے چہرے پہ چھائے تکلیف دہ تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم کہو گی تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا کہ ان دونوں کو ان کے کیے کی ہر ممکن سزا ملنی چاہیے تاکہ آئندہ وہ کبھی ایسے جرم کا سوچ بھی نہ سکیں۔"

معیز نے نرمی سے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کی پیشانی کے مندمل ہوتے زخم کو چھوا۔ اور پھر بے ساختہ جھک کر اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیے۔

ایبہا کی سانس تو کیا دھڑکن بھی تھم سی گئی۔

"میں جب جب تمہارے زخموں کو دیکھتا ہوں تب تب خود کو ملامت کرتا ہوں کہ تمہاری ان سب تکلیفوں کی وجہ میں خود ہوں۔"

وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ایبہا نے بدقت تمام ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ معیز کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔

"مگر اب بس۔ میں اپنی تمام تر ناانصافیوں کا مداوا بڑے انصاف سے کرنے کی کوشش کروں گا۔ بس تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔" ایبہا کی ہر پریشانی، ہر دکھ جیسے اڑن چھو ہونے لگا۔

"تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ میں ڈاکٹر سے پوچھتا ہوں تمہارے کھانے کے متعلق۔ ثانیہ بھی بس پہنچتی ہی

ہوگی۔"

وہ نرمی سے اس کا رخسار سہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایہا کے ہونٹوں پر پہلی بار بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا معیز! میں زارا کی رخصتی کی تاریخ دینے لگی ہوں کل اور تم اس گندگی کو پھر سے اٹھا کے اس گھر میں لا رہے ہو۔" سفینہ نے تلملا کر غصے سے کہا تو معیز کو بھی غصہ آگیا۔

"ماما پلیز۔ میری بیوی ہے وہ۔ اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال مت کریں۔"

"آہاہ۔ تو اب وہ تمہاری بیوی ہوگئی ہے۔" اس کے تیز لہجے نے سفینہ کو بھی تلخ بنا دیا۔ "کل تک تو تم اسے طلاق دے کر اس کے لیے بر ڈھونڈنے کی مہم پر نکلنے والے تھے۔"

"وہ گزرا کل ہے ماما اور اس پر مجھے شرمندگی بھی ہے۔ لیکن میرے لیے حال زیادہ اہم ہے ماما! جس میں ہم جی رہے ہیں۔ اور مجھے کیسی زندگی جینا ہے یہ فیصلہ میں کر چکا ہوں۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"بکواس مت کرو معیز۔ زارا کا گھر برباد کرو گے کیا؟ رباب کو کیا کیا خواب نہیں دکھائے تم نے۔" انہوں نے اب اسے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کے لیے زارا کا حوالہ دیا۔ مگر وہ مطمئن تھا۔

"اس کی آپ فکر مت کریں۔ رباب کو ساری حقیقت بتا دی ہے میں نے۔ اب وہ اپنی زندگی کے لیے بہتر فیصلہ کرے گی۔ اسے ایک شادی شدہ آدمی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" وہ اندر ہی اندر تلملائیں۔

"میں اس لڑکی کو قبول نہیں کروں گی معیز۔"

"میں تو کر چکا ماما۔ اور میری خوشی کے لیے آپ کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔ ورنہ مجھے بہت افسوس ہوگا۔" معیز نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تو سفینہ اسے دیکھتے ہوئے اس کا لہجہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ بہت اٹل اور قطعی انداز تھا اس کا۔

"اب آپ رد کریں گی تو ہم دونوں کو ماما۔ اس گھر سے نکالیں گی تو اس اکیلی کو نہیں۔"

"معیز۔!" وہ سناٹے میں رہ گئیں۔ بدقت تمام دکھ سے بولیں۔ "اب تم اس دو کوڑی کی لڑکی کی خاطر گھر چھوڑو گے؟"

"یہ آپ پہ ڈیپینڈ کرتا ہے ماما! آپ نکالیں گی تو ہم چلے جائیں گے۔ کھلے دل سے ویلکم کریں گی تو تاعمر آپ کی خدمت کریں گے۔" اس نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے ساری بات ان ہی پر چھوڑ دی تھی۔

"جاؤ بیٹا! ٹھیک ہے جو مرضی میں آئے کرتے پھرو۔ باپ رہا نہیں سر پہ۔ ماں کی خاک سنو گے تم اب۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائیں۔ کلیجہ تو جل کے خاک ہوگیا تھا۔

اس روڑی کے پتھر سے اتنی محبت۔ ہمیشہ ماں کی محبت کے ہاتھوں بلیک میل ہو جانے والا معیز احمد اتنا بے مروت کیسے ہوگیا ایہا مراد و بلکہ نامراد کے لیے۔ ان کی سمجھ سے بالاتر تھی یہ بات۔

معیز نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے۔ اور انہیں یقین دلاتے ہوئے بولا۔

"آپ کی مرضی ہی تو چاہ رہا ہوں۔ کیا کمی ہے ایہا میں ماما۔ پڑھی لکھی ہے ہماری اپنی فیملی میں سے ہے۔ اور پھر میرے نکاح میں ہے۔ کہیں لو میرج تو نہیں کرنے جا رہا ہیں۔"

سفینہ لڑکھڑا کر صوفے پر ڈھیر ہو گئیں اور سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ بڑے اطمینان کے ساتھ ان کی اجازت کے بغیر ایہا کو پھر سے انیکسی میں لے آیا تھا۔ اور اب یقیناً" وہ بہت جلد معیز کے کمرے میں بھی آجانے والی تھی۔ مجھے اس سے پہلے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ان کا دماغ تیزی سے چلنے

لگا۔
"اس سلسلے میں رباب سے مدد لی جاسکتی ہے۔ آخر کو ابھی نے اس گھر کی بہو بننا ہے۔" دل ہی دل میں طے کرتے ہوئے انہیں قدرے اطمینان ہوا۔ ابھی کچھ پتے ان کے ہاتھ میں تھے۔
اور شاید۔ ان ہی میں ترپ کا پتا بھی شامل ہوتا کون جانے۔

٭ ٭ ٭

رباب کو پتا چلا کہ گھر والے زارا اور سفیر کی شادی کی تاریخ لینے جارہے ہیں تو وہ تلملا اٹھی۔
"بھائی! آپ کو عجیب نہیں لگا۔ آپ کے سسرالیوں نے تو جھوٹ کے انبار لگادیے شادی سے پہلے ہی۔" سب کے بیچ رباب نے تلخی سے کہا تو سفیر نے تحیر سے رباب کو دیکھا۔
امی کو غصہ آیا۔ "یہ کون سا طریقہ ہے بھائی سے بات کرنے کا رباب۔ تمیز نہیں ہے تمہیں۔"
"تو کیا غلط کہہ رہی ہوں میں۔ ان کے تو سالے کا کریکٹر ہی مشکوک ہے۔ پہلے تو کچھ بتایا نہیں۔ اب ایک لڑکی ایک دم سے اس کی منکوحہ نکل آئی۔" وہ ڈھٹائی سے تمسخر بھرے انداز میں بولی۔
"وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے رباب۔" سفیر نے نرمی سے رباب کو ٹوکا۔ وہ امی اور ابو کو مختصراً" معیز اور ابیہا کے نکاح کا قصہ بتا چکا تھا۔
"اور پھر بیاہ کے زارا نے گھر میں آنا ہے اس کی فیملی نے نہیں۔ زارا بہت اچھی اور سمجھ دار لڑکی ہے۔" امی نے تنبیہی نظروں سے رباب کو دیکھتے ہوئے کھلے دل سے زارا کی سچی تعریف کی تھی۔
"ہاں بھئی۔ ان کی مجبوری تو وہی جانتے ہیں۔ ہمیں اتنی گہرائی میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف اپنی بہو رانی سے غرض ہے۔"
ابو نے مسکراتے ہوئے کہا تو سفیر ہلکا پھلکا ہو گیا۔ جبکہ رباب اپنی جگہ تلملا کر رہ گئی۔
اس کے دماغ نے شیطانی منصوبہ بنانے کی ٹھان لی تھی۔

٭ ٭ ٭

عون گیٹ سے اندر آتے ہی معیز سے الجھ پڑا۔
"کیا یار۔ اتنی مشکل سے میری بیوی ہاتھ لگی تھی۔ اس پر بھی تم لوگوں نے قبضہ جمالیا ہے۔"
ثانیہ تین دن سے ابیہا کے ساتھ انیکسی میں رہ رہی تھی۔ معیز ہنسنے لگا۔
"یہی تو امتحان ہے دوستی کا۔ فرسٹ آنا چاہیے تجھے اس میں۔" اسے چھیڑا۔
"شٹ اپ یار۔ زندگی بے رنگ کردی ہے میری تم میاں بیوی نے۔ رات کو نیند نہیں آتی' صبح کو آنکھ نہیں کھلتی۔ ابا تو عاق کرنے پہ تلے ہوئے ہیں مجھے۔" اس نے جی بھر کے مسکینی طاری کی تھی خود پر۔ معیز ہنستے ہوئے اسے لان میں لے آیا۔
"دے دیں گے تمہاری بیوی واپس۔ اتنے تھڑدلے مت بنو۔"
"جناب کو ابھی بیوی ملی نہیں ہے نا۔ اس لیے پتا نہیں ہے کہ بیوی کے مل کے چھن جانے کا دکھ کیسا ہوتا ہے۔" عون نے آہ بھری۔ "خبیث۔" معیز کو ہنسی آگئی۔
"پھر بھی یار۔" وہ رازدارانہ انداز میں آگے کو جھکا تو معیز بھی بے ساختہ آگے ہوا۔ "کب تک تم دونوں کے بیچ۔ "ہم اس پار تم اس پار" والی سچویشن رہے گی۔؟"
معیز ٹھنڈی آہ بھر کے سیدھا ہوا۔

"پکچر ابھی باقی ہے' میرے یار۔ ماما نہیں مان رہیں۔"
"اوہو۔ نکاح ہو چکا ہے اب تو قاضی والا بیان بھی نہیں رہا' اٹھا کے لے آؤ یار۔"
"کس کو۔ قاضی کو؟" معیز نے تحیر سے پوچھا۔
"گدھے۔ میری بھابھی کو۔" عون نے دانت پیسے۔ معیز اور حیران۔
"تمہاری بھابھی کو کیوں۔؟" جواباً" عون کا مکا اس کا کندھا سینک گیا۔
"تیری بیوی کی بات کر رہا ہوں۔" معیز نے رکا ہوا قہقہہ فضا کے حوالے کیا۔ عون کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"اچھے لگ رہے ہو۔ مطمئن۔ اور پرسکون۔ بہت لمبے عرصے کے بعد پہلے والے معیز احمد کی طرح۔" وہ مسکراتا رہا۔
"میری مانو تو اب رخصتی کروالو۔ اگر آنٹی کا مسئلہ ہے تو خود رخصت ہو کے انیکسی میں آجاؤ۔"
عون اسے اوٹ پٹانگ مشورے دیتا رہا اور وہ ہنستا رہا۔ مگر دل کو یہ باتیں اچھی لگ رہی تھیں اور ایک الگ ہی لے میں دھڑکا رہی تھیں۔ اس کے دل و جان سے قریب تر ایک رشتہ موجود تھا۔ جو اس کی دسترس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بس ایک جھجک مانع تھی دونوں کے مابین۔
وہ جب سے واپس آئی' ثانیہ اس کے ساتھ تھی۔ تو معیز پلٹ کر انیکسی میں نہیں گیا تھا۔
"میں تو آج اپنی بیوی کو ہر حال میں لے کے جاؤں گا۔ میرا' میرے کمرے کا اور میرے گھر کا حال خراب ہو رہا ہے۔" عون نے اسے دھمکایا۔
پھر کچھ سوچ کر شرارت سے بولا۔
"موقع اچھا ہے معیز! بھابھی بے چاری اکیلی ہو جائیں گی خاصی۔"
"تو فکر نہ کر۔ اسے اکیلے رہنے کا خاصا تجربہ ہے۔" معیز نے اسے چڑایا تو وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم کے غم و غصے کو زارا نے قدرے ٹھنڈا کر دیا تھا۔
"ماما پلیز۔ میری شادی میں تو اس مسئلے کو مت اٹھائیں۔ میں اس گھر سے مطمئن ہو کر جانا چاہتی ہوں۔ پریشان دل کے ساتھ نہیں۔"
وہ رونے لگی تو انہوں نے بے بسی سے کہا۔
"تو کیا کروں۔ اس خبیث لڑکی کو اپنی بہو تسلیم کر لوں؟"
"خدا کے لیے ماما۔" زارا نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔
"ہم بھائی کی خوشی میں خوش ہیں۔ آپ بھی راضی ہو جائیں۔" تو وقتی طور پر سفینہ بیگم کو خاموش ہونا پڑا۔ مگر رباب کے فون نے ان کی نفرت انگیز سوچوں کو اور مہمیز کیا۔
"دیکھا آنٹی! آپ نے کیسے کھیلا ہے معیز نے میری زندگی اور میرے جذبات کے ساتھ۔"
وہ بوکھلا گئیں۔ کل وہ لوگ تاریخ لینے آرہے تھے اور آج رباب کا فون۔
"میری چندا۔! وہ مجبور ہو گیا ہے۔ زبردستی کا بندھن منڈھ دیا تھا تمہارے انکل نے اس کے سر۔ تمہاری شکل میں اسے اپنا آئیڈیل مل گیا تھا۔ مگر کیا کرے بے چاری یتیم لڑکی ہے۔ اس لیے ہی چھوڑ بھی نہیں پا رہا اسے۔"
انہوں نے نمناک لہجے میں ادھر ادھر کی ساری ہی لگا دیں۔ رباب نے دانت پیسے۔

"مگر میں اپنی انسلٹ بھی نہیں بھولوں گی آنٹی۔ معیز نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا اور اگر کسی کی بیٹیوں کے ساتھ برا کیا جائے تو اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ یہ بات یاد رکھیے گا۔"

سفینہ بیگم دھک سے رہ گئیں۔ رباب کی دھمکی کا ماخذ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔ اس کا اشارہ صاف طور پر زارا کی طرف تھا۔ جو اپنی نئی زندگی گزارنے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

"تم فکر مت کرو رباب! میں نے تو ہمیشہ معیز کے لیے دلہن کے روپ میں تم ہی کو سوچا تھا اور ان شاء اللہ تم ہی اس گھر میں آؤ گی، بہو بن کر۔"

وہ ایک مصمم عہد کے ساتھ جوشیلے انداز میں بولیں تو ان کے کمرے کے دروازے تک آیا ایراز ٹھٹک گیا۔ اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پھیل گئیں۔

☆ ☆ ☆

بے حد خوش گوار ماحول میں چائے پی گئی اور ریفریشمنٹ سے خوب انصاف کیا گیا تھا۔

سفینہ بیگم کی دلائی گئی امید (اور شاید اپنے کسی منصوبے) کے تحت رباب، بہت اچھے موڈ میں تھی۔ معیز سے بھی یوں ملی جیسے بہت اچھی دوستی ہو۔ مگر معیز کا انداز بہت محتاط سا تھا۔ سفینہ بیگم نے بڑے اچھے ماحول اور موڈ میں زارا کی شادی کی اس مہینے کے آخر کی تاریخ دی تو ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرایا گیا۔

"اور اس موقع پر میں آپ لوگوں کی اجازت سے اپنے دل کی ایک اور خواہش بھی پوری کرنا چاہتی ہوں۔" سفینہ بیگم نے اچانک کہا۔ تو فطری طور پر سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

رباب کا ہاتھ تھام کر انہوں نے اپنے بالکل ساتھ لگا کر اسے بٹھایا تو معیز کا رنگ اڑ گیا۔

"جی۔ ضرور۔ آج تو دن ہی خوشی کا ہے۔" سفیر کی امی نے خوش دلی سے سمدھن کا حوصلہ بڑھایا۔

معیز کا دل گھبرانے لگا۔ وہ ایک ٹک ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ یہ چہرہ اس کا سینکڑوں نہیں ہزاروں بار کا پڑھا ہوا تھا۔ اسے اچھی طرح سمجھ میں آ گیا تھا کہ سفینہ اسے کہاں مات دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وہ یقیناً" رباب اور معیز کے رشتے کی بات کرنے لگی تھیں

اور ماں کے رشتہ مانگ لینے کے بعد بیٹا اٹھ کے انکار کرتا تو بہن کی ہونے والی سسرال میں کیا طوفان نہ اٹھتا۔ وہ ساکت سا بیٹھا تھا۔

سب کی نظریں سفینہ بیگم کے کھلتے ہوئے چہرے پر تھیں۔ جنہوں نے بڑی لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے تفاخر سے مسکراتی رباب کو ساتھ لگا رکھا تھا۔ تب انہوں نے اچٹتی مگر بے حد جتاتی ہوئی نگاہ معیز پر ڈالی تو ان کی نگاہوں میں کھلا چیلنج اور اپنی مرضی چلانے کا عزم دیکھ کر معیز کا دل بیٹھنے لگا۔

اسی وقت ایراز پیچھے سے جھکا اور ماں کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے شوخی سے سب کو مخاطب کیا۔

"ماما! یہ خوشی کی خبر اور آپ کی خواہش میں شیئر کروں گا۔" سفینہ اس افتاد پہ گڑبڑا سی گئیں۔ بھلا اس بے وقوف کو کیا پتا۔ وہ کھنکھارا۔

"دراصل آنٹی! ماما کی دلی خواہش ہے کہ زارا کی شادی کے ساتھ معیز بھائی کی شادی بھی نمٹا دی جائے اور اس گھر میں بہو آ جائے۔ اس لیے یہ چاہتی ہیں کہ ایمہا بھابھی بھی رخصت ہو کر اس گھر میں آ جائیں اگر آپ کو دونوں فنکشنز کے اکٹھا ہونے پر اعتراض نہ ہو تو۔"

ایراز کی بات سن کر سفینہ بے ہوش ہونے کو ہو گئیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عفت سحر طاہر

بن مانگی دعا

وہ کئی دنوں سے تاک میں تھی۔ اس کا موبائل واحد امید تھا جو اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ معیز کو مدد کے لیے پکار سکتی اور جب سلطانہ نے معیز کا نمبر مراد صدیقی کو دینے کے لیے موبائل نکالا تو واش روم سے واپس آتی' ابیہا نے کن انکھیوں سے اسے موبائل واپس دروازے سے لٹکتے تھیلے میں گھسیڑتے دیکھ لیا اور آج جب اسے موقع مل ہی گیا کہ وہ جلدی سے معیز کا نمبر ملا کر اسے مدد کے لیے پکار لیتی تو حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

جانے کہاں سے آ کے سلطانہ نے چیل کی طرح جھپٹا مار کے اس سے موبائل چھین لیا' بلکہ اس کے ساتھ ہی ابیہا کی بھی شامت آگئی۔ منہ سے گندی مغلظات بکتے ہوئے اس نے ابیہا کو بے دردانہ وار مارنا شروع کیا تھا اور وہ ٹھٹھرتے ہوئے اس لیے بے بسی سے پٹتی اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ ادھر اُدھر دیکھتا' بہت محتاط انداز میں فون بوتھ کی طرف بڑھا تو دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیب سے معیز کے موبائل نمبر والی پرچی نکال کر اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ نمبر ملانا شروع کیا اور اسے حیرت نہیں ہوئی' جب اگلی ہی بیل پہ کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"ہیلو...." مراد صدیقی کھنکھارا۔

چوبیسویں قسط

سفیر احسن کے والدین کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بھئی ہمیں کیوں اعتراض ہوگا بلکہ میرے خیال میں تو فنکشنز کا مزہ اور بھی دوبالا ہو جائے گا۔" احسن صاحب نے کھلے دل سے کہا۔
رباب کی رنگت تو اڑی سو اڑی۔ سفینہ بیگم کے اندر تو ایک قہر کروٹیں لینے لگا۔
انہوں نے سرد مہری سے ابراز کے اپنی گردن میں لپٹے بازو پیچھے کیے مگر ابراز کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔
اس کی نگاہ اپنے بھائی کے پرسکون اور دھیمی سی مسکراہٹ سے سجے چہرے پر تھی۔
یہ وہ چہرہ تھا جو چار سال پہلے کہیں کھو گیا تھا اور ابراز کو خوشی تھی کہ یہ پیارا چہرہ اس نے خود ڈھونڈ نکالا تھا۔
سفینہ بیگم کو ان لوگوں کے سامنے بہت ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑا مگر رباب پر تو ایسی کوئی پابندی نہیں نہیں تھی۔ وہ سخت تاثرات لیے اینٹھی بیٹھی رہی۔ سفینہ اس کے رد عمل کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں مگر کیا کرتیں۔
جب اولاد ماں باپ کو بات دینے کے قابل ہو جائے تو ماں باپ کا زندگی بھر کا تجربہ فیل ہو جاتا ہے۔
وہ بھی اسی پوزیشن پر تھیں۔ انہوں نے ایک بار رباب کو زارا کے کمرے میں جانے کی بھی آفر کی مگر وہ سنی ان سنی کیے بیٹھی رہی۔ سفینہ بیگم دل ہی دل میں اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے متوحش ہو رہی تھیں۔
اسی لیے بس ان لوگوں کے جانے کی دیر تھی سفینہ بیگم پھٹ پڑیں۔
"بس کردیں ماما۔۔۔ خوشی کے موقع کو خوشی سے سیلیبریٹ کریں۔"
زارا نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔
"بس بس۔۔۔" وہ ہاتھ اٹھا کر تیز و تلخ لہجے میں بولیں۔ "خبردار جو مجھے پڑھانے کی کوشش کی ہو تو۔"
ابراز اور معیز خاموشی سے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تیز نظروں سے ابراز کو دیکھا۔
"افسوس۔ ایک بیٹا تو خراب نکلا ہی تھا' دوسرا بھی اسی کے نقش قدم پہ چل نکلا۔ تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی ابراز۔"
"بھائی نے کچھ غلط نہیں کیا ماما۔ ابو کی بات مانی تھی اس میں خرابی کیا ہے آخر؟"
ابراز نے نرمی سے کہا۔ وہ سفینہ بیگم کو مزید غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا۔
"باپ کی مان لی۔ اور میں جو اسے کب سے کہہ رہی ہوں کہ طلاق دے کر اس سے اپنا پیچھا چھڑائے۔ وہ ماننا اسے گناہ لگتا ہے۔" وہ چیخیں۔
"اس سارے معاملے میں ایمہا بے قصور ہے ماما! وہ تو خود حالات کا شکار بنتی رہی ہے۔"
معیز نے پہلی بار لب کھولے تھے۔ سفینہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔
"مان لیا وہ بے قصور ہے' مگر اب کافی کچھ اس کے ہاتھ لگ چکا اس نکاح کے بعد۔ اس سے کہو سمیٹے اور یہاں سے جائے۔"
انہوں نے تنفر اور نخوت کا مظاہرہ کیا تو معیز چند لمحے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد اٹھا اور چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سفینہ بیگم کے چہرے پر ان کے مخصوص سرد تاثرات تھے۔
"آپ بھول رہی ہیں ماما۔۔۔! اس نکاح کے بعد آپ کا بیٹا۔۔۔ معیز احمد بھی اس کے ہاتھ لگا ہے۔"
معیز نے عجیب سے انداز میں کہا تو وہ دھک سے رہ گئیں مگر پھر فوراً" ہی چلانے لگیں۔
"ہاں ہاں۔ اب تم اس منحوس' کرموں جلی کے پیچھے اپنی ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کھڑے ہو گئے۔" معیز نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔
"ماما پلیز۔ اپنی اولاد کی خوشی دیکھیں اور بس۔"

معیز کا دکھ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ کچھ تو تھا اس کے لب و لہجے میں جس نے سفینہ کے دل کو ہلا دیا۔
"اولاد جلتے کوئلے کو ہاتھ میں لینے کی ضد کرنے لگے تو مائیں ان کی بات نہیں مان جایا کرتیں معیز۔"
وہ قدرے دھیمی پڑیں مگر لہجے کی سختی برقرار تھی۔
"اب تو وہ جلتا کوئلہ ہاتھ میں آ چکا ماما! تجربہ ہو چکا۔ ہیرا پایا ہے آپ کے بیٹے نے۔"
ابراز نے وہیں بیٹھے اطمینان سے لقمہ دیا تو وہ تلملا اٹھیں۔
"تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھو۔ سخت مایوس کیا ہے تم نے مجھے۔ بھری محفل میں دو تھپڑ تمہیں جڑتی تو کیا عزت رہ جاتی تمہاری۔"
"ماں کی مار میں سو ماؤں کا پیار ہوتا ہے۔ میری تو ویلیو بڑھ جاتی آپ کے دو ہاتھ لگنے سے۔"
لاپروائی سے کہتا وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ سفینہ نے اسے گھورا' مگر اس کی بات سن کے دل ذرا سا نرم ضرور پڑ گیا۔

"سب سے بڑا روگ
کیا کہیں گے لوگ"

معیز نے کہا تھا' وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔
"اپنے بیٹے کی خوشی دیکھیں ماما! ہمیں دنیا کے بنائے اصولوں کے مطابق نہیں جینا۔"
وہ ماں تھیں' بیٹے کے چہرے کو اچھی طرح پڑھ سکتی تھیں۔ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اور ہاتھوں میں منہ چھپا کے رونے لگیں۔ بیٹوں کا دل دکھ سے بھرا تو وہ دونوں ان کے دائیں بائیں آ بیٹھے۔ اسی اثنا میں زارا بھی آ گئی تھی۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئی۔ آ کے سفینہ بیگم کے قدموں میں بیٹھ گئی ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔
"کیا ہوا ماما۔۔۔؟" انہوں نے چہرہ اوپر اٹھایا تو آنسوؤں سے تر تھا اور سرخی لیے ہوئے آنکھیں۔
"کیوں رو رہی ہیں؟" زارا خود بھی رونے والی ہو گئی۔
"رووں نہ تو اور کیا کروں۔ گھر برباد ہو رہا ہے میرا۔"
وہ چیخ کر بولیں۔ تو زارا کی سمجھ میں سارا معاملہ آ گیا۔ وہ گہری سانس بھرتی اٹھ گئی۔
اسے علم تھا اس معاملے میں وہ اپنی ماں کو کبھی بھی سمجھا نہیں سکتی۔ زارا کی بے اعتنائی محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر تلملائی تھیں۔
"وہ گھر بنانے والی لڑکی ہے ماما! ٹرسٹ می۔"
معیز نے ان کے شانے پر بازو پھیلاتے ہوئے محبت بھرے تیقن سے کہا تو وہ جلبلا اٹھیں۔
"اب تم اس کی گواہیاں دو گے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تمہاری اس کی جان پہچان کو۔"
"وہ گمنام نہیں ہے ماما۔ ہمارے خاندان سے ہے۔ آپ کے ابو کے۔۔۔"
ابراز نے نرمی سے کہا' مگر اس کی بات کا وہ اتنا شدید رد عمل ظاہر کریں گی' یہ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا۔
"دھبہ ہے اس کی ماں ہمارے خاندان کے نام پر۔ بھگوڑی۔ اور یہ گھر بنائے گی۔۔۔" وہ نفرت اور تنفر سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئیں تو آواز میں اژدھے کی سی پھنکار تھی۔
"تمہارے باپ کی شرافت راس نہیں تھی اسے۔ اور جس کے ساتھ رخصت ہوئی تھی مجھ سے زیادہ اچھی طرح تم جانتے ہو اسے۔ اسی کی بیٹی ہے وہ۔"
"مگر ایمہا ایسی نہیں ہے۔ بہت مختلف ہے۔" معیز نے کہنا چاہا۔

"ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوا کرتی ہے معیز احمد۔" وہ غرائیں۔
"اپنے تجربات ہی سکھائے ہوں گے اسے بھی۔ کمینی تھی کمینی۔ مر کے بھی تمہارے باپ کے دل سے نہیں گئی۔ کتنے آرام سے جا کے میرا بیٹا اس کی گود میں ڈال دیا۔"
آخر میں وہ رندھے لہجے میں کہتی کف افسوس ملنے لگیں۔ زارا کے دل میں شدید تاسف جنم لینے لگا۔ سفینہ بیگم کی بدگمانی کی کوئی حد نہ تھی۔
"ماما پلیز۔ اب بس کر دیں۔"
"اور تم۔" انہوں نے ایراز کے ہاتھ کو جھٹکا۔
"تمہاری تو شکل دیکھنے کو دل نہیں کر رہا میرا۔ کیوں بکواس کی تھی تم نے سب کے سامنے۔ اگر میں بول اٹھتی تو۔۔۔"
"اور جو آپ کرنے والی تھیں۔ اگر بھائی بول اٹھتے تو۔۔۔؟"
زارا نے ان کی بات کاٹ کر دکھ سے کہا تو انہوں نے ہلکے سے تفاخر کے ساتھ معیز کو دیکھا۔
"جو باپ کے سامنے نہ بولا' وہ ماں کے سامنے کیا بولتا۔"
"اتنا جانتی ہیں اپنے بیٹے کو تو پھر اسے اس کی خوشی سے زندگی جینے دیں ماما۔"
زارا کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے بولی اور پھر سفینہ بیگم کو لاجواب ہوتا دیکھنے کو ٹھہری نہیں۔۔۔ وہ لاؤنج سے باہر نکل گئی۔۔۔ شاید لان میں۔
"ہنہ۔۔۔ دماغ خراب ہے سب کا۔" انہوں نے سر جھٹکا۔
مگر وہ جانتی تھیں' فی الحال وہ اپنی اولاد کے درمیان بری طرح پھنس چکی تھیں۔
انہوں نے دل ہی دل میں کوئی قطعی فیصلہ کر کے معیز کی طرف دیکھا اور سنجیدگی اور قطعیت سے بھرپور لہجے میں بولیں۔
"میں اسے اس گھر میں قبول کر لوں گی معیز۔۔۔ مگر اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔"
ان کی آفر اس قدر غیر متوقع تھی کہ معیز اٹھ کر ان کی شرط جانے بغیر ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا اور خوشی سے سنسناتے لہجے میں بولا۔
"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے ماما۔"
ایراز نے کچھ کہنے کو لب کھولے' مگر معیز کے جملے کے بعد تاسف سے لب بھینچ کر رہ گیا۔
معیز کی نگاہ ماں کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ امی اور بھابھی کے پاس سے اٹھ کے آئی تو عون کمرے میں محو انتظار بوریت کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ ٹی وی چینلز کو بے دلی سے تبدیل کرتے عون کے لبوں پر ثانیہ کو اندر آتے دیکھ کر۔۔۔ مسکراہٹ آئی۔
مگر ثانیہ اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالتی اپنے کپڑے لیے واش روم میں گھس گئی۔ عون کے ہونٹ سکڑ گئے۔ پر سوچ انداز میں سر کھجایا' مگر کوئی بھی جرم یاد نہیں آیا۔ تو وہ گہری سانس بھر کے تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز کیفیت میں بیٹھ گیا۔
ثانیہ کپڑے تبدیل کر کے نکلی تو حسب عادت چٹیا کھول کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کو برش کرنے لگی۔

"بڑی مغرور ہو کے آئی ہو تم تو۔ لفٹ ہی نہیں کروا رہیں۔"
وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف رہی۔
"ثانی۔!" عون کی پکار میں تنبیہہ تھی۔
وہ برش رکھ کے بالوں کو نرم سے اونی بینڈ میں جکڑنے لگی۔ وہ رات کو بال چٹیا میں باندھ کے سونے کی قائل نہیں تھی۔ وہ بستر کی طرف آئی۔ یوں ہی منہ پھلائے تکیہ اٹھا کے بستر کو جھاڑا۔ پھر دھپ سے بستر پہ بیٹھ کے عون کو گھور کے دیکھا۔
"اف!" شرارت سے مسکرا کر عون نے آنکھیں میچتے ہوئے دل پہ ہاتھ رکھا تو ضبط کرتے ہوئے بھی ثانیہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"رہنے کیوں نہیں دیا مجھے ایبہا کے پاس۔" اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔
"اوہ!" عون نے گہری سانس بھری۔ پھر اسے احساس دلانے والے انداز میں بولا۔
"شرم کرو بیوی۔! تین دن اور دو راتیں رہ کے آئی ہو اس کے ساتھ۔ ابھی بھی شکوہ۔ ابھی بھی ناراضی؟"
"تین دن ہی تھے تین سال تو نہیں نا۔" اس نے منہ پھلایا۔ عون کی آنکھیں پھیلیں۔
"یعنی تم تین سال بھی گزار سکتی ہو میرے بغیر۔"
"تو۔؟ پہلے بھی تو چوبیس سال گزارے ہیں۔" بے نیازی سی بے نیازی تھی۔
عون کی آنکھوں میں تپش سی اترنے لگی۔
"گزارے تو میں نے بھی کئی سال ہیں۔ مگر اب تین دن نہیں گزر رہے تھے۔"
وہ بڑے نارمل سے انداز میں بولا تو ثانیہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔
وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور اس مسکراہٹ میں توجہ، محبت اور اس محبت کے اقرار کے تمام رنگ تھے۔
وہ ایک خوبرو مرد تھا۔ ثانیہ کے دل نے پکار پکار کر اعتراف کیا۔ عون کے ہاتھ تلے دبا اس کا ہاتھ موم بننے لگا۔
"وہ اکیلی تھی وہاں۔" ثانیہ نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔
"اور میں یہاں۔" وہ ترنت بولا اور بس۔ ثانیہ عون عباس ہار سی گئی۔ اس کی تمام دلیلیں دم توڑ گئیں عون کی محبت میں اس کے دلائل سے زیادہ شدت تھی۔ اور جہاں محبت شدید ہو وہاں گھٹنے ٹیک دینے میں ہی بڑائی ہے۔
ثانیہ کے ہونٹوں پر بھی بہت پیاری اور پرسکون سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آگے بڑھ کے عون کے بازو پہ سر رکھا اور اسی کے انداز میں نیم دراز ہو گئی۔
چہرہ موڑ کے عون کو دیکھا۔
"آئی لو یو۔ بہت زیادہ۔" عون کا اظہار انوکھا تھا تو ثانیہ کا اس سے بھی انوکھا۔
"می ٹو۔ تم سے بھی زیادہ۔"
دونوں کی ہنسی سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز پر کچن میں اپنے لیے چائے بناتی ایبہا کا دل جیسے تیزی سے دھڑک اٹھا۔ شاید معیز آیا تھا۔
اسے واپس آئے تین چار روز ہو چکے تھے اور گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کی طرف نہ پلٹا تھا۔ حتیٰ کہ اسے اپنے ساتھ لانے والا معیز احمد بھی۔

"اف۔ میری وجہ سے شرمارہے ہیں تمہارے سرتاج۔ مگر اچھا ہے انہیں ذرا ان کی بے اعتنائیوں کی سزا ملنی چاہیے۔" اس کی بے چینی بھانپ کر شانیہ مذاقاً" کہتی تھی۔ وہ جلدی سے آنچ ہلکی کرتے ساس پین کو کور سے ڈھک کے کچن سے باہر نکلی تو زارا کو اندر آتے دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔ مگر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی ہو زارا۔؟"

اس کے انداز میں مخصوص پیار تھا۔ زارا کو ٹوٹ کر رونا آیا۔ وہ آگے بڑھی اور اس سے لپٹ کر دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

"آئی ایم سوری ایمہا! مجھے معاف کر دو۔ بہت غلط کیا میں نے تمہارے ساتھ۔"

وہ بہت نادم و شرمسار تھی۔ ایمہا نے اس کی پشت تھپتھپائی۔

"وہ سب تو اب ختم ہو گیا زارا۔! خود کو الزام مت دو۔"

وہ اس سے الگ ہو کر دوپٹے سے رگڑ کر آنکھیں اور چہرہ صاف کرنے لگی۔

"میں نے تمہاری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ محض اپنی زندگیوں کو پرسکون بنانے کے لیے۔ آئم سوری۔ ایمہا۔" وہ بھرائے لہجے میں بولی۔

"غلطی تو میری بھی تھی۔ تم نے کہا اور میں چلی گئی۔ تھوڑا سا تو سوچنا چاہیے تھا مجھے۔"

زارا ندامت کا شکار تھی اور ندامت بھی ایسی کہ خود اذیتی کی سی کیفیت ہو جیسے۔ وہ بار بار دہراتی کہ اس کی وجہ سے ایمہا برے حال کو پہنچی تھی۔

مگر اب جبکہ ایمہا کے خیال میں سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا تو وہ زارا کو بھی ندامت کے اس گڑھے میں سے نکال لینا چاہتی تھی۔

"بڑے اچھے وقت پہ آئی ہو۔ میں چائے بنا رہی تھی۔"

ایمہا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"بس دو منٹ میں لاتی ہوں چائے۔ پھر دونوں بیٹھ کے باتیں بھی کریں گے اور چائے بھی پئیں گے۔"

وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اپنے کشیدہ اعصاب کو شدید تھکاوٹ کی زد میں محسوس کرتے ہوئے زارا نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

وہ معیز کے لیے بہت خوش تھی۔ اس کی زندگی اب بنتی نظر آ رہی تھی۔ بگڑی تو بہت بار تھی مگر سنور پہلی بار رہی تھی۔

وہ دودھ کا اضافہ کر کے اپنے اور زارا کے لیے دو کپ چائے لے آئی تھی۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اپنی بھابی کو خود چائے پیش کرتی اور یہاں تم میری خاطر کر رہی ہو۔"

زارا نے ندامت سے کہا۔ تو وہ جھینپ سی گئی۔

"کوئی نہیں۔ پیو تم۔"

زارا کو اس کی گلابی پڑتی رنگت بہت پیاری لگی۔

لان کے سفید اور گلابی کڑھائی کیے لباس میں سادہ انداز میں بندھے سیاہ بال اور زندگی کی چمک سے بھرپور گلابی چہرہ لیے وہ زارا کو بہت پرکشش لگی۔

"میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے آئی مین رخصتی کی۔" زارا نے اسے بتایا۔

"ارے واہ۔ بہت مبارک ہو۔" وہ واقعی خوش ہوئی۔

اسے ثانیہ کی شادی میں آنے والا مزہ یاد آیا۔ تو دل میں گدگدی سی ہوئی۔ اسے تو یوں بھی شادی میں شرکت کا بہت شوق تھا۔

"اس سے بھی بڑی خوشی کی خبر ہے ایک۔"

زارا نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ اشتیاق سے زارا سے پوچھنے لگی۔

"اچھا۔ اور وہ کیا ہے؟"

"وہ یہ ہے کہ۔ تم بھی میرے بھائی کے سنگ یہاں سے رخصت ہو رہی ہو۔"

زارا کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور ایبہا۔ وہ تو ماتوا ایک دم بے یقینی کی سی کیفیت میں گھر گئی۔

"میری ڈیٹ فائنل ہو رہی تھی تو ساتھ ہی تمہیں اور بھائی کو بھی نمٹا دیا گیا۔"

وہ دوستانہ انداز میں بتانے لگی۔

"کس۔ کس نے طے کیا ہے؟"

ایبہا امید و آس کے سہارے پوچھ بیٹھی۔ کیا پتا سفینہ بیگم کے دل پہ لگی مہر ہٹ گئی ہو۔

"جھوٹ نہیں بولوں گی ایبہا۔ ماما نے طے نہیں کیا یہ سب۔" زارا اسے خوش فہمی کا شکار نہیں کرنا چاہتی تھی' صاف گوئی سے بتا دیا اور پھر ساتھ ہی ساری تفصیل اس کے گوش گزار کر دی۔

ایبہا کا دل دکھا۔

سفینہ بیگم ابھی تک وہیں کی وہیں کھڑی تھیں۔ ہر حال میں اسے شہ مات دینے کے لیے۔

مگر کبھی کبھار شہ مات دینے کی آرزو رکھنے والوں کے اپنے مہرے بہت بری طرح پٹ جاتے ہیں۔ تب بھی وہ نصیحت نہ پکڑیں تو یہ ان کی کم نصیبی۔

"معیز بھائی کی طرف سے کوئی غلط فہمی دل میں مت لانا ایبہا۔ وہ تو تمہیں پوری طرح قبول کر چکے تھے۔ بس مجھے ہی عقل نہیں تھی جو تمہیں اس قدر بڑے امتحان میں ڈال دیا۔"

زارا عاجزی سے اپنی غلطی کا بار بار اعتراف کر رہی تھی۔ اور اب جبکہ وہ بار بار معذرت کرنے کے بعد جا چکی تھی تو ایبہا کو معیز سے گلہ ہو رہا تھا۔ وہ بستر پہ دراز ہو گئی۔

"وہ کیوں نہیں آئے؟"

اور یہ سوال اس کے معصوم سے مان کو ٹھیس پہنچا رہا تھا۔ ماتھے پہ ثبت معیز کے لبوں کا ہلکا سا لمس تپنے لگا تو اس نے بے اختیار اپنی پیشانی پہ بازو رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

معیز احمد اپنے بنا سوچے سمجھے کیے وعدے کا شکار ہو گیا۔ سفینہ بیگم نے صرف دو ماہ کے "ٹرائل بیس" (آزمائشی طور) پر ایبہا کو اپنی بہو تسلیم کرنے کی شرط رکھی تھی۔ اور اس دوران اگر انہیں لگا کہ وہ اس گھر کی بہو اور معیز کی بیوی بننے کے لائق نہیں ہے تو معیز کو سفینہ بیگم کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنا ہو گا۔

اور معیز نے بنا چوں چراں کیے ان کی یہ شرط منظور کر لی تھی۔ سفینہ بیگم کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ پھر سے وہی غلطی دہرانے والے ہیں۔ ماما اس آزمائشی امتحان میں انہیں فیل کرنے والی ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے۔"

سفینہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔
ابراز اس کی حد سے زیادہ فرماں برداری پر چڑ گیا تھا۔ معیز ذومعنی انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
"زندگی ہمارے طے کردہ منصوبوں کے مطابق نہیں گزرتی۔ سویٹ برادر۔ اس لیے تم فکر مت کرو۔"
ابراز کے ہونٹوں پر بھی آہستہ آہستہ مسکراہٹ بکھر گئی۔
مگر سفینہ بیگم تو یہ چال کھیل کے پہلے ہی روز پچھتانے لگیں۔
"ماما۔ میں پارلر جارہی ہوں۔"
"ہاں ہاں۔ ضرور جاؤ۔ ٹائم کم رہ گیا ہے شادی میں۔" وہ مسکرائیں۔
"میں ایبھا کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ اس کا نام بھی اپنے ساتھ رجسٹرڈ کروادوں گی۔"
معیز صوفے پہ مطمئن سا بیٹھا چینلز سرچ کررہا تھا۔ زارا نے پیچھے سے جھک کر اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے شوخی سے کہا تو معیز کے ہونٹوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
سفینہ بیگم نے تلملا کر پہلو بدلا۔ اور سنجیدگی سے بولیں۔
"اسے گھر پہ ہی رہنے دو۔ پہلے دوبار اغوا ہوچکی ہے وہ۔ ہم پھر سے رسک نہیں لے سکتے۔"
ان کا انداز جتانے والا تھا۔ زارا پھیکی سی پڑی۔
"میں خود پک اینڈ ڈراپ کروں گا ماما! ڈونٹ وری۔"
معیز نے بات ہی ختم کردی تھی۔ وہ دانتوں پہ دانت جما کر رہ گئیں۔ ہلکا سا گھور کے اپنی لاڈلی کو دیکھا جس نے یہ بے وقت کا شوشا چھوڑا تھا۔
(بھلا ٹرائل بیس پہ آنے والی بہو پہ اتنا پیسہ لگانے کی کیا ضرورت۔)
وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

زارا کی بات سن کر وہ بدک کر رہ گئی۔
"نا۔ نہیں۔ میں یوں ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں پارلر جانے کا۔"
زارا نے پیار اور رشک سے اس کی گلابی رنگت کو دیکھا' سیاہ پلکوں سے سجی گھور سیاہ آنکھوں کی چمک دیکھنے لائق تھی۔ چہرے پہ کہیں ہلکے سے نیل کے نشان باقی تھے اور بس۔
"شوق تو کیا... ضرورت بھی نہیں تمہیں کسی مصنوعی لیپا پوتی کی۔ بس یوں ہی میرے ساتھ چکر لگا کے میرے بھائی کا دل ہی خوش کردو۔"
وہ مسکرا کر بولی۔ تو ایبھا کا دل بے طرح سے دھڑکا۔
گلابی رنگت میں گلال سا گھلنے لگا۔
"میں واقعی نہیں جاؤں گی زارا! مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہیوی میک اپ۔"
"اوفوہ۔ ابھی تو پہلا سیشن ہوگا۔ اس میں میک اپ کا کوئی کام نہیں۔"
زارا نے ہاتھ ہلا کے گویا مکھی اڑائی اور پھر دو یا کسی احتجاج کے لیے اس کا منہ کھلتا دیکھ کر رعب سے بولی۔
"اب بس۔ اور دو منٹ میں تیار ہوجاؤ۔ ورنہ ایسے ہی پکڑ کے لے جاؤں گی۔"
ایبھا بے بسی سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔ اس کے جانے کے بعد ایبھا نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور

بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ باہر کھٹکا سا ہوا۔
زارا پھر آگئی تھی... ایبہا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"زارا! اندر آجاؤ..."
وہ پونی میں بالوں کو جکڑتے ہوئے اونچی آواز میں بولی۔ جھک کر برش رکھا اور پرفیوم اٹھا کر جلدی سے خود پر ہلکا سا اسپرے کرنے لگی۔
مگر اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے پرفیوم چھوٹتے چھوٹتے بچا۔
دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ معیز احمد اندر داخل ہوا تھا اور اب کمرے کے وسط میں آکھڑا ہوا تھا۔
ایبہا کی گھبراہٹ فطری تھی۔ ہاتھ بے اختیار اپنے گلے پر گیا۔ دوپٹا ندارد تھا۔ کن اکھیوں سے دیکھا۔ بڑے اہتمام کے ساتھ (حسب عادت) استری کر کے بیڈ پہ پھیلا کے ڈال رکھا تھا۔
"وہ... میں نے سمجھا... زارا ہے۔" وہ سمٹ کر اس کے پاس سے گزرنے لگی۔
"اچھا... میں نے سمجھا۔ تم نے کہا کہ ذرا اندر آجاؤ۔"
شرارت سے جملہ پھینکا تو وہ جو جھک کر جلدی سے اپنا دوپٹا ہاتھ میں لے چکی تھی۔ دوسرے ہاتھ کو معیز کے ہاتھ کی ملائم سی گرفت میں پا کر دھک سے رہ گئی۔
"نن... نہیں... قسم سے میں نے تو زارا کو کہا۔"
فوراً" صفائی پیش کی تو معیز نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام کر دوپٹا چھڑایا اور اس کا رخ اپنی طرف کیا۔
"اچھا... یعنی مجھے اجازت نہیں اندر آنے کی تو کیا میں واپس چلا جاؤں؟"
حد تھی معصومیت کی مگر ایبہا جیسی لڑکی کے لیے مزاح کی یہ قسم بالکل انجانی تھی۔
"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" فوراً" اس کا دل رکھ لیا۔
وہ سنجیدہ ہوا۔ بنظر غائر اس کا چہرہ دیکھا۔ تو ایبہا کسمسا سی گئی۔ اب تو باقاعدہ سے ٹانگیں لرزنا شروع ہو گئی تھیں۔
"کیسی طبیعت ہے اب؟"
"ٹھیک..." اثبات میں سر ہلایا۔ منہ سے اب کوئی بات قیامت تک نہ نکلتی اگر وہ یوں ہی ہاتھوں میں ہاتھ لیے اس کے اتنے قریب کھڑا رہتا۔
معیز نے انگشت شہادت سے اس کی پیشانی کے مندمل ہو چکے زخم کو نرمی سے چھوا۔
"کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مداوا "سزا" بھی نہیں کر سکتی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو ایبہا! اور میں تمام عمر اپنے کیے کی تلافی کرتا رہوں۔"
معیز نے اپنی پیشانی ایبہا کی پیشانی کے ساتھ ٹکا دی تھی۔ دکھ' تاسف' پشیمانی... ندامت و شرمساری کا ہر احساس جھلک رہا تھا اس کے الفاظ و انداز سے۔ ایبہا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
معیز کے قرب کے احساس پر اس کی باتوں کا احساس حاوی ہونے لگا۔ ایبہا کو احساس بھی نہیں ہوا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ معیز نے نرمی سے اس کو بازوؤں کے حصار میں لے لیا تو بس...
یہ حد تھی اس کے زندگی بھر کے ضبط اور برداشت کی۔ وہ بلک اٹھی۔
کسی کا رونا برداشت سے باہر تب ہی ہوتا ہے جب اس "رویے" میں آپ کے دیے ہوئے دکھ بھی شامل ہوں۔
مگر وہ اس کے اندر کا سارا دکھ' سارا خوف بہنے دینا چاہتا تھا۔

نرمی سے اس کی پشت سہلا کر اسے حوصلہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئی۔ یوں لگا ہر دکھ' ہر غم پہ آنسو بہا دیے ہوں اور اب رونے کے لیے کچھ باقی نہ بچا ہو۔ پھر وہ جیسے حواس میں لوٹی۔

معیز احمد... ہاں... وہ معیز احمد ہی تھا۔ آسمان کے وسط کا چاند۔ جسے وہ بس کبھی چھونے بلکہ دیکھنے کی تمنا ہی کیا کرتی تھی۔

اور آج یہ چاند آنگن میں اتر آیا تھا۔ یوں کہ اس کی چاندنی اسے سر تاپا سونے میں نہلا گئی۔ مشک بو کر کے پھولوں سے لدی ڈالی بنا گئی۔

وہ کسمسائی تو معیز نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بس...؟" وہ جھینپی سی ہنسی ہنس کے اس کے بازو ہٹاتی اپنا دوپٹا اٹھانے لگی۔

"ابھی میں مزید ایک گھنٹے تک تمہیں تسلی اور اور حوصلہ دے سکتا ہوں۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ابہا نے بے ساختہ اسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔ معیز نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا... مگر اسی وقت باہر سے زارا کی آواز آئی تو ابہا تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کے پیچھے معیز آیا تھا۔ مسکراتا چہرہ لیے۔

"آہم..." زارا کھنکاری۔ ابہا کوئی بات نہ ہوتے ہوئے بھی اس سے آنکھ نہ ملا پائی تھی۔

"میں آپ کو وہاں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں اور آپ یہاں..."

زارا نے بھائی کو مصنوعی ڈانٹا۔

"ہر چیز کو اس کے اصل مقام پہ ڈھونڈا جائے تو ضرور مل جاتی ہے بے وقوف۔"

معیز نے فلسفہ جھاڑا... تو زارا ہنسنے لگی۔ اس کی نگاہ پلٹ پلٹ کر ابہا تک جاتی تھی اور پھر زارا کو پارلر چھوڑنے تک بیک ویو مرر میں بھی یہ نگاہ اسی پر رہی۔

زارا گاڑی سے اتری تو ابہا بھی اس کے پیچھے۔

"تم کہیں نہیں جا رہیں۔"

معیز نے پلٹ کر اس سے کہا تو وہ ٹھٹکی... فوراً" زارا کو مدد کے لیے دیکھا۔

"پارلر تو مجھے جانا ہے تم آئس کریم پارلر جاؤ۔" زارا نے مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی تو وہ ہکا بکا سی ان دونوں بھائی بہن کو دیکھنے لگی۔

زارا ہاتھ ہلاتی پارلر کے اندر چلی گئی تھی اور وہ یوں ہی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"ہیلو۔" معیز نے ہاتھ بڑھا کے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تو وہ حواسوں میں لوٹی۔

"نیچے اترو اور آگے آجاؤ۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ ابہا تو سر تاپا مشک بو ہوئے جا رہی تھی' یہ کیا راز نہاں تھے جو اس پہ آج کھلے جاتے تھے۔

اچھا... تو ایسا ہوتا ہے چاہا جانا... اور ایسا ہوتا ہے کسی کی محبت کو "محسوس" لینا؟

وہ گویا ستاروں پہ پاؤں رکھتی اگلی نشست پہ آئی تھی۔

"تھینکس... مائی پلیزر میم..."

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ممنون سا لہجہ۔

بھگوڑی ماں کی بیٹی۔

شرابی اور جواری باپ کی نسل... آج تو سارے حسب و نسب کے داغ مٹ گئے تھے۔

"اب سے تمہاری پہچان صرف یہی ہے ابہا معیز احمد۔" معیز نے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔ کہتے ہوئے

اس نے ایبہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اسٹیئرنگ وہیل پر رکھ لیا۔ نرم و گرم ہاتھ کی گرفت میں دبا ایبہا کا سرد پڑتا ہاتھ۔

"کہ تم معیز احمد کی بیوی ہو۔" ایبہا نے اپنا آپ سبک ہو کر ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا۔

آج اسے ہر داغ اپنے وجود سے الگ ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے پہلی بار کھل کے مسکراتے ہوئے معیز احمد کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے۔ موڈ کیوں خراب ہے سویٹ ہارٹ... ملی بھی نہیں ہو کتنے دنوں سے..." سیفی اس کی ہر رمز پہچاننے لگا تھا اب۔ وہ چکنی مچھلی تھی' ہاتھ تو آتی مگر تڑپ کر ہاتھ سے نکل جاتی تھی اور وہ بڑے صبر سے اس کی یہ تڑپ ختم ہونے کے انتظار میں تھا۔

"ہے ایک ڈیم فول... جس کی وجہ سے..." رباب نے دانت پیسے گویا معیز احمد ہی کو چبا ڈالا ہو۔

"نام بتاؤ اس کا... قدموں میں زنجیریں ڈال کے گھسیٹ لاؤں گا اس کے۔"

وہ موبائل پہ تھا۔ بڑھکیں مار سکتا تھا مگر رباب تو بس یہی حوصلہ چاہتی تھی۔ اس کا مورال ہائی ہوا۔ کوئی تھا جو اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر دنیا ادھر کی ادھر کر سکتا تھا۔

"برباد کرنا چاہتی ہوں میں اسے۔ کھیل تماشا نہیں ہوں میں..."

وہ تلخی سے بولی تو سیفی نے ناگواری سے بھنویں اچکائیں۔ (تو کوئی اور بھی تھا اس لائن پہ)

"کیا تم کسی اور میں انوالوڈ ہو؟"

کھردرے لہجے میں پوچھا تو رباب پہلی بار گڑبڑائی۔

"ارے نہیں... ابھی نہیں۔ تم سے پہلے کی بات ہے مگر اب تو اس نے زندگی اجیرن کر دی ہے میری۔ میں اسے سبق سکھانا چاہتی ہوں۔"

"دفع کرو اسے... اب تو وہ رانگ نمبر ہو چکا۔ میری جان! میری پناہوں میں آ کے سب سے محفوظ ہو جاؤ گی تم۔"

سیفی نے ذومعنی انداز میں کہا تو وہ کھنک دار سی ہنسی ہنس دی۔

"جو شہزادہ... شہزادی کی تمام شرائط پوری کرے' شہزادی اسی کو ملا کرتی ہے جناب۔"

رباب نے شوخی سے اسے جلایا تھا۔

"ارے تم حکم کرو... نام پتا بتاؤ... کون ہے؟"

"ملوں گی تو سارا معاملہ طے کریں گے۔" رباب نے زیادہ بات نہیں کی۔ ورنہ تو کیا کیا کھل جاتا۔

"ہوں... تمہاری طرف تو اپنے بھی بہت سارے حساب نکلتے ہیں۔" سیفی بڑبڑایا۔

"میں اسے برباد دیکھنا چاہتی ہوں سیفی... اگر مجھے پانا چاہتے ہو تو..."

منتقمانہ انداز میں کہتے رباب نے شرط کے بدلے میں انعام کے طور پہ اپنا آپ رکھ دیا تھا۔

شرائط کتنی بھی جان لیوا کیوں نہ ہوں اگر انعام آپ کا پسندیدہ ہے تو سر دھڑ کی بازی لگا دی جاتی ہے۔ سیفی کو بھی محبت نہ سہی "بزنس" کی خاطر یہ ٹاسک جیتنا تھا... ہر صورت...

☆ ☆ ☆

وہ دن ایبہا کی زندگی کا خوب صورت ترین دن تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں میں سمندر کے کنارے معیز احمد کے قدموں کے ساتھ قدم ملا کے چلتی وہ خود بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"ایک وقت تھا جب میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

ریسٹورنٹ کے خوب صورت ماحول میں ابھی وہ اپنی نروس نیس پر قابو بھی نہیں پا سکی تھی۔ جب اس نے معیز کو بولتے سنا۔ وہ بے ساختہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

کہنی میز پہ رکھے بند مٹھی پہ چہرہ جمائے وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ایبھا عجیب سے احساس میں گھرنے لگی۔ پھر دفعتاً" وہ مسکرا دیا۔ اس کی نگاہ ایبھا کے چہرے پر تھی۔

"اب میں سوچتا ہوں کہ میں کتنا بے وقوف تھا۔" تم سمجھ لو کہ آنکھوں والا اندھا۔"

رک کر اس نے گہری سانس بھری اور دونوں بازو میز کی سطح پر رکھتے ہوئے اعترافیہ بولا۔

"جب آنکھوں پہ نفرت کی پٹی بندھی ہو تو نا صرف نظر بلکہ دل پہ بھی مہر لگ جاتی ہے۔ تب اچھی سے اچھی چیز میں بھی کوئی اٹریکشن (کشش) نظر نہیں آتی۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔

ایبھا اسی طرح اسے دیکھتی رہی اور وہ ایبھا کو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایبھا کا ہاتھ دفعتاً" اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"مگر اب... میں کبھی بھی تم سے دور رہنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ کی گئی ہر زیادتی ہر حق تلفی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔"

ایبھا کے ذہن میں کچھ کلک سا ہوا۔ اس کے بدلتے تاثرات معیز سے مخفی نہ رہے تھے۔

"ہمدردی مت سمجھنا بیا!" میاں بیوی کے درمیان ہمدردی کا نہیں بلکہ محبت اور مان کا رشتہ ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا مگر اس رشتے میں "ہمدردی" کا کوئی عمل دخل نہیں۔"

وہ مسکرا دیا تھا اور ایبھا کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ اس پر سجدۂ شکر واجب ہو چکا تھا۔

ویٹر کو آتے دیکھ کر ایبھا نے تیزی سے اپنا ہاتھ معیز کے ہاتھوں سے کھینچا تو وہ چونک کر ویٹر کو آتے دیکھ کر بڑبڑایا۔

"بیڈا منسٹری..."

وہ مینیو کارڈ تھامے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔ ساتھ ایبھا سے پوچھتا... اور ایبھا کا دل مارے تشکر کے رب کے آگے جھک جھک جاتا اور آنکھوں کے کونے خوامخواہ ہی نم ہوتے رہے۔

✲ ✲ ✲

"یا اللہ... کس قدر نکمی نالائق اولاد دی ہے مجھے تو نے۔"

اب سفینہ بیگم بھری شیرنی بنی پھر رہی تھیں۔ جب اکیلے واپس آتی زارا نے انہیں بتایا کہ معیز اور ایبھا لانگ ڈرائیو کے لیے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے بے ساختہ اللہ سے شکوہ کیا تھا۔

"کیا ہو گیا ماما...! اب تو طے ہے سب کچھ اور پھر ان کی بیوی ہے وہ لے جا سکتے ہیں۔"

زارا نے شانے اچکاتے ہوئے کہا تو انہیں اور غصہ آنے لگا۔ انہوں نے آگے بڑھ کے اسے بازو سے دبوچا اور اپنے صوفے پہ لے کے بیٹھتے ہوئے درشتی سے بولیں۔

"اپنا یہ دماغ ہے نا اسے درست کر لو۔ تم تو رخصت ہو جاؤ گی سسرال... پیچھے یہ جنجال میرے گلے پڑ جائے گا۔"

"اسے گلے سے لگا لیں وہ کبھی گلے نہیں پڑے گی ماما۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" انہوں نے اسے جھڑکا۔

"میں نے دو ماہ کا ٹائم دیا ہے۔ تم دیکھنا ان دو ماہ میں۔۔۔ میں اسے کیسے یہاں سے فارغ کراتی ہوں۔"
وہ تنفر سے بولیں۔
"خواب ہے آپ کا ماما۔۔۔ پہلے آپ ایسا سوچ سکتی تھیں اور شاید کر بھی لیتیں۔۔۔ مگر اب وہ بیوی ہیں بھائی کی۔ وہ اس حقیقت کو قبول کر چکے ہیں۔ دل سے' مجبوری سے نہیں۔" زارا مطمئن تھی۔
اس کی ایک فاش غلطی ایبہا اور معیز کی زندگی کو برباد کر سکتی تھی مگر اب جبکہ اللہ نے سب کچھ ٹھیک کر دیا تھا تو وہ سفینہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملا کر ان دونوں کی مشکلات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔
"اچھا بس۔۔۔ تم اپنی عقل والی بند ہی رکھو۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔ پھر تفاخرانہ بولیں۔
"معیز وعدہ کر چکا ہے مجھ سے اور دیکھنا میں ثابت کر دوں گی کہ وہ ایک بدکردار ماں کی بیٹی ہے جسے شریفوں کا گھر بسانا نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے' وہ دو ماہ سے پہلے ہی اسے طلاق دے کر فارغ کر دے۔"
زارا نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔
"اچھا ماما۔۔۔ میں تھک گئی ہوں ذرا۔۔۔ ریسٹ کر لوں۔۔۔ اتنی ویریوٹ کرنا پڑا پارلر میں۔ آج تو کسٹمرز کا رش لگا ہوا تھا۔"
زارا ایبہا نے سے اٹھ گئی تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں اور وہ بے کل سی وہیں بیٹھی رہیں اور انہیں وہیں بیٹھے رہنا تھا' اس وقت تک جب تک معیز احمد واپس نہ آ جاتا۔

☼ ☼ ☼

یہ پہلی بار تھا جب گاڑی پورچ میں رکی تو معیز کے قدم اندر کی طرف بڑھنے کے بجائے ایبہا کے ہم قدم ہوئے۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوتے ہوئے ایبہا کے قدم سست پڑ گئے۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر معیز کو دیکھا' وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے' دوسرا دروازے کے فریم پہ ٹکائے وہیں کھڑا تھا۔
"اندر نہیں آؤں گا۔"
وہ مسکرا کر بولا تو ایبہا کے دل میں یک گونہ سکون سا اتر آیا' وہ مزید بولا۔
"بلکہ اب تم یہاں سے رخصت ہو کے میرے پاس آؤ گی۔"
اس کی پلکیں بوجھل ہو کر رخساروں پر سجدہ ریز ہو گئیں' چہرے کی سنہری رنگت پہ پھیلتے سیندور جیسے رنگ نے معیز کی نگاہ کو اس کے چہرے پر منجمد سا کر دیا۔
"ایسے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" وہ ہلکا سا بڑبڑایا' پھر تھوڑا سا پیچھے ہٹا۔
"اپنا خیال رکھنا۔۔۔" وہ ذرا سا رکا پھر مسکرا کر نرمی سے بولا۔ "میری خاطر۔۔۔"
اور اب وہ جا چکا تھا تو ایبہا نے اسے مڑ کر اندرونی دروازے میں داخل ہونے تک دیکھا۔
کسی کی محبت کا اعتراف انسان کو کتنا معتبر کر دیتا ہے یہ آج ایبہا نے بہت اچھی طرح محسوس کیا تھا۔
آج سارا دن وہ ایبہا کے ساتھ رہا اور ایبہا غیر ارادی طور پر اس میں پچھلے چار سال والا معیز احمد کھوجتی رہی۔
مگر وہ اس کرخت اور اکھڑ معیز احمد کی ایک جھلک بھی پانے میں ناکام رہی تھی۔ دروازہ لاک کر کے وہ اندر کی طرف بڑھی تو اس کے ہونٹوں پہ دلکش اور خوابناک سی مسکراہٹ تھی۔۔۔ آج اسے سب سے پہلے شکرانے کے نوافل ادا کرنے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ابھی اس کی رخصتی نہیں ہوئی معیز! یوں اسے لیے پھرو گے تو خاندان والے بھی باتیں بنائیں گے۔"
سفینہ بیگم نے تحمل سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ آتے ہی اس سے ٹکرا گئی تھیں' اس موقع کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ غضب خدا کا رات کا کھانا کھا کے لوٹے تھے وہ لوگ۔
"رباب کے ساتھ بھی تو پھرتا تھا ماما!"
معیز نے انہیں تسلی دی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور یہ پہلی بار تھا کہ معیز کا یہ خوش باش سا انداز سفینہ بیگم کو تلملانے پر مجبور کر رہا تھا۔ ورنہ تو خوش ہی ہوتیں۔
"وہ تو سب کو پتا تھا کہ اسی سے شادی ہوگی تمہاری۔" انہوں نے بے ساختہ کہا تو وہ شانے اچکا کر بولا۔
"تو اب انہیں بتا دیں کہ میری شادی ایبہا سے ہونے والی ہے۔" انہوں نے دانتوں پر دانت جمائے۔ پھر بڑے ضبط سے بولیں۔
"مجھے تو شرم آتی ہے سوچ کر... کیا تعارف کراؤں گی۔ خاندان والوں میں تمہاری بیوی کا کہ صالحہ کی بیٹی ہے یہ..."
"خاندان والوں کی بھی اتنی ہی رشتہ داری ہے ان سے۔" معیز نے انہیں یاد دلایا۔
"دگران میں سے کسی کے ساتھ اس کا معاشقہ نہیں تھا۔" سفینہ... کا لہجہ تلخ و ترش ہو گیا۔
معیز سنجیدہ سا انہیں دیکھنے لگا۔
"وہ ابو کی منگیتر تھیں ماما... ان کا رشتہ گھر کے بڑوں نے طے کیا تھا۔ اس میں معاشقے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔"
"خیر... اب تو پانی سر سے گزر چکا۔ حقیقت تلخ سہی مگر دفع کرو..."
انہوں نے معیز کا بدلتا موڈ دیکھ کر فوراً" اپنا انداز تبدیل کر لیا۔
"میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ تمہارے نکاح کا ابھی کسی کو علم نہیں۔ اس لیے اسے لے کر مت گھومو۔ کل کلاں کو پتا چلے گا تو بات پھر صالحہ کی بیٹی پر آئے گی۔"
نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے گھوم پھر کر وہ پھر سے اسی بات پر آ گئیں تو معیز گہری سانس بھر کے رہ گیا۔ ایبہا کے ساتھ ایک بہترین دن گزار کے آنے کے بعد قدرتی طور پر اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ ایسے میں یہ بے وقت کلاس... وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"جاؤ اب... آرام کرو... تھک گئے ہوں گے... صبح کے اٹھے ہوئے ہو..." انہوں نے خود ہی کہہ دیا تھا۔
"آئی لو یو ماما..." جھک کر ماں کی پیشانی چومتے ہوئے وہ پیار سے بولا تو وہ مسکرا دیں۔
"اور میں تمہیں تم سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔" ان کی بات پر وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ تو وہ بڑبڑائیں۔
"اسی لیے میں تمہیں اس بے کار سی لڑکی کے پیچھے ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے تمہارا پیچھا چھڑا کے ہی دم لوں گی۔"

✡ ✡ ✡

وہ سونے کے لیے لیٹ تو گئی مگر کروٹیں بدل بدل کے ہار رہی نیند نے آنا تھا نہ آئی تنگ آ کر وہ اٹھ بیٹھی تکیہ گود میں رکھ لیا۔
معیز کی باتیں' اس کی پر توجہ کی نگاہ' اس کا ہلکا سا وارفتہ انداز... کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ نیند آتی بھی تو کیسے... ہاتھوں پہ اس کا لمس سلگنے لگتا تھا۔

اسے سوچ کر حیا آئی۔ اس ماہ کے آخر تک وہ رخصت ہو کر معیز کے کمرے میں پہنچ جائے گی۔
وہ گہری سوچ میں مسکرائے جا رہی تھی۔ موبائل کی رنگ ٹون نے اسے اچھلنے پر مجبور کر دیا۔
اس نے پاس پڑا موبائل اٹھایا تو معیز کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑک اٹھا۔
اس نے بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا مگر فوری طور پر اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔
"کیسی ہو....." وہ پوچھ رہا تھا۔
"ٹھیک....." وہ دھیمے سروں میں بولی۔
"سوئیں کیوں نہیں ابھی تک؟"
"نیند ہی نہیں آئی۔"
وہ بے ساختہ بولی' پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔
"مجھے بھی....." معیز کا بوجھل سا لہجہ اسے سننا گیا۔
"مجھے سمجھ نہیں آتی بیا..... میں اتنی بڑی بے وقوفی کیسے کرتا رہا۔ تم میرے نکاح میں تھیں۔ ایک مکمل شریک حیات کے روپ میں..... پھر میں تمہیں جان کیوں نہیں پایا۔" وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔
ایبہا کو ہنسی آئی..... ہاں..... اب اسے ان باتوں پہ رونا نہیں آتا تھا۔
"چلیں اب تو پتا چل گیا۔"
ہنسی آلود لہجے میں کہا تو وہ لمبی سانس بھر کے بولا۔
"نقصان بھی تو میرا ہی ہوا۔ اچھی بھلی شرعی بیوی ملی تھی' ناقدری کی تو اب پھر سے رخصتی کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔"
اب کی بار ایبہا کی ہنسی طویل تھی۔
جس پہ آپ دل ہار چکے ہوں' وہ اپنی ہار مان لے تو دل کی خوشی کا عالم ہی اور ہوا کرتا ہے۔ کائنات کی وسعتیں پیروں تلے محسوس ہونے لگتی ہیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔
ایبہا احساس ہونے پر ایک دم خاموش ہو گئی۔ شاید وہ برا مان گیا تھا۔
"ہیلو....." اس نے گھبرا کر کہا۔
"یوں ہی ہنستی رہو بیا.....! مجھے اپنے گناہ جھڑتے محسوس ہو رہے ہیں۔"
وہ بوجھل سے لہجے میں بولا تو تاسف کا ہر رنگ اس کے انداز میں تھا۔
"بیا....."
ایبہا کا رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا اور زبان گنگ.....
"ہوں....."
"ایک بات بولوں..... یقین کرو گی؟"
وہ اذن لے رہا تھا۔
"آپ کے کہے بنا بھی مجھے یقین ہے معیز۔"
سارے جہاں کا یقین ایبہا کی جذباتیت میں سمٹ آیا۔
"مگر میں پھر بھی یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں بیا!" وہ پکارتا تھا یا جان نکالتا تھا۔ ایبہا نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔

اک عمر ہے جو تیرے بغیر بِتائی ہے

اک لمحہ ہے جو تیرے بغیر گزرتا نہیں

وہ مسحور ائز تھی ممنون تھی یا پھر بے یقین۔۔۔ وہ خود اپنے احساسات و جذبات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
باہر رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔۔۔ اور وہ دونوں جذبات میں۔۔۔ وہ رات ان دونوں کے مابین ایک دوسرے کو مزید سمجھنے والی بہت البیلی اور انوکھی رات تھی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ بیگم کا پارہ ان دنوں ہر وقت ہائی رہنے لگا تھا مگر وہ مسلسل خود کو ٹھنڈا رہنے کی اندر ہی اندر تلقین کرتی رہتی تھیں۔ وجہ یہ بنی کہ زارا جب بھی شاپنگ کے لیے نکلتی' معیز بطور ڈرائیور ساتھ ہوتا اور ایمہا ان کا لازمی جزو۔ اس کی بھی شاپنگ جاری تھی۔
"پاگل۔۔۔ بے وقوف اولاد۔" نہیں طرارہ آتا۔
"میں اسے طلاق دلوانے کے چکروں میں ہوں۔ یہ نکمی اس کی بری پہ پیسہ اڑا رہی ہے۔"
انہوں نے سوچا ہی نہیں' زارا سے کہہ بھی دیا اور جواباً" زارا کچھ بولی نہیں' بس تاسف بھری خفگی سے انہیں دیکھا اور خاموشی سے چلی گئی۔
سفینہ دانت پیس کے رہ گئیں۔۔۔

☼ ☼ ☼

ایمہا شاپنگ کا سامان لاؤنج ہی میں بکھرا چھوڑ کر چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔ معیز نے ان دونوں کو کھانے کی آفر بھی کی تھی مگر شاپنگ میں مصروف زارا نے انکار کر دیا۔ معیز نے بطور خاص ایمہا کو آفر کی' مگر وہ زارا کو اکیلے چھوڑ کے جانے پہ متذبذب تھی' سو انکار کر دیا۔ اب بھوک محسوس ہوئی تو بسکٹ کا پیکٹ کھول کے پلیٹ میں بسکٹ نکال لیے۔

باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ ٹھٹکی۔
زارا۔۔۔ یا پھر معیز۔۔۔؟
اس کا دل دھڑک اٹھا۔
معیز سے اب جتنی بے تکلفی ہو چکی تھی' بات چیت کی حد تک ہی سہی' اس کے بعد وہ اکیلے میں اس سے ملاقات کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔
وہ چولہے کا برنر آف کرتی کچن سے باہر نکلی تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ سفینہ بیگم کو سامنے پائے گی۔ اس کے قدم وہیں جم سے گئے۔۔۔ رگوں کے خون کی طرح۔۔۔

(آخری قسط آئندہ ماہ)

عفت سحر طاہر

"کتنی شرم کی بات ہے عون۔۔۔" ثانیہ کو اس پہ سخت غصہ تھا۔ اب بھی بہت بے زاری اور شرم دلانے والے انداز میں بولی تو عون نے سر دھنا۔

"واقعی۔۔۔ بہت شرم کی بات ہے۔ شوہر تھکا ہارا گھر آئے تو بیوی کو چاہیے کہ وہ اس کی دل بستگی کا سامان کرے اور تم کلاشنکوف بنی برسٹ مارنا شروع کر دیتی ہو۔" ٹی وی کے چینلز سرچ کرتا وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا تو سالن کا ڈونگا لیے کچن سے نکلتی بھابھی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

ثانیہ نے خفیف سی ہو کر دانت پیسے۔ پھر پاؤں پٹختی کچن میں چلی گئی۔ برتن پٹخ پٹخ کے غصہ نکالا۔ پھر بھابھی کے ساتھ مل کے کھانا لگانے لگی۔

"پیار سے کہو گی تو مان جائے گا۔" وہ منہ پھلائے کھانا کھا رہی تھی' جب سرگوشی میں بھابھی نے مشورہ دیا بلکہ تسلی دی۔

"ہنہ۔۔۔" ثانیہ نے محض سر جھٹکا۔ دل بہت جلا تھا۔ "کب سے پیار سے ہی کہہ رہی ہوں۔ اب بتاؤں گی اسے" اور کمرے میں آتے ہی اس نے "بتانے" کی شروعات کی۔ اپنا تکیہ اٹھایا اور قالین پہ یوں پھینکا جیسے وہیں سونے کا ارادہ ہو۔

پچیسویں اور آخری قسط
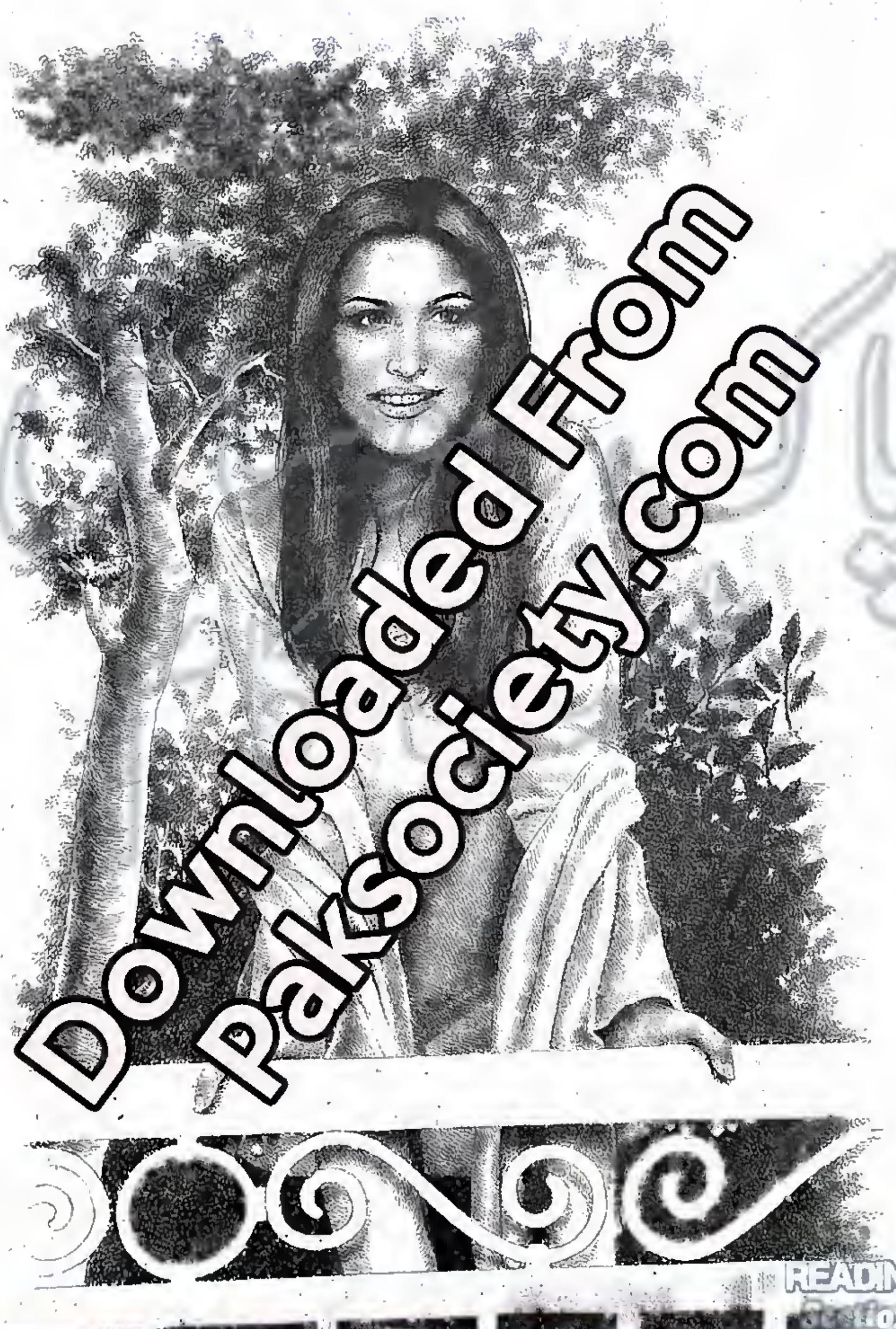
واش روم سے نکلتا عون ٹھٹکا' پھر اسے ہنسی آگئی۔
"ایک تو تم لڑکیاں بھی نا....."
"کیا... ہم لڑکیاں؟؟"
وہ مکمل لڑائی کے موڈ میں تھی۔ تیوری چڑھا کے عون کو دیکھا۔ تو وہ اسے پرانی والی ثانیہ لگی۔ لڑتی جھگڑتی رعب جماتی۔
"بس ایسے ہی... شادی ہوتے ہی ایک نیا پیکج نکل آتا ہے اندر سے...."
وہ یقیناً" اسے غصہ دلا رہا تھا... چاہے مذاقاً" چھیڑ کر ہی سہی۔
"بدل تو تم گئے ہو' پہلے ہر بات مانتے تھے میری۔" ثانیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔
"اچھا... پہلے تکیہ اٹھا کے بیڈ پہ رکھو۔"
"نہیں... میں نیچے ہی سوؤں گی۔" وہ بضد رہی۔
"اُفوہ... اتنی دور سے تو میں تمہاری بات بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پاؤں گا۔"
عون نے اسے پچکارا۔
"تو قریب سے کون سا سن رہے ہو۔"
وہ روہانسی ہونے لگی۔ تو وہ برجستہ بولا۔
"تم نے قریب آکر کہا ہی نہیں۔ ذرا پاس آؤ۔ کوئی رشوت دو۔ پھر میں سوچوں گا۔"
"رشوت دینے کے بھی تم نے سوچنا ہی ہے تو پھر میں دور ہی بھلی...."
وہ چڑ کر بولی تو عون نے آگے بڑھ کے تکیہ اٹھا کر بیڈ پہ پھینکا اور ثانیہ کو دھمکایا۔
"اب تم شرافت سے لیٹ جاؤ' ورنہ تمہیں بھی ایسے ہی اٹھا کے پھینکوں گا۔"
وہ فوں فاں کرتی بستر پہ آگئی۔
"ایک تو تم مجھے زبردستی وہاں سے لے آئے' یہ بھی نہیں سوچا کہ ایمہا کی طبیعت مکمل طور پہ ٹھیک نہیں تھی۔ اب لے جانے کا کہتی ہوں تو تمہارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔"
اسے رہ رہ کے خیال آتا۔ پتا نہیں ایمہا نے کیا سوچا ہوگا۔ شرمندگی کے مارے ثانیہ نے تب سے اسے کال بھی نہیں کی تھی۔ عون جو اسے دھڑلے سے واپس لے آیا تھا۔
"ٹھیک ہے وہ... بلکہ معیز کی خوشی دیکھ کے حالات کی بہتری کا اچھے سے اندازہ ہو جاتا ہے۔"
عون نے پاس بیٹھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ تو وہ جل کر بولی۔
"وہ تو تب بھی خوش ہی رہتے تھے جب ایمہا برے حالات میں تھی۔"
"اونہوں... اس نے بھی بہت کڑا وقت گزارا ہے۔ اگر ایمہا نے تکلیفیں سہی ہیں تو معیز کی ذہنی کیفیت بھی اس دوران ٹھیک نہیں تھی۔"
عون نے اس کی تصحیح کی۔ ثانیہ نے سر جھٹکا۔
"وہ اذیت ان کی اپنی مول لی ہوئی تھی۔ اگر تب ہی خدا کی رضا میں راضی ہو جاتے تو نہ وہ تکلیفوں سے گزرتی اور نہ خود معیز بھائی کو ذہنی اذیت سے گزرنا پڑتا۔"
وہ متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔
"بلکہ ایمہا کا تو زیادہ برا حال تھا۔ محض جسمانی ہی نہیں ذہنی اور روحانی طور پر بھی تکالیف برداشت کی ہیں اس

نے، محض اپنے شوہر کی بے رخی کی وجہ سے۔"
"چلو خیر۔ پلٹ کے آنے والوں کو تو اللہ بھی معاف کر دیا کرتا ہے۔ اس نے بھی کھلے دل سے اپنی غلطیوں کو تسلیم کر لیا ہے۔"
عون نے بات سمیٹی۔ پھر مسکرا کے اطلاع دی۔
"اب تو ایہا اپنی شادی کی شاپنگ کر رہی ہے زارا کے ساتھ۔"
ثانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"اور ان "ہٹلر آنٹی" نے اجازت دے دی؟" سفینہ بیگم کے بارے میں پوچھا۔
"اب وہ معیز احمد کی بیوی ہے۔ اس کی پوزیشن کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔"
"مگر پھر بھی۔۔۔ میری بہن بنی ہوئی ہے وہ۔ کیا میرا جانا نہیں بنتا وہاں۔۔۔ ایک تمہاری ہٹ کہ اکیلی نہیں جا سکتیں اور خود وہاں لے کے جا نہیں رہے۔" ثانیہ کو اپنا مسئلہ پھر سے یاد آیا۔
"لے جاؤں گا یار! ابھی تو شادی میں دو ہفتے پڑے ہیں۔"
عون نے اسے تسلی دی تو وہ چلا ہی تو اٹھی۔
"کیا مطلب۔۔۔ ڈائریکٹ شادی میں ہی لے جاؤ گے؟"
عون گڑبڑایا۔
"اوفوہ۔۔۔ میرا مطلب ہے پہلے ہی لے کے جاؤں گا۔ ابھی کافی ٹائم ہے۔"
"کل اگر تم مجھے نہیں لے کے گئے تو پھر دیکھنا تم۔۔۔" چند لمحوں تک اسے گھورنے کے بعد ثانیہ نے اسے دھمکایا۔
"میں تو اب بھی دیکھ ہی رہا ہوں بس۔۔۔" عون نے شرارت سے آہ بھری۔ ثانیہ نے دانت پیسے۔
"ہاں۔۔۔ تو آئندہ بھی صرف دیکھتے ہی رہو گے۔" تڑاخ سے کہا تو عون کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"اب تو لے جانا ہی پڑے گا۔ بھئی! اپنا حقہ پانی بند ہو جائے گا ورنہ۔۔۔"
وہ اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ ثانیہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کن اکھیوں سے تکیے پہ پھیلے عون کے بازو کو دیکھا۔ پھر کھسک کر سر اس کے بازو پہ رکھ دیا۔
"مجھے پتا تھا عون! تم مان جاؤ گے کیونکہ تم بہت اچھے ہو۔"
بڑے مان سے کہا۔
"اچھا۔۔۔ اور یہ تمہیں میری بڑبڑاہٹ سننے کے بعد پتا چلا ہو گا؟"
عون نے طنزاً پوچھا تو ثانیہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔ عون کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سفینہ بیگم نے ایک ہی نگاہ میں پورے ماحول کا جائزہ لے لیا۔ شاپنگ بیگز کی گنتی انہوں نے آتے ہی کر لی تھی۔
ایہا کچن سے نکلی تو ان کو دیکھتے ہی جیسے خائف ہو کر زمین پہ جم سی گئی۔۔۔ اس کی اس کیفیت نے سفینہ بیگم کو بہت تقویت پہنچائی۔ یعنی کہ ابھی بھی ان کا پلہ بھاری ہی تھا۔ معیز کا ساتھ پا کر بھی وہ ان کے رعب کی "حد" سے باہر نہیں نکلی تھی۔

"ہوں۔۔۔" انہوں نے اپنے مخصوص "ملکہ" والے انداز میں سر اٹھائے تنفر سے ہنکارا بھرا۔ پھر انگلی سے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حقارت سے بولیں۔
"بڑی عیاشی ہو رہی ہے تمہاری۔"
ایہا کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا۔
کل تک یہ اس معیز احمد کی ماں تھیں جس نے ایہا کو قبول نہیں کیا تھا۔
اور آج وہ اس معیز احمد کی ماں تھیں جو دل و جان سے ایہا کو قبول کرنے کا اذن دے چکا تھا' تو اب اس کی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے؟
اسے اپنے ذہن سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔
وہ ہلکا سا کھنکھاری' پھر ہمت جمع کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی۔
"آپ بیٹھیں پلیز۔۔۔ میں چائے لاتی ہوں آپ کے لیے۔"
"بس۔۔۔" وہ ہاتھ اٹھا کر گویا پھنکاریں۔ "مہمان نہیں آئی ہوں میں تمہارے گھر۔۔۔ اپنے غلیظ وجود کے ساتھ تم کھڑی ہو میری سلطنت میں۔۔۔"
اف۔۔۔ اف۔۔۔!!
ایہا کا دل چاہا یہاں سے غائب ہو جائے۔
کسی کو اس کی اوقات یاد دلاتے وقت جو الفاظ ہمارے لبوں سے نکلتے ہیں' وہ در حقیقت دوسروں کو ہماری اوقات بتا رہے ہوتے ہیں۔
سفینہ بیگم بھی جو منہ میں آئے وہ کہہ دینے کی عادی تھیں۔
"مگر تم در حقیقت اس کھیل کو سمجھ نہیں پا رہیں۔ معیز تمہارا شوہر بعد میں ہے۔۔۔ پہلے وہ میرا بیٹا ہے۔ میرے ذہن سے سوچنے اور میری زبان بولنے والا۔" انہوں نے اپنی بساط بچھانی شروع کی تھی۔
"اگر وہ تمہیں لفٹ کرانے لگا ہے تو کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ لڑکوں کو چار دن ایسے ہی کشش نظر آتی ہے لڑکیوں میں۔۔۔ ورنہ پچھلے تین سالوں میں جو تمہاری اہمیت تھی اس کے نزدیک۔۔۔ وہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"
وہ اسے اتنی بری طرح رگیدنا چاہتی تھیں کہ وہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔
ایہا کا وجود کپکپانے لگا۔ سفینہ بیگم کے لب و لہجے کی یخ بستگی اسے اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔
"میں نے بھی کہا جوان بچہ ہے' ٹھیک ہے۔ اس کا بھی حق ہے اپنی زندگی میں من چاہے تجربات کرنے کا۔ دو ماہ کا ٹائم دیا ہے میں نے اسے تمہارے ساتھ۔۔۔ اس کے بعد پھر وہی ہو گا جو میں چاہتی ہوں۔"
وہ فاتحانہ کہہ رہی تھیں۔ ایہا کا وجود سن ہونے لگا۔ پھر وہ پُراسرار انداز میں بولیں تو چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔
"اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔
ان کے لفظوں کے سکے کھن کھن سماعتوں سے ٹکرا کر ذہن کے کشکول میں گرتے تو جیسے پگھلے ہوئے سیسے کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔
"چلو۔۔۔ انجوائے کر لو تم بھی۔۔۔ دو ماہ ہیں تمہارے پاس۔۔۔ جتنا کچھ سمیٹ سکتی ہو سمیٹ لو' مگر اس کے بعد یہ ہم ماں بیٹے میں طے ہے کہ تمہیں اس گھر سے دفع ہی ہونا ہے۔" انہیں اس کی شکل میں صالحہ دکھائی دیتی تھی۔ جیسے صالحہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی امتیاز احمد اور ان کے بیچ حائل رہی' ویسے ہی یہ لڑکی ان کے بیٹے کے دل و دماغ پہ

قابض ہونے والی تھی۔ یہ جادوگر ماں بیٹی۔۔۔ صالحہ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکیں مگر وہ ایبہا کی ایسی کی تیسی کرنا چاہتی تھیں۔ جیسے آئی تھیں ویسے ہی حقارت سے اسے دیکھتی چلی گئیں تو ایبہا کی لرزتی ٹانگوں نے اس کا مزید بوجھ برداشت کرنے سے انکار کردیا۔ وہ وہیں ہاتھوں میں منہ چھپائے بیٹھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

شارجہ سے شادی میں خاص طور پر شرکت کے لیے ماموں' ممانی اور عمر گھر میں کیا آئے رونق اور شادمانی کا نیا سامان آگیا۔

جیسا موڈ ہو ویسا منظر ہوتا ہے
موسم تو انسان کے اندر ہوتا ہے

کے مصداق عمر جب معیز سے ملا تو دونوں نے لمبا معانقہ کیا۔ معیز کو یاد آیا وہ دونوں کتنے اچھے دوست ہوا کرتے تھے۔

"بہت مبارک ہو میرے دوست! زندگی میں واپسی کے لیے۔" عمر اس کے اس اقدام سے بہت خوش اور پُرجوش تھا کہ معیز نے ایبہا کو اپنا لیا ہے۔

ممانی نے سفینہ بیگم کو دونوں شادیوں کی مبارک باد دی تو ان کی مسکراہٹ سکڑنے میں پل نہیں لگا۔

"معذرت چاہتی ہوں بھابھی۔۔۔ مگر میں صرف زارا کی شادی کی مبارک باد قبول کروں گی۔"

"ارے۔۔۔" انہوں نے حیرت سے نند کو دیکھا۔ "ابھی تک حالات درست نہیں ہوئے؟"

"ابھی تو میکے والوں کی تھو تھو باقی ہے۔ ساری عمر میں صالحہ کو کوستی رہی تو کیا سب طعنے نہیں دیں گے کہ اب اسی کی بیٹی کو بہو بنا لیا۔ پوری دنیا میں معیز کے لیے اور کوئی نہیں ملی تھی۔"

وہ سخت برگشتہ تھیں۔

ممانی جان کو ان کے خیالات جان کر سخت تاسف ہوا۔ ان کی سخت طبیعت سے واقفیت تو اچھی طرح تھی اور باقی کی کہانی عمر نے جا کے انہیں من و عن سنائی تھی' انہیں ایبہا کو بنا دیکھے ہی اس سے ہمدردی ہونے لگی۔ "بن ماں باپ کی بچی کیسی سزا کاٹ رہی تھی۔ وہ بھی اس جرم کی جو اس نے کیا ہی نہیں" اور یہ بات انہوں نے صاف گوئی سے سفینہ سے بھی کہہ دی۔ تو وہ ترخ کر بولیں۔

"ہر کسی کو اپنے ہوتے سوتے کا بویا کاٹنا پڑتا ہے۔ اسے بھی صالحہ کی بیٹی ہونے کی سزا مل رہی ہے۔"

"یوں کہو کہ ناکردہ گناہوں کی سزا مل رہی ہے اسے عمر بتا رہا تھا دیکھنے لائق بچی ہے۔ اوپر سے صابر و شاکر بھی۔۔۔"

ممانی جان کو نند کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا تھا۔

"ہنہہ۔۔۔ صابر و شاکر۔" سفینہ نے سر جھٹکا اور طنزیہ بولیں۔

"گھنی اور میسنی۔۔۔۔ ماں کی طرح پوری ادائیں ہیں اس کی' بلکہ ایک آدھ زیادہ ہی ہوگی۔ تب ہی تو امتیاز احمد نے صالحہ کو کسی طور چھوڑ ہی دیا مگر اس کمبخت نے تو پتا نہیں کیا جادو کیا۔ طلاق دیتے دیتے مکر گیا معیز۔۔۔"

"جو صبر کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں' دنیاوی جنگوں میں ان کی شکست ناممکن ہوتی ہے سفینہ۔۔۔ بہرحال۔۔۔ تم یہ بتاؤ داماد کیسا ہے۔ ہم نے تو بڑی تعریفیں سنی ہیں عمر سے۔"

انہوں نے تحمل سے کہتے ہوئے بات بدل دی تھی۔ سفیر کے ذکر پہ فی الفور سفینہ کی تیوریاں غائب ہوئیں اور

چہرے پر مسکراہٹ نے ڈیرہ ڈال لیا اور وہ انہیں سفیر کی بابت بتانے لگیں۔

✿ ✿ ✿

خاندان والوں کو معیذ اور ایبہا کے نکاح کا پتا نہیں تھا۔ اب جگ ہنسائی سے بچنے کے لیے یہی طے کیا گیا کہ زارا کی مہندی والے روز ان دونوں کا علی الاعلان نکاح کیا جائے گا۔ سفینہ بیگم تو ایسے ہر پروگرام پر خون کے گھونٹ بھر کے رہ جاتیں ان سب نے تو قسم کھا رکھی تھی ان کی خوشیوں کو ملیا میٹ کرنے کی۔

ابھی تو انہیں سوچ سوچ کے ہول اٹھتے کہ بنا ماں باپ کی بچی کا خاندان میں تعارف بھی کروانا تھا۔

ممانی جان خاص طور پر انیکسی میں ایبہا سے جا کر ملیں تو اس کا سوگوار سا روپ دیکھ کر بے ساختہ "ماشاءاللہ" کہہ اٹھیں۔ انہیں سفینہ پر افسوس ہوا۔

بہت سے اچھے لوگوں کو ہم محض اپنی انا کی خاطر ناقدری کی دھول میں رول دیتے ہیں۔

سفینہ بھی بدلے اور انتقام کی اسی منزل پر تھیں۔

ممانی جان آئیں تو سفینہ کا دھیان تھوڑا سا پلٹا۔ وہ اب دل جمعی سے زارا کی شادی کی باقی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

معیذ کی کال آئی تو ایبہا کا دل دھڑک اٹھا۔ جب سے سفینہ بیگم انیکسی سے ہو کر گئی تھیں معیذ کی پہلی کال آئی تھی اس کے بعد۔۔۔ اور ایبہا اس دوران یہ طے نہیں کر پائی تھی کہ معیذ کو ان کی "دکھ کہانی آمد" اور ان کے انکشافات کے بارے میں بتانا چاہیے یا نہیں۔

"کیسی ہو۔۔۔؟"

وہ بہت محبت سے پوچھ رہا تھا۔ ایبہا کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"ٹھیک۔۔۔"

"ابھی ریڈی ہو جاؤ۔۔۔ تھوڑی دیر میں شاپنگ کے لیے چلنا ہے ہمیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"سب مکمل ہو چکا ہے۔۔۔ پلیز اب بس۔۔۔"

وہ بمشکل صاف آواز میں بولی۔ ورنہ آنسو تو گلے کا پھندا بننے لگے تھے۔

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔" وہ حیران سا ہوا۔ پھر دھونس سے بولا۔ "ایسے کیسے۔۔۔ آج برائیڈل ڈریس لینا ہے تمہیں۔ وہ بھی میری پسند کا۔"

ایبہا کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کے رو دے۔ جانے سفینہ بیگم نے کیا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا۔

"ہوں۔۔۔" وہ مبہم سا بولی۔ مبادا معیذ کو اس کے رونے کا پتا چل جائے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ بس تم تیار ہو جاؤ۔ میں آتا ہوں۔" وہ مطمئن ہوا۔

"وہ۔۔۔ زارا کو بھی لے لیں ساتھ۔"

وہ مہمانوں کے سامنے کوئی تماشا نہیں چاہتی تھی۔

"اوہو۔۔۔ وہ تو پردے میں بیٹھ گئی بس۔۔۔ اور تمہارا ابھی بازار کا یہ لاسٹ چکر ہو گا۔ اس کے بعد تم بھی پردے میں۔۔۔" وہ شرارت سے ہنسا تھا۔

"آپ خود اپنی پسند کا لے لیں پلیز۔ مجھے تو ان چیزوں کا کچھ نہیں پتا۔" وہ بے بسی سے بولی۔

واقعی پہلے تو زارا اپنی پسند سے اس کے لیے بھی شاپنگ کر لیتی تھی۔ کبھی کبھار وہ بھی مشورہ دے دیتی یا زارا

زبردستی اس سے پسند پوچھتی تو اسے بھی دلچسپی لیناپڑتی تھی۔
"تم اس کی فکر مت کرو۔ تم صرف میرے ساتھ چل رہی ہو۔باقی کام میرا ہے۔"
معیز کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔
"معیز۔۔۔" وہ ہچکچا کر چپ سی ہو گئی۔
"کیا بات ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
ان چند دنوں میں وہ کم از کم اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ سے تو واقف ہو ہی چکا تھا۔
"آنٹی۔۔۔ راضی ہیں اس رشتے کے لیے؟"
اس نے مدھم لہجے میں پوچھا تو لمحہ بھر کو معیز چپ سا ہو گیا۔
"ہمارا نکاح ہو چکا ہے ایمہا۔ اب ان سب تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سے لوگ رضامند نہیں ہوتے لیکن آہستہ آہستہ وہ حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں۔"
قدرے توقف کے بعد وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تو ایمہا کو سفینہ بیگم کی "رضامندی" کا اندازہ ہو گیا۔
"کیا انہوں نے۔۔۔ کوئی شرط رکھی ہے آپ سے؟"
وہ ہچکچا کر بولی تو ایک ثانیے کے لیے معیز کا دماغ گھوم گیا۔
"تم سے کس نے کہا؟"
اس نے سوال کے بدلے فی الفور سوال کیا تھا۔ شک گزرا کہیں زارا نے تو۔۔۔
"کسی نے نہیں۔۔۔ یوں ہی۔۔۔ دل میں خیال آیا تھا۔" وہ مکر گئی۔
"ان دنوں اچھے اچھے خیالات لاؤ دل میں۔ خدا خدا کر کے تو یہ دن آئے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔
"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔"
ایمہا نے صرف بات بدلنے کی خاطر مختصرا" کہا۔ جس بات نے کل رات سے اسے ٹینشن کا شکار کر رکھا تھا۔ اسے معیز نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔
"اوکے۔۔۔ پھر ریڈی ہو جاؤ میں آرہا ہوں۔"
وہ کہتے کہتے رکا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔
"ایمہا۔۔۔ کسی کے بارے میں مت سوچو۔۔۔ کوئی جو کرتا ہے کرنے دو' جو کہتا ہے کہنے دو۔ تم صرف میرے جذبات کے خالص پن پہ نظر رکھو' اس میں کوئی کمی بیشی ہوئی تو میں قابل سزا۔۔۔ باقی سب کو بھول جاؤ۔۔۔ سوائے میرے۔۔۔"
آخری بات پر اس کا لہجہ مسکراتا ہوا سا تھا۔ ایمہا بھی جھینپ گئی۔

☼ ☼ ☼

ممانی جان نے ڈھولک رکھوا کر گھر میں اچھی خاصی رونق لگا دی۔ رشتہ داروں نے معیز کی دلہن کے روپ میں صالحہ کی بیٹی کو دیکھ کر حیرت کا اظہار تو ضرور کیا مگر اتنی باتیں نہ بنائیں جتنی کہ سفینہ بیگم کو توقع تھی۔ اس کی وجہ شاید صالحہ کا اس دنیا سے چلے جانا تھا۔ وہ زندہ ہوتی تو شاید لوگ چسکے لینے کی خاطر ضرور کریدتے۔ فی الحال تو وہ ایمہا کی من موہنی سی شکل اور معصومیت دیکھ کر معیز اور اس کی جوڑی کو سراہ ہی رہے تھے۔
زارا کی مہندی لڑکے والے بہت دھوم دھام سے لائے تھے۔ سفیر اور اس کے بھائیوں کے دوستوں کے

بھنگڑے کمال کے تھے۔
زارا کی مایوں کی رسم سے ذرا پہلے ایمہا اور معیز کے نکاح کی سنّت ادا کی گئی۔ ایمہا کا دل بھر بھر آرہا تھا۔ کیا کیا یاد نہ آیا تھا اس لمحے۔۔۔ اور معیز شاد تھا۔ مطمئن اور پرسکون۔ جیسے من کی ہر مراد پالی ہو۔ جیسے لو میرج کرنے چلا ہو۔ ماضی کی کسی یاد کا شائبہ تک اس کے ذہن میں نہ تھا۔ اسے یقین تھا ان کی زندگی آج سے شروع ہونے والی ہے۔
آج ہی ایمہا کی رخصتی تھی۔ اگلے دن زارا کی بارات کے ساتھ ان کے ولیمہ کی سنّت ادا ہو جاتی۔ رباب بھی تنے ہوئے تاثرات لیے تقریب میں موجود تھی مگر بحالت مجبوری۔ اگر اس کے بھائی کی شادی نہ ہوتی تو وہ کبھی مڑ کے بھی ادھر نہ دیکھتی۔
سفینہ بیگم معیز کی بے وفائی کے ازالے کے طور پر اسے خصوصی اہمیت دے رہی تھیں۔ مگر رباب کا انہیں بھی لفٹ کرانے کا موڈ نہیں تھا۔
سفینہ بیگم' رباب کو دیکھ دیکھ کے کڑھ رہی تھیں۔ اگر اس کے ساتھ معیز کی شادی ہو جاتی تو زارا کی کامیاب شادی کی گارنٹی مل جاتی' حق ہاہ۔۔۔
ثانیہ کتنی ہی بار ایمہا کو لپٹا کر پیار کر چکی تھی۔
"ماشاء اللہ۔۔۔ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"
اور ہر بار اس دعا پر ایمہا کی آنکھیں بھر آتیں۔
معیز پر اعتبار اپنی جگہ' مگر سفینہ بیگم کی دھمکی ذہن سے جاتی ہی نہ تھی۔ وہ معیز کی اپنی ماں سے محبت اور لگاؤ سے اچھی طرح واقف تھی۔۔۔ سفینہ بیگم جیسی پتھر دل عورت اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی تھیں۔
ایرا زاور عمر کے برجستہ جملوں اور لوگوں کے قہقہوں نے محفل کو زعفران زار بنا رکھا تھا۔ زارا اور سفیر کی مہندی اکٹھی ہو رہی تھی۔ سب نے ان دونوں کو تیل لگا لگا کر اور مٹھائی کھلا کھلا کر نڈھال کر دیا تھا۔
رات گئے محفل اپنے اختتام کو پہنچی اور لڑکے والے رخصت ہوئے۔ دولہا دلہن بنے معیز اور ایمہا کے ساتھ سب کا فوٹو شوٹ بھی مکمل ہوا۔
اب ایمہا کی معیز کے ساتھ رخصتی تھی۔ سفینہ بیگم تو کسی بھی رسم میں حصہ لے کر خود کو "گناہ گار" نہیں کر سکتی تھیں۔ سو بیمار بن کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ تب ممانی جان نے خوش اسلوبی سے ماں کے فرائض سرانجام دیے۔ ایمہا کو تھام کر وہ معیز کے کمرے تک لائیں۔ ثانیہ اسے اندر لے گئی تھی۔
"واؤ۔۔۔" خوشبوؤں اور گلابوں سے سجے بیڈ روم کو دیکھ کر ثانیہ مبہوت ہو گئی۔ مگر ایمہا کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ اس نے سرد ہوتے ہاتھوں سے ثانیہ کے ہاتھ تھام لیے۔
"ارے۔۔۔ تمہیں کیا ہوا؟! اتنی گرمی میں بھی ٹھنڈی پڑ رہی ہو۔" ثانیہ حیران ہوئی۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی تو ثانیہ ہنستے ہوئے بولی۔
"ابھی معیز بھائی آئیں گے تو یہ ڈر واڑن چھو ہو جائے گا۔" ثانیہ نے اسے احتیاط کے ساتھ پھولوں سے سجے بستر پر بٹھایا۔
"معیز بھائی نے بیڈ روم میں فوٹو شوٹ سے منع کر دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو۔۔۔ مووی میکر کو بھی نہیں آنے دیا ادھر۔۔۔" ثانیہ بتا رہی تھی۔

اسی اثنا میں زارا پانی کا جگ اور گلاس لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھنے لگی۔ پھر ایہا کے پاس بیٹھی اور اسے پیار کیا۔
"اللہ کرے تم ہمارے گھر کو ہمیشہ خوشیوں سے بھرا رکھو۔" اس نے دل سے دعا دی تو اس کے ساتھ ایہا کی آنکھوں میں بھی نمی اُتر آئی۔
"کیا خیال ہے گھر بھرنے کے لیے پانچ چھ خوشیاں کافی ہوں گی؟؟"
ثانیہ نے ماحول بدلنے کے لیے شرارت سے کہا تو اس کا مطلب سمجھ کر ایہا جھینپ گئی۔ زارا ہنسی تھی۔
"ہاں... دو بچے خوش حال گھرانہ والوں کے موٹو کی ایسی کی تیسی ہو جائے گی۔"
ثانیہ کا ارادہ تو ابھی اور رکنے کا تھا مگر عون کی کال آگئی۔
"شرم کرو... تم تو وہیں چپک گئی ہو اور ادھر ایک شریف بندہ اپنی بیوی سے پہلی ملاقات کے لیے بے چین و بے قرار ہو رہا ہے۔"
عون نے اسے اچھی خاصی سنائی تھیں۔ وہ موبائل آف کر کے ہنستی ہوئی اٹھ گئی۔
"چلو بھئی... جن کی سلطنت ہے' وہ آنا چاہتے ہیں اب۔ ہمیں تو اشارہ مل گیا۔"
زارا اس کا گال تھپتھپاتی اٹھ گئی تو بے ترتیب دھڑکنیں لیے ایہا اکیلی بیٹھی رہ گئی۔
معیز کمرے میں آیا تو اک طمانیت آمیز خوشی نے اس کے پورے وجود کا حصار کر رکھا تھا۔
مسکراتی نظروں سے وہ بیڈ کے وسط میں سر جھکائے ساکت بیٹھی ایہا کو دیکھتا اس کے پاس آبیٹھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں الجھائے وہ سنگی مجسمے کی طرح جامد تھی۔
"السلام علیکم!" معیز نے مسکرا کر کہا تو ایہا نے چہرہ مزید جھکا لیا۔
معیز نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما۔
ٹپ... ٹپ...
وہ چونکا... آنسوؤں کے گرم قطرے اس کے ہاتھ کی پشت پر گرے تھے۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ایہا کا چہرہ اوپر کیا تو وہ رو رہی تھی۔ معیز کا دل تاسف کا شکار ہونے لگا۔
"تم نے مجھے ابھی بھی معاف نہیں کیا ہے...؟"
"نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔"
وہ جلدی سے بولی' مبادا وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔
معیز نے دونوں انگوٹھوں سے اس کے آنسو صاف کیے۔
"تو پھر... یہ آنسو...؟"
"یہ تو بس ایسے ہی..." وہ خجل سی ہو گئی مگر آنسوؤں کو کنٹرول کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آرہا تھا۔ گزرے چار سالوں میں اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ وہ معیز احمد کے دل میں کبھی اپنی جگہ بنا سکے گی۔
"تم نے بہت رو لیا ایہا... میرے بغیر جتنا رونا تھا رو لیا۔ اب میں تمہارے ساتھ ہوں... اور کبھی تمہیں رونے نہیں دوں گا۔"
وہ تیقن بھرے انداز میں بولا تو ایہا کو اس کی ہر ہر بات پہ یقین آنے لگا۔ معیز نے اس کے گرد بازوؤں کا حصار بنایا تو وہ اس کی مضبوط پناہوں میں سمٹ سی گئی۔
اس دنیا کے ہر غم اور ہر دکھ کو بھلائے محبت کی صدا پر لبیک کہتے... ان دونوں پر محبت پر پھیلائے سایہ فگن

تھی۔

☆ ☆ ☆

سفینہ بیگم کو زارا کے مستقبل کی فکر کھائے جارہی تھی۔ رباب کی صورت وہاں زارا کے لیے ایک مستقل ورد سر موجود تھا۔ کیا تھا اگر معیذ یہ بار اپنے سر لے کر زارا کی آزمائش ختم کردیتا۔ سفینہ بیگم کو شکوہ تھا۔ مگر آہ بھر کے رہ جاتیں' معیذ تو ایک طرف رہا خود زارا بے وقوف بھی اپنے مستقبل کے ان مسائل سے لاپروا تھی۔

وہی زارا جو پہلے رباب کو بھابی بنا کر سسرال میں اپنی حیثیت مضبوط بنانا چاہتی تھی۔ اب بھائی اور ایہا "بھابھی" کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبی ایہا کی خوب طرف داری کرتی تھی۔ مگر۔۔۔ جب وہ ایہا کو ڈرا دھمکا کر آئیں تو ان کے دل کو از حد طمانیت ملی جب انہوں نے ایہا کا اپنے رعب کے آگے وہی سابقہ حال دیکھا۔ معیذ کے ساتھ نے اسے نہ تو زبان دراز بنایا تھا اور نہ ہی نڈر۔ وہ ابھی بھی ان کے جوتے تلے آیا کیڑا تھی۔ جسے وہ کبھی بھی مسل سکتی تھیں انہوں نے بڑی طمانیت اور تنفر سے سوچا۔

انسان سوچتے وقت یہ بھول جاتا ہے کہ "تذلیل انسانی" کے منصوبے بنانے والوں کے منصوبے اکثر فیل ہوجایا کرتے ہیں۔

مگر رب کی کرنی نہیں بدلا کرتی۔ اس کا "کن" "فیکون" ہوجایا کرتا ہے۔

تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟؟؟؟

☆ ☆ ☆

ان کا خیال تھا کہ رباب ان کا منصوبہ سن کے خوشی کے مارے اچھل پڑے گی۔ باغ باغ ہوجائے گی مگر وہ تو چلّا اٹھی۔

"کیا۔؟ آنٹی آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ واہ۔ واہ وہ اس لڑکی کو محبوبہ بنا کے رکھے گا اور آپ فلمی ظالم ساس کی طرح ایہا پہ طرح طرح کے ظلم ڈھا کر اسے یہاں سے بھگانے کی سازشیں کریں گی۔"

وہ تند و تیز لہجے میں بولتی چلی گئی تو سفینہ بیگم نے بے اختیار پہلو بدلا۔ ان کے سامنے اپنی اولاد کو بھی اس لب و لہجے میں بولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی کبھی۔

(اگر یہ خبیث لڑکی اس گھر میں آگئی تو کیا کرے گی؟) انہیں بے ساختہ خیال آیا۔

مگر بہر حال فی الوقت تو اپنے سے زیادہ بیٹی کا گھر بچانے کی فکر تھی۔ سو لہجے کو نرم ہی رکھا۔

"تم فکر مت کرو رباب۔ معیذ صرف ہمدردی کے بخار میں مبتلا ہے اور کچھ نہیں۔"

"اسے دوسرے لفظوں میں عشق کا بخار کہتے ہیں آنٹی۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔ تو وہ خفیف سی ہوگئیں۔ تب وہ اطمینان سے بولی۔

"مگر میں نے اچھی طرح سے اس مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔"

وہ چونکیں۔ "کیا۔؟"

"یہی کہ میں آپ کی ہونے والی بہو کو اتنا بدنام کروں گی کہ معیذ کے پاس اسے چھوڑنے کے سوا کوئی آپشن بچے گا ہی نہیں۔"

وہ رباب کے مقابل ہوتیں تو اس سے اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک دیکھ کر جھرجھری لے کر رہ جاتیں۔ اور شاید اسے اپنی بہو بنانے کی خواہش پر نظر ثانی بھی کرلیتیں۔ مگر ابھی چونکہ فون پر تھیں سو حیران ہو کر پوچھ ہی

سکیں۔

"ایسا کیا کردگی تم۔؟" بلاارادہ ہی اعتراف کر گئیں۔ "معیذ اب اس سے متنفر ہونے والا نہیں ہے رباب۔ اس نے بہت آزمائشوں کے بعد اس لڑکی کو پایا ہے۔"

رباب تلملائی۔ (تو کیا میں مفت کا مال تھی اس کے لیے۔؟)

"اور اگر بھری محفل میں کوئی دوسرا مرد آکر آپ کی نام نہاد بہو کا ہاتھ تھام لے اور اپنے عشق کے قصے سنائے تو۔؟"

رباب نے چہکتی آواز میں کہا تو لحہ بھر کو وہ خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے ایبہا کو گھر سے نکالنے کے بہت سے طریقے سوچے تھے وہ اسے بد کردار بھگوڑی ماں کی بیٹی تک کہتی تھیں' مگر اس طرح سے اسے بد کردار ثابت کرنے کا انہوں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔ تب ہی بے ساختہ بولیں۔

"معیذ بے وقوف نہیں ہے رباب۔! جو لڑکی جائیداد کا حصہ لے کر بھی معیذ کو چھوڑ کر نہیں گئی اس کے فرضی عشقیہ قصے پر وہ یقین نہیں کرے گا۔"

"مگر ے گا آنٹی! ضرور کرے گا۔" وہ پُراسرار انداز میں مسکرائی۔ پھر گویا دھماکا کیا۔

"اور اس معاملے کو ہوا دیں گی آپ۔"

"مم۔ میں۔؟" وہ اس اچانک افتاد پر گڑبڑائیں۔ "میں کیسے۔؟"

"معیذ اس پر جتنا بھی اعتماد کا اظہار کرے آپ ایسی بد کردار بہو کو اپنانے سے انکار کر دیجیے گا اینڈ ڈیٹس آل۔ اتنے سارے لوگوں کے درمیان تو ویسے بھی معیذ کی بولتی بند ہو جائے گی۔ ایسی سچویشن دیکھ کر۔"

آواز سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ اپنے منصوبے پر اٹل ہے اور محظوظ بھی ہو رہی ہے۔

سفینہ بیگم ہچکچائیں۔ "تم صبر کر جاؤ تو میں معیذ کو اسے طلاق دینے پر مجبور کر دوں گی رباب۔"

"مگر مجھے برتا ہوا مرد نہیں چاہیے۔" رباب نے سرد اور قطعی لہجے میں جو الفاظ کہے انہوں نے لحہ بھر کو سفینہ بیگم کو سنسنا دیا۔

(یہ ایک کنواری لڑکی کا انداز گفتگو تھا کیا؟)

"آپ بس خاموشی سے تماشا دیکھیں۔ اور وقت آنے پر بس اپنا کردار نبھائیں۔ باقی ساری ٹینشن میرے لیے رہنے دیں۔"

وہ اپنے ہلکے پھلکے انداز میں لوٹتے ہوئے بولی تھی۔ ان کے لیے اب یہ منصوبہ چاہے ناقابل قبول تھا مگر اندر سے تو وہ بھی ایبہا سے چھٹکارا چاہتی تھیں' سو مان ہی گئیں' ضمیر کو بھی تاویل دے کر بہلا دیا۔

کون سا میں یہ سب کر رہی ہوں۔ میرا کام تو ساری صورت حال پر ردعمل ظاہر کرنا ہے اور بس۔

"اور وہ مرد کون ہو گا جو یہ ڈرامہ کرے گا۔؟" انہوں نے برسبیل تذکرہ پوچھا۔

"وہ آپ فکر مت کریں۔ میرا ایک بہت اچھا دوست ہے۔" سفینہ بیگم کو نیم رضامند پا کر۔ رباب کی آواز میں کھنک سی اتر آئی تھی۔ جبکہ وہ تو لفظ۔

"دوست" پر ہی اٹک گئیں۔

(اتنا گہرا دوست کہ ایسے منصوبے میں حصہ دار بنا لیا؟)

مگر جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو آنکھوں کے ہوتے بھی انسان اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔ سفینہ بیگم بھی اسی صورت حال کا شکار تھیں۔

"اب جو بھی کرنا ہے' وہ ہم دونوں کو مل کر کرنا ہوگا آنٹی... آپ گھبرائیں مت۔ بس آپ کو موقع پر میرا ساتھ دینا ہے اور بس..."

"بات بگاڑ مت دینا رباب۔"

"آپ بے فکر رہیں آنٹی! اب ہی تو صحیح معنوں میں بات بنے گی۔" رباب کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"اتنی بدنامی ہوگی آپ کی بہو رانی کی... کہ معیز کے پاس اسے چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا۔" اور یہ خیال چاہے سفینہ کے لیے خوش کن ہی سہی کہ وہ ایبہا سے چھٹکارہ پا سکتی ہیں' ان کا دل بہت سے اوہام کا شکار تھا' مگر ایبہا کے لیے یہ گڑھے کھودنا بہت ضروری تھا۔ ورنہ تو کل کو وہ ان کی راجدھانی کی ملکہ بن بیٹھتی۔

انہوں نے اندر ہی اندر خود کو تاویلیں دے کر ضمیر کو تھپتھپایا تھا۔

دوسروں کے لیے گڑھے کھودنے والوں کے نصیب میں بھی خدا عموماً "وہی راستہ لکھ دیا کرتا ہے۔ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو... کبھی نہ کبھی وہ خود بھی اس راستے پہ ضرور آنکلتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک بے حد روشن' البیلی اور متوالی سی صبح تھی۔

ایبہا کی زندگی کی سب سے خوب صورت اور روشن صبح۔

معیز واش روم میں تھا۔ وہ خشک ہوتے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹے کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ نیچے وسیع لان میں پھولوں کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی' آج تو سورج سوا نیزے پر بھی ہوتا تب بھی ایبہا کے لیے یہ ایک جگمگاتی حسین ترین صبح تھی۔

وہ سحر زدہ سی ہواؤں کی پھولوں کے ساتھ اٹھکھیلیوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب معیز نے آہستگی سے آ کر اسے بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

لمحہ بھر کو وہ ہڑبڑا سی گئی۔

"کیا دیکھا جا رہا ہے؟"

وہ مسکرایا... ایبہا کے ہونٹوں پر بھی شرمگیں سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زندگی..." اس کا جواب بھرپور تھا۔

معیز نے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے اسے گھما کر اپنی طرف کیا۔

"تو پھر باہر کیا دیکھ رہی ہو... میری آنکھوں میں دیکھو۔"

شرارت سے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"خوش ہو بیا...؟" معیز کے دل کا ایک کونا شاید ہمیشہ کے لیے مضطرب رہنے والا تھا۔

"ہوں..." اس نے بچوں کی طرح معصومیت سے اثبات میں سر ہلایا۔ تو معیز نے اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیے۔ ایبہا کے دل میں سکون سا اتر گیا۔

"جو بھی ہوا' اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا معیز... یہ زندگی کے گزرنے کا ڈھنگ ہے اور ان طے شدہ راستوں پر سے ہر ایک نے گزرنا ہی ہے... مجھے حال میں جینا پسند ہے اور یہ اٹل حقیقت ہے کہ اس میں آپ میرے ساتھ ہیں۔ تو پھر میں خوش کیوں نہ ہوں گی۔"

اس کے مان بھرے لمس نے ایمہا کو بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ارے۔۔۔" معیز ہنسا۔۔۔ پھر شرارت سے بولا۔
"میں تمہاری زبان چیک کروانے کا سوچ رہا تھا ڈاکٹر سے۔۔۔ مگر تم تو اچھا خاصا بول لیتی ہو۔"
ایمہا نے خفیف سا ہو کر اس کے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔ تو معیز بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

معیز اور ایمہا ولیمے کی تقریب میں اس قدر مکمل اور ایک دوسرے کے جوڑ کے لگ رہے تھے کہ ہر ایک نے ان کی تعریف کی۔
سفینہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بہو بیٹے کی تعریفیں سن کے خوش ہوں یا جلیں کڑھیں۔
فی الوقت تو ان کا دل رباب کے پلان میں اٹکا ہوا تھا۔
انہوں نے دور سے ایک گہری نگاہ اسٹیج پر ڈالی۔ معیز کے ساتھ شرمیلی سی مسکراہٹ لیے بیٹھی ایمہا آج ہمیشہ سے زیادہ پُراعتماد لگ رہی تھی۔
ان کا دل غم و غصے سے بھر گیا۔ آج یہاں آنے سے پہلے وہ لحہ بھر کو ایمہا کے پاس رکیں، جب وہ اکیلی تھی۔
"آج دیکھنا۔۔۔ جو ذلت کی سیاہی تمہارے منہ پہ مل جائے گی۔ میرا بیٹا تھوکے گا بھی نہیں تم پر۔۔۔" انہوں نے زہریلے انداز میں کہا تو ایمہا گنگ رہ گئی تھی۔
بارات آئی تو معیز اور ایمہا بھی اسٹیج سے اُتر آئے۔ زارا دلہن کے کمرے میں بالکل تیار بیٹھی تھی۔ چونکہ نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے کوئی افراتفری نہیں تھی۔
ایمہا نے معیز کا بازو تھاما۔ تو وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"میں۔۔۔ زارا کے پاس چلی جاؤں۔"
وہ سب کے بیچ معیز کی وارفتہ نگاہوں سے نروس ہوئی جا رہی تھی۔
"اور اسے یوں ہی چھوڑ جائیں گی۔ شتر بے مہار۔" عمر کی سماعت تیز تھی۔ اس نے لقمہ دیا تو ایک قہقہہ پڑا۔
"شٹ اپ۔۔۔" معیز ہنسا تھا۔
"چلو۔۔۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔"

اس نے ایمہا کا ہاتھ تھاما تو سب نے ہاؤ' ہو کا شور مچا دیا۔ معیز تو خیر عادی تھا مگر ایمہا کو شرم بھی آ رہی تھی اور ہنسی بھی۔
وہ اسے دلہن کے کمرے تک چھوڑ کر واپس پلٹ گیا تو ایمہا اطمینان کی سانس بھرتی اندر آ گئی۔
"شکر ہے۔۔۔ کوئی تو آیا ادھر۔۔۔ سب بارات دیکھنے بھاگ گئیں۔"
اسے دیکھ کر زارا نے شکر ادا کیا تھا۔
"بہت خوب صورت لگ رہی ہو زارا۔۔۔" ایمہا نے دل سے تعریف کی تو وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ صاف گوئی سے بولی۔
"مگر تم سے کم۔"
"ارے نہیں۔۔۔" ایمہا خجل سی ہو گئی۔
"سفیر بھائی بھی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" جلدی سے کہا تو زارا مسکرائی۔

"ہاں۔۔۔ وہ ضرور لگ رہے ہوں گے۔"

باہر دودھ پلائی کی رسم ہو رہی تھی تو ہر کوئی اسٹیج پر چڑھا ہوا تھا۔

سفینہ بیگم تفکر کا شکار ہر جگہ ایبہا کو تلاشتی پھر رہی تھیں۔

وہ نہ ملی تو رباب کا پلان کیسے پورا ہو گا۔ یہیں ہال میں معیز کے ساتھ ہونا چاہیے تھا اسے۔

انہوں نے دیکھا۔ معیز اکیلا ہی سب کزنز کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھا۔

انہیں کچھ خیال گزرا تو وہ تیزی سے دلہن کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئیں تو اندر کا عجیب سا ماحول دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

اندر زارا اکیلی نہیں تھی۔ رباب اور اس کی امی بھی تھیں۔ زارا کے تاثرات عجیب سے تھے۔ ماں کو دیکھ کر وہ تیر کی تیزی سے لپک کر ان سے چمٹ گئی۔

"ماما۔۔۔!" اس کے آنسو بہنے لگے تو وہ پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا میری جان۔۔۔ زارا کچھ بتاؤ تو۔۔۔"

انہوں نے تفکر سے باری باری رباب اور مسز احسن کی طرف دیکھا۔

پھر دوبارہ چونک کر رباب کو۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور ہونٹوں پر پُراسرار سی مسکراہٹ تھی۔

"میں بتاتی ہوں آنٹی۔۔۔ آپ کی بیٹی نے اپنے کسی پرانے واقف کار کو یہاں اکیلے میں ملنے کے لیے بلایا ہوا تھا۔"

رباب نے گویا دھماکا ہی کر دیا تھا۔ آن واحد میں جیسے سفینہ بیگم کے سر پہ چھت آگری۔

تب انہوں نے پہلی بار ایک طرف کھڑے چہرے پر خبیث مسکراہٹ سجائے شخص پر نظر ڈالی۔ جو بڑے اعتماد سے کھڑا تھا۔ ان کا دماغ سنسنانے لگا۔

رباب نے کہا تھا کہ یہ شخص میرج ہال میں سب کے سامنے جا کر ایبہا کے ساتھ اپنے افیئر اور ایبہا کی بے وفائی کا اعلان کرے گا۔۔۔ تو پھر غلطی کیسے ہوئی تھی؟ کسی کی بیٹی کی جگہ ان کی بیٹی کیسے بدنام ہونے لگی تھی؟

کیا یہی قانون قدرت تھا؟ اتنی جلدی وہ گڑھوں والے راستے پر نکل آئی تھیں؟ وہ گڑھے جو انہوں نے ایبہا کے لیے کھودے تھے۔

"یہ کیا بکواس ہے رباب۔۔۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

ان کی آواز مارے صدمے اور غم و غصے کے پھٹ سی گئی۔

انہوں نے سراسیمہ ہو کر مسز احسن کو دیکھا۔ ان کی رنگت بھی فق تھی۔ انہیں تو رباب لے کر آئی تھی کہ دیکھیں یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے۔

"جھوٹ یہ نہیں، آپ کی بیٹی بول رہی ہے۔" سیفی نے اطمینان سے کہا۔

زمین کانپ رہی تھی اور آسمان ان پہ گرنے کو تھا۔ ان کے پورے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا۔

وہ رباب کا کھیل سمجھ گئی تھیں۔ وہ محض معیز سے بدلہ نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ اس گھر سے منسلک ہر رشتے کو اپنے خاندان سے کاٹ پھینکنا چاہتی تھی۔

اور ایک اور لرزتا کانپتا وجود اسی کمرے کے اٹیچ باتھ روم میں دروازے کے ساتھ لگ کے کھڑا تھا۔

سیفی کی نفرت انگیز آواز نے ایبہا کو کیا کیا یاد نہیں کروا دیا تھا۔ بے بس و معصوم لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کرنے والا آج زارا کی زندگی سے خوشیاں چھیننے والا تھا۔

"ماما۔۔۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔۔ میں تو اسے جانتی تک نہیں' ایک دم سے روم میں آگیا یہ۔۔۔"
زارا روتے ہوئے اپنی صفائی دے رہی تھی۔
دفعتاً" ایبہا کو خیال آیا کہ وہاں کیا ہونے والا تھا۔
"میں بھائی کو بلا کے لاتی ہوں۔"
رباب کی پُرسکون آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کے وجود پہ طاری لرزہ تھم گیا۔ زارا کی زندگی بربادی کے راستے پہ چل پڑی تھی۔
رباب نے سفیر کو کال کردی تھی اور فی الفور برائیڈل روم میں آنے کا کہا تو پریشانی کے عالم میں معیذ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔
"خدا گواہ ہے آنٹی! میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔ میں بے گناہ ہوں۔" زارا اب سفیر کی امی کو یقین دلا رہی تھی۔
ایبہا ایک دم سے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے لرزتے ہاتھ سے دروازہ کھول کے باہر نکلی۔
"زارا ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔۔ یہ اس آدمی کو نہیں جانتی مگر میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"
اس نے مضبوط اور اونچی آواز میں کہا تو سب کے ساتھ بے اختیار سیفی بھی اس کی طرف گھوم گیا۔ حیرت و بے یقینی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"یہ سفیان حمیدی ہے۔۔۔ سیفی۔۔۔ ہے نا؟"
وہ سفینہ بیگم کے بالکل ساتھ آکھڑی ہوئی اور اب بڑے اعتماد سے سیفی سے پوچھ رہی تھی۔
"یہ لو۔۔۔ یک نہ شد دو شد۔۔۔ بیٹی تو بیٹی۔۔۔ بہو بھی۔۔۔" رباب ترخ کر کہنے لگی تھی کہ سفینہ بیگم اونچے سخت لہجے میں اسے ٹوک گئیں۔
"بکواس مت کرو رباب! میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں تمہاری چال کو۔۔۔"
"آپ بے فکر رہیں آنٹی! یہ زارا سے نہیں مجھ سے ملنے آیا ہے۔ زارا تو اسے جانتی بھی نہیں۔"
مسز احسن سے کہتے ایک پل میں ہی ایبہا نے زارا کو ہر الزام سے بری کردیا تھا۔ رباب کا چہرہ نفرت سے سیاہ پڑنے لگا۔
اسی وقت دروازہ کھلا اور تیزی سے سفیر اور معیذ آگے پیچھے اندر داخل ہوئے اور اتنی دیر سے کلائمکس کا انتظار کرتا سیفی تو معیذ احمد کو وہاں دیکھ کر ہی بوکھلا گیا۔
رباب نے کہا تھا کہ بس وہ سفیر کو یقین دلادے کہ زارا سے اس کا پرانا افیئر تھا اور آج وہ اس سے آخری بار ملنے آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کام ختم ہوجاتا۔
مگر پہلے ایبہا مراد اور اب معیذ احمد۔۔۔ سیفی کا تو سر ہی چکرانے لگا۔
"تم۔۔۔" معیذ کے سر پہ تو حیرت کا آسمان ٹوٹ پڑا سیفی کو وہاں دیکھ کر۔
"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ غلطی سے شاید اس روم میں آگیا تھا۔" سیفی ہڑبڑایا اور واپس پلٹنے کو تھا' جب معیذ نے اسے دانت پیستے ہوئے کالر سے پکڑ کے کھینچ لیا۔
مسز احسن نے تیزی سے سارا واقعہ کہہ سنایا تو اس کے بعد معیذ نے سرد مہری سے کہا۔
"یہ بدبخت وہی ذلیل آدمی ہے آنٹی! جس نے ایبہا کو کڈنیپ کیا تھا۔ بدمعاشی اور عیاشی کا اڈہ چلانے والا۔"
سفینہ بیگم کو جھٹکا سا لگا۔ وہیں رباب کی رنگت بھی سفید پڑ گئی۔ ایراز اور عمر بھی وہاں آپہنچے تھے۔

معیز نے طیش کے عالم میں سیفی کو اچھی خاصی لگا دیں۔ رباب دیوار سے پشت لگائے پھٹی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"میں کوئی اڈہ نہیں چلا رہا۔۔۔ غلطی سے اس روم میں آگیا تھا۔"

وہ اپنی بات پہ ڈٹا ہوا تھا۔ رباب ادھ موئی ہوئی جارہی تھی۔۔۔ اگر اب وہ رباب کا نام لے لے تو۔۔۔

مگر شاید سیفی کو اب بھی یقین تھا کہ رباب کسی کی بات کا یقین نہیں کرے گی۔ اس لیے اس نے فی الحال تو مار کھا کے بھی رباب کا حوالہ نہیں دیا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بہن اور میری بیوی پہ الزام تراشی کرنے کی۔"

معیز کا غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ عمر نے اسے سنبھالا۔

"میں اور ایراز اسے دیکھ لیتے ہیں۔ تم سفیر کو لے کے باہر جاؤ۔ مہمان بھرے پڑے ہیں۔ سو طرح کی باتیں بنیں گی۔"

سیکورٹی گارڈ کو بلوا کر ایراز اور عمر نکلنے کو تھے' جب عون بھی پریشان سا وہاں چلا آیا۔ سیفی کو وہاں دیکھ کر اس کو بھی حیرت نے گھیر لیا۔ ایراز اسے تفصیل بتانے لگا۔

مسز احسن نے آگے بڑھ کے زارا کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکنے لگی۔

سب سے بری حالت رباب اور سفینہ بیگم کی تھی۔

"دیکھ لوں گا میں تم سب کو۔۔۔" سیفی بکواس کرتا دھمکیاں دیتا ان کے ہمراہ گیا تھا۔

معیز نے زرد رنگت لیے خاموش کھڑی ایہا کو جا کر بازو سے تھاما تو وہ اس کے شانے سے آلگی۔

معیز کو پتا تھا اتنی سی دیر میں اس پر کیا قیامت بیت گئی ہوگی۔۔۔ مگر نہیں۔

اصل قیامت جو آئی اور آکر گزر گئی۔ اس کا پتا صرف رباب' سفینہ بیگم اور ایہا کو تھا۔

"چلو بھئی۔۔۔ اب دیر مت کرو۔ میری بیٹی کو لے جا کر اسٹیج پر بٹھاؤ۔ یہاں تو سیکیورٹی کا انتظام ہی بہت ناقص ہے۔ اللہ کا شکر کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

مسز احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ عون نے ثانیہ کو بھیجا تھا۔ وہ آکر ایہا کی طرف بڑھی۔

"تم ٹھیک ہو ایہا۔۔۔"

"ہوں۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

مسز احسن اور ثانیہ زارا کو باہر لے گئیں۔ رباب میں تو اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ اپنی جگہ سے ہل سکتی۔ ماں کے کہنے پر بھی یوں ہی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی رہی تو وہ اس کی بعد میں گوشمالی کرنے کا سوچ کر چلی گئیں۔

"ریلیکس ایہا۔۔۔ پہلے تو وہ بچ گیا تھا مگر اب دیکھنا لمبی سزا دلواؤں گا۔ اس خبیث انسان کو۔۔۔ تاکہ آئندہ کسی لڑکی کی زندگی برباد نہ کرسکے۔"

معیز اس کا ہاتھ تھامے تسلی دے رہا تھا۔ پھر بازو پھیلا کر سفینہ بیگم کو بازو کے گھیرے میں لیا تو ان کا جی چاہا اونچی آواز میں رو دیں۔

اتنا بین کریں کہ اس کمرے کی دیواریں اور چھت ان پر آگریں اور وہ یہیں دب کر مرجائیں۔

"تم چلو۔۔۔ میں آرہی ہوں۔"

انہوں نے معیز سے نگاہ ملائے بغیر کہا تو وہ مسکراتے ہوئے ایہا کو لے کر باہر نکل گیا۔

سفینہ بیگم نے نفرت بھری نظروں سے رباب کو دیکھا۔

"آج تمہاری بدکرداری نے میری آنکھوں پہ بندھی پٹی اتار دی رباب! اور تمہاری بدکرداری نے ہی میری بہو کا کردار بھی مجھ پر عیاں کردیا۔"

ان کی آنکھوں میں یکایک آنسو بھر آئے۔

انہیں خیال آیا کس طرح ایبھا نے ان کی بیٹی کی بدنامی کو اپنے سر لینے کی کوشش کی تھی۔

"اور میں سوچتی رہی کہ ایبھا کو صرف گھر توڑنا ہی آتا ہے۔ گھر تو تم جیسی لڑکیاں بساتی ہیں۔۔۔ مگر میں غلطی پر تھی۔۔۔ اور وہ بھی اتنی فاش غلطی۔۔۔" وہ حقارت سے اسے دیکھتی باہر نکل گئی تھیں۔

رباب پھوٹ پھوٹ کر روتی وہیں دیوار کے ساتھ لگ کے بیٹھتی چلی گئی۔

قسمت نے آج کیسے اسے دو خاندانوں میں رسوا ہونے سے بچایا تھا۔۔۔ وہ لرز سی گئی۔

اور سیفی۔۔۔ معیز احمد کو ٹھوکر مار کر وہ سیفی کے ساتھ تفاخر سے رخصت ہونے کے خواب دیکھ رہی تھی اور وہ کیا نکلا۔ لڑکیوں کی فروخت کا کاروبار کرنے والا۔

آج پھر ایبھا مراد فرسٹ پوزیشن لے گئی تھی۔ رباب نے حسرت سے سوچا۔ فی الوقت تو اس کا اپنا نقصان اتنا بڑا تھا کہ وہ کسی اور کے متعلق نفرت انگیز۔۔۔ انداز میں سوچ بھی نہیں پا رہی تھی۔ بعد میں شاید اپنی فطرت سے مجبور ہو کر وہ اسی نہج پہ دشمنی پال لیتی مگر فی الحال تو جس قیامت سے بچی تھی اسی کا خیال اسے لرزا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

زارا خیر و عافیت سے اپنے گھر رخصت ہو گئی مگر جو قیامت ان کے گھرانے کو چھو کر گزری تھی۔ اس کی حقیقت سے سفینہ بیگم ہی واقف تھیں۔

ایبھا کے لیے کھودے گڑھے میں ان کی اپنی بیٹی گر گئی۔ اس پر مستزاد ہاتھ بڑھا کے نکالا بھی ایبھا نے ہی تھا۔ وہ ماں ہو کر بھی اس پل اپنی بچی پر سے وہ داغ اتار نہ سکتی تھیں جو ایبھا نے آرام سے اپنی ذات پر سجا لیا۔ فقط اس گھر کی عزت بچانے کے لیے۔

ساری رات وہ گھٹ گھٹ کر روتی رہیں۔ اللہ سے معافی کی طلب گار رہیں۔

صبح تک وہ بخار میں پھنک رہی تھیں۔

ایبھا سے بے بنیاد نفرت نے انہیں اتنا گھٹیا پن اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جسے ہر وقت بھگوڑی ماں کی گھٹیا تربیت کے طعنے دیتی رہتی تھیں اور رباب۔۔۔ ایک باعزت گھرانے اور بہترین ماحول میں پرورش پانے والی۔ سفیر احسن کی بہن۔۔۔ انسان کا کردار اس کی فطرت کی بنیاد پر بنتا ہے۔ اگر فطرت اچھی ہو تو ڈاکو کا بیٹا مولوی اور اگر فطرت بری ہو تو مولوی کا بیٹا ڈاکو بن سکتا ہے۔

مگر سفینہ بیگم کو کڑے تجربے کے بعد یہ علم حاصل ہوا تھا۔ شام کو زارا کے ولیمہ کا فنکشن تھا۔

ڈاکٹر گھر آ کے سفینہ بیگم کو چیک کر کے۔۔۔ دوائیں دے کر گئی تھی۔

ایراز اور عمر کمرے میں تھے۔ ممانی جان ادھر ادھر کی باتوں سے ان کا دل بہلا رہی تھیں۔ معیز ابھی کمرے میں آیا تھا۔

"شام تک بالکل ٹھیک ہو جائیں آپ۔۔۔ زارا پریشان ہو جائے گی وہاں۔۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ تو سفینہ۔۔۔ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

چار سالوں سے وہ معیز کے ہنسنے مسکرانے کی دعائیں مانگ رہی تھیں مگر جب اس نے مسکرانا سیکھا تو سفینہ

بیگم کو اچھا نہیں لگا۔ تف ہے مجھ پہ۔۔۔ وہ دل ہی دل میں کڑھیں۔
انہیں آزردہ دیکھ کروہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "یقیناً" وہ سیفی والے معاملے کو لے کر اتنی حساس ہو رہی تھیں۔
"ڈونٹ وری ماما! وہ صرف ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ کمینہ انسان اب سالوں جیل میں سڑے گا۔ کافی کیس ڈلوائے ہیں اس پہ۔۔۔"
"تم نے کہا تھا وہ گھر کو بنانے اور جوڑنے والی ہے۔۔۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے، بہت مختلف ہے۔"
وہ رندھے لہجے میں بولیں تو معیز حیران سا انہیں دیکھنے لگا۔ سب ہی ان کی طرف متوجہ تھے۔
وہ یقیناً "ایمہا" کی بات کر رہی تھیں۔
"تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا معیز۔۔۔ کل اس نے ہمارے گھر کی عزت بچالی۔"
وہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔
"میری بیٹی پہ لگنے والا الزام اپنے سر لے لیا اس نے اور اس نے بتا دیا کہ شریف گھرانے کی بہو بیٹیاں کیسی ہوتی ہیں۔"
انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ تو معیز نے سنجیدگی سے کہا۔
"اس نے جو کیا وہ اس کا فرض تھا ماما۔ آپ دل پہ بوجھ مت رکھیں۔" معیز کا انداز ایسا ہی تھا جیسے انہیں ذہنی پریشانی سے بچانے کی خاطر بہلا رہا ہو۔
مگر سفینہ بیگم کا دل تو مستقل جیسے مٹھی میں آیا ہوا تھا۔ وہ جب بھی اپنے اور رباب کے بنائے گھٹیا منصوبے کی بابت سوچتیں تو ان کی تڑپ میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔ زارا کی بخیر و عافیت رخصتی کے بعد سے انہوں نے ایک پل بھی چین نہ پایا تھا۔
"اے متکبر انسان۔۔۔! اے خاک اور نطفے سے پیدا ہونے والے متکبر انسان! اگر تو اپنی زندگی کی "بنیاد" پر ہی غور کر لے تو تیری ساری اکڑ عاجزی میں بدل جائے۔ مگر نہیں۔ ہم اکثر اپنی ان خوبیوں پر بڑا اتراتے ہیں جن کے ہونے میں ہمارا کوئی کمال ہی نہیں۔ جو سب اس رب ذوالجلال کی نوازی ہوئی ہیں تو بجائے اس کا شکر ادا کرنے کے ہم اس کی (نعوذ باللہ) خصوصیت اپنانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ تکبر صرف اس ذات کریمی کو زیب دیتا ہے۔ جس نے اپنے جاہ و جلال پر اپنی رحمت کو حاوی کر رکھا ہے۔"
سفینہ بیگم کی آنکھیں بھی زوردار ٹھوکر کھانے کے بعد کھلی تھیں۔ انسان جس کے سامنے غرور و تکبر کے مظاہرے کرتا ہے اللہ اکثر اسی کے سامنے انسان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔ تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟
سفینہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔ اللہ نے ان کی عزت اس کے ذریعے رکھی تھی جسے وہ عزت کے قابل سمجھتی ہی نہ تھیں۔ اللہ کو انسان سے ناک رگڑوانا آتا ہے۔ اپنے مقرر کردہ دائرے سے باہر نکلتی سفینہ اور رباب کو پلٹ کر دائرے میں پٹخا گیا تھا۔
"اسے بلاؤ معیز۔۔۔! اس کا بہت قرض ہے مجھ پر۔" وہ رو رو کر تھک سی گئیں۔
ممانی جان کے اشارے پر وہ جا کر کچن میں سوپ بناتی ایمہا کے پاس کھڑا ہوا۔
"میں بس دو منٹ میں لا رہی تھی۔" وہ بہ عجلت باؤل اور چمچ صاف کر کے ٹرے میں رکھتے ہوئے بولی۔ مہندی سے رچے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔
"آنٹی غصے میں تو نہیں۔۔۔؟" وہ ذرا جھجکی۔
"تم نذیراں سے کہتیں۔ خود کیوں بنانے کھڑی ہو گئیں۔" معیز نے اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو تھاما اور

الگ ہی بات کی تو وہ جھینپ کر مسکرادی۔
"یونہی۔ میں نے سوچا شاید آنٹی کو اچھا لگے۔"
"بہت اچھا لگے گا۔" معیذ زور دے کر بولا تو ایہا خفیف سا مسکرادی۔ اور اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ اور باؤل میں سوپ نکالنے لگی۔
"ماما تمہیں بلا رہی تھیں۔" ایہا ٹھٹکی۔ پھر ہاتھ روکا اور چہرہ موڑ کر معیذ کو دیکھا اس نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر شانے اچکا دیے۔
"وہاں سب ہوں گے ان کے پاس؟" ایہا نے جھجک کر پوچھا۔ (اکیلے میں بے عزتی برداشت ہو جاتی تھی مگر یوں سب کے سامنے عزت اتارنا۔) اسے جھرجھری سی آئی۔
معیذ کے پیچھے سوپ کا پیالہ لیے وہ ڈری سہمی سی کمرے میں آئی۔ تو سفینہ بیگم کے ذہن میں اس کی گم شدگی والا دن لہرا گیا۔ جب انہوں نے کھانے کے برتن اٹھا کے اسے دے مارے تھے۔ اور اسی رات زارا کے کہنے پر محض ان کے سکون کی خاطر وہ تن تنہا گھر سے نکل گئی تھی۔
شاید ایہا کے ذہن میں بھی کچھ ایسا ہی خیال ہو جب ہی وہ شکل ہی سے سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔
"ادھر آؤ۔" سفینہ بیگم نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی تو وہ سائیڈ ٹیبل پر سوپ کا پیالہ رکھتی ان کے پاس آ بیٹھی۔
دل میں ایک وہم سا بدستور موجود تھا۔ سفینہ بیگم کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ مگر یہ کیا۔؟ ایہا حیرت سے مرنے کو ہو گئی۔

انہوں نے دفعتاً" اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔
"مجھے معاف کر دو ایہا۔"
وہ ششدر تھی مگر ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے ان کے بندھے ہاتھ تھام کے کھول دیے۔
"مجھے گناہ گار مت کریں آنٹی۔!" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔
"گناہ گار تو میں ہوں۔ اب تلافی کا طریقہ تم بتا دو۔" وہ رونے لگیں۔
کتنی کمینگی اور گھٹیا پن دکھا چکی تھیں وہ اس کامنی سی لڑکی کو۔ مگر اب غرور و تکبر کا بت پاش پاش ہو چکا تھا۔
ایہا نے ان کے ہاتھ تھامے ہوئے بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھ کر سادگی سے کہا۔
"بس! مجھے اپنی بیٹی کہہ دیں۔ ماؤں کی ہر کوتاہی اپنے آپ معاف ہو جایا کرتی ہے۔"
روتی آنکھوں سنگ اس نے اتنی پیاری بات کہی تھی کہ سفینہ نے کھینچ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اور رونے لگیں۔ باقی سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
صبر اور شکر۔ کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔ ایہا بھی ان ہی دو ہدایتوں کو تھامے آج منزل پر شاداں و فرحاں پہنچ گئی تھی۔ غم و اندوہ کے سائے کہیں دور رہ گئے تھے۔
اور ایہا کو دیکھتے معیذ کا دل اپنے رب کے حضور سجدۂ شکر بجا لایا۔ ایہا اس کی زندگی میں قبول ہونے والی وہ مبارک دعا تھی جو اس نے مانگی ہی نہ تھی۔ مگر جانے کس نیکی کے صلے میں معیذ کی جھولی میں انعام کے طور پر ڈال دی تھی
سفینہ بیگم کے گلے لگی ایہا نے بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ معیذ کو دیکھا تو وہ بھی خوش دلی سے مسکرا دیا۔ کہ اب ان کی زندگی پر غم اور غلط فہمیوں کا سایہ تک نہ تھا۔

☆